سلطان
نور الدین
زنگی
الماس ایم اے

سلطان
نورالدین زنگی

Marfat.com

Marfat.com

ایک تاریخی ناول

سلطان نور الدین زنگی

الماس ایم اے

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

98263

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	ٹیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2010ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلاسکس کمپیوٹرز
قیمت	:	-/600 روپے

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

Marfat.com

نوٹ: یہ کتاب ماہنامہ نیا رخ میں قسط وار شائع ہو چکی ہے اور جناب مشتاق احمد قریشی کی اجازت سے شائع کی جا رہی ہے۔

(الماس ایم۔ اے)

Marfat.com

Marfat.com

مارِ آستین

قلعہ جعبر کے محاذ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

موصل کے مرد آہن امیر عماد الدین زنگی کو رات خیمے میں سوتے ہوئے اس کے دو غلاموں نے قتل کر دیا تھا۔ ایک کا نام یار کتش تھا اور دوسرا جبار تھا۔ یار کتش امیر زنگی کا خواجہ سرا غلام تھا۔ یہ امیر کا بہت منہ چڑھا تھا پھر اسی نے امیر کے قتل کی سازش میں نمایاں حصہ لیا۔

دوسرا غلام جبار ایک عیسائی لڑکی امروزیہ پر عاشق تھا۔ امروزیہ کے بھائی اور باپ جنگ الرہا میں امیر الدین زنگی کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اس نے جبار سے یہ کہا تھا کہ میں تجھ سے اس وقت شادی کروں گی جب تو امیر عماد الدین زنگی کو قتل کر کے میرے باپ بھائی کا بدلہ لے گا اور وہ نادان اپنے نادان عشق کی بھینٹ چڑھ گیا۔ یار کتش' جبار اور امروزیہ نے سازش کی اور ایک رات امیر کے خیمے میں داخل ہو کر اسے سوتے میں قتل کر دیا۔ مگر یار کتش اور جبار کو فوراً ہی اس کی سزا مل گئی۔ وہ قتل کے بعد خیمے سے نکل رہے تھے کہ عماد الدین زنگی کے وزیر امیر اسد الدین زنگی کے ہاتھوں مارے گئے۔ امروزیہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر کسی طرف نکل گئی۔

امیر عماد الدین زنگی کے قتل کا متضاد رد عمل ہوا۔

شام کی تمام عیسائی ریاستوں یعنی انطاکیہ۔ طرابلس اور یروشلم میں چراغاں ہوا۔ لاطینی زبان میں امیر موصل کے خلاف لمبی چوڑی نظمیں لکھی گئیں جس میں امیر کو دھوکہ باز دغا باز۔ احسان فراموش اور ظالم وحشی کہا گیا حالانکہ امیر نے نہ کسی کو دھوکہ دیا تھا اور نہ احسان فراموشی کی تھی۔ اچانک حملہ آور ہونا امیر کی ایک اہم جنگی چال تھی جس سے وہ اکثر کام لیا کرتا تھا۔ جعبر کے قلعہ پر اس نے بھلاوا دے کر حملہ کیا تھا لیکن کاتب تقدیر نے اس کی زندگی کی گھڑیاں مختصر کر دی تھیں اس لئے وہ قلعہ جعبر اور اس کے بعد دمشق پر قبضہ نہ کر سکا۔

امیر موصل عماد الدین زنگی کو احسان فراموش بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ کسی کا احسان ادھار نہیں رکھتا تھا۔ صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب نے اس پر ایک

Marfat.com

ایسے وقت میں احسان کیا تھا جب امیر موصل اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا تھا۔ اس گھڑی اگر نجم الدین ایوب اس کی بے لوث خدمت پر آمادہ ہو کر اسے اور اس کے لشکر کو اپنے قلعہ تکریت میں پناہ نہ دیتا تو پتہ نہیں امیر زنگی پر کیا گزر جاتی۔ حالات درست ہونے پر جب امیر زنگی وہاں سے واپس ہوا تو اس نے کھلے دل سے نجم الدین ایوب کو موصل آنے کی دعوت دی تھی۔ نجم الدین اس پیش کش سے فوری فائدہ تو نہیں اٹھا سکا لیکن جب اسے امیر زنگی کی مدد کرنے کی پاداش میں تکریت سے صرف بارہ گھنٹے کے اندر اندر نکل جانے کا حکم دیا گیا تو اس کی نظریں فوراً" موصل کی طرف اٹھیں۔ نجم الدین ایوب بمعہ اپنے بھائی اسد الدین شیرکوہ اور صرف چند گھنٹے کے پیدا ہونے والے بیٹے صلاح الدینؒ کے ساتھ تکریت سے نکل کر سیدھا موصل پہنچا اور امیر موصل عماد الدین زنگی نے اس پرانے احسان کا بدلہ یوں اتارا کہ شیرکوہ کو اپنے امرائے خاص میں جگہ دی اور بعلبک کی فتح پر نجم الدین ایوب کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اس احسان کا شاید اس سے بڑا اور کوئی بدلہ نہ ہو سکتا تھا۔

عیسائی ریاستوں میں چراغاں ہونا اور لاطینی زبان میں امیر موصل کے خلاف نظمیں لکھی جانی والی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس لئے کہ قوم عیسائی کا سب سے بڑا اور مضبوط دشمن امیر موصل ہی تھا۔ امیر زنگی نے "الرہا" جو مسلمانوں میں "فتح الفتوح" کے نام سے مشہور ہے' پر قبضہ کر کے عیسائی ریاستوں کی پشت میں چھرا بھونکا تھا۔ شاہ الرہا' جوسین دوم اب تک تل باشر میں چھپا بیٹھا اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ اب اگر لاطینی زبان میں امیر کی موت پر عیسائیوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی تو یہ ایک فطری بات تھی لیکن انہوں نے اس بہادر پر جو الزام تراشی کی تھی اس کا کوئی جواز نہ تھا۔

عیسائیوں کے برخلاف مسلمانوں نے امیر زنگی کے قتل پر بہت آنسو بہائے۔ شام کی عیسائی ریاستوں کو امیر زنگی ہی دبائے ہوئے تھا۔ اس نے الرہا کے عیسائی مرکز پر قبضہ کر کے نصف صدی کے کچلے ہوئے مسلمانوں کو سر اٹھا کر چلنا سکھایا تھا۔ یہ وہی امیر موصل تھا جس سے مرعوب ہو کر قسطنطنیہ کا شہنشاہ کامنی نس' بے نیل و مرام محاذ جنگ کو رات کے اندھیرے میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ مسلمان' امیر موصل عماد الدین کو حامی دین اور شاہ شاہاں کے نام سے پکارتے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ امیر زنگی کے منظر سے ہٹ جانے سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی رفتار سست پڑ جائے گی اور عیسائیوں کی وہ بزدل طاقتیں پھر سنبھالا لے کر کھڑی ہو جائیں گی۔ کسی کو یہ نہ معلوم تھا کہ امیر زنگی کے قتل' اور مسلمانوں کی زبان میں اس کی

Marfat.com

شہادت میں قدرت کا کیا راز پوشیدہ تھا۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے شاعر نے کہا ہے۔

وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے

یعنی غنچہ بظاہر رخصت ہو جاتا ہے مگر اس کے پردے سے پھول نمودار ہوتا ہے۔ یعنی جب ایک جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا آتا ہے اور یہ نیا آنے والا پہلے والے سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے ہمیں جانے والوں پر آنسو بہانے کی بجائے آنے والوں کا خیر مقدم کرنا چاہئے کہ کیا عجب نیا آنے والا ان کاموں کو مکمل کر ڈالے جو جانے والا اپنی موت کی وجہ سے مکمل نہ کر سکا۔

امیر زنگی کی اچانک شہادت پر عیسائی عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور متعصب مغربی مورخوں نے بھی خوب بغلیں بجائیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی مورخین نے مسلم بادشاہوں اور مشہور حکمرانوں کے حالات کی تلاش میں بڑی عرق ریزی کی ہے لیکن وہ اپنا تعصب نہیں چھپا سکے اور انہیں جس جگہ بھی موقعہ ملا انہوں نے (صرف مسلمانوں کے معاملات میں) حقائق کو توڑنے مروڑنے اور غلط تاثر دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ مغربی داستان گو لین پول جو مورخ کم اور سحر طراز افسانہ نگار زیادہ ہے وہ امیر موصل عماد الدین زنگی کی شہادت کے سلسلے میں کہتا ہے۔

"عماد الدین زنگی دریائے فرات کے نزدیک قلعہ جعبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک رات شراب پئے وہ غافل سو رہا تھا کہ اس کے چند غلام خیمے میں گھس آئے اور بچی ہوئی شراب پینی شروع کر دی۔ ان کے شور سے زنگی (امیر زنگی) کی آنکھ کھل گئی اور وہ غلاموں کو ڈانٹ ڈپٹ کے پھر سو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نامعقول حرکت کی پاداش میں متوقع سزا کے ڈر سے غلام بے حد خوفزدہ ہو گئے۔ اکثر اوقات اتا بیک (امیر زنگی) اتنا ظلم روا رکھتا کہ اس کے خدام عالم مایوسی میں ہر فعل کے ارتکاب کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ یہی مایوسی اس وقت بھی ان پر طاری ہوئی۔ انہوں نے نیت کی اور سوتے میں زنگی کے چھرا گھونپ دیا۔"

اشٹینلے نے اپنے اس بیان میں کس قدر تعصب اور جھوٹ سے کام لیا ہے امیر پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ پھر شور سے امیر زنگی کی آنکھ کھل جانا اور خدام کو ڈانٹ کے پھر سو جانا۔ اس سے مورخ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امیر زنگی میں فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال قطعی نہیں آیا کہ جو خدام' شراب کے لئے جھگڑا کر سکتے ہیں وہ اسے قتل بھی کر سکتے ہیں گویا امیر عقل و فراست سے بالکل خالی تھا اور اس نے غلاموں کو موقعہ فراہم کیا کہ وہ اسے قتل کر

Marfat.com

دیں۔ اس قسم کی تحریر ایک اچھے ادیب کے لئے جو خود مورخ کہلوانے کا دعویدار ہے' زیب نہیں دیتی۔ خواجہ سرا یار کتش کا اس سازش میں شریک ہونا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ وفادار سے وفدار غلام پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے ورنہ وہ غلام جسے امیر زنگی کی مخالفت کا اعزاز حاصل ہو اسے کیا کچھ اختیار حاصل نہ ہوں گے مگر غلام تو پھر غلام ہے وہ کسی وقت بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔

شخصی حکومت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ کوئی اپنی زندگی میں کتنا ہی جلیل القدر اور صاحب اقتدار کیوں نہ رہا ہو۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی عزیز و اقارب کے علاوہ اس کے خاص وفادار اور جاں نثار اس سے اس طرح آنکھ پھیر لیتے ہیں جیسے ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو امیر زنگی نے اپنی زندگی میں اپنے اور غیروں کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ ملک ملک کے غلاموں کو اس نے سر پر بٹھایا۔ ان کی وفاداری سے زیادہ انہیں دیا مگر ان کے ہی ایک وفادار کا خنجر ان کے سینے میں اتر گیا۔ امیر کے تین جوان جہان بیٹے تھے بڑا بیٹا سیف الدین غازی موصل میں تھا۔ چھوٹا بیٹا قطب الدین مودود بھی بڑے بھائی کے ساتھ تھا۔ منجھلا بیٹا نور الدین زنگی اس مہم میں امیر زنگی کے ساتھ تھا مگر جب اسے باپ کی شہادت کی خبر ملی تو اس کی میت اٹھانے کے بجائے اس نے نئے جانشیں کے انتخاب کے لئے مشورت کی محفل منعقد کر لی اور اس محفل نے اتنی طوالت اختیار کی کہ امیر زنگی کے عزیزوں اور لشکریوں کی بجائے رقہ سے آنے والے ایک تجارتی قافلہ کے لوگوں نے امیر موصل کا کفن دفن کیا کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جس امیر کے چشم و ابرو کے اشارے سے سلطنتوں کے فیصلے ہو جاتے تھے اس کے جنازے کو غیر ملکیوں کا کاندھا نصیب ہوا۔

اسد الدین شیر کوہ نے صرف امیر موصل عماد الدین زنگی کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہی اس کا آقا اور وہی اس کے خاندان کا ولی نعمت تھا۔ امیر موصل کا خون میں لتھڑا ہوا لاشہ -- دیکھ کر شیر کوہ سن پڑا گیا تھا اس کے حواس قابو میں نہ رہے۔ موت برحق ہے لیکن شیر کوہ کے تصور میں بھی نہ تھا کہ میدان کے اس شیر کو اس بیدردی سے قتل کیا جائے گا اور وہ اس کسمپری کے عالم میں ہو گا کہ اس کی لاش پر نہ تو کوئی چراغ جلانے والا ہو گا اور نہ آنسو بہانے والا۔ اس کے کان میں یہ صدا پڑ چکی تھی کہ شہزادہ نور الدین کے خیمے میں نئے امیر کے جانشیں کے انتخاب کی محفل جمی ہوئی ہے۔ پس وہ بھی ایک سحرزدہ انسان کی طرح شہزادہ کے خیمے کی طرف چلا۔ شیر کوہ بلا کا شجاع تھا لیکن ذہانت کے معاملے میں وہ اپنے بڑے بھائی نجم الدین ایوب سے کم تھا مگر نجم الدین اس سے دور بعلبک کی گورنری کر رہا تھا اس لئے اس سے مشورہ کا وقت نہ تھا۔ چنانچہ شیر کوہ سر جھکائے شہزادہ نور الدین کے خیمہ پر پہنچا۔

Marfat.com

شہزادہ کے خیمے میں جعبر آنے والے لشکر کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے سردار موجود تھے۔ کہنے کو یہ مجلس مشورت تھی اور اس میں مرحوم امیر کا جانشیں چنا جانا تھا مگر چناؤ اور انتخاب تو اس وقت ہوتا ہے جب کئی امیدوار میدان میں ہوں اور ان کے مداحین گرما گرم بحث کرنے پر آمادہ ہوں۔ شہزادہ نور الدین زنگی' شہزادوں کی ترتیب میں درمیانی یعنی منجھلا شہزادہ تھا۔ اصولی حیثیت سے عماد الدین زنگی کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ سیف الدین غازی امارت کا حقدار تھا لیکن وہ اس وقت دارالسلطنت موصل میں تھا۔ اس کا کوئی ہمدرد امیر بھی یہاں موجود نہیں تھا جو اس کے حق میں سر اٹھاتا اور کہتا کہ شہزادہ الدین غازی بڑا شہزادہ اور ولی عہد سلطنت ہے اس لئے کسی انتخاب کی ضرورت نہیں لیکن اس مجمع اغیار میں ایسی آواز کون اٹھاتا اور بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھتا' موصل کا تقریباً پورا لشکر جعبر کے قلعہ پر موجود تھا اور اس لشکر کے سب سردار نور الدین زنگی کے حق میں تھے یعنی طاقت کا توازن شہزادہ نورالدین کے حق میں تھا۔ اس لئے کسی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ تمام سرداروں نے آنکھیں بند کر کے نور الدین زنگی کو موصل کی امارت کا واحد وارث اور حقدار تسلیم کر لیا تھا صرف شہزادہ کی روایتی انداز میں منظوری باقی تھی۔ نور الدین زنگی نے شاید کبھی ایسا سوچا بھی نہ ہو گا لیکن حالات نے تمام امیروں اور سرداروں کو اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا پھر بھلا وہ اس اعزاز سے کیوں انکار کرتا۔ پورا لشکر اس کے اقرار کا انتظار کر رہا تھا کہ ٹھیک اس وقت اسد الدین شیرکوہ خیمہ میں داخل ہوا۔

شیرکوہ کے ہاتھ میں اس وقت بھی وہ خون آلود تلوار تھی جس سے اس نے بھاگتے ہوئے دو قاتلوں کو ختم کیا تھا۔ اس کا سر غم و غصہ سے جھکا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کے مجلس کا ہر شخص جیسے چونک پڑا۔ شہزادہ نور الدین اسے دیکھ کے ایسا گھبرایا کہ اس کے استقبال کے لئے اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ شیرکوہ نہ تو لشکر کا سپہ سالار تھا اور نہ وزیر اعظم مگر پھر بھی امیر کے بیٹوں اور اس کے درباریوں پر اس کا ایسا اثر تھا کہ نور الدین کو کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرنا پڑا۔ نور الدین زنگی کے کھڑے ہونے سے باقی لوگ بھی اٹھ کے کھڑے ہو گئے ایک تو شہزادہ نور الدین کا خیال جسے وہ تقریباً موصل کا نیا امیر تسلیم کر چکے تھے دوسرے شیرکوہ اور اس کے بھائی نجم الدین ایوب کے کارناموں کا رعب۔ ان باتوں کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی لوگ ان بھائیوں کی عزت کرنے پر مجبور تھے۔

"ادھر بیٹھو شیرکوہ ـــــ" شہزادہ نور الدین زنگی نے شیرکوہ کا ہاتھ پکڑ کے اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"شہزادے!" اور شیرکوہ نے ڈبڈبائی نظروں سے شہزادہ کو دیکھا۔

Marfat.com

شہزادے نور الدین کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ "صبر کرو شیرکوہ صبر" شہزادہ کی آواز بھرا رہی تھی۔

"کاش میں چند لمحے پیشتر پہنچا ہوتا۔" شیرکوہ نے بھی گلوگیر لہجے میں کہا۔ "دو قاتلوں کا میں نے فیصلہ کر دیا مگر تیسرا بچ کر نکل گیا۔"

سب کی نظریں پہلے حیرت سے پھیلیں پھر ندامت سے جھک گئیں۔

"اچھا۔ دو قاتل مارے گئے؟" شہزادے نے حیرانی کا اظہار کیا۔

"جی ہاں شہزادے بہادر۔" شیرکوہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "شاید قاتل اس مذموم کام کے بعد وہاں سے بھاگ نہ سکے تھے۔ جس وقت میں گشت سے واپس آیا تو وہ بھاگ نکلنے کی کوشش میں تھے۔ دو کو میں نے ختم کر دیا لیکن تیسرا اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر نکل گیا۔"

اف ظالمو۔ "شہزادے نے شدت غم سے سر پکڑ لیا۔ "بزدلوں نے امیرؒ بابا پر حملہ سوتے میں کیا ہو گا؟"

"شاید۔" شیرکوہ نے بڑے افسوس سے کہا۔ "بڑے تعجب کی بات ہے امیر کے خیمے کے پاس ان کا ایک محافظ بھی موجود نہیں تھا۔"

"یقیناً" یہ بات حیرت انگیز ہے۔" شہزادہ نے شیرکوہ کی تائید کی۔ "اچھا قاتلوں کو گرفتار کر کے فوراً پیش کیا جائے۔"

حاضرین نے چونک کر شہزادہ نور الدین کو دیکھا۔ قاتلوں کے بارے میں تو یہی کہا گیا تھا کہ وہ امیر موصل کو قتل کر کے قلعہ جعبر میں بھاگ گئے ہیں اور اب شیرکوہ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ دو قاتل مارے گئے اور تیسرا بچ کر نکل گیا پھر شہزادہ کن قاتلوں کو حاضر کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ سب کو اس بات کا احساس تھا کہ یا تو شہزادہ نے غلطی سے یہ بات کہہ دی ہے یا پھر اس وقت اس کا دماغ اس قدر غیر حاضر ہے کہ اسے اپنی زبان تک پر اختیار نہیں رہا۔

سب سے پہلے لشکری قاضی نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا۔ "شہزادہ معظم۔ سردار شیرکوہ نے ابھی انکشاف کیا ہے کہ دو قاتل ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور تیسرا جان بچا کر بھاگ نکلا۔ میرا خیال ہے کہ جب تک وہ تمام لوگ جن کا امیر مرحوم کی شہادت سے ذرا بھی تعلق ہے ان کے نام کا صحیح طور پر یقین نہیں ہو جاتا اس وقت تک کسی کی گرفتاری کا مسئلہ ملتوی رکھا جائے۔"

شیرکوہ بھی شہزادے کے اس بے تکے حکم سے چونکا تھا لیکن ذرا غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ شہزادہ نے گھبراہٹ میں "قاتلوں" کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ دراصل اس کا مقصد محافظوں کی گرفتاری سے تھا۔ چنانچہ شہزادے کی اس غلطی پر پردہ ڈالنے کے

Marfat.com

لئے شیرکوہ نے وضاحت کی۔ "شہزادہ بہادر کے ذہن پر امیر مرحوم کی شہادت کا اتنا گہرا اثر ہے کہ انہیں اپنی زبان پر بھی قابو نہیں رہ گیا۔ دراصل شہزادے یہ کہنا چاہتے تھے کہ امیر کے خیمے پر مامور محافظوں کو گرفتار کر کے پیش کیا جائے لیکن شدت غم کی وجہ سے شہزادہ عالی مقام کے منہ سے محافظوں کے بجائے قاتلوں کا لفظ نکل گیا۔"

شہزادہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ اس کی تلافی کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔ شیرکوہ نے اس کی یہ مشکل دور کر دی۔ "بالکل۔ بالکل۔ میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔۔۔" شہزادہ فوراً بول پڑا۔

قاضی لشکر نے پھر اعتراض کیا۔ "محافظ تو گرفتاری کر ہی لئے جائیں گے لیکن اس وقت سب سے اہم مسئلہ نئے امیر کا ہے۔ انتخاب سے پہلے کسی اور بات پر توجہ دینا مصلحت کے خلاف ہو گا۔"

شیرکوہ نے شہزادہ نور الدین کی طرف دیکھا۔ نور الدین اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں تو نور الدین نے نظریں جھکا لیں جس کا صاف مطلب تھا کہ شہزادہ بھی نئے امیر کے انتخاب کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔

"قاضی لشکر کی مصلحت بینی قابل ستائش ہے۔ میں ان کی مصلحت اندیشی کی تائید کرتا ہوں" شیرکوہ نے بھی مصلحت ہی سے کام لیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمام امراء اور سردار ان لشکر شہزادہ نور الدین کو امیر بنانے پر تیار ہو چکے ہیں اس لئے اس نے مخالفت کے بجائے مصالحت کا راستہ اختیار کیا اور قاضی لشکر کی تائید کر کے اس کی ہمدردی اور تعاون حاصل کر لیا۔ اس کے جواب میں قاضی نے منہ سے جواب دینے کے بجائے شیرکوہ کو ایسی نظروں سے دیکھا جس میں بے پناہ خلوص اور تشکر جھلک رہا تھا۔

قاضی لشکر نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "میں شہزادہ نور الدین کا نام موصل کے نئے امیر کے لئے پیش کرتا ہوں۔"

"میں قاضی لشکر کی تجویز کی تائید کرتا ہوں۔" ایک امیر نے تائید کر دی۔

ایک اور امیر جو نسبتاً" زیادہ آزاد خیال اور انصاف پسند معلوم ہوتا تھا اس نے ایک نکتہ اٹھایا۔ "شہزادہ نور الدین کو کون پسند نہیں کرتا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو میں بغیر کسی انتخاب کے شہزادہ کو موصل کے تخت و تاج کا مالک بنا دیتا لیکن ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں اس کے کچھ تقاضے اور قاعدے قوانین بھی ہیں۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ ہم پہلے کوئی ایسا پیمانہ۔ میزان یا معیار طے کر لیں جس پر ہر شہزادہ کو تولا جائے اور جو اس پر پورا اترے اسے اتفاق رائے سے اپنا امیر تسلیم کر لیا جائے۔"

قاضی لشکر کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ وہ پہلے ہی شہزادہ نور الدین کو امیر منتخب کر چکا تھا

Marfat.com

اور اس نے بیشتر سرداروں کی تائید بھی حاصل کر لی تھی اور اگر شیرکوہ بیچ میں نہ پہنچ گیا ہوتا تو امارت کا انتخاب ہو چکا ہوتا۔ قاضی لشکر نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "کسی ملک کے امیر یا بادشاہ کے انتخاب کا پیمانہ' اس کی اہلیت اور شجاعت ہوا کرتا ہے۔ معترض اگر چاہتے ہیں تو وہ اس معیار پر ہمارے شہزادے بہادر کو پرکھ سکتے ہیں۔"

شیرکوہ' دربار موصل کے امراء اور سرداروں میں نہایت شجاع مگر کم سخن مشہور تھا لیکن اکثر موقعوں پر وہ ایسی بات کہہ دیتا تھا جسے حرف آخر تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ اس نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "قاضی لشکر نے درست فرمایا۔ اقتدار کے تخت پر بیٹھنے والے کو اہلیت اور شجاعت کا پیکر ہونا چاہئے لیکن میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر ہم نے بغیر جانچے اور پرکھے کسی کو امیر منتخب کر لیا تو موجودہ اور آئندہ نسلیں ہمیں معاف نہ کریں گی۔ اس لئے امیر کی پیش کی ہوئی تجویز پر توجہ دینا ضروری ہے۔"

شیرکوہ نے اس وقت ایک تیر سے دو شکار کئے۔ اس نے قاضی کی مخالفت بھی نہیں کی اور "معیار" کی تجویز پیش کرنے والے کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا۔ قاضی لشکر کی بھوؤں کا تناؤ کچھ کم ہو گیا۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے سردار شیرکوہ کی رائے سے پورا اتفاق ہے اس کے ساتھ ہی میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اہلیت اور شجاعت کے پیمانہ پر شہزادوں کو پرکھ کے دربار خاص کو مطلع فرمائیں۔"

شیرکوہ نے گھورتے ہوئے قاضی لشکر کو جواب دیا۔ "قاضی لشکر نے مجھے ایک بڑے امتحان میں ڈالا ہے لیکن میں مشکل راستوں سے گزرنے کا عادی ہوں۔ پہلا معیار اہلیت کا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ کسی شمشیر زن یا شہسوار کے جوہر اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب اس کے ہاتھ میں تلوار اور اس کی ران تلے گھوڑا ہو۔ بظاہر سب شہزادوں میں اہلیت نظر آتی ہے مگر ان میں سے صحیح معنوں میں کسی شہزادہ نے بھی کبھی امیر مرحوم کی نہ تو نیابت کی ہے اور نہ کبھی انہیں قائم مقام امیر مقرر کیا گیا ہے۔ اب رہا شجاعت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ امیر مرحوم جب بھی جہاد پر تشریف لے جاتے تھے' ان کے ساتھ ہمیں عام طور پر شہزادہ نور الدین زنگی ہی نظر آتے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ امیر مرحوم دوسرے شہزادوں کو جہاد پر کیوں نہیں لے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ شہزادہ نور الدین اپنی شجاعت اور تلوار کا میدان جنگ میں عملی ثبوت دے چکے ہیں اس لئے ان کی شجاعت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ سردار شیرکوہ سچ فرماتے ہیں۔" قاضی لشکر نے مسرت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ سردار شیرکوہ نے شہزادہ نور الدین کو بحیثیت امیر موصل منتخب کرنے میں مجھ سے اتفاق کیا۔" یہ کہہ کے قاضی نے مسکرا کے شیرکوہ کو دیکھا۔

"نہیں قاضی لشکر ہرگز نہیں۔" شیرکوہ تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ "میں شہزادہ نور الدین کو

Marfat.com

بحیثیت امیر موصل تسلیم کرنے کی مخالفت کرتا ہوں۔ ایسے کرنے سے آگ اور خون کی ہولی میں ہماری پوری سلطنت بہہ جائے گی۔"

قاضی لشکر نے کمال حیرت سے شیرکوہ کو دیکھا' "سردار شیرکوہ۔ آپ نے ابھی ابھی شہزادہ نور الدین زنگی کو تمام شہزادوں سے زیادہ شجاع اور بہادر تسلیم کیا ہے اور اب آپ انہی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

شیرکوہ نے متانت سے جواب دیا۔ "قاضی محترم۔ آپ نے غور فرمایا کہ اگر ہم نے شہزادہ نو الدین کو امیر عماد الدین زنگی کے واحد جانشیں کی حیثیت سے امیر موصل ہونے کا اعلان کیا تو اس کا کیا نتیجہ ہو گا موصل میں اس وقت شہزادہ سیف الدین غازی موجود ہے۔ چھوٹا شہزادہ قطب الدین مودود بھی ان کے ساتھ ہے۔ سلطنت موصل کا نائب السلطنت زین الدین علی کوچک ایک بڑا اور اہم سردار ہے۔ اس کا تعاون حاصل کئے بغیر امیر موصل کا انتخاب بے معنی سا بن جاتا ہے۔ سوائے اس لشکر کے جو اس وقت قلعہ جعبر کے محاصرہ کے لئے یہاں موجود ہے باقی تمام لشکر موصل میں ہے۔ ان تمام حالات میں شہزادہ سیف الدین غازی کا ہاتھ موصل اور اہل موصل پر ہم سے زیادہ ہے۔" .

شہزادہ نور الدین اور دوسرے سردار' شیرکوہ کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ شہزادہ نے شاید ان معاملات پر اب تک غور ہی نہیں کیا تھا۔ شیرکوہ کو باتوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں اور وہ مایوس سا نظر آنے لگا۔ قاضی لشکر کو شیرکوہ پر غصہ آ رہا تھا۔ انہوں نے اس جھنجلاہٹ میں کہا۔ "سردار شیرکوہ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شہزادہ غازی کی وکالت کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم شہزادہ غازی کے سامنے ہتھیار ڈال کے ہمیشہ کے لئے ان کی غلامی قبول کر لیں۔" پھر قاضی نے براہ راست شیرکوہ کو مخاطب کیا۔ "سردار شیرکوہ۔ فرمایئے کیا میں نے آپ کے خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک عقلمند اور شہزادہ نور الدین کا وفادار سمجھتا تھا لیکن آپ تو مار آستین ثابت ہوئے۔ کم از کم میں شہزادہ سیف الدین غازی کو اپنا امیر تسلیم کرنے پر تیار نہیں خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ قاضی محترم نے میری باتوں کو توجہ سے سننے کی زحمت نہیں فرمائی۔" شیرکوہ نے غصہ کو ضبط کیا۔ "میں نے نہ کسی کی وکالت کی ہے اور نہ میں شہزادہ نور الدین زنگی کی وفاداری سے انکار کا تصور کر سکتا ہوں۔ ہاں میں اس بات کے قطعی خلاف ہوں کہ شہزادہ نور الدین کو امیر موصل کے نام سے اقتدار میں لایا جائے اور مسلمانوں کا وہ لشکر جسے امیر مرحوم نے برسوں کی محنت سے عیسائیوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار کیا ہے دو دھڑوں میں بٹ کے آپس ہی میں ٹکرا جائے۔ شہزادہ سیف الدین غازی

Marfat.com

کسی صورت بھی اقتدار چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو گا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم شہزادہ نور الدین کی امارت کا اعلان کرتے وقت موصل سے کوئی جھگڑا مول نہ لیں ـــــ"

قاضی لشکر شیرکوہ کی گول مول (جو دراصل مصلحت آمیز تھیں) باتوں سے الجھ رہا تھا اس نے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔ "سردار۔ آپ کیسی متضاد باتیں کر رہے ہیں۔ ایک طرف آپ شہزادہ نور الدین کی امارت کا اعلان بھی کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ موصل سے جھگڑا مول نہ لیا جائے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ایک وقت میں سلطنت موصل کے دو امیر ہوں۔ ایک شہزادہ سیف الدین غازی اور دوسرا شہزادہ نور الدین زنگی؟"

"قاضی لشکر۔ اس طرح بھی ہو سکتا ہے لیکن ـــــــ"

قاضی لشکر نے شیرکوہ کو آگے نہ بولنے دیا اور بات کاٹ کے بولا ـــــ"اس طرح سردار شیرکوہ' صاف بات یہ ہے کہ آپ شہزادہ سیف الدین غازی سے یا تو خوف زدہ ہیں یا کسی اور بنا پر یہ نہیں چاہتے کہ ان سے بگاڑ لیا جائے خواہ اس سے ہمارے بھائی شہزادہ نور الدین زنگی کی حق تلفی کیوں نہ ہو جائے۔"

"قاضی محترم ـــ" شیرکوہ کو جیسے جلال آگیا۔ "آپ شرعی معاملات میں ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں لیکن اس دور کی سیاست کو سمجھنا آپ کے بس کا روگ نہیں۔ تخت و تاج کے تقاضے دنیاوی امور ہیں جن میں مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے۔ میں جانتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ امیر مرحوم کے اہل اور واحد جانشیں شہزادہ نور الدین زنگی ہی ہیں اور ہم پر صرف اور صرف یہی حکومت کریں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ شہزادہ کی امارت کا اعلان میدان جنگ کے بجائے "حلب" میں پہنچ کے کیا جائے"

"چلئے ہم نے آپ کی بات مان لی۔" قاضی لشکر جیسے "زچ" ہو گئے۔ "لیکن قلعہ جعبر کا کیا کیا جائے جبکہ شبہ ہے کہ امیر کو شہید کرنے والے قلعہ جعبر سے آئے تھے اور اپنا کام کرنے کے بعد قلعہ کو واپس ہو گئے۔"

"قلعہ جعبر پر قبضہ کرنا امیر مرحوم کی مصلحت تھی۔" شیرکوہ نے بے پروائی سے کہا۔ "جب امیر ہی نہ رہے تو ان کی مصلحت کے پیچھے دوڑنا کون سی عقلمندی ہے۔ ہمیں ہر قسم کی جنگ سے گریز کر کے اپنی طاقت اکٹھا کرنا چاہئے۔ اگر کسی صورت قلعہ والوں سے صلح ہو جائے تو یہ اور زیادہ بہتر ہو گا۔ ہمیں ایک نیا اور طاقتور حلیف مل جائے گا۔"

قاضی لشکر پھر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شہزادہ نور الدین زنگی نے انہیں اشارے سے روک دیا۔ "میں شیرکوہ کے مشورہ سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔ لشکر میں اعلان کیا جائے گا کہ ہم حلب جا رہے ہیں۔ موصل سے ہم دوستانہ گفتگو کریں گے اور اگر ضرورت پڑی تو تلوار اٹھائیں گے۔"

Marfat.com

امروزیہ کی خوش قسمتی تھی کہ وہ شیر کوہ کے ہاتھ سے بچ گئی ورنہ یار کتش اور جبار کی طرح اس کا مارا جانا بھی لازمی تھا۔ جس وقت خواجہ سرا یار کتش اور جبار خیمہ کے اندر امیر عماد الدین زنگی پر خنجروں کی بارش کر رہے تھے' امروزیہ خیمہ کے باہر ننگی تلوار سونتے پہرہ دے رہی تھی۔ یار کتش اور جبار کو باہر آنے میں تاخیر ہوئی تو امروزیہ کو پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے گھبرا کر اندر جھانکا۔ سامنے امیر کا جسم خون کے تالاب میں ڈوبا پڑا تھا اور یار کتش اور جبار گھبرائے ہوئے خیمہ کے ایک کونے میں کھڑے تھے۔ مدھم شمع کی روشنی میں دونوں کے خنجروں میں اس آقا کا خون جمع ہوا تھا جس نے یار کتش کی بچپن سے پرورش کی تھی۔ جبار کو بھی امیر کی خدمت میں آٹھ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ باہر کیوں نہیں آتے؟" امروزیہ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ حالانکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کی آواز مرحوم امیر کے کانوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اس وقت تک تو ان کا جسم بھی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"باہر تمہارے پاس کون تھا؟" یار کتش کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی

"کوئی نہیں۔ سب تمہارا وہم ہے۔ آجاؤ باہر۔" امروزیہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"باہر ایک بار پھر ٹھیک سے دیکھ لو۔۔۔" جبار کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

امروزیہ کو معلوم تھا کہ باہر کوئی نہیں ہے اور ان دونوں پر خون کی دہشت طاری ہے مگر اس نے بھی اپنا سر بڑے احتیاط سے باہر کھینچا اور نظریں گھما کر اچھی طرح اطمینان کیا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خیمہ کے پہریدار منصوبہ کے مطابق پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔ امروزیہ نے انہیں بیش قیمت جواہرات کا ایک ایک ہار اس نمک حرامی کے صلہ میں عطا کئے تھے۔

"جلدی سے آجاؤ۔ باہر کوئی نہیں ہے۔" امروزیہ نے پھر سر اندر کر کے دونوں کو اطمینان دلایا۔

"دیکھو!" خواجہ یار کتش نے چونکتے ہوئے کہا۔ "باہر کسی کے چلنے کی آواز آ رہی ہے۔ ذرا ٹھیک سے دیکھو امروزیہ۔۔۔ شیر کوہ آگیا تو ہم کتے کی موت مارے جائیں گے۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ سب تمہارا وہم ہے۔ جلدی کرو۔۔۔ ورنہ ۔۔۔۔"

امروزیہ یہ کہتے کہتے رک گئی یار کتش اور جبار ڈرتے ڈرتے باہر نکلے۔ کہتے ہیں کہ مرنے والے کو اپنی موت نظر آجاتی ہے۔ یار کتش اور جبار جس شیر کوہ کے خوف سے خیمہ کے اندر دبکے ہوئے تھے وہ واقعی ان کی موت بن کر آگیا۔

"گھوڑے کی آواز۔۔۔" اور جبار ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

یار کتش اور امروزیہ کے قدم بھی رک گئے۔ انہوں نے بھی آواز کی طرف کان

Marfat.com

لگائے۔

"ہاں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز ہے۔ کوئی تیزی سے ادھر آ رہا ہے۔"

امروزیہ کی زبان سے اتنا نکلا تھا کہ جبار لپک کے یار کتش سے لپٹ گیا۔ "یار کتش بھائی۔ مجھے بچالو ــــ شیرکوہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

یار کتش نے جھٹکا دے کر جبار کو اپنے سے الگ کیا۔ "ہوش میں آــــ"

"بزدل۔" امروزیہ نے غصہ سے زمین پر تھوک دیا۔ "میں تجھے شیر سمجھی تھی لیکن تو بکری نکلا۔"

جبار نہ بزدل تھا اور نہ نمک حرام۔ اسے تو یار کتش کی دوستی اور کچھ امروزیہ کی محبت نے راستہ سے بھٹکا دیا تھا۔ اس نے بھی میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے لیکن جب اس نے اپنے آقائے نعمت پر خنجر تانا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے امیر مرحوم کہہ رہے ہوں:۔

"نمک حرام کیا کر رہا ہے۔ جس درخت کے سائے میں بچپن سے جوانی تک پہنچا۔ اسے جڑ سے اکھاڑے پھینک رہا ہے۔ تیرا باپ نہیں تھا میں نے تجھے باپ کی شفقت دی۔ تیری ماں نے منہ موڑا تو میں نے ممتا کے زخم کو اپنی سخاوت اور کرم کے دھاروں سے بھر دیا۔ پھر بھی تو مجھ پر ہاتھ اٹھا رہا ہے۔ اپنے باپ پر۔ اپنی ماں پر اور اپنے محسن پرــــ"

جبار کا اٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا۔ قریب کھڑے ہوئے یار کتش نے اسے ٹھوکا مارا۔ جبار پھر بھی ہوشیار نہ ہوا تو یار کتش نے امیر موصل پر پہلا وار کر کے جبار کے لئے راستہ کھول دیا۔ اس کے اندر کا شیطان پھر جاگ اٹھا اور اس نے امیر کے خون اگلتے ہوئے سینہ پر پیہم کئی وار کر دیئے امیر پہلے ہی وار میں نیم جاں ہو چکا تھا اس نے آنکھیں کھولیں موت اس کے آنکھوں سے بینائی پہلے ہی چھین چکی تھی۔ امیر کی آنکھیں جس طرح کھلی تھیں اسی طرح آہستہ آہستہ بند ہو گئیں کہتے ہیں کہ خدائے لاشریک بعض گناہوں کی سزا انسان کو اس دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ خواجہ سرا یار کتش اور جبار نے امیر مرحوم کا خون صرف اپنی غرض کے لئے کیا تھا۔ یار کتش' امیر سے اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور جبار نے اپنی محبوبہ کے حصول کے لئے یہ گھناؤنا قدم اٹھایا تھا۔ اس لئے قدرت کے ابرو پر بل آگیا اور عدل کو حکم ہوا کہ یار کتش اور جبار کو ان کے کئے کی سزا فوراً دی جائے۔ چنانچہ سردار شیرکوہ ان احسان فراموشوں' غداروں اور نمک حراموں کی موت بن کے اس منظر میں نمودار ہوا اور بھاگتے ہوئے یار کتش اور جبار کو ان کے کئے کی فوری سزا مل گئی۔ صرف امروزیہ جان بچا کے قلعہ جبر میں پہنچ سکی۔

امروزیہ اپنی کامیابی پر بے انتہا خوش تھی۔ امیر عماد الدین زنگی کے قتل سے ایک طرف تو امروزیہ کے سینے میں انتقام کی سلگتی ہوئی آگ سرد ہوئی تھی دوسری طرف اسے

Marfat.com

یار کتش اور جبار جیسے خطرناک انسانوں سے بھی چھٹکارا مل گیا تھا۔ جس وقت شیرکوہ نے یار کتش پر تلوار کا وار کیا اس وقت امروزیہ اس کے بالکل دائیں جانب تھی۔ اس نے شیرکوہ کی تلوار بلند ہوتے اور یار کتش پر گرتے دیکھی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یار کتش اف تک نہ کر سکے گا اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ جبار اسے بچانے کی کوشش میں شیرکوہ کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ امروزیہ' جبار کی آواز پر بڑی تیزی سے ایک خیمہ کی آڑ میں ہو گئی تھی لیکن اس وقت شیرکوہ کی تلوار جبار پر اٹھ چکی تھی اور جس انداز سے تلوار بلند ہوئی تھی اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس وار کو روکنے کے لئے اگر لوہے کی سلاخ بھی آگے کر دی جائے تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے گی۔

امروزیہ نے جبار کی موت کا منظر اپنے تصور میں دیکھا پھر جب اسے محسوس ہوا کہ شیرکوہ اپنے شکار سے فارغ ہو کر واپس جا رہا ہے تو وہ بھی خیموں کی آڑ لیتی ہوئی قلعہ تک پہنچی اور نابدان کے راستے اندر چلی گئی۔ یار کتش' امروزیہ کو اپنے منصوبہ میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن امروزیہ' اپنے چاہنے والے سے ضد کر کے اس منصوبہ میں شریک ہو گئی تھی۔ یار کتش کا خیال تھا کہ ایسے سنگین معاملہ میں عورت کو شریک کرنے سے راز کھلنے اور منصوبہ ناکام ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے مگر معاملہ بالکل الٹا ہو گیا۔ امروزیہ تو صاحب بچ گئی اور احتیاط کرنے والا یار کتش اور جبار مارے گئے۔

امروزیہ قلعہ میں پہنچی تو صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ موت اس کے بالکل قریب سے گزری تھی۔ باوجود بڑی سخت دل اور نڈر ہونے کے اسے کپکپی سوار تھی۔ وہ جلدی سے بستر میں گھس گئی اور اپنے خیالات مجتمع کرنے لگی۔ ایک دل کہتا تھا کہ چل کے مروان لنگ حاکم قلعہ کو تمام حالات سے آگاہ کر دے۔ امیر موصل عماد الدین زنگی کے قتل کی خبر سے مروان لنگ ضرور خوش ہو گا اور امروزیہ کو انعام بھی دے گا مگر دوسرا دل کہتا کہ بڑے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ بادشاہوں کی تلون مزاجی یونہی مشہور ہے۔ کیا خبر مروان لنگ اسے گرفتار کر کے امیر کے لشکر کے حوالہ کر دے۔ اس خیال سے وہ پریشان ہو جاتی اور اس خبر کو خود عام کرنے کا خیال اس کے ذہن سے نکل جاتا۔

امروزیہ دوپہر تک بستر میں گھسی رہی۔ پھر وہ محض دل بہلانے اور باہر کے گن سن لینے ازقوف اور سوی کے گھر پہنچ گئی۔ ان دونوں نے شادی کے بعد اپنا الگ گھر بنا لیا تھا۔ ازقوف اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ امروزیہ اس کے گھر پہلی مرتبہ آئی تھی حالانکہ ازقوف اور سوی اس کے گھر کئی بار ہو آئے تھے اور انہیں بلا بھی بہت آئے تھے لیکن امروزیہ کو اپنے جھگڑے ہی سے فرصت نہ ملتی تھی پھر وہ ان کے یہاں کیوں جاتی۔ ازقوف اور سوی اس

Marfat.com

کے مطلب کے بھی نہ تھے۔ سوسی بے وقوفی کی حد تک سیدھی تھی اور ازقوف کو سوائے ہنسنے ہنسانے اور کچھ نہیں آتا تھا۔

"ارے یہ چاند کدھر نکل آیا۔؟" سوسی نے آگے بڑھ کے امروزیہ کو خوش آمدید کہا۔

"چاند نہیں سورج کہو سوسی۔ دیکھتی نہیں کہ پورے گھر میں دھوپ پھیل گئی ہے۔" ازقوف حسب عادت ہنستا ہوا امروزیہ کی طرف بڑھا۔

"بس باتیں کرنے کا جی چاہا اور تمہاری طرف آ گئی۔" امروزیہ نے رسا" کہا۔ "تم لوگوں کا تقاضہ بھی تھا میں نے کہا چلو آج تم سے بھی مل لیتے ہیں۔"

"پھر آرام سے بیٹھو اور کرو جتنی باتیں دل چاہے مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ جتنی باتیں تم کرو گی اتنی ہی باتیں تمہیں ہماری سننا پڑیں گی۔" ازقوف نے مشروط پیشکش کی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" امروزیہ نے حامی بھرلی۔ "مگر حساب کتاب تم رکھنا۔ میں تمہاری باتیں ضرور سنوں گی بلکہ جب تک تم باتیں کرتے رہو گے میں سنتی رہوں گی۔"

"چاہے رات ہو جائے؟۔" ازقوف نے امروزیہ کو گھیرنے کی کوشش کی۔

"رات ہی نہیں۔ خواہ دوسرا دن آجائے مگر میں تمہاری بات سنے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

"چلو بس ہو گیا ——" پھر اس نے سوسی سے درخواست کی۔ "میری پیاری بیوی آپ دوپہر کا کھانا۔ رات کا کھانا اور کل صبح کا ناشتہ بھی ابھی سے تیار کر لیجئے۔ آج میرے اور امروزیہ کے درمیان باتوں کا مقابلہ ہو گا اور یہ مقابلہ کل تک جاری رہ سکتا ہے۔"

امروزیہ مسکرائی۔ "دوپہر کا کھانا میں کھا کے آئی ہوں۔"

"پھر اجازت ہو تو ہم دونوں بھی کچھ زہر مار کر لیں۔" ازقوف نے کہا۔ "میرے پیٹ میں تو چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

ازقوف اور سوسی کھانے بیٹھ گئے۔ امروزیہ کو بھی انہوں نے زبردستی شامل کر لیا۔ مشہور ہے کہ ذہن پر بوجھ ہو تو انسان دیواروں سے بھی باتیں کر لیتا ہے۔ اس سے طبیعت ہلکی اور ذہن صاف ہو جاتا ہے۔ امروزیہ نے جو کچھ دیکھا تھا اور اس پر جو کچھ گزرا تھا وہ ایک بہت بڑا بوجھ تھا۔ امروزیہ اسی لئے آئی تھی کہ ازقوف اور سوسی سے باتیں کر کے اس بوجھ کو ہلکا کرے گی۔ اسے اس سلسلہ میں ان سے مشورہ بھی لینا تھا۔ امروزیہ برائے نام ہی کھانا کھا رہی تھی۔ دراصل اس کا دماغ اس بات میں الجھا تھا کہ کہاں سے شروع کرے اور کہاں پر ختم ہو۔

98263

کھانا ختم ہوتے ہی امروزیہ نے اپنی داستان شروع کر دی۔ امروزیہ کو سوسی پر بڑا اعتماد تھا اور سوسی کے توسط سے وہ ازقوف پر بھی اعتماد کرنے لگی تھی۔ یوں ازقوف کو امروزیہ

Marfat.com

ایک جوکر یا بے وقوف سے زیادہ اہمیت نہ دیتی تھی لیکن ازقوف اپنی تمام تر حماقتوں کے دل کا صاف انسان تھا اور اچھے برے کی تمیز کرتا تھا۔ امروزیہ نے ایک ایک بات تفصیل سے بتانا شروع کی کوئی اور موقعہ ہوتا تو ازقوف ہر بات میں کیڑے نکالتا اور اعتراضات کے دفتر کھول دیتا لیکن ازقوف اس قدر خاموشی اور توجہ سے امروزیہ کی باتیں سن رہا تھا کہ امروزیہ بھی بار بار اسے حیرانی سے دیکھتی تھی۔

"ازقوف۔ تم تو میری باتیں یوں سن رہے ہو جیسے تم وکیل ہو اور میں اپنا مقدمہ تمہارے سامنے پیش کر رہی ہوں۔" امروزیہ نے رک کر ازقوف سے سوال کیا۔

ازقوف نے بڑے مدبرانہ انداز میں امروزیہ کو دیکھا۔ "تم نے سچ کہا۔ یہ ایک اہم سیاسی مقدمہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنا بیان ختم کرنے کے بعد مجھ سے مشورہ بھی طلب کرو گی؟۔"

"نہیں---ہاں---شاید---" امروزیہ گھبرا گئی۔ پہلے اس نے انکار کیا مگر اسے واقعی مشورہ بھی لینا تھا اس لئے اس نے فوراً ہی اقرار کیا۔ اقرار کے دوران اسے اپنی سبکی اور ذلت محسوس ہوئی اس لئے اس نے اپنی ذلت کو لفظ "شاید" سے چھپا دیا اور پھر بغیر رکے اپنی کہانی شروع کر دی۔

امروزیہ نے ایک ایک بات کی تفصیل بیان کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اس بیان میں دو گھنٹے سے زیادہ لگ گئے۔ اس تمام عرصہ میں ازقوف اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہ بولا۔ سوسی اس لئے خاموش رہی کہ اسے ازقوف کی خاموشی پر تعجب ہو رہا تھا۔ ازقوف خود اتنا باتونی تھا کہ دوسروں کو بولنے کا بہت کم موقعہ دیتا اور جب دوسرا بولنے لگتا تو اس کی ہر بات پر اعتراض کرتا۔

امروزیہ کے خاموش ہونے کے بعد بھی خاموشی ہی طاری رہی۔ ازقوف اس قدر خوش طبع ہونے کے باوجود بالکل چپ تھا۔ ایک دوبار اس نے ٹھنڈی سانسیں لی تھیں جنہیں صرف سوسی محسوس کر سکی تھی۔ امروزیہ اپنے بیان میں اس قدر منہمک تھی کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر ہی نہ تھی۔ وہ کبھی جذبات میں آ کر زور زور سے ہاتھ چلانے لگتی۔ منہ سے تھوک اڑنے لگتا اور ہاتھ پیروں میں ارتعاش سا پیدا ہو جاتا جیسے اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔ اپنی داستان یا کارگزاری بیان کرنے کے بعد وہ بھی کچھ دیر خاموش رہی۔ شاید وہ اپنے ہاتھ پیروں پر قابو پانا چاہتی تھی یا پھر انہیں ڈھیلا چھوڑ کر سکون دینا چاہتی تھی۔

پھر امروزیہ اک دم ازقوف کی طرف پلٹی۔ "ارے تمہیں کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ آخر تم اس قدر خاموش کیوں ہو۔؟"

ازقوف نے کچھ ایسی نظروں سے امروزیہ کو دیکھا کہ وہ سہم گئی۔ "مجھے اس طرح کیوں

Marfat.com

دیکھ رہے ہو۔ میں نے تو امیر زنگی کو قتل نہیں کیا؟" امروزیہ نے ایک نامعلوم خوف کے تحت دبے لفظوں میں کہا۔

"تم نے قتل نہیں کیا لیکن تم اس قتل میں خواجہ سرا یار کتش اور جبار کے ساتھ برابر کی شریک ہو۔" ازقوف نے اس قدر سنجیدگی سے کہا کہ امروزیہ کو پسینہ آ گیا۔

وہ یہ کچھ دیر ازقوف کو گھورتی رہی پھر چمک کے بولی۔ "اچھا جاؤ۔ میں نے ہی قتل کیا ہے۔ تم کیا کر لو گے میرا۔ امیر زنگی غاصب تھا۔ اس نے کتنی آبادیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیا۔ وہ ظالم اور مکار تھا۔۔۔۔"

سوسی نے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہوش میں آؤ امروزیہ۔ ارے ان کی بات کا برا مان گئیں یہ تو بس یونہی ہیں۔ نہ آگا دیکھتے ہیں اور نہ پیچھا بس جو جی میں آتا ہے بک دیتے ہیں۔"

ازقوف کو پتہ نہیں کہاں سے عقل آ گئی۔ فوراً مسخروں جیسا منہ بنا لیا۔ "ارے واہ ری میری امروزیہ۔ غصے کی پڑیا۔ ذرا چھیڑا اور تنک کے کھڑی ہو گئیں۔" اس کے ساتھ ہی ہاتھ جوڑے "بس اب غصہ تھوک دو۔"

امروزیہ اور سوسی مسکرانے لگیں۔ "دیکھا تم نے۔" سوسی چمک کے بولی۔ "دل کے ایسے صاف ہیں کہ غصہ تو اس میں رہتا ہی نہیں۔ ادھر آیا ادھر گیا۔"

"اب تم انسان معلوم ہوتے ہو ازقوف۔" امروزیہ کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ "ہاں اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔؟"

"مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ ایسی باتوں میں میرا دل بالکل نہیں لگتا۔" ازقوف نے بظاہر اپنا دامن بچایا۔

"نہیں ازقوف۔ ان معاملات میں عورتوں سے زیادہ مردوں کی عقل کام کرتی ہے۔ اسی لئے تو میں سب سے پہلے تمہارے پاس آئی ہوں۔" امروزیہ نے بڑا مصالحانہ انداز اختیار کیا۔

ازقوف سوچ میں پڑ گیا۔ وہ بظاہر جیسا تھا مگر دل کا برا نہ تھا۔ امیر زنگی کے معاملہ میں وہ پہلے ہی خلاف تھا امیر زنگی جب جہاد پر جاتا' ازقوف اس کی ٹوہ میں لگ جاتا پھر جب امیر کی کامیابی کے چرچے عام ہو کر لوگوں کے کانوں پہنچتے تو ازقوف خوشی سے ناچنے لگتا۔ اپنے ساتھیوں میں شیرینی تقسیم کرتا اور ہفتہ بھر تک مسجد میں چراغ جلانے جاتا۔ اس نے کسی مولوی کے وعظ میں سنا تھا کہ مسجد میں چراغ جلانے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ ازقوف کے دل میں یہ عقیدہ پختہ ہوتا گیا اور اب تو اس کا یہ عالم تھا کہ جب بھی اسے کوئی خوش

Marfat.com

نصیب ہوتی تو فوراً چراغ جلانے دوڑتا۔ امیر زنگی کے ہر جہاد کے بعد تو وہ بلاناغہ چراغ جلاتا رہتا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں حاکم قلعہ مروان لنگ کو یہ باتیں بتا دوں۔" امروزیہ نے دل کی بات کہہ دی۔ اسی مشورہ کے لئے وہ سوسی اور ازقوف کے پاس آتی تھی۔

"تم امیر زنگی کے قتل کا الزام اپنے سر لوگی؟" سوسی نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا۔

"یہ میں کیوں کہوں گی۔" امروزیہ نے انکار کیا۔ "امیر زنگی کے قاتل جبار اور یار کتش اور وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔"

ازقوف اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجہ میں پوچھا۔ "امروزیہ۔ تم مروان لنگ سے یہ باتیں بیان کر کے کیا فائدہ اٹھانا چاہتی ہو؟۔"

امروزیہ دل کے پھپولے پھوڑنے بیٹھ گئی۔ "امیر زنگی کے قتل سے میری زندگی کی جدوجہد پوری ہو گئی اور میرا دل ٹھنڈا پڑ گیا۔ امیر زنگی نے سبھی کو تکلیف دی ہے۔ یار کتش اور جبار اس کے عتاب کے شکار ہوئے۔ الرہا اور سروج تباہ ہوئے۔ قلعہ جعبر پر حملہ کا اس نے کیا بزدلانہ طریقہ اختیار کیا اگر مروان لنگ ہوشیار نہ ہوتا تو قلعہ جعبر کا حشر بھی سروج جیسا ہوتا۔ کیا یہ باتیں اسے ظالم اور مکار ثابت کرنے کے واسطے کافی نہیں؟۔"

"اس ظلم کی داستان میں ایک بات کی کمی رہ گئی ہے۔" ازقوف نے آہستہ سے لقمہ دیا۔

"کون سی بات؟۔" امروزیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"یہ بات سب سے زیادہ قابل مذمت ہے کہ امیر عماد الدین زنگی نے الرہا پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور بیچاری امروزیہ کے چار جواں سال بھائی اس ہنگامہ میں مارے گئے۔"

ازقوف نے امروزیہ پر طنز کیا تھا لیکن اس کے بھائیوں کے ذکر سے اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ "تم ٹھیک کہتے ہو ازقوف۔ امیر زنگی کا مجھ پر سب سے بڑا یہی ظلم تھا لیکن میں نے بھی اسے نہیں بخشا اور انتقام لے کر ہی رہی۔"

"ٹھیک ہے۔ بہن ہو تو ایسی ہی ہو مگر مروان لنگ ان باتوں پر کیوں توجہ دے گا؟" ازقوف نے اسے پھر چھیڑا۔

"مروان لنگ کو بھی امیر زنگی سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی مجھے ہے۔ امیر زنگی کے قتل کا حال سن کے وہ ضرور خوش ہو گا۔" امروزیہ نے بڑے یقین سے کہا۔

Marfat.com

اس وقت سوسی نے بھی ایک سوال اٹھا دیا۔ "امروزیہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مروان لنگ تمہیں گرفتار کر کے امیر زنگی کے بیٹوں کے پاس بھیج دے اور اس کے صلہ میں قلعہ جعبر کے لئے کوئی رعایت طلب کرے۔"

"غلط بالکل غلط۔ تمہارا چھوٹا سا دماغ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔" اور امروزیہ اس طرح ہنسی جیسے سوسی کی عقل کا مذاق اڑا رہی ہو۔

امروزیہ اٹھ کے جانے لگی تو ازقوف نے کہا۔ "کہاں جا رہی ہو امروزیہ یہ رات کا کھانا اور صبح کا ناشتہ کس کے کام آئے گا؟"

امروزیہ مسکرائی۔ "میری طرف سے سوسی کو کھلا دینا۔ بہت دبلی ہو رہی ہے بیچاری۔"

"پھر کب آؤ گی؟" ازقوف بڑا بے چین نظر آنے لگا تھا۔

"کل آ کے بتاؤں گی کہ مروان لنگ نے کیا جواب دیا۔"

امروزیہ چلی گئی اور ازقوف نے اطمینان کا سانس لیا۔ سوسی پہلے ہی سے بھری بیٹھی تھی۔ فوراً ازقوف پر برس پڑی۔ "ٹھنڈی آہیں کیوں بھر رہے ہو۔ میں تمہاری نظریں دیکھ رہی تھی۔ جب سے امروزیہ آئی تھی اور جب تک واپس نہیں گئی تمہاری نظریں اسی کا طواف کرتی رہیں۔"

"توبہ کرو سوسی۔" ازقوف نے اپنے کان پکڑے۔ "خدا کرے یہ کمبخت بھی اسی طرح ماری جائے جس طرح یارکتش اور جبار مارا گیا۔"

سوسی نے پہلے شوہر کو دیکھ کے یہ اطمینان کیا کہ کہیں وہ جھوٹ نہیں بول رہا پھر منہ پھلا کے بولی۔

"مجھے خوش کرنے کو تو نہیں کہہ رہے ہو۔"

"تمہاری قسم سوسی۔ مجھے تو اس سے اس دن سے نفرت ہے جب اس نے تمہیں مجھ سے شادی کرنے سے منع کیا تھا۔ یہ مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر کے کتے کی موت مروانا چاہتی ہے۔" ازقوف نے بھی دل کی ساری بھڑاس نکال دی۔ "میں کہتا ہوں کہ خواجہ سرا یارکتش اور جبار مارے نہیں گئے بلکہ امروزیہ نے انہیں مروایا ہو گا۔"

سوسی نے کان کھڑے کئے۔ "یہ تمہیں کس نے بتایا؟"

"بتایا مجھے کسی نے نہیں یہ میرا اندازہ ہے۔ امروزیہ جیسی چالاک عورت سے ہر بات ہو سکتی ہے۔ وہ جبار کے ساتھ بالکل مخلص نہ تھی۔" ازقوف نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ امروزیہ کا جبار کے ساتھ شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا؟" سوسی نے بڑی حیرت سے سوال کیا۔

Marfat.com

"بالکل یہی بات تھی۔ شادی کرنا تو الگ رہا امروزیہ اسے دیکھنا اور بات کرنا بھی پسند نہ کرتی تھی۔"

ازقوف کے لہجہ میں نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ "اس بات کا شبہ جبار کو بھی تھا اس نے مجھ سے کئی بار پوچھا کہ کہیں اسے امروزیہ دھوکہ تو نہیں دے جائے گی لیکن میں مصلحتاً" ٹال گیا تھا۔"

"تمہاری اس میں کیا مصلحت تھی؟۔" سوسی کے دل میں ایک نئے شک نے سر اٹھایا۔

""میری اس وقت تم سے شادی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے بھی شبہ ظاہر کر دیا تو کہیں میری شادی کھٹائی میں نہ پڑ جائے اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔"

سوسی کا شبہ دور نہیں ہوا۔ اس نے کہا۔ "اب کی امروزیہ کو آنے دو۔ میں باتوں باتوں میں پوچھوں گی۔"

"مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"تم کیا سوچ رہے ہو۔ ذرا میں بھی تو سنوں؟" سوسی نے نتھنے پھلا کے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ امروزیہ سے تمہاری شاید ہی ملاقات ہو سکے۔ ازقوف نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"نہیں ملے گی تو میں مر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں ہو گی اس سے ملنے کی خواہش۔" سوسی پتہ نہیں ازقوف کی بات کا کیا مطلب سمجھ کہ بڑبڑانے لگی۔ "مرد ذات کا کیا اعتبار۔ ذرا اچھی صورت دیکھی اور پھسل گئے۔"

"ارے رے رے۔ تم کدھر چل پڑیں۔ عورت کا وہم تو کوئی دور ہی نہیں کر سکتا۔" ازقوف خوشامد پر اتر آیا۔ "جہنم میں ڈالو اس دغا باز عورت کو تم تو میری جان ہو۔ میرا جگر ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اس کی بس قضا آ گئی ہے۔ مروان لنگ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"کس کی بات کر رہے ہو۔ کس کو نہیں چھوڑے گا۔" سوسی گھبرا کے ازقوف کو دیکھنے لگی۔

"وہی تمہاری امروزیہ۔" ازقوف نے نفرت سے کہا۔ "مجھے بیوقوف سمجھتی ہے وہ کہتی ہے کہ میں مروان لنگ کو اس قتل کی حقیقت بتا کے اس سے انعام حاصل کروں گی۔ انعام کے بجائے اسے سولی کا تحفہ ملے گا۔"

Marfat.com

"کیوں اسے سولی کیوں ملے گی۔ کیا مروان لنگ، امیر زنگی کے قتل کا حال سن کے خوش نہ ہو گا۔" سوسی نے امروزیہ کی حمایت شروع کر دی۔

"خوش تو ہو گا لیکن امروزیہ اپنا اعتبار کھو بیٹھے گی۔"

"وہ کیسے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔؟"

ازقوف نے سنجیدگی سے بتایا۔ "مروان لنگ بہت چالاک حکمران ہے۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ امروزیہ نے اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے امیر کے قاتلوں سے ساز باز کیا ہے تو کیا امروزیہ کسی دوسرے یعنی مروان لنگ کے خلاف اسی طرح کی سازش نہیں کر سکتی ــــ"

سوسی کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ ہونق بنی دیر تک ازقوف کو دیکھتی رہی۔

ازقوف کی حیثیت بظاہر ایک درباری جوکر یا پر مذاق آدمی سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ سوچتا بڑی دور کی تھا۔ امروزیہ کے بارے میں اس نے جو اندازہ لگایا تھا وہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ امروزیہ نے اسی دن مروان لنگ کے محل پہ پہنچ کے امیر زنگی کے قتل کی پوری داستان بلکہ اس میں کچھ نمک مرچ لگا کے سنا دی۔ مروان لنگ اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ قتل کی کہانی سننے کے بعد اس نے ایک لمبی سانس لی۔

"امروزیہ۔ تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ہم تمہاری کارگزاری سے بہت خوش ہوئے۔" اور مروان لنگ نے اسے ایسی معنی خیز نظروں سے دیکھا کہ امروزیہ سہم گئی۔

"میں شاہ جبر کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میری خدمات کو سراہا۔" امروزیہ نے گھٹے گھٹے لہجے میں کہا۔

"تمہیں تو اتنے بڑے کارنامہ کے لئے انعام بھی ملنا چاہئے؟" مروان لنگ نے زہرخند کیا۔

"شاہ کی نوازش ہے۔" امروزیہ نے اٹک اٹک کے کہا۔ "میری بس۔ یہی خواہش ہے کہ میں آپ کے قدموں ہی میں باقی زندگی گزار دوں۔ اگر شاہ قلعہ جبر میں مجھے کوئی جگہ رہنے کے لئے عنایت فرما دیں تو ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔"

"ضرور ضرور ــــ ہم تمہیں قلعہ جبر ہی میں رکھیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے مروان لنگ نے تالی بجائی۔ ایک نیزہ بردار حاضر ہو کر سلام بجا لایا۔

"اس عورت کو لے جاؤ اور قید تنہائی میں ڈال دو ــــ"

مروان لنگ نے حکم دیا تو امروزیہ چیخ مار کر کھڑی ہو گئی اور دہائیاں دینے لگی۔

"حضور شاہ۔ رحم فرمائیے۔ میں پہلے ہی دکھوں کی ماری ہوں ــــ"

Marfat.com

"ہم تجھے دنیا کے تمام دکھوں سے بھی جلد ہی نجات دلا دیں گے۔" مروان لنگ نے غصہ سے اس کی بات کاٹی۔ "ہم نہیں چاہتے کہ تیری وجہ سے قلعہ جعبر کے اندر اور باہر خون کی ہولی کھیلی جائے۔"

"مگر شاہا۔ میری خطا میں نے تو آپ کے ایک بڑے دشمن کو ٹھکانے لگوایا ہے۔" امروزیہ رو رو کر فریاد کر رہی تھی۔

"ہماری سب سے بڑی دشمن تو ہے امروزیہ۔" مروان لنگ کے گلے کی رگیں غصہ سے پھول گئیں۔ "تو وہ عورت ہے جس نے اپنے بھائیوں کے قتل کے بدلہ میں امیر زنگی کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ تو ایک قیامت ہے۔ قہر ہے خدا کا عذاب ہے۔ اگر تو کسی وقت ہمارے خلاف ہوئی تو ہمیں بھی اپنے کسی عاشق سے اسی طرح قتل کرا دے گی۔ تجھ پر خدا کی لعنت ہو ذلیل عورت۔"

امروزیہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مروان لنگ اس کے بارے میں اس قدر معلومات رکھتا ہے۔

مروان لنگ کو جواب نہ ملا تو اس نے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ امیر زنگی ہمارا دشمن تھا۔ اس کا قتل بھی جعبر کے لئے مفید ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے امیر موصل کے بیٹے اس قتل میں تم لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی شریک کار سمجھیں اور اپنے باوا کے خون کا قصاص لینے آ جائیں۔ اس لئے میں تجھے اس وقت تک زندہ رکھوں گا جب تک اس قتل کا مسئلہ صاف نہیں ہو جاتا اس کے بعد تیری موت یقینی ہے۔ ہم ایک سانپ کو اپنی آستین میں نہیں پال سکتے۔"

امروزیہ نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ مروان لنگ دہاڑا۔ "لے جاؤ اس ذلیل ہستی کو۔ ہم اس کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔"

نیزہ بردار نے آگے بڑھ کر امروزیہ کی کلائی ایک ہاتھ سے پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا نیزہ سنبھالا پھر وہ امروزیہ کو کھینچتا ہوا باہر نکل گیا۔

امیر شہید کے کسی بیٹے کو یہ فرصت کہاں تھی کہ امیر کے قاتلوں کا پتہ لگاتے اور قصاص کا دعویٰ کرتے۔ دوپہر تک شہزادے نور الدین کے خیمے میں مجلس مشورت گرم رہی۔ سردار شیر کوہ نے جو نکات اٹھائے تھے انہیں نہ صرف توجہ سے سنا گیا بلکہ تمام فیصلے انہی کی روشنی میں ہوئے۔ سب سے پہلا مسئلہ نئے امیر کا انتخاب تھا۔ شہزادہ نور الدین کو تمام سردار جن میں شیر کوہ بھی شامل تھا' ذہنی طور پر نیا امیر تسلیم کر لیا گیا تھا مگر طے یہ ہوا کہ امیر کے نام کا اعلان حلب پہنچ کے کیا جائے گا لشکر کے تمام سرداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ

Marfat.com

شہزادہ نور الدین زنگی کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ جو سردار اس حلف کے خلاف ہوں انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے ہمنوا فوجی دستوں کو لے کر جدھر چاہیں چلے جائیں اور جس سے چاہیں پیمان وفا باندھیں۔

دوپہر تک تمام سردار شہزادہ نور الدین زنگی کے خیمے میں رہے۔ نہ بھوک نہ پیاس۔ ہر ایک چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ امیر زنگی کے خاص اور محبوب سردار' غم سے نڈھال ہو رہے تھے۔ وہ جب باہر آئے تو معلوم ہوا کہ امیر موصل' حامی دین مبین اور شاہ شاہاں عماد الدین زنگی اس غریب الوطنی میں رقہ سے آنے والے ایک تجارتی قافلہ نے ان کے مقتل یعنی خیمہ کے سامنے میدان میں کفنا کر دفن کر دیا گیا ہے۔ گنتی کے چند آدمی اس کی میت میں شریک ہوئے۔ اللہ اللہ جاء عبرت ہے کہ ایک ایسا جلیل القدر امیر جس کے اشارہ چشم و ابرو سے حکومتیں الٹ جایا کرتی تھیں اس کے جنازے میں گنتی کے چند آدمی شریک ہوئے۔ اس وقت تک بیشتر لشکر قلعہ جعبر کے باہر خیمہ زن تھا۔ امیر عماد الدین زنگی کی موت نے بعض لوگوں کو دل برداشتہ کر دیا تھا اور وہ صبح کو اس خبر کے پھیلتے ہی خیمے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ باقی لشکری اپنے اپنے خیموں میں موجود تھے لیکن وہ بغیر اپنے سرداروں کے امیر مرحوم کے خیمے تک بھی نہیں جا سکتے تھے اور ان کے سردار بھوکے پیاسے ایک نئے امیر کے انتخاب میں حصہ لے رہے تھے۔

قلعہ جعبر کی فصیل پر پہرہ دینے والوں نے موصل لشکر میں ایک خاص قسم کی بے چینی محسوس کی تھی پھر جب دوپہر کے وقت امیر کا جنازہ اٹھا تو مروان لنگ کو اطلاع دی گئی۔ مروان لنگ کو بتایا گیا کہ امیر موصل عماد الدین زنگی کو رات کے پچھلے پہر کچھ غلاموں نے قتل کر دیا ہے۔ مروان لنگ کے تیز دماغ نے اس موقعہ سے فوراً بعد قلعہ کا دروازہ کھول کے اس نے معززین شہر کا ایک وفد شہزادہ نور الدین زنگی کی خدمت میں روانہ کیا۔

نور الدین زنگی تھوڑی دیر پہلے ہی مجلس مشورت سے فارغ ہوا تھا۔ وہ چند سرداروں کے ساتھ اس مسئلہ پر افسوس کر رہا تھا کہ وہ باپ کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ اسی وقت مروان لنگ کا وفد پہنچا۔ وفد میں شہر کوتوال۔ قاضی شہر' ملک التجار اور نائب السلطنت وغیرہ شامل تھے۔ ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادہ کسی وجہ سے جنازہ میں شرکت نہیں کر سکا لیکن انہوں نے اس مسئلہ کو بالکل نہ چھیڑا اور بہت مغموم الفاظ میں امیر مرحوم کی تعزیت کی۔ اس موقعہ پر شہزادہ نور الدین زنگی کے اشارہ پر سردار شیرکوہ نے وفد کا شکریہ ادا کیا اور اسے یقین دلایا کہ قلعہ جعبر پر حملہ کا منصوبہ امیر مرحوم نے تیار کیا تھا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے اس لئے شہزادہ نور الدین زنگی نے اس منصوبہ کو بھی امیر مرحوم کے

Marfat.com

ساتھ ہی دفن کر دیا ہے اور یہ کہ موصل کا لشکر محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہا ہے۔

اس کے جواب میں جعبر کی نائب السلطنت نے شہزادہ نور الدین زنگی کو جعبر کے تعاون کا یقین دلایا اور شاہ مروان لنگ کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ سردار شیرکوہ کے توسط سے شہزادہ نور الدین زنگی اور شاہ مروان کے درمیان دوستی کے معاہدہ پر دستخط ہوئے اور جب شام کے وقت موصل کا لشکر جو شہزادہ نور الدین زنگی کی وفاداری کا حلف اٹھا چکا تھا' محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہا تھا تو شاہ مروان اپنے سرداروں کے ساتھ انہیں رخصت کرنے کے لئے موجود تھا۔ امیر موصل کو شہید کرنے والے دو قاتل خواجہ سرا یار کتش اور جبار اور اس قتل کی اصل محرک امروزیہ اپنے اپنے کیفے کردار کو پہنچ چکے تھے۔ وہ منظر بھی کیا خوب تھا جب کل کے دشمن شہزادہ نور الدین زنگی اور شاہ مروان گھوڑے سے گھوڑا ملائے کھڑے تھے اور موصل کا لشکر اداس فضاؤں کا سینہ چیرتا حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

امیر موصل عماد الدین زنگی کی شہادت نہ چھپائے جا سکتی تھی اور نہ نور الدین زنگی نے اسے چھپانے کی کوشش' شہزادہ نور الدین زنگی شاہی لشکر کے ساتھ حلب پہنچا تو والئی حلب نے ایک منزل آگے بڑھ کے شہزادہ کا استقبال کیا۔ نور الدین نے اب تک اپنے امیر ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن جب والئی حلب نے شہزادہ نور الدین زنگی کو سلام پیش کیا تو اس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔

"عاجز غلام حاکم حلب' امیر موصل نور الدین زنگی کے حضور سلام عجز و نیاز پیش کرتا ہے۔ یہ بندہ ناچیز کی عزت افزائی ہے کہ امیر نے سب سے پہلے اسے مہمان نوازی کا شرف بخشا۔"

شہزادہ نور الدین زنگی نے مسکرا کے شیرکوہ کی طرف دیکھا جو قلعہ جعبر سے یہاں تک شہزادہ کے دائیں جانب ہمرکاب چلا آ رہا تھا۔ شیرکوہ' شہزادے کا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے والئی حلب کے مجرے کا ان الفاظ میں جواب دیا۔ "والئی حلب کی ذہانت کی داد نہ دینا زیادتی ہو گی کیونکہ شہزادہ نور الدین نے اب تک اپنے امیر ہونے کا اعلان نہیں کیا لیکن والئی حلب نے اپنی عقل رسا سے انہیں امیر ہونے کا خطاب دے دیا۔ میرا خیال ہے کہ شہزادہ بہادر بھی والئی حلب کی اس جدت طبع سے ضرور خوش ہوئے ہوں گے۔ اب میں شہزادہ بہادر کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اس وقت سے شہزادہ بہادر اعلیٰ حضرت امیر ابن امیر نور الدین زنگی کو امیر حلب کے لقب سے پکارا جائے۔ آج سے حلب کو دارالسلطنت کا درجہ دیا جاتا ہے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی مبارک سلامت اور زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

Marfat.com

اس موقعہ پر والی حلب نے اور زیادہ ذہانت کا ثبوت دیا سب سے پہلے اس نے امیر نور الدین کا نعرہ لگا کر نئے امیر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا جو اس کی وفاداری کا کھلا ہوا اعلان تھا۔ ایک بار پھر حلف برداری کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک ایک سردار نے امیر حلب کے ہاتھوں کو چوم کو جاں نثاری اور وفاداری کی قسم کھائی۔ سب سے آخر میں سردار شیرکوہ نے امیر نور الدین زنگی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ جب شیرکوہ اپنی جگہ واپس جانے لگا تو نور الدین نے اسے روک کر اپنے گلے سے لگایا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ امیر نور الدین زنگی کا دل سردار شیرکوہ کے دل سے ملا ہوا ہے۔

یہ عام گفتگو حلب کے ہی علاقہ میں ہوئی تھی سابق والی حلب نے وہیں نور الدین زنگی کا استقبال کیا تھا اور ایسا موقعہ آگیا تھا کہ شیرکوہ کو وہیں شہزادہ نور الدین کے امیر حلب ہونے کا کرنا پڑا۔ سابق والی صلب سے اگرچہ حلب کی گورنر چھن گئی تھی لیکن اس نے بڑے پرزور طریقہ سے نور الدین زنگی کے امیر حلب ہونے کی تائید اور حمایت کی تھی۔ اس وفاداری کے سلسلہ میں اسے یقین دلایا گیا کہ اسے سابق عہدہ سے بڑا عہدہ دیا جائے گا۔ شیرکوہ کی سفارش پر سابق والی حلب کو امیر نور الدین زنگی کا حاجب خاص اور محلات شاہی کا ناظم اعلی مقرر کیا گیا۔ پھر یہ لوگ یہاں سے روانہ ہو کے حلب کے قلعہ میں پہنچے سابق والی نے تمام محلات خالی کر دیئے اور امیر نور الدین زنگی کے عطا کئے ہوئے ایک مضافاتی محل میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ منتقل ہو گیا۔

آئندہ چار دن تک امیر نور الدین زنگی اور سردار شیرکوہ شہر، قلعہ اور دوسرے انتظامات میں مصروف رہے۔ لشکر کی از سر نو ترتیب دی گئی اور نئے لشکر کی بھرتی کا حکم ہوا۔ امیر نور الدین زنگی اور شیرکوہ بظاہر انتظام میں مصروف تھے لیکن ان کے دل اس وقت زور زور سے دھڑکنے لگتے جب انہیں پرانے دارالسلطنت موصل کا خیال آتا انہیں اس بات کا یقین تھا کہ بڑے شہزادہ سیف الدین غازی نے خود کو امیر موصل کی مسند پر بٹھا دیا ہو گا لیکن اس نے نور الدین کے لئے کیا فیصلہ کیا اس کا کسی کو علم نہ تھا چھوٹا شہزادہ قطب الدین مودود چونکہ بڑے بھائی کے ساتھ موصل ہی میں تھا اس لئے اس کی بغاوت کا کوئی امکان نہ تھا۔ یہ سردار شرکوہ کی انتہائی دور اندیشی تھی کہ اس نے نور الدین زنگی کو امیر حلب کے نام سے مشہور کیا تھا۔ اس کے کسی اعلان میں بھی "موصل" کا کوئی ذکر نہ تھا۔

موصل میں جس دن امیر عماد الدین کے قتل کی خبر پہنچی اسی دن زنگی حکومت کے نائب السلطنت زین الدین علی کو چک نے دربار خاص منعقد کیا اور متفقہ طور پر بڑے شہزادے سیف الدین غازی کو امیر موصل منتخب کرا لیا۔ پھر امیر موصل کی طرف دو اعلانات

Marfat.com

ہوئے۔ ایک اعلان کے ذریعہ امیر مرحوم کا ایک ہفتہ تک سوگ منانے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے اعلان میں سلطنت موصل کے تمام علاقوں کے والیوں۔ ناظموں اور گورنروں کو حکم دیا گیا کہ وہ دارالسلطنت میں حاضر ہو کر نئے امیر سے اپنی وفاداری کا اعلان کریں۔ اس کے لئے "فرداً فرداً" ہر حاکم کو ایک فرمان بھیجا گیا۔ ابھی یہ فرمان روانہ نہ کیا گیا تھا کہ امیر موصل کو اطلاع دی گئی کہ شہزادہ نور الدین زنگی نے "امیر حلب" ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

موصل کے سوگوار فضا پر دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے بادل چھا گئے۔ لشکر کی زیادہ تعداد امیر مرحوم کے ساتھ قلعہ جعبر کے محاصرہ کے لئے گئی تھی جسے امیر نور الدین زنگی اپنے ساتھ حلب لے گیا تھا۔ پھر بھی موصل میں اتنا لشکر موجود تھا کہ کسی بھی حملہ آور کا قلعہ بند ہو کر ایک عرصہ تک مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ امیر سیف الدین غازی نے نائب السلطنت زین الدین علی کو چک سے جسے وزیر اعظم کا عہدہ دیا گیا تھا' صاف کہہ دیا تھا کہ وہ شہزادہ نور الدین زنگی کے مقابلہ پر خود نہیں نکلے گا اور نہ اس وقت اس کے خلاف تلوار اٹھائے گا جب تک نور الدین اس کے خلاف صف آرا نہیں ہوتا۔ زین الدین علی کو چک بڑا بیدار مغز وزیر اعظم تھا۔ اس نے امیر کو یقین دلایا تھا کہ وہ جنگ کی نوبت نہیں آنے دے گا اور شہزادہ نور الدین زنگی سے افہام و تفہیم کے ذریعہ کوئی نہ کوئی معاملہ ضرور کر لے گا۔ وزیر اعظم کو چک کو نور الدین زنگی کے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کی اس لئے امید تھی کہ نور الدین زنگی نے امیر حلب ہونے کا اعلان کیا تھا اور موصل کا نام نہ لے کر شاید یہ اعلان کیا تھا کہ موصل پر سیف الدین غازی کا قبضہ اس نے تسلیم کر لیا ہے۔

نور الدین زنگی کے امیر حلب ہونے کی اطلاع پر موصل میں بھی دربار خاص میں گرما گرم بحث ہوئی چھوٹا شہزادہ قطب الدین مودود نے اس دربار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی دلیل یہ تھی اگر نور الدین زنگی کی حلب میں حکومت مضبوط ہو گئی تو پھر اسے اکھاڑنا مشکل ہو گا اس لئے حلب پر فوری حملہ کر کے اس نئی طاقت کو سر اٹھانے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

"شہزادے بہادر ---" وزیر اعظم زین الدین علی کو چک جب شہزادہ قطب الدین مودود کی بے تکی دلیلیں سن سن کے تھک گیا تو اس نے ٹوکا۔ "امیر موصل کے ساتھ آپ کی محبت اور وفاداری شک و شبہ سے بالا ہے لیکن شہزادہ نور الدین کی طاقت کا اندازہ کئے بغیر حلب جا کے حملہ کرنا عسکری نقطہ نظر سے کچھ زیادہ مفید نظر نہیں آتی۔ ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ اس نئے پودے کو تن آور درخت بننے سے پہلے ہی کاٹ دینا چاہئے لیکن اپنے ہاتھ

Marfat.com

پیر بچا کے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حلب پر پڑنے والا وار ہم پر الٹا نہ ہو جائے۔"

"وزیر اعظم نے جو کچھ فرمایا اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔" شہزادہ مودود وزیر اعظم کو بھی ناخوش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حلب ہمارے سر پر چڑھ کے بولے گا۔ حلب پہلے بھی موصل کا ایک حصہ تھا اور اب بھی اسے اسی طرح رہنا چاہئے۔ اسے موصل کی برتری تسلیم کرنا ہو گی۔"

"درست فرمایا شہزادے نے ---" وزیر اعظم کوچک نے نرمی سے کہا۔ "ہم کوشش کریں گے کہ شہزادہ نور الدین سے بات چیت کے ذریعہ معاملات طے کئے جائیں اور جنگ کا موقعہ نہ آئے کیونکہ جنگ کی صورت میں سوائے تباہی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ دشمنوں کو سر اٹھانے کا موقعہ ملے گا اور دولت موصل کی شہرت کو دھبہ لگے گا۔"

زین الدین کوچک نے ایسی بات کہی تھی کہ شہزادہ کو مزید گفتگو کی ہمت نہ ہوئی۔ شہزادہ قطب الدین مودود بڑے بھائی کے پاس مقیم تھا دوسرے الفاظ میں شہزادہ مودود کی جان امیر سیف الدین غازی کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے وہ دربار میں ایسی باتیں کر رہا تھا تاکہ امیر کو اس کی وفاداری پر کوئی شبہ نہ ہو اور وہ سکون کے ساتھ زندگی گزارتا رہے۔

دربار کے بعد وزیر اعظم زین الدین کوچک نے امیر سیف الدین غازی سے تنہائی میں کہا۔ "امیر محترم اگر مناسب خیال فرمائیں تو شہزادہ نور الدین کے پاس گفتگو کے لئے مجھے روانہ کر دیجئے۔"

"تم اس معاملے کو کس طرح طے کرو گے کوچک" امیر سیف الدین بہت فکر مند تھا۔

"عالی مقام امیر۔" وزیر اعظم نے سنبھل کے کہا۔ "یہ بات تو طے ہے کہ شہزادہ نور الدین نے سلطنت موصل کی طرف نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ اس نے اپنے آپ امیر حلب ہونے کا اعلان کیا" سیف الدین غازی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حلب کا علاقہ چاہتا ہے۔"

"صرف علاقہ ہی نہیں بلکہ حلب کی آزاد حکومت بھی چاہتا ہے" زین الدین کوچک نے وضاحت کے لئے کہا۔ "جنگ روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حلب اس کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔ اس سے سلطنت موصل تقسیم ہونے کے باوجود بھی سلطنت موصل ہی کہلائے گی۔

"تمہاری سوچ درست سمت میں ہے۔" امیر سیف الدین غازی کی سرگرانی میں کچھ کمی ہو گئی۔

"پھر میں یہ سمجھوں کہ امیر محترم نے مجھے حلب جانے کی اجازت دے دی؟" وزیر

Marfat.com

اعظم کو چک نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ضرور جاؤ۔ مگر اس قدر عجلت بھی کیا ہے؟۔"

"امیر محترم۔ دشمن منہ پھیلائے اور زخم کھائے بیٹھے ہیں۔ انہیں اگر شبہ بھی ہو گیا کہ حلب اور موصل میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو وہ پوری طاقت سے لشکر لے کر چڑھ دوڑیں گے۔" زین الدین کو چک نے خطرے کی بالکل صحیح نشاندہی کی تھی۔

"تو پھر جاؤ۔ فی امان اللہ۔" امیر سیف الدین غازی بھی کھڑے ہو گئے۔ "مگر شیرکوہ سے ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بھی خیال رہے کہ شیرکوہ کا بڑا بھائی نجم الدین ایوب اس وقت بعلبک کا حاکم ہے۔"

"میری نظر دونوں پہلوؤں پر رہے گی امیر محترم--" زین الدین کو چک نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔"اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ شہزادہ نور الدین سے جنگ نہ ہونے پائے خواہ ہمیں کچھ کھونا ہی کیوں نہ پڑے۔"

دلوں میں گنجائش ہو تو مشکل سے مشکل کام منٹوں میں ہو جاتے ہیں۔ موصل میں امن و امان تھا اور صلح و آشتی کی فضا بھی۔ امیر اور وزیر دونوں شہزادہ نور الدین سے مصالحت پر آمادہ تھے۔ ایسا ہی کچھ حال حلب کا بھی تھا۔ نور الدین زنگی کے پاس موصل سے جانے والا پورا لشکر تو باقی نہ رہ گیا تھا۔ بعض ملازمت چھوڑ کر دوسری ریاستوں میں روزی کمانے چلے گئے تھے اور بعض دل برداشتہ ہو کر گھروں میں جا بیٹھے تھے۔ نور الدین زنگی نے اقتدار سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ اپنی فوج پر توجہ دی تھی۔ اس نے لشکر کی مراعات میں اضافہ کر دیا تھا۔ حلب اور اس کے نواح سے فوج جمع کرنا شروع کر دی تھی۔ یہ فوج نئی اور ناتجربہ کار تھی لیکن اس نئی بھرتی سے انفرادی طور پر وہ کمی پوری ہو گئی جو دل برداشتہ ہو کر لشکر چھوڑ جانے والوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی پھر اس کے پاس اسد الدین شیرکوہ جیسا وفادار اور شجاع سردار موجود تھا جو اس نئے لشکر کو میدان جنگ کے گرم و سرد آتش کدہ سے گزار کر کندن بنا دینا چاہتا تھا۔

حلب میں زین الدین کو چک وزیر اعظم سلطنت موصل کا اس قدر شاندار استقبال ہوا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حلب کے جاسوس موصل تک پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے ہی وزیر اعظم کے حلب جانے کا فیصلہ ہوا ویسے ہی ایک تیز رفتار قاصد یہ خبر موصل سے لے کر حلب چل پڑا۔ پھر تو قاصدوں کا تانتا بندھ گیا۔ وزیر اعظم موصل صرف پندرہ محافظوں کے ساتھ چلا تھا مگر جب وہ حلب پہنچا تو حلب کے دو ہزار سواروں نے اسے سلامی دی۔ نور الدین زنگی امیر حلب کا دست راست اسد الدین شیرکوہ وزیر اعظم کی پیشوائی کے لئے موجود

Marfat.com

تھا۔ اسد الدین اور زین الدین بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے۔ سرحد سے قلعہ تک وزیر اعظم کو جلوس کی شکل میں لے جایا گیا۔ زین الدین کوچک کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

امیر نور الدین زنگی نے اپنے تمام امیروں' وزیروں اور سرداروں کے ساتھ وزیر اعظم زین الدین کوچک کا استقبال محل کی سیڑھیوں پر کیا۔ زین الدین کوچک نے سلام کے ساتھ ہی امیر سیف الدین غازی کا فرمان نور الدین زنگی کو پیش کیا۔ فرمان ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ نور الدین زنگی نے بڑے بھائی کا فرمان زین الدین کوچک سے لے کر پہلے اسے بوسہ دیا۔ پھر آنکھوں سے لگایا اس کے بعد فرمان سر پر رکھ لیا اور اسی حالت میں دربار میں واپس آیا۔ تمام لوگ اس کے جلوس میں تھے۔ وزیر اعظم اپنے امیر کے اعلان کی قدر افزائی دیکھ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔ پہلے اس کی عزت افزائی پھر امیر کے اعلان کی یہ قدر و منزلت۔ وزیر اعظم کو سب کچھ خواب سا معلوم ہو رہا تھا۔

پھر نور الدین زنگی نے شاہی اعلان شیر کوہ کے حوالہ کرتے ہوئے کہا۔ "زین الدین کوچک وزیر اعظم سلطنت موصل آج رات بھاری ضیافت میں شریک ہوں گے۔ یہ فرمان وہاں وزیر موصوف کی موجودگی میں کھولا جائے گا۔"

زین الدین کوچک کو وزیر اعظم سلطنت موصل کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر تھا کہ نور الدین زنگی' سلطنت موصل' امیر موصل اور وزیر اعظم موصل کو تسلیم کر رہے ہیں۔ اس خیال سے زین الدین کوچک کے دل کو بڑی تقویت ہوئی۔ اس وقت انہوں نے فرمان پر کوئی بات کرنا مناسب نہ خیال کیا اور یہ مسئلہ رات پر اٹھا رکھا۔ رات کو زین الدین کوچک وزیر اعظم سلطنت موصل کی شاہانہ ضیافت ہوئی اس دعوت میں سلطنت حلب کے صرف چند اہم سردار مدعو تھے۔ زین الدین کوچک کی نشست امیر حلب نور الدین زنگی کے بالکل مقابل تھی۔ شیر کوہ کو دربار کی طرح اس وقت بھی امیر حلب کے دائیں جانب نشست ملی تھی جس سے اس کی عظمت اور منزلت ظاہر ہوتی تھی۔

کھانے کے بعد امیر حلب نور الدین زنگی کے اشارہ پر امیر موصل کا فرمان شیر کوہ نے اٹھا کر پہلے اسے سر پر رکھا پھر چوم کر کھولا۔ نور الدین زنگی شاہی فرمان سننے کے لئے با ادب ہو کر بیٹھ گیا۔ وزیر اعظم موصل کے ذہن کے کسی گوشہ میں اگر کوئی شبہ تھا تو نور الدین زنگی کے با ادب بیٹھ کے سننے سے وہ بھی دور ہو گیا۔ امیر موصل کا یہ ایک عام سا اعلان تھا جس میں امیر موصل حامی دین عماد الدین زنگی کی شہادت پر دلی افسوس کا اظہار کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی سیف الدین غازی کے موصل کے نئے امیر ہونے کا اعلان تھا۔ آخر میں سلطنت موصل سے متعلق تمام عاملین' ناظمین اور گورنروں کو اطلاع دی گئی تھی کہ وہ

Marfat.com

نئے امیر کی رسمی وفاداری کے لئے اپنی پہلی فرصت میں حاضر دربار ہوں۔

فرمان کے اختتام پر نور الدین زنگی نے مودب طریقہ سے کہا۔ "ہم بردار مکرم حضرت امیر موصل سیف الدین غازی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں اپنے فرمان سے نوازا۔ وزیر اعظم سلطنت موصل امیر کی خدمت میں ہمارے جذبہ شکر گذاری کی ترجمانی فرمائیں۔ فرمان کا تحریری جواب کل وزیر اعظم کے سپرد کر دیا جائے گا۔"

وزیر اعظم زین الدین کو چک نے فوراً امیر حلب کو سلام پیش کیا۔ نور الدین زنگی نے وزیر اعظم سے کچھ دیر موصل میں مقیم اپنے عزیز و اقارب اور امیر موصل کے رشتہ داروں کے بارے میں گفتگو کی پھر یہ دربار برخاست ہو گیا۔ امیر حلب محل کے اندر چلا گیا لیکن اسد الدین شیرکوہ نے وزیر اعظم موصل کو مزید گفتگو کے لئے دربار میں ٹھہرنے کی درخواست کی جو وزیر اعظم نے منظور کر لی۔

"وزیر اعظم۔ آپ کا آنا بڑا مبارک ثابت ہوا" شیرکوہ نے سب کے جانے کے بعد بات شروع کی۔ "میں بہت پریشان تھا۔ حلب کے چند امیر ضد کر رہے تھے کہ موصل کو بزور شمشیر حاصل کیا جائے مگر میں نے امیر نور الدین زنگی کو اشتعال میں نہ آنے دیا۔"

"مجھے آپ کی ذات سے اسی بات کی امید تھی۔ وہاں بھی امیر حلب کے اعلان پر لوگوں نے بہت ناک بھوں چڑھائی تھیں لیکن میں نے سیف الدین غازی کو یہی سمجھایا تھا کہ جب نور الدین نے موصل کی امارت کا دعوی نہیں کیا تو ہمیں جنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نور الدین کا یوں بھی ریاست میں حق تھا۔ اگر انہوں نے موصل سے الگ ایک اور ریاست کی امارت کا دعوی کیا ہے تو پھر ہم کیوں نہ دوستوں کی طرح اسے تسلیم کریں۔" وزیر اعظم نے بڑی وضاحت سے تمام حالات کا جائزہ لیا شیرکوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وزیر اعظم زین الدین کو چک خود اس کے دل کا حال کہہ رہا ہے۔ شیرکوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وزیر اعظم زین الدین کو چک خود اس کے دل کا حال کہہ رہا ہے۔ شیرکوہ نے بھی یہی باتیں سوچ کے صرف "امیر حلب" کا اعلان کرایا تھا جس سے ظاہر تھا کہ امیر موصل ہمیں تسلیم کرے مگر "امیر حلب" کی شرط پر۔

"میرا خیال ہے کہ اب کسی اور بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔؟" شیرکوہ نے اختتام کرتے ہوئے کہا۔ سوائے سرحدوں کے تعین کا مسئلہ۔ اس سلسلہ میں امیر حلب کی خواہش ہے کہ حلب کے ساتھ ان کا حق "الرہا" پر بھی تسلیم کیا جائے کیونکہ الرہا کی جنگ میں انہوں نے بھی اپنا خون بہایا ہے۔"

"سردار شیرکوہ۔ اس سلسلہ میں میری ایک تجویز ہے بشرطیکہ تم پسند کرو۔" وزیر اعظم

Marfat.com

نے بھی اختصار کا راستہ اختیار کیا۔

"فرمایئے وزیر اعظم۔۔۔" شیرکوہ نے فوراً جواب دیا۔ "آپ کی دانش مندی سے امید ہے کہ آپ معقول حد بندی کر کے مستقبل کے تمام فتنوں کا سدباب فرمائیں گے۔"

" میرے خیال میں سلطنت حلب کے ۔ساتھ الرہا کے علاوہ تل باشر کو شامل کر دیا جائے اور اس سے پہلے کی تمام فتوحات اور علاقے سلطنت موصل میں شامل رہیں۔" وزیر اعظم نے رک کے شیرکوہ کو دیکھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے شیرکوہ کیا اس طرح ایک مضبوط اسلامی حکومت کی تقسیم سے دو مضبوط ریاستیں عالم وجود میں نہیں آ جاتیں۔"

"بالکل بالکل۔۔۔" شیرکوہ نے بلاتوقف جواب دیا "کیا آپ امیر موصل کو اس بات پر آمادہ کر لیں گے۔"

"سردار شیرکوہ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح امیر حلب ان کی عزت افزائی فرماتے ہیں اسی طرح امیر موصل بھی اس حقیر فقیر پر نگاہ کرم رکھتے ہیں۔ انشاءاللہ یہ معاملات بالکل اس طرح طے ہوں گے جس طرح میں نے کہا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سردار کو میری ایک درخواست قبول کرنا ہو گی۔"

"ضرور فرمایئے وزیر اعظم۔ آپ کی بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

"تو پھر موصل کی واپسی کے سفر میں آپ کو میرا ہم سفر ہونا پڑے گا۔" وزیر اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں وزیر اعظم۔۔۔" شیرکوہ نے بھی ہنس کے جواب دیا۔ "اگر آپ میری ضرورت محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کی ہمرکابی پر فخر محسوس کروں گا۔"

وزیر اعظم نے اپنی درخواست کی وضاحت کی۔ "سردار شیرکوہ۔ میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ صلح کی یہ باتیں جو ایک زبانی معاہدہ کی شرائط ہیں۔ انہیں امیر موصل کے سامنے ایک بار پھر بیان کرو تاکہ اس معاہدہ کے تم شاہد ہو جاؤ اور مستقبل میں کسی دشمن کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔"

شیرکوہ کی درخواست پر اسے وزیراعظم زین الدین کوچک کے ساتھ موصل بھیج دیا گیا۔ وزیراعظم نے امیر حلب اور امیر موصل کے درمیان ایک زبانی معاہدہ کی تقریباً تمام شرطیں حلب میں قیام کے دوران ہی طے کر لی تھی۔ امیر حلب نے اپنے بڑے بھائی امیر موصل سیف الدین غازی کا فرمان سر پر رکھ کر چوم لیا تھا جو اس بات کا واضح اعلان تھا کہ اس نے سیف الدین کی امیر موصل کی حیثیت سے عظمت و مرتبہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ دوسری طرف وزیراعظم موصل نے شیرکوہ اور امیر موصل نورالدین زنگی کو یقین دلایا تھا کہ وہ نور الدین

Marfat.com

کو بحیثیت امیر حلب تسلیم کرالے گا اور اس طرح دو حصوں میں تقسیم ہونے والی اتا بکہ موصل کی یہ عظیم سلطنت دشمنوں کی نظر میں ایک ہی رہے گی۔

وزیراعظم زین الدین کوچک اپنے ساتھ اسد الدین شیرکوہ کو اس لئے موصل لے گیا تھا تاکہ شیرکوہ کے سامنے امیر حلب کے بارے میں گفتگو ہو اور شیرکوہ اس بات کی شہادت دے کہ امیر موصل نے چھوٹے بھائی نور الدین زنگی کو حلب کے امیر یعنی ایک آزاد حکمراں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ سچ پوچھو تو امیر موصل سیف الدین غازی یا امیر حلب نور الدین زنگی میں سے ایک کو بھی یہ امید نہ تھی کہ اسے بغیر جنگ و جدل کے امیر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس زمانہ میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی حکومت تھی۔ کہنے کو ایک امیر' حاکم یا بادشاہ مرنے یا قتل ہونے کے بعد بڑا بیٹا' وارث ہوتا تھا۔ لیکن اس بات کو بہت کم تسلیم کیا جاتا اور دو یا دو سے زیادہ حقداروں میں تلواریں کھینچ جاتیں اور سب سے زیادہ طاقتور تخت و تاج پر قبضہ کر لیتا۔

امیر عماد الدین زنگی کے جانشیں کے سلسلے میں بھی صف آرائیاں ہو سکتی تھیں اور بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ سکتی تھیں لیکن موصل میں زین الدین کوچک اور حلب میں اسد الدین شیرکوہ جیسے اعلی دماغ سرداروں نے ناخن عقل سے اس گتھی کو سلجھایا اور ایک پرانے مقولہ کو غلط ثابت کر دیا۔ ایک قدیم مقولہ یہ ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن امیر حلب اور امیر موصل میں جو زبانی معاہدہ ہوا تھا وہ ایسا پائدار ثابت ہوا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں میں ایک طویل عرصہ تک کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو سکا اور عیسائی ریاستیں یہی سمجھتی رہیں کہ دونوں بھائیوں اور سلطنتوں میں اس قدر یگانگت ہے کہ اگر ایک پر حملہ کیا گیا تو دوسرا فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائے گا۔

امیر حلب نور الدین زنگی کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ مستقبل قریب میں حالات اس کا اس قدر ساتھ دیں گے تو وہ قلعہ جعبر سے اک عالم افراتفری میں ہرگز محاصرہ نہ اٹھاتا اور کچھ نہ سہی لیکن وہ کم از کم حاکم قلعہ جعبر مروان لنگ سے یہ تو سوال ضرور کرتا کہ اس نے امیر مرحوم عماد الدین زنگی کے دربار سے نکالے ہوئے غلاموں کو قلعہ میں پناہ کیوں دی۔ شیرکوہ نے بتایا تھا کہ اس نے دو قاتلوں کو واصل جہنم کر دیا ہے اور تیسرا بچ کر نکل گیا۔ حاکم قلعہ سے یہ بھی سوال ہو سکتا تھا کہ امیر عماد الدین زنگی کا تیسرا قاتل کہاں گیا۔ وہ سوائے قلعہ جعبر کے اور کہاں جا سکتا تھا کیونکہ وہاں اور قلعہ کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی۔ لیکن نور الدین زنگی نے قلعہ جعبر کا محاصرہ اس طرح اٹھایا جیسے وہ اس کی جان کو

Marfat.com

چمٹ گیا ہو اور وہ خود اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

قلعہ جعبر سے محاصرہ اٹھا تو مروان لنگ نے سکون کا سانس لیا۔ امیر عماد الدین کا قتل بظاہر اس کے لئے نوید مسرت سے کم نہ تھی لیکن یہ قتل جہاں اور جن حالات میں ہوا تھا اس نے مروان کو گھبرا دیا تھا اس پر طرہ یہ تھا کہ عماد الدین زنگی کے قاتل وہی دو غلام تھے جنہیں مروان نے اپنے قلعہ میں پناہ دے رکھی تھی۔ اس قتل کی تیسری شریک کار جو حقیقت میں پورے منصوبہ کی روح رواں تھی وہ بھی قلعہ میں زندہ و سلامت موجود تھی۔ مروان نے اگرچہ اسے قید کر دیا تھا لیکن وہ اس کی موجودگی سے انکار تو نہ کر سکتا تھا۔ خوش قسمت تھا مروان کہ عماد الدین زنگی کی اولاد میں جانشینی کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور نور الدین زنگی جس کے زیر کمان موصل کی تقریباً پوری عسکری طاقت تھی' مروان سے پوچھ گچھ کرنے کے بجائے اس سے دوستی اور تعاون کا زبانی معاہدہ کر کے بڑی برق رفتاری سے حلب چلا گیا۔

حاکم جعبر مروان لنگ ان اچانک حالات پر متعجب بھی تھا اور اسے ہنسی بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ کو بچانے کے لئے خواجہ سرا یار کتش اور جبار کو اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا مگر بغیر اس کے کسی تعاون کے عماد الدین زنگی کو شہید کر دیا گیا اور اس پورے معاملہ میں اس کا سرے سے نام ہی نہیں آیا۔ یہ اس کی خوش نصیبی نہ تھی اور کیا تھا لیکن اس صبح مروان لنگ کی کیا کیفیت ہوئی جب سویرے ہی سویرے ناظم جیل خانہ جات نے باریابی کی درخواست کی۔ مروان لنگ حوائج ضروری سے فارغ ہی ہوا تھا کہ غلام کی اطلاع دی۔

"خداوند نعمت۔ ناظم جیل قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔"

مروان لنگ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "ہم نے اسے طلب نہیں کیا پھر وہ صبح ہی صبح کیوں آیا ہے؟۔"

"حضور عالی۔ وہ کوئی اہم خبر گوش گزار کرنا چاہتا ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود حاضری کے لئے ہاتھ پیر جوڑ رہا ہے۔" غلام نے اس طرح کہا جیسے اس کی سفارش کر رہا ہو۔

مروان لنگ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا---- "اچھا اسے حاضر کرو۔"

ادھیڑ عمر کا ناظم جیل خانہ جات جس کا چہرہ بڑا بھیانک تھا لیکن اس وقت وہ بھیگی بلی بنا حاضر ہوا تھا اور دور سے دیکھنے ہی پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سر سے پیر تک کانپ رہا ہو۔ مروان نے اسے گھور کے دیکھا۔ "نامراد۔ تجھے کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ تو اس وقت حاضر ہوا؟۔"

Marfat.com

مروان لنگ کے اس سخت لہجہ پر یوں معلوم ہوا کہ ناظم چکرا کر گر جائے گا مگر اس کے ساتھ آنے والے غلام نے اسے سہارا دے کر کھڑے رکھا۔ "عالی جاہ۔ میں نامراد ہی نہیں بلکہ نمک حرام بھی ہوں۔ حضرات عالی نے مجھے جو امانت سپرد کی تھی اس کی میں حفاظت نہ کر سکا۔"

"او بقراط کی اولاد۔ لفاظی نہ کر اور صاف صاف بتا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔" مروان لنگ نے اسے اس زور سے ڈانٹا کہ اس کی کمر دہری ہو گئی۔ ساتھ والے غلام نے اسے پھر سہارا دیا۔

"خداوند نعمت۔" غلام کی آواز تھرتھرا رہی تھی --- "وہ عیسائی کنیز جو قید خانہ میں بھیجی گئی تھی آج رات کسی وقت فرار ہو گئی۔"

مروان لنگ اچھل پڑا۔ "کیا کہا۔ امروزیہ یہ بھاگ گئی۔ میں تجھے قتل کرا دوں گا۔" اور مروان غصہ سے تلملاتا ہوا بستر سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ "وہ زہریلی ناگن ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی دشمن ہے۔ اس نے امیر موصل عماد الدین زنگی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ وہ گرفتار نہ ہوئی تو کسی اور مسلم امیر یا وزیر کے سر پر قضا کھیل جائے گی۔ جا دور ہو جا میرے سامنے سے۔"

ناظم قید خانہ جان بچی لاکھوں پائے کے مصداق سر پر پیر رکھ کر ایسا بھاگا کہ اپنے گھر ہی میں جا کر دم لیا۔ اس کے خیال میں نہ تھا کہ ایک قیدی عورت اس قدر خطرناک ہو سکتی ہے۔ امیر موصل عماد الدین زنگی کی شہادت کے بارے میں اس نے بھی سنا تھا لیکن اس کے قاتل دو شاہی غلام بیان کئے گئے تھے۔ کسی عورت کا نام اس نے نہیں سنا تھا۔ ناظم اس معاملہ کی سنگینی پر غور کر رہا تھا کہ اس کا پھر بلاوا آ گیا۔ اب تو اس کی بالکل ہی جان نکل گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ پہلے تو اسے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن اب اس کے قتل ہی کا حکم دیا جائے گا۔ وہ بھاگم بھاگ دربار پہنچا۔ وہاں تمام بڑے بڑے سردار جمع تھے۔

حاجب' شہر کوتوال اور فوجی سرداروں نے امروزیہ کے فرار کی مکمل تفصیل ناظم جیل خانہ جات سے سنی لیکن اس سے وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ناظم نے انہیں بتایا کہ اس کے گھر ایک دور کے دیہات سے صبح کے وقت ایک گوالہ دودھ لے کے آتا ہے۔ آج صبح جب وہ حویلی کے چوکیدار کو دودھ دے رہا تھا تو حسب عادت زور زور سے باتیں کر رہا تھا۔ ناظم ادھر سے گزر رہا تھا اس نے گوالہ کی زبانی سنا کہ بہت منہ اندھیرے دو نقاب پوش عورتیں جن کے ساتھ چار مسلح محافظ بھی تھے وہ بڑی تیزی سے سرحد جانے والی سڑک پر گھوڑے اڑائے چلے جا رہے تھے۔ ناظم کو کچھ شک گزرا اس نے گوالہ سے پوچھ گچھ کی مگر

Marfat.com

وہ کچھ نہ بتا سکا۔ ناظم اسی وقت جیل خانہ پہنچا۔ جب اس کوٹھری کو کھول کر دیکھا گیا جس میں امروزیہ کو قید کیا گیا تھا تو وہ اندر سے خالی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ سیدھا خبر دینے چلا آیا تھا۔

مروان لنگ نے شہر کوتوال کو حکم دیا کہ فوراً آٹھ سوار سرحد کی طرف بھیجے جائیں۔ شہر کوتوال سوار بھیجنے کے لئے باہر گیا تو ناظم نے ادب سے عرض کیا۔ "عالی جاہ۔ میں نے بھی کچھ سوار فرار ہونے والوں کے تعقب میں بھیجے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" مروان نے اسے تعریف بھری نظروں سے دیکھا۔ "کتنے سوار بھیجے تھے تم نے؟۔" مروان نے اسی سانس میں دوسرا سوال کر دیا۔

"چار سوار عالی جاہ۔" ناظم نے بڑے فخر سے کہا۔

مروان نے اسے گھور کے دیکھا۔ "عورتوں کے ساتھ مسلح محافظ کتنے تھے؟"

"صرف چار تھے جناب والا۔۔۔"

"دو عورتیں اور چار محافظ ملا کے کل کتنے لوگ ہوئے؟۔" مروان قہرآلود نظروں سے ناظم کو دیکھ رہا تھا۔

"کل چھ ہوئے۔" ناظم ڈرتے ڈرتے بولا۔ اس کی سمجھ میں کچھ کچھ آ گیا تھا۔

"کس قدر بیوقیف ہو تم۔۔۔" مروان چیخ پڑا۔ "تعقب میں تم نے صرف چار سوار بھیجے جبکہ تمہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سرحد کی طرف جانے والوں کی تعداد چھ تھی۔۔۔ تم نے ان چار سواروں کو بھی موت کا پروانہ لکھ کر دے دیا۔"

ناظم کی زبان بند ہو گئی۔ وہ گم سم مروان لنگ کو دیکھ رہا تھا۔

شہر کوتوال کے بھیجے ہوئے آٹھ سوار شام کو واپس آئے۔ انہیں سرحد پر اور کچھ تو نہ ملا ہاں وہ سوار ضرور ملے جنہیں ان سے پہلے ناظم جیل خانہ جات نے بھیجا تھا۔ ان چار سواروں میں سے دو زخمی حالت میں تھے اور دو کی لاشیں وہ ساتھ لائے تھے۔ زخمی ہونے والوں سے معلوم ہوا کہ انہوں نے سرحد کے اندر ہی امروزیہ اور اس کے محافظوں کو جا لیا تھا مگر امروزیہ کے محافظوں نے پلٹ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ انہیں بھاگتے ہی پڑا۔ بھاگنے میں ان کے دو ساتھیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے اور باقی دو لڑتے بھڑتے اور زخمی ہوتے ہی ان کا حلقہ توڑ کے نکل آئے۔ ان کا کسی نے پیچھا نہ کیا۔ کچھ دور گھوڑے بھگانے کے بعد انہیں اپنے دو ساتھیوں کا خیال آیا ان کے سامنے ہی زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑے تھے۔

انہیں ڈھونڈتے ہوئے جب یہ دونوں سرحد پر واپس گئے تو ان کی سرد لاشیں اب تک وہیں پڑی تھیں۔ سرحد پر انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بھاگنے کے بعد عیسائی سواروں

Marfat.com

کا ایک دستہ موقعہ پر نمودار ہوا تھا۔ اس دستہ کے ساتھ وہ دونوں عورتیں بھی تھیں جنہیں ناظم جیل خانہ جات کے سواروں نے روکنے کی کوشش کی تھی۔ یہ باتیں دعوت فکر دیتی تھیں۔ مروان لنگ اور اس کے سردار بہت دیر تک اس معاملہ پر غور کرتے رہے۔ اس غور و فکر کے ساتھ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امروزیہ کو قید خانہ سے چھڑانے کے لئے کسی عیسائی سلطنت کا ایک پورا دستہ آیا تھا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ وہ دستہ قلعہ جعبر تک پہنچا تھا کہ صرف چار سواروں اور ایک عورت نے امروزیہ کو قید سے چھڑایا تھا اور دستہ کے باقی سوار سرحد سے قریب کہیں چھپ گئے تھے۔

امروزیہ کے فرار نے مروان لنگ کو ایک نئی فکر میں مبتلا کر دیا۔ وہ یہ سوچ سوچ کے گھبرا رہا تھا کہ دشمن کس قدر دیدہ دلیر ہے کہ وہ قلعہ جعبر کے اندر تک پہنچا پھر اس نے کیا ترکیب لڑائی کہ امروزیہ کو قید خانہ کے بند کمرے سے اس طرح اڑا لے گیا کہ کمرہ ویسے ہی بند رہا۔ اس سے مروان لنگ کو اپنی دفاعی کمزوری کا بھی پتہ چلا۔ اس نے قلعہ کے چاروں دروازوں پر مامور تمام پہریداروں کو اسی وقت تبدیل کر دیا پھر فوجی سرداروں کو ساتھ لے کر فصیل کے گرد چکر لگایا تاکہ فصیل اگر کسی جگہ شکست ہو تو اسے درست کرایا جائے۔ اس دیکھ بھال میں اسے ایک جگہ فیصل ٹوٹی ہوئی دکھائی دی۔ قریب سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ کسی کے چڑھنے سے فصیل کے ایک حصہ پر رگڑ پڑی ہے۔ مروان نے فصیل سے ہٹ کے گھوڑا روکا اور چند آدمیوں کو بھیجا کہ وہ زمین پر نشانات تلاش کریں۔ ذرا سی کوشش کے بعد فصیل سے کچھ دور ایک درخت کے نیچے جہاں کی زمین کچھ نرم تھی، بہت سے گھوڑوں کے کھروں کے نشانات دکھائی دئے جو بالکل تازہ تھے۔

مروان لنگ نے اس سے یہ اندازہ لگایا کہ امروزیہ اسی جگہ سے فرار ہوئی ہے۔ اس کے ساتھی اس درخت کے نیچے ٹھہرے پر کچھ لوگ فصیل پر چڑھ کر قید خانہ تک پہنچے اور امروزیہ کو لے کر فرار ہو گئے۔ اس سے یہ بھی شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اس فرار میں قلعہ کے کچھ لوگ بھی شریک ہیں لیکن یہ بات قبل از وقت تھی۔ جب تک پوری طرح تحقیق نہ کی جائے کسی کو ملزم نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں مروان لنگ نے قریب اور دور کی تمام عیسائی ریاستوں میں اپنے جاسوس بھی بھیجے کہ وہ امروزیہ کا پتہ لگائیں۔ فصیل اور قید خانہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں مروان لنگ نے بڑی سختی سے کام لیا۔ جس پر اسے شبہ ہوا وہ گرفتار ہوا بعض لوگوں کو مارا پیٹا بھی گیا لیکن کوئی مفید مطلب بات معلوم نہ ہو سکی۔ آخر میں مروان لنگ کو یہ سوچ کے مزید تحقیقات روکنا پڑی کہ اس فرار میں قلعہ جعبر کا کوئی شخص ملوث نہیں بلکہ یہ سازش باہر ہی تیار ہوئی تھی۔ جعبر میں عیسائی کثرت سے آباد تھے

Marfat.com

لیکن کوئی ایسا ثبوت نہ مل سکا جس کی بنا پر وہ کسی عیسائی کو گرفتار کرتا۔ عیسائی ریاستوں سے بھی مروان لنگ کے اچھے مراسم تھے اس لئے بھی وہ عیسائیوں پر بلاوجہ ظلم نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے بڑی کمزوری خود اس کی تھی۔ اس نے قلعہ کا دفاعی نظام اس قدر کمزور کیوں رکھا کہ باہر والے اندر پہنچے اور اپنا کام کر کے چلتے بنے۔

امیر عماد الدین زنگی کی شہادت سے بظاہر سلطنت موصل میں دراڑیں نہیں پڑی تھیں لیکن عیسائیوں کے لئے تو یہ ایک نادر موقعہ تھا۔ شاہ جو سیلین' الرہا کی واپسی کے لئے اندر ہی اندر تیاریاں کر رہا تھا۔ امیر عماد الدین زنگی نے سوچا تھا کہ وہ تل باشر پر حملہ کر کے شاہ جو سیلین کو الرہا سے اتنی دور بھگا دے گا کہ وہ اسے تصور میں بھی نہ دیکھ سکے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ امیر زنگی کی شہادت پر عراق' شام اور قسطنطنیہ کے عیسائیوں کے علاوہ اٹلی' فرانس اور جرمنی والوں نے بھی خوب خوشیاں منائی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطنت موصل کی ابھرتی ہوئی طاقت عراق اور شام کی عیسائی ریاستوں کو زیادہ عرصہ پنپنے نہ دے گی۔ پس امیر زنگی کی شہادت پر انہیں اپنی مسرتوں کا اظہار کرنا ہی تھا۔

شاہ جو سیلین تو امیر عماد الدین زنگی کے قتل کی خبر سنتے ہی پر پرزے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے الرہا کی واپسی کے لئے زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ "الرہا" کا سابق شاہ جو سیلین' امیر عماد الدین زنگی کو خانہ جنگی میں الجھا دیکھ کر الرہا سے تل باشر چلا گیا تھا۔ تل باشر ایک پر فضا مقام تھا اور جو سیلین جیسے عیش پرست شاہ کے لئے وہ جگہ زیادہ مناسب تھی۔ مگر شاہ کو یہ عیش کوشی بڑی مہنگی پڑی۔ اس کی عدم موجودگی میں امیر عماد الدین زنگی بڑی برق رفتاری سے اپنا لشکر لے کر "الرہا" پہنچ گیا اور قلعہ پر مسلسل حملے کر کے ارمنی اور روسی تاجروں کو جن کے سپرد جو سیلین الرہا کی حکومت کی باگ ڈور کر گیا تھا' کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اس طرح عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ الرہا کی بازیابی کے لئے شاہ جو سیلین نے بڑی تیاری کی تھی لیکن وہ اب بھی تذبذب میں تھا وہ چاہتا تھا کہ ہر طرف سے مطمئن ہو کر الرہا پر حملہ کیا جائے تاکہ پھر شکست کا امکان ہی باقی نہ رہ جائے۔

مروان لنگ کے جاسوس مختلف عیسائی ریاستوں میں چکر لگا رہے۔ انطاکیہ۔ طرابلس۔ یروشلم سب ہی ریاستیں دیکھ ڈالیں مگر امروزیہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ الرہا پر مسلمانوں کا قبضہ تھا مگر پہلے وہ عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ مروان نے ایک جاسوس وہاں بھی بھیجا تھا۔ یہ جاسوس الرہا گیا۔ وہاں اسے کامیابی نہ ہوئی تو اس نے سروج کا رخ کیا۔ ہاں بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر وہ سروج سے تل باشر پہنچا۔ وہ ابھی سے پہلے بھی تل باشر آ چکا تھا

Marfat.com

لیکن اب اس شہر اور قلعہ کی رونق دیکھنے کے قابل تھی۔ شاہ جو سیلین کے قیام نے تل باشر کو فردوس نظر اور جنت نگاہ بنا دیا تھا۔ ہر طرف حسن و شباب کا سمندر لہریں لیتا نظر آ رہا تھا۔

مشہور ہے کہ جو مذہب بادشاہ کا وہی مذہب رعایا کا ہوتا ہے۔ جو سیلین روم بڑا عیش پرست بادشاہ تھا۔ الرہا میں اس کی عشرت کی داستانیں ہر ایک کی زبان پر ہوتی تھیں۔ جب سے الرہا ہاتھ سے نکلا تو اس کے غم میں اس کی پرستی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ خود کہتا تھا کہ تل باشر کے دربار کو عشرت گاہ اور شاہی محلات کو میں نے پرستان اس لئے بنا دیا ہے تاکہ میں ان رنگینوں میں الرہا کو بھولا رہوں۔ ظاہر ہے کہ جب بادشاہ ایسا منچلا ہو تو رعایا کھل کھیلے گی۔ تل باشر کی ہر گلی اور محلہ دعوت دے دیتا تھا۔ عشاق اور محبوباؤں کے غول کے غول سرے راہے گھومتے پھرتے نظر آتے۔ کہیں غم گساریاں ہیں تو کہیں دلداریاں۔ ایک طرف اٹکھیلیاں ہو رہی ہیں تو دوسری طرف شباب مست خرام نظر آ رہا ہے۔ عیسائی خواتین یوں بھی بیباک۔ شوخ دشنگ اور طرح دار ہوتی ہیں۔ اس پر شراب کا ہلکا ہلکا سرور انہیں اور بدمست کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں بر سر راہے ایسی ایسی خرمستیاں ہوتی ہیں کہ تہذیب منہ چھپاتی پھرتی ہے۔

ایک شام جب شاہراہوں پر شباب آیا ہوا تھا۔ زرق برق کپڑوں میں جوانیاں تتلیوں کی طرح اڑتی پھر رہی تھیں کہ مروان لنگ کے جاسوس کی نظر ایک جگہ جم کر رہ گئی اور پھر اس کی نظریں ایک بت طناز کا مسلسل پیچھا کرنے لگیں۔ وہ اکیلی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ ایک اور شوخ رنگ اور شوخ ادا حسینہ بھی تھی۔ جس کی جولانیاں جوان دلوں پر قیامت ڈھا رہی تھیں مگر جاسوس کی نظر پہلے والی ماہ جبیں پر جمی ہوئی تھیں۔ آخر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"اس میں اور امروزیہ میں رتی بھر فرق نہیں بلکہ یقیناً" یہ وہی زہریلی ناگن ہے جس نے امیر موصل عماد الدین زنگی کو ڈسا ہے اور معلوم نہیں اس کا دوسرا شکار کون ہو گا۔"

امروزیہ کو پہنچانتے ہی جاسوس اس کے پیچھے لگ گیا۔ اب کیا ہاٹ کیا بازار۔ کیا گلی اور کیا کوچہ۔ امروزیہ آگے آگے اور جاسوس اس کے پیچھے پیچھے جاسوس اس کا پیچھا صرف اس وقت چھوڑتا تھا جب وہ آرام کرنے کے لئے بستر پر لیٹتی تھی۔ ایک ہفتہ کی مسلسل جاسوسی کے دوران امروزیہ کے بارے میں جو کچھ اسے معلوم ہوا وہ تعجب خیز اور حیرت انگیز تھا۔ امروزیہ نے سب پر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ الرہا کی رہنے والی ہے اور اس کے چار بھائی الرہا کی جنگ میں امیر عماد الدین زنگی کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں یا امیر کے حکم سے

Marfat.com

قتل ہوئے ہیں' بھائیوں کے قتل نے اسے انتقام پر مجبور کر دیا ہے اور جب تک وہ امیر عماد الدین کو قتل نہیں کر دیتی اس وقت تک اسے سکون نہیں ملے گا۔

امروزیہ کے اس بیان کے برخلاف جاسوس کو یہ معلوم ہوا کہ امروزیہ دراصل تل باشر کی رہنے والی ہے۔ اس کے ماں باپ کے علاوہ ایک بہن اور دو بھائی ہیں جو سب کے سب زندہ تل باشر میں رہتے ہیں۔ یہ تمام بہن بھائی شاہ جوسیلین کے محکمہ سراغرسانی میں ملازم ہیں۔ جب الرہا مسلمانوں نے فتح کر لیا اور شاہ جوسیلین تل باشر میں ٹھہر کے رہ گیا تو اس نے امروزیہ اور اسکے دو بھائیوں کو امیر عماد الدین زنگی کے قتل پر مامور کیا۔ امروزیہ کے بھائی موصل میں کام کرتے رہے لیکن انہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی وہ کامیابی امروزیہ نے خواجہ سرا یار کتش اور جبار کے ذریعہ قلعہ جعبر کے محاصرے میں حاصل کی۔

مروان لنگ نے مہروز جاسوس کو تل باشر اور الرہا کی طرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ امروزیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ یہ مہروز کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔ مہروز نے نہ صرف امروزیہ کو ڈھونڈ نکالا تھا بلکہ اس کی پچھلی زندگی بھی اس کے سامنے آئینہ کی طرح کھل کے آگئی تھی۔ مہروز نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کی کہ امروزیہ آج کل کس کے پیچھے لگی ہے؟ اسے کس قسم کا کام انجام دینے کے لئے کہا گیا ہے لیکن امروزیہ اور اس کی بہن شیلی اس قدر محتاط تھیں کہ مہروز کو ایک ہفتہ کوشش کرنے کے باوجود کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔

جہاں تک ان دونوں بہنوں کی پچھلی زندگی کا تعلق تھا اس کے بارے میں مہروز کو سب کچھ اتفاقیہ ہی معلوم ہوا تھا۔ مہروز جس سرائے میں مقیم تھا وہاں ایک ایسا باتونی ملازم بھی تھا جو کسی زمانہ میں الرہا کے خفیہ محکمہ میں نوکر رہ چکا تھا۔ شاہ جوسیلین نے اسے کسی بات پر ناراض ہو کر ملازمت سے برخاست کر دیا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ تل باشر چلا آیا اور وہاں ایک سرائے میں ملازم ہو گیا تھا۔ اپنے باتونی ہونے کی وجہ سے وہ لوگوں میں اور خاص کر مسافروں میں بہت مقبول تھا۔

مہروز دن بھر کا تھکا ماندہ جب رات کو سرائے واپس آتا تو یہ باتونی اپنی دلچسپ باتوں میں اس کا دل بہلایا کرتا تھا۔ اس کی باتیں ماضی' حال اور مستقبل تینوں زمانہ کے بارے میں ہوتی تھی۔ ایک شب وہ مہروز کے پاس آیا تو کچھ چپ چپ تھا۔ مہروز نے ہنس کے پوچھا۔ "آج میرے یار نے یہ چپ کا روزہ کیوں رکھا ہوا ہے؟"

اس نے ٹالنے کی کوشش کی لیکن مہروز سر ہو گیا۔ "تمہیں بتانا پڑے گا یار ورنہ آج سے میری تمہاری دوستی ختم۔"

Marfat.com

اسے بھی مہروز سے کچھ ایسا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ دوستی کے خاتمہ کا سن کے وہ گھبرا گیا۔ "مہروز دراصل آج صبح سے مجھے ایک بات بہت پریشان کر رہی ہے۔"

"وہی بات تو میں پوچھ رہا ہوں جس نے میرے یار کی زبان بند کر رکھی ہے۔؟" مہروز مسکرائے جا رہا تھا۔

"میں تمہیں بتا تو دوں مگر ڈر معلوم ہوتا ہے کہ تم کہیں ناراض نہ ہو جاؤ"

"ناراض میں اس وقت ہوں گا اگر تم مجھے اپنا رازدار نہیں بناؤ گے۔"

"اچھا سنو مگر برا نہ ماننا۔"

"بالکل نہیں۔ دوست کی بات سے ناراض کون ہوتا ہے؟۔"

باتونی نے ادھر ادھر دیکھا پھر بڑی راز داری سے کہا۔ "مہروز میرا خیال ہے کہ تم کسی ملک کے جاسوس ہو۔" مہروز اک دم اچھل پڑا۔ اس کی حالت اس چور جیسی ہو گئی جو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ "یار --- مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔" مہروز نے اٹک اٹک کے کہا۔

اب باتونی مسکرایا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے۔"

"ناراض ہونے کی بات ہی ہے یار۔" مہروز کے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ "اگر یہاں کوئی اور موجود ہوتا تو پتہ نہیں کیا سوچتا۔؟"

"یہی تو مجھ میں خرابی ہے۔ میری سمجھ میں جو کچھ آتا ہے وہ صاف صاف کہہ دیتا ہوں" باتونی نے بے جھجک کہنا شروع کیا۔ "اسی وجہ سے میں شاہی ملازمت سے نکالا گیا تھا۔"

مہروز نے چونک کے دیکھا۔ "تم شاہی ملازمت میں تھے؟"

"ہاں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔" باتونی نے تن کے کہا۔ "ملازمت بھی کچھ ایسی ویسی نہ تھی"

"مجھے نہیں بتاؤ گے یار؟۔" مہروز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں بتاؤں گا۔ یہی تو مجھ میں اچھی بات ہے۔ سچ بات سب کو بتا دیتا ہوں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں شاہی لشکر کے ساتھ شکار پر گیا ----"

"یہ کہانی بعد میں سنانا۔ "مہروز نے اسے ٹوکا۔ "تم اپنے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔ شاہی دربار میں تم کس ملازمت پر مامور تھے؟"

"ارے ہاں۔ یہ بتانا تو میں بھول ہی گیا۔ بھول میرا دوسرا عیب ہے۔ اس کے ہاتھوں میں نے بڑے بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ ایک دفعہ شاہ معظم کے جوتے دئے گئے---"

Marfat.com

"تم پھر بھول رہے ہو۔" مہروز نے اسے ٹوکا۔ "تم اپنی نوکری کے متعلق کچھ بتا رہے تھے۔"

"معاف کرنا مہروز بھائی۔ میں تو بالکل ہی بھول گیا۔ ہاں میں کیا کہہ رہا تھا؟۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ تم نے شاہی ملازمت بھی کی ہے۔"

"یہ بڑی پرانی بات ہے مہروز۔ اسی زمانہ میں ہمارے بادشاہ سلامت بالکل جوان تھے بلکہ نوجوان۔ ان کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔۔۔"

"یار تم پھر بھٹکنے لگے۔" مہروز کو غصہ آنے لگا۔

"بتا تو رہا ہوں۔ تم خوامخواہ ناراض ہو رہے ہو۔" باتونی افسردہ ہو گیا۔ "کہہ تو دیا کہ موجودہ بادشاہ اس وقت ایک چھوٹے سے شہزادے تھے۔۔۔۔"

"مگر تم کیا تھے۔ کچھ اپنے بارے میں تو پھوٹو۔" مہروز کو واقعی غصہ آگیا۔

"کہا تو کہ میں جاسوس تھا۔ شاہی جاسوس۔ ریڈکیٹ (سرخ بلی) میرا نام تھا۔ بڑے بڑے امیر اور وزیر میرا نام سن کے کانپ اٹھتے تھے۔ آیا سمجھ میں تمہاری؟۔" ریڈکیٹ نے بڑی شان سے کہا۔

"تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آیا۔" مہروز کا غصہ کم ہونے لگا۔ "بھلا یہ امیر اور وزیر تم سے کیوں خوف کھاتے تھے؟"

"اس لئے کہ میں ان کی بادشاہ سلامت سے جاسوسی کرتا تھا۔ مجھے ہر جگہ جانے کی اجازت تھی۔ کسی کے یہاں بھی کسی قسم کی تقریب ہو رہی ہو' میں وہاں جا سکتا تھا۔ بعض لوگ تو مجھے خوشامد کر کے لے جاتے تھے۔" باتوں کے دوران ریڈکیٹ کی گردن کی رگیں بتدریج تنتی جا رہی تھیں اور سر فخر سے بلند ہو رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ امیروں وزیروں کی جھوٹی سچی باتیں بادشاہ سے لگایا کرتے تھے۔" مہروز نے اعتراض کیا۔

"ہاں۔۔ نہیں نہیں۔" ریڈکیٹ نے خود اپنی اصلاح کی۔ "میں نے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کی اور اسی وجہ سے میں سرکار دربار سے نکال دیا گیا۔"

"یعنی سچ بولنے پر تمہیں نوکری سے نکالا گیا۔؟"

ریڈکیٹ نے منہ بنا کے کہا۔ "قسمت بری ہو تو سچ بات بھی جھوٹ ہو جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ بڑے شاہ جو سیلین اول اپنے وزیر روسو کی بہن پر بڑے مہربان تھے۔ شاہ نے ایک قیمتی انگوٹھی وزیر روسو کی بہن کو تحفہ کے طور پر دی۔ پھر پتہ نہیں وہ انگوٹھی کس طرح چوری ہو گئی۔ شاہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے بڑے بڑے امیروں اور وزیروں کے گھروں میں تلاشی دلوا ڈالی مگر انگوٹھی کا پتہ نہ چلا۔ پھر شاہ نے مجھے حکم دیا کہ میں انگوٹھی کا پتہ

Marfat.com

ایک ہفتہ میں لگاؤں ورنہ مجھے سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ میں ایسے کاموں میں بہت تیز تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انگوٹھی شاہی خاندان کے کسی فرد نے چوری کی ہے۔ یہ چوری دراصل چوری نہ تھی بلکہ انگوٹھی چرا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ شاہی خاندان کے لوگ شاہ جو سیلین اول اور وزیر کی بہن کے ان تعلقات پر خوش نہیں ہیں۔

"میں اس کوشش میں لگا تھا کہ ایک شب میں نے ولیعہد شہزادہ یعنی آج کل جو شاہ جو سیلین دوم کے لقب سے تل باشر میں موجود ہیں۔ انہیں شاہی خاندان کے چند لوگوں سے تخلئے میں گفتگو کرتے دیکھا۔ میں تو تاک میں لگا تھا۔ میں نے کوشش کر کے ان کی گفتگو سنی جس سے ظاہر ہوا کہ ولیعہد بہادر نے وہ انگوٹھی اڑا لی ہے۔ شہزادہ نے وہ انگوٹھی بھی ان لوگوں کو دکھائی۔ اس طرح میں نے وہ صندوقچی جس میں انگوٹھی رکھی تھی اور وہ جگہ بھی دیکھ لی جہاں شہزادے نے صندوقچی لے جا کر واپس رکھی تھی۔ پھر اسی شب میں نے شاہ جو سیلین دوم کو انگوٹھی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگوٹھی اسی رات برآمد کر لی گئی اور صبح کو مجھے اس کارنامہ کے صلہ میں محل سے نکال دیا گیا۔ مجھے یہ بھی حکم دیا کہ میں اس شہر ہی سے کہیں اور چلا جاؤں۔"

مہروز کو ریڈکیٹ کی آپ بیتی پر بڑا افسوس ہوا۔ "ریڈکیٹ تم نے شاہ سے نمک حلالی کی تھی مگر یہ ایک طرح سے ولیعہد کی شکایت تھی اس لئے تم مارے گئے۔"

ریڈکیٹ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اس روز سے میں نے سچ بولنا بند کر دیا ہے۔ در در کی خاک چھانتا ہوا یہاں آیا ہوں۔ مجھے یہاں کوئی نہیں پہنچانتا حالانکہ میں سب کو پہنچانتا ہوں۔ میری نظریں بھی بہت تیز ہیں جس کے بارے میں جو اندازہ لگاتا ہوں وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔"

"تم نے میرے بارے میں تو ایک اندازہ لگایا ہے؟" مہروز نے اسے ٹٹولا۔

"چھوڑو مہروز یار۔ تم میرے دوست ہو اگر تم پر اعتبار نہ ہوتا تو یہ داستان کیوں سناتا۔" اور باتونی ریڈکیٹ ہنسنے لگا۔ "اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ رات کو جو قافلہ آیا ہے ان میں کچھ آدمی مجھے مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی ٹوہ میں جا رہا ہوں۔"

باتونی اٹھ کے کھڑا ہوا اور لپ چھپ کرتا دوسری طرف چلا گیا۔

Marfat.com

الرہا کا دوسرا معرکہ

قلعہ جعبر کے جاسوس مہروز اور سرائے کے باتونی ریڈکیٹ میں پکی دوستی ہو گئی۔

مہروز کا ایک کام تو ہو گیا تھا۔ اس نے امروزیہ اور اس کی بہن شبلی کے بارے میں بڑی تفصیلی معلومات حاصل کر لی تھیں لیکن اسے اب تک اس بات کا پتہ نہ چلا تھا کہ یہ دونوں جاسوس بہنیں کیسے اور کس کے لئے کام کر رہی ہیں۔ مہروز کا اندازہ تھا کہ ریڈکیٹ کو امروزیہ اور شبلی کے بارے میں اور بھی بہت کچھ معلوم ہے مگر وہ براہ راست اس سے اس لئے نہیں پوچھ سکتا تھا کہ ریڈکیٹ کو اس پر پہلے ہی جاسوس ہونے کا شبہ ہے اگر اس نے امروز اور شبلی کے بارے میں کچھ پوچھا تو ریڈکیٹ کو یقین ہو جائے گا کہ مہروز بھی جاسوس ہے۔ مہروز کو ریڈکیٹ ایک باتونی اور بے ضرر انسان بھی معلوم ہوتا تھا اس لئے اس نے کئی بار سوچا کہ وہ امروزیہ اور شبلی کے بارے میں کچھ پوچھے اور اگر ریڈکیٹ کو شبہ ہوتا ہے تو ہو جائے۔ کم از کم اس کا کام تو ختم ہو جائے گا اور وہ قلعہ جعبر واپس جا سکے گا۔

کئی روز کے سوچ بچار کے بعد ایک شب وہ ریڈکیٹ سے پوچھ ہی بیٹھا لیکن احتیاط کے طور پر اس نے گفتگو کے لئے ایک تمہید باندھی۔ مہروز نے کہا۔ "ریڈکیٹ یار۔ اب میں اپنے وطن واپس جا رہا ہوں۔"

ریڈکیٹ اس کے اس اچانک اظہار پر قدرے چونکا۔ "میرے دوست مہروز۔ اگر میں تم سے یہ پوچھوں گا کہ تمہارا وطن کون اور کہاں ہے تو شاید تم مجھے نہ بتاؤ۔ مجھے تو اب اپنی بدقسمتی پر رونا آنے لگا ہے کہ میں تمہارا دوست اور اتنا قریبی دوست ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے وہ راز بھی تم سے بیان کر دیئے جن کا اگر تم کہیں اور اظہار کرو تو میرا نہ

Marfat.com

جانے کیا حشر ہو مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم نے آج تک مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور تم اتنے روز سے اس سرائے میں بیکار کیوں پڑے ہو۔ مشہور ہے کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے مگر میرے دل کی راہ تمہارے دل تک اب تک نہیں پہنچی حالانکہ ----"

"ارے میرے یار تم پھر چالو ہو گئے۔" مہروز نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔ "میں کہہ رہا تھا کہ میں واپس جا رہا ہوں اور تم ہو کہ پرانی باتیں لے بیٹھے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ تم نہیں جا سکتے۔" ریڈکیٹ یوں ہنسا جیسے اس نے کچھ کہا نہیں۔

مہروز نے اسے پریشان نظروں سے دیکھا۔ "کیا ---- کیا تم مجھے روک سکتے ہو؟۔"

"دیکھو مہروز۔ جانے والے کو روکنے کے دو طریقے ہیں۔" ریڈکیٹ کے لبوں پر عجیب طرح کی مسکراہٹ تھی۔ "ایک طریقہ یہ ہے کہ جانے والے کو طاقت سے روکا جائے۔ مثلاً تمہارے ہاتھ پیر توڑ دیئے جائیں یا تمہیں پکڑ کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔"

"اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟۔" مہروز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دوسرا طریقہ محبت والا ہے۔ یہ طریقہ عام طور سے نئی دلہنیں ان دولھاؤں پر استعمال کرتی ہیں جو شادی کے تیسرے دن میدان جنگ پر جانے کے لئے کمر کسنے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی والہانہ محبت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ہوتی ہیں۔ بکھری زلفیں اس کے شانوں پر ہوتی ہیں اور نرم گرم ٹکراتی سانسوں کا پیہم تصادم۔ ایسے میں شوہر کو ہتھیار ڈالنا پڑتے ہیں۔ ہمارے معاملہ میں نہ میں نئی دلہن ہوں اور تم نویلے دلہا لیکن دو دوستوں کے درمیان محبت کا ایک رشتہ ہوتا ہے جو دولھا دلہن کے رشتہ سے کسی طرح کم نہیں۔ اس رشتہ کے تحت میں تمہیں واپس جانے سے روک سکتا ہوں۔ کیوں۔ ٹھیک ہے نا؟"

"بے شک۔ دوستی کے نام پر تم مجھے روک سکتے ہو۔" مہروز نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

"میں نہیں روکوں گا تمہیں مہروز---" ریڈکیٹ نے جواب دیا۔ "ممکن ہے تمہیں اپنے شہر یا ملک میں کوئی ایسا کام ہو جس کے لئے تمہارا واپس جانا ضروری ہو لیکن میں یہ ضرور چاہوں گا کہ تم کم از کم مجھے یہ تو بتاتے جاؤ کہ تم کس ملک کے رہنے والے ہو اور یہاں کس غرض سے آنا ہوا تھا۔؟"

مہروز نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "بس یہ نہ پوچھو میرے یار۔" مہروز نے جان بوجھ

Marfat.com

کے اسے غلط راستہ پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

"تمہاری ٹھنڈی سانس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دل کہیں اٹکا ہوا ہے۔" ریڈکیٹ کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔

"بڑے بھانپو ہو یار۔ آخر تم نے پکڑ ہی لیا مجھے" مہروز کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

"تو پھر بتاؤ نا۔ کون ہے اس پردہ زنگاری میں جس نے میرے پردیسی یار کو لوٹ لیا ہے؟" ریڈکیٹ نے آخر مہروز کو گھیر ہی لیا۔

مہروز نے بھی بتانے میں تکلف بالکل نہ کیا اور صاف اشارہ کر دیا۔ "ارے وہی شوخ جمال حسینہ جس کا تم اکثر ذکر کیا کرتے ہو۔"

"یعنی امروزیہ۔۔" ریڈکیٹ نے بھی کوئی پردہ نہ رکھا اور فوراً نام لے لیا۔

"امروزیہ نہیں۔ اس کی چھوٹی بہن شبلی۔" مہروز نے اصلاح کی۔

"یار بڑے چھپے رستم نکلے۔" ریڈکیٹ نے رک کے ایک سوال کیا۔ "اچھا یہ چوٹ کب کھائی تھی؟"

تازہ زخم ہے میرے دوست۔"

"اظہار عشق کیا اس سے؟۔"

"اظہار کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

"کیوں۔ وہ خطرناک لڑکی نہیں معلوم ہوتی؟"

مہروز نے ذرا توقف کیا پھر سنبھل کے پوچھا۔ "یار ریڈکیٹ۔ یہ شبلی دربار میں روز کیا کرنے جاتی ہے؟"

"جاسوسی کرنے جاتی ہے اور کیوں جاتی ہے۔" ریڈکیٹ کا انداز کچھ ناگوار ہو گیا تھا۔

"کس کے جاسوسی کرتی ہے۔؟"

"الرہا والوں کی۔" ریڈکیٹ نے بڑی بے تکلفی سے جواب دیا۔

مہروز حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"تمہیں تعجب کیوں ہوا؟۔" ریڈکیٹ نے سوال کیا۔

"مگر الرہا پر تو مسلمانوں کا قبضہ ہے۔"

"الرہا کے قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور وہاں کے باسیوں کے دل پر شاہ جو سیلین کا قبضہ ہے۔" ریڈکیٹ نے جواب دیا اور مہروز کو گھورے۔

"مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟" مہروز کو اس کا اس طرح گھورنا بہت ناگوار گزر رہا تھا۔

Marfat.com

"اس لئے کہ تمہیں الرہا کے مسلمانوں کا بہت خیال ہے۔" ریڈکیٹ کے لہجہ میں طنز بھی تھا اور غصہ بھی۔ پھر اس نے ذرا واضح طور پر اپنے غصہ کا اظہار کیا۔ "مہروز۔ میں تم کو وہ سب کچھ بتا دوں گا جس کی تلاش اور جستجو میں تم یہاں تک پہنچے ہو۔ میں یہ جانتا ہوں۔۔۔"

"ٹھہرو میرے یار ریڈکیٹ۔" مہروز نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے بھی روکا۔ دراصل مہروز اس کے لہجہ میں اک دم تلخی محسوس کر کے گھبرا گیا تھا۔

ریڈکیٹ نے مہروز کے اشارہ اور زبانی حکم یا درخواست کا مطلق خیال نہ کیا اور اپنی رو میں کہتا رہا۔ "اب مجھے روکنے کی ضرورت نہیں ہے مہروز۔ تمہارے بولنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب میں اور صرف میں بولوں گا۔ میں نے تم سے تمہارا راز اگلوانے کی بہت کوشش کی مگر تم نے زبان نہ کھولی۔ خیر اس سے میرا کوئی نقصان نہ ہوا۔ میں نے تمہیں یار کہا ہے اس لئے میں تمہاری وہ آرزو ضرور پوری کروں گا جس کے لئے تم بے قرار ہو۔ تمہارا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ تمہیں شبلی سے کوئی دلچسپی ہے۔ تمہاری اصل دلچسپی تو امروزیہ کی ذات سے ہے جس کے پیچھے پیچھے تم یہاں تک پہنچے ہو۔ شبلی تو تمہیں بعد میں ملی ہے۔ اب تم ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہو۔ امروزیہ کے بارے میں تم نے کچھ معلومات اپنے طور پر اکٹھا کی ہیں اور کچھ میں نے تم تک پہنچائی ہیں۔ شبلی کے بارے میں صرف جاننا ہی کافی ہے کہ شبلی اور امروزیہ الگ الگ نہیں بلکہ ایک روح دو قالب ہیں۔ امروزیہ جو کام انجام دیتی ہے اس میں شبلی کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔"

مہروز منہ کھولے ریڈکیٹ کا منہ دیکھ رہا تھا۔ کہاں وہ ایک باتونی کی پرلطف اور مضحکہ خیز باتیں کہاں یہ سنجیدہ اور اہم گفتگو۔ مہروز حیران رہ گیا تھا۔

"میرے دوست۔ میرے یار ریڈکیٹ۔ آج تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟" مہروز کے اسے حیرت سے تاکتے ہوئے پوچھا۔

"مہروز۔ میں نے تم سے پہلے دن ہی کہا تھا کہ میں سچ بولتا ہوں۔ آج بھی میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ کہا ہے اور جو کچھ میں تم سے کل کہوں گا وہ بھی سچ اور حقیقت پر مبنی ہو گا۔" ریڈکیٹ کا لہجہ بڑا سپاٹ اور ٹھہرا ہوا تھا۔

"لیکن کل تو میں چلا جاؤں گا۔" مہروز نے اپنا فیصلہ سنانے میں جلدی کی۔ اسے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ تو ریڈکیٹ نے خود ہی بتا دیا تھا۔

"اچھا باقی باتیں کل ہوں گی۔۔۔"

مہروز نے جواب دینا چاہا تھا لیکن ریڈکیٹ بڑی تیزی سے باہر نکل گیا۔ مہروز کا دماغ

Marfat.com

گھوم کے رہ گیا۔ اس نے اس باتونی کو ایک بھولا بھالا انسان سمجھا تھا کیونکہ اس نے بڑی صفائی سے امروزیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا لیکن آج تو کمال ہی ہو گیا۔ ریڈکیٹ یوں گفتگو کر رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی جہاندیدہ اور انتہائی سنجیدہ انسان ہو۔ مہروز رات کا کھانا عام طور سے ریڈکیٹ کے ساتھ کھایا کرتا تھا لیکن اس رات ریڈکیٹ نصف شب تک واپس نہیں آیا اور مہروز کو اکیلے کھانا پڑا۔ مہروز نے رات ہی کو فیصلہ کر لیا کہ وہ صبح کو ہر صورت میں تل باشر چھوڑ دے گا۔ ریڈکیٹ کے تیوروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے ارادے کچھ نیک نہیں ہیں۔

تل باشر کوئی اسلامی ملک نہیں تھا جہاں کے مسلمانوں کے کانوں میں صبح کو سب سے پہلے اللہ اکبر کی صدا پہنچتی ہے۔ یہ تو ایک عیسائی ملک تھا۔ کٹر عیسائی۔ حضرت عیسیٰ کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو لیکن گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کے عیسائی حضرت عیسیٰ کی تعلیم بھول چکے تھے۔ مسلمان اگرچہ عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل کو آسمانی کتاب اور حضرت عیسیٰ کو ایک برحق پیغمبر مانتے ہیں مگر ان کو مسلمانوں سے اس قدر نفرت تھی کہ جب گیارہویں صدی عیسوی (۱۰۹۸ء) میں پہلی صلیبی جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو اپنی خانہ جنگیوں اور نفاق کی وجہ سے عیسائیوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی تو حضرت عیسیٰ کے ان پیروکاروں نے یروشلم اور الرہا وغیرہ پر قبضہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم اور بربریت کا مظاہرہ کیا اس پر خود متعصب عیسائی مورخ بھی اشکبار ہو گئے تھے۔

یہ کردار تھا عیسائیوں جن کے پیغمبر نے ایک طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا طمانچہ کھانے کے لئے دوسرا گال سامنے کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ تھا ان مسلمانوں کے کردار کا نمونہ جو انہوں نے الرہا کی بازیابی کے وقت عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ الرہا پر قبضہ کے وقت اگرچہ عماد الدین زنگی کا لشکر جوش و جذبہ سے مغلوب ہو رہا تھا اور پہلی صلیبی جنگ کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور اس جوش میں ان کے ہاتھوں کچھ عیسائیوں کو نقصان بھی پہنچا لیکن عماد الدین زنگی کے عیسائیوں کے دکھوں کا فوراً مداوا کر دیا۔

غرض یہ کہ مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا دن شروع ہو تو اللہ کے نام سے اور دن ختم ہو تو اللہ کے نام پر لیکن تل باشر تو عیسائیوں کا ملک تھا یہاں اذان کی آواز کہاں جس کے ساتھ مسلمان بیدار ہوتا ہے مہروز کو خود ہی اٹھنا تھا۔ آج ریڈکیٹ بھی موجود نہ تھا جو اسے جگا دیتا۔ ریڈکیٹ کے نہ ہونے کو وہ غنیمت ہی جان رہا تھا۔ اگر وہ ہوتا اور پوچھتا کہ مہروز کدھر جانے کا ارادہ ہے تو مجھے لاکھ بہانے بنانا پڑتے۔ اس نے یہ بھی سوچا

Marfat.com

تھا کہ اب وہ قلعہ جعبر واپس جانے سے پہلے ایک چکر الرہا کا بھی لگائے گا۔ صبح کو دو قافلے روانہ ہو رہے تھے ایک کو قلعہ جعبر کے قریب سے گزرنا تھا اور دوسرا سیدھا الرہا جا رہا تھا۔

مہروز وقت سے پہلے ہی اٹھ گیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کے تیار ہوا اور ریڈیکیٹ کے کمرے میں جھانک کے سیدھا الرہا جانے والے قافلہ سالار کے پاس پہنچا اور اپنا نام الرہا جانے والوں میں لکھ دیا۔ قافلہ سالار کو اس کی جلد بازی پر تعجب ہوا کیونکہ ابھی تو صرف چند ہی لوگ سو کے اٹھے تھے۔ خود قافلہ سالار کروٹیں بدل رہا تھا کہ مہروز پہنچ گیا۔ قافلہ سالار ایک نیک آدمی تھا۔ اس نے اخلاق کا ثبوت دیا اور مہروز کے اندراج کی کارروائی مکمل کر لی۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ قافلہ کو روانہ ہونا تھا۔ سب لوگ تیار ہو چکے تھے۔ مہروز خوش تھا کہ چلو اچھا ہوا اس وقت ریڈیکیٹ موجود نہیں ورنہ اپنی الٹی سیدھی باتوں سے دماغ چاٹ لیتا۔ ذرا دیر بعد الرہا جانے والا قافلہ کا بگل بجا۔ لوگ جانے کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ وہ آگے پیچھے سرائے سے نکل کے مع اپنے سامان اور بار برداری کے جانوروں کے سامنے کے میدان میں اکٹھا ہو گئے۔ قافلہ سالار نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ قافلے کے تمام مسافروں اور سامان لے جانے والے جانوروں کی گنتی کی اور اس کا اندراج ایک رجسٹر میں کیا پھر دوسرا بگل بجا۔ یہ بگل کوچ کا تھا اور اس کے ساتھ ہی قافلہ روانہ ہوتا تھا لیکن بگل کی آواز ابھی فضا میں تحلیل بھی نہ ہوئی تھی کہ پچاس مسلح سوار گھوڑے بھگاتے نہ معلوم کدھر سے آ دھمکے۔ قافلے والے اور قافلہ سوار گھبرا گئے۔

اس وقت ایک سوار گھوڑا چمکاتا آگے آیا۔ "اس قافلہ کا سالار کون ہے۔" سوار کی پاٹ دار آواز ہر طرف گونج اٹھی۔

قافلہ سالار آگے بڑھا اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔ "میں قافلہ سالار ہوں سردار۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"میں سردار نہیں---" سوار نے بڑی رعونت سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ حکم تمہیں ہمارا سردار دے گا۔"

یہ کہہ کر سوار نے گھوڑا موڑ لیا۔ قافلہ سالار جو اس وقت تک پیدل تھا' سوار کے پیچھے ہو لیا۔ سوار نے اپنے دستہ میں پہنچ کے اپنے سردار سے کہا۔ "قافلہ سالار حاضر ہے سردار---" اس نے اس طرح کہا جیسے شاہی دربار میں کسی کو پیش کیا جاتا ہے۔

"تو تم ہو اس قافلہ کے سالار؟۔" سردار کا لہجہ سوار سے زیادہ رعونت سے بھرا ہوا

Marfat.com

تھا۔

"جی سردار۔ میں ہی قافلہ سالار ہوں۔ کیا خطا ہوتی ہے ہم سے حضور۔" قافلہ سالار کی سہمی آواز نکلی۔

"تمہارے قافلہ میں مہروز نام کا کوئی مسافر شامل ہے؟" سردار نے کرخت آواز میں پوچھا۔

"جی سرکار۔ اس نام کا مسافر شامل ہے۔" قافلہ سالار نے فوراً جواب دیا۔

سردار نے اسے چونک کے دیکھا۔ "کیا مہروز تمہارا دوست ہے؟"

"نہیں سردار۔ میں اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ الرہا جا رہا ہے۔"

قافلہ سالار کو پسینہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

"پھر اس کا نام تمہاری زبان پر اک دم کیسے آ گیا۔ کیا تم اپنے قافلہ کے ہر مسافر کا نام جانتے ہو جو کہ ایک ناممکن سی بات ہے۔" سردار کا انداز بڑا سخت تھا۔

"سردار۔ اتنے بڑے قافلہ کے تمام مسافروں کے نام میں کیسے یاد رکھ سکتا ہوں۔" قافلہ سالار نے بوکھلا کے کہا۔ "مہروز کا نام میں صرف اس وجہ سے جانتا ہوں کہ یہ آج ہی صبح میرے پاس آیا تھا اور الرہا جانے والوں میں اپنا نام لکھایا تھا۔"

"اچھا جاؤ اور مہروز کو لے کے حاضر ہو۔"

قافلہ سالار واپس جانے لگا تو سردار نے اسے مزید تاکید کی۔ "خبردار۔ مجرم بھاگنے نہ پائے ورنہ اس کی بجائے تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور عمر بھر قید میں پڑے سڑتے رہو گے۔"

قافلہ سالار پر تو جیسے مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

قافلہ سالار چند منٹ بعد مہروز کو ساتھ واپس آتے دکھائی دیا۔ مہروز نے راستہ میں اس سے بہت پوچھا کہ آخر اسے شاہی سواروں نے کیوں طلب کیا ہے لیکن وہ اس قدر غم و غصہ میں تھا کہ اس نے مہروز کو جواب دینا بھی مناسب نہ خیال کیا بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ مہروز ساتھ گھسٹتا جاتا اور اس کی خوشامد کرتا جاتا تھا۔

"میرے سردار۔ میرے آقا۔ کم از کم آپ مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ میرا قصور کیا ہے اور آپ نے ان سے میرے بارے میں کیا کہا ہے تاکہ مجھے بھی جواب دینے میں آسانی ہو۔"

مہروز کا سوال بڑا معقول تھا۔ قافلہ سالار کو آخر بولنا پڑا۔ "یہ سب مصیبت تیری وجہ سے پڑی ہے۔ تو ہی ایسا منحوس ہے کہ پورے قافلہ کو عذاب میں ڈال دیا ہے۔ میں نے

Marfat.com

تیرے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میں جانتا بھی کیا ہوں تیرے بارے میں پتہ نہیں تو نے کیا کیا کرم کئے ہیں جن کی سزا اب مل رہی ہے اور تیرے ساتھ ہم بھی رگڑے جا رہے ہیں۔

قافلہ سالار نے بڑبڑاتے ہوئے مہروز کو سردار کے سامنے کر دیا۔ "یہ ہے بدبخت مہروز۔ اس نے سب کو مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔"

سردار کچھ دیر تیز نظروں سے مہروز کو دیکھتا رہا پھر اپنے ایک سوار سے بولا۔۔ "بڑے سردار کو بلا کے لاؤ۔۔"

کیوں پکڑ بلایا گیا ہے۔ یہ بڑا سردار کون ہے۔ کیا اس کا راز کھل گیا ہے۔ کس نے ہلا کھولا ۔۔۔ اس نے اپنے بارے میں خود تو اب تک زبان نہ کھولی تھی۔ طرح طرح کے خیالوں اور سوالوں جوابوں نے مہروز کو گھیر لیا تھا۔ وہ اسی طرح الجھا کھڑا تھا کہ اسے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ مہروز کے جسم کے تمام رونگٹے اک دم کھڑے ہو گئے۔ کون ہو سکتا ہے یہ ہاتھ اس کے دائیں شانہ تک پہنچ گیا تھا لیکن مہروز کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ پلٹ کے دیکھے مگر اب اُسے یہ فکر ہوئی کہ اسکی پیٹھ پر حرکت کرتا ہوا ہاتھ اس کے شانے سے کہیں یہ اس کی گردن تک نہ پہنچ جائے۔

آخر مہروز نے جی کڑا کر کے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور اک دم پلٹ کے دیکھا۔ پیچھے دیکھتے ہی مہروز کے چہرے پر تازگی اور رونق آ گئی۔ "ارے یار تم ہو۔ میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔"

مہروز نے چاہا کہ وہ بڑھ کے اس کے گلے لگ جائے مگر اسی وقت اس کے کانوں سے ایک سخت حکم ٹکرایا۔ "خبردار۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ۔۔"

مہروز جس عالم میں تھا وہیں پتھر کا بت بن کے رہ گیا۔ "مگر یار ریڈکیٹ یہ کیا مذاق ہے۔ تم اب تک تھے کہاں۔ میں نے تمہارے انتظار میں رات کا کھانا بھی دیر سے کھایا تھا۔"

ریڈکیٹ نے زہرخند کیا۔ "مہروز۔ کان کھول کے سنو۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ سچ اور بالکل سچ ہے۔ میں پہلے بھی شاہی جاسوس تھا اور اب بھی شاہی جاسوس ہوں۔ میں نے سرائے میں مسافروں کے نام لکھنے کی ملازمت اسی لئے کی تھی تاکہ میں تم جیسے چالاک لوگوں پر نظر رکھ سکوں لیکن تم بہت چالاک ہو تم نے اپنی زبان سے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"میرے دوست ریڈکیٹ۔۔" مہروز نے خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔ "میں بالکل معمولی آدمی ہوں۔ میرے بارے میں تمہیں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔"

Marfat.com

"چپ ہو جاؤ مہروز۔" ریڈکیٹ نے مہروز کی بات کاٹی۔ "تم کون ہو اور تل باشر کس لئے آئے ہو' مجھے ایک ایک بات کی خبر ہے۔" پھر ریڈکیٹ نے سردار سے کہا۔"اس شخص کو گرفتار کر کے معہ اس کے سامان کے میرے دفتر بھیج دیا جائے اور اس کی حفاظت میں پوری احتیاط برتی جائے۔"

ریڈکیٹ کون تھا اس کے بارے میں مہروز یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اسے اس بات کا ضرور یقین تھا کہ شاہی دربار یا محکمہ جاسوس سے اس کا اتنا گہرا تعلق تھا کہ اس کے حکم پر قافلے روکے جا سکتے تھے اور قافلے کے مسافر بغیر کسی بحث و جرح کے گرفتار بھی ہو سکتے تھے۔ مہروز کو ایک بڑی حویلی پر پہنچایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ریڈکیٹ کا دفتر ہے۔ بڑا شاندار تھا اس کا دفتر۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ریڈکیٹ جاسوس نہیں شہر کوتوال ہے۔ دن بھر مہروز کو دفتر کے ایک کمرے میں بڑے سخت پہرے میں رکھا گیا۔ شام کو اسے ریڈکیٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔

"تمہارا نام؟۔" ریڈکیٹ نے بڑے رعب سے پوچھا۔

"مہروز۔۔۔"

"جاسوسی کس کس نام سے کرتے ہو؟۔"

"میں جاسوس نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" مہروز نے سوکھا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"قلعہ جعبر سے کس ماہ اور کس تاریخ کو چلے تھے؟۔"

مہروز کا پورا وجود ہل کے رہ گیا۔ شاید راز کھل گیا ہے۔

ریڈکیٹ نے بغیر جواب کے انتظار کے کہنا شروع کیا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہمارے شاہ بو سیلین روم کے اشارہ پر امروزیہ قلعہ جعبر گئی تھی۔ عماد الدین زنگی کے قتل کے بعد امروزیہ نے غلطی سے قتل کا تمام حال مردان قلعدار سے بتا دیا جس کے پاداش میں اسے گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ شاہ کو اس کی گرفتاری پر بہت غصہ آیا اور شبلی کو حکم دیا گیا کہ امروزیہ کو فوراً قید سے نکال کے دربار میں پیش کیا جائے۔ شبلی اپنی چالاکی سے ایک ہفتہ کے اندر امروزیہ کو چھڑا لائی۔"

ریڈکیٹ نے رک کے مہروز کو دیکھا۔ "کیا تم ان باتوں سے انکار کر سکتے ہو۔ خیر مجھے تمہارے انکار کی پروا نہیں۔ اس کے بعد امروزیہ کے فرار سے قلعہ جعبر کا قلعدار بہت گھبرایا اور اس نے چاروں طرف جاسوس دوڑائے جن میں سے ایک تم بھی ہو۔۔۔"

مہروز کا سر ندامت سے جھک گیا۔ انکار کرنے کی اسے جرات نہ ہوئی۔

Marfat.com

ریڈیکیٹ نے مسکرا کر کہا۔ "تاریخ کا پہیہ گھوم چکا ہے مہروز۔ پہلے عماد الدین مارا گیا اب الرہا کی واپسی کی باری ہے اس کے بعد حلب اور موصل پر قبضہ ہو گا پھر وہی وقت آ جائے گا کہ شمال سے جنوب تک ایک زبردست عیسائی حکومت قائم ہو گی اور ہم اس کا حلقہ مصر تک بڑھا دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ریڈیکیٹ۔" مہروز نے گھٹی آواز میں کہا۔ "تم پہلے بھی سچے تھے اور آج بھی سچے ہو۔ بے وقوف تو میں تھا کہ تمہاری باتوں میں آ گیا۔ ٹھیک ہے مجھے اپنی غلطی کی سزا ملنی چاہئے۔"

آج کل کے جاسوس دشمن ملکوں کے حالات سے اپنے ملک کو آگاہ کرتے ہیں۔ یہ جاسوسی اب انسانوں سے بڑھ کے سیاروں تک پہنچ گئی ہے۔ ایک ملک کے جاسوس سیارے کسی بھی دوسرے ملک کی فوجی تنصیبات اور ہر طرح کے انتظامات کی تصویریں بھیجتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں بھی کچھ اسی قسم کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔ اس وقت سیاروں کی ایجاد تو نہ ہوئی تھی لیکن جاسوس اس قدر ہوشیار اور چالاک ہوتے تھے کہ وہ سیاروں سے زیادہ کام کر جاتے تھے۔ شاہ جوسیلین دوم جس کا پورا نام جوسیلن دی کورتی نے تھا' کی حسین اور ناگن صفت امروزیہ نے قلعہ جعبر میں کیا غضب ڈھایا تھا۔ ایک طرف تو اس نے امیر عماد الدین زنگی کے معتمد غلام خواجہ سرا یار کتش سے سازش کر کے امیر عماد الدین زنگی کو قتل کرایا دوسری طرف اس نے کوشش کی کہ کسی طرح حاکم قلعہ مردان اور عماد الدین کے بیٹے نور الدین زنگی میں جنگ ہو جائے۔ یہ تو ان دونوں کی خوش قسمتی تھی اور حالات اس نہج پر تھے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محتاط رہے اور جنگ کے بجائے صلح و آشتی پر آمادہ ہوئے ورنہ امروزیہ نے تو انہیں لڑانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔

حاکم قلعہ جعبر اور نور الدین زنگی کی طرح امروزیہ بھی خوش قسمت تھی کہ قلعہ جعبر میں قید ہو جانے کے باوجود زندہ بچ گئی اور شاہ جوسیلین کے عیار جاسوس اسے قید خانہ سے صاف نکال لے گئے ورنہ قلعدار جعبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ امروزیہ کو خود قتل کرا دے گا تاکہ ایسی خطرناک عورت سے مسلم حکومتوں کو ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ حاصل ہو جائے یا پھر اسے نور الدین زنگی کے حوالے کر دیتا کہ وہ امروزیہ کو امیر عماد الدین زنگی کے قتل کی پاداش میں سولی پر چڑھا دے۔

امروزیہ نے شاہ جوسیلین کو یقین دلایا تھا کہ امیر عماد الدین زنگی اسی کی کوشش سے قتل کیا گیا تھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی دوسری وجہ شاہ کے بھتیجے شہزادہ طرطوس اور شبلی کا عشق تھا جس نے شاہ کو ان دونوں بہنوں پر زیادہ مہربان کر دیا تھا۔ شہزادہ طرطوس اگرچہ ایک

Marfat.com

اوباش اور عیاس طبع شہزادہ تھا لیکن بے خوفی اور شجاعت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی طرطوس اکھڑ دماغ بھی تھا اور یہی وجہ تھی الرہا جانے والا وفد تعطل کا شکار ہو رہا تھا۔ شاہ جو سیلین کے پاس الرہا کے ارمنی عیسائیوں کے پاس سے ایک خفیہ پیغام موصول ہوا تھا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ اگر وہ الرہا کی واپسی کی کوشش کرے تو وہاں کے تمام عیسائی باشندے اس کا ساتھ دیں گے۔

پیغام بھیجنے والے وہی ارمنی عیسائی تھے جو دراصل تاجر پیشہ تھے لیکن اکثریت میں ہونے کی وجہ سے ہر ملکی معاملہ میں اپنی ٹانگ بھڑاتے تھے۔ ڈاسمنڈ ان ارمنی تاجروں یا سیاسی پارٹی کا رہنما تھا۔ جس وقت مرحوم امیر عماد الدین زنگی خانہ جنگیوں میں الجھا ہوا تھا اس وقت شاہ جو سیلین دوم کی عشرت پسند طبیعت نے زور مارا اور وہ الرہا کی سخت زندگی چھوڑ کے اپنے گرما کے سرد علاقہ تل باشر چلا گیا تھا۔ الرہا سے جاتے ہوئے شاہ نے کاروبار حکومت اس ڈسمنڈ کے حوالہ کر دیا تھا۔ الرہا کے تمام ارمنی عیسائی ڈسمنڈ کے زیر اثر تھے اس لئے شاہ کے تل باشر چلے جانے کے بعد ڈسمنڈ کچھ دنوں تک الرہا کی حکومت چلاتا رہا مگر امیر مرحوم عماد الدین زنگی نے شاہ جو سیلین کے تل باشر جانے کی خبر پاتے ہی اپنی فوجوں کو بڑے خفیہ طریقہ سے اکٹھا کیا اور رات دن آندھی اور طوفان کی طرح سفر کرتا الرہا پہنچ گیا۔ امیر کے اس طرح اچانک آ جانے سے ڈسمنڈ بھونچکارہ گیا۔ ارمنی کے عیسائیوں کی زیادہ آبادی قلعہ الرہا کے باہر تھی۔ اس نے فوراً اپنی آبادی کو قلعہ میں منتقل ہونے کا حکم دیا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا لیکن امیر مرحوم کے تابڑ توڑ حملوں اور آخر میں فصیل کی ایک طرف کی دیوار کو سرنگ لگا کر اڑا دینے سے امیر کا پلہ بھاری ہو گیا اور ڈسمنڈ کو مجبوراً صلح کی درخواست کرنا پڑی۔

الرہا کی فتح کی تفصیل اور اس پر قبضہ کے تفصیلی حالات فاتح الرہا میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ امیر عماد الدین زنگی کی زندگی میں شاہ جو سیلین کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ الرہا کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی دیکھ سکے۔ وہ امیر کی زندگی میں تل باشر میں قید ہو کے رہ گیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا عظیم مجاہد قتل کر دیا گیا تو شاہ جو سیلین نے بھی کمر کسنا شروع کر دی۔ الرہا شمال میں عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس کے ہاتھ سے نکل جانے سے جو سیلین کی کمر ٹوٹ گئی تھی لیکن قدرت نے اس کے لئے میدان صاف کر دیا تھا اور اب اس نے ارمنی عیسائیوں کے لیڈر ڈسمنڈ سے ایک بار پھر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ شاہ دل سے ڈسمنڈ کو پسند نہ کرتا تھا کیونکہ اس نے امیر عماد الدین سے شکست کھا کر صلح کی تھی۔ اور الرہا کا قلعہ ان کے حوالہ کر دیا تھا لیکن بغیر عیسائیوں کی مدد کے وہ الرہا پر دوبارہ

Marfat.com

قبضہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

الرہا کا ڈ سمنڈ خود یہی چاہتا تھا کہ شاہ جو سیلین پھر الرہا پر حملہ کر کے قبضہ کرے تاکہ عیسائی مسلمانوں کی غلامی سے چھٹکارا پا جائیں حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ الرہا پر قبضہ کے بعد امیر عماد الدین نے جنگ کے آثار مٹانے کے لئے الرہا کی تعمیر نو کا حکم دیا تھا۔ یہاں تک کہ جن عبادت گاہوں کو نقصان پہنچا تھا ان کی مرمت اور تعمیر کے لئے اس نے خزانہ سے رقم دی تھی۔ الرہا سے شرائط کی صلح بھی انتہائی نرم تھیں اس کے باوجود وہاں کے عیسائی الرہا پر مسلمانوں کا قبضہ برداشت نہیں کر سکے تھے۔ امیر عماد الدین کے قتل ہوتے ہی انہوں نے شاہ سے سلسلہ جنبائی شروع کر دی تھی۔ ابھی تک خفیہ خط و کتابت ہو رہی تھی۔

ظاہر ہے کہ خط و کتابت سے عام طور پر وہی معاملات طے ہوتے ہیں جن کا جواب دو ٹوک ہاں یا نہیں ہوتا ہے لیکن الرہا کے معاملہ میں کچھ لو کچھ دو کا مسئلہ تھا۔ ڈ سمنڈ اپنے ارمنی عیسائیوں کی بھاری اکثریت کو قلعہ الرہا سے باہر نکال لایا تھا اور انہیں الرہا شہر میں آباد کر دیا تھا جو قلعہ کے چاروں طرف دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مسلمانوں کا قبضہ الرہا کے قلعہ پر تھا اور شہر کا انتظام انہوں نے ڈ سمنڈ کے حوالہ کر رکھا تھا۔ اس طرح ڈ سمنڈ یہ کہنے میں حق بجانب تھا کہ الرہا کا شہر اس کے قبضہ میں ہے اور الرہا کے شہر کو حوالہ کرنے کے لئے اس نے شاہ جو سیلین سے ایک بڑا مطالبہ کیا تھا اور وہ مطالبہ تھا تل باشر کی حکومت۔ ڈ سمنڈ نے شرط رکھی تھی کہ وہ شہر اور قلعہ الرہا پر شاہ کے قبضہ میں پورا تعاون کرے گا بشرطیکہ شاہ اس کے جواب میں تل باشر کا ڈ سمنڈ کو خود مختار حاکم تسلیم کر لے۔ یہ مسئلہ خط و کتابت سے طے نہ ہو رہا تھا۔ شاہ جو سیلین دوم نے اپنے ایک خط میں ڈ سمنڈ کو تل باشر میں اپنا نائب السلطنت مقرر کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس کی تفصیلات ابھی طے ہونا تھیں۔ شاہ نے اس سلسلے میں شبلی اور امروزیہ کا انتخاب کیا تھا جنہیں شاہ کی طرف سے الرہا گفتگو کے لئے بھیجا جاتا تھا۔

وہ دور بھی کچھ عجب دور تھا۔ لوگ اپنی عیش کو شیوں کا برسر عام اعلان کرتے تھے۔ بادشاہوں کو خوبصورت کنیزوں کا تحفہ پیش کیا جاتا تھا۔ خود ملکہ عالیہ اپنے شہنشاہ شوہروں کی خوشنودی کے لئے ان کی خدمت میں تربیت یافتہ اور با سلیقہ حسین کنزیں پیش کرتی تھیں۔ عیسائیوں میں تو عشرت پرستی کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا تھا حالانکہ عیسائیت میں عیاشی کی سخت ممانعت ہے۔ الرہا کا سابق شاہ جو سیلین تو عیاش تھا ہی لیکن ڈ سمنڈ اس معاملہ میں شاہ سے بھی کئی قدم آگے تھا۔ اس بات کا علم شاہ جو سیلین کو بھی تھا۔ پس جس وقت الرہا کی

Marfat.com

بازیابی کے لئے ڈسمنڈ اور شاہ جو سیلین دوم میں خط و کتابت شروع ہوئی تو دونوں نے ایک دوسرے کو حسین دوشیزاؤں کا لالچ دیا۔ شاہ جو سیلین نے ڈسمنڈ کو اشارتاً تحریر کیا کہ اگر اس نے الرہا پر شاہ کا آسانی سے قبضہ کرا دیا تو وہ اس کے صلہ میں ڈسمنڈ کو ایک ایسا خوبصورت تحفہ دے گا جسے دیکھ کر ڈسمنڈ پھڑک اٹھے گا۔

ڈسمنڈ بڑا عیار اور مکار تھا۔ وہ اپنی کارگزاری کی پوری قیمت وصول کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک طرف تو الرہا کے بدلے تل باشر کی حکومت مانگی اور دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ تل باشر کی حکومت کے ساتھ اسے تل باشر کا چاند یعنی خوبصورت شبلی بھی عطا کی جائے۔ شاہ جو سیلین کو اپنے مفاد پر شبلی کو قربان کر دینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اسے شہزادہ طرطوس اور شبلی کی محبت کا علم ہو چکا تھا۔ اگر وہ شبلی کو ڈسمنڈ کے حوالہ کرنے کا وعدہ کر لیتا تو اس سے مستقبل میں ایک جھگڑا کھڑا ہو سکتا تھا۔ شہزادہ یہ کیسے گوارہ کرتا کہ اس کی محبوبہ کو اس سے چھین کے ڈسمنڈ کے حوالہ کر دیا جائے۔

شاہ جو سیلین تذبذب میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا تدبیر کرے کہ ڈسمنڈ بھی خوش ہو جائے اور شہزادہ طرطوس کی ناراضگی بھی مول نہ لینا پڑے۔ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ وہ کسی امیر سے مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وقت نکلا جا رہا تھا اور الرہا وفد بھیجنا بہت ضروری تھا۔ شاہ جو سیلین کو مخبروں نے اطلاع دی تھی کہ امیر موصل عماد الدین زنگی کے قتل کے بعد موصل کی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ موصل میں امیر عماد الدین زنگی کا بڑا بیٹا سیف الدین غازی امیر موصل کے نام سے حاکم ہوا ہے اور دوسرا بیٹا نور الدین حلب کا امیر بن بیٹھا ہے۔ اسے یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں۔ حلب اور موصل کے بڑے بڑے سردار دونوں بھائیوں کو لڑانے کی کوشش کر رہے ہیں اور امکان ہے کہ ایک خوفناک قسم کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہی ہو گا حلب اور موصل دونوں سلطنتیں کمزور ہو جائیں گی اور عیسائیوں کو پھر سر اٹھانے کا موقعہ ملے گا۔

جو سیلین چاہتا تھا کہ زنگی شہزادوں کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھائے۔ وہ چاہتا تو اور بھی بہت کچھ تھا لیکن اس وقت اس کے لئے یہ سنہرا موقع تھا کہ الرہا پر جلد سے جلد قبضہ کرے تاکہ گزشتہ بدنامی کا داغ بھی مٹ جائے اور اس کا وقار از سر نو بحال ہو جائے۔ شاہ کو جب مشورہ کے لئے کوئی اور نظر نہ آیا تو اس نے امروزیہ کو بلا بھیجا۔ امروزیہ کا شاہی محل میں یوں بھی آنا جانا تھا۔ سب کو علم تھا کہ امروزیہ جاسوس ہے اور شاہ اس سے اکثر کام لیا کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ بھی شبہ تھا کہ امروزیہ شاہ کے خلوت کدہ کی اکثر

Marfat.com

زینت بھی بنتی ہے۔ امروزیہ کے نقش و نگار بھی ایسے تھے کہ اسے شاہی حرم میں چھپے جانے کا حق بھی حاصل تھا اور وہ اس حق کو استعمال بھی کرتی تھی۔

شاہ جو سیلین کا کسی کم مرتبہ ہستی کو شاہی محل میں بلوانا ہی لوگوں کو چونکا دیتا تھا۔ شاہ نے اپنی کنیز خاص کو حکم دیا تھا کہ وہ امروزیہ کو اپنے ساتھ لے کے آئے۔ اس چیز نے محل کے اندر باہر کھلبلی سی ڈال دی تھی۔ شاہی ملازمین جانتے تھے کہ شاہ اکثر اپنے جاسوسوں کو محل میں طلب کرتے ہیں اور ان سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہیں لیکن امروزیہ کا معاملہ دوسروں سے مختلف تھا۔ جب امروزیہ کی طلبی ہوتی تو اٹھلاتی اور آنکھیں مٹکاتی شاہ کے خاص کمرے میں جاتی تھی کمرے میں داخل ہونے سے پہلے وہ پلٹ کر ان کنیزوں اور غلاموں پر ایک نفرت بھری نظر ڈالتی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ اپنا اپنا نصیب ہے۔ تم لوگ سدا کے کنیزو غلام ہو اور تمہارا مقدر کنیز و غلام کے دائرہ سے باہر کبھی نہیں نکلتا۔ تم نے غلامی کے بستر پر آنکھ کھولی ہے اور جب مرو گے تب بھی نہیں غلامی کے کفن میں لپیٹ کے قبرستان کے کسی ویران کونے میں دبا دیا جائے گا۔

شاہ جو سیلین کے چہرے پر تفکر کی لکیریں تھیں۔ مزاج داں امروزیہ نے فوراً بھانپ لیا۔ "حضور پر کنیز صدقے۔ نصیب دشمناں مزاج تو بخیر ہیں؟۔"

شاہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ مخمور آنکھیں جھپکائیں پھر چاروں طرف دیکھا۔ صرف ایک کنیز کمرے میں موجود تھی اور یہ کنیز وہی تھی جو امروزیہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ شاہ نے اسے ہاتھ سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور کنیز الٹے پیروں باہر نکل گئی۔ باہر پہنچ کر اس کے دروازہ باہر سے بند کر لیا جو اس بات کا اعلان تھا کہ شاہ جو سیلین کے خاص کمرے میں تخلیہ ہے۔ اس وقت کسی کو یہاں تک کہ ملکہ وقت کو بھی بازیابی کی اجازت نہیں مل سکتی۔

"امروزیہ۔ ہم ایک الجھن میں پھنس گئے ہیں۔" شاہ جو سیلین نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"کنیز تن من سے حاضر ہے۔ حضور حکم دیجئے۔" امروزیہ کا لہجہ شوخ تھا۔ دراصل وہ شاہ کی اداسی کو کسی بھی طرح دور کرنا چاہتی تھی۔

شاہ نے شاید امروزیہ کا جواب سنا ہی نہیں یا اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ جو سیلین نے کہا۔ "بد ذات ڈ یمنڈ نے تو ایک بے ہودہ' مطالبہ کیا ہی تھا۔ شہزادہ طرطوس نے اس سے زیادہ غلط مطالبہ کیا ہے۔ ہم دونوں کے مطالبوں کے درمیان زچ ہو کے رہ گئے ہیں۔"

امروزیہ نے جواب میں توقف کیا کہ شاید شاہ خود ہی اپنی بات کی وضاحت کرے گا لیکن جب ادھر مکمل خاموشی رہی تو امروزیہ کو بولنا پڑا۔ "عالی جاہ۔ حکم دیجئے کہ کنیز اس سلسلہ میں کیا خدمت انجام دے سکتی ہے۔ حضور والا اس کنیز کو پہلے بھی آزما چکے ہیں۔

Marfat.com

میں کوشش کروں گی کہ مزاج شاہی کے میزان پر پوری اتروں اور دشمنوں کی آنکھ کا کانٹا بن جاؤں۔"

"ہم نے اسی لئے تمہیں طلب کیا ہے۔ امید ہے کہ تم کوئی معقول حل پیش کرو گی۔" شاہ کا لہجہ فکر مند اور کچھ مغموم تھا۔ شاہ کی نظریں امروزیہ پر جمی ہوئی تھیں۔
"امروزیہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہیں الرہا جانے کے لئے منتخب کیا ہے؟"
"جی عالی جاہ۔ مجھے علم ہے۔" امروزیہ نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے یہ بھی علم ہے کہ الرہا میں مجھے ارمینوں کے رہنما ڈ سمنڈ سے گفتگو کرنا اور اسے شیشہ میں اتارنا ہے۔"
"اس کے علاوہ بھی تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے؟۔" شاہ جو سیلین نے ایک دم ایسا سوال کیا کہ امروزیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اسے الرہا بھیجنے کا شاہ کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ امروزیہ یہ کچھ نہ سمجھ سکی اور اسے اس کا اقبال کرنا پڑا۔
"عالی جاہ۔ میں حضور کا مطلب نہیں سمجھی۔" امروزیہ نے بات بنانے کی بھی کوشش کی۔ "آپ نے جو کچھ حکم دیا تھا میں دراصل اس کی تکمیل کے بارے میں دماغ لڑاتی رہی۔ کسی اور طرف ۔ توجہ کر ہی نہیں سکی۔"
"ممکن ہے کہ تمہاری توجہ ادھر نہ گئی ہو لیکن ایسی مخبر کو یہ ضرور سوچنا چاہئے تھا کہ آخر تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے میں نے شبلی کا انتخاب کیوں کیا؟" شاہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔

امروزیہ چکرا گئی۔ یہ بات تو واقعی سوچنے کی تھی۔ شاہ جو سیلین امروزیہ اور شبلی کو الگ الگ کام دیا کرتا تھا اس کے ساتھ ہی ان دونوں کے لئے یہ بھی تاکید تھی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی مصروفیت سے باخبر نہیں کریں گی۔ ہاں اگر کسی ایک پر مصیبت پڑ گئی تو دوسری کو اس کی مدد کے لئے روانہ کیا جائے گا۔ شاہ جو سیلین کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے جاسوس کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا جیسا کہ اس نے قلعہ جعبر سے امروزیہ کو چھڑانے کے لئے کیا تھا۔

"عالی جاہ۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔ کنیز یہ سمجھی تھی کہ شبلی کو شاید میری مدد کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔" امروزیہ نے اپنی غلطی چھپانے کی کوشش کی۔
شاہ نے مسکراتے ہوئے ایک اور سوال کر دیا۔ "تم نے اس بات پر بھی غور نہیں کیا کہ الرہا کا معاملہ اس قدر اہم ہے لیکن ہم نے اسے تعطل میں ڈال دیا ہے؟"
"مجھے اپنی کم عقلی کا احساس ہے عالی جاہ۔ میرا دھیان ادھر بھی نہیں گیا۔"
"یہ تمہاری بے عقلی نہیں بلکہ ہماری کمال احتیاط ہے۔" شاہ نے امروزیہ کی شرمندگی

Marfat.com

کم کرنے کے لئے کہا۔ "ہماری یہ احتیاط دراصل شبلی کے بارے میں ہے۔ تمہارے علاوہ ابھی شبلی کو بھی اس بارے میں صرف یہی معلوم ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ایک مددگار کے طور پر بھیجی جا رہی ہے۔ اچھا اب ہماری بات غور سے سنو اور پھر اس مسئلہ کا کوئی معقول حل بھی پیش کرو۔"

"کنیز گوش بر آواز ہے عالیجاہ ---" امروزیہ نے سر کچھ اور خم کر دیا۔

"تم جانتی ہو اور ہمیں بھی علم ہے امروزیہ۔" شاہ نے کہنا شروع کیا۔ "شبلی شہزادہ طرطوس کے بہت قریب ہو گئی ہے۔ ہم نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی کیونکہ یہ شہزادہ کا ذاتی معاملہ ہے لیکن اب ایک عجیب الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو گا کہ ہم الرہا کی واپسی کی کوشش کر رہے ہیں۔ الرہا کی واپسی کا یہ اچھا موقعہ ہے۔ زنگی شہزادے آپس میں دست و گریباں ہیں۔ اگر اس وقت ارمنی تاجر ہمارا ساتھ دیں تو الرہا پر آسانی سے قبضہ ہو سکتا ہے۔"

شاہ نے رک کے امروزیہ کو دیکھا۔ امروزیہ اپنے خیالوں میں الجھی ہوئی تھی۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ شبلی کی طرف سے زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ شبلی اور شہزادہ طرطوس میں تعلقات اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ شبلی اکثر راتوں کو غائب ہونے لگی تھی۔ شہزادے پر تو خیر امروزیہ کا کوئی اختیار نہ تھا لیکن شبلی کو اس نے کئی بار محبت اور سنجیدگی سے سمجھایا تھا کہ اس آگ کے کھیل سے کچھ حاصل نہیں۔ شہزادہ شاہی خاندان کا فرد ہے اور اس کی شادی بھی شاہی خاندان میں ہو گی اس لئے اس سے دل لگانا اور امید وفا رکھنا سرا سر حماقت ہے مگر شبلی اُمڈتی جوانی کے دھارے میں بہہ رہی تھی۔ شہزادہ نے اس پر کچھ ایسا روغن قاز ملا تھا کہ شبلی کی آنکھیں نہ کھلتی تھیں۔ اس کا بھیانک مستقبل اس کے سامنے کھڑا تھا لیکن اس کے کان پر جوں نہ رینگتی تھی۔

"تم سن رہی ہو نا امروزیہ۔؟" شاہ نے اسے چونکا دیا۔

"جی --- جی ہاں۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔" امروزیہ بوکھلا گئی تھی۔

"الرہا کے ارمنوں کے رہنما ڈسمنڈ کا نام تم نے سنا ہو گا ---؟" شاہ نے آگے کہنا شروع کیا۔

"عالیجاہ۔ میں نے ڈسمنڈ کو دیکھا بھی ہے۔ وہ معقول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہمارا ساتھ ضرور دے گا۔" امروزیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر اسے گفتگو کے لئے بھیجا گیا تو وہ ڈسمنڈ کو رام کر لے گی۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ ڈسمنڈ ہے تو معقول آدمی مگر اس نے تعاون کے لئے بعض

Marfat.com

سخت قسم کی شرطیں رکھی ہیں۔" شاہ نے بات آگے بڑھائی۔ "اسے خوبصورت چہروں کا بہت شوق ہے۔"

امروزیہ یوں شرما گئی جیسے شاہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا حالانکہ شاہ شبلی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ "ہاں تو ہم کہہ رہے تھے ڈ یمنڈ ہر جگہ خوبصورت چہرے تلاش کرتا ہے۔ اس نے شاید شبلی کو کہیں دیکھا ہے۔"

شبلی کے نام پر امروزیہ نے بڑی مطمئن نظروں سے شاہ کو دیکھا۔ "عالیجاہ۔ کیا ڈ یمنڈ شبلی کو پسند کرتا ہے؟۔"

شاہ نے تو یہ جھوٹ موٹ کہا تھا۔ وہ تو شبلی کو رشوت کے طور پر ڈ یمنڈ کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ شاہ نے اسی انداز پر اسے فریب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈ یمنڈ نے شبلی کو پسند کر لیا ہو لیکن اس سلسلہ میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ خیر یہ مسئلہ تو بعد کا ہے اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ڈ یمنڈ نے درخواست کی ہے کہ جو وفد اس سے گفتگو کے لئے الرہا بھیجا جائے اس میں شبلی کو شامل کیا جائے۔"

"عالیجاہ۔ یہ تو مسئلہ نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔" امروزیہ نے فوراً کہا۔ "وفد میں آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ شبلی اگر ساتھ جائے تو میں اسے سنبھالے رکھوں گی۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں امروزیہ ۔ مگر جھگڑا تو طرطوس کا ہے۔" شاہ نے بات کھولی۔

"میں سمجھ نہیں سکی عالیجاہ۔ شہزادہ کیا چاہتے ہیں؟"

"وہ ضد کر رہا ہے کہ شبلی کے ساتھ وہ بھی الرہا جائے گا۔" شاہ نے کہا۔ "تم اور شبلی ایک اہم کام پر جاری ہو۔ ظاہر ہے کہ تمہیں صورت بدل کے الرہا میں داخل ہونا پڑے گا۔ پھر پتہ نہیں وہاں کیسی پڑی۔ کیا معلوم دو دو چار دن تک کھانا پینا نصیب بھی ہو کہ نہ ہو۔ تم دونوں تو جیسے تیسے کاٹ لو گی لیکن شہزادہ تو جھلا اٹھے گا اور خبر نہیں کہ کیا کر بیٹھے۔"

امروزیہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔ شہزادہ طرطوس کو وہ بھی نہیں روک سکتی تھی۔ "عالیجاہ۔ شہزادے کو تو میں بھی نہیں سمجھا سکتی۔" امروزیہ نے اپنی مجبوری بیان کر دی۔

"شبلی کو تو سمجھا سکتی ہو تم؟۔" شاہ نے الفاظ پر زور دے کے کہا۔

"جی عالیجاہ۔ میں اسے سنبھال سکتی ہوں۔"

"امروزیہ۔ تم سمجھدار ہو۔ شبلی کو سمجھاؤ کہ شہزادہ سے اسے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ہوا کے پیچھے بھاگنے سے اسے کچھ نہ ملے گا۔" شاہ نے بڑے ناگوار لہجہ میں کہا۔ "پھر الرہا میں شہزادہ اور ڈ یمنڈ کا سامنا ہو گا۔ شبلی بھی سامنے ہو گی۔ شہزادہ کے منہ سے کوئی ایسی ویسی

Marfat.com

بات نکل گئی تو ہمیں شدید صدمہ ہو گا۔ الرہا کی بازیابی ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے عالیجاہ۔ میں شبلی سے بات کروں گی۔" امروزیہ کو امید تھی کہ وہ شبلی کو سمجھا کے اپنے ڈھب پر لے آئے گی۔

"شبلی کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ شہزادہ طرطوس کی شان و شوکت سے دھوکہ نہ کھائے۔ ڈیمنڈ اگر اس کی طرف مائل ہو گیا تو اس کی زندگی سنور جائے گی۔"

"جی عالیجاہ۔ میں شبلی سے انہی خطوط پر گفتگو کروں گی۔"

امروزیہ نے شبلی سے گفتگو میں واقعی شاہ کے دیئے ہوئے خطوط پر گفتگو کا آغاز کیا۔

امروزیہ نے بڑے پیار سے کہا۔ "شبلی۔ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کس قدر چاہتی ہوں۔؟"

"آپا --- کیا کہہ رہی ہو۔ میں نے تمہارے پیار سے کب انکار کیا ہے؟۔" شبلی نے پریشان نظروں سے امروزیہ کو دیکھا۔ "آج اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"شبلی۔ میں نے تمہارے اور شہزادہ کے معاملہ میں اب تک دخل نہیں دیا۔؟" امروزیہ نے اس طرح سسکی لی جیسے اس کا دل دکھ رہا ہو۔

"آپا۔ آپا۔ کیا ہوا ہے تمہیں۔ میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ شہزادہ نے کہا ہے کچھ؟" شبلی نے امروزیہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"شہزادہ تو بھونرا ہے بھونرا۔" امروزیہ نے جل کے کہا۔ "ایک پھول پر بیٹھا۔ اس کا رس چوسنا شروع کیا جب رس ختم ہو گیا یا خود اس کا جی بھر گیا۔ بس پھر سے اڑا اور دوسرے پھول پر جا بیٹھا۔

ایسے انسان سے وفا کی کیا امید ہو سکتی ہے؟"

شبلی مسکرا دی۔ "آپا تم نہیں سمجھ سکو گی۔ یہ تو محبت ہے۔ جس سے بھی ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے محبت جس سے بھی ہو جائے۔" امروزیہ جل کے بولی۔ "پر یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ دوسرا کتنی محبت کرتا ہے۔ تو نے شہزادہ سے پوچھا ہے کبھی؟"

"پوچھا تو نہیں لیکن میں جانتی ہوں۔ شہزادہ کو مجھ سے بہت محبت ہے۔" شبلی نے اٹھلا کے جواب دیا۔

"اس کا انجام بھی سوچا ہے۔ زندگی محبت کے سہارے نہیں کٹا کرتی میری ننھی بہن۔" امروزیہ کے لہجے میں غصہ اور پیار دونوں ہی جذبے گڈمڈ ہو رہے تھے۔

شبلی نے عجیب نظروں سے امروزیہ کو دیکھا۔ یہ بات پہلی مرتبہ امروزیہ نے اسے سمجھائی تھی۔ وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ شہزادہ طرطوس کے ساتھ اسی طرح ہنستے کھیلتے زندگی گزر جائے گی۔ امروزیہ کی بات اس کے دل میں ترازو ہو گئی۔ "پھر میں کیا کرو آپا۔؟۔" شبلی

Marfat.com

کے لہجے میں دکھ سا بھر گیا۔

"شہزادہ نے پوچھ کیا وہ تجھے اپنی دلہن بنائے گا۔" امروزیہ نے اسے حقیقت کا سامنا کرنے کا مشورہ دیا۔ شبلی، بڑی بہن سے نخرے کرتی۔ لڑتی اور کبھی کبھی بڑے سخت جواب دیتی تھی لیکن آج جیسے امروزیہ نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ "میں ضرور پوچھوں گی۔ آج ہی فیصلہ کروں گی۔"

امروزیہ حیران رہ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ شبلی اس کے مشورے کی سخت مخالفت کرے گی۔ "تو پوچھے گی تو ضرور لیکن یہ خیال رکھ کر اگر شہزادہ نے کوئی الٹا سیدھا جواب دیا تو اٹوار کھٹوارے کے مت پڑ جائیو۔"

"نہیں آپا۔ میں ایسی گئی گذری نہیں ہوں۔"

شبلی مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گئی۔ امروزیہ نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور دوسری طرف چلی گئی۔ شبلی کچھ دیر بیٹھی اپنے آپ سے الجھتی رہی پھر اٹھی اور سیدھی شہزادہ کی حویلی پر پہنچ گئی۔ حویلی کیا یہ بھی ایک چھوٹا سا شاہی محل تھا۔ یہاں شہزادہ طرطوس رہتا تھا۔ حویلی کے اندر بڑا میدان تھا جہاں شہزادہ اپنے احباب کے ساتھ فنون سپہ گری کی مشق کیا کرتا تھا۔ اس نے شبلی سے ملاقات کے اوقات مقرر کر دیئے تھے اور کچھ اوقات ایسے تھے جن کیلئے شہزادہ نے کہا تھا کہ وہ ان اوقات میں بہت زیادہ مصروف ہوتا ہے اس لئے شبلی ان اوقات میں اس سے ملنے نہ آیا کرے۔

شبلی جس وقت شہزادہ کے محل پر پہنچی تو اتفاق سے یہ وہ وقت تھا جس کے بارے میں شہزادہ نے شبلی کو ملاقات سے منع کیا تھا لیکن شبلی کو اس وقت ہوش ہی نہ تھا۔ اس کے اندر ایک عجیب طرح کا لاوا کھول رہا تھا۔ حویلی کے تمام لوگ شبلی کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے شبلی کو دیکھتے ہی حویلی کا دروازہ کھول دیا اور شبلی راہداریاں طے کرتی ہوئی شہزادہ کے اس کمرے پر پہنچ گئی جہاں وہ اکثر شہزادہ سے ملا کرتی تھی۔ کمرے کے دروازہ پر جالی کا پردہ پڑا تھا اور اندر سے ساز اور آواز کی لہریں باہر تک آ رہی تھیں۔ شبلی ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ یہ تو شہزادہ کی مصروفیت کا وقت تھا۔ اس وقت گانا بجانا کیوں ہو رہا ہے۔

شبلی نے پردہ کا کونہ ہٹا کر اندر دیکھا اور اس کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ کمرے میں گانا ہو رہا تھا۔ شہزادہ ایک مسند پر بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ ایک نازنیں براجمان تھی۔ نازنیں کے ہاتھ میں صراحی تھی۔ وہ جام بھر بھر کے شہزادہ کو دے رہی تھی۔ شبلی کا دل بیٹھنے لگا اور سر اس طرح چکرایا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ اس کا دل چاہا کہ الٹے پیروں واپس جائے کیونکہ وہ شہزادہ سے جو سوال کرنا چاہتی تھی اس کا آدھا جواب تو اسے

Marfat.com

مل گیا تھا لیکن شبلی نے خود کو سنبھالا۔ آج اسے فیصلہ کرنا تھا چور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا پھر وہ اسے بھاگنے کا موقعہ کیوں دے۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔۔" شبلی نے اندر پہنچ کے کہا۔ اس نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ شہزادہ طرطوس اس آواز پر چونکا۔ پھر جب اس کی نظر شبلی پر پڑی تو اس کے ہاتھ سے بھرا ہوا ساغر چھوٹ گیا۔ "تم ۔۔۔۔ تم ۔۔۔۔ شبلی تم ۔۔۔" شہزادہ کی آواز لڑکھڑا بھی رہی تھی اور اٹک بھی رہی تھی۔

"جی ہاں شہزادہ بہادر۔۔ میں ہوں آپ کی شبلی۔" شبلی نے بڑے استقلال سے کہا۔

"مگر یہ تو آپ کی مصروفیت کا وقت ہے۔ اس وقت یہ شراب و شباب کا شغل کیوں؟"

شہزادہ نے ساقی لڑکی اور سازندوں کو اشارہ کیا۔ وہ سب سر جھکائے چپ چاپ باہر نکل گئے۔

"تمہیں اس وقت نہیں آنا چاہئے تھا شبلی۔" شہزادہ نے ناگوار لہجے میں کہا۔

شبلی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کے بولی۔ "اس لئے کہ یہ آپ کی تفریح کا وقت تھا۔ میں کباب میں ہڈی بن کے آگئی تو آپ کی چوری پکڑی گئی۔"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ تم مجھے ٹوکنے والی کون ہو؟" طرطوس نے شاہانہ رعونت سے کہا۔

"تو پھر مجھے بھی اپنی زندگی بنانے کا حق ہے۔" شبلی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"جاؤ بناؤ اپنی زندگی میرا کیا بگڑ جائے گا۔" شہزادہ کے انداز میں انتہائی بے پروائی تھی۔

"تو اب تک آپ مجھے دھوکہ دیتے رہے؟"

"یہ مکاری باہر جا کے دکھاؤ۔ میں تمہارے فریب میں نہیں آنے والا۔" شہزادے نے شبلی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"فریب میں دے رہی ہوں یا آپ نے مجھے فریب دیا ہے۔؟"

"بکواس نہ کرو۔ میں نے کوئی فریب نہیں دیا تمہیں۔"

"کیا آپ نے مجھ سے شادی کرنے کو نہیں کہا تھا۔؟" شبلی رو رہی تھی اور چیخ چیخ کے حویلی سر پر اٹھا رکھی تھی۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ شادی کا میں نے کبھی نام بھی نہیں لیا۔" شہزادہ صاف انکار کر گیا۔

"کیا آپ نے یہ نہیں کیا تھا کہ آپ مجھے محل کی زینت بنائیں گے؟" شبلی دہاڑیں

Marfat.com

مارنے لگی۔

"محل کی زینت بنانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں تمہیں اپنی بیوی بنا لوں گا۔۔۔" شہزادہ نے معاملہ بالکل ہی صاف کر دیا۔

"اور کیا مطلب ہوتا ہے اس کا؟۔" شبلی صاف جواب سننے کے باوجود اب بھی ضد کر رہی تھی۔

"شاہی محلات میں سینکڑوں عورتیں ہوتی ہیں۔ کیا تم نے شاہ کے محل میں عورتیں نہیں دیکھیں؟۔"

"اچھا ۔۔۔ اچھا ۔۔۔۔ تو تم مجھے اپنی کنیز بنانا چاہتے تھے۔ اپنی داشتہ۔۔۔۔" شبلی القاب آداب بالائے طاق رکھ کر بکھر گئی۔ پھیل گئی۔

شہزادہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شبلی کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ امیدوں اور آرزوؤں کے محل دھڑام سے گر گئے۔ وہ پیر پٹختی حویلی سے نکل گئی۔ اسی عالم میں وہ گھر پہنچی۔ کھلے بال۔ منہ دھواں دھواں' وہ یوں لڑکھڑاتی آ رہی تھی جیسے قدحوں شراب پی ہو۔ امروزیہ نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ شبلی کی محبت کا بھرم ختم ہو گیا ہے اور شہزادہ نے غالباً اسے ڈانٹ کر بھگا دیا ہے۔ امروزیہ نے اسے ڈانٹنے پھٹکارنے کے بجائے پیار سے گلے لگایا۔ شبلی اور پھوٹ پھوٹ کے روئی۔ یہاں تک کہ دل کی ساری بھڑاس آنسوؤں کے رستے نکل گئی۔

"کیا کہا شہزادہ نے؟۔" امروزیہ نے جب دیکھا کہ شبلی کا جی ہلکا ہو گیا ہے تو نرمی سے پوچھا۔

"آپا تمہارا خیال ٹھیک تھا۔ وہ تو بدمعاش ہے۔ نرا کمینہ۔۔۔۔"

"چپ رہ شبلی۔۔" امروزیہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "طرطوس شہزادہ ہے۔ اس کی بات کے آگے تیری نہ چلے گی۔ ہمیں اپنی چادر میں رہنا چاہئے۔"

"مگر آپا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مجھے اپنے محل میں کنیز بنا کے رکھے گا۔" شبلی کے آنسو پھر رواں ہو گئے۔ ابھی بدلی چھٹی تھی پھر برکھا ہونے لگی۔

"چلو اچھا ہوا۔ تمہاری آنکھوں سے پردہ تو اٹھا۔" امروزیہ کا دل بھی جل اٹھا تھا۔

"تم نے مجھے پہلے ہی بتا دیا ہوتا آپا۔" شبلی کی سسکیاں نہ رکتی تھیں۔

"پہلے تم میری بات کا یقین نہ کرتیں۔ خیر چلو دیر آید درست آید۔" اور امروزیہ اپنے دامن سے شبلی کے آنسو پونچھنے لگی۔

"اب میں کیا کروں آپا؟۔" شبلی بہت مایوس ہو رہی تھی۔

Marfat.com

"ابھی صبر کرو شبلی۔ حالات تمہیں خود راستہ دکھائیں گے۔"

"تم الرہا کب جا رہی ہو؟۔"

"شاہ جب بھی حکم دیں گے چلی جاؤں گی"

"مجھے اپنے ساتھ لئے چلو آپا۔" شبلی نے درخواست کی۔

"اور اگر طرطوس ساتھ چلنے پر اڑ گیا تو۔۔۔"

"جہنم میں جھونکو اسے۔ میں جواب دے لوں گی۔"

امروزیہ دل میں مسکرائی۔ طرطوس کا کانٹا خود بخود نکل گیا تھا۔

دو راہبائیں اور ایک راہب بڑی خاموشی سے الرہا میں داخل ہوئے۔ راہب تو واقعی تل باشر کے ایک چھوٹے گرجا کا پادری تھا جو شاہ جوسیلین کے حکم سے ان راہباؤں کے ساتھ تل باشر سے آیا تھا۔ دونوں راہبائیں دراصل تل باشر کی مشہور جاسوسائیں امروزیہ اور شبلی تھیں۔ تل باشر سے الرہا کی سرحد تک ان کے ساتھ تل باشر کی شاہی فوج کے پانچ سوار آئے تھے جو الرہا کی سرحد شروع ہوتے ہی واپس چلے گئے تھے۔ سرحد سے الرہا شہر تک ان تینوں کو پیدل ہی سفر کرنا پڑا تھا۔ اس زمانہ میں راہب عام طور پر پیدل سفر کرتے تھے۔ ان کے لباس ہی ان کے راہب ہونے کی غمازی کر رہے تھے۔ سب کے چوغے لمبے اور گردنوں میں صلیبیں پڑی ہوئی تھیں۔ الرہا میں عام طور پر عیسائیوں کی آبادی تھی۔ انہیں سفر میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہوئی۔ امروزیہ اور شبلی تمام راستہ خاموش رہی تھیں۔ گفتگو کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایک پادری تھا جسے اچھی طرح سمجھا بجھا دیا گیا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ الرہا دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ شہر کا تھا جو قلعہ الرہا کی فصیل کے باہر آباد تھا اور دوسرا حصہ خاص قلعہ کا تھا جس میں حکومت وقت کے عمال اور امرا وزراء رہتے تھے۔ سابق شاہ جوسیلین کے تمام شاہی محلات اسی قلعہ میں آباد تھے جس پر اب مسلمانوں کا قبضہ تھا اور ایک مسلم قلعہ دار کچھ سپاہ کے ساتھ یہاں کا حاکم تھا۔ انتظامی معاملات مسلمانوں نے مقامی لوگوں کے ہاتھ میں دے رکھے تھے۔ الرہا کے شہر کی آبادی میں اکثریت عیسائیوں کی تھی جو اصل میں آرمینیہ کے باشندے تھے لیکن انہیں الرہا میں سکونت اختیار کئے ہوئے ایک صدی کے قریب گزر چکا تھا۔ جس زمانہ میں مسلمان الرہا پر حملہ آور ہوئے تھے اس وقت شہر کی تمام عیسائی آباد قلعہ کے اندر منتقل ہو گئی تھی لیکن مسلمانوں کے قبضہ کے بعد یہ لوگ پھر شہر میں واپس آ گئے تھے۔

ارمنی عیسائیوں کے رہنما یا لیڈر ڈ یمنڈ کا آبائی گھر شہر میں تھا مگر ایک بڑا تاجر ہونے کی وجہ سے اس کا زیادہ وقت قلعہ کے اندر گزرتا تھا کیونکہ تجارت کے ساتھ ساتھ اس کا

Marfat.com

شمار عمائدین سلطنت میں بھی ہوتا تھا اور سرکار دربار سے اس کی تقریباً روز ہی طلبی ہوا کرتی تھی۔ ڈ سمنڈ نے قلعہ کے اندر بھی ایک عظیم الشان حویلی تیار کرلی تھی۔ جس وقت شاہ جو سیلین' الرہا کا بادشاہ تھا اس زمانہ میں ڈ سمنڈ کی گڈی بہت چڑھی تھی۔ شاہی محل کی تمام ضیافتوں میں اس کا بلاوا آتا تھا۔ اس کی شاہ تک رسائی تھی۔ شاہ جو سیلین نے تل باشر جاتے وقت جن کلدانی اور اومنی تاجروں کو الرہا کی حکومت کی باگ ڈور سونپی تھی' ڈ سمنڈ ان میں پیش پیش تھا۔

ڈ سمنڈ شاہ کا بڑا معتمد اور وفادار تھا۔ ہم مشرب ہونے کی وجہ سے شاہ اکثر اپنی ذاتی محفلوں میں بھی ڈ سمنڈ کو بلا بھیجتا تھا لیکن ڈ سمنڈ اور شاہ کے ان گہرے مراسم میں اس وقت رخنہ پڑ گیا جب شاہ کی عدم موجودگی میں الرہا پر مسلمانوں کا حملہ ہوا اور ڈ سمنڈ نے جس کے پاس اس وقت الرہا کی حکومت تھی' امیر موصل عماد الدین زنگی سے مجبور ہو کر صلح کی تھی۔ قلعہ الرہا کی ایک طرف کی فصیل سرنگ لگا کر مسلمانوں نے اڑا دی تھی اگر ڈ سمنڈ الرہا والوں کی طرف سے صلح نہ کرتا تو سارا شہر خاک و خون میں لوٹ جاتا اور وہاں سے کوئی متنفس بچ کر نہ نکل سکتا۔

امیر عماد الدین کے ایک دم منظر حیات سے نکل جانے سے ڈ سمنڈ اور شاہ جو سیلین پھر دوستی کے راستے پر چل نکلے تھے۔ شاہ جو سیلین ' الرہا کی واپسی چاہتا تھا جس کے لئے ڈ سمنڈ کا تعاون ضروری نہیں بلکہ لازمی تھا۔ ڈ سمنڈ کے ہاتھ میں اگرچہ الرہا کے انتظامی معاملات تھے لیکن الرہا کا قلعدار ایک مسلمان سردار تھا جس کی مرضی کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ فطری طور پر اس کے دل میں ایک آزاد مملکت کی چنگاری پیدا ہوئی۔ اس کی یہ آرزو صرف شاہ جو سیلین ہی پوری کرسکتا تھا۔ الرہا کی واپسی کے بعد شاہ ایک بار پھر شمال کی سب سے بڑی اور مرکزی حکومت کا بادشاہ بن جاتا اور اس کے لئے ڈ سمنڈ کو علاقہ سونپ دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا لیکن جب ڈ سمنڈ نے شاہ کو ٹٹولا' اسے محسوس ہوا کہ اس وقت شاہ سے منہ مانگا انعام حاصل کیا جاسکتا ہے اس لئے اس نے تل باشر کا مطالبہ کیا۔ شاہ اس پر نیم راضی ہوا تھا کہ ڈ سمنڈ نے تل باشر کے آزاد حکمراں بنائے جانے کا مطالبہ پیش کردیا۔ اس سے معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔

شاہ جو سیلین اور ڈ سمنڈ میں یہ گفت و شنید الرہا پر مسلمانوں کے قبضہ ہوتے ہی شروع ہوگئی تھی۔ ایک تو شاہ اور ڈ سمنڈ دونوں اپنی اپنی جگہ خوفزدہ تھے۔ امیر موصل عماد الدین کا دھڑکا انہیں لگا ہوا تھا پھر آزاد مملکت کے مطالبہ کی وجہ سے گفتگو میں الجھاؤ بھی پیدا ہوگیا تھا کہ اسی دوران امیر موصل کے قتل ہونے کی خبر آگئی جس نے ڈ سمنڈ اور شاہ کو پوری

Marfat.com

طرح پرامید کردیا اور امروزیہ اور شیلی کو زبانی معاہدہ کی تکمیل ہی کے لئے الرہا بھیجا گیا تھا۔
ڈسمنڈ نے شیلی کو دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ شیلی تھی بھی پری یا حور۔ امروزیہ نے اسے سمجھا دیا تھا کہ ڈسمنڈ نے اس کی تعریف سن رکھی ہے اور اگر وہ خود بھی کوشش کرے تو رنڈوے ڈسمنڈ کی بیوی بن کر جاسوسی کی ملازمت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرسکتی تھی۔ شیلی کے دماغ میں یہ تمام باتیں گھوم رہی تھیں اس لئے وہ جب ڈسمنڈ کے سامنے پہنچی تو اس میں ایک محبوبانہ ٹھسا موجود تھا اور اس کے ہر انداز سے دلبری نمایاں تھی۔
ڈسمنڈ نے امروزیہ کو پہلے بھی دیکھا تھا اور وہ اس پر ریجھ گیا تھا اب شیلی پر نظر پڑی تو بس جم کے رہ گئی۔

"یہ ہے میری چھوٹی بہن شیلی۔" امروزیہ نے ڈسمنڈ سے شیلی کا تعارف کرایا۔

ڈسمنڈ پر محویت کا عالم طاری تھا۔ اس نے امروزیہ کو تخلیہ میں بلایا تھا کہ معاہدہ کی تکمیل کی جاسکے لیکن ڈسمنڈ اپنے سامنے پری پیکر اور بت طناز کو دیکھ کر حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ اس کا منہ آدھا کھلا تھا اور نظریں تھیں کہ شیلی کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ شیلی کی عمر اگرچہ زیادہ نہ تھی لیکن اس کے پیشہ اور امروزیہ کی صحبت نے اسے کافی تجربہ کار اور جہاندیدہ بنا دیا تھا۔ وہ بھی عشوے اور غمزے کے ایک ایک تیر کو ڈسمنڈ پر آزما رہی تھی۔ امروزیہ الگ اس منظر سے لطف اٹھا رہی تھی۔ امروزیہ اور ڈسمنڈ کی پہلی ملاقات بڑی مدبرانہ اور مہذب تھی۔ ڈسمنڈ کے اگرچہ دل میں امروزیہ کے حسن کو سراہا تھا اور گفتگو کے دوران اشاروں میں اس کے حسن کی تعریف کی تھی لیکن وہ تمام وقت بڑا سنجیدہ بنا رہا تھا۔

ڈسمنڈ کی محویت ختم نہ ہوئی تو امروزیہ نے اسے دوبارہ چھیڑا۔ "محترم ڈسمنڈ۔ میں نے آپ سے کچھ عرض کیا ہے؟"۔

ڈسمنڈ جیسے خواب سے بیدار ہوا۔ اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا پھر امروزیہ سے گویا ہوا۔ "معاف کیجئے آپ مجھ سے کچھ فرما رہی تھیں؟"

امروزیہ مسکرائی مگر شیلی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شاخوں سے پھول جھڑ پڑے یا موتی بکھر گئے۔ اس کے نقرئی قہقے سے فضا میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ ڈسمنڈ گھبرا گیا۔ وہ کبھی امروزیہ کو دیکھتا تو کبھی شیلی کو۔ سب پر طرہ یہ کہ ڈسمنڈ کو جواب بھی شیلی نے ہی دیا۔

"محترم ڈسمنڈ۔ آپا آپ کو دوبارہ مخاطب کر چکی ہیں لیکن پتہ نہیں آپ کس کے خیال میں کھوئے ہوئے ہیں۔"

شیلی کے جواب نے تو اسے اور بھی تڑپا کے رکھ دیا۔ اس نے "خیال" پر کچھ اس ادا

Marfat.com

سے زور دیا تھا کہ ڈیسمنڈ پر بجلیاں سی گر پڑیں۔ اس کا دل چاہا کہ کہدے میں کہ خیال تو بس تمہارا ہے لیکن یہ پہلی ملاقات تھی اس لئے ڈیسمنڈ نے بڑی رعایت کی۔ "واہ کیا پیاری بات کہی ہے آپ نے مس۔؟"

"مس شیلی۔" امروزیہ نے جملہ پورا کردیا۔ "آپ چاہیں تو صرف شیلی بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"اس عنایت کا بہت بہت شکریہ" ڈیسمنڈ بہت خوشدلی سے بولا۔ "آپ نے سنا ہوگا کہ بعض لوگ دن میں خواب دیکھتے ہیں۔"

"ٹھہریئے محترم ڈیسمنڈ۔" شیلی نے بڑی شوخی سے لقمہ دیا۔ "ہم نے تو سنا ہے کہ بعض لوگ جاگتے میں خواب دیکھتے ہیں لیکن آپ فرما رہے ہیں کہ لوگ دن میں خواب دیکھتے ہیں۔ کہیں آپ کا مطلب دن میں تارے دیکھنے سے تو نہیں ہے؟"

بہت خوب مس شیلی" ڈیسمنڈ نے امروزیہ کو بالکل نظرانداز کردیا۔ "مجھے آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرنا ہوگا کیونکہ آپ نے میری اصلاح کی ہے۔"

"محترم ڈیسمنڈ" شیلی نے دوسرا شگوفہ کھلایا۔ "اگر آپ کو اپنی اصلاح کرانے کا شوق ہے تو میں یہ ذمہ داری بلامعاوضہ پوری کرنے پر تیار ہوں لیکن اس وقت آپا آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہیں اگر آپ کو میری موجودگی پر اعتراض ہو تو میں باہر جاسکتی ہوں۔"

"ایسا ظلم نہ کیجئے مس شیلی" ڈیسمنڈ نے ریشہ خطمی ہوا جارہا تھا۔ "میں تو آپ کو ہمہ وقت اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

شیلی نے ہونٹ دبا کے جواب دیا۔ "فی الحال یہ حق آپ کو نہیں دیا جاسکتا۔"

"پھر بھی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔" ڈیسمنڈ مسرت سے کھلا جارہا تھا۔ "آپ کو یہ تو تسلیم ہے کہ مجھے یہ حق مل سکتا ہے۔"

"محترم ڈیسمنڈ۔۔۔" امروزیہ نے دخل دیا۔ "میں ابھی کئی دن الرہا میں ٹھہروں گی۔ یہ دلچسپ گفتگو کسی اور موقعہ پر بھی ہو سکتی ہے۔ پہلے کیوں نہ ہم مطلب کی بات کریں۔"

"پھر مجھے جانے کی اجازت ہے؟۔۔۔" شیلی نے ڈیسمنڈ کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔

"میں کیا جانوں۔ آپ امروزیہ سے پوچھ لیجئے۔" ڈیسمنڈ نے اپنی بلا امروزیہ پر ڈال دی۔

"میں آپ دونوں کے معاملات میں دخل دینے والی کون ہوتی ہوں۔" امروزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پھر شیلی میری بہن ہے۔ اس پر اعتبار نہ ہوتا تو ساتھ کیوں لاتی۔

Marfat.com

آپ کو اس کی موجودگی ناپسند ہو تو باہر بھیج دیجئے۔"

"انہیں باہر بھیجنا تو کفران نعمت کے برابر ہو گا۔" ڈ ہمنڈ نے بھی شوخی دکھائی۔ "میں اگرچہ شیلی سے زیادہ بے تکلیف نہیں لیکن انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔"

"آپ زیادہ بے تکلف نہ ہوں تب ہی اچھا ہے۔" شیلی برابر اداؤں کے تیر و نشتر برسا رہی تھی۔

"میں شیلی کی تائید کرتی ہوں۔" امروزیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کم از کم اس پہلی ملاقات میں دونوں طرف سے زیادہ بے تکلفی کا اظہار نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو امروزیہ۔" ڈ ہمنڈ کا دل چاہ رہا تھا لیکن امروزیہ نے اسے روکا اس لئے اس نے بات پلٹ دی۔ "مجھے امید ہے کہ امروزیہ مجھے دوبارہ گفتگو کا موقعہ عطا فرمائیں گی۔"

"اور مجھے امید ہے کہ امروزیہ آپا مجھے گفتگو پر مجبور نہیں کریں گی۔" شیلی کی دزدیدہ نظری ستم ڈھا رہی تھی۔

"موقعہ ملا تو میں دونوں کی بات رکھنے کی کوشش کروں گی۔۔۔" امروزیہ نے اکتاتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں اپنا کام شروع کرنا چاہئے۔"

"میں تیار ہوں۔ شروع کیجئے۔" ڈ ہمنڈ سنبھل کے بیٹھ گیا۔

گفتگو کیا ہونی تھی۔ تمام شرائط تو خط و کتابت کے ذریعے طے ہو چکے تھے حالانکہ ان خطوں کی تحریر ایسی تھی جنہیں پڑھ کر کوئی اصل مضمون تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دونوں طرف سے کچھ اشارے مقرر کئے گئے تھے اور خطوط کی تحریر میں انہی اشاروں سے کام لیا جاتا تھا۔ شاہ جو سیلین نے امروزیہ کو اس لئے الرہا بھیجا تھا تاکہ وہ ڈ ہمنڈ کو اچھی طرح ٹٹول لے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ عین موقعہ پر دھوکہ دے جائے۔ شیلی کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ جال میں پھنسی مچھلی کہیں نکل نہ جائے۔ ڈ ہمنڈ کو معاملات طے کرنے کی بہت جلدی تھی وہ چاہتا تھا کہ یہ گفتگو ختم ہو تو وہ پھر شیلی سے مخاطب ہو سکے۔ اس لئے وہ ہر بات پر ہاں ہاں کرتا چلا گیا پھر جب کنیزوں اور غلاموں کا نذرانہ پیش کرنے کی بات ہوئی تو ڈ ہمنڈ کے لبوں پر مطلب کی بات آ گئی۔

ڈ ہمنڈ نے شیلی پر نظریں جمائیں اور امروزیہ سے کہا۔ "امروزیہ شاہ جو سیلین دوم سے میری طرف سے درخواست کرنا کہ ڈ ہمنڈ کو تل باشر کی حکومت کے ساتھ ساتھ تل باشر کا سب سے حسین "ہیرا" بھی چاہئے۔"

Marfat.com

چالاک امروزیہ نے فوراً وضاحت کی۔ "محترم ڈ سمنڈ۔ تل باشر کے خزانہ میں ایک سے بڑھ کر ایک "ہیرا" پڑا ہے۔ آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔"

"میں اپنی درخواست کی اس وقت وضاحت نہیں کر سکتا۔" ڈ سمنڈ فوراً سنبھل گیا۔ "بے شک تل باشر میں ایک سے ایک اعلیٰ ہیرا موجود ہے لیکن مجھے جو ہیرا چاہئے اسے شاہ آسانی سے عطا فرما سکتے ہیں۔"

امروزیہ نے وہی سوال دوسرے انداز میں کیا۔ "محترم ڈ سمنڈ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ ان کا پسندیدہ ہیرا جاندار ہے یا روح سے خالی ہے؟۔"

"میرا ہیرا چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا ہیرا ہے۔"

یہ تھی بھی حقیقت۔ شلی جیسا ہیرا نہ تل باشر کے خزانہ میں تھا اور نہ تل باشر اور الرہا کی آبادی میں کون و مکاں کے پار ہونے والی نظریں تھیں کہ جب اس کے روئے تاباں پر پڑتیں تو بیکار ہو جاتیں۔ امروزیہ نے اس ہیرے کو بہت سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ ایسے موقعہ بھی آئے کہ امروزیہ کو بے آب ہو کر شلی کی آب کو بچانا پڑا۔ حسن کے ساتھ ساتھ قدرت نے شلی کو اداؤں اور غمزوں کے تیر و کمان سے بھی لیس کیا تھا۔ شلی حسن و شباب کی وہ دو آتشہ شراب تھی کہ جس پر برستی اسے اپنے ساتھ بہا لے جاتی لیکن یہ امروزیہ کی چستی اور چالاکی تھی جس نے جوانی کی اس اُمڈتی ندی پر بند باندھ رکھے تھے۔ صرف شہزادہ طرطوس ہی ایک ایسا خوش قسمت جوان تھا جس کے شانوں پر شلی کی زلفیں سائیہ فگن ہوتی تھیں لیکن اس کی عشرت پسندی نے قانع ہونا سیکھا ہی نہ تھا اس لئے اسے جلد ہی شلی سے ہاتھ دھونا پڑے ورنہ یہ جوڑا بڑا موزوں تھا۔

ڈ سمنڈ اور امروزیہ کی گفتگو بڑے خوشگوار ماحول میں ہوئی تھی۔ اس گفتگو میں شلی کی موجودگی نے اور زیادہ رس گھول دیا تھا۔ امروزیہ اور ڈ سمنڈ اسطرح خوش تھے جیسے انہوں نے دنیا فتح کر لی ہو۔ امروزیہ نے جو مطالبہ جس انداز میں کیا ڈ سمنڈ نے اسے اسی انداز میں تسلیم کر لیا۔ ڈ سمنڈ نے کسی نئے مطالبہ کا اضافہ نہ کیا سوائے اس کے کہ شلی کو ہمیشہ کے لئے اس کی آغوش راحت میں دے دیا جائے۔ امروزیہ نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ الرہا کی فتح کے بعد ڈ سمنڈ اور شلی کی شادی باقاعدہ طریقہ سے ہو گی جس میں شاہ جو سیلین خاص طور پر شریک محفل ہوں گے۔ اس طرح ڈ سمنڈ نے گویا ایک طرف تل باشر کا تخت حاصل کیا تھا (یعنی وعدہ کیا گیا تھا) دوسری طرف اس سے شلی جیسی ماہ پارہ کی ریشمی زلفوں کے سائے میں دائمی پناہ کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔

امروزیہ اور شلی واپس چلے گئے۔ اس کا سفر بڑا مبارک تھا۔ شاہ جو سیلین نے جس

Marfat.com

مقصد کے لئے انہیں الرہا بھیجا تھا اس میں یہ لوگ کامیاب ہوئے تھے۔ الرہا پر حملہ کی تاریخ تک مقرر ہو گئی تھی۔ شاہ نے وقت سے فائدہ اٹھانے کا پورا بندوبست کیا تھا۔ مرحوم عماد الدین زنگی کے بیٹے سیف الدین غازی اور نور الدین زنگی اپنے جھگڑوں میں الجھے ہوئے تھے یعنی یوں کہنا چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے۔ الرہا اور بعلبک کے مقبوضات نورالدین زنگی کے تحت آئے تھے۔ شاہ جو سیلین کا خیال تھا کہ ان دنوں نورالدین زنگی کو الرہا کا خواب میں بھی خیال نہ آتا ہو گا اور اسی خیال کو بنیاد بناتے ہوئے اس نے ڈیمنڈ سے ایک زبانی معاہدہ کیا اور اب اس کی فوجیں الرہا کی طرف بڑھنے کے لئے تیار کھڑی تھیں۔

لیکن قدرت دور قدیم میں ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کرتی رہی۔ کوئی نہ کوئی اسلامی سلطنت یا مسلمان خاندان دشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہا۔ بنی امیہ کمزور ہوئے تو بنی عباس نے مسلمانوں کو سہارا دیا۔ وہ کمزور ہوئے تو کبھی دیلمی اور کبھی سلجوقی سامنے آ گئے۔ پھر موصل سے عماد الدین زنگی اٹھا۔ اس نے نہ صرف عیسائی سلطنتوں کو آنکھیں دکھائیں بلکہ قسطنطنیہ کے شہنشاہ کامنی نس کو بھی میدان چھوڑ کے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ عماد الدین کے بعد اس کے بیٹے نور الدین زنگی نے باپ کی جگہ لے لی۔

شاہ جو سیلین دوم کا یہ خیال تھا کہ نور الدین زنگی اپنی الجھنوں میں گرفتار ہے اور وہ الرہا کی طرف توجہ نہیں دے سکتا لیکن اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ نور الدین زنگی کے جاسوس اس کے باپ کے دور سے بھی زیادہ چست و چالاک تھے۔ وہ آسمان میں تگی لگاتے اور لفافہ دیکھ کے خط کا مضمون پڑھ لیتے تھے۔ نور الدین زنگی نے حلب پر قبضہ کرتے ہی مخبری کے محکمہ کو از سر نو ترتیب دیا تھا۔ اس کے جاسوس اس وقت الرہا۔ سروج۔ تل باشر کے علاوہ انطاکیہ۔ طرابلس۔ یروشلم۔ دمشق اور مصر تک پھیلے ہوئے تھے۔ نور الدین زنگی کے بھائی سیف الدین غازی امیر موصل کے دربار میں بھی اس کے جاسوس موجود تھے۔ اس طرح اسے مخالف اور موافق تمام سلطنتوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

ادھر کچھ دنوں سے تل باشر اور الرہا میں مشکوک لوگوں کی سرگرمیاں زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں۔ امیر نور الدین زنگی کو اس وقت سب سے زیادہ خطرہ شاہ جو سیلین سے تھا جس کی ریاست الرہا پر چند سال پہلے ہی امیر عماد الدین زنگی نے قبضہ کیا تھا۔ نور الدین کا خیال تھا کہ وہ اس موقعہ پر ممکن ہے کہ الرہا کی بازیابی کی کوشش کرے اسلئے کچھ لشکر الرہا بھیجنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو بڑے بھائی سیف الدین غازی کا خطرہ اس کے علاوہ دوسرے جھگڑوں نے اسے حلب کے لشکر کو کم کرنے کی اجازت نہ دی۔ یوں وہ نیا لشکر بھرتی کر کے

Marfat.com

اسے بڑی تیزی سے تیار کر رہا تھا۔

الرہا کے سلمان قلعدار اور اس کا عملہ تو الرہا میں مشکوک لوگوں کا پتہ نہ لگا سکا لیکن نور الدین زنگی نے ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر لیں۔ امروزیہ۔ شیلی اور ان کے ساتھ آیا ہوا راہب دن رات گرجا میں چھپے رہتے تھے۔ امروزیہ اور شیلی رات کے وقت ڈ ہمنڈ سے ملنے جاتی تھیں۔ ڈ ہمنڈ پر سب کو شبہ تھا۔ ڈ ہمنڈ رات کے وقت عام طور پر قلعہ کے اندر رہتا تھا لیکن کچھ دنوں سے اپنا معمول تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ اپنی راتیں شہر کی رہائش گاہ میں بسر کرتا تھا۔ جاسوسوں نے اس چیز کو شدت سے محسوس کیا تھا لیکن وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تھے کیونکہ امروزیہ اور شیلی رات کو بند گاڑی میں ملاقات کے لئے آتی جاتی تھیں۔ واپسی میں وہ گرجا پر جانے کے بجائے کسی ویران اور تاریک جگہ پر اتر جاتی تھیں اس طرح اب تک ان کے بارے میں کچھ نہ معلوم کر سکے تھے مگر انہیں اس بند گاڑی پر شبہ ضرور ہو گیا تھا۔

الرہا کے دو جاسوس آپس میں مل گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ آج رات اس گاڑی کا پوری طرح تعقب کیا جائے پھر جس جگہ گاڑی رکے وہاں ایک جاسوس ٹھہر کے گاڑی سے اترنے والوں کو تلاش کرے کہ وہ کہاں غائب ہو جاتے ہیں اور دوسرا جاسوس اس خالی گاڑی کا پتہ لگائے کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہے اور اس کا مالک کون ہے۔ وہ دونوں سر شام سے ڈ ہمنڈ کی حویلی کے قریب جا کر چھپ گئے۔ اتفاق سے وہ آخری دن تھا جب امروزیہ اور شیلی کو الرہا سے واپس جانا تھا۔ امروزیہ نے شیلی سے کہہ دیا تھا کہ وہ آج گرجا سے تیاری کا سامان کر کے چلیں گی اور رات کو ڈ ہمنڈ سے مل کر وہیں سے الرہا روانہ ہو جائیں گی۔

دونوں جاسوس ڈ ہمنڈ کی حویلی کے قریب ایک محفوظ جگہ گھات لگائے بیٹھے تھے۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے گاڑی آج نہ آئے گی۔ دونوں کے دل بیٹھتے گئے تھے اور وہ اپنی سستی اور کاہلی پر افسوس کر رہے تھے۔ آج وہ اپنے ساتھ سواری کے لئے گھوڑے بھی لائے تھے۔ کاش وہ پہلے ہی گھوڑے لے کے آئے ہوتے تاکہ کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا کہ گاڑی کس کی ملکیت ہے پھر پتہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس میں رات کے وقت سوار ہو کے ڈ ہمنڈ سے ملنے کون جاتا ہے۔

جاسوس تقریباً ناامید ہو گئے تھے اور واپس جانے کے لئے گفتگو کر رہے تھے کہ کسی گاڑی کے آنے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ وہی گاڑی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

Marfat.com

"خدا کرے تیری زبان مبارک ہو۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "مگر دیکھ ابراہیم آج ہمیں اس راز سے پردہ اٹھا دینا ہے۔ ہم اپنی کاہلی کی وجہ سے اب تک کچھ بھی پتہ نہ لگا سکے۔"

ابراہیم نے جواب دیا۔ "فکر نہ کرو یار۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ آج چاہے مجھے ان کے ساتھ پاتال میں بھی جانا پڑے تو بھی جاؤں گا۔ دیکھوں تو اس میں کون معشوق نکلتا ہے جس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔"

گاڑی آ گئی۔ یہ واقعی وہی گاڑی تھی۔ گیٹ والے نے حویلی کا گیٹ کھول دیا اور جب گاڑی اندر چلی گئی تو گیٹ بھی بند ہو گیا۔

"آج بہت دیر میں گاڑی آئی ہے۔" ابراہیم نے تبصرہ کیا۔

"یا تو گاڑی دیر میں آئی ہے یا پھر ہم لوگ دیر سے انتظار کر رہے ہیں اس وجہ سے ہمیں دیر معلوم ہو رہی ہے۔" ابراہیم کے ساتھی نے جواب دیا۔

اسی وقت کسی اور گاڑی کے آنے کی گڑگڑاہٹ ہوئی۔ دونوں ایک طرف ہو گئے۔ یہ گاڑی کھلی ہوئی تھی۔ اس لئے اس میں بیٹھنے والا فوراً شناخت میں آ گیا۔ یہ الرہا کے عیسائیوں کا رہنما ڈ ہمنڈ تھا۔ اس کے حرکات و سکنات شروع ہی سے مشکوک تھے لیکن ابھی تک اس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی تھی جس کی اطلاع قلعہ کے حاکم یا امیر نور الدین زنگی کو دی جاتی۔

"یار یہ ڈ ہمنڈ اس وقت کہاں سے آیا ہے۔؟" ابراہیم نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"ابراہیم۔ تو بس نرا وہی ہے۔" ساتھی چڑ گیا۔ "ڈ ہمنڈ کا ٹھکانا یا قلعہ کی حویلی میں یا پھر شہر کی حویلی میں۔ اور کہاں سے آیا ہو گا۔"

"یہ دن بھر قلعہ میں کیا کرتا رہتا ہے۔؟" ساتھی سر کھجانے لگا۔ "ڈ ہمنڈ تاجر پیشہ انسان ہے لیکن میں نے اسے منڈی یا بازار کبھی نہیں دیکھا۔"

"اس کے بچے کہاں رہتے ہیں قلعہ میں یا شہر میں؟۔"

ابراہیم کے ساتھی نے اسے ٹھوکا مارا۔ "بے وقوف کہیں کا۔ ابھی تو اس کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ بیوی بچے کہاں سے آجائیں گے۔"

"میں واقعی بے وقوف ہوں۔ میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" اور ابراہیم سر ہلانے لگا۔

ابراہیم اور اس کا ساتھی باتیں کرتے کرتے تھک گئے یا پھر اس خیال سے چپ ہو گئے کہ کہیں ان کی باتیں کوئی سن نہ لے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور ان کے خیال کے مطابق

Marfat.com

سویرا ہو جانا چاہئے تھا لیکن بند گاڑی حویلی کے اندر سے نکل ہی نہ رہی تھی۔

"آج گاڑی حویلی کے باہر نہ آئے گی۔" ابراہیم نے سرگوشی کی۔

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا۔؟" اس کے ساتھی نے سرگوشیوں میں پوچھا۔

ابراہیم نے بے دلی سے جواب دیا۔"شاید وہ ڈیمنڈ کے مہمان ہیں اور آج واپس نہیں جائیں گے۔"

ساتھی نے چڑ کے کہا۔"تم عجب گھامڑ آدمی ہو۔ ہمیں یہی تو معلوم کرنا ہے کہ وہ کون مہمان ہیں جو بند گاڑی میں آتے جاتے ہیں۔"

ابراہیم بہت سوچ کے بولا۔ "دن نکلنے والا ہے۔ کیا ہم دن میں بھی یہاں بیٹھے رہیں گے؟"

اس کے ساتھی کو غصہ آگیا۔"پتہ نہیں امیر نے تجھے جاسوس کیوں بنا دیا۔ چپ چاپ بیٹھا رہ۔ صبح ہونے میں ابھی دیر ہے۔ آسمان دیکھ' ایک پہر رات باقی ہے۔"

ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے نظریں سامنے کے گیٹ پر لگی تھیں۔ گیٹ کے قریب ایک سایہ سا حرکت کر رہا تھا۔ پھر اک دم گیٹ کھل گیا اور بند گاڑی تیزی سے باہر نکلی۔ یہ دونوں بھی بھاگتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے اپنے گھوڑے رکھے تھے۔ یہ ایک گھسیارنے کی جھونپڑی تھی۔ وہاں کئی گاڑیاں اور گھوڑے بندھے تھے۔ جن لوگوں کو شہر میں گھوڑا باندھنے یا گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہ ملتی تھی وہ اس جھونپڑی پر گھوڑے باندھ جاتے تھے۔ چند سکے لے کر گھسیارہ رات بھر گھوڑوں اور گاڑیوں کی حفاظت کرتا تھا۔

ابراہیم اور اس کے ساتھی نے گھوڑے حاصل کئے اور بہت جلد گھوڑے بھگاتے بند گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ ابراہیم نے مشورہ دیا۔"شہر کے پہریدار کی مدد سے ہم اس گاڑی کی تلاشی لے سکتے ہیں۔" "کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیا ہم دشمنی کو ہوشیار کر دیں کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے؟" ابراہیم کے ساتھی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ ہمیں کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں" ابراہیم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اچھا خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو۔" ابراہیم کے ساتھی نے اسے ڈانٹ دیا۔

قلعہ الرہا کے بڑی مضبوط اور اونچی فصلیں تھیں۔ فصیلوں کے باہر ایک گہری خندق تھی جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا لیکن قلعہ کے باہر جو الرہا کا شہر آباد تھا اس کے گرد کوئی مضبوط فصیل نہ تھی۔ ایک دس بارہ فیٹ اونچی دیوار اٹھی تھی جو جگہ جگہ سے شکستہ

Marfat.com

تھی۔ اس دیوار یا دیوار نما فصیل میں بے شمار دروازے تھے جو ہر وقت کھلے رہتے تھے قلعدار کی طرف سے ہر دروازہ پر پندرہ پندرہ پہریدار رہتے تھے لیکن انہیں دروازہ بند کرنے کا حکم نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بند گاڑی شہر کے کھلے ہوئے دروازہ سے بغیر کسی پوچھ گچھ کے نکل گئی۔

ابراہیم نے شہر کے گیٹ پر پہنچ کے گھوڑا آہستہ کر لیا۔ اس کے ساتھی ذرا تیز لہجے میں کہا۔"مت روکو گھوڑا۔ آگے بڑھے چلے چلو۔"

ابراہیم نے گھوڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔"مگر اب تو ہم شہر سے باہر آ گئے ہیں۔ گاڑی کے پیچھے کہاں تک جائیں گے۔"

"جہاں تک گاڑی جائے گی۔" ابراہیم کے ساتھی نے غصہ سے جواب دیا۔

گاڑی بڑی تیز رفتاری سے چوڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اب سویرا ہو گیا تھا۔ ابراہیم اور اس کے ساتھی نے گھوڑے کی رفتار کم کر لی تھی تاکہ گاڑی سے زیادہ فاصلہ ہو جائے۔ سڑک کافی چوڑی تھی۔ سامنے سے کئی گاڑیاں اور سوار ان کے پاس گزر کر الرہا کی طرف چلے گئے تھے یہ لوگ رات بھر کے جاگے تھے مگر بڑی مستعدی سے گھوڑوں پر جمے بیٹھے تھے ابراہیم کے ساتھی نے سامنے سے آنے والے ایک سوار کو اشارے سے روکا اور پوچھا۔"کیوں بھائی' یہ سڑک کدھر جا رہی ہے۔"؟

سوار نے گھوڑا روک کے دونوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔"تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو اور کدھر جانا ہے۔"؟

اس کا لہجہ کافی سخت تھا ابراہیم کے ساتھی نے اتنے ہی سخت لہجہ میں جواب دیا۔" ہم الرہا سے آ رہے ہیں اور مسلمان ہیں۔"

مسلمان کا نام سن کر سوار گھبرا گیا۔ جلدی سے بولا -"یہ سڑک سیدھی تل باشر جائے گی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا گھوڑا بھگا دیا۔

ابراہیم حیرت سے بھاگتے ہوئے سوار کو دیکھ رہا تھا اور اس کا ساتھی گھوڑا روکے کسی گہری فکر میں تھا۔ "یہ 'یہ سوار تو ایسا بھاگا جیسے تم نے اسے کاٹ لیا ہو۔" ابراہیم نے جیسے خود کلامی کی۔

"تل باشر۔" ابراہیم کا ساتھی بھی آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

"کیا کیا۔ تمہیں کیا ہوا؟" ابراہیم نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تل باشر یہ سڑک تل باشر جاتی ہے۔ سمجھے کچھ ؟"۔

"ہاں تل باشر جاتی ہے وہ بھگوڑا سوار یہی بتا گیا ہے مگر تمہیں کیوں فکر پڑ گئی۔ ؟

Marfat.com

ابراہیم اپنے ساتھی کی باتوں سے الجھ رہا تھا۔

اس کے ساتھی نے کہا۔ "تل باشر میں شاہ جو سیلین دوم رہتا ہے اور الرہا میں ڈسمنڈ دونوں عیسائی۔ شاہ جب الرہا چھوڑ کے گیا تھا تو اس نے الرہا کی حکومت اسی ارمنی تاجر ڈسمنڈ کے حوالہ کی تھی پھر اسی عیسائی تاجر نے مرحوم امیر عماد الدین سے صلح کی تھی۔"

"مگر ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟۔" ابراہیم کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

اس نے ابراہیم کو سمجھایا۔ "یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ تم فورا الرہا واپس جاؤ اور الرہا کے قلعدار سے کہنا کہ وہ ہوشیار ہو جائے ڈسمنڈ اور شاہ جو سیلین میں کوئی نہ کوئی رابطہ ضرور قائم ہوا ہے۔ قلعہ اور شہر پر پہرہ سخت کر دے۔"

بعض شاہوں اور امیروں کی اقبال مندی بہت کام کرتی ہے۔ جب تک امیر عمادالدین زنگی زندہ رہا' جو سیلین دوم کو ہمت نہ ہوئی کہ الرہا کی بازیابی کا تصور بھی کرے۔ وہ تل باشر ہی بیٹھا اپنے زخم چاٹتا رہا۔ الرہا دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک شہری حصہ اور خاص قلعہ جس میں فوج رہتی تھی۔ شہر کے گرد کوئی مستقل فصیل نہ تھی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار تھی جسے وقت ضرورت مرمت کر کے فصیل کی شکل دیدی جاتی تھی۔ الرہا میں قلعہ اور شہر دونوں ہی میں عیسائی آبادی تھی۔ مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے وہاں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قبضہ کے بعد قلعہ میں ایک ہزار سوار دوستوں کے علاوہ کچھ مسلمان بھی آباد ہو گئے تھے۔ شہر کے گرد جو دیوار تھی اس کے دروازوں پر مسلمان پہریدار تھے مگر ان کا کام سوائے دیکھ بھال کے اور کچھ نہ تھا۔ شہر کے دروازے رات کو بھی بند نہ ہوتے تھے کیونکہ شہر کی چار دیواری اتنی جگہ سے ٹوٹی تھی کہ دروازوں کے بند کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ صرف امیر عمادالدین زنگی کی اقبال مندی تھی کہ الرہا کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

پھر حالات بدل گئے۔ نہ امیر عماد الدین زنگی باقی رہا اور نہ موصل والوں کی الرہا کی طرف توجہ دی۔ موصل میں سیف الدین غازی حکمران تھا اور اس نے ذہنی طور پر الرہا پر اپنے چھوٹے بھائی نور الدین زنگی کا قبضہ تسلیم کرلیا تھا اور الرہا کی حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ نور الدین زنگی کو ہی سمجھتا تھا۔ ان حالات میں الرہا کے سابق بادشاہ جو سیلین دوم نے اگر الرہا پر قبضہ کا پروگرام بنایا تو وہ اس میں حق بجانب تھا۔ اس نے الرہا کے عیسائیوں کا تعاون بھی حاصل کرلیا تھا۔ جو سیلین دوم اور الرہا کے ارمنی عیسائیوں کے لیڈر ڈسمنڈ میں امروزیہ کی معرفت ایک خفیہ معاہدہ ہوگیا تھا۔ جس کی رو سے الرہا پر قبضہ کے بعد تل باشر کی حکومت ڈسمنڈ کو دی جائے گی جس کی حیثیت ایک باجگذار حاکم جیسی ہوگی۔

Marfat.com

ان معاملات کے طے ہونے کے فوراً بعد جو سیلین دوم نے الرہا کی طرف بڑی شان سے کوچ کیا۔ وہ الرہا پر حملہ کی تیاریاں پہلے ہی کر رہا تھا اور اب اتنی آسانیوں اور تعاون کی وجہ سے اسے نہ تو کسی مزاحمت کی توقع تھی اور نہ تل باشر سے الرہا تک کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ شاہ جو سیلین کی یہی ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس کا پندرہ ہزار کا لشکر بغیر کسی مزاحمت کے الرہا کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ مزاحمت نہ ہونے مطلب تھا یا تو الرہا کے مسلمان محافظ اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ انہوں نے قلعہ اور شہر کو خدا کے حوالہ کردیا ہے یا پھر وہ اس قدر بے خبر ہیں کہ انہیں دشمن کے اپنے گھر تک آجانے کی بھی خبر نہیں ہے۔

لیکن یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔ مسلمانوں کو اس وقت بھی علم تھا اور آج بھی انہیں علم ہی نہیں یقین ہے کہ خدا اس قوم کی قسمت کبھی نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی قسمت بدلنے پر آمادہ نہ ہو۔ چنانچہ الرہا کے مسلمان محافظوں کو معلوم ہوچکا تھا کہ الرہا کا سابق شاہ جو سیلین ایک عظیم لشکر کے ساتھ الرہا کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ جو سیلین کے اس کوچ کی اطلاع حلب کے ایوانوں سے بھی ٹکرائی تھی۔ ابراہیم جاسوس گفتگو میں جیسا ہے جتنا کچا ہو مگر وہ ایک بہترین شہسوار تھا۔ وہ اپنے جاسوس دوست کا پیغام لے کر برق و باد کی طرح الرہا پہنچا اور اس نے قلعدار سے عرض کیا۔ "قلعدار بہادر۔ میرے ساتھی جاسوس نے آپ کے پاس پیغام بھیجا ہے کہ الرہا کے ارمنی عیسائیوں کا لیڈر ڈ سمنڈ ہے اور الرہا کا سابق بادشاہ جو سیلین ہے۔ ان دونوں میں کوئی معاملہ طے ---"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" قلعدار نے اسے درمیان ہی میں ٹوکا۔ قلعدار ابراہیم کو پہچانتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ابراہیم بات کرنے میں کچا ہے۔ اسی لئے اس نے اس کے ساتھی کو پوچھا تھا۔

"جناب وہ ایک بند گاڑی کا پیچھا کرتا تل باشر کی طرف گیا ہے" ابراہیم نے سیدھا سا جواب دیا۔ قلعدار نے دریافت کیا۔ "بند گاڑی میں کون ہے جس کا پیچھا کیا جارہا ہے؟"

ابراہیم نے پھر اسی سادگی سے جواب دیا۔ "جناب یہی معلوم کرنے کے لئے تو پیچھا کیا جارہا ہے کہ آخر بند گاڑی کے اندر کون ہے۔"

قلعدار الجھ کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ "اچھا تم اپنی بات پوری کرو۔"

ابراہیم نے پھر کہنا شروع کیا۔ "محترم قلعدار۔ میرے ساتھی نے کہا ہے کہ ڈ سمنڈ اور

Marfat.com

شاہ جوسیلین میں کوئی معاملہ ہوگیا ہے یا پھر طے ہوگیا ہے۔"
"کیا اس نے ڈیمنڈ کی گرفتاری کے لئے کہا ہے" قلعدار اور زیادہ الجھ گیا۔
"جی نہیں جناب۔" ابراہیم نے انکار میں سرہلایا۔ "اس نے کہا ہے کہ آپ چوکی پہرہ درست کرلیجئے اور ہوسکے تو حلب بھی اطلاع بھیج دیجئے"
"کیا الرہا پر شاہ جوسیلین کے حملہ کا خطرہ ہے؟"
"شاید۔"
"شاید نہیں. ٹھیک بتاؤ تمہاری ساتھی نے کیا کہا ہے؟"
ابراہیم ایک لمحہ سوچ کے بولا۔ "اس نے اس بارے میں آپ کو کوئی پیغام نہیں دیا لیکن معلوم ایسا ہی ہوتا ہے۔"
قلعدار نے ابراہیم سے پوچھا۔ "کیا تم حلب جاسکتے ہو؟"
ابراہیم پھر سوچنے لگا۔ دراصل وہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ آخر اس نے بے دلی سے کہا۔ "میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کسی کو وہاں بھیج سکتے ہیں"
قلعدار کو اس اطلاع نے گھبرا دیا تھا۔ اس نے بوکھلائے لہجے میں کہا۔ "تمہارا جانا بہت ضروری ہے ابراہیم۔" تم مختصر سے مختصر راستہ سے فوراً امیر حلب کی خدمت میں پہنچو اور ان سے میری طرف سے عرض کرو کہ آپ فوری طور پر الرہا کمک روانہ کیجئے۔ شاہ جوسیلین کی طرف سے مجھے بھی خطرہ ہے۔ الرہا کے عیسائیوں میں بھی عام بے چینی محسوس ہوتی ہے۔"
"آپ کا حکم ہے تو میں چلا جاؤں گا۔" ابراہیم نے منہ لٹکا کے جواب دیا۔
قلعدار نے اسے اپنی طرف سے سمجھایا۔ "ابراہیم میں جانتا ہوں کہ تم تھکے ہوئے ہو لیکن حالات بہت خراب ہیں۔ میں کئی دن سے امیر کو اطلاع دینے کی بات سوچ رہا تھا۔ اس وقت تمہاری لائی ہوئی خبر سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہاں کے عیسائیوں میں اندر ہی اندر ضروری کھچڑی پک رہی ہے۔"
ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر تو جیسے مصیبت پڑ گئی تھی لیکن جب وہ اپنی رہائش گاہ پر پہنچ کے نہاؤ دھو کے تروتازہ ہوا تو اس کی تمام سستی اور تھکن دور ہوگئی۔ اس نے گھوڑا تبدیل کیا اور نصف گھنٹہ کے اندر ہی وہ حلب روانہ ہوگیا۔ یہ تمام باتیں شاہ جوسیلین اور اس کے لشکر کی دیواروں تک پہنچنے سے پہلے ہو چکی تھیں لیکن حلب سے الرہا کمک کا پہنچنا کچھ آسان نہ تھا۔ امیر نور الدین زنگی نے دو ہزار سواروں کے ساتھ شیر کوہ کو فوراً ہی الرہا روانہ کردیا تھا اور خود پانچ ہزار لشکر کے ساتھ دوسرے دن حلب سے چلا تھا

Marfat.com

لیکن اس دوران شاہ جو سیلین کا لشکر شہر کی دیوار میں مسمار کرنے میں مصروف تھا۔
شاہ جو سیلین بڑی تیزی سے مگر بہت پھونک پھونک کے قدم اٹھاتا ہوا الرہا پہنچا تھا۔ اس پر مسلمانوں کی اس قدر دہشت سوار تھی کہ پتّا بھی ہلتا تو اسے مسلم لشکر آنے کا شبہ ہوتا تھا لیکن اس کی کوئی زحمت نہ ہوئی۔ الرہا شہر کے صرف دروازے بند تھے یا پھر شہر کی شکستہ فصیل کو درست کرایا گیا تھا لیکن اتنے بڑے لشکر کے سامنے یہ فصیل کیا حقیقت رکھتی تھی۔ جو سیلین نے فصیل شہر پر عام حملہ کا حکم دے دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فصیل زمین کے برابر ہوگئی۔ عیسائی لشکر کو روکنے والا ہی کوئی نہ تھا پھر فصیل ٹوٹنے میں کیا دیر لگتی۔ فصیل ٹوٹ تو گئی لیکن بادشاہ جو سیلین اور اس کا لشکر شہر میں داخل ہوتے گھبرا رہا تھا۔ فصیل شہر بھی انہوں نے ڈرتے ہی ڈرتے توڑی تھی۔
شاہ جو سیلین نے لشکر کو ہچکچاتے دیکھا تو اس نے سپہ سالار کو حکم دیا کہ تمام لشکر ایک ساتھ شہر میں داخل ہو۔ اسی حکم سے لشکر سہمے سہمے قدم اٹھاتا شہر میں داخل ہوا۔ شہر والے بے حد خوش تھے اور شاہ کے استقبال کے لئے پھولوں کے ہار ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ شاہ کا گھوڑا سب سے آگے تھا اس لئے عمائدین شہر کا ایک گروہ ادھر بڑھا لیکن ابھی یہ گروہ شاہ کو ہار پہنا بھی نہ پایا تھا کہ ٹوٹی ہوئی فصیل کے باہر سے "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعرے بلند ہونا شروع ہوگئے۔ ان نعروں کے ساتھ گرد کے بادل بھی اٹھ رہے تھے۔ شاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے فوراً لشکر کو شہر سے نکل جانے کا اشارہ کیا۔ اس طرح شہر میں داخل ہوتا ہوا لشکر سراسیمگی کے عالم میں پھر شہر سے نکلنا شروع ہوا۔
شاہ جو سیلین کے لشکر کے اندر باہر ہونے میں اتنا وقت صرف ہوا کہ باہر سے آنے والے مسلم سوار ان کے قریب پہنچ گئے۔ آنے والے سوار ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کے آرہے تھے جس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مسلم سواروں نے قریب پہنچ کے "اللہ اکبر" کا ایک اور نعرہ لگایا۔ مگر اس وقت تک شاہ جو سیلین کو ان کی قلیل تعداد کا اندازہ ہو چکا تھا اس لئے وہ بالکل نہ گھبرایا بلکہ جم کے کھڑا ہوگیا۔ ٹھیک اسی وقت قلعہ کے تمام دروازے اک ساتھ کھل گئے اور ان میں سے مسلم سوار اسلامی پرچم لہراتے اور نعرے مارتے نکلنے شروع ہوگئے۔ اب شاہ حواس باختہ ہوگیا اس کا خیال تھا کہ وہ باہر سے آنے والوں کا گھنٹہ دو گھنٹہ میں صفایا کردے گا پھر اطمینان سے قلعہ پر حملہ کرے گا لیکن قلعہ والوں نے دوسرے دروازے خود ہی کھول دیئے تھے اور ان کے سوار ان شہریوں کو جو تماشہ دیکھنے گھروں سے نکل پڑے تھے، کچلتے ہوئے عیسائی لشکر تک پہنچ گئے اور جاتے ہی ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کا ایک بار تو منہ پھر کر رہ گیا۔

Marfat.com

شاہ کو اپنا پورا منصوبہ ناکام ہوتا دکھائی دیتا اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ باہر کی سمت سے آنے والوں کا مقابلہ کیا جائے یا پھر قلعہ سے نکلنے والی اس بلا کو روکا جائے۔ باہر سے حملہ آوروں کی تعداد اگرچہ کم تھی لیکن شاہ کو یہ یقین تھا کہ ان کے پیچھے یقیناً" حلب یا موصل کا لشکر ہوگا اور یہ چند سوار اس لشکر کے ہراول دستہ کے ہیں۔ اس نے فوراً" اپنے لشکر کے دو حصے کردیئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ مدافعانہ انداز اختیار کریں کیونکہ تل باشر کا لشکر بالکل کھلے میدان میں تھا اور اس کے اوپر دونوں طرف سے مسلم سوار تیر برساتے بڑھ رہے تھے۔ شہر میں الگ بھگدڑ مچ گئی تھی۔ شاہ کا استقبال کرنے والے اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ شاہ نے دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے لشکر کو شہر کے چاروں طرف اندر باہر پھیلا دیا۔ شہر کی دیوار نصف سے زیادہ ٹوٹ گئی تھی اور پورا شہر میدان جنگ بنا ہوا تھا۔

شاہ نے اپنی طاقت محفوظ کرلی تھی اور مدافعتی انداز اختیار کرکے مسلمانوں کے آنے والے بڑے لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر آنے والے تو آچکے تھے۔ اب کس کو کہاں سے آنا تھا۔ یہ سب قلعہ الرہا کے قلعدار کی جنگی چال تھی۔ جب اسے اطلاع ملی کہ شاہ کا لشکر الرہا کی طرف بڑھا رہا ہے تو اس نے قلعہ کے محافظ سواروں میں سے دو سو سواروں کو قلعہ سے باہر بھیج دیا اور انہیں تاکید کردی کہ وہ شہر سے باہر نکل کے ادھر ادھر چھپ جائیں اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ نکلیں جب شاہ جو سیلین شہر کے دروازے اور فصیل توڑ کر شہر کے اندر داخل نہیں ہوتا۔ شاہ کی فوج پر باہر سے حملہ کرنے والے یہی جوان تھے جو شاہ جو سیلین کے شہر میں داخل ہوتے وقت دائیں بائیں پھیل کر اس طرح حملہ آور ہوتے تھے کہ شاہ کو ان کی تعداد چار گنی محسوس ہوئی تھی۔

دوسری طرف قلعہ والوں کے سب دروازے کھول کر صرف دو سو سواروں کو شہر میں بھیج کر شاہ کے لشکر پر حملہ کرایا تھا۔ قلعدار مقصد یہ تھا کہ شاہ جو سیلین غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یا پھر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہو لیکن شاہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہونے اور کافی جانی نقصان ہونے کے باوجود نہ تو پسپا ہونے کے آثار پیدا ہوتے اور نہ ہزار پانچسو لشکریوں کے مارے جانے سے ان کی تعداد میں کوئی فرق پڑا۔ شاہ بہت جلد سنبھل گیا اور پھر اس نے آہستہ آہستہ حملہ آوروں کو اپنے گھیرے میں لینا شروع کیا۔ مسلمان سوار اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن انہوں نے جم کر ایسا سخت مقابلہ کیا کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھا۔ شاہ کا لشکر صبح کو الرہا شہر کے سامنے نمودار ہوا تھا لیکن چند سو مسلم سواروں نے اس کے بڑے لشکر کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ وہ شام تک پورے شہر میں بھی مشکل ہی سے قبضہ کر سکے۔

Marfat.com

شام کے وقت قلعہ والوں نے ایک تماشہ اور کیا۔ انہوں نے صبح کو دروازے کھول کر دو سو سواروں کو باہر جانے کا راستہ دیا تھا جب سوار باہر نکل گئے تو قلعہ کے دروازے پھر بند ہو گئے تھے لیکن شام کو یکا یک ایک بار پھر قلعہ کے تمام دروازے کھل گئے۔ شاہ جو سیلین کے لئے یہ بہترین موقعہ تھا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتا اور اپنے پورے لشکر کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاتا مگر وہ خوفزدہ ہو گیا اور اس نے لشکریوں کو قلعہ کے اندر جانے سے روک دیا۔ پھر کیا تھا اس موقعہ سے فوراً ان مسلمان سواروں نے فائدہ اٹھایا جو قلعہ سے نکل کے باہر آئے تھے یا جنہوں نے باہر کی طرف سے شاہ پر حملہ کیا تھا۔ ان سب نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تلواریں اور نیزے سیدھے کئے ہوئے سیدھے قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ اب پورے شہر میں کوئی بھی مسلمان نہ رہ گیا تھا۔ قلعہ کے دروازے بند ہو چکے تھے اور شہر پر شاہ جو سیلین روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ الرہا کا قلعہ بدستور مسلمان کے پاس تھا۔

شاہ جو سیلین دوم نے الرہا شہر پر قبضہ کا بہت بڑا جشن منایا۔ تمام رات لشکر گاہ اور شہر کے گلی کوچوں میں ادھم مچایا۔ مسلمان تو شہر میں تھے ہی نہیں شہری دروازوں کے مسلمان محافظ لڑائی شروع ہوتے ہی مسلمان سواروں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ شہر میں عیسائی ہی عیسائی رہ گئے تھے۔ دن میں جنگ کے دوران ڈ سمنڈ اپنی حویلی میں چھپا بیٹھا رہا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ باہر نکلا اور کسی مسلمان کی نظر پڑ گئی اور بدقسمتی سے شاہ کو شکست بھی ہو گئی تو پھر اس کی شامت آ جائے گی۔ یوں اسے لڑائی کی دم دم کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ شام کو جب مسلمان قلعہ بند ہو گئے اور الرہا شہر پر شاہ جو سیلین کا پھریرا لہرا دیا گیا تو ڈ سمنڈ بھی اپنی پناہ گاہ سے نکلا اور شاہ کو مبارک باد دینے چلا۔

شاہ جو سیلین نے لڑائی کے دوران ڈ سمنڈ کو کئی بار پوچھا تھا مگر وہ کسی کو دکھائی نہ دیا تھا۔ اب جو اچانک ڈ سمنڈ سامنے پہنچا تو شاہ جو سیلین دوم اسے دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا۔ اس نے چھوٹتے ہی طنز کیا "ڈ سمنڈ تم دن بھر کہاں چھپے رہے۔ کیا لڑائی سے تمہیں ڈر معلوم ہوتا ہے؟"

ڈ سمنڈ کا سر شرم سے جھک گیا مگر وہ بے غیرت تھا بے غیرتی سے بولا۔ "شاہ محترم۔ میں شہری دستوں کو ترتیب دے رہا تھا کہ شدید جنگ شروع ہو گئی۔۔"

"اور تمہاری بزدلی نے جنگ کے دوران تمہیں باہر نہ نکلنے دیا۔" شاہ بیچ ہی میں بول پڑا۔

ڈ سمنڈ کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ شاہ جو سیلین کے دل میں ڈ سمنڈ کی طرف سے

Marfat.com

بال آ گیا لیکن اس نے ڈسمنڈ سے کچھ نہ کہا۔ ڈسمنڈ تمام رات شاہ کی خوشامد کرتا رہا ممکن ہے شاہ نے اسے معاف بھی کر دیا ہو لیکن جب ڈسمنڈ نے امروزیہ اور شیلی کے بارے میں پوچھا تو شاہ ٹال گیا حالانکہ دونوں بہنیں شاہ کے ساتھ ہی الرہا آئی تھیں۔ الرہا کا شہر فتح کر کے شاہ نے آدمی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ قلعہ کا فتح کرنا بھی کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ ڈسمنڈ نے اسے اطلاع دی تھی قلعہ میں دو ہزار سے زیادہ فوج نہیں شاہ نے رات ہی کو فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ قلعہ پر بھرپور حملہ کرے گا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے قلعہ پر بھی اس کا جھنڈا لہرا رہا ہو گا۔

قلعہ الرہا سے "اللہ اکبر" کی آواز سے صبح کا اعلان ہوا۔ مسلمان باوضو ہو کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے۔ انہوں نے حلب اور موصل تیز رفتار سوار بھیجے تھے اور فوری کمک طلب کی تھی لیکن اتنی دور سے کمک پہنچنا کچھ آسان نہ تھا۔ مسلمان یوں ہر وقت موت کو اپنے قریب محسوس کرتا ہے لیکن اس نماز میں انہیں یہی محسوس ہوا کہ یہ انکی آخری نماز ہے نماز کے بعد انہوں نے فتح یا شہادت کی دعا مانگی کیونکہ اتنے لشکر کے سامنے قلعہ کو ایک دن بھی محفوظ رکھنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ دعا کے بعد انہوں نے ہتھیار سنبھالے اور فصیل پر اپنی اپنی جگہ سنبھال کے بیٹھ گئے۔ سورج تھوڑا ہی چڑھا تھا کہ دشمن نے پوری طاقت سے قلعہ کی طرف یلغار کی یوں معلوم ہوتا تھا کہ دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے اور پانی کے ریلے پوری قوت سے قلعہ کی فصیل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

مسلمان بھی فصیل کی برجیوں اور موکھوں میں جھک گئے اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ تاک تاک کے تیر مار رہے تھے اور دشمن کے سپاہی زخمی بھی ہو رہے تھے لیکن حملہ کا طوفان کسی طرح روکے نہ رکتے تھا اور یوں معلوم ہوتا کہ یہ طوفان قلعہ کو خس و خاشاک کیطرح بہالے جائے گا۔ عیسائی لشکر جو جو فصیل کے قریب ہوتا جا رہا تھا اسی قدر مسلمانوں میں شہادت کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ فصیل کے باہر کی خندق رات کے اندھیرے میں کئی جگہ سے پاٹ دی گئی تھی اور ایسی ہی جگہوں سے دشمن کا لشکر گزر کر فصیل کے قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ آج اس لشکر میں الرہا کے شہریوں کے مسلح دستہ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ڈسمند کو یقین ہو گیا تھا کہ آج قلعہ ضرور فتح ہو جائے گا اس سے اس نے شہر کے تمام مسلح لوگوں کو شاہ جو سیلین کی کمان میں دے دیا تھا۔ الرہا قلعہ کے باقی الرہا کے یہ شہری بڑی تمکنت سے اپنے عیسائی بھائیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے انتقام لینے کے بڑے خوفناک اور گھناؤنے منصوبے بنائے تھے۔ وہ اگلا پچھلا تمام حساب بے باق کرنے کے لئے نکلے تھے۔

Marfat.com

امداد غیبی شاید اسی کو کہتے ہیں قلعہ کے مسلمان محافظ شہادت کی جنگ لڑ رہے تھے دوپہر تک نصف سے زیادہ محافظ اسلام پر قربان ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سے چار گناہ دشمنوں کو جہنم رسید کیا تھا مگر نقصان میں مسلمان ہی تھے۔ انکی تعداد اب تو لحہ بہ لحہ گھٹ رہی تھی اس وقت دن ڈھل رہا اور سورج کی کرنیں ہلکی سی ٹیڑھی ہوئی تھی کہ شہر کے باہر سے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ نعرہ اس قدر گو نجدار تھا کہ قلعہ والوں نے ہاتھ روک لیا اور آواز پر کان لگا کر کھڑے ہو گئے دشمنوں کے تو چہرے فق ہو گئے ہر طرف گرد کے بادل سے اٹھ رہے تھے اور اسی گردو غبار میں "اللہ اکبر" کے نعرے گونجتے تھے۔

پھر جب غبار چھٹا تو قلعہ والوں نے دیکھاکہ اسلام کا پرچم چمک رہا ہے اور تیز رفتار سوار قلعہ الرہا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ شاہ نے قلعہ پر حملہ ملتوی کرا دیا اور لشکر کو پلٹ کر آنے والوں پر حملہ کا حکم دیا۔ قلعہ کی جنگ بند ہو گئی اور برجیوں سے برسنے والے تیر رک گئے۔ جو لوگ تیر برسا رہے تھے اب وہ اپنے آنے والے بھائیوں کو دشمن سے دست و گریبان دیکھ رہے تھے۔ آنے والے تمام کے تمام سوار تھے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن جوش و جذبہ کا یہ عالم تھا کہ عقابوں کی طرح دشمن پر جھپٹتے سروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے چلے جاتے۔

دو گھنٹے کی جنگ میں دشمنوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے لیکن مسلمان سواروں کی تعداد بھی ایک چوتھائی کے قریب کم ہو گئی مگر پھر ایک معجزہ ہوا۔ سورج غروب ہونے میں مشکل سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہو گا کہ مسلمانوں کا ایک اور تازہ دم لشکر "اللہ اکبر" کے نعرہ مارتا نمودار ہوا اور اپنے سے پہلے آنے والوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جنگ اور زیادہ شدید ہو گئی۔ قلعہ والوں کو ایسا جوش آیا کہ وہ دروازے کھول کے دشمن پر عقب سے جا پڑے۔ قلعہ کے دروازے کھلتے دیکھ کر شہر والوں کے حواس جاتے رہے۔ انہوں نے بے تحاشہ بھاگنا شروع کر دیا۔ آگے جاتے تو مسلمان سوار، پیچھے ہٹتے تو مسلمان سوار، شہر والوں نے اپنے رہنما ڈسمنڈ کے ساتھ شاہ جو سیلین کا ساتھ دیا تھا لیکن جو سیلین انہیں نہ بچا سکا۔ اسے خود میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ مسلمانوں نے تل باشر کی فوج کا دوردور تک تعقب کیا۔ دونوں لشکر کے درمیان الرہا کے شہر والے پس کر رہ گئے۔ جو سیلین بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا۔

اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو الرہا کے دوسرے معرکہ میں بھی فتح و نصرت سے ہم کنار کیا۔ جس وقت عیسائی لشکر فصیل کے قریب پہنچا تھا اس وقت جو قدرت کی طرف سے پہلی کمک پہنچی وہ دوہزار سوار تھے جن کی کمان سردار اسد الدین شیر کوہ کے ہاتھ میں تھی۔ پھر

Marfat.com

شام کے وقت جو دوسری کمک پہنچی اس کا سپہ سالار بذات خود امیر نور الدین زنگی تھا جو اطلاع پاتے ہی لشکر لے کر حلب سے چل پڑا تھا۔ رات کو جب امیر نورالدین زنگی نے لاشوں کے درمیان دربار لگایا اور لوگوں نے سجدہ شکر ادا کیا تو فوجیوں نے چند خاص خاص لوگوں کی گردنیں پیش کیں۔

ایک گردن ڈسمنڈ کی تھی جس نے مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑی غداری کی تھی دو گردنیں دو عورتوں کی تھیں جنہیں شناخت کر لیا گیا۔ ایک گردن امروزیہ اور دوسری شیلی کی تھی۔

چوتھی گردن طوس کی تھی جو شاہ جوسیلین کے ساتھ اپنی بہادری کے جوہر دکھانے آیا تھا لیکن اپنے ہی خون میں نہا گیا۔

امیر نور الدین کو دراصل شاہ جوسیلین دوم کی گردن کی ضرورت تھی لیکن وہ اپنی جان بچا لے گیا تھا۔

نماز عشاء اسی میدان میں ادا کی گئی پھر امیر اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ الرہا میں داخل ہوا اس نے قلعہ میں پہنچ کے ایک بار پھر سجدہ شکر ادا کیا۔

Marfat.com

سلطان آرہا ہے

قلعہ تکریت سے بے دخل ہو کر نجم الدین ایوب اپنے خاندان کے ساتھ سیدھا موصل پہنچا۔ موصل کا حکمران عماد الدین زنگی تھا۔ وہی عماد الدین زنگی جسے نجم الدین نے قلعہ تکریت میں پناہ دی تھی اور عماد الدین زنگی کو پناہ دینے کی پاداش میں نجم الدین کو تکریت سے بے دخل کیا گیا تھا۔

والی موصل عماد الدین زنگی نے اپنے محسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ بغداد کے شحنہ بہروز نے نجم الدین کو قلعہ تکریت سے اس لئے بے دخل کیا کہ اس نے عماد الدین کو پناہ دی ہے تو وہ اور زیادہ متاثر ہوا۔ عماد الدین زنگی نے دونوں بھائیوں یعنی نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کو اپنے درباری امیروں میں شامل کرلیا۔

پھر جب عماد الدین زنگی نے بعلبک کا قلعہ فتح کیا تو نجم الدین کو وہاں کا گورنر بنا دیا اور شیرکوہ ترقی کرتے کرتے عماد الدین کے دربار کا امیر الامرا ہوگیا۔ دونوں بھائی بڑی وفاداری اور جاں داری سے امیر موصل کی خدمت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عماد الدین زنگی کو سوتے میں اس کے غلاموں نے قتل کردیا۔

عماد الدین زنگی کی شہادت کے بعد اس کا بڑا بیٹا موصل کا امیر ہوا اور چھوٹے بیٹے نور الدین زنگی نے حلب پر قبضہ کر کے اپنی امارات کا اعلان کردیا۔ نور الدین زنگی بڑا بہادر اور ذہین تھا۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا مجاہد تھا۔ اس نے اپنی طاقت بڑھائی اور دمشق پر قبضہ کر کے سلطان دمشق بن گیا۔ اس نے شیرکوہ کو امیرالامرا کے عہدے پر برقرار رکھا اور نجم الدین ایوب کو گورنر بنا دیا۔

Marfat.com

مگر تکریت کے قلعہ میں آخری شب پیدا ہونے والا بچہ جس کا نام صلاح الدین رکھا گیا تھا وہ پندرہ سال کی عمر تک بالکل گمنام رہا۔ اسے گھر میں یا پھر جامعہ دمشق میں درس سنتے ہوئے دیکھا جاسکتا تھا۔ صلاح الدین کا باپ نجم الدین بیٹے کی طرف سے بہت فکر مند تھا اور پھر وہ وقت آیا کہ اس کے محل کی ایک کنیز زادی نے اس کی پیشانی پر ایک ایسے ستارے کی چمک دیکھی کہ وہ فوراً" چیخ اٹھی کہ یہ تو مستقبل کا سلطان ہے۔

اس غیر متوازن دماغ کی لڑکی کا نام زریافت تھا جس نے صلاح الدین کے سلطان ہونے کی پیش گوئی کی تھی - زریافت اپنی ماں کے ساتھ جا رہی تھی کہ سامنے سے امیرزادہ صلاح الدین آتا دکھائی پڑا اور زریافت چیخ پڑی۔

"سلطان آرہا ہے۔"

زریافت کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ اس کی ماں نے چوٹی پکڑ کے اسے کمرے کے اندر کھینچ لیا۔ زریافت کی ماں اس کی پیشین گوئیوں سے عاجز تھی۔ اس نے کئی بار بیٹی کو سمجھایا۔ "زریافت زبان روک کے بات کیا کر۔ محل کا معاملہ ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"پر اماں میں ہمیشہ سچ بات کہتی ہوں -" زریافت نے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا۔ "پھر میں جو کچھ کہتی ہوں وہ میں خود تو نہیں کہتی - مجھ سے فرشتے کہلواتے ہیں۔"

"بس چپ رہ - بڑی آئی نجومی بن کے -" ماں جھلا اٹھی تھی - "فرشتے تیرے باپ کے نوکر ہیں جو تجھے بتانے چلے آتے ہیں۔ انہیں اور کوئی کام تو ہے ہی نہیں۔"

زریافت نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔ "اماں - کیا میں نے .علبک کے بارے میں نہیں تھا کہ یہ قلعہ امیر نجم الدین ایوب کے ہاتھ سے نکل جائے گا مگر امیر کا رتبہ بلند ہوگا۔"

زریافت نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ .علبک کا علاقہ سلطنت دمشق کے وزیراعظم انز معین الدین کی جاگیر تھا۔ جب امیر عماد الدین زنگی نے دمشق پر حملہ کا ارادہ کیا تو وزیراعظم انز نے ایسی زبردست چال چلی کہ زنگی کو دمشق پر حملہ ملتوی کرنا پڑا مگر وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جایا کرتا تھا۔ دمشق سے پلٹ کے اس نے .علبک کو گھیر لیا اور معین الدین انز کی مدد آنے سے پہلے ہی اس نے .علبک پر قبضہ کرلیا۔ پھر جب عماد الدین زنگی کو شہید کردیا گیا تو انزد کو اپنی جاگیر واپس لینے کا خیال آیا۔ مرحوم امیر نے یہ علاقہ شیرکوہ کے بڑے بھائی نجم الدین ایوب کے سپرد کر دیا تھا جو دمشق سے صرف پینتیس میل دور ہونے کے باوجود اس کا انتظام بڑی خوبی سے کرتا چلا آرہا تھا۔ بعد میں .علبک کے سابق مالک انز نے .علبک

Marfat.com

لینے کا ارادہ کیا اس وقت مرحوم امیر کے بڑے بیٹے سیف الدین غازی نے موصل میں اپنی امارت کا اعلان کردیا تھا اور دوسرے بیٹے نور الدین زنگی نے حلب میں ایک متوازی حکومت قائم کرلی تھی۔ اب .علبک کا گورنر کس سے مدد طلب کرتا جبکہ دونوں بھائی اپنی اپنی نئی سلطنت کو مضبوط کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ نجم الدین ایوب نے یہی بہتر خیال کیا کہ دمشق کے وزیراعظم کا حق تسلیم کرتے ہوئے .علبک اس کے حوالہ کردے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کے صلہ میں نجم الدین ایوب کو دمشق کے قریب ایک جاگیر ملی۔ دارالسلطنت میں ایک شایان شان حویلی عطا ہوئی اور اسے دمشق کے لشکر میں ایک بڑا عہدہ بھی دیا گیا۔

.علبک، نجم الدین ایوب کے ہاتھ سے نکل گیا مگر اس سے زیادہ مل گیا۔ زریافت کی بات سچی ثابت ہوئی۔ .علبک کے نام پر زریافت کی ماں خاموش ہو جاتی تھی۔ اسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا۔ نو سال کی بچی کی زبان سے ایسی سچ بات نکلی کہ وہ سولہ آنے سچ ہوگئی - وہ زریافت کو مانتی بہت تھی لیکن یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ زریافت موقعہ بے موقعہ بولتی رہے۔ بھلا اس وقت اسے بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے آقا نجم الدین کا بیٹا صلاح الدین ابھی سولہ سترہ سال کا نوجوان تھا۔ اسے دیکھ کر زریافت کا یہ کہنا کہ "سلطان آرہا ہے" - کس قدر غیر ذمہ دارانہ اور بے تکی بات تھی اور ایسے وقت میں جب زنگی خاندان کے بڑے شہزادہ سیف الدین غازی نے موصل پر قبضہ کرلیا تھا اور دوسرا بھائی نور الدین زنگی حلب کا سلطان بن بیٹھا تھا۔ صلاح الدین کے متعلق اس قسم کا تصور ہی حمایت انگیز تھا۔

اس کی ماں نے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ "دیکھ زریافت۔ تیری ایک بات سچی ہوگئی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تو جو کچھ کہے گی اسے میں مان لوں گی۔ یہ بات پھر زبان سے نہ نکالیو ورنہ سلطان تک پہنچ جائے گی اور تیرے ساتھ ہم بھی سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے۔"

زریافت کچھ جواب دینے والی تھی کہ قلعدارنی یعنی صلاح الدین کی والدہ جن کا یہ نام شوہر کے قلعہ .علبک کے قلعدار ہونے کی وجہ سے پڑا گیا تھا، وہ اتفاقیہ اس راہداری سے گزریں جس کے متصل کمرے میں زریافت اور اس کی ماں کی رہائش تھی۔ قلعدارنی، زریافت کو اچھی طرح جانتی تھیں بلکہ جب انہیں .علبک کے بارے میں زریافت کی پیشین گوئی معلوم ہوئی تھی تو انہوں نے زریافت کو انعام بھی دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" قلعدارنی نے مسکرا کے زریافت کی ماں کو دیکھا۔

Marfat.com

زریافت کی ماں قلعدارنی کو آتا دیکھ کر سنبھل کے کھڑی ہو گئی تھی لیکن ماں بیٹی دونوں کے چہرے بگڑے ہوئے تھے جسے دیکھ کے ہی قلعدارنی نے سوال کیا تھا۔ "کچھ بھی تو نہیں قلعدارنی بیگم ۔ زریافت کا آج پھر دماغ خراب ہوا ہے۔"

"کچھ بھی تو نہیں اور زریافت کا دماغ خراب ہوا ہے۔ ان دو باتوں میں سے کونسی بات ٹھیک ہے۔؟" قلعدارنی نے دلچسپی سے پوچھا۔ ان کا لہجہ خوشگوار اور نرم تھا۔

زریافت کی ماں سمجھ گئی کہ قلعدارنی اب پوچھے بغیر نہ جائیں گی اور اگر اس نے زیادہ ٹالنے کی کوشش کی تو زریافت خود ہی ٹپ سے بول اٹھے گی۔ بیٹی کو گھورتے ہوئے بولی ۔ "نجومن کو غیب کی باتیں بتانے کا آج پھر دورہ پڑا ہے۔"

"اچھا!" پھر آگے بڑھتے ہوئے کہا ۔ "تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔"

قلعدارنی دونوں کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ "ہاں اب بتاؤ۔ زریافت کو کیسا دورہ پڑا ہے؟"

"بیگم جی ۔" زریافت کی ماں انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی ۔ "بات بس اتنی سی تھی کہ زریافت کمرے سے نکل رہی تھی اور امیر زادے صلاح الدین سامنے سے آرہے تھے" ماں نے رک کر زریافت کو تیز نظروں سے گھورا۔

"پھر۔۔۔ پھر کیا کہا اس نے ؟" قلعدارنی کسی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گئیں۔ ان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کہتی کیا مالکن ۔ میں نے کہنے کا موقعہ ہی کب دیا۔" ماں اب تک زریافت کو گھورے جا رہی تھی۔

"کچھ تو کہا ہوگا جلدی بتا ۔۔؟" قلعدارنی نے بڑی پر رعب آواز میں کہا۔ شاید انہیں غصہ آگیا تھا۔

"خانم جی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے بس جیسے ہی اس نے امیر زادے کو دیکھا تو تڑ سے بولی ۔ "سلطان آرہا ہے۔" دیکھئے نا جی ۔ یہ کتنی بری بات ہے۔ اگر عالی جاہ سلطان نور الدین زنگی کو خبر مل جائے کہ دمشق میں اس کے سوا کوئی اور بھی سلطان ہے تو پھر کیسا برا ہو۔ ان سلطانوں کا اتہ پتہ نہیں ہوتا۔ کس گھڑی کیا بات بری لگ جائے ۔۔"

زریافت کی ماں اپنی رو میں کہتی چلی جا رہی تھی اور قلعدارنی کو اپنی' اپنے شوہر نجم الدین ایوب اور بیٹے صلاح الدین کی زندگی کا ایک ایک واقعہ نظروں میں گھومتا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب صلاح الدین پیدا ہوا تھا۔ اس رات کو اس کے خاندان کو تکریت کا قلعہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنا پڑا تھا۔ اہل خاندان اور لونڈی غلاموں

Marfat.com

نے تک کیسی کیسی باتیں بنائی تھیں۔ خود اس کا شوہر نجم الدین ایوب کہہ اٹھا تھا کہ اس بچہ کی پیدائش کیسی منحوس ہے لیکن یہ صلاح الدین کی نحوست تھی یا خوش بختی کہ تکریت کا قلعہ چھوٹا تو اسے .علبک کی قلعداری عطا ہوئی پھر .علبک نکلا تو دمشق کی گورنری ملی۔ دمشق کی گورنری بھی ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔ معین الدین انز کے انتقال کے بعد حلب کے سلطان نور الدین زنگی نے دمشق کی طرف لشکر روانہ کیا۔ اس وقت دمشق کا سپہ سالار نجم الدین ایوب ہی تھا اور حلب سے دمشق پر قبضہ کے لئے جانے والی فوج کی کمان نجم الدین ایوب کے چھوٹے بھائی اسد الدین شیرکوہ کے ہاتھ میں تھی۔

حلب کا سلطان نورالدین زنگی خود بھی اس لشکر کے ساتھ تھا مگر اس نے فوج کا سپہ سالار شیرکوہ کو مقرر کیا تھا۔ پس جب لشکر نے دمشق کا محاصرہ کیا تو گویا ایک بھائی قلعہ کے اندر اور ایک باہر تھا۔ دونوں طرف کے لشکری بھی پریشان تھے کہ دیکھئے کس کی فتح اور کس کی شکست ہوتی ہے۔ مگر فتح و شکست تو اس وقت ہوتی ہے جب جنگ ہو۔ دونوں بھائیوں میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دراصل دمشق میں اور موصل میں کوئی جھگڑا نہ تھا بلکہ اصل جھگڑا دمشق کے معین الدین انز اور موصل کے امیر عماد الدین زنگی میں تھا۔ عماد الدین کو قتل کردیا گیا تھا اور معین الدین انز اپنی موت مرچکا تھا۔ اب رہا دمشق کا شاہی خاندان بوری اور طغتگین کا پوتا آبق تو وہ پہلے بھی برائے نام حکمران تھا اور اب تو اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو رہا تھا۔

دمشق کا چھ دن محاصرہ رہا۔ ساتویں دن دمشق کے سپہ سالار نجم الدین ایوب نے اپنے عربی امیر عماد الدین زنگی کے بیٹے نور الدین زنگی سے اظہار وفاداری کرتے ہوئے قلعہ کے دروازے کھلوا دیئے اور اس طرح دمشق پر زنگی خاندان کا بغیر ایک نکسیر پھوٹے قبضہ ہوگیا۔ یہ وہی دمشق تھا جس کی فتح کا خواب عماد الدین زنگی عمر بھر دیکھتا رہا مگر یہ خواب خواب ہی رہا۔ سچ ہے مولا کی مرضی کے بغیر پتہ تک نہیں ہلتا دمشق کی فتح نور الدین زنگی کے عہد میں لکھی گئی تھی دمشق فتح ہوا تو نور الدین زنگی نے حلب سے ناتا توڑ کے دمشق کو دارالسلطنت بنایا۔ دمشق کی گورنری نجم الدین کو ملی اور دمشق اور اطراف کے پورے علاقہ کی صوبیداری اس کے چھوٹے بھائی اسد الدین شیرکوہ کے حوالے ہوئی۔ شیرکوہ کو حلب کا علاقہ بھی جاگیر کے طور پر دیا گیا۔

صلاح الدین کی والدہ کے ذہن پر ماضی کا ایک ایک واقعہ نقش تھا۔ انہیں زریافت کی پیشین گوئی سن کے کوئی تعجب نہ ہوا۔ نہ تو انہوں نے زریافت کی ماں کی طرح اس بات کے عام ہونے سے کسی طرح کا خطرہ محسوس کیا اور نہ کسی قسم کی خوشی کا اظہار کیا۔ کہتے

Marfat.com

ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آجاتے ہیں۔ لیکن صلاح الدین نے پیدائش کے دن سے اس وقت تک کوئی ایسی غیر معمولی بات نہ کی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ آئندہ "سلطان" کی حیثیت سے ابھر سکتا ہے۔

"زریافت جو کہتی ہے کہنے دو۔ اس کے کہنے سے تقدیریں نہیں بدل جائیں گی۔" قلعدارنی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "صلاح الدین کو اللہ نے کیا نہیں دیا۔ باپ دمشق کا گورنر۔ چچا صوبیدار۔ شاہی خاندان کے تمام شہزادے اسے دوست بنانے کے خواہش مند ہیں لیکن وہ ہے کہ کمرے میں بند۔ ہر دم کتابوں سے لڑتا رہتا ہے۔۔"

"یہی شکوہ مجھے بھی اس سے ہے۔" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین کے والد محترم نجم الدین ایوب گورنر دمشق بھی اس گفتگو میں شامل ہوگئے۔ نجم الدین نے مرحوم امیر عماد الدین زنگی کا تقریباً" پورا زمانہ دیکھا تھا۔ امیر زنگی کہنے کو تو حلب کا امیر تھا لیکن اس کا دربار' محلات اور امیر زادوں کے ٹھاٹ باٹ ' چال ڈھال اور رعب و دبدبہ میں بالکل شاہوں اور شہنشاہوں جیسے تھے اور اسی وجہ سے امیر نجم الدین ایوب اپنے بیٹے صلاح الدین ایوب میں بھی شاہانہ رعب و دبدبہ دیکھنے کا خواہاں تھا لیکن صلاح الدین کے ماتھے پر عروج کا ستارہ نہ تو بچپن میں چمکا تھا اور نہ اب عنفوان شباب میں کسی ستارہ کا نشان معلوم ہوتا تھا۔

قلعدارنی جو اب گورنر کی بیگم اور سلطنت کے امرا کی بیگمات میں خاتون اول تھیں۔ وہ بیگم اپنے شوہر کے برعکس قانع طبیعت کی مالک تھیں اور قناعت پسند لوگ ہمیشہ مستقبل سے پر امید رہتے ہیں۔ شوہر کی بات انہیں کچھ اچھی نہ معلوم ہوئی اور نجم الدین بھی ان کے کمرے میں داخل ہی ہوئے تھے کہ تڑپ کے بولیں۔

"خیر مجھے اپنے بیٹے سے کوئی شکوہ نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ شاہی اور سلطانی اللہ کی دین ہے۔ وہ جب دینے پر آئے گا تو صلاح الدین میں بھی وہ تمام خوبیاں اک دم پیدا کردے گا جس کی اسے ضرورت ہوگی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" نجم الدین ایوب بھی شاید کچھ چڑے ہوئے تھے۔ "بعلبک سے دمشق تک صلاح الدین کے سر سے کتنی بہاریں گزریں اور کتنے پت جھڑ کے موسم اس کی نظروں کے سامنے سے خاک اڑاتے چلے گئے لیکن نہ بہار نے کوئی پھول اس کے دامن میں ٹانکا اور نہ خزاں رسیدہ کوئی کانٹا اس کے پیر میں چبھا۔ وہ پتھر کی مورت ہے۔"

"بس رہنے بھی دیجئے۔ چاند پر خاک نہیں ڈالی جاسکتی۔" ماں نے بیٹے کی طرفداری کی۔ "سچ پوچھئے تو مجھے تمام بچوں میں صلاح الدین کے چہرے پر بزرگی کے زیادہ آثار دکھائی

Marfat.com

دیتے ہیں۔ قرآنی تعلیم' صرف و نحو' دینیات ' خطابت اور شاعری کا ملکہ اس نے .طلبک ہی میں پیدا کرلیا تھا۔"

"یہ کوئی خاص بات نہیں بیگم۔" نجم الدین ایوب جیسے اپنی بات پر اڑ گئے۔ "یہ علوم تو تمام امرا حاصل کرتے ہیں لیکن اس طرح کے علم صرف ذہن میں جلا پیدا کرتے ہیں اور فکر میں رفعت اور بلندی کا سبب بنتے ہیں ان کا تعلق حکمرانی اور جہانبانی سے بہت کم ہوتا ہے۔"

"آپ تو ضد یا گئے ہیں۔" بیگم نجم الدین نے منہ بنالیا۔ "کیا صلاح الدین کو سیرو شکار کا شوق نہیں۔ وہ بھی دوسرے امیرزادوں کے ساتھ اکثر شکار پر جاتا ہے۔ شکاری کتوں اور بازوں سے اسے بھی دلچسپی ہے لیکن وہ ان جانوروں اور پرندوں کو صرف شکار کے وقت کام میں لاتا ہے۔ انہیں پال کے چڑیاگھر نہیں کھولتا۔"

نجم الدین نے بیگم کے انداز میں تلخی محسوس کی تو فورا" بات پلٹ دی۔ "میں یہ کب کہتا ہوں کہ وہ گھر گھسا بیٹھا رہتا ہے۔ سیرو شکار کے علاوہ تیر اندازی اور شمشیر زنی میں وہ اپنے بھائیوں سے بہت آگے ہے یہ اور بات ہے کہ اس کے مزاج میں گوشہ نشینی کا شائبہ زیادہ موجود ہے۔ میں نے اسے اکثر ابن ابی عرسون کے وعظ میں دیکھا ہے۔ وہاں جانے سے صلاح الدین کبھی ناغہ نہیں کرتا۔"

بیگم نے تحمل سے کہا۔ "مسجد امیہ' ابن ابی عرسون کے درس سے ہر وقت گونجتی رہتی ہے۔ ان کے وعظ اور تقریریں انسانی مزاج میں نرمی اور حلم پیدا کرتی ہیں۔ انسان میں خود اعتمادی اور حوصلہ بڑھتا ہے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں بیگم۔" نجم الدین نے فورا" تائید کی۔ "حلم اور خود اعتمادی کے ساتھ اگر جوان نسل میں اور خصوصا" امیرزادوں میں جرات اور شجاعت پیدا ہو جائے تو وہ انسان کامل بننے کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ صلاح الدین میں سب کچھ موجود ہے لیکن میدان جنگ کا عملی تجربہ دراصل خون میں گرمی اور حرارت پیدا کرتا ہے۔"

بیگم نے شوہر کو گھور کے دیکھا۔ "تو پھر صلاح الدین کو اپنے بھائی شیر کوہ کے حوالے کردیجئے۔ تاکہ روزانہ بازاری شرپسندوں سے سر پھٹول کر کے جرات اور شجاعت کا تاج سر پر رکھ لے۔"

بیگم کی یہ بات نجم الدین ایوب کے دل پر جیسے لگ گئی۔ قلعہ تکریت کے دوران شیر کوہ کو ایک شریف زادی کو غنڈوں سے بچاتے بچاتے ایک شخص کو قتل کرنا پڑا تھا۔ اس قتل کا بڑا چرچا ہوا تھا اور اسی کو بہانہ بنا کر نجم الدین ایوب اور اس کے خاندان کو قلعہ

Marfat.com

تکریت سے کھڑے کھڑے بے دخل کر دیا گیا تھا لیکن شیرکوہ نے درجنوں غنڈوں کا جس طرح مقابلہ کیا تھا اس نے نجم الدین کی نظروں میں شیرکوہ کی عزت دوگنی کر دی تھی۔ ہرچند کہ اسے قلعہ بڑے بے سروسامانی کے عالم میں چھوڑنا پڑا تھا لیکن اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیرکوہ واقعی شیرکوہ اور مرد میدان ہے۔ بیگم نے شیرکوہ کے حوالہ سے اس پر بڑا گہرا طنز کیا تھا لیکن نجم الدین نے اس وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ صلاح الدین کو عملی تربیت کے لئے شیرکوہ کے حوالے کر دے گا۔

نجم الدین ایوب کے خاندان اور قبیلہ کے لئے عجیب عجیب روائتیں مشہور ہیں۔ انسان جب تک گمنامی کے عالم میں رہے اس کے بارے میں کوئی نہیں پوچھتا لیکن اگر وہ کسی سہارے سے ابھر کر سامنے آجائے تو لوگ اس کے قبیلے اور خاندان کے تانے بانے کھینچ کھانچ کے مشہور قبیلوں سے ملا دیتے ہیں اور اگر اس کا تعلق کسی قبیلے سے نہیں ملتا تو خود اس کے قبیلہ کو اس قدر مشہور اور عظیم قبیلہ ثابت کرتے ہیں کہ سننے والے خواہ مخواہ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ صلاح الدین ایوب بھی ان خوش قسمت مشاہیر میں سے ہے جس کا خاندان گمنامی کی دبیز تہوں میں سے اس تیزی سے ابھر کر روشنی میں آیا کہ اس کی ذات خود ایک مینارہ نور بن گئی اور جہاں تک صلیبی جنگوں کا تعلق ہے اگر صلاح الدین جو فرنگیوں کی تاریخ میں ۔ "صلاح دین" کے نام سے معروف اور مشہور ہے کے نام کو ان جنگوں سے نکال دیا جائے تو اس دور کی نصف تاریخ تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔

اگر ہم عقیدت کا خول اپنے ذہنوں سے اتار دیں اور پھر تاریخ کے جھروکوں میں نظریں ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ صلاح الدین کا دادا شادی خان نہ تو عرب النسل تھا اور نہ ترکی بلکہ کردوں کے ایک قبیلہ روادیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ روادیہ ایک کرد قبیلہ تھا جس کا مسکن آرمینیہ تھا۔ کرد قبائل آج بھی موجود ہیں لیکن ان بدقسمتوں کا نہ گھر ہے اور نہ در۔ ایرانی سرحد، عراقی سرحد، ترکی اور جنوبی روس کے اکثر سرحدوں پر یہ قبائل آج بھی اپنی زندگی اور وجود کا ثبوت دینے کے لئے ان بڑی طاقتوں سے اکثر نبرد آزما رہتے ہیں مگر انہیں کوئی قبول نہیں کرتا اور ان کی خانماں بربادی بڑھتی جا رہی ہے۔

صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب، آرمینیہ میں داوین کے قریب ادجانہ کان کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ کرد قبائل زمانہ قدیم سے ایشیائے کوچک کے پہاڑی سلسلے میں آباد ہیں۔ یہ سرکش اور خانہ بدوش قوم، قبائلی طرز زندگی کی مالک ہے۔ مہمان نوازی، جاں بازی، بہادری اور عزت و ناموس کی حفاظت کے معاملہ میں یہ زمانہ جاہلیت کے عربوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ لوگ تہذیب و تمدن سے ناآشنا اور غیر قوموں کے لئے ناقابل تسخیر چلے

Marfat.com

آرہے تھے۔ غیر مہذب ہونے کے باوجود ان میں شجاعت کا ایسا جوہر تھا جس نے آگے چل کے صلاح الدین جیسا مجاہد اور شجاع انسان پیدا کیا۔ صلاح الدین کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کا خاندان وادین کے مشہور ترین اور معزز ترین خاندانوں میں سے تھا۔ اس میں صلاح الدین کے سوانح نگاروں کی عقیدت کو زیادہ دخل ہے۔ اگر بالفرض اس کا خاندان وادین کا معزز اور مشہور خاندان تھا تو سوال یہ ہے کہ وادین کی کیا حیثیت تھی۔ دراصل صلاح الدین کی شہرت سے لوگوں کو وادین کا نام معلوم ہوا اور وادین نے صلاح الدین کو کوئی شہرت نہیں بخشی۔

وادین جس کا پرانا نام وابیل ہے' دسویں صدی عیسویں میں وسطی یا شمالی آرمینیہ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے جو اونی کمبلوں اور کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ ان کمبلوں اور کپڑوں کو یہ لوگ قرمز کیڑوں سے رنگا کرتے تھے ان کیڑوں کے نام پر ہی قرمزی رنگ کا کا نام پڑا ہے۔ ان میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن سرداری مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی اور ان کے زیر سایہ یہودی' مجوسی اور نصاری آرام کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن وادین پر جلد ہی زوال آگیا اور اس کی جگہ طفلیس نے شہرت پائی۔ یہ شہر بھی اسی علاقہ میں پہلے ایک گاؤں تھا مگر ترقی کرتے کرتے وادین کے بجائے اس علاقہ کا دارالحکومت بن گیا۔ اس دور کے ایک مورخ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کے زیر سایہ اس علاقہ میں مسجدیں اور گرجا ایک ساتھ بنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

صلاح الدین کے دادا شادی بن مروان کو کثیر الاولاد بیان کیا گیا ہے لیکن سوائے نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کے تاریخوں میں کسی اور اولاد کا تفصیلی حال موجود نہیں۔ وادین پر زوال آیا تو شادی بن مروان کو اپنے بیٹوں کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ بغداد کی خلافت عباسیہ پر بھی اگرچہ زوال طاری تھا لیکن عباسی خلیفہ بہادروں کے قدر دان تھے اور ان کی قدر افزائی کرتے تھے۔ شادی بن مروان نے بغداد کا قصد کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ بغداد میں اس کا کوئی شناسا نہ تھا اور بغیر شناسائی یا سفارش کے خلیفہ کے دربار میں کسی ہمت افزائی کی توقع کرنا غلطی تھی۔ شادی اس فکر میں تھا اور بغداد سے آنے والے قافلوں سے دریافت حال رہتا تھا کہ ایک روز کارواں سرائے کا مالک خود شادی کے پاس آیا۔ اسے دیکھ کر شادی بن مروان حیران رہ گیا۔

سرائے والے نے مسکرا کے کہا۔ "شادی۔ تم مجھے دیکھ کر اس قدر متعجب کیوں ہوئے۔ فکر کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ہی ایک کام سے آیا ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ

Marfat.com

تمہاری ایک مشکل آسان کرنے آیا ہوں۔"

شادی شرمندہ سا ہوگیا۔ "یہ بات نہیں بھائی۔ دراصل آج کل مجھ پر برا وقت ہے اس لئے میں سایہ سے بھی ڈر جاتا ہوں۔ بتاؤ میرے لئے کیا خبر ہے؟"

"میں عرصہ سے دیکھ رہا ہوں کہ تم میری سرائے آکر بغداد کے قافلے والوں سے وہاں کے حالات دریافت کرتے ہو" سرائے والے نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید تم بغداد جانا چاہتے ہو۔"

"تم نے صحیح اندازہ لگایا دوست۔" شادی بن مروان نے اقبال کیا۔ "تم جانتے ہو کہ میں کثیر اولاد ہوں اور یہاں وادین کے حالات روز بروز بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کہیں اور جا کے قسمت آزمائی نہ کروں تو پھر اور کیا کروں۔ بغداد کی میں نے بہت تعریف سنی ہے۔ کیا وہاں کوئی تمہارا جاننے والا ہے۔؟"

سرائے والے نے جواب دیا۔ "بغداد میں تو نہیں لیکن وہیں قریب ہی ہمارے وادین کا ایک شخص موجود ہے جسے اللہ نے بڑی عزت دی ہے اگر اس کے پاس چلے جاؤ تو یقین ہے کہ تمہیں اور تمہارے لڑکوں کو وہ ضرور کسی اچھے کام پر لگا دے گا۔ یہ میں اس بھروسہ پر کہہ رہا ہوں کہ میں نے اس کے پاس کئی آدمی بھیجے اور اس نے انہیں فوراً کسی نہ کسی کام پر لگادیا۔"

شادی بن مروان نے بے چینی سے پوچھا۔ "کیا وہ تمہارا کوئی رشتہ دار ہے۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ مجھے کام پر لگا دے گا؟"

"کیوں نہیں بھائی۔" سرائے والے نے جواب دیا۔ "مجھے اس پر بڑا اعتماد ہے حالانکہ اس سے نہ میری دوستی ہے اور نہ رشتہ داری۔ جس وقت بہروز وادین میں تھا تو اکثر شام کے وقت میرے پاس آ بیٹھتا تھا۔"

"بہروز!" شادی بن مروان چونک پڑا۔ "ارے بہروز کہاں ہے۔ وہ تو میرا بڑا گہرا دوست ہے؟"

سرائے والے نے اطمینان سے کہا۔ "یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ اب تو تمہیں ضرور وہاں جانا چاہئے۔ بہروز نے بڑی ترقی حاصل کی ہے۔ اس وقت وہ کسی سلجوقی سلطان کا وزیر یا داروغہ ہے۔ تم سیدھے اس کے پاس جاؤ۔ وہ بڑا یار باش اور دوست آدمی ہے۔ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔"

بہروز اگرچہ یونانی نسل سے تھا لیکن وادین میں اس نے بچپن اور جوانی کا کچھ زمانہ گزارہ تھا پھر وہ قسمت آزمائی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ وہ بڑا جیدار اور ذہین تھا۔ بہت جلد

Marfat.com

سلجوقی شہزادوں کا اتالیق بن گیا۔ سلجوقی دربار سے اسے جمال الدولہ کا خطاب ملا تھا۔ شادی نے جلدی جلدی تیاری کی اور پورے کنبہ کو لے کر وادین کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ بہروز نے اپنے دوست اور ہم وطن کو خوش آمدید کہا اور کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھا پھر جب جمال الدولہ بہروز کو بغداد کی شحنگی (داروغہ یا گورنر) کا عہدہ ملا تو اس نے سلطان سے سفارش کر کے شادی بن مروان کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنوا دیا۔ شادی خان زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا۔ اس کی وفات پر بہروز نے اظہار افسوس کے ساتھ تکریت کا قلعہ اس کے بڑے بیٹے نجم الدین ایوب کو عنایت کردیا۔ یہ ہیں وہ تاریخی واقعات جن سے گزر کر صلاح الدین کا خاندان دمشق تک پہنچا تھا۔

نجم الدین نے فیصلہ تو کرلی ہی لیا تھا کہ وہ اب صلاح الدین کی خود تربیت کرنے کے بجائے شیر کوہ کے سپرد کر دے گا لیکن اس کی بیگم نے جس انداز میں اس پر طنز کیا تھا اس کا اثر بھی وہ زائل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی نرمی سے بیگم کو سمجھایا۔ "بیگم یہ درست ہے کہ شیر کوہ کی ایک جائز یا ناجائز حرکت کی وجہ سے ہمیں تکریت کا قلعہ چھوڑنا پڑا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر ہم تکریت نہ چھوڑتے تو تکریت کی قلعداری ہماری تقدیر بن جاتی ۔ یہ اس قلعہ سے نکلنے کی برکت ہے کہ آج تم قلعدارنی سے گورنر دمشق کی بیگم کے درجہ پر سرفراز ہو۔ رہا شیر کوہ کا مسئلہ تو وہ پہلے بھی شیر کوہ تھا اور اب بھی شیر کوہ ہے۔ وہ مرحوم امیر عماد الدین زنگی کا معتمد ترین اور عزیز ترین امیر تھا اور اب سلطان نور الدین زنگی نے اسے اطراف دمشق کا صوبیدار بنا کر اس کی سربلندی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ شیر کوہ کی حسن تدبیر کا صلہ ہے کہ میں آج دمشق کا گورنر ہوں۔ کیا تم ان حقیقتوں سے انکار کرسکتی ہو؟"

بیگم نجم الدین کس کس بات سے انکار کرتی۔ نجم الدین ایوب کی بیان کی ہوئی تفصیل کا حرف حرف حقیقت پر مبنی تھا۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "شیر کوہ واقعی شیر ہے۔ وہ زمین پر پیر مارے تو پانی نکل آتا ہے ---"

"بس ۔ بس ۔ بس" نجم الدین خوش ہوگیا۔ "زیادہ تعریف نہ کرو ورنہ نظر لگ جائے گی اسے۔ کہو تو صلاح الدین کو شیر کوہ کی جھولی میں ڈال دوں؟۔"

"کیا کہا؟" بیگم غصہ سے تن کے کھڑی ہو گئیں۔ "صلاح الدین کیا کسی فقیر کی اولاد ہے کہ آپ جس کی چاہے جھولی میں ڈال دیں۔ میں نے سینکڑوں مصیبتیں جھیلی ہیں۔ دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام کی ہیں تب جا کے میرا چاند سولہ سال کا ہوا ہے۔ اب اس کی خوشیاں دیکھنے کا وقت آیا تو آپ اسے اپنے بھائی کے حوالے کردینا چاہتے ہیں۔ ہرگز

Marfat.com

نہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"نا بیگم۔ بالکل نہیں" نجم الدین کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ "میں بھلا کون ہوتا ہوں بیٹے کو ماں سے جدا کرنے والا۔ وہ امیرزادہ ہے۔ جس طرف سے نکلتا ہے دیکھنے والوں کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ انسان تو انسان جانور بھی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ شہسواری ہو کہ شمشیرزنی' تیر اندازی ہو کہ نیزہ بازی' سپہ گری کے ہر فن میں وہ طاق ہے۔ اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ کسی کا گھوڑا اس کے گھوڑے سے آگے نہیں نکل سکتا۔ مقابل کے نیزے اور شمشیریں اسے تلوار بکف دیکھ کر جھک جاتی ہیں۔ کیوں' کیوں آخر کیوں' صرف اس لئے کہ وہ دمشق کے گورنر کا بیٹا ہے۔"

نجم الدین کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوتے اب شیر کی چنگھاڑ بن گئی تھی۔ بیگم کا غصہ ہرن ہو گیا اور نجم الدین کی گرج سے ان کے جسم پر لرزہ پیدا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے آپ جیسا مناسب سمجھیں وہ کریں۔" بیگم نے بھرائی آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں۔ اسے محل سے نہ نکلنے دو۔" نجم الدین اب تک طیش میں بھرا ہوا تھا۔ "اسے کتابوں کا کیڑا بن جانے دو۔ صرف و نحو' تعلیقات' علم کلام' علم فقہ' حدیث و تفسیر' ہر علم اپنی جگہ درست مناسب ہے' لیکن قلعہ دار کے بیٹے اور گورنر کی اولاد کے ہاتھ میں تلوار ہونا لازمی ہوتا ہے۔ تلوار چلانے کے لئے ایک مضبوط ہاتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قبضہ کے لئے طاقت چاہئے باقی تمام علوم حکمرانی کے کام آتے ہیں۔ ظاہر ہے جب حکومت ہو گی تب ہی حکمرانی کی جا سکتی ہے۔"

"بس اب خاموش بھی ہو جایئے۔" بیگم نے جز بز ہو کے کہا۔ "آپ نے تو بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ صلاح الدین آپ کا بھی بیٹا ہے۔ آپ جس طرح چاہیں اس کی تربیت کر سکتے ہیں۔ میں کسی معاملہ میں دخل نہیں دوں گی۔"

بیگم نے بات ختم کرنے کے لئے ہتھیار ڈال دیئے۔ نجم الدین ایوب عام باتوں میں بڑے حلیم اور منکسر المزاج تھے لیکن جب انہیں غصہ آجاتا تھا تو پھر انہیں روکنا بہت مشکل تھا۔ بیگم نے اس وجہ سے بات ہی ختم کر دی۔ نجم الدین اب کیا بولتے۔ وہ تیز نظروں سے بیگم کو دیکھتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بیگم کی اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ وہ کم از کم یہ تو پوچھ لیتیں کہ آخر اس وقت وہ اچانک کیوں آئے تھے لیکن انہیں روکنے کی انہوں نے کوشش نہ کی۔

نجم الدین ایوب چلے گئے تو زریافت اور اس کی ماں کی جان میں جان آئی۔ وہ اس نوک جھونک کے دوران اس طرح خاموش تھیں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا تھا اور اسی میں

Marfat.com

ان کی بہتری بھی تھی۔

اب سلطان نور الدین زنگی مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ طاقتور شخصیت بن چکا تھا۔ سلاجقہ روم کی طاقت ختم ہو چکی تھی اور بغدادی خلیفہ کی عملداری بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ خلافت کا رعب و داب برائے نام باقی تھا۔ یہ ضرور تھا کہ ایشیاء اور یورپ کا ہر طاقتور بادشاہ اب بھی اپنی بادشاہت کی سند' بغداد کے خلیفہ سے ہی حاصل کرتا تھا۔ افریقہ کے ملک مصر میں عباسی خلیفہ کے متوازی فاطمی خلیفہ قاہرہ کے تخت پر بیٹھا تھا۔ خلیفہ خواہ بغداد کا ہو یا مصر کا دونوں ہی اپنی عظمت رفتہ کا ماتم کیا کرتے تھے۔ بغداد کے سنی خلیفہ کا کام محض بادشاہت کی سندیں بانٹنا تھا تو قاہرہ (مصر) کے شیعہ فاطمی خلیفہ نے کاروبار سلطنت اپنے وزیروں کے حوالہ کردیا تھا اور خود شاہی محل میں مسند خلافت پر بیٹھ کے غلاموں اور بیگمات کے جھگڑے نپٹایا کرتا تھا۔

نور الدین زنگی کی عقیدت سنی ہونے کی وجہ سے بغداد کے عباسی خلیفہ کے ساتھ تھی۔ نورالدین زنگی کے والد امیر عماد الدین زنگی نے خلیفہ بغداد سے اپنی امارت کی سند حاصل کی تھی۔ عماد الدین کے دور حکومت میں قونیہ میں سلجوقی سلطانوں کی حکومت کسی نہ کسی طور قائم تھی۔ اس لئے عماد الدین نے آخری وقت سلطان ہونے کا دعوی نہیں کیا اور ہمیشہ اپنے کو امیر ہی کہتا اور کہلواتا رہا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے دونوں بیٹوں سیف الدین غازی اور نور الدین زنگی نے باپ کی جانشینی کا دعوی کیا۔ سیف الدین غازی اور نور الدین زنگی دونوں عقلمند تھے اور جانتے تھے کہ خانہ جنگی سے مسلمانوں کی طاقت ضائع ہو گی اور شام کی عیسائی حکومتیں آنکھیں دکھانے لگے گی۔ اس لئے سیف الدین غازی نے حلب میں نور الدین زنگی کی حکومت کو تسلیم کرلیا حالانکہ اس نے اس کا منہ سے اظہار نہیں کیا۔ اسی طرح نور الدین زنگی نے بڑے بھائی کا موصل پر اقتدار تسلیم کر کے اسے مبارک باد بھی بھیج دی۔ اس طرح دونوں شہزادوں اور علما اور امرا کی کوششوں سے جانشینی کا جھگڑا بڑی خاموشی سے طے ہو گیا اور خلیفہ بغداد نے بھی سیف الدین غازی کو موصل اور نورالدین زنگی کو حلب کی بادشاہت اور سلطانی کی سند ایک ساتھ ہی جاری کردی۔

مرحوم امیر عماد الدین زنگی' شیر کوہ اور نجم الدین دونوں کا مربی تھا۔ اس کے بعد نور الدین زنگی کا دور آیا تو بھی یہ دونوں بھائی اس کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ عماد الدین کے انتقال پر جب دمشق کے وزیراعظم معین الدین نے .علبک پر حملہ کیا اس وقت .علبک کا قلعدار نجم الدین ایوب تھا۔ اس نے مصلحت وقت اسی میں دیکھی کہ .علبک بغیر جنگ کے

Marfat.com

معین الدین انز کے حوالے کر دے۔ مگر معین الدین انز' نجم الدین ایوب کی وفاداری زیادہ دن قائم نہیں رہی اور معین الدین انز سے کے مرنے کے بعد جب نور الدین زنگی نے دمشق کا رخ کیا تو نجم الدین نے اپنے بھائی کے مشورہ سے دمشق کی چابیاں نور الدین زنگی کے سپرد کر دیں۔ اس طرح نجم الدین کچھ عرصہ معین الدین انز کا وفادار رہنے کے بعد پھر زنگی سلطان کے حلقہ اثر میں آگیا تھا۔

مگر شاہوں کی تلون مزاجی اور شبہ کو کیا کہا جائے۔ سلطان نور الدین زنگی کے دربار میں نجم الدین ایوب اور شیر کوہ سے زیادہ کوئی دوسرا امیر صاحب ثروت اور قابل اعتماد نہ تھا۔ نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ میں سگے بھائی کا رشتہ تھا۔ پھر نجم الدین ایوب قلعہ دمشق کا گورنر تھا اور اسد الدین شیر کوہ' علاقہ دمشق کا صوبیدار تھا اس تعلق سے بھی دونوں بھائیوں کا بہت قریبی تعلق تھا لیکن اس کے باوجود شیر کوہ کو اجازت نہ تھی کہ وہ نجم الدین کے پاس بغیر سلطان سے اجازت حاصل کئے چلا جائے جبکہ دونوں کا قیام دمشق میں تھا اور دربار شاہی میں دونوں کا آمنا سامنا اور سلام دعا تقریباً" روز ہوتی تھی۔ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے محل پر گئے ہوئے ایک ماہ کے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اس لئے شیر کوہ نے سلطان سے بھائی کے محل جانے کی اجازت مانگی جو بغیر کسی تکلف کے عطا کر دی گئی۔

دمشق کے گورنر کے محل پر اسد الدین شیر کوہ کا اس طرح استقبال کیا ہوا جیسے کسی دوسرے ملک کا والی آیا ہو۔ نجم الدین نے اپنے پیارے بھائی کے استقبال کے لئے خوبصورت محرابیں اور استقبالی دروازے لگوائے تھے۔ گورنر کے محل کو اچھی طرح سجایا گیا تھا۔ نجم الدین ایوب چونکہ شہر دمشق کا گورنر تھا اس لئے اس کا رہائشی محل شہر کے وسط میں تھا۔ اسد الدین شیر کوہ دمشق اور اطراف کے صوبہ کا صوبیدار تھا اس لئے اس کا قیام قلعہ کے باہر ایک پر فضا مقام پر تھا پھر بھی دونوں محلوں کا درمیانی فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ آدمی ایک محل سے دوسرے محل جانا چاہئے تو باتیں کرتا ہوا جا سکتا تھا۔ اسد الدین شیر کوہ جس طرح مرحوم امیر عماد الدین زنگی کے مزاج میں دخل حاصل تھا اسی طرح وہ سلطان نور الدین زنگی کی بھی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ عماد الدین زنگی کو اپنے سلجوقی مسلمانوں کا اس قدر لحاظ تھا تھا کہ وہ مرتے مر گیا لیکن اس نے خود کو کبھی سلطان نہیں کہلوایا لیکن نور الدین زنگی کا مزاج کچھ اور طرح کا تھا۔ اس نے پہلا جرات مندانہ یہ قدم اٹھایا تھا کہ بڑے بھائی سیف الدین غازی کے مقابلہ میں حلب میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی بادشاہت کو کسی طرف سے چیلنج نہیں کیا گیا تو اس نے امیر کے بجائے

Marfat.com

سلطان حلب کا لقب اختیار کرلیا۔ پھر جب اس کی سلطنت کی سرحدیں اطراف میں بڑھیں۔ عیسائی بادشاہ جو سیلین کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور دمشق پر بھی نور الدین زنگی کا پرچم لہرانے لگا تو اس کے سلطان ہونے کا کے شبہ رہ گیا۔ اب وہ سلطان دمشق کے نام سے چاروں طرف مشہور تھا اور انطاکیہ' طرابلس اور یروشلم کی عیسائی سلطنتیں اس کے رعب اور دبدبہ سے کانپنے لگی تھیں۔

نجم الدین ایوب نے عمائدین سلطنت اور معززین شہر کے ساتھ اپنے محل سے کچھ دور آگے جا کے چھوٹے بھائی کا استقبال کیا۔ گورنر کے محل سے استقبال کی جگہ تک قالینوں کا فرش بچھایا گیا تھا۔ اسد الدین شیر کوہ کے ساتھ بھی بہت سے امیر تھے۔ اس کا مختصر سا جلوس جب نجم الدین ایوب کے سامنے پہنچا تو شیر کوہ بڑے بھائی کے احترام میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ ادھر نجم الدین ایوب بھی فوراً گھوڑے سے اتر گیا کیونکہ ان کا مہمان اگرچہ اس کا چھوٹا بھائی تھا لیکن خدا نے اسے نجم الدین سے زیادہ مرتبہ دیا تھا۔ نجم الدین صرف شہر دمشق کا گورنر تھا جبکہ اسد الدین شیر کوہ پورے صوبہ دمشق کا صوبیدار تھا۔ دونوں بھائیوں امیر آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے یہ امیر ایک دوسرے کے شناسا ہی نہیں بلکہ آپس میں رشتہ دار بھی تھے لیکن شاہی قواعد کے تحت اس وقت ایک دوسرے سے اس طرح بغلگیر ہو رہے تھے جیسے کہیں دور سے آئے ہوں اور ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں۔

مصافحہ اور معانقہ کے بعد نجم الدین ایوب سب کو لے کر مہمان خانہ میں آیا۔ شیر کوہ کے شایان شان ایک اونچی جگہ پر مسند لگائی گئی تھی۔ نجم الدین نے ہاتھ پکڑ کر شیر کوہ کو مسند پر بٹھا دیا اور خود فدوی کی طرح دوسرے امرا کے ساتھ نیچی جگہ بیٹھ گیا۔ اتابکان موصل جو اب دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک سلطنت حلب (دمشق) اور دوسری سلطنت موصل جس کا سلطان سیف الدین غازی تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں مرحوم امیر عماد الدین زنگی کے وضع کردہ درباری اصول رائج تھے۔ اگر امیر عماد الدین کسی جگہ نہ جاتا بلکہ اپنا نمائندہ بھیجتا تو اس نمائندہ کو "امیروقت" سمجھا جاتا اور میزبان اس کی اس طرح عزت کرنا جیسے امیر عماد الدین زنگی کی کرنا چاہئے تھی۔ اس ملاقات میں بھی یہی اصول برتا گیا تھا۔ اسد الدین شیرکوہ اگرچہ سلطان نور الدین زنگی کا نمائندہ نہ تھا لیکن اس کا مرتبہ نجم الدین ایوب سے بلند تھا اس لئے نجم الدین ایوب اس کی خاطر و مدارات میں اس طرح لگا ہوا تھا جیسے اس کا چھوٹا بھائی نہیں بلکہ اس کا سلطان خود اس کے محل میں مہمان ہوا ہے۔

نوعمر اور سبزہ آغاز صلاح الدین مہمانوں کی خاطر و مدارات میں باپ کے ساتھ لگا لگا

Marfat.com

گھوم پھر رہا تھا۔ نجم الدین جس طرف جاتا' صلاح الدین اسے موجود ملتا۔ پہلے تو نجم الدین کو یہ ناگوار گزرا کہ صلاح الدین اس کے راستہ میں آجاتا ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ صلاح الدین اس کے کام میں خارج ہونے کے بجائے اس کا ہاتھ بٹا رہا ہے تو اس کے چہرے سے ناخوشگوار اثر زائل ہو گیا۔ پھر نجم الدین کو یوں محسوس ہوا جیسے شیرکوہ اور اس کے ساتھ آتے تمام سرداروں اور امیروں کی نظریں صلاح الدین کا تعقب کر رہی ہیں تو اسے حیرانی ہوئی کیونکہ اس کے خیال کے مطابق صلاح الدین کے چہرے میں کوئی ایسی جاذبیت نہ تھی جو دمشق کے عالی دماغ امیروں اور سرداروں کو صلاح الدین کی طرف مخاطب کر سکے۔ ان میں سے ہر ایک سردار اپنے آپ کو کجکلاہ سمجھتا اور اپنے سے کمتر سے گفتگو کرنا بھی توہین سمجھتا تھا۔

سب کی نظریں صلاح الدین کی طرف اٹھتے دیکھ کر نجم الدین ایوب کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی سبکی ہو رہی ہے اور اس کی ذات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسد الدین شیرکوہ تو صلاح الدین کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے آنکھوں میں بٹھا لے گا۔ پتہ نہیں اس نے صلاح الدین کو پہچانا تھا کہ نہیں کیونکہ شیرکوہ اور نجم الدین ایوب بھائی ہونے کے باوجود نہ تو آزادی سے ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اور نہ ان کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ مہینوں بلکہ برسوں گزر جاتے اور وہ محض رسمی گفتگو کے ذاتی گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں صلاح الدین کا نقشہ شیرکوہ کے ذہن سے اتر جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ آج پورے دو سال بعد وہ صلاح الدین کو دیکھ رہا تھا اور دو سال پہلے اور آج کے صلاح الدین کے چہرے مہرے میں واقعی بہت فرق آگیا تھا۔

"سنو صاحب زادے" اسد الدین شیرکوہ سے نہ رہا گیا اور اس کی زبان کھل گئی۔
قریب سے گزرتے ہوئے صلاح الدین کے کانوں میں شیرکوہ کی آواز پڑی تو وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"فرمایئے چچا جان۔ آپ نے مجھے کوئی حکم دیا؟۔" صلاح الدین کی آواز میں بڑی متانت تھی۔

"ہاں۔ ادھر آؤ بیٹے۔ میرے پاس۔" اور شیرکوہ نے ہاتھ پکڑ کے اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

اب تو تمام نظریں صلاح الدین پر مرکوز ہو گئیں۔ نجم الدین ایوب بھی قریب ہی تھا وہ شیرکوہ کی آواز سن کے واپس آگیا۔ سب حاضرین کی توجہ چچا بھتیجے کی گفتگو کی طرف لگ گئی تھی۔

Marfat.com

"کیا نام ہے تمہارا؟" اسد الدین شیرکوہ نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"صلاح الدین۔" صلاح الدین نے کنکھیوں سے باپ کو دیکھا۔
"ٹھیک ہے۔ تم صلاح الدین ہی ہو سکتے ہو۔" اسدالدین شیرکوہ نے کچھ اس انداز سے کہا کہ نجم الدین اور صلاح الدین دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔
"تلوار پکڑنا جانتے ہو؟۔"
"جی ہاں۔ تلوار چلانا بھی جانتا ہوں۔" صلاح الدین نے بڑے فخر سے جواب دیا۔
"ابھی تک تو تلوار چلائی نہیں ورنہ میرے کانوں تک ضرور خبر پہنچتی۔ کیوں ٹھیک ہے ناں؟"

صلاح الدین کو بڑا ناگوار معلوم ہوا۔ اس کے دوستوں اور جوانوں میں اس کی شمشیر زنی کی دھوم مچی ہوئی تھی اور چچا ہیں کہ تعریف کرنے کے بجائے فرماتے ہیں کہ اب تک تلوار چلائی ہی نہیں۔ صلاح الدین اس ادھیڑ بن میں تھا کہ اس کے باپ نے اس کی طرف سے جواب دیا۔ "اسد الدین شیرکوہ کا اندازہ درست ہے۔"

صلاح الدین اور زیادہ تاؤ آ گیا۔ اس کا باپ بھی اپنے بھائی کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ شیرکوہ نے نجم الدین کے جواب پر شاید توجہ نہیں دی۔ بولا --- "تیر اندازی اور شہسواری کا کیا حال ہے۔"

صلاح الدین کے بجائے اس سوال کا جواب بھی اس کے باپ نے دیا۔ "شہسواری کی تربیت مکمل ہے لیکن تیراندازی خام ہے۔"

"نجم بھائی۔ پھر آپ نے اس بچہ کو محل میں کیوں قید کر رکھا ہے۔" اسد الدین شیرکوہ نے بڑے بھائی کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ذرا تلخی سے کہا۔ "امیر زادے تمام عمر صرف و نحو کی گتھیاں سلجھانے میں نہیں بسر کرتے' انہیں میدان اور صحرا کی بھی ہوا کھانا چاہیے۔"

نجم الدین نے تلخی کا جواب بھی نرمی سے دیا۔ "شیرکوہ۔ تمہارے بھتیجے کو سیر و تفریح کا شوق ہے مگر محض شکار کی حد تک۔"

شیرکوہ بڑا گرانڈیل بھی اور لحیم و شحیم انسان تھا۔ اس نے صلاح الدین کا ہاتھ پکڑ کے اسے اپنے سامنے یوں کھڑا کر لیا جیسے وہ ایک چھوٹا سا بچہ ہو' "صلاح الدین ۔ کیا بھائی جان نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ترکش سے نکلا ہوا تیر جب تک انسانی ہڈی میں پیوست نہ ہو اس وقت تک تیر انداز کو تیر سیدھا کرنا نہیں آتا۔ اس طرح بہادروں کی تلوار اس وقت تک زنگ آلود رہتی ہے جب تک اسے انسانی خون سے دھویا نہ جائے۔"

شیرکوہ کی بات سن کے صلاح الدین کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک آ گئی اور

Marfat.com

اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "چچا جان۔ مجھے اب تک موقعہ نہیں ملا ورنہ آج آپ کو بتاتا کہ تیر کس طرح سیدھا کیا جاتا ہے اور شمشیر آبدار پر انسانی خون کی صیقل کیسے ہوتی ہے۔"

"شاباش صلاح الدین۔ شاباش۔۔۔" شیرکوہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا ۔۔۔ "میں تیری آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا تھا۔ کوئی بات نہیں اگر تو نے میدان جنگ کی شکل اب تک نہیں دیکھی" پھر اس نے نجم الدین کی طرف دیکھا۔ "بھائی جان۔ صلاح الدین کی آنکھوں کی چمک گواہی دے رہی ہے کہ اس کے اندر ایک نہایت نڈر اور شجاع جوان چھپا ہوا ہے۔ اسے قید سے آزاد کر دیجئے۔؟....

"شیرکوہ۔ اگر میں نے اسے قید کر رکھا ہے تو تم نے کب چھڑانے کی کوشش کی۔" نجم الدین ایوب نے شیرکوہ کا طنز اسی پر الٹ دیا۔ "مجھے انتظامی معاملات سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ کسی اور طرف دیکھ سکوں۔ چچا کو بھتیجے پر ہر طرح کا حق ہوتا ہے۔ تم نے کب توجہ کی۔" نجم الدین نے شیرکوہ کو جواب دے کر اپنے دل کی جیسے پوری بھڑاس نکال ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ نجم الدین ایوب یا اس کے بھائی اسد الدین شیرکوہ میں سے کسی نے بھی صلاح الدین کی طرف سے بے توجہی نہیں برتی۔

یہ بھی نہیں کہ صلاح الدین میں جوہر قابل نہ تھا یا نجم الدین نے اس کی سپہ گری کی تربیت میں کوئی کسر باقی رکھی تھی۔ نجم الدین اس بیٹے کی پیدائش کے ساتھ ہی تکریت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ آیا تھا۔ امیر عماد الدین زنگی نے جلد ہی اسے اور اسد الدین شیرکوہ کو معقول کام پر لگا دیا تھا۔ اس وقت صلاح الدین کی عمر ہی کیا تھی۔ قلعہ بعلبک کی قلعداری ملتے ہی نجم الدین کی قسمت جاگ گئی تھی اور اس نے صلاح الدین کی تعلیم و تربیت کے لئے بہترین استاد مقرر کر دیئے تھے۔ صلاح الدین کی خوش قسمتی یا بدقسمتی سے امیر عماد الدین زنگی کا قتل اس وقت ہوا جب صلاح الدین کی عمر صرف آٹھ نو سال کی تھی۔ پھر نجم الدین کو بعلبک چھوڑ کے دمشق آنا پڑا۔ دمشق میں ہر قسم کے اہل ہنر اور علوم و فنون کے ماہر موجود تھے۔ صلاح الدین نے دمشق کے اہل علم اور اہل فن سے بھرپور استفادہ کیا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ صلاح الدین کو اپنے حاصل کئے ہوئے فن کا عملی مظاہرہ کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ بلبک کے قیام کے دوران سے پھر دمشق میں آنے تک صلاح الدین نے عمر کی صرف نو منزلیں طے کی تھی جسے بچپن اور لڑکپن ہی کہا جا سکتا ہے۔ پھر جب نجم الدین ایوب کو دمشق کی سپہ سالاری اور بعد میں گورنری ملی تو بھی اسے کسی ایسے میدان جنگ میں نہ اترنا پڑا جہاں وہ صلاح الدین کے جوہر دیکھ سکتا۔ اس طرح علم و فن کا

Marfat.com

وہ ذخیرہ جو صلاح الدین نے .علبک اور دمشق کے استادان فن سے حاصل کیا تھا اس کی اظہار نجی محفلوں یا مقامی مقابلوں میں ہوتا رہا اور صلاح الدین کے مقابل آنے والے کھل کے اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

ادھر پہلے ہی دن جب اسد الدین شیرکوہ نے صلاح الدین کو ایک جوان کے روپ میں دیکھا تو اسے صلاح الدین کے اندر چھپے ہوئے وہ سپاہیانہ جوہر نظر آ گئے جو اس عمر کے جوانوں کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ صلاح الدین کو حالات نے کچھ ایسا دبا رکھا تھا کہ وہ مکمل سپہ گری کا حق حاصل کرنے کے باوجود اپنی خفیہ صلاحیتوں کو ظاہر ہی نہ کر سکا۔ اس سے دشمنوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صلاح الدین پچیس یا ستائیس سال کی عمر تک ایک حد درجہ ناکارہ جوان تھا۔ صلاح الدین کے ایک مغربی سوانح نگار مسٹر اسٹلنے لین پول نے اگر صلاح الدین کی زندگی اور کارناموں پر بڑا سیر حاصل تبصرہ کیا ہے لیکن اس کا قلم ہر دس صفحات کے بعد یہ کہتے ہی تھکتا کہ صلاح الدین ستائیس سال تک ایک نکما جوان رہا۔ وہ محل کے گوشوں میں چھپا حرف و نحو کی گتھیاں سلجھایا کرتا تھا اور اس کے چہرے مہرے سے یہ قطعی انداز نہ ہوتا تھا کہ وہ مستقبل قریب میں صلیبی جنگوں کا سب سے بڑا ہیرو بن کے ابھرے گا۔

صلاح الدین کی آنکھوں کی سحر طرازی کی تعریف اس کے دوست اور دشمن سب ہی کرتے ہیں۔ شیرکوہ اور نجم الدین کی ملاقات تقریباً روز ہی دربار میں ہوتی تھی لیکن صلاح الدین اسے کم ہی نظر آتا تھا سوائے اس کے کہ شیرکوہ سرکاری طور پر نجم الدین کے محل پر اس سے ملاقات کے لئے آئے۔

"اچھا میں صلاح الدین کو ساتھ لئے جا رہا ہوں۔۔۔" شیرکوہ کافی دیر سے سوچوں میں گم تھا پھر یکایک اس نے سر اٹھا کر نجم الدین ایوب سے کچھ اس طرح کہا جیسے صلاح الدین خود اس کا بیٹا ہو۔

نجم الدین نے چونک کے اسے دیکھا۔ "کیا واقعی تم صلاح الدین کو ساتھ لے جاؤں گا؟" نجم الدین کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ میں اسے لے جاؤں گا اور ہمیشہ کے لئے جاؤں گا۔" نجم الدین نے زور دے کر بڑے پریقین لہجہ میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ کل میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" نجم الدین نے بھی فیصلہ کر

شیرکوہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

Marfat.com

نجم الدین نے اعتراض کیا۔ "کیا اپنی بھابھی سے نہیں ملو گے؟"

"کیوں نہیں انہی کے پاس تو جا رہا ہوں۔" اور شیرکوہ زنانخانہ کی طرف بڑھ گیا۔

بیگم نجم الدین بھی شیرکوہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے شیرکوہ کو دیور کی طرح نہیں بلکہ بیٹے کی طرح پالا تھا۔ پالنے کی طبیعت سے سب واقف ہیں۔ پالا ہوا بچہ خواہ اپنا ہو یا پرایا' اپنا ہی بن جاتا ہے لیکن جس دن سے شیرکوہ نے قلعہ تکریت میں ایک شخص کا قتل کیا تھا' اس دن ان کے ذہن میں شیرکوہ کی طرف سے دل میں ایسی گرہ پڑی تھی جو کسی طرح بھی کھلنے کا نام نہ لیتی تھی۔ شیرکوہ کو بھی اس کا علم تھا۔ اس کا اور بیگم نجم الدین کا جب بھی سامنا ہوتا تو شیرکوہ اس کے راستہ میں بچ بچ جاتا لیکن دونوں کے درمیان جو خلیج پیدا ہو گئی تھی وہ بھرنے کو نہ آ رہی تھی۔

بیگم نجم الدین کا سامنا ہوتے ہی شیرکوہ نے صلاح الدین کا سہارا لیا۔ "بھابھی میں نے آپ کے صلاح الدین کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔"

بیگم نجم الدین سمجھ گئیں کہ شیرکوہ کو آج کوئی خاص ضرورت آ پڑی ہے اسی لئے وہ خوشامدانہ انداز اختیار کر رہا ہے۔۔۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شیرکوہ کو نجم الدین اور ان کی بیوی نے اپنے بچہ کی طرح پالا تھا۔ شیرکوہ بھی انہیں اپنے والدین ہی سمجھتا تھا اور اکثر بچوں کی طرح ضد یا خوشامد کرتا تھا۔ آج بھی اس کا انداز کچھ اسی طرح کا تھا لیکن جب انہیں تکریت سے نکلنا پڑا تھا وہ شیرکوہ کی کوئی بات نہ مانتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ اس کا سامنا ہی نہ ہو۔ اس وقت بھی جب انہیں معلوم ہوا کہ شیرکوہ آئے ہوئے ہیں تو اس نے اس کے سامنے آنے سے گریز کیا لیکن شیرکوہ پہلے سیدھا اس کے کمرے میں گیا اور جب وہ نہ ملیں تو محل کے مختلف کمروں میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ نجم الدین اس کے ساتھ ہے اور دونوں باتیں کرتے جاتے تھے۔ ادھر جب بیگم نجم الدین کو یقین ہو گیا کہ شیرکوہ اس کے محل سے چلا گیا ہے تو وہ اس چھوٹے کمرے سے نکل آئیں جہاں چھپی ہوئی تھیں اور شیرکوہ نے انہیں بغیر سلام کئے صلاح الدین کے بارے میں اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔

بیگم نجم الدین اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کے پریشان ہو گئیں۔ گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولیں۔ "ضرور لے جاؤ۔ میں نے تمہیں کس بات سے روکا ہے۔ میں نے اگر روکا بھی تو یہ تمہارے بھائی تمہاری بات کب ٹالیں گے۔"

"بھابھی!" شیرکوہ نے بڑے دکھ سے کہا۔ "آپ اب تک مجھ سے ناراض ہیں۔ خدا کے لئے اپنا دل میری طرف سے صاف کر لیجئے۔"

"میرا دل بالکل صاف ہے صوبیدار۔۔۔" بیگم نجم الدین کا دل صاف نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

"بھابھی۔ پھر وہی جلی کٹی۔ خدا کی قسم میں آپ کو اپنی ماں کی طرح عزت کرتا ہوں۔۔۔" شیرکوہ کے لہجے اور آواز میں غم مل گیا تھا۔

"بیگم!" نجم الدین گھبرا گئے۔ "خدا کے لئے کچھ سوچو شیرکوہ ہمارے مہمان ہیں۔"

"میں کیا کہہ رہی ہو انہیں۔۔۔" بیگم نجم الدین کا دل کسی طرح صاف نہ ہو رہا تھا "یہ اپنے دل کے مالک ہیں۔ ہمیشہ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ جو چاہیں کریں۔ میں انہیں روک سکتی ہوں بھلا؟"

شیرکوہ کو کیا سوجھی۔ جلدی سے بھابھی کے سامنے پہنچے اور ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو گئے۔

"بھابھی۔ اب میں یہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔"

بیگم نجم الدین بھی پریشان ہو گئیں۔ صلاح الدین ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے حالات سے واقف نہ تھا۔ ماں کا طنز بھرا لہجہ اور شیرکوہ کا اس طرح معافی مانگنا۔ اس نے ماں کا دامن پکڑ لیا۔ "امی حضور۔ چچا حضور سے آپ کیوں خفا ہیں۔ یہ آپ سے معافی مانگ رہے ہیں؟"

"تمہیں دخل دینے کی کی ضرورت نہیں صلاح الدین۔۔۔" بیگم نے ہلکے سے صلاح الدین کو جھڑک دیا۔ پھر شیرکوہ کو مخاطب کیا۔ "شیرکوہ ہوش میں آؤ مجھے کیوں ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ ابھی تو صلاح الدین نے سوال کیا ہے۔ کوئی کنیز ادھر آ گئی تو۔۔۔"

"آج تو میں فیصلہ کر کے ہی جاؤں گا۔۔۔" شیرکوہ ڈھیٹ بن گیا۔ "آپ جب تک اپنا دل صاف نہیں کریں گی میں اسی طرح کھڑا رہوں گا۔"

"شیرکوہ۔ تم صوبیدار ہو!"

"آپ بھی تو گورنر دمشق کی بیگم ہیں میں چھوٹا ہوں۔ مجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا آپ ہی سے پوچھا جائے گا۔" شیرکوہ اڑا کھڑا رہا۔

نجم الدین کو شاید شرم آ گئی۔ بولے۔ "چلو بیگم چھوڑو بھی۔ شیرکوہ کو تم نے صلاح الدین ہی طرح پالا پوسا ہے۔"

اور بیگم نجم الدین کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی اور آنکھیں بھر آئیں۔ شیرکوہ کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں۔ صلاح الدین یونہی رو رہا تھا ہو گیا۔ بیگم نے فرط محبت سے ہاتھ پھیلا دیئے اور شیرکوہ جس کے سامنے کے بال سفید ہو چلے تھے سر جھکا کر بھاوج کی آغوش میں یوں سما گیا جیسے چھوٹا بچہ ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ تمام گلے شکوے ختم ہو گئے۔ دونوں بھائیوں اور ان کے خاندان کے لئے یہ منظر بڑی خوشی کا باعث تھا۔ نجم الدین اور

Marfat.com

شیرکوہ میں بظاہر کوئی اختلاف نہ تھا لیکن اس وقت شیرکوہ کے معافی مانگنے کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف بیگم نجم الدین کا دل صاف ہو گیا بلکہ صلاح الدین کو بھی یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں بھائیوں اور دیور بھاوج میں کس قدر محبت اور خلوص ہے۔

"بھابھی اب تو اجازت ہے کہ میں صلاح الدین کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔" شیرکوہ نے لجاجت سے کہا۔

بیگم نجم الدین نے شوہر کی طرف دیکھ کے کہا۔ "ضرور لے جاؤ لیکن یہ خیال رہے کہ صلاح الدین مجھے بہت پیارا ہے۔"

"ممتا تو ہر بچہ سے پیار کرتی ہے لیکن بچہ کے مستقبل کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔" شیرکوہ نے بڑے محتاط لہجہ میں کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ کہنا یہ ہے کہ ماحول تبدیل ہونے سے صلاح الدین کی خفیہ صلاحیتوں تیزی سے بیدار ہونے کا موقعہ ملے گا۔"

"وہ کس طرح؟" بیگم نجم الدین نے تلخی سے سوال کیا۔

شیرکوہ نے خود کو سنبھالا۔ "بھابھی۔ دراصل دمشق کی آب و ہوا بہت فرحت افزا ہے۔ انسان کی طبیعت خوامخواہ بوجھل ہو جاتی ہے۔"

"تم اسے لے جا کے کہاں رکھو گے۔ کیا دمشق سے کہیں باہر؟" بیگم نجم الدین کو اس بات پر ہنسی آ گئی تھی کہ شیرکوہ کو کوئی اور بات نہیں سوجھی تو اس نے آب و ہوا کا بہانہ بنایا تھا۔

شیرکوہ کچھ کھسیانہ ہو گیا۔ "نہیں بھابھی۔ صلاح الدین رہے گا دمشق ہی کے علاقہ میں لیکن میری موجودگی کی وجہ سے اس کی طبیعت بوجھل نہیں ہو گی۔"

"لے جاؤ بھئی لے جاؤ۔۔۔" بیگم نجم الدین ہنسنے لگیں۔ "کیوں بیکار کے بہانے بنا رہے ہو۔"

شیرکوہ نے جواب دیا۔ "بھابھی دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ صلاح الدین کی تلوار ہر مہینہ ایک دوبار انسانی خون کا مزہ چکھتی رہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔" بیگم نجم الدین نے اجازت دے دی۔ "لیکن یہ خیال رہے کہ اس تلوار کو بازاری غنڈوں کا خون چکھنے کی عادت نہ ڈالنا۔"

"بھابھی آپ نے مجھے ابھی تک معاف نہیں کیا۔" پھر شیرکوہ بھائی دیکھا۔ "بھائی جان۔ آپ نے دیکھا بھابھی تکریت کے اس واقعہ کو اب تک نہیں بھولیں۔۔۔"

"نا بھئی۔ میں دیور بھاوج کے معاملہ میں دخل دینے والا کون؟" نجم الدین ایوب اپنا

Marfat.com

دامن صاف بچا لیا۔ "تم جانو اور تمہاری بھاوج۔"

"اچھا میں کل پرسوں تک پھر آؤں گا۔ اس دوران میں سلطان سے گفتگو کر لوں گا۔" شیرکوہ یہ کہتے ہوئے واپسی کے لئے چلا۔

بیگم نجم الدین نے فوراً طنز کیا۔ "تم سے اچھے تو غیر ہوتے ہیں جو کسی کے گھر جا کے بغیر کچھ کھائے واپس نہیں جاتے——"

شیرکوہ ایسا خجل ہوا کہ کئی گھنٹے بھابھی کے پاس ٹھہرا رہا پھر کھانے کے بعد واپس ہوا۔

"میں سلطان کی خدمت میں ایک جاں نثار پیش کرنا چاہتا ہوں۔" آخر اسد الدین شیرکوہ نے خلوت کی ایک محفل میں سلطان نور الدین زنگی سے عرض کیا۔

سلطان نے چونک کے شیرکوہ دیکھا پھر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ شیرکوہ گھبرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ سلطان فکر بند کیوں ہوا۔ ابھی تو اس نے کسی کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ اس نے جرات کر کے کہا۔ "سلطان عالی مقام کو اگر غلام کی عرضداشت سے تکلیف پہنچی ہے تو ازراہ کرم نوازی معاف فرمایا جائے۔"

سلطان نے ایک لمبی سانس لی۔ شیرکوہ کو دیکھا اور بولا—— "ہم سوچ رہے ہیں کہ تم نے یہ عرضداشت پہلے کیوں نہ پیش کی۔؟"

اب شیرکوہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کسی کا نام تو لیا ہی نہ تھا پھر سلطان کو اس قدر تردد کیوں ہوا۔ کہیں دشمنوں نے اس کے خلاف کے کان تو نہیں بھرنے شروع کر دیئے ہیں۔ شیرکوہ نے عاجزی سے کہا۔ "عالیجاہ خادم نے عرضداشت کی تفصیل تو بیان ہی نہیں کی پھر مزاج عالی فکر میں کیوں ڈوب گیا؟"

سلطان مسکرائے۔ "ہم تمہاری عرضداشت کی تفصیل جانتے ہیں۔"

"جی عالیجاہ!——" اور شیرکوہ کا حیرت سے منہ کھل گیا

"کیا تمہاری عرضداشت گورنر دمشق کے بیٹے کے بارے میں نہیں ہے؟" سلطان نور الدین زنگی نے شیرکوہ کی حیرانی میں اور اضافہ کر دیا۔

"درست ہے سلطان عالی۔" شیرکوہ نے اقرار کیا۔ "لیکن غلام نے اس سے پہلے تو کبھی اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی؟۔"

"شیرکوہ - مشک بیوئید نہ کہ عطار گوئید" (مشک اپنی خوشبو سے پہچانا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ عطار اس کی تعریف کرے) سلطان نے بڑے خوشگوار انداز سے کہا۔ "نجم الدین کا بیٹا صلاح الدین آج کل ہمارے درباری امرا کی گفتگو کا موضوع بنا ہوا ہے اور تم نے اسے پیش کرنے میں ایک ہفتہ لگا دیا——"

Marfat.com

"عالیجاہ۔ میں صرف ایک ہفتہ پہلے صلاح الدین ـــــ" شیرکوہ کہتے کہتے اک دم رک گیا۔ اس نے سوچا کہ سلطان نے بھی تو یہی کہا تھا کہ "تم نے اسے پیش کرنے میں ایک ہفتہ لگا دیا ـــ" اس کا مطلب ہے کہ سلطان کے جاسوسوں نے اس کی اور نجم الدین کی ملاقات کی پوری تفصیل نے سلطان کو پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے ـــ

"چپ کیوں ہو گئے شیرکوہ۔" سلطان کے چہرے پر ایک شوخ مسکراہٹ تھی۔ "یہ صحیح ہے کہ ہمیں صلاح الدین کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے اور بعض باتیں ایسی معلوم ہوئی ہیں جن کی تصدیق کے ہم بے چین ہو رہے ہیں۔"

"غلام شرمندہ ہے۔ مجھے علم نہ تھا کہ عالیجاہ اسے دیکھنا چاہتے ہوں۔" شیرکوہ نے انکساری سے کام لیا ـــ "جب حکم ہو اسے حاضر خدمت کیا جائے۔ میں اجازت لینے ہی واسطے آیا تھا۔"

"کب پیش کرنا چاہتے ہو اسے؟"

"کل قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جائے گا۔"

"کل ـــ؟" سلطان نے ایک لمحہ توقف کیا۔ "خیر ٹھیک ہے۔ کل اسے ساتھ لے کے آنا۔ تم بھی تیار رہنا شیرکوہ۔ شاید ہمیں ایک لمبے سفر پر جانا پڑے۔"

"جی عالیجاہ!" شیرکوہ کو حیرت کا ایک دورہ پڑا۔ آج سلطان کی ہر بات پر اسرار تھی۔

شیرکوہ سلطان سے کچھ اور نہ پوچھ سکا لیکن سلطان نے ایک جملہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا۔ سلطان کا جملہ کچھ اس قسم کا تھا۔ "اطمینان رکھو۔ کل سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

شیرکوہ اس قدر تذبذب اور الجھنوں کا شکار ہوا کہ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ شام کو سلطان نے دربار خاص منعقد کیا تھا لیکن شیرکوہ اس میں شریک نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے غلام خاص شیغی کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور اپنی ناسازی طبع کی وجہ سے اجلاس میں شرکت سے معذرت کی۔ سلطان نور الدین زنگی کو اسد الدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب دونوں سردار اس قدر عزیز تھے کہ ان کی دل آزاری اسے کسی طور منظور نہ تھی۔ اس کے علاوہ سلطان ہر اہم معاملہ میں شیرکوہ سے ضرور مشورہ کرتا تھا۔ شام کا اجلاس بھی اس نے ایک خاص مشورہ کے لئے طلب کیا تھا لیکن جب شیرکوہ کے غلام نے حاضر ہو کر شرکت سے معذرت کا اظہار کیا سلطان نے اسی وقت دو احکام جاری کئے۔

اول یہ کہ شاہی طبیب فوراً شیرکوہ کے جائے اور ان کا معقول علاج کرے۔

دوم یہ کہ شام کے دربار خاص کو منسوخ کر دیا گیا۔

Marfat.com

سلطان نے سوچا تھا کہ شام کے اجلاس میں وہ اس مسئلہ پر امرا اور وزرا سے مشورہ کرے گا جس کے سلسلہ میں اس نے شیرکوہ کو اشارہ کیا تھا کہ شاید بھی کل دور کے سفر پر جانا پڑے۔ اصل مشورہ تو اسے شیرکوہ سے کرنا تھا۔ جب شیرکوہ ہی شام کے دربار میں شریک نہیں ہو رہا تو اجلاس کی کیا ضرورت ہے۔ شیرکوہ کل آئے گا تو اس سے گفتگو ہو جائے گی۔

اسد الدین شیرکوہ اس فکر میں غلطاں واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں امیر نصرو الدولہ مل گیا۔ شیرکوہ نے اسے دیکھ کے گھوڑا روک لیا۔ نصر الدولہ کچھ پریشان تھا۔ شیرکوہ نے دریافت کیا۔ "کیا بات ہے نصر۔ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟۔"

"میں آپ کی طرف جا رہا تھا امیر اسد الدین۔" امیر نصر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

شیرکوہ نے اسے تسلی دی۔ "گھبراؤ نہیں امیر --- بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

امیر نصرالدولہ عاجزی سے بولا ---"آپ کو زحمت تو ہو گی۔ میری حویلی پر تشریف لے چلیے۔ وہیں بیٹھ کے اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

شیرکوہ کا ذہن پریشان تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "امیر نصر۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم شام کو میری طرف آ جاؤ۔ اس وقت میرا ذہن کچھ پریشان ہے۔"

"میں آپ سے زیادہ پریشان ہوں امیر ---" امیر نصر گڑ گڑانے لگا۔ "خیر کوئی بات نہیں ہیں شام کو حاضر ہوں گا۔"

اسد الدین شیرکوہ اگرچہ بڑا سخت مزاج انسان تھا لیکن تھا بڑا صاحب دل کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے امیر نصر کے منکسر انداز سے یقین ہو گیا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہے اور اگر اس ضرورت فوراً پوری نہ کی گئی تو یہ کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ شیرکوہ نے پوچھا۔ "نصر۔ میری بات شاید تمہیں ناگوار گزری ہے۔ مجھے اپنے رویہ پر افسوس ہے۔"

"نہیں امیر ---" نصر نے فوراً فدویانہ طریقہ سے کہا۔ "آپ جیسے جلیل القدر امیر سے بحث کر کے کون زندہ رہ سکتا ہے۔ میں تو آپ ہی کو سلطان سمجھتا ہوں ---"

"ٹھہرو نصر ---" شیرکوہ نے ہاتھ کے اشارے سے بھی اسے روکا پھر گھوڑا بڑھا کر اس سوار کے پاس پہنچا جو ابھی ابھی ان دونوں کے قریب سے گزرا تھا۔ شیرکوہ اپنے سامنے دیکھ کر سوار کے ہاتھ پیر پھول گیے وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔

Marfat.com

"مجھے معاف کر دیجئے امیر ---" سوار نے عاجزی سے کہا۔ "اب ایسی غلطی نہ ہو گی۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔" شیرکوہ نے نرمی سے جواب دیا۔ "گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔"

پیادہ پھر سوار بن گیا اور شیرکوہ کے پیچھے چلنے لگا۔ امیر نصر کے پاس پہنچ کے شیرکوہ نے اس سوار سے دریافت کیا۔ "تم کس کے حکم سے میرا تعاقب کر رہے ہو؟"

"امیر محترم۔ میں شاہی جاسوس ہوں۔ میرا ہر کام سلطان حکم کے تحت ہوتا ہے۔" جاسوس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

شیرکوہ ذرا سا جھجکا --- امیر نصر الدولہ کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ شیرکوہ نے سنبھل کے کہا۔ "اگر سلطان کے جاسوس ہو تو پھر مجھ سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا پیچھا کرو۔ میری جاسوسی کرو لیکن اس طرح کہ تم پہچانے نہ جاؤ۔ میں نے پہلی ہی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا۔ تمہاری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تم دوبار میرے قریب سے گزرے ہو---"

"مجھے معاف کر دیجئے امیر۔ اب ایسی غلطی نہیں ہو گی۔" جاسوس کی شرم کی وجہ سے نظریں نہ اٹھتی تھیں۔

"معافی کی کوئی بات نہیں۔" شیرکوہ کا لہجہ بڑا نرم تھا۔ "اب تم مل ہی گئے ہو تو پوری بات تمہارے ہی سامنے ہو گی۔"

"لیکن میں ---"

"بس خاموشی سے ہماری گفتگو سنتے رہو۔" شیرکوہ نے اسے خاموش کر دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ امیر نصر بری طرح کانپ رہا تھا۔ شیرکوہ نے بات شروع کی۔ "میرے ساتھ جو امیر ہیں ان سے واقف ہو؟"

"جی نہیں --- میں انہیں نہیں جانتا ---" جاسوس نے ڈرے ڈرے لہجہ میں جواب دیا۔

"تو سنو۔ یہ ہیں امیر نصر و الدولہ --- کسی الجھن میں گرفتار ہیں۔ اسی سلسلہ میں مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔" شیرکوہ نے بڑا اطمینان سے کہا۔

جاسوس نے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ "امیر شیرکوہ آپ ان کی سنئے اور الجھن دور کرنے کی کوشش کیجئے۔ میرے فرائض منصبی میں یہ داخل نہیں کہ کسی امیر کی ذاتی الجھن کی رپورٹ حضور عالی (سلطان) تک پہنچاؤں۔"

Marfat.com

شیرکوہ نے اسے فوراً ٹوکا۔ "لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ امیر نصر الدولہ کی الجھن ذاتی ہے۔ ممکن ہے اس کا تعلق ملک یا سیاست سے ہو؟"

جاسوس بھی بڑا ذہین تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا۔ "امیر محترم۔ مجھے اندازہ ہے کہ دو امیر کسی سیاسی مسئلہ پر بر سر را ہے گفتگو نہیں کرتے پھر آپ تو ان امیروں میں ہیں جن کی وفاداری شک و شبہ سے بالا ہے——"

"خوب" شیرکوہ نے پھر گرفت کی—— "تم میری وفاداری کو شک و شبہ سے بالا تر کہہ رہے ہو پھر بھی میرا پیچھا کر رہے تھے——"

جاسوس نے گردن جھکا کر پشیمانی کے لہجہ میں کہا۔ "امیر اسد الدین۔ دراصل میں آپ کے ساتھی امیر سے واقف نہ تھا۔ ان کا لباس بھی کچھ اس طرح کا ہے کہ ان پر غیر ملکی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اسی شبہ کی بنا پر میں ان کا پیچھا کر رہا تھا——"

"امیر شیرکوہ——" امیر نصر نے دخل دیا۔ "دراصل میرا لباس ہی میرا المیہ ہے۔ میری ٹوپی دور سے پکارتی ہے کہ میں ایرانی ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایرانی النسل ہوں۔ سلطان عالی مقام مجھ غریب پر بہت مہربان ہیں مگر درباری امرا روز کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں۔"

شیرکوہ مسکرایا ——"وہی تو سننا چاہتے ہیں۔ آج کل آپ کے ساتھ کون فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے؟"

"بات تو کچھ بھی نہیں ہے امیر۔ میں فتنہ پردازوں نے جھگڑا بنا دیا ہے۔" امیر نصر دکھ بھرے لہجہ میں کہا—— "میرا بیٹا ظفر جوان ہے۔ میں اس کی شادی اپنے خاندان میں کرنا چاہتا ہوں۔ بس دشمنوں نے ایک ایک کی ہزار ہزار باتیں بنا دی ہیں۔ اعلیٰ حضرت سلطان معظم سے میں نے ظفر کی شادی کی اجازت مانگی تھی——"

"پھر کیا ہوا۔ سلطان نے انکار کر دیا؟" شیرکوہ نے امیر نصر کو گھور کے دیکھا۔

امیر نصر نے روتی آواز میں کہا۔ "عالیجاہ کھل کے انکار بھی نہیں کرتے اور اجازت بھی نہیں دیتے۔ چار ماہ سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور میں بیچ میں لٹکا ہوا ہوں۔ میں نے ہر طرح سے سلطان کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا ہے لیکن ——"

"سلطان نے جواب کیا دیا؟" شیرکوہ الجھنے لگا۔

"ہر مہینے کہہ دیتے ہیں کہ اگلے ماہ بارات لے کے جانا——" اور امیر نصر کے آنسو چھلک آئے۔

"پھر اس میں درباری امیروں کا کیا قصور ہے؟" شیرکوہ نے امیروں کی طرف داری کی۔

Marfat.com

امیر نصر آنسو پونچھتے ہوئے بولا ـــــ "انہی لوگوں نے اعلیٰ حضرت کے کان بھر دیئے ہیں کہ امیر نصر، فارس والوں کا جاسوس ہے۔"

"استغفر اللہ ـــــ" امیر شیرکوہ غصہ آگیا۔ "کیسی چھوٹی طبیعت کے لوگ ہیں یہ انہیں انسانی اقدار اور جذبات کا کوئی احساس نہیں۔"

امیر نصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ شیرکوہ چند لمحوں بعد بولا۔ ظل سبحانی۔ کسی کو جائز حق سے محروم نہیں رکھتے۔ تم فارس جانے کی تیاری کرو۔ میں تمہیں اجازت دلا کے رہوں گا۔" پھر شیرکوہ نے جاسوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی پریشانی ہوئی تو اپنا یہ دوست کام آئے گا۔" جاسوس نے اظہار اطاعت کے طور پر یا اظہار شرمندگی کی خاطر فوراً سر جھکا دیا۔

شیرکوہ نے نجم الدین کو اطلاع بھیج دی کہ صلاح الدین کو کل دربار عالی میں یاد کیا گیا ہے صبح کو وہ تیار رہے۔ جن لوگوں کو سلطان نور الدین زنگی اپنے دربار میں پہلی مرتبہ طلب کرتا تھا اور اگر وہ مجرم نہ ہوتے تو ان کے لئے دربار کی طرف سے سواری کے لئے گھوڑا بھیجا جاتا تھا۔ گھوڑا بھیجنے میں ایک حکمت تو یہ ہوتی تھی کہ آنے والے میں خود اعتمادی پیدا ہو اور وہ سلطان کے سامنے پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وفادار ہو جائے۔ دوسری حکمت اس میں یہ بھی تھی کہ بلانے کے لئے ایسا گھوڑا بھیجا جاتا تھا جو منہ زور ہو اور مشکل سے قابو میں آتا ہو۔ مقصد یہ تھا کہ گھوڑا ایک تو مشکل ہی سے قابو میں آئے گا اور آنے کے بعد بھی راستے بھر بھڑکتا رہے گا اگر سوار کمزور دل و دماغ کا انسان ہو گا تو گھوڑا اسے راستہ ہی میں گرا کر ٹھکانے لگا دے۔ اگر دربار تک پہنچا بھی دیا تو سوار کا حلیہ بدل چکا ہو گا۔

نجم الدین کے محل میں اس اطلاع کو ملے جلے جذبات کے ساتھ سنا گیا۔ کمزور دل کنیزہ اور غلام خوف زدہ ہو گئے۔ انہیں خطرہ تھا کہ شاہی گھوڑا کہیں صلاح الدین کو راستہ میں نہ پٹخ دے برخلاف ان کے نجم الدین اور بیگم نجم الدین بہت مسرور تھے۔ انہیں صلاح الدین میں بظاہر کوئی عیب دکھائی نہ دیتا تھا۔ وش شکل، خوش اطوار، شہسواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور تیر اندازی میں ماہر بلکہ طاق اس دور میں امرا اپنے جوان ہونے والے بچوں کو دربار میں خود پیش کرتے تھے بلکہ انتظار کرتے تھے کہ ان کے بیٹے کی شہرت دربار تک پہنچ جائے اور سلطان گھوڑا بھیج کے انہیں طلب کرے۔

صلاح الدین کے دربار جانے کی سب سے زیادہ خوشی زریافت کو تھی۔ وہ پورے محل میں قلانچیں بھرتی پھرتی اور جو ملتا اس سے رازدارانہ لہجہ میں کہتی ـــــ "یاد کرو میں نے کیا پیشین گوئی کی تھی۔ اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔"

Marfat.com

کوئی اس کی بات پر منہ بناتا' کوئی ہنس دیتا اور کسی کو غصہ آتا تو وہ "پگلی" کا خطاب دے دیتا۔ زریافت پگلی کے نام سے پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی لیکن محل کے سیانے جانتے تھے کہ زریافت کے اندر ہے کچھ ضرور۔ ان کے خیال میں یہ قدرت کی دین تھی۔ وہ جس کو جتنا چاہتی ہے دے دیتی ہے۔ اس کا دیا ہو اور کوئی چھین سکتا ہے اور نہ گھٹا بڑھا سکتا ہے۔ آخر زریافت نے اپنی ماں سے ایک نیا مطالبہ کیا۔ "ماں۔ میں امیرزادے سلطان کے ساتھ شاہی محل جاؤں گی۔"

اس کی ماں دنگ رہ گئی۔ "تو واقعی پاگل ہو گئی ہے زریافت۔"

"ماں تم مجھے کب سمجھو گی۔" اس وقت زریافت بھی ماں سے لڑنے پر آمادہ ہو گئی۔ " جب دیکھو پاگل' دیوانی' میری بات کا یقین کیا کرو ماں۔ میں بہت پہنچی ہوتی ہوں۔"

"بس رہنے دے زریافت۔ خدا کے لئے رہنے دے۔" اس کی ماں سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔ "لو اور سنو امیرزادہ کا ابھی دربار سے بلایا ہے۔ پتہ نہیں کل کو کیا ہوتا اور یہ ہے کہ اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہے۔ اری نیک بخت' اسے خیریت سے محل تک پہنچ تو لینے دے۔"

"وہ ـــ وہ پہنچ گئے محل۔ تم فکر کیوں کرتی ہو؟" ۔ "زریافت نے یوں کہا جیسے وقت اور حالات واقعی اس کے قبضہ میں ہیں۔"

"یہ لو ـــ ایک نہ شد دو شد ـــ" ماں نے بڑے تمسخر سے کہا۔ "امیرزادے کو کل صبح دربار جانا اور اس نے انہیں ابھی دربار پہنچا دیا۔ پھر میں کچھ کہوں گا تو بولے گی مجھے پاگل کہہ دیا۔ اری اللہ کی بندی امیرزادہ کل صبح دربار جائے گا اور جائے بھی اس پاگل گھوڑے پر جس نے پچھلے دو ماہ سے اپنے سائیں کو بھی قریب نہیں پھٹکنے دیا۔"

"میں بھی کل ہی کی بات کہہ رہی ہوں اماں ۔" زریافت وہیں کھڑے کھڑے ڑائی۔ "گھوڑا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ جانور ہے ماں اور امیرزادہ انسان ہے۔ گھوڑا تو پیدا ہی اس لئے ہوتا ہے کہ عمر بھر انسان کی رانوں کے نیچے دبا رہے اور وفاداری کا دم بھرتا رہے۔ میں دیکھتی ہوں اسے کیسے دم مارتا ہے ـــ"

اتنے میں امیرزادہ صلاح الدین آگیا۔ زریافت اسے دیکھ کر ایسے ہی ہنسنے لگی۔ اس کی ماں نے فوراً زریافت کا ہاتھ پکڑا اسے گھسیٹتی ہوئی دوسری طرف لے گئی۔ اسے خطرہ تھا کہ وہ نواب زادہ سے بھی ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرے گی۔ صلاح الدین اپنی دھن میں مگن سیدھا اپنی ماں کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اسی رات شاہی اصطبل کا داروغہ بھاگا ہوا نجم الدین کے محل پر آیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ نجم الدین بے خبر سو رہا تھا کہ اس کی

Marfat.com

بیگم نے اسے جگایا۔ نجم الدین ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔

"شاہی اصطبل کا داروغہ آیا ہے۔ ذرا جلدی جا کے دیکھئے کیا معاملہ ہے۔" بیگم کی آواز میں لرزش تھی۔

"داروغہ اصطبل!" نجم الدین آنکھیں ملتا ننگے سر ننگے پیر باہر کی طرف بھاگا۔ راستہ میں کنیز نے اسے جوتا لا کر دیا۔ صدر دروازہ کے پہرہ داروں نے داروغہ اصطبل کو مہمان خانہ میں لا کر بیٹھا دیا تھا۔ داروغہ کے ساتھ دوپٹہ سے منہ ڈھانپے ایک عورت بھی تھی جس کا ہاتھ داروغہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ داروغہ نے کھڑے ہو کر نجم الدین کو سلام کیا۔ نجم الدین جواب دے کر اس عورت کو گھورنے لگا جس میں چھپا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے داروغہ۔ یہ عورت کون ہے؟" نجم الدین نے نرمی سے پوچھا۔

داروغہ کو خود کو سنبھالا۔ "محترم گورنر بہادر۔ یہ عورت اصطبل سے پکڑی گئی ہے۔"

"اس کے ساتھ کون تھا؟ نجم الدین کا دماغ ایک خطرناک خیال سے چکرانے لگا۔

"یہ اکیلی تھی گورنر بہادر ——" داروغہ نے جواب دیا۔ "اور ایک گھوڑے کے پاس ——"

"داروغہ ——" نجم الدین نے اسے ڈانٹا —— "گھوڑے کی چوری کا مسئلہ ہے یا عورت کا کوئی اور معاملہ۔ تم نے ہمیں اس وقت کیوں جگایا۔ اصطبل کے معاملات نمٹانا ہمارا کام نہیں۔"

"حضور —— گورنر —— یہ یہ —— یہ عورت ——"

"ہوش میں آؤ داروغہ کیا کہنا چاہتے ہو؟" نجم الدین نے اسے دوبارہ ڈانٹا تو اس کے ہوش حواس ہی جاتے رہے اور عورت پکڑنے والا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا جس کے ساتھ ہی عورت تڑپ کے اس کی گرفتار سے نکل گئی۔

"تو کون ہے بدبخت؟" نجم الدین نے براہ راست عورت سے سوال کیا۔

"میں —— میں ——" اور عورت نے چہرے پر سے چادر ہٹا دی۔

نجم الدین اس کا چہرہ دیکھ کر چونک پڑا۔ "ارے تو —— تو زریافت ——" پھر جلدی سے سنبھلا تو اصطبل کیوں گئی تھی؟"

"جی —— میں نے کسی سے نہیں پوچھا تھا۔" زریافت نے معصومیت سے جواب دیا۔

"اچھا تو تو نے کسی سے نہیں پوچھا؟" نجم الدین نے غصہ سے سر ہلایا پھر پلٹ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے محل کی دو کنیزیں اور ایک غلام آ کے کھڑے ہو گئے تھے۔

نجم الدین نے ایک غلام سے کہا۔ "محل کے پہرے پر جتنے چوکیدار ہیں سب کو حاضر

Marfat.com

کرو۔"

غلام حکم پا کر باہر کی طرف چلا۔ نجم الدین نے داروغہ سے سوال کیا۔ "تم نے اس لڑکی کو کس جگہ پکڑا تھا؟"

اصطبل کے اندر گھوڑے کے پاس۔" داروغہ نے سہمے لہجے میں جواب دیا۔

"سوال یہ ہے کہ زریافت اندر پہنچی کیسے۔ اصطبل کے تمام پہریدار کہاں مر گئے تھے؟" نجم الدین کا غصہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

"گورنر بہادر ـــ" داروغہ نے کانپتے ہوئے کہا۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ اصطبل کے دروازے کے تمام پہریدار اپنی اپنی جگہ پر چوکس کھڑے تھے۔"

"پھر یہ اندر کیسے گئی؟" داروغہ کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ اڑ کے اندر پہنچ گئی۔" اور نجم الدین غصہ سے ٹہلنے لگا۔ پہرہ اس طرح دیا جاتا ہے یوں تو روز ایک گھوڑا چوری ہوتا ہوگا اور تم پڑے چین کی بنسی بجاتے ہو گے۔؟"

"نہیں سرکار ـــ میں ـــــ"

"یہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے نجم الدین زریافت کے پاس جا کے رک گیا۔ نجم الدین نے زریافت سے پوچھا ـــ "پہلے یہ بتاؤ زریافت کے جب تو ہمارے محل سے نکلی تو پہرے پر کتنے آدمی موجود تھے؟"

"آٹھ پہریدار تھے۔" زریافت نے بے دھڑک کہا۔

نجم الدین اور زیادہ سلگ اٹھا۔ "غضب خدا کا آٹھ پہریدار تھے اور ان میں ایک نے بھی تجھے نہیں ٹوکا۔ کیا وہ سب تیرے دوست ہیں؟"

"نہیں سرکار ـــ قسم لے لیجیے ـــ میں نے آج تک کسی سے بات بھی نہیں کی۔ میں انہیں جانتی ہی نہیں۔" اور زریافت پھوٹ کے رونے لگی۔

"خاموش کھڑی رہ۔ یہ فعل بند کر۔" نجم الدین کا کرخت لہجہ سن کر زریافت فوراً چپ ہو گئی۔

نجم الدین وہاں سے ہٹ کر داروغہ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ "یہ لڑکی گھوڑے کے پاس کھڑی کیا کر رہی تھی؟"

"حضور گورنر بہادر ـــ" داروغہ کے سانس بھر کے کہا "میں حسب معمول رات کی گشت پر تھا۔ جب اصطبل کے صدر دروازہ پر پہنچا تو مجھے اندر سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دروازہ کا قفل ٹٹولا وہ بند تھا۔ پہریداروں کو دیکھا وہ تمام کے تمام حاضر

Marfat.com

اور اپنی اپنی جگہ چاق و چوبند کھڑے تھے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے دروازہ سے کان لگا کر سنا۔ ایک زنانی آواز اب تک آرہی تھی۔ میں نے فوراً قفل کھلوایا۔ چند پہریداروں کو ساتھ لیا اور اندر پہنچا۔ پہریداروں نے شمعیں جلالی تھیں۔ روشنی میں میری نظر لکڑی کے اس جنگلہ پر پڑی جس کے اندر "پاگل گھوڑے" کو باندھا گیا تھا۔"

"کونسا پاگل گھوڑا؟" نجم الدین نے چونک کے پوچھا۔

"وہی حضور جسے کل امیر زادہ صلاح الدین کی سواری کے لئے بھیجا جائے گا۔" داروغہ نے بلا عذر کہہ دیا۔

"اوہ --- وہ منہ زور گھوڑا ---" نجم الدین کے منہ سے اک دم نکل گیا۔

"جی ہاں سرکار۔ وہی گھوڑا۔"

"وہاں کیا کر رہی تھی۔؟" نجم الدین کو گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اسے گمان گزرا کہ کہیں اس کی بیگم یا کسی عزیز نے کوئی سفارش نہ کی ہو۔

"گھوڑے سے باتیں کر رہی تھی کھڑی ---" داروغہ نے گلا صاف کر کے کہا۔

"کیا باتیں کر رہی تھی؟" نجم الدین کو اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم حضور مگر کچھ کہہ ضرور رہی تھی۔ اس سے پوچھ لیجئے سرکار۔"

نجم الدین سوچ میں پڑ گیا۔ زریافت کے بارے میں اسے یہ تو معلوم تھا کہ وہ کچھ جھوٹی بچی پیشن گوئیاں کرلیتی ہے لیکن اس کا گھوڑے سے باتیں کرنا سمجھ میں نہ آتا تھا آخر نجم الدین نے اسی سے سوال کیا۔ "کیوں زریافت تو اصطبل گئی تھی؟"۔

"جی سرکار ---" زریافت نے ڈرے لہجہ میں جواب دیا۔

"تجھے محل جاتے کسی نے نہیں دیکھا۔؟"

"مجھے کیا پتہ سرکار۔"

"ہونہہ۔" نجم الدین زور سے پھنکارا۔ "اس محل کے آدمی اندھے تھے کہ انہوں نے تجھے محل سے نکلتے نہیں دیکھا۔ کیا اصطبل کے تمام پہریدار بھی اندھے تھے تجھے نہیں دیکھ سکے۔"؟

"مجھے کیا معلوم سرکار ---"

نجم الدین کے تلی میں اور لگ گئی۔ چیخ کے بولے --- "تو تو نئی ہے۔ مجھے کیا پتہ --- جی سرکار۔ نہیں سرکار --- ہاں سرکار۔ اس کے سوا بھی کوئی اور جواب ہے۔ اصطبل میں کیوں گئی تھی؟"

زریافت نے کوئی جواب نہ دیا۔ نجم الدین غصہ سے پاگل ہوگئے --- "میں ---

Marfat.com

میں تجھے ـــ " اسی وقت ان کی بیگم بھی اٹھ کے آگئیں۔ انہوں نے چلمن کے پیچھے سے آواز دی ۔ "گورنر صاحب آپ کیوں چیخ رہے ہیں۔ توبہ توبہ ۔ آدھی رات سے زیادہ گزر چکی ہے اور محل میں یہ ادھم۔ کون ہیں یہ لوگ ؟"

اسی وقت بیگم کی نظر زریافت پر پڑی ۔ چیخ کے بولیں ۔ "ارے کمبخت تو اس وقت یہاں کیا کر رہی ہے۔ ذرا ادھر تو آ؟"

زریافت ٹسوے بہاتی چلمن کے پیچھے بیگم کے پاس چلی گئی۔

"یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ ذرا اس سے پوچھئے کہ شاہی اصطبل میں کیوں گئی تھی؟" نجم الدین نے فورا" معاملہ کی تفصیل بیان کردی تاکہ بیگم کسی اور غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

"آپ ان لوگوں کو رخصت کردیجئے پھر اندر آیئے۔ " بیگم یہ کہتی اور اندر چلی گئیں۔

نجم الدین نے اصطبل کے داروغہ کو دیکھا۔ "دیکھو بھئی اب مقدمہ بیگم کے حضور پیش ہوگیا ہے فیصلہ بھی وہی کریں گی۔ تم جاؤ اور اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اگر بات بڑھ گئی تو ہم تمہاری طرف داری کریں گے۔"

شاہی اصطبل کا داروغہ سر جھکا کر چلا گیا۔ نجم الدین محل میں واپس ہوئے۔ راہداری میں پہنچے تھے کہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ " تو گئی کیوں تھی ۔ کس سے پوچھا تھا۔ تو اس محل کی کنیز ہے کہ مالکن ۔ جدھر منہ اٹھا۔ نکل کھڑی ہوئی۔ تیری آنکھوں کا پانی مرگیا ہے۔ ہر پہریدار کو ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ انہوں نے بھی تجھے کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ نہ دن کو دن سمجھتی ہے اور نہ رات کو رات۔ جب جی چاہا باہر نکل گئی۔ کسی کا ڈر خوف تو ہے ہی نہیں تجھے ـــ"

نجم الدین راہداری میں کھڑے ہو گئے تھے اور زریافت پر پھٹکار کی بارش ہو رہی تھی۔ زریافت اور اس کی ماں جسے پوری بات کا علم نہ ہوا تھا۔ چپ سناٹے میں کھڑی تھیں۔ زریافت کو معلوم تھا کہ بیگم کا غصہ جھاگ کے مانند تیزی سے اٹھتا ہے اور پھر جلد ہی بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی ماں بھی سمجھا دیا تھا کہ مالکن یا مالک کو غصہ آجائے تو اسے ٹھنڈا کرنے کا سب سے مجرب نسخہ یہ ہے کہ خاموشی اور مکمل خاموشی اختیار کرلی جائے۔ غصہ کرنے والا تھک ہار کے خاموش ہو جائے گا۔ لیکن آج یہ جھاگ کچھ ایسا زیادہ ہو گیا تھا کہ بیٹھنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

نجم الدین بک بک سنتے سنتے تنگ آگئے تو بیگم کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ بیگم کے سامنے ذرا کم ہی بولتے تھے لیکن بیگم کا تاؤ' اتنے عروج پر تھا کہ خاموش رہنے میں خود ان کی بے

Marfat.com

عزتی کا خطرہ تھا اس لئے بولے اور اس زور سے بولے کہ بیگم بھی ہکا بکا رہ گئیں۔ زریافت کا تو خون ہی خشک ہوگیا۔ "یہ کیا شور ہے۔ کیوں محل سر پر اٹھا رکھا ہے۔ حد ہو گئی اس کنیز کے لئے ہم چھوٹے چھوٹے ملازموں کی خوشامد کرتے پھریں۔ پتہ نہیں یہ کم بخت اصطبل میں کیا کر رہی تھی کہ داروغہ اسے پکڑ کے لے آیا۔"

"قسم لے لیجئے حضور۔ میں تو صرف گھوڑے سے باتیں کر رہی تھی۔" زریافت نے گڑگڑا کے دکھڑا رونا شروع کردیا لیکن نجم الدین نے اسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔

"گھوڑے سے باتیں کر رہی تھی۔ کیا لگتا ہے تیرا گھوڑا۔ اس نے دولتی نہیں ماری تجھے؟" نجم الدین نے زریافت پر برسنا شروع کردیا۔

"غضب خدا کا۔ پانی مرگیا ہے آنکھوں کا۔ عورتیں مردوں سے باتیں کرتی ہیں اور یہ۔" بیگم نے ڈوپٹہ کے پلو کو پہلے جھٹکا دیا پھر شانہ پر ڈالتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف چلیں۔ "ذرا ہونا تو سویرا۔ نکال باہر کروں گی اس کمینی کو۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا بیگم حضور۔ ماں کی قسم۔ میں نے گھوڑے سے صرف باتیں کی تھیں۔" زریافت نے سسکیوں میں کہا۔ اس کی ماں اسے سنبھال رہی تھی۔

"تو پھر کیا جواب دیا تیرے گھوڑے نے؟" بیگم نے جاتے جاتے رک کے پوچھا۔

"اس نے میرا کہا مان لیا۔" زریافت نے بڑے مضبوط لہجہ میں کہا۔

بیگم پھر دو قدم واپس آگئیں۔ "کچھ سنا آپ نے کہتی ہے میں نے گھوڑے سے کہا اور اس نے مان لیا؟"

"اور مان بھی لیا تو اس طرح کہ وہ ہر ایک کو دولتی جھاڑتا اور اس پر ایسا مہربان ہوا کہ باتیں کرنے لگا۔" نجم الدین نے اس طرح کہا جیسے تمسخر اڑا رہا ہو۔

"سچ جانیے سرکار۔ اس نے سر ہلا کر اور پیر زمین پر مار کے وعدہ کیا ہے۔ کل وہ کوئی حرکت نہیں کرے گا۔" زریافت اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی اور نجم الدین اور ان کی بیگم کو قائل کرنا چاہتی تھی۔

"چل اچھا بتا تو نے گھوڑے سے کیا کہا تھا؟" بیگم نے تنگ آکے کہا۔

"میں نے کہا کہ کل جب اپنے امیر زادے سواری کرے تو کوئی بری حرکت نہ کرنا" زریافت نے معصومیت سے بتایا۔

نجم الدین نے بیگم کو دیکھا۔ دیکھا کیسی بات بنائی ہے اس نے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" بیگم تن تنائی ہوئی واپس ہوئیں۔ "صبح ہوتے ہی دونوں کو نکال باہر کروں گی پھر دماغ ٹھکانے آئے گا۔ بہت رعایت کی ہیں۔"

Marfat.com

بیگم دو ہی قدم چلی تھیں کہ زریافت نے نعرہ لگایا۔ "وہ دیکھو آرہا ہے سلطان۔"
بیگم کے قدم اک دم رک گئے۔ نجم الدین نے بھی سر اٹھا کے دیکھا۔ سامنے سے راہداری میں صلاح الدین آنکھیں ملتا آرہا تھا۔ بیگم نے آگے بڑھ کے ممتا کے بازو پھیلا دیئے اور صلاح الدین ان کے گلے لگ گیا۔

"تم کیوں جاگ پڑے بیٹے؟" بیٹے کو دیکھ کر نجم الدین کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔
صلاح الدین نے گلے لگے لگے سرگوشی کی۔ "امی حضور آپ بیچاری زریافت پر کیوں بگڑ رہی ہیں۔ یہ لڑکی کچھ اور ہی طرح کی ہے۔ دنیا میں قسم قسم کی مخلوق ہے۔ ہمیں کیا پتہ کون کس حال میں اور کس روپ میں آتا ہے۔"

بیگم نجم الدین کو دھڑکا سا لگ گیا۔ آہستہ سے بولیں ۔ "توبہ ہے میری ۔ اب میں زریافت کو کچھ نہیں کہوں گی۔وہ تو بس تیری ترقی چاہتی ہے۔"

"چھوڑیئے امی حضور ان باتوں کو ۔۔" صلاح الدین کچی نیند سے اٹھا تھا۔ اس نے ایک جمائی لی۔ "خدا جب کچھ کرنے پر آتا ہے تو اس کے اسباب پیدا کردیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بیٹے ۔۔" پھر بیگم نجم الدین نے زریافت سے کہا ۔ "جاؤ زریافت اپنی ی کے ساتھ۔"

زریافت اور اس کی ماں نے اطمینان کا سانس لیا اور سر پر پیر رکھ کر اس طرح بھاگیں یسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔

نجم الدین نے ماں بیٹوں کو منہ سے منہ ملائے دیکھا تو کہا۔ صلاح الدین کو بھی سونے و۔ صبح اسے جلدی اٹھنا ہے۔"

بیگم نے فوراً" جواب دیا ۔ اسے معلوم ہے۔ بچہ نہیں ہے صلاح الدین۔ آپ جایئے' آرام کیجئے۔"

گورنر نجم الدین بغیر جواب دیئے اپنی آرام گاہ کی طرف چلے گئے۔

"اچھا بیٹے ۔ تم بھی جا کے سو جاؤ۔" سب کے جانے کے بعد بیگم نے کہا ۔ "کل بار میں تمہارا امتحان ہے۔"

صلاح الدین مسکرایا۔ "امی حضور ۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ اس طرح کے سینکڑوں حانوں میں کامیاب ہوا ہوں۔ بس آپ کی دعائیں ساتھ ہونا چاہئیں۔"

"میرے تو روئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے تمہارے لئے۔" بیگم نے دونوں ہاتھوں ے بلائیں لے کر اپنی دونوں کنپٹیوں پر انگلیاں رکھ کے چٹخائیں۔ " اللہ تمہیں کامیاب ے۔ بس اس پاگل گھوڑے کا ذرا خیال آتا ہے۔"

Marfat.com

"امی حضور - آپ کیا فرما رہی ہیں۔ اگر میں ایک منہ زور گھوڑے کو قابو میں نہیں کرسکتا تو پھر باغیوں اور دشمنوں کو کس طرح زیر کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین گردن تن گئی اور مشعلوں کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔"

"آمین - ثم آمین بیٹے - بیگم نجم الدین کے منہ سے دعا نکلی۔

اس صبح مسجد امیہ میں بڑی رونق تھی۔ فجر کی اذان کے وقت حسب معمول مسجد میں آٹھ دس آدمیوں سے زیادہ نہ تھے لیکن پھر کسی طرح شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسجد امیہ میں گورنر دمشق سردار نجم الدین ایوب نماز پڑھنے آئے ہیں۔ یہ نہیں کہ نجم الدین مسجد میں نماز کے لئے آتے نہ تھے۔ وہ اکثر ظہر اور عصر کی نماز مسجد امیہ ہی میں پڑھتے تھے لیکن فجر کی نماز وہ عام طور پر اپنے محل ہی میں پڑھتے تھے۔ مہینوں بعد جب وہ کبھی فجر کی نماز میں اتفاقیہ آجاتے تو دم کے دم میں شہر بھر میں اس کی خبر پھیل جاتی اور لوگ جوق در جوق مسجد پہنچ جاتے۔ لوگ اس لئے آجاتے کہ نجم الدین جب بھی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے نماز کے بعد گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے اپنا اجلاس وہیں لگا لیتے۔ لوگوں کی عرضیاں پڑھتے اور جھگڑے نمٹاتے تھے لوگ اسی خیال سے زیادہ تعداد میں آگئے تھے کہ جامعہ مسجد میں باجماعت نماز کا ثواب بھی حاصل کریں گے اور گورنر دمشق کے سامنے بالمشافہ مقدمات پیش کرسکیں گے۔

نماز کے بعد جب سلام پھیرا گیا تو نجم الدین کی نظر صلاح الدین پر پڑی جو ان سے اگلی صف میں سب سے کنارے پر بیٹھا تھا۔ نجم الدین ایک نیک طبیعت اور دیندار مسلمان تھا۔ صلاح الدین نے یہ خوبیاں اپنے باپ سے سیکھی تھیں۔ وہ نہ صرف نماز باجماعت کا پابند تھا بلکہ صبح کے درس میں بھی شریک ہوتا تھا۔ نجم الدین کو یہ تو علم تھا کہ صلاح الدین نماز روزہ کا پابند ہے لیکن شاید انہیں یہ بات آج ہی معلوم ہوئی تھی کہ وہ فجر کی نماز پڑھنے جامعہ امیہ میں جاتا ہے۔ انہیں یہ بھی امید تھی کہ سلطان نورالدین زنگی آج صلاح الدین کو منتخب کر کے کسی معقول جگہ لگا دیں گے پھر بھی نماز فجر کے لئے مسجد میں آنے کا ان کا خاص مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعا مانگیں گے۔

نجم الدین ایوب نے بڑی رقت سے دعا مانگی پھر جب فارغ ہو کر صلاح الدین کی طرف دیکھا تو وہ اپنی جگہ موجود نہ تھا۔ انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اتنی دیر میں لوگ اس کے گرد دائرہ بنا کے بیٹھے چکے تھے۔ نجم الدین بیٹے کے بارے میں زیادہ کچھ نہ سوچ سکا اور لوگوں کی عرضداشتیں سننے میں لگ گیا۔ صلاح

Marfat.com

الدین گھر پہنچا تو ماں کو سجدہ میں جھکا پایا۔ وہ بیچاری بھی گڑگڑا کے بیٹے کی کامیابی کے دعائیں مانگ رہی تھی۔ صلاح الدین اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ دعا سے فارغ ہو کے ماں نے اس پر پھونک ماری پھر نمناک آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا منہ چوم لیا۔

بیگم نجم الدین کچھ کہنے والی تھیں کہ زریافت بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ بیگم نے اسے گھڑکا۔ "کیا ہوا ہے تجھے۔ کیوں ایسے بے ڈھنگے پن سے بھاگ رہی ہے۔؟"

"جی وہ ـــ لوگ اکٹھا ہو رہے ہیں باہر۔" زریافت ڈری ڈری تھی۔

"لوگوں کا دماغ خراب ہوا ہے۔ کیوں اکٹھا ہو رہے ہیں باہر۔ ان کے گورنر صاحب تو آج مسجد میں ہیں۔ فیصلے کر رہے ہوں گے وہیں۔ اپنا کوئی کام دیکھنے کی انہیں فرصت نہیں۔" بیگم نجم الدین کے جی میں جو آیا وہ کہہ گئیں یا یوں کہنا چاہئے کہ رخصت کرنے آئے ہوں گے۔ دمشق والے کتنی محبت والے ہیں۔"

"خاک محبت کرنے والے ہیں۔" زریافت جل گئی۔ "تماشہ دیکھنے آئے ہیں سارے کے سارے۔"

"تماشہ!" بیگم نجم الدین نے ناک چڑھائی۔ کونسا تماشا ہو گا یہاں؟"

"سرکار ـــ" زریافت بیگم کے پیروں میں بیٹھ گئی۔ ـــ "میں نے تو سنا ہے کہ ـــ"

"بس بس رہنے دے۔ تو اپنی چونچ بند ہی رکھ۔" بیگم بھنا گئیں۔ "یہ سب جھگڑے تیرے ہی پھیلائے ہوئے ہیں۔"

"امی حضور سنئے تو۔ یہ کہنا کیا چاہتی ہے۔؟" صلاح الدین نے اسے شہ دی۔ "ہاں زریافت لوگ کس کا تماشہ دیکھنے آئے ہیں؟"

"آپ کا تماشہ اور کس کا امیرزادے" زریافت نے منہ پھاڑ کے کہا کہ صلاح الدین شرمندہ ہو گیا۔

"سن لیا۔" بیگم نے بیٹے کو تیز نظروں سے دیکھا۔ "اور لگو اس کے منہ۔"

"امی حضور مجھے پوری بات سننے دیجئے۔" صلاح الدین کا لہجہ شاید کچھ تلخ ہو گیا تھا۔ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا۔

صلاح الدین کو اپنے لہجہ پر افسوس ہوا مگر زریافت کی بات سننا بھی ضروری تھی۔ بولا۔ "تو کیا بک رہی ہے زریافت۔ میرا کیا تماشہ ہو گا!"

"خدا نہ کرے آپ کا تماشہ ہو مگر وہ آئے ہیں اسی کے لئے۔" زریافت کھل کے کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح کہے۔" ان کا خیال کہ منہ زور

Marfat.com

گھوڑا آپ کو سواری نہیں کرنے دے گا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" صلاح الدین نے سر ہلایا۔ "اچھا اللہ مالک ہے۔"

بیگم نجم الدین نے ایک نیا فیصلہ کیا۔ "بیٹے تم آج دربار نہ جاؤ۔ کہلوا دو کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"امی حضور۔ کیا فرما رہی ہیں آپ۔ آخر میں کیوں نہ جاؤں دربار؟" صلاح الدین بڑا جز بز ہوا۔

"صبح سے میری دائیں آنکھ پھڑک رہی ہے پھر میں نے بھی گھوڑے کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔" بیگم کہتی جاتی تھیں اور بیٹے کو دیکھتی جاتی تھیں۔

"گھوڑے کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔" زریافت نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"تو نے پھر بکواس شروع کر دی۔" صلاح الدین نے آیا ہوا غصہ زریافت پر اتار دیا۔ "تو نے کیا ٹھیک کر دیا ہے؟"

"ٹھیک۔ ہاں بس بالکل ٹھیک کر دیا ہے۔" زریافت' صلاح الدین کے غصہ سے ڈر گئی۔

"خاموش رہ ـــ" صلاح الدین نے زور سے پھٹکارا۔ "میں نجم الدین ایوب کا بیٹا صلاح الدین ہوں اگر ایک منہ زور گھوڑے کو لگام نہ دے سکا تو پھر میری زندگی کا کیا فائدہ۔ اس سے تو یہی بہتر ہے گھوڑا مجھے اپنی پیٹھ سے اچھال کے ختم کر دے۔

"خدا نہ کرے بیٹے۔ کیا کہہ رہے ہو۔ بیگم گھبرا کے کھڑی ہو گئیں۔

"ایسی بات نہ کہئے امیر زادے۔ میری اور میری ماں کی جان آپ پر قربان ـــ"

"امیر زادے حضور۔ گھوڑا آگیا ہے۔ ایک گھبرائی ہوئی کنیز نے اندر آکر اطلاع دی۔

زریافت کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے دھواں دھواں ہو گیا۔ بیگم نجم الدین کی رنگت بھی پھیکی پڑ گئی۔ صلاح الدین نے ماں اور زریافت پر جھمپتی نظر ڈالی پھر یہ کہتے ہوئے باہر کی طرف چلا۔ " امی حضور۔ بالکل فکر نہ کیجئے۔ ابا حضور سے عرض کیجئے گا کہ سلطان کا بلاوا آگیا میں جا رہا ہوں۔ دربار میں ان کا انتظار کروں گا۔"

پھر صلاح الدین زریافت سے مخاطب ہوا۔ "زریافت میرا انجام کچھ بھی ہو تم امی حضور کا خیال رکھنا۔ خبردار انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ امی حضور کے علاوہ ابا حضور اور گھر کے دوسرے چھوٹے بڑوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا۔"

صلاح الدین باہر کی طرف چلا اور بیگم نجم الدین زریافت اور گھر کے دوسرے تمام

Marfat.com

لوگ بالا خانے کی طرف دوڑے تاکہ اوپر سے باہر کا منظر دیکھیں۔ صلاح الدین باہر پہنچا تو وہاں لوگوں کا اژدحام تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ درمیان میں منہ زور گھوڑا کھڑا تھا۔ اس کے چاروں پیروں کا گلے اور منہ میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں جن کے سرے شاہی غلام پکڑے ہوئے تھے۔ گھوڑا بار بار منہ زوری دکھا رہا تھا۔ وہ اچھلتا تو لوگ اس سے زیادہ اچھل کے پیچھے ہٹ جاتے۔

بالا خانہ پر گورنر کے محل کی تمام خواتین بالکونیوں پر جھکی ہوئی تھیں۔ بیگم نجم الدین کا رنگ فق تھا اور منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ زریافت بھی آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔ صلاح الدین کے برآمد ہوتے ہی شور و غل ختم ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کے جانے کے لئے اپنے درمیان راستہ بنا دیا تھا۔ صلاح الدین کا چہرہ بے تاثر اور سپاٹ تھا۔ وہ پوری طرح مسلح بھی نہ تھا۔ شانے پر ترکش اور کمان بے ترتیبی سے لٹکی تھی۔ کمر کے ایک طرف خنجر اور دوسری طرف تلوار لٹک رہی تھی۔ صلاح الدین کا اس وقت سب سے بڑا ہتھیار وہ ہنٹر تھا جسے وہ مضبوطی سے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔

صلاح الدین نے نظریں اٹھا کر بالا خانہ کی طرف دیکھا لیکن مجمع میں کسی نے اس کی نظروں کا تعاقب نہ کیا۔ مجمع سمجھ گیا تھا کہ اوپر گورنر کے خاندان کی خواتین کھڑی ہوں گی جنہیں صلاح الدین دیکھنا چاہتا ہے صلاح الدین کی نظریں اوپر ہی تھیں کہ زریافت نے بیگم نجم الدین سے سرگوشیوں میں کہا۔

"خدا کی قسم یہ تو واقعی سلطان ہے۔ یہ شان اور تمکنت صرف سلطان کو حاصل ہوتی ہے۔"

اسی کے ساتھ صلاح الدین اپنا ہنٹر آہستہ آہستہ گھماتا منہ زور گھوڑے کی طرف بڑھا۔

Marfat.com

صلاح الدین کا شکوہ

زریافت نے سرگوشی کی۔ "خدا کی قسم یہ شان اور تمکنت تو صرف سلطان ہی میں ہو سکتی ہے۔"

اور بیگم نجم الدین کو یوں لگا جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ان کے کان میں انڈیل دیا ہو۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے زریافت کی چوٹی پکڑ لی۔ "کمبخت تیری زبان کسی وقت تو بند ہوا کرے۔"

"نوچ ڈالئے سارے بال۔ مار ڈالئے مجھے لیکن جو کان سے سنوں گی اور آنکھوں سے دیکھوں گی وہ کہوں گی ضرور۔" زریافت نے احتجاج کرنے کے لئے اپنا سر ذرا اور بیگم کی طرف بڑھا دیا۔

"موت کے دہانہ پر کھڑا ہے اور تجھے سلطان نظر آرہا ہے۔" بیگم نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا۔

"سلطان کی یہی شان ہوتی ہے گورنر بیگم۔" اکھاڑ ڈالئے سارے بال۔ مگر یہ کہے دیتی ہوں کہ بھٹی میں پگھلنے کے بعد ہی سونا کندن ہوتا ہے۔ بیگم جی' میں جو دیکھ رہی ہوں وہ آپ کی آنکھیں دیکھ سکتیں۔ وہ ——— وہ دور جو غبار اٹھ رہا ہے اس کے پرے دیکھئے۔ سمندر کا کنارہ۔ دوسری طرف اڑتی ہوئی رات اور اپنا امیر زادہ' سلطان صلاح الدین کے روپ میں گھوڑا اڑاتا اور تلوار گھماتا دشمنوں کے غول میں گھستا چلا جارہا ہے۔" زریافت نے یوں کہا جیسے واقعی یہ منظر اس کی نظروں کے سامنے ہے۔

"تجھ سے تو پناہ ہے زریافت۔" بیگم نے اس کی چوٹی چھوڑ دی اور زریافت نیچے کی طرف جھکی پڑی۔

Marfat.com

نیچے محل کے دروازہ پر امیرزادہ صلاح الدین منہ زور گھوڑے کے گرد ایک چکر لگا کے اس کے منہ کی طرف آ کے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی نظریں گھوڑے کے چہرے پر تھیں۔ منہ زور گھوڑا بھی صلاح الدین کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ صلاح الدین نے ایک سائیں کے ہاتھ سے رسی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ باقی رسیاں دوسرے سایئوں کے ہاتھ میں تھیں۔ صلاح الدین نے رسی بائیں ہاتھ میں سنبھالی پھر دائیں ہاتھ کے ہنٹر کو ہوا میں لہرایا جس سے ایک آواز پیدا ہوئی۔

صلاح الدین نے سایئوں کو حکم دیا۔ "ایک ایک کر کے باقی تمام رسیاں گھوڑے پر سے کھول دی جائیں۔"

حکم کی تعمیل ہوئی۔ کچھ دیر بعد گھوڑا بالکل آزاد کھڑا تھا صرف ایک رسی اس کے گلے میں پڑی تھی جس کا سرا صلاح الدین کے ایک ہاتھ میں تھا اور دوسرے ہاتھ میں ہنٹر تھا جسے وہ ہوا میں لہرا رہا ہے۔ پھر جانے اس منہ زور گھوڑے کو کیا سوجھی کہ وہ زور سے ہنہنا کے پچھلے دو پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ کچھ تماشائی خوف کھا کے بھاگ اٹھے۔ بیشتر مرد اور عورتیں خدا سے صلاح الدین کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ صلاح الدین گھوڑے سے آنکھیں ملائے کھڑا تھا۔ چند لمحوں تک لوگوں پر بڑا خوف طاری رہا۔ بالا خانہ پر تو تمام کنیزیں زور زور سے آیات قرآنی پڑھ رہی تھیں صرف زریافت کے ہوش و حواس درست تھے اور وہ بیگم نجم الدین کو سمجھا رہی تھی۔

"بالکل فکر نہ کیجئے بیگم حضور۔ امیرزادے کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں نے گھوڑے کو سمجھا دیا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ بال بیکا نہیں ہوگا امیرزادے کا۔ میں گھوڑے کو سمجھانے ہی گئی تھی کہ مجھے داروغہ کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ آپ جانتی ہیں میں چور نہیں۔ گھوڑا چرا کے بھی میں کیا کروں گی۔ میری کوٹھڑی میں مشکل سے چار چارپائیاں بچھتی ہیں۔ کمبخت گھوڑے کو کہاں باندھوں گی۔"

بیگم نجم الدین کو رہ رہ کے غصہ آ رہا تھا۔ کان ان کے زریافت کی طرف لگے تھے مگر نظریں صلاح الدین اور گھوڑے پر لگی تھیں۔ گھوڑا اس طرح چپ چاپ دو پیروں پر کھڑا تھا جیسے مداری کی ڈگڈگی کی آواز اور چھڑی کے اشارے پر بندر تن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب بیگم نجم الدین اس کی باتیں سنتے سنتے عاجز آ گئیں تو انہوں نے جھلا کر دعاؤں کا سلسلہ وقتی طور پر بند کر کے زریافت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ "تیری زبان میں کیڑے پڑ جائیں تو اچھا ہے۔ کمبخت ایک لمحہ کو چپ نہیں ہوتی خدا نہ کرے اگر گھوڑے نے میرے بچہ پر حملہ کر دیا

Marfat.com

تو تیری چٹیا مونڈ ڈالوں گی۔"

"مجھے منظور ہے قلعدارنی بیگم۔" زریافت نے بڑی سنجیدگی سے سینہ پر ہاتھ رکھ کے جواب دیا۔ "صرف چٹیا ہی نہیں میرا پورا سر منڈوا دیجئے گا۔ خدا کی قسم اف نہیں کروں گی۔ میں جھوٹ نہیں بولا کرتی۔ پکا کام کیا ہے میں نے۔ جب تک گھوڑے نے سر ہلا کر میری بات نہیں مانی تھی۔ میں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ گھوڑے کو میں نے صاف بتا دیا تھا کہ میرے فرشتے نے مجھے بتایا کہ امیر لاڈلے آسمان پر سلطان بنائے ــــ"

"چپ ہو جا۔ اری چپ ہو جا۔ خدا تجھے موت دے۔" بیگم نے صلاح الدین اور گھوڑے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ "دیکھ اب وہ ظالم کیسا سر ہلا رہا تھا کہیں ــــ"

"بیگم جی۔ میری بات کا یقین کیجئے۔ غلام بن جائے گا گھوڑا۔ آپ دیکھتی تو رہئے۔" زریافت کی گفتگو میں اس قدر اعتماد تھا جیسے وہ آگے آنے والی ہر بات سے واقف ہو۔

زریافت کی بات ختم ہوئی تھی کہ دو پیروں پر کھڑے گھوڑے نے پیر نیچے کر لئے اور چاروں پیروں پر معمول کے مطابق کھڑا ہو گیا۔ زریافت چیخی "دیکھا بیگم جی۔ میں نہ کہتی تھی کہ گھوڑا رام ہو جائے گا۔ کیسا منہ جھکائے کھڑا ہے۔"

گھوڑا نہ صرف چپ چاپ کھڑا ہوا تھا بلکہ وہ اس قدر مودب نظر آ رہا تھا جیسے بچے استاد کے سامنے ہوتے ہیں۔ تماشائیوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑتی تھیں۔ خاموشی اور خوف کی فضا ختم ہو گئی تھی اور ہر ایک اپنے خیال اور عقل کے مطابق رائے زنی کر رہا تھا۔

"اسے کہتے ہیں شاہی رعب۔" ایک نے تبصرہ کیا۔ "پہلے کیسا اچھلا کودا اور اب بھیگی بلی بنا کھڑا ہے۔"

"بھائی تم نے منہ کی بات چھین لی۔" دوسرے نے اور دون کی ہانکی۔ "راجوں اور شاہوں کے سامنے پالتو جانور تو الگ رہے جنگلی درندے بھی دم نہیں مارتے۔ تم نے سنا نہیں شاہ سمرقند کا قصہ؟"

قصہ کے نام پر دو چار اور متوجہ ہو گئے۔ بھائی ہمیں بھی سناؤ شاہ سمرقند کا قصہ۔ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟"

قصہ کا نام لینے والے کے گرد مجمع سا لگ گیا۔ اس نے فخریا غرور سے سر اونچا کیا۔ زور سے کھنکار کر ایک طرف جھک کر تھوک نکالا پھر واضح آواز میں بولا۔ شاہ سمرقند کا قصہ بھی کیا عجیب قصہ ہے۔ سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ میں اب بھی جب بھی اس قصہ کے

Marfat.com

بارے میں سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ـــــ"

ایک دل جلے نے آواز لگائی ـ" ارے قصہ سناؤ گے یا ڈینگیں ہی مارتے رہو گے۔"

قصہ سنانے والا بگڑ گیا ـ "میں ڈینگیں مار رہا ہوں تو جاؤ راستہ ناپو۔ نہیں سناتا میں۔"

دوسرے تماشائی فوراً" بیچ میں پڑ گئے۔ "معاف کرو یار۔ کوئی دیوانہ ہوگا جو درمیان میں دخل دے رہا ہے۔ تم شروع تو کرو ہم سب سن رہے ہیں۔"

"ہاں یہ بات ہوئی ناں۔" سنانے والے کا سینہ پھول گیا۔" معلوم نہیں کہیں سے آجاتے ہیں پاگل لوگ ـــــ"

چھوڑ بھی یار ـ خاک ڈالو اس پر۔ تم سناؤ قصہ۔"

قصہ سنانے والا نہال ہوگیا۔ اس نے چاروں طرف نظریں گھما کر یوں دیکھا جیسے خیرات بانٹنے والے دیکھتے ہیں ـ پھر ایک بار اور کھنکارا اور گردن تان کر بولا۔ "تو میرے بھائیوں یہ قصہ ہے اس شاہ کا جو بادشاہ تھا سمرقند کا۔

مجمع نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ بھلا بات کو طول دینے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھے الفاظ میں کہہ دیا ہوتا کہ یہ شاہ سمرقند کا قصہ ہے۔ مجمع کو برا تو بہت لگا ہوگا مگر بولا کوئی نہیں اس ڈر سے کہ کہیں قصہ سنانے والا پھر نہ اکڑ جائے اور وہ بادشاہ سمرقند اور اس کے قصہ سے محروم رہ جائیں۔ وہ بڑی بے چینی سے کھڑے اس کا منہ دیکھ رہے تھے کہ اب وہ اگلا لفظ کہے اور اصل قصہ شروع کرے مگر وہ خاموش بت بنا کھڑا تھا۔

مجمع میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی اور اس پہلے آدمی نے جس نے قصہ کہنے والے پر اعتراض کر کے اس کے غصہ کو بھڑکایا تھا اس نے ایک بار پھر کالی زبان کھولی مگر آواز دبا کے رکھی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دوسرے سے سرگوشی کی۔ "بھائی ذرا آگے بڑھ کے دیکھو تو ـــ کہیں اسے سانپ تو نہیں سونگھ گیا۔"

اسے سانپ تو نہیں سونگھا تھا لیکن وہ واقعہ کی کڑیاں ملا رہا ہے پس وہ اک دم بولا۔ "ہاں بھائیوں تو میں کہاں تک پہنچا تھا؟"

"پہنچو گے کہاں۔ ابھی تو تم نے پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا۔" مجمع میں سے کسی نے جل کے کہا۔

قصہ سنانے والا گھبرایا اور شرمندگی سے بولا۔ قصہ ہی کچھ ایسا عجیب و غریب ہے کہ میں اس کی کڑیوں میں الجھ کر رہ گیا۔

"خدا کے لئے اب کڑیوں سے نکل آیئے اور قصہ سنایئے۔" ایک اور آواز ابھری۔

Marfat.com

غیر معقول جوا دیا کہ کئی آدمی ہنس دیئے۔ سوچنے کی بات تھی کہ سب لوگ وہاں امیر زادے اور منہ زور گھوڑے کو دیکھنے آئے تھے یا اس کا قصہ سننے۔ بعض لوگ اپنے آپ میں اس قدر مگن ہوتے ہیں کہ دوسروں کے جذبات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔ وہاں موجود لوگ گھوڑے اور امیر زادہ صلاح الدین کا آخری انجام دیکھنے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے اور وہ تھا کہ آئی کانی کر رہا ہے اور بات کو مسلسل طول دیئے جارہا تھا۔ اس کے بعد اس نے مجمع کو کئی منٹ تک ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رکھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ منہ زور گھوڑے کا کوئی طویل قصہ نہ تھا۔ اسے یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ضرب المثل کی عملی تشریح تھی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا یا یہ کہ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یہ سب مفروضے' محاورے اور ضرب المثل ہیں۔ اگر کوئی واقعہ ضرب المثل کے مطابق ہو جائے تو اسے بہت شہرت ملتی ہے اور اگر انجام الٹا ہو تو سب کان دبا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہوسکے اور ضرب المثل جوں کی توں چلتی اور مشہور رہے۔

سمرقند کا بادشاہ کا قصہ یہ ہے کہ اس شاہ نے اپنے دارالسلطنت جس کا نام بھی سمرقند تھا ایک چڑیا گھر کھول رکھا تھا چڑیا گھر شاہ کی ذاتی ملکیت تھی لیکن جمعہ اور اتوار کو وہ عام لوگوں کے لئے کھول دیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک اتوار کو جبکہ مرد' عورتیں اور بچے' پرندوں اور درندوں کے پنجروں اور کٹہروں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے' اس وقت ایسا اتفاق ہوا کہ چڑیا گھر کی کسی غلطی کی وجہ سے شیر کے پنجرے کا دروازہ کھلا رہ گیا یا پھر اتفاقیہ دروازہ کھل گیا۔ بس پھر کیا تھا شیر صاحب بڑے اطمینان سے کٹہرے سے نکلے اور باہر میدان میں ہرے بھرے سبزے پر لیٹ کے دھوپ سینکنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں یہ بات پھیل گئی کہ شیر اپنے پنجرے سے نکل کے چڑیا گھر کے میدان میں میٹر گشتی کر رہا ہے۔ پھر کیا تھا لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔ لوگ جوتے چھوڑ چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ عورتیں ایسی بدحواس ہوئیں کہ اپنے بچوں کو بھی افراتفری میں نہ اٹھا سکیں اور جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر نکل بھاگی۔ کچھ ہی دیر میں چڑیا گھر ویران ہوگیا۔

چڑیا گھر کے کار پردازوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ افسران تو اپنے اپنے کمروں میں میں بند ہو کے بیٹھ گئے اور چھوٹے ملازمین کو حکم ہوا کہ شیر کو پکڑیں اور کسی طرح اسے کٹہرے میں واپس لے جائیں۔ سب سے زیادہ مصیبت درندوں کو گوشت ڈالنے والے کی تھی۔ شیر بھیڑیئے اس سے مانوس تو تھے۔ وہ کٹہرے کے اندر بھی چلا جاتا تھا لیکن اس وقت درندے مجبور ہوتے تھے۔ گوشت دینے والے کے ساتھ انسیت یا مجبوری کے تحت

Marfat.com

درندے اس سے کچھ نہ بولتے تھے اور اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے منہ دوسری طرف کرلیتے تھے لیکن اب معاملہ ایک آزاد اور خود مختار شیر کا تھا جسے نہ تو گوشت دینے والے سے مروت کا خیال ہو سکتا تھا اور نہ گوشت کھانے کی فکر تھی۔ اس کے سامنے دور دور تک چرند پرند اور بھاگتے ہوئے انسان تھے وہ کسی کو لقمہ بنا سکتا تھا۔

شیر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک نفیس الطبع درندہ ہے۔ سوائے ہرن کے اپنے سے کمزوروں پر بہت کم حملہ کرتا ہے۔ یہ شیر کچھ ضرورت سے زیادہ شریف معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر سبزے پر لیٹنے کے بعد طبیعت ترنگ میں آئی تو چڑیا گھر کے احاطہ سے باہر نکل آیا۔ اب تو طوفان ہی آگیا۔ لوگ دکانیں چھوڑ چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہاٹ بازار بند ہوگئے۔ یکے ' تانگے اور بیل گاڑیوں کو چلانے والے بھاگ گئے تھے اور سواریاں بیچاری گاڑیوں میں جتی ہوئی اپنے گاڑی بانوں کو کوس رہی تھیں۔

شیر کی چہل قدمی کی خبر پورے دھول پور میں پھیل گئی تھی۔ گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر شاہ کے کانوں تک پہنچی کہ آپ کے چڑیا گھر کا شیر پورے بازار میں چکر لگا رہا ہے اور اگر جلد ہی قابو میں نہیں کیا گیا تو جنگل کا رخ کرے گا اور پھر ہر دن اور ہر رات انسانوں کو لقمہ بنایا کرے گا۔ کہتے ہیں کہ شاہ کو جلال آگیا۔ ان کے لئے یہ بھی مشہور تھا کہ کسی زمانہ میں انہوں نے چیتے کے دو بچے پالے تھے۔ ان کے گلوں میں زنجیریں پڑی تھیں اور بادشاہ ان کی زنجیریں پکڑ کر اکثر باغ کی سیر کو نکلتے تھے۔

بہرحال شاہ سمرقند نے فوراً" گھوڑا منگوایا ادھر آدمی گھوڑا لئے بھاگا اور ادھر بادشاہ پوری طرح مسلح ہوا پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور شیر کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

شیر پھرتا پھراتا ایک کنویں میں پر آیا جس پر پانی بھرنے کے لئے ایک گراری تھی۔ اس علاقہ میں کنویں بہت گہرے ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ شیر نے پہلے جھانک کے کنویں میں دیکھا لیکن گہرائی کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہ آیا تو ایک زور دار دھاڑ مار کر کنویں کی ٹھنڈی اور کچی جگہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ گرمی کا زمانہ تھا سر کو ٹھنڈک جو پہنچی تو سوگیا۔ گہری نیند۔

یہ وہ وقت تھا کہ سمرقند کا بادشاہ شیر کو ڈھونڈتا ہوا کنویں کے قریب پہنچا۔ شیر نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کے ایک بار آنکھ کھول کے دیکھا پھر شاید غنوگی زیادہ تھی اس لئے پھر سر رکھ کے لیٹ گیا۔ شاہ کے ساتھ صرف دو آدمی تھے۔ ایک سمرقند کا سپہ سالار دوسرا ان کا خاص غلام۔ شیر اور ان کے درمیان مشکل سے تیس فٹ کا فاصلہ تھا۔ سپہ سالار نے تلوار کھینچ لی اور شیر کو مارنے کے لئے آگے بڑھا لیکن شاہ نے اسے منع

Marfat.com

کر دیا۔

شاہ محل سے روانگی کے وقت حکم دے آئے تھے کہ شیر کا کٹہرہ بھیج دیا جائے۔ یہ کٹہرہ شیر کے ادھر ادھر لانے لیجانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ کٹہرا ان کے پیچھے پیچھے لایا جارہا تھا اس وقت تک کٹہرا بھی آگیا تھا۔ شاہ نے کٹہرے والے کو حکم دیا کہ وہ کٹہرے کا دروازہ کھول کے اسے آگے شیر کی طرف بڑھائے اور اس وقت تک آگے بڑھاتا رہے جب تک وہ بالکل کنویں کے پاس نہیں پہنچ جاتا۔

شاہ نے وہیں گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔ "چل بیٹے گلاب اپنے کٹہرے میں چلا جا۔"

شاہ نے شیر کا نام گلاب رکھا تھا اور اکثر شیر سے اٹکھیلیاں کرنے چڑیا گھر جاتے تھے یا شیر کا کٹہرہ محل میں منگوا کے دل بہلا لیتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے شیر ان سے مانوس ہو گیا تھا۔ شاہ کی آواز پر شیر نے گردن گھما کر دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں اور شیر جسے جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے اپنی جگہ سے اٹھا اور کٹہرے میں داخل ہو گیا۔ شیر کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب اسے شاہ سمرقند کی خوش بختی کہئے یا شیر کے مزاج کی نفاست کہ اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر تو اس واقعہ کا ایسا چرچا ہوا کہ یہ ایک ضرب المثل بن گئی اور جب سے اب تک بیان ہو رہی ہے۔

یہ اس قصہ کا خلاصہ ہے جسے قصہ گو نے بڑے ہیر پھیر اور زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ بیان کیا اور لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں۔ اس پر داد تحسین کے ڈونگر برس ہی رہے تھے کہ ایک طرف شور بلند ہوا۔۔۔

"دوڑو ۔۔ دوڑو ۔۔ پکڑو پکڑو۔"

"گھوڑا امیر زادے کو لے اڑا"

"نہیں ۔ امیر زادہ گھوڑا اڑا لے گیا۔"

"دوڑو ۔ بچاؤ امیر زادے کو۔"

بالا خانہ پر کہرام مچا ہوا تھا۔ بیگم نجم الدین پچھاڑیں کھا رہی تھیں۔ زریافت شرمندہ اور خجل۔ اس کے تو آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ کیسے کیسے دعوے کئے تھے اس نے بیگم کے سامنے۔ دوسری کنیزوں نے آکے بیگم کو سنبھالا۔ زریافت کو چپ سی لگ گئی تھی۔ کہاں کا دربار اور کہاں صلاح الدین ۔ گورنر کے محل والوں کو بیگم کی فکر لگ گئی تھی۔ کسی نے کہا گورنر کو بلاؤ، کوئی بولا ، وہ مسجد میں تھے مگر دربار چلے گئے ہیں۔ زریافت شرمندہ اور سہمی تھی مگر عقل کی بات اسی کو سوجھی۔ اس نے ایک غلام سے کہا کہ پہلے مسجد امیہ

Marfat.com

جائے اگر گورنر وہاں موجود نہ ہوں تو دربار جائے اور گورنر کو ساتھ لے کے آئے۔ غلام ادھر بھاگا ادھر زریافت نے حکیم صاحب کو بلا بھیجا۔ حکیم صاحب بھاگم بھاگ پہنچے۔ بیگم کی نبض دیکھی تو ان کی نبض بھی درست ہوئیں۔ جو غلام انہیں بلانے گیا تھا اس نے حکیم صاحب سے کہا تھا کہ قبلہ جلد چلئے۔ بیگم صاحبہ کا چل چلا کا وقت ہے۔ گورنر بہادر کو بلوایا گیا ہے وہ شاید ہی زندگی میں منہ دیکھ سکیں۔ حکیم اس خبر سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے۔ ان کا مکان محل سے دور نہ تھا لیکن ایک تو ضعیفی کا عالم دوسرے بیگم کی بیماری کی خبر کا بوجھ ان سے چلا نہ جارہا تھا اور غلام انہیں تقریباً" گھسیٹ کے محل تک لایا تھا۔

بیگم کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ تندرستوں کی طرح قلانچیں بھر رہی تھی۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک مشروب کا ایک چمچہ ان کا منہ زبردستی کھول کر حلق میں اتارا گیا۔ حکیم صاحب کا خیال درست تھا کہ کسی فوری صدمہ سے اعصاب میں تشنج پیدا ہوا جس سے غنودگی اور نیم بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کنیزیں بیگم کو گھیرے کھڑی تھیں اور ہر زبان سے "اللہ شافی ۔ اللہ کافی" کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد بیگم نے آنکھیں کھول دیں اور حکیم اللہ اللہ کرتے واپس ہوئے۔

ادھر امیر زادہ پر یہ افتاد پڑی کہ اس نے کچھ دیر گھوڑے سے آنکھیں ملانے کے بعد سائیس سے کہا کہ اس کا پورا ساز لایا جائے۔ اس نے بتایا کہ سلطان نے اس گھوڑے کو اپنے لئے پسند کیا تھا اور بہت خوبصورت اور زرنگار رکاب لگام اور گدی وغیرہ بنوائی تھی لیکن وہ پورا ساز جوں کا توں اصطبل کے اسٹور میں رکھا ہے۔ گھوڑے نے کسی کو قریب ہی پھٹکنے نہیں دیا۔ امیر زادہ صلاح الدین نے اصرار کر کے ساز منگایا لیکن اس ساز پر نظر پڑتے ہی گھوڑے نے اچھلنا کودنا شروع کردیا۔ صلاح الدین نے مجبور ہو کر اپنے گھر سے ایک ساز منگوایا اسے دیکھ کر گھوڑے نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ پس گھوڑے پر ساز چڑھایا گیا۔ صلاح الدین نے آخری رسی بھی کھلوا دی اور لگام تھام کے اللہ کا نام لیا اور جست لگا کر گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ پشت پر پوری طرح جم بھی نہ سکا تھا کہ گھوڑے نے ایک فراٹا بھرا اور پھر یہ جا وہ جا میدان سے غائب ہوگیا۔

بقول زریافت گھوڑا پہلے ہی رام ہو چکا تھا۔ اس کی پشت پر سواری شاید پہلی مرتبہ بیٹھی تھی اس لئے الف ہو کر بھاگا۔ صلاح الدین نے کئی گھوڑے سدھائے تھے۔ کئی گھڑ دوڑوں میں حصہ لے چکا تھا لیکن اس گھوڑے کی رفتار دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ ایک بجلی تھی یا چھلاوہ۔ امیر زادے نے لاکھ لگامیں کھینچیں لیکن گھوڑے نے ایک نہ مانی بلکہ جتنا کھنچاؤ پڑتا اس کی رفتار اتنی ہی زیادہ ہوتی جاتی۔ صلاح الدین نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا

Marfat.com

اور لگامیں ڈھیلی کر دیں۔

منہ زور گھوڑا ایک گھنٹہ تک پوری رفتار سے اپنی مرضی کی سمت میں بھاگتا رہا۔ صلاح الدین نے کوئی دخل نہ دیا صرف گڑھے اور جھاڑیاں بچاتا رہا۔ اب گھوڑا پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ اس کی رفتار آپ ہی آپ کم ہو گئی۔ تب امیر زادہ صلاح الدین نے گھوڑا کا رخ شاہی محل کی طرف پھیرا۔ گھوڑا دلکی چلتا ہوا شاہی محل کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اس عرصہ میں امیر نجم الدین کو اطلاع مل چکی تھی کہ سلطان کا منہ زور گھوڑا امیر زادہ صلاح الدین کو لے کر کسی سمت نکل گیا ہے۔ انہیں یہ اطلاع مسجد امیہ میں ملی تھی جہاں وہ عوام کی درخواستوں پر احکام صادر کر رہے تھے۔ اس سے پہلے انہیں یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ سلطان نے منہ زور گھوڑا بھیج کر امیر زادہ کو دربار میں طلب کیا ہے۔ دربار اگرچہ دن چڑھے لگتا تھا لیکن امیر زادہ کو شاید اس وجہ سے صبح ہی صبح طلب کیا گیا تھا کہ وہ دربار کے لگنے سے پہلے ہی دربار میں آنے والے تمام امراء سے متعارف ہو جائے۔

گھوڑے کا امیر زادہ کو اس طرح اڑا لے جانا ایک طرح اغوا تھا۔ پہلے زمانہ میں دیو اور پریاں خوبصورت شہزادیوں اور شہزادوں کو اڑا کے لے جاتے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال منہ زور گھوڑے نے امیر زادہ کا کیا تھا۔ امیر نجم الدین بیٹے کے اک دم غائب ہو جانے کی خبر سن کے سیدھا دربار عالی میں پہنچا۔

"عالی جاہ۔" امیر نجم الدین نے پروقار لہجہ میں کہا۔ "میں اس لئے حاضر نہیں ہوا کہ عالیجاہ کو اپنے غم میں شریک کروں بلکہ میں عالیجاہ کے سے ایک اور التماس کرنے حاضر ہوا ہوں۔"

"امیر نجم الدین۔" شاہ نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "تم ہمیں اپنے غم میں شریک کرو یا نہ کرو لیکن یقین کرو کہ صلاح الدین کے اس طرح غائب ہو جانے کا صدمہ ہمیں بھی اتنا ہی ہے جتنا تمہیں ہوگا۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم نے ایک ہونہار جوان کو اپنے رسم و رواج کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہم اس ذہین اور شجاع امیر زادہ کو دیکھنا چاہتے تھے جس کی تعریفیں سنتے سنتے وہ ہماری نظروں میں ایک انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہستی بن چکا ہے۔" شاید سلطان کی بات ختم نہ ہوئی تھی اس لئے امیر نجم الدین نے جواب نہیں دیا اور انتظار کرتا رہا۔ اس کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ قدرے انتظار کے بعد سلطان نے کہا۔ "ہاں امیر۔ ایسے اہم اور غمناک موقعہ پر تم کسی اور قسم کی کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

"عالیجاہ۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ میرے غم میں شریک ہیں۔" نجم الدین نے اپنا

Marfat.com

غم دباتے ہوئے کہا۔ " جیسا کہ حضور عالی نے فرمایا کہ اس حادثہ کی بنا محض ہمارا رسم و رواج ہے۔ میں اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ منہ زور گھوڑا جب واپس آجائے تو اسے فوراً" قتل کرا دیا جائے کیونکہ ایسا وحشی گھوڑا کسی اور ہونہار جوان کی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔"

" ٹھیک ہے۔ ہم وقت آنے پر اس پر غور کریں گے۔ اس وقت تم امیرزادہ کی زندہ و سلامت واپسی کی دعا کرو کہ یہی ہماری دعا ہے۔ "سلطان فوراً" سر جھکا لیا تاکہ نجم الدین اس سلسلہ میں مزید کوئی گفتگو نہ کرے۔

لیکن نجم الدین کی بات ابھی ادھوری تھی۔ اس نے متانت سے کہا۔ "عالیجاہ۔ میں صلاح الدین کی طرف سے قطعی فکر مند نہیں۔۔۔"

"کیا کہہ رہے ہو نجم الدین؟ " شاہ نے چونک کے نجم الدین کو دیکھا۔ "صرف ہم ہی نہیں بلکہ محل کے تمام مرد و زن صلاح الدین کے لئے فکر مند ہیں۔"

"عالیجاہ ۔ میں فکر مند اس وقت ہوں جب صلاح الدین خدانخواستہ خود کشی کے ارادے سے نکلا ہو۔ وہ تو اپنے سلطان کے حکم سے گھوڑے پر سوار ہوا تھا۔" نجم الدین نے بڑے استقلال سے کہا۔ " اگر صلاح الدین گھوڑے سے گر کر وفات پاتا ہے تو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوگا کیونکہ اس نے گھوڑے پر سواری ہی سلطان کے حکم سے کی ہے اور اگر اسے گھوڑے نے گرا کر ہلاک کردیا تو میں سمجھوں گا کہ اس میں سلطان کی غلامی کی اہلیت نہیں تھی اور اس صورت میں اس کا زندہ رہنا بیکار تھا۔"

"سبحان اللہ۔ " سلطان نور الدین زنگی کی زبان سے اک دم نکل گیا۔ "تم دونوں بھائیوں کی یہی وہ خوبیاں ہیں جو ہمیں تمہارے مرتبے بڑھانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ صلاح الدین زندہ و سلامت واپس آئے گا اور ہمارے فیض صحبت سے دربار میں اعلیٰ مقام ۔۔۔۔"

بعض وقت انسان کے منہ سے نکلی ہوئی آواز فوراً" مستجاب ہو جاتی ہے۔ سلطان کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ دربار کا ایک پہریدار اندر آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہوگیا کہ یہ طریقہ اذن گفتگو کی درخواست پیش کرنے کا تھا۔

نور الدین نے اس سے دریافت کیا۔ "تم یقیناً" کوئی نیک خبر لائے ہو گے!"

"جی ظل سبحانی ۔" غلام نے فوراً جواب دیا۔

"پھر کہتے کیوں نہیں نیک خبر میں دیر نہیں ہونی چاہئے ۔ " سلطان کے چہرے پر بشاشت آگئی تھی۔

Marfat.com

"عالیجاہ۔ امیرزادہ صلاح الدین حاضر خدمت ہیں اور قدم بوسی کے خواہشمند ہیں۔"
امیر نجم الدین کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔
سلطان نور الدین کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی۔ "دیکھا تم نے نجم الدین ہم نہ کہتے تھے کہ صلاح الدین زندہ واپس آئے گا۔" پھر فوراً" غلام کی طرف پلٹ کے دریافت کیا۔ "صلاح الدین کس طرح آیا ہے۔ پیدل یا سواری پر؟"

"سواری پر عالیجاہ۔" غلام نے جواب دیا۔

"کس سواری پر۔ گھوڑے پر آئے ہیں کیا؟"

"جی عالیجاہ۔ غلام نے جواوب دیا۔ "امیرزادہ اسی منہ زور گھوڑے پر سوار ہیں جس کے قریب پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔"

"بہت خوب ــــ" اور سلطان نے دلچسپی سے نجم الدین کو دیکھا۔
اسی وقت اسد الدین شیرکوہ داخل ہوئے۔
سلطان نے مسرت سے پر لہجہ میں کہا۔ "شیرکوہ تم نے کچھ سنا ــ ہم نے جو گھوڑا خریدا تھا اور جو کسی کے قابو میں نہ آتا تھا اسے صلاح الدین نے قابو کرلیا ہے۔ ہے نا یہ عجیب بات؟"

"جی عالیجاہ۔ شیرکوہ نے جواب دیا۔ "اس عجیب بات کو میں نے سنا نہیں بلکہ آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"عالیجاہ۔ میں صلاح الدین کو اس گھوڑے پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر آرہا ہوں۔" شیرکوہ نے اس فخر کے ساتھ کہا کہ آج صلاح الدین کی دربار میں موجودگی خود اس کی تحریک کی وجہ سے ہوئی۔ سلطان نے صلاح الدین کی شہرت سن لی تھی لیکن اسے بلایا اسد الدین شیرکوہ کی سفارش اور تحریک پر گیا تھا۔
"بے شک شیرکوہ۔" پتہ نہیں سلطان نے کس جذبہ کے تحت کہا پھر چند لمحے رک کر بولا۔ "اگرچہ مابدولت نے اب تک صلاح الدین کو بچشم خود نہیں دیکھا لیکن اس کا گھوڑے کو قابو کرنے کا واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تم نے کسی غلط آدمی کی ہمارے سامنے سفارش نہیں کی تھی۔ تم اور نجم الدین دونوں جاؤ اور اس دلاور کو دربار میں ہمارے سامنے احترام سے پیش کرو کہ وہ شجاعت اور دلاوری کا نمائندہ ہے۔"
اسد الدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب آداب بجا لا کر باہر چلے گئے۔ واضح رہے کہ سلطان نور الدین زنگی اس وقت تک محل سے نکل کے دربار میں نہیں آیا تھا۔ اس کا دربار

Marfat.com

بھی اسی محل میں سجتا تھا لیکن وہاں سلطان شاہی لباس میں پوری شان اور تزک و احتشام کے ساتھ جاتا تھا۔ آج صبح ہی سے یہ واقعات تلے اوپر پیش آگئے تھے اس لئے وقت ہونے کے باوجود وہ اب تک دربار نہ پہنچ سکا تھا حالانکہ آج کے دربار کا اعلان اس نے ایک دن پہلے ہی کرا دیا تھا۔

نور الدین زنگی نے حلب پر قبضہ کرتے ہی اپنی الگ امارت کا اعلان کردیا تھا لیکن اپنے سلطان ہونے کا اس وقت تک اعلان نہیں کیا تھا جب تک دمشق پر اس کا مکمل قبضہ نہیں ہو گیا اس نسبت سے اب وہ دور و نزدیک سلطان دمشق ہی کے نام سے مشہور تھا۔ خلیفہ بغداد نے بھی اسے خلیفہ بغداد تسلیم کرلیا تھا۔ دربار لگا تو صلاح الدین کو دربار میں اس طرح لے جایا گیا کہ اس کے ایک طرف اسد الدین شیرکوہ اور دوسری جانب خود اس کے والد امیر نجم الدین ایوب چل رہے تھے۔ صلاح الدین کو دربار میں اس جگہ لے جا کر کھڑا کیا گیا جہاں عام طور پر غیر ملکی سفیر یا مہمان پیش کئے جاتے تھے۔

دربار کچھا کھچ بھر گیا تھا لیکن سلطان معظم اب تک تشریف نہ لائے تھے۔ پھر تمام درباریوں کی صدائیں بلند ہوئیں جو اس بات کا اعلان تھا کہ سلطان معظم اعلیٰ حضرت نور الدین زنگی دربار میں تشریف لا رہے ہیں۔ درباری اپنی اپنی جگہ پر مودب ہو گئے۔ نور الدین زنگی نہ صرف اسلامی دنیا کا سب سے زیادہ عظیم سلطان تھا بلکہ شام کی تمام عیسائی ریاستیں نور الدین زنگی کی عسکری قوت کی قائل تھیں اور ان میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ اپنی متحدہ قوت سے سلطان کے حملہ کو روک سکیں یا اس پر حملہ کرنے کی جرات کریں۔

سلطان نور الدین زنگی کے دربار میں بہت کم امرا کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ اس کے باپ عماد الدین کے دربار میں بھی بہت کم لوگوں کو کرسیوں پر بیٹھنے کا اعزاز حاصل تھا۔ نور الدین نے وہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس کے باپ کے زمانہ کے زیادہ امراء موصل میں رہ گئے تھے یا پھر نور الدین کے سلطان حلب ہونے کے اعلان کے بعد موصل منتقل ہو گئے تھے۔ شیرکوہ ہمیشہ سے نور الدین زنگی کے ساتھ تھا اس لئے اسے اور اس کے بھائی نجم الدین ایوب دونوں کو دربار میں نشست ملتی تھی۔ سلطان کے آگے ایک نقیب آواز لگاتا چلتا تھا۔ اس کے پیچھے سلطان کا عصا بردار ہوتا تھا جس کے عقب میں سلطان نور الدین چلتے تھے۔ ان کے دائیں بائیں وفادار غلاموں اور کنیزوں کا ایک دستہ ہوتا تھا جو سلطان کو اپنے جلو میں لے کر آتا تھا۔

دربار اور سلطان کی خواب گاہ کے درمیان کئی حریری پردے پڑے تھے۔ سلطان خواب

Marfat.com

گاہ سے نکل کر جوں جوں آگے بڑھتا جاتا تھا ایک ایک کر کے پردے اٹھتے جاتے تھے جس وقت سلطان کا نقیب اور عصا بردار دربار کے پردے سے ظاہر ہوا تو وہ درباری جو پہلے سے کھڑے تھے اپنی جگہ مودب ہو گئے اور جن خوش نصیبوں کو بیٹھنے کی سعادت حاصل تھی وہ بھی سلطان کے احترام میں بسرو قد کھڑے ہو ئے۔ سب درباریوں کی نظریں فرش پر لگی تھی۔ اس عالم میں سلطان نے داخل ہو کر مسند شاہی سنبھالی۔ عصا بردار نے سلطان کے دائیں جانب عصا رکھنے کی جگہ پر عصا لگا دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"امیر شیر کوہ۔" سلطان کی آواز گہری خاموشی میں ابھری۔ "اس خوش قسمت جوان کو پیش کرو جس نے ہمارے منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دی ہے۔"

شیر کوہ اور امیر نجم الدین دونوں برابر کھڑے تھے۔ شیر کوہ نے مسکرا کے پہلے بھائی کو دیکھا پھر آہستہ قدم اٹھاتا اس جگہ گیا جہاں صلاح الدین کو کھڑا کیا گیا تھا۔ صلاح الدین کو نکھیوں سے چچا شیر کوہ کو دیکھ رہا تھا۔ شیر کوہ نے اس کے قریب پہنچ کے اشارہ کیا۔ صلاح الدین فوراً" قدم بڑھا کر شیر کوہ کے عقب میں آگیا پھر دونوں بے آواز چال کے ساتھ آگے پیچھے سلطان کے تخت کے بالکل مقابل پہنچ گئے۔

شیر کوہ کی آواز اس کے تن و توش کی طرح بھاری بھرکم تھی۔ اس نے آواز دباتے ہوئے کہا "عالیجاہ۔ وفادار تخت و تاج دمشق امیر زادہ صلاح الدین قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔

سلطان جس کی نظریں صلاح الدین پر پہلے ہی جمی ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے بے ساختہ "ماشاء اللہ" نکلا اور اس وقت صلاح الدین نے خم ہو کر تسلیم و تعظیم پیش کی۔

"صلاح الدین۔ تم نے شاہی گھوڑے کو سدھا کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم میں ایک اچھے شہسوار کی صفات موجود ہیں لیکن ایک اچھے شہسوار کے لئے ضروری ہے کہ وہ تیر اندازی اور شمشیرزنی میں بھی مہارت رکھتا ہو۔" یہ کہہ کر سلطان جواب سننے کے لئے خاموش ہو گیا۔

شیر کوہ نے آنکھ بچا کر اسے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ اپنی ذہانت کا ثبوت دے۔ صلاح الدین پر سلطان اور سلطان کے دربار کا رعب پہلے ہی طاری ہو چکا تھا لیکن چچا کے اشارے نے اسے سہارا دیا اور اس نے خم کر کے کہا۔ "عالیجاہ۔ ناچیز نے اگرچہ فنون سپہ گری کے ہر شعبہ میں تربیت حاصل کی ہے اور ہر استاد نے میری تربیت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے لیکن مجھے میرے بزرگوں نے ذہن نشین کرایا ہے کہ سپاہی کا سب سے بڑا استاد اس کا آقا یعنی شاہ وقت ہوتا ہے لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے اپنے آقائے نعمت کی

Marfat.com

کمان میں کسی جنگ میں اپنے فن کے مظاہرہ کا موقع نہیں ملا اور نہ سلطان معظم کے فیض کا سائیہ مجھ ناچیز پر پڑا ہے مجھے علم نہیں آقائے نامدار کسی غلام کی تیر اندازی اور شمشیر زنی کا کس طرح امتحان لیا کرتے ہیں اس لئے میں صرف تعمیل حکم ہی کر سکتا ہوں۔"

"سبحان اللہ۔" سلطان نے تعریف کی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھتیجے نے علم کلام کی بھی تعلیم حاصل کی ہے۔؟"

"عالیجاہ۔" شیر کوہ نے ادب سے جواب دیا۔ "امیر زادہ صلاح الدین کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا لیکن اس بات کی گواہی دے سکتا ہوں کہ میرا بھتیجا روزانہ جامعہ دمشق جاتا ہے اور وہاں علامہ ابن ابی عرسون کے درس میں شریک ہوتا ہے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ایک اچھے دامن سے وابستہ ہوا ہے۔" پھر سلطان نے ایک دم اس گرانڈیل شخص کو دیکھا جسے کئی بار صلاح الدین بھی دیکھ چکا تھا۔ "کو ہکن یہ نوجوان ہمارے سائیہ فیض میں آنا چاہتا ہے۔ اسے بتاؤ کہ بادولت کو کیسے شمشیر زن پسند ہیں۔"

اس شخص کو سلطان نے "کو ہکن" کا خطاب عطا فرمایا تھا اور وہ اب اسی نام سے مشہور تھا کو ہکن سلطان کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا تھا۔ اس نے فوراً جھک کے سلطان کو سلام کیا اگرچہ گردن اور جسم جھکانے میں اسے پسینہ آگیا تھا۔ اس پسینہ کی وجہ دن کی گرمی نہیں بلکہ اس کا بھاری جسم تھا جو ایک جمے ہوئے گوشت کے پہاڑ کے مانند تھل تھل ہو رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ باہر چلا گیا۔ صلاح الدین سمجھ گیا وہ کوئی ایسی چیز لینے گیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اس کا امتحان لے گا۔ سلطان ان عرضیوں کو دیکھنے میں لگ گیا جو اسے پیش کی گئی تھیں۔ سلطان ایک عرضی اٹھا کر پڑھتا پھر اس وقت اسی پر احکام صادر فرماتا۔

کچھ دیر بعد کو ہکن دربار میں واپس آگیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک لوہے کی موٹی سلاخ تھی اور دوسرے ہاتھ میں دو نیچے نیچے اسٹول تھے۔ اس وقت سب کی نظریں گھوم کر کو ہکن پر لگ گئی تھیں کو ہکن نے دونوں اسٹول کچھ فاصلہ سے رکھ دیئے پھر دونوں اسٹولوں کے اوپر وہ سلاخ رکھ دی جس سے وہ ایک پل سا بن گیا۔

کو ہکن نے بڑے ادب سے سلطان کی طرف دیکھا۔ "عالیجاہ۔ اجازت ہو تو میں ایک چھوٹا سا کرتب دکھاؤں۔"

کو ہکن نے صلاح الدین کو دیکھا۔ "نوجوان اس کرتب کو دیکھو اور جب تم بھی اس کام کرنے میں ماہر ہو جاؤ تو ظل اللہ کی غلامی کی خواہش کرنا۔"

امیرزادہ صلاح الدین اس طنز پر بلبلا اٹھا اور اس کا ہاتھ بیساختہ قبضہ شمشیر کی طرف

Marfat.com

گیا فوراً" اسے احساس ہوا کہ وہ اس وقت شاہ دوراں سلطان نور الدین زنگی کے دربار میں ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ واپس کھینچ لیا۔ لیکن دل میں یہ فیصلہ ضرور کیا کہ اگر موقعہ ملا تو وہ گوشت کے اس پہاڑ سے اس کی گستاخی کا بدلہ لے گا۔

"شاہ دوراں سلطان نور الدین زندہ باد"

اس کے ساتھ ہی کو ہکن نے سر سے بلند تلوار کو پوری طاقت سے لوہے کی موٹی سلاخ پر دے مارا۔ پھر لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ اسٹولوں کے درمیان یہ لوہے کی مضبوط سلاخ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ یقیناً" یہ ایک بڑا کارنامہ تھا۔ تلوار کے وار سے سر تو تن سے جدا کیا جاسکتا ہے لیکن اتنی موٹی لوہے کی سلاخ کو دو حصوں میں کاٹنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ہر درباری کی زبان پر کو ہکن کے لئے تحسین و آفرین کے الفاظ تھے۔ بعض لوگ تو خوشی سے بے خود ہو کر ناچنے لگے تھے۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ گوشت کا یہ پہاڑ مٹی کا ڈھیر نہیں بلکہ اس میں غیر معمولی طاقت بھی ہے۔ سوائے صلاح الدین کے اور تمام لوگ کو ہکن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔

صلاح الدین اس دیوپیکر کو ہکن کو حقارت سے دیکھتا ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ "شاہا۔ غلام کو بھی دربار میں اپنی تلوار بے نیام کرنے کی اجازت عطا کی جائے کیونکہ غلام بھی اسی قسم کا ایک چٹکلہ پیش کرنے کی کوشش کرنے کا خواہشمند ہے۔؟"

"اجازت ہے۔" سلطان نے اسے بھی فوراً" اجازت دیدی۔

اب درباریوں کی نظریں امیر زادہ صلاح الدین کے گرد جمع ہو گئیں۔ لیکن سب لوگ حیران تھے کہ امیر زادہ صلاح الدین وہ کونسا تماشہ یا کرتب پیش کرے گا جو کو ہکن سے اگر زیادہ نہیں تو اس کے برابر تعجب انگیز ہو۔ نجم الدین نے فکر مند نظروں سے شیر کوہ کو دیکھا۔ شیرکوہ خود اسی فکر میں غلطاں تھا۔ اس کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آرہا تھا۔

امیر زادہ صلاح الدین ' سلطان سے اجازت حاصل کر کے آگے بڑھا۔ اس نے سلاخ کے ان دونوں ٹکڑوں کو یکجا کیا جو کو ہکن کی بھاری تلوار کے وار سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ پھر صلاح الدین نے دونوں اسٹولوں کو اس طرح رکھا کہ ان میں کچھ فاصلہ رہے اور سلاخ کے دونوں ٹکڑوں کو برابر برابر اسٹولوں پر جما دیا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں ابل پڑیں۔ صلاح الدین کے اس اہتمام سے صاف ظاہر تھا کہ وہ تلوار کے وار سے کو ہکن سے دو گنا موٹی سلاخ کو توڑنے کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ حاضرین نے دانتوں میں انگلیاں دبا لیں۔ کو ہکن تو خیر ایک پیشہ ور پہلوان تھا۔ اس کا جسم' کلائی اور تلوار اس قدر وزنی تھی جس سے وار کر کے کو ہکن نے سلاخ کے دو حصے کر دیئے تھے لیکن صلاح الدین جس کا

Marfat.com

جسم درمیانہ تھا اور جو ابھی اپنے عنفوان شباب ہی میں تھا۔ اس سے یہ توقع عبث معلوم ہوتی تھی کہ وہ اپنی تلوار سے سلاخ کے ان دو ٹکڑوں کو چار ٹکڑوں میں تبدیل کر دے گا۔

لیکن اس نے جو کچھ کر دکھایا اس کا یقین درباریوں کو دیر تک نہ آیا۔ امیر زادہ نے شمشیر آبدار نیام سے کھینچی۔ سر سے بلند کی۔ شمشیر بجلی کی طرح چمک کے سلاخوں کے دو ٹکڑوں پر گری اور دوسرے ہی لحہ ایک جھٹکے دار آواز کے ساتھ دو ٹکڑے چار ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئے بالکل اسی طرح جیسے کسی نے کچی شاخوں کو مروڑ کے توڑ دیا ہو۔ اس دفعہ جو تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا اس سے پورا دربار اور اس کے درودیوار گونج اٹھے۔ نجم الدین ایوب کا جی چاہا کے دوڑ کے بیٹے کو سینہ سے لگالے اور شیر کوہ کو یوں محسوس ہوا جیسے صلاح الدین اس کے بھائی کا نہیں بلکہ خود اس کا بیٹا ہے۔

نجم الدین ایوب اور شیر کوہ کے سر فخر سے بلند ہو گئے۔ شیر کوہ کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے دربار عالی میں جس نوجوان کو پیش کیا اس نے خود کو اس کا اہل ثابت کردیا۔ ادھر نجم الدین کے سر سے یہ بوجھ اتر گیا کہ اس کے مخالف صلاح الدین کو ایک کٹھ ملا اور کتابی کیڑا کہتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ دربار میں موجود تھے۔ وہ صلاح الدین کی طاقت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ سلطان نور الدین زنگی ایسا خوش ہوا کہ گلے میں پڑا جواہرات کا ہار اتار کر صلاح الدین کی طرف اچھال دیا۔ اس سے پہلے کو بکن کے فن سے متاثر ہو کر سلطان نے اسے بھی ایک ہیرے کی انگوٹھی انعام دی تھی۔

"صلاح الدین ۔ سلام ہے اس ماں کو جس نے تم جیسے بہادر کو جنم دیا۔ " سلطان کا چہرہ فرط مسرت سے چمک رہا تھا۔ " تم نے ثابت کردیا کہ تم امیر نجم الدین کے بیٹے اور امیر اسد الدین شیر کوہ کے بھتیجے ہو۔ ہم تمہارے والد اور چچا کو مبارک باد پیش کرتے ہیں"

نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ کے سر پہلے سے بھی زیادہ جھک گئے۔

سلطان کے خاموش ہونے پر صلاح الدین نے مودب ہو کر کہا۔ اے شاہا۔ لوہے کو ہمیشہ لوہا کاٹتا ہے اس لئے تلوار سے لوہے کی سلاخ کو دو اور چار ٹکڑوں میں تقسیم کردینا کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس میں شمشیر زنی کے کسی فن کے بجائے تلوار چلانے والے کی کلائی کی طاقت اور کٹنے والی سلاخ کی ساخت کو زیادہ دخل تھا۔ لیکن اگر اعلیٰ حضرت اس غلام کو اجازت عطا فرمائیں تو میں اہل دربار کے سامنے تلوار کا ایک ایسا شعبدہ پیش کروں گا جس میں صرف اور صرف شمشیر زنی کے فن کا دخل ہوگا"۔

سلطان نے حیرانی سے صلاح الدین کو دیکھا اور حکم دیا "شعبدہ پیش کیا جائے۔ ہم منتظر ہیں۔"

Marfat.com

صلاح الدین نے فوراً اپنی عبا اٹھائی اور نیچے پہنے ہوئے ریشمی کرتے کے دامن کا ایک ٹکڑا پھاڑ لیا پھر اس ٹکڑے سے اس نے دو چوکور رومال بنائے ایک رومال اس نے اندر کی جیب میں رکھ لیا اور دوسرا ریشمی رومال ہوا میں لہرا کر چھوڑ دیا۔ رومال لہراتا ہوا اس طرح نیچے آرہا تھا جیسے پرندہ پر کھول کر فضا میں تیرتا ہے۔ جب رومال صلاح الدین کے سر سے صرف ایک فٹ کی اونچائی پر رہ گیا تو صلاح الدین نے اپنی شمشیر سے رومال پر اس طرح وار کیا کہ رومال ہوا میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ ریشم کا ہوا میں اس دو برابر کے ٹکڑوں میں کٹ جانا ایک ناقابل یقین بات تھی کیونکہ ریشم کٹنے کی بجائے یا تو پھسل جائے گا یا تلوار کے ساتھ لپٹ جائے گا لیکن صلاح الدین نے اس صفائی سے وار کیا کہ اس کی تلوار اڑتے ہوئے رومال کے بالکل درمیان میں پڑی۔ چونکہ تلوار کی دھار پر رومال کے دونوں حصوں کا وزن برابر تھا اس لئے وہ رومال دو حصوں میں کٹ گیا۔ صلاح الدین کے اس فن کی ہر ایک نے تعریف کی اور سلطان جس کی نظروں میں صلاح الدین چڑھ چکا تھا اب اس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سلطان نے صلاح الدین کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ نجم الدین اور شیرکوہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ صلاح الدین اس قدر ماہر شمشیرزن بن چکا ہے کہ اس کی تلوار کی کاٹ نہ صرف لوہے کی سلاخ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتی ہے بلکہ وہ ہوا میں ریشم کے رومال کو دو کر سکتا ہے۔

ادھر درباری صلاح الدین پر تحسین و آفرین کی بارش کر رہے تھے اور ادھر صلاح الدین ہوا میں اڑتے ہوئے ریشم کے ان ٹکڑوں کو بغور دیکھ رہا تھا جو اس کی تلوار نے کئے تھے اور جو اس وقت آہستہ آہستہ زمین کی طرف لہراتے ہوئے آرہے تھے۔ صلاح الدین کے انداز سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس کا شعبدہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے اور وہ اس شعبدہ میں کوئی اور شعبدہ دکھانا چاہتا تھا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ صلاح الدین اپنے پہلے فن کے اظہار کے بعد ایک اس سے بھی زیادہ مشکل فن کا اظہار کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

صلاح الدین نے جس وقت تلوار کے وار سے ریشمی رومال کو دو حصوں میں کاٹ کے تقسیم کردیا تھا اسی وقت سے اس کی نظریں رومال کے ان دونوں ٹکڑوں کو جو ہوا میں لہراتے زمین کی طرف گر رہے تھے، بغور دیکھ رہا تھا۔ درباری اور خود سلطان اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے لیکن صلاح الدین ان سے بے پروا صرف رومال کے اڑتے ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ کھلی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اچانک صلاح الدین کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے اپنی تلوار کو ریشم کے اڑتے ہوئے دونوں ٹکڑوں کے نیچے لے جا کر اس زور سے انہیں کھینچا کہ وہ بار پھر دو نیم ہو گئے یعنی ریشمی رومال کا ہر ایک ٹکڑا دوبارہ

Marfat.com

مزید دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کمال اور منظر کو دیکھ کر سلطان مسرت یا حیرت میں اپنی مسند پر کھڑا ہو گیا۔ درباریوں کے نعروں' شور اور تحسین و آفرین سے ایک قیامت بپا ہو گئی۔ بعض لوگوں کے گلے خشک ہو گئے اور آنکھیں جیسے پتھر ہو گئیں۔

سلطان نے صلاح الدین کو ایک اور قیمتی ہار سے نوازا۔ اب تو ہر امیر نے اٹھ اٹھ کے صلاح الدین کو اپنے اپنے گلوں میں پڑے جواہرات اور موتیوں کے ہار پہنانا شروع کر دیئے۔ نجم الدین اپنے بیٹے کی کامیابی' اعزازات اور انعامات پر خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ یہی حال اسد الدین شیر کوہ کا تھا جو منہ سے تو کچھ نہیں بول رہا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی وقت بھی دوڑ کر صلاح الدین کو اپنی گود میں اٹھا لے گا۔

آج کا دن کتنا مبارک تھا اور اس کا آغاز کتنے اچھے واقعہ سے ہوا تھا۔ سلطان نور الدین زنگی ایک ابھرتے ہوئے کرد نوجوان سے متعارف ہوا تھا۔ ایک باپ نے اپنے ہونہار بیٹے کو شاہ وقت کی نظروں میں چڑھتے دیکھا تھا اور شیرکوہ اس لئے خوش تھا کہ وہ صلاح الدین کو سلطان کے حضور پیش کر کے شرمندہ نہ ہوا تھا بلکہ وہ سینہ تان کے کہہ سکتا تھا کہ اے سلطان میں نے آپ کو مایوس نہیں کیا بلکہ ایک ایسا گوہر دیا ہے جو سلطنت دمشق میں ماہتاب اور آفتاب بن کے چمکے گا۔

صلاح الدین کو سلطان کے حلقہ امراء میں شامل کرلیا گیا۔ سلطان کے امرا کے دو حلقے تھے ایک حلقہ پختہ عمر اور ذہن کے مالک امرا کا حلقہ جنہیں سلطان ہر اہم معاملہ میں مشورہ کے لئے طلب کرتا تھا۔ دوسرے وہ امرا جو دراصل امیر زادے ہوتے تھے لیکن سلطان انہیں ابھرتے ہوئے امرا کے حلقہ میں شامل کرتا تھا۔ یہ حلقہ جس میں عام طور سے جوان اور نوجوان امیر زادے ہوتے ۔ ان پر سلطان خصوصیت سے مہربان ہوتا تھا۔ انہیں باقاعدہ تو تنخواہ نہ دی جاتی تھی لیکن انہیں حق تھا کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے جس قدر رقم چاہیں شاہی خزانے سے حاصل کریں۔ وزیر خزانہ کے دفتر میں ان کا پورا حساب رکھا جاتا تھا اور سلطان جب چاہتا کسی کا حساب بھی دیکھ سکتا تھا۔ امیر زادے سلطان کے خوف کی وجہ سے شاہی خزانے سے کچھ طلب کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ بہرحال اس اعلان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کسی سے بے گار لینے کا عادی نہ تھا اور تہواروں اور دوسرے خوشی کے موقعہ پر اس حلقہ کے جوانوں کو قیمتی تحائف اور نقد رقم بھی دیا کرتا تھا۔

اب صلاح الدین کا زیادہ وقت دربار یا پھر اس اقامت گاہ میں کٹتا جہاں اس گروہ کے جوان رہتے تھے۔ یہ ایک قسم کا سرکاری بورڈنگ ہاؤس تھا جہاں زیادہ تر وہ جوان مقیم

Marfat.com

تھے جو اپنے گھروں میں رہنا پسند نہ کرتے تھے یا پھر جن کے گھر کسی دوسرے شہر میں تھے
دربار سے منسلک ہونے کا صلاح الدین کو ایک فائدہ تو یہ پہنچا کہ اس کے تعلیم و تربیت
طریقے بدل گئے۔ صلاح الدین نے اس بورڈنگ میں رہنا شروع کردیا تھا اس لئے جامعہ
امیہ میں درس میں شرکت کا موقعہ کم ہی ملتا تھا۔ خالص علمی کتابوں کا مطالعہ بھی کسی حد
تک کم ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ سپہ گری کے علم و فن نے لے لی تھی۔ صلاح الدین کو ہر
ہفتہ شکار پر جانا پڑتا۔ یہ اس کے فرائض میں داخل تھا۔ وہ پہلے بھی نماز پڑھتا تھا لیکن اب
اس میں باقاعدگی آگئی تھی پیش امام فجر اور عشاء کی نماز کے بعد جو وعظ دیتے اس میں فلسفہ
جہاد کا تفصیلی ذکر ہوتا۔

صلاح الدین باپ کے گھر بہت کم جاتا۔ اس کے اطوار بھی کچھ بدل گئے۔ سب کو
تعجب تھا کہ وہ جوان جو صرف و نحو کی گتھیاں سلجھاتا اور جامعہ امیہ کے درس کا عادی تھا وہ
باپ کے محل میں ٹکتا ہی نہ تھا۔ صلاح الدین کو نیزے کی نوک اور تلوار کی دھار رکھنے
میں زیادہ مزہ آنے لگا تھا۔ عجیب بات ہے کہ صلاح الدین کو بھاگتے گھوڑے سے پشت کی
طرف تیر پھینکنے کی بھی کافی مہارت ہو گئی تھی۔ حالانکہ یہ فن ترکمانوں اور ان کے بعد
وحشی منگولوں کا محبوب فن تھا اور جس نے صلاح الدین کے تقریباً" پچاس سال بعد فروغ
حاصل کیا تھا۔ اسے اپنے نئے مشغلوں سے جب بھی فرصت ملتی وہ گھر ضرور جاتا۔ ماں کے
پہلو میں بیٹھ کے ان کی دعائیں سمیٹتا۔ باپ سے دربار میں ملاقات ہو جاتی تھی۔ محل میں
ان کے علاوہ زریافت اور اس کی ماں تھی۔ ان دونوں کو پہلے کنیز کا درجہ حاصل تھا۔ جب
سے زریافت کی منہ زور گھوڑے کے متعلق پیشین گوئی سچ ہوئی تھی اس وقت سے ان کے
دن رات بدل گئے تھے۔ زریافت کی ماں کو بیگم نجم الدین ایوب نے اپنی بہن بنا لیا تھا اور
زریافت کو بیٹی کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بیگم نے اعلان کردیا تھا کہ وہ جیسے اپنی بیٹی ربیعہ
خاتون سے محبت کرتی ہیں اسی طرح ان کے لئے زریافت بھی ہے اس طرح زریافت اب
گھر کی ایک فرد بن گئی تھی۔ ماں بیٹی دونوں محل میں کنیزوں کے بجائے اب مالکوں کی
طرح رہتی تھی۔ صلاح الدین میں کبھی چھچھورا پن پیدا نہیں ہوا۔ وہ ہر عورت کو ماں اور
لڑکی کو بہن کا رتبہ دیتا تھا اور اب چونکہ اس کی ماں نے زریافت کو بیٹی بنا لیا تھا اس وجہ
سے صلاح الدین کی نظروں میں اس کی عزت اور بڑھ گئی۔

زریافت کی شہرت گورنر محل سے نکل کر دور دور پھیل گئی۔ محلات شاہی میں بھی
زریافت کا اکثر چرچا ہوتا تھا لیکن بات ابھی لونڈی غلاموں تک تھی ورنہ شاہی بیگمات نے تو
بیگم نجم الدین کا دماغ ہی کھا لیا ہوتا۔ بڑے گھرانے کی خواتین یوں بھی کچھ وہمی ہوتی ہیں

Marfat.com

اگر خدانخواستہ شوہر کچھ ایسا ویسا مل جائے تو پھر مزاروں کے پھیرے اور زندہ پیروں جن میں اسی فیصد بناوٹی ہوتے تھے کے ڈیروں پر روز سلامی ہوتی تھی۔ یہ اطلاع کسی طرح صلاح الدین کے دوستوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ نوجوان امیر زادوں کو کچھ زیادہ کام نہ ہوتا تھا اس لئے زریافت اور اس کی پیشین گوئیوں کا اکثر تذکرہ ہوتا۔ بعض نوجوانوں میں تو زریافت سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔

صلاح الدین تک یہ بات کئی بار پہنچی کہ امیر زادوں کے اس حلقہ سے بعض جوان اور نوجوان زریافت سے مل کر اپنی تقدیر کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ صلاح الدین ذرا سخت قسم کا جوان تھا۔ اسے زریافت کی پیشن گوئیوں پر کامل یقین تو نہ تھا پھر بھی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس کے شناسا اس کے ذریعہ زریافت تک پہنچ کے اسے پریشان کرتے رہیں۔ زریافت اگرچہ اس کی بہن نہ تھی لیکن اس کی والدہ زریافت کو اب کچھ زیادہ پسند کرنے لگی تھیں اس وجہ سے بھی وہ جھگڑا مول نہ لینا چاہتا تھا لیکن ادھر کچھ دنوں سے امیر زادہ ظفر اس سلسلہ میں اسے بہت پریشان کر رہا تھا۔ امیر زادہ ظفر امیر نصر کا بیٹا تھا۔ وہی نصر جس کے بڑے بیٹے کی شادی ایران میں ہونے والی تھی لیکن اسے سلطان سے چھٹی نہ مل رہی تھی پھر صلاح الدین کے چچا شیر کوہ کی سفارش پر اسے اصفہان ایران جانے کی رخصت ملی تھی۔ ظفراس امیر کا دوسرا بیٹا تھا اور سلطان کی اس اقامتی تربیت گاہ میں صلاح الدین کے ساتھ رہتا تھا۔

امیر زادہ ظفریوں تو بڑا نیک اور سنجیدہ جوان تھا لیکن زریافت کے معاملہ میں وہ بہت منچلا اور بے صبر ہوگیا۔ کچھ دنوں سے تو امیر زادہ ظفر کے تقاضوں میں شدت پیدا ہو گئی تھی اور جب بھی صلاح الدین باپ کے محل جانے کے تیار ہوتا ظفراڑ کے کھڑا ہو جاتا کہ وہ اس کے ساتھ چلے گا۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر اس نے کہا۔ "یوسف آج میں تمہارے ساتھ محل ضرور چلوں گا۔"

یوسف' صلاح الدین کی عرفیت تھی۔ بعض کا خیال تھا کہ یوسف' صلاح الدین کی کنیت ہے اور بچپن میں وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ یوسف کا خطاب سلطان نور الدین نے اسے دیا تھا۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ لفظ یوسف اس لقب کا ایک ٹکڑا ہے جو لقب صلاح الدین نے اپنے سلطان ہونے پر اختیار کیا تھا۔ چنانچہ تاریخوں میں صلاح الدین کا نام صلاح الدین یوسف الناصر لکھا گیا ہے۔

امیر زادہ ظفر کا یہ مطالبہ یا درخواست نئی نہیں تھی بلکہ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار یہی درخواست کر چکا تھا اور صلاح الدین نے ہنس کے کسی نہ کسی بہانے اسے ٹال دیا تھا۔

Marfat.com

اس وقت ظفر کچھ سنجیدہ نظر آرہا تھا اس لئے صلاح بھی سنجیدہ ہوگیا۔

"دیکھو ظفر ۔۔۔" صلاح الدین نے اسے سمجھایا۔ "تمہارا میرے گھر آنا جانا میری نظر میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ تم میرے دوست ہو اور اس کی خبر میرے گھر والوں کے علاوہ سلطان معظم کو بھی ہے۔ لیکن وہ گھر صرف میرا گھر نہیں بلکہ دمشق کے گورنر کا محل بھی ہے جس میں گورنر کا دفتر ہے جہاں وہ اجلاس لگاتا ہے۔ تم حکومتی معاملات میں سلطان کی سخت گیری سے واقف ہو۔ کان بھرنے والوں کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا اور دشمنوں کی اس دور میں کوئی کمی بھی نہیں ۔۔۔"

"مگر ان باتوں سے میرا کیا تعلق۔ میں صرف زریافت سے ملنا چاہتا ہوں ۔" ظفر نے احتجاج کیا۔

"زریافت' محل سے الگ نہیں ظفر ۔۔۔" صلاح الدین نے زور دے کر کہا۔ "تم گورنر کے محل جاؤ گے۔ ایک دنیا دیکھے گی۔"

"لیکن میں تو تمہارے ساتھ جاؤں گا اور ساتھ ہی واپس آجاؤں گا پھر مجھ پر کیا شک کیا جائے گا۔"

ظفر کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ زریافت سے ملنے کے لئے بے چین ہے کہیں ظفر اور زریافت ۔۔۔ صلاح الدین کے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ اس پر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ اس نے تیز نظروں سے ظفر کو دیکھا۔ "کیوں ظفر۔ تم پہلے کبھی زریافت سے ملے ہو؟"

"نہیں نہیں ۔۔ بالکل نہیں ۔۔۔" ظفر انکار کرتے ہوئے گڑبڑا گیا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے ؟"

امیر زادہ ظفر بغلیں جھانکنے لگا۔ ذرا رک کے اس نے جواب دیا ۔ "میرے دوست ۔مجھ سے قسم لے لو۔ میں نے اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ محض ایک حسین اتفاق تھا کہ اس کا سامنا ہوگیا۔"

"اتفاق تھا اور حسین اتفاق۔" صلاح الدین مسکرایا۔ "یہ حسین اتفاق کب پیش آیا آخر۔؟"

"تقریباً" دو ہفتے ہو گئے۔" ظفر نے اقبال کرلیا۔ "ظاہر ہے کہ زریافت یہاں آنے سے رہی۔ تم ہی گورنر کے محل پر گئے ہو گے؟"

"وہ بھی ایک اتفاق تھا ۔ خدا کے لئے کوئی اور شک نہ کرنا۔ "ظفر بہت شرمندہ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں مشکل سے اوپر اٹھ رہی تھیں۔

Marfat.com

"کیوں نہیں ۔ کیوں نہیں۔ آپ لوگوں کو قصہ ہی سنانے تو آیا ہوں۔ " اس نے ایسا

"میں کوئی شک نہیں کر رہا۔ " صلاح الدین نے اس کی تسلی کے لئے کہا۔ " تم اتفاق سے گورنر دمشق کے محل پر پہنچ گئے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ تمہارا اور زریافت کا آمنا سامنا ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جب آمنا سامنا ہوا تو کچھ سوال و جواب ہوئے ہوں گے۔"

"میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ تمہیں سب کچھ بتادوں مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔"

"تم اس قدر بزدل تو نہیں معلوم ہوتے پھر دوستوں کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔"

صلاح الدین فکر مند ہو گیا۔ " صاف صاف بتاؤ۔ تم کب گئے تھے۔ کیا باتیں ہوئی تھیں تم میں۔؟"

امیر زادہ ظفر نے اسے بتایا۔ "میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا صلاح الدین۔ ایک دن جب تم اپنے گھر گئے ہوئے تھے' میں اکیلا بیٹھا بیٹھا گھبرا رہا تھا۔ میں اس وقت تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔ جاتے وقت میں نے تمہیں جن امید بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ تمہیں تو یاد نہ ہو گا مگر ان گھڑیوں کو عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔ مجھے تم پر سخت غصہ آیا تھا اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم مجھے اس لڑکی سے نہیں ملنے دو گے جو مستقبل کا حال بتاتی ہے۔ میں نے اس کی بہت تعریف سن رکھی تھی اور میں اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لئے انتہائی بے چین تھا۔۔۔"

"ظفر۔ قطع کلامی کے لئے معاف کرنا۔ " صلاح الدین نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے زریافت نے کچھ باتوں کو پیشین گوئی کی اور وہ سچ ثابت ہوئیں لیکن میں اسے محض اتفاق سمجھتا ہوں۔ مجھے اب بھی ان باتوں پر کوئی یقین نہیں۔ تمہیں زریافت سے نہ ملانے کی وجہ بھی یہی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ تمہارے ملاقات پر زریافت ضرور کوئی پیشین گوئی کرے گی اور اگر خدانخواستہ وہ پیشین گوئی سچی نہ ہوئی تو میں تمہاری اور دوسرے دوستوں کی نظروں میں گر جاؤں گا ۔ اس ذلت کو میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے بھی اپنی جگہ ٹھیک سوچا۔ " ظفر نے صلاح الدین کے خیال کی تعریف کی اور تائید کی۔ "لیکن میری بھی کچھ مجبوری تھی جو زریافت کے پاس جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ خیر مجھے پہلے اپنی پہلی بات مکمل کرنے دو پھر میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤں گا ۔ تمہارے جانے کے ایک گھنٹہ کے بعد میرے دل نے مجھے اکسایا کہ میں تمہارے محل پر چلوں۔ جب تم مجھے وہاں دیکھو گے تو شاید انکار نہ کرسکو اس طرح تم مجھے زریافت سے ملانے پر مجبور ہو جاؤ گے لیکن انسان کا سوچا ہوا کب پورا ہوتا ہے۔ جب میں

Marfat.com

تمہارے محل پر پہنچا اور میں نے اطلاع بھجوائی کہ میں امیرزادہ صلاح الدین کا دوست ظفر ہوں تو اس کے جواب میں محل سے ایک خوبصورت سی لڑکی نکلی۔ میں اسے دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ مجھے گمان ہوا کہ وہ تمہاری بہن ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور الٹے پاؤں واپس ہوا لیکن اس نے آواز دی۔

"ٹھہریئے امیر زادے ۔ آپ ہمارے امیر زادے کے دوست ہیں اس طرح واپس نہیں جاسکتے۔ مہمان خانہ میں تشریف رکھئے۔ میری مالکن آپ سے ملنے آرہی ہیں۔"

اس آواز سے میری جان میں جان آئی اور مجھے کچھ حوصلہ ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ مجھے جواب دینے والی ہستی کون ہے اور اس کا اس محل سے کیا تعلق ہے۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس کا نام "زریافت" ہے اور وہ اور اس کی ماں محل کے مکینوں کی دیرینہ خدمت گزار ہیں۔ اپنے سامنے زریافت کو دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہوئی اس کے بیان کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ نجومیوں کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ ان کی شکل و صورت اچھی نہیں ہوتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاہنہ عورتیں' چڑیلوں اور بھتنیوں کے مانند ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھیں کھنچی ہوئی اور آواز خوفناک ہوتی ہے۔ مجھے بدصورت عورت سے بڑی چڑ ہوتی ہے لیکن ان باتوں کے باوجود میں نے زریافت کے فن کا شہرہ سن کے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ زریافت سے ملنے کی ایک خاص وجہ ہے۔ میں اس وجہ کا بھی اظہار کردوں تاکہ تم کسی اور غلط فہمی میں نہ گرفتار ہو جاؤ۔

میرے والد امیر نصر صاحب کو ایران سے آئے ہوئے پچیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن ان کے سر پر ہر وقت ایران سوار رہتا ہے۔ میرے بڑے بھائی کی شادی کا موقعہ آیا تو باوا جان نے اعلان کر دیا کہ میرے بیٹے کی شادی ایران میں ہوگی۔ سب نے لاکھ سمجھایا کہ ایرانی خاندانوں میں شادی کرنا ہے تو دمشق حلب موصل ہر جگہ ایرانیوں کی آبادی ہے کہیں بھی رشتہ کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی ضد تھی کہ ایسی لڑکی سے رشتہ ہوگا جو ایران میں پیدا ہوئی اور ایران میں رہتی ہو۔ ان کی اس ضد کے سامنے سب کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔ ایران میں شادی طے ہو گئی تو باوا جان کو ایران جانے کی اجازت نہ ملتی تھی پھر جب امیر شیر کوہ نے سلطان سے سفارش کی تو بڑی مشکل سے انہیں ایران جانے کی اجازت ـــــ"

"ظفرـــ" صلاح الدین اکتا کے بولا ۔ "آخر یہ رام کہانی سنانے سے کیا فائدہ۔ جب تم زریافت سے ملے تھے تو جو کچھ پوچھنا تھا وہ پوچھ لیا ہوتا۔ گورنر کے محل کے چکر لگانے

Marfat.com

سے تم پر شبہ ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اکتا گئے۔" ظفر نے عاجزی سے کہا۔ "لیکن یہ تفصیل تمہیں بتانا ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری چند باتیں اور سنو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم سنانے کے لئے بے چین ہو تو مجھے سننا ہی پڑے گا۔"

ظفر نے شکر گزار نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔ "میں پہلے زریافت سے اس لئے ملنا چاہتا تھا کہ اس سے مل کے یہ پوچھوں کہ کیا میری شادی ایران میں ہونا ضروری ہے اور باوا جان میری شادی وہیں کر کے رہیں گے۔"

"اچھا تو شادی بھی طے ہو گئی تمہاری۔" صلاح الدین نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا۔

"دل نہ دکھاؤ دوست۔" ظفر نے بے دلی سے جواب دیا۔ "باوا جان نے اپنی ضد کے تحت بڑے بھائی کی شادی ایران میں کردی ہے لیکن دونوں میں کھٹ پٹ رہتی ہے۔ قطعی ذہنی ہم آہنگی نہیں۔"

"مگر اس میں ایران میں شادی کرنے سے کیا نقصان ہوا۔ اگر تمہارے بھائی کا دماغ کسی خاص قسم کا ہے تو ان کی شادی اگر دمشق میں ہوتی تب بھی دونوں میں اختلاف رہتا۔" صلاح الدین نے ظفر کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا کہنا بھی ٹھیک ہے۔" ظفر نے حقیقت تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن پھر بڑے بھائی یہ شکایت نہ کرتے کہ باوا جان نے ان کی شادی ایک ایسی لڑکی سے کردی ہے جسے نہ انہوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کا مزاج سمجھا تھا۔"

"ایران میں شادی کرنے کے لئے میں پہلے ہی آمادہ نہ تھا۔" ظفر نے سانس لے کر بات آگے بڑھائی۔ "اور اب تو میں بالکل ہی تیار نہیں باوا جان زیادہ زور دیں گے تو صاف انکار کردوں گا۔"

"کیوں ـــ اب کیا ہو گیا ہے؟" صلاح الدین کو دلچسپی پیدا ہوئی۔

امیر زادہ ظفر نے صاف صاف کہہ دیا۔ "میں شادی دمشق میں کروں گا۔"

امیر زادہ صلاح الدین نے اسے غور سے دیکھا۔ "دمشق سے کیا مطلب ہے۔؟"

ظفر نے ذرا سا سر جھکایا اور کہا۔ "جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں وہ دمشق میں رہتی ہے۔"

"ہوں۔ اب سمجھ میں آیا کہ تم زریافت سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔" صلاح الدین کو ہنسی آرہی تھی۔ "اگر تمہاری منظور نظر دمشق میں رہتی ہے تو زریافت سے زیادہ میری

Marfat.com

سفارش زیادہ مفید ہوگی۔"

"اگر آپ سفارش فرما دیں تو پھر کوئی مشکل نہیں۔ جھٹ منگنی پٹ بیاہ ہو جائے۔ بابا جان بھی انکار نہیں کر سکیں گے۔" ظفر نے بڑی مسرت سے کہا اور پر امید نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔

"اب زیادہ باتیں نہ کرو۔ نام بتاؤ اس کا؟"

"کہہ تو رہا ہوں مجھے اپنے ساتھ زریافت کے پاس لے چلو۔"

"میں نام پوچھ رہا ہوں۔ سفارش میں کروں گا کہ زریافت؟" صلاح الدین چڑ گیا۔

"زریافت ہی کے لئے تو سفارش کرنا ہے۔"

"ہاں ۔۔ کیا" صلاح الدین نے چونک کے دیکھا۔ اس اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

" زریافت ۔۔ زریافت ۔۔ "امیر زادہ ظفر نے زور دے کر کہا۔"زریافت کو دیکھ کر کسی اور لڑکی کی خواہش کرنا حماقت ہے صلاح الدین۔"

صلاح الدین ذرا دیر کے لئے تو چکرا کے رہ گیا اس نے زریافت کو اس نظر سے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ بلا شبہ اس کی آنکھیں چھلکتے ہوئے کٹورے تھے۔ زریافت اپنی زلفوں کو بہت کم شانہ کرتی تھی ورنہ اس کے بال گھٹنوں سے نیچے تھے۔ شہابی رنگت' بھرے بھرے رخسار جن میں ہنستے وقت دو گڑھے پڑ جاتے تھے۔ صلاح الدین نے اس کی پیکر کو تصور میں دیکھا تو وہ ایک حسین لڑکی دکھائی دی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ زریافت کون ہے؟" صلاح الدین نے بہت سوچ بچار کے بعد کہا۔ زریافت اگرچہ حسین تھی مگر تھی کنیز اور صلاح الدین یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا دوست ایک کنیز سے شادی کرے۔

"مجھے معلوم ہے۔ زریافت ایک کنیز تھی لیکن اب نہیں ۔۔ " ظفر نے بے جھجک کہا۔ " مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے والد نے اسے آزاد کر کے اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔ اگر ایسا بھی نہ ہوتا تو بھی زریافت کو محض اس وجہ سے رد نہ کرتا کہ وہ ایک کنیز ہے۔ میں مسلمان ہوں اور اسلام میں آقا اور کنیز میں شادی کا مقدس رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہارے خیال کی تائید کرتا ہوں ظفر ۔۔" صلاح الدین نے مسرت سے کہا۔ "لیکن تمہارے والد امیر نصر اس قدر دقیانوس خیال کے ہیں کہ بیٹے کی شادی کرنے ایران گئے تھے ۔ وہ تمہیں اس بات کی کیسے اجازت دیں گے کہ تم ایک کنیز سے شادی کرو۔"

"یہ میرا مسئلہ اور درد سر ہے۔" ظفر نے مستحکم لہجہ میں کہا۔ " تم بس ایک بار میرا

Marfat.com

سامنا زریافت سے کرا دو۔ پھر میں جانو"

"میں کیوں ملا دوں۔" صلاح الدین نے ناگوار لہجہ میں کہا۔ "جیسے تم میرے دوست ویسے وہ میری منہ بولی بہن۔ میرا خیال ہے کہ تم آئندہ کبھی اس بات پر زور بھی نہ دو گے۔"

امیر زادہ ظفر لاجواب ہو گیا۔ زریافت کو اپنے منہ سے بہن کہہ دینے کے بعد ظفر کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ صلاح الدین سے کچھ اور کہہ سکے۔ اس کا منہ اتر گیا اور سر جھک گیا۔ صلاح الدین کو اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ زریافت ایک تو اس کی بہن نہیں دوسرے اگر بہن بھی ہوتی تو بھی تو اسے بہن کے معاملہ میں گفتگو کرنا ہی پڑتی۔ کیا ایک بھائی اپنی بہن کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے ان کی بھی تو خواہش ہوتی ہے کہ بہن اچھی جگہ بیاہی جائے اور ان کا بہنوئی کوئی نیک جوان ہو۔ امیر زادہ ظفر اس کا دیکھا بھالا تھا۔ خاندانی حیثیت سے وہ درباری امیر نصر کا بیٹا تھا۔ بظاہر ظفر میں کوئی عیب نہ تھا پھر وہ ایک اچھے رشتہ کو خواہ مخواہ ختم کر رہا ہے۔

" ظفر۔۔ " صلاح الدین نے اسے چھیڑا۔ " خفا ہو گئے مجھ سے ۔ دراصل تم نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا کہ میں زریافت سے تمہاری سفارش نہیں کر سکتا۔ اگر امی حضور یا ابا حضور کو معلوم ہو گیا تو وہ کیا سوچیں گے۔"

"میں نے سفارش کرنے کو نہیں کہا۔ " ظفر کو ذرا حوصلہ ہوا۔ "میں تمہارا دوست ہوں اور گورنر محل پر ہر وقت جا سکتا ہوں۔ اس دن گیا تھا تو بھی میری بڑی عزت ہوئی تھی۔ آج تمہارے ساتھ جاؤں گا تو عزت دوبالا ہو جائے گی۔"

" ہوں ۔۔ لیکن وعدہ کرو کہ زریافت سے کوئی ایسی بات نہ کرو گے جس سے میرا سر نیچا ہو۔" صلاح الدین نے اپنے اطمینان کے لئے اس سے وعدہ لینا چاہا۔

"کمال کرتے ہو دوست ۔ مجھے کیا تمہاری عزت کا ذرا بھی خیال نہیں۔ " ظفر نے اسے یقین دلایا۔

"یقین کرو کہ مجھے تمہاری سفارش کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ دو دلوں کا معاملہ ہے۔ زندگی بھر کا ساتھ ہوتا ہے پھر ابھی تو پتہ ہی نہیں کہ زریافت کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس سلسلہ میں پہلی ملاقات میں کوئی بات نہیں ہوئی؟" صلاح الدین نے سوال کیا۔

"نہیں ۔ بالکل نہیں۔"

"کیوں ۔ کیا زریافت نے تمہیں پہلے ہی قدم پر روک دیا تھا۔؟"

Marfat.com

"نہیں ایسی بات بھی نہیں۔"

" پھر کیا بات ہے۔ زریافت نے تمہیں پہچانا کہ تم میرے دوست ہو' تمہیں مہمان خانہ میں بٹھایا کہ میری امی حضور تم سے بات کریں گے اور تم اس کے سامنے منہ میں گھنگھرو بھرے کھڑے رہے۔ کچھ تو منہ سے بولے ہو گے۔؟"

"میں واقعی گونگا ہو گیا تھا۔ زریافت کو دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ مجھے نہیں پتہ کہ تمہاری امی حضور کب آئیں اور میں نے ان سے کیا باتیں کی۔ میرے دل میں ایک خیال اور آنکھوں میں بس ایک تصویر بس گئی تھی۔ میں تمام وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔"

"اچھا اچھا۔ بس زیادہ عشق جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔" صلاح الدین نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ " میں لئے تو چل رہا ہوں مگر آج خاموش نہ رہنا۔ جو کچھ پوچھنا ہو سب پوچھ لینا۔"

"اور اگر اس نے حامی بھرلی تو ۔۔؟" ظفر نے اک دم صلاح الدین سے سوال کردیا۔

کا ہے کی حامی بھرلی؟" صلاح الدین نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"فرض کرو میں نے اس سے کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس نے حامی بھرلی۔" ظفر نے یوں کہا جیسے اسے اس کا یقین تھا۔

"یہ تمہارا خیال ہے۔ ایک تو پہلی ملاقات میں کوئی لڑکی شادی کے بارے میں گفتگو کر ہی نہیں سکتی۔ یہ باتیں تو اس وقت ہوتی ہیں جب ذرا بے تکلفی ہو جائے۔" صلاح الدین نے بزرگانہ انداز میں سمجھایا۔

"پھر میں کیا کروں؟"

"میں کیا جانوں کیا کرو۔" صلاح الدین جھلا گیا۔ " عشق کرنے تم چلے ہو اور داؤں پیچ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔"

"اچھا تم مجھے ساتھ لے چلو۔" ظفر ہر صورت میں اور ہر شرط پر گورنر کے محل جانا چاہتا تھا۔

زریافت کو خدا نے ذہانت دی تھی اس کے ساتھ ایک فن عطا کیا تھا۔ دست شناسی' انجم شناسی' عمل رمل و جفر وغیرہ ایسے علوم ہیں جنہیں انسان باقاعدہ حاصل کرتا ہے۔ ماہران فن کی خدمت کرتا ہے۔ راتیں کالی کرتا ہے تب جا کر اس علم کا کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن قیافہ شناسی اور پیشین گوئی علم ہونے کے باوجود بعض لوگوں کو یہ پیدائشی طور پر حاصل

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ زریافت کو بھی یہ ہنر قدرت نے عطا کیا تھا۔ اس نے نہ کسی سے نے سیکھا تھا نہ کوئی اس کا استاد تھا۔ بس یوں ہوتا تھا کہ وہ جن باتوں پر غور کرتی اس کے بارے میں آئندہ پیش آنے والے بعض حالات اچانک اس کے سامنے آجاتے تھے۔ اسے ایقا بھی کہتے ہیں اور اگر ایقا کی طاقت بڑھ جائے تو اس کا جاننے والا پیش گوئی کرنے لگتا ہے۔

پچھلی مرتبہ جب امیر زادہ ظفر آیا تھا تو زریافت نے اس کی خاطر و مدارت صلاح الدین کا دوست ہونے کی وجہ سے کی تھی۔ زریافت صلاح الدین کو بہت چاہتی تھی بالکل اپنے بھائیوں کی طرح۔ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا اس لئے وہ صلاح الدین کو بھائی سمجھتی تھی اس لئے اس نے صلاح الدین کے دوست کی خاطر کی تھی۔ نہ صرف اس نے ظفر کو مہمان خانہ میں بٹھایا بلکہ شربت اور میوے سے اس کی خاطر بھی کی تھی لیکن امیر زادہ اسے دیکھتے ہی مدہوش سا ہو گیا۔ زریافت سے آنکھیں ملتے ہی وہ زریافت پر والا و شیدا ہو گیا تھا۔ ان دنوں امیر زادہ ظفر بہت پریشان تھا۔ اس کا باپ امیر زادہ نصر اس پر زور دے رہا تھا کہ وہ اپنی شادی کے لئے ایران چلنے کی تیاری کرے۔ ادھر امیر زادہ ظفر کو خدا معلوم ایران سے کیا بیر ہو گیا تھا۔ اس کی بھابی ایرانی تھی اور صورت و شکل اور سیرت کی بھی اچھی تھی لیکن اسے ایرانی عورتیں کچھ پسند نہ تھیں۔ امیر زادہ ظفر گیا تو اس لئے تھا کہ صلاح الدین کے توسط سے زریافت سے ملے گا اور پوچھے گا کہ وہ یہ بتائے کہ اس کی قسمت میں کہاں اور کس سے شادی لکھی ہے لیکن جب اس نے زریافت کو دیکھا تو اسے اپنے دونوں سوالوں کا جواب مل گیا۔ جواب یہ تھا کہ قسمت میں کہیں بھی شادی لکھی ہو لیکن وہ شادی دمشق ہی میں کرے گا۔ رہا یہ سوال کہ کس سے شادی کرے گا تو اس کا جواب ابھی اس کے پاس نہیں تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ اگر کوشش کی جائے اور کسی طرح صلاح الدین کو منا لیا جائے تو اس کی شادی ہو سکتی ہے جہاں اس نے سوچا ہے۔ لیکن تیز رو خیالوں اور اڑتے جذبات نے ایسا بوکھلا دیا کہ وہ زریافت سے کوئی معقول بات نہ کر سکا۔ اچھا یہ ہوا کہ صلاح الدین کی والدہ نے اس سے کوئی ٹیڑھا سوال نہیں کیا ورنہ وہ یقیناً" وہیں ڈھیر ہو جاتا۔

امیر زادہ بڑی مشکل سے اپنی عزت بچا لایا تھا ورنہ اس سے اگر ایک بھی ٹیڑھا سوال ہو جاتا تو وہ ضرور کوئی ایسا جواب دیتا کہ سوال کرنے والا اسے پاگل یا سودائی سمجھنے پر مجبور ہو جاتا۔ زریافت سے پہلی اتفاقیہ ملاقات پر وہ کئی دن غور کرتا رہا۔ اس نے صلاح الدین کا بھی سامنا نہیں کیا حالانکہ ظفر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے محل سے واپس آنے کے بعد کوئی واقعہ تو پیش نہیں آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اس کی بات یا حرکات و سکنات پر

Marfat.com

زریافت یا بیگم نجم الدین نے کوئی تبصرہ کیا ہو گا تو صلاح الدین کو ضرور بتایا ہو گا اور صلاح الدین اس سلسلہ میں ظفر سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا لیکن بات جیسے آئی گئی ہو گئی تھی۔ نہ صلاح الدین نے ظفر سے کچھ کہا اور نہ ظفر نے اس چھیڑا۔

امیر زادہ ظفر نے کچھ دن تو خاموشی سے گزارے لیکن جلد ہی اس پر محبت کا پھر بھوت سوار ہو گیا اور اس نے صلاح الدین کو بغیر کچھ بتائے ہوئے اس کے ساتھ جانے کی ضد شروع کر دی۔ صلاح الدین بہت کہنے سننے پر ظفر کو ساتھ تو لے آیا تھا لیکن راستہ بھر تاکید کرتا رہا کہ زریافت سے بہت سنبھل کے گفتگو کرے کیونکہ زریافت نے ظفر کو کوئی ایسا جواب نہ دیا تھا جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ اسے ظفر کے دل کا حال معلوم ہے۔

یہ ظفر کی خوش قسمتی تھی کہ محل میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر زریافت پر پڑی۔ زریافت' امیر زادے صلاح الدین کو آتے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جب یہ دونوں قریب پہنچے تو زریافت نے صلاح الدین کو سلام کیا۔ صلاح الدین نے جواب دیا اور نرم آواز میں کہا۔ " زریافت یہ میرے دوست امیر زادہ ظفر ہیں۔"

"مجھے علم ہے امیر زادے۔" جواب دیتے وقت زریافت کے چہرے پر مسرت کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی تھی۔

"امیر زادے ظفر آپ کے ساتھ اور کئی بار آپ کی عدم موجودگی میں پہلے بھی آچکے ہیں۔"

"عدم موجودگی میں صرف ایک بار آیا ہوں۔" ظفر نے درستگی کی۔

"اگر آپ کو میرے کہنے سے کوئی فرق پڑتا ہے تو میں کہے دیتی ہوں کہ آپ ایک بار بھی نہیں آئے"۔ زریافت نے کچھ ایسے شوخ انداز میں کہا کہ ظفر شرمندہ ہو گیا۔

"بہرحال تم ان کا خیال رکھنا۔ یہ ہمارے مہمان ہیں۔" یہ کہہ کر صلاح الدین آگے بڑھا تھا کہ اک دم رکا اور پلٹ کر پوچھا۔ " زریافت ابا حضور محل میں ہیں؟"

"نہیں امیر زادے" زریافت نے جواب دیا۔ " سلطان کا ہرکارہ آیا تھا اور وہ ساتھ لے گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ذرا ظفر کا خیال رکھنا۔ میں امی حضور سے مل کے ابھی آتا ہوں۔"

"امیر زادے۔ کیا میں آپ کی واپسی تک یہیں ٹھہری رہوں؟" زریافت نے تعجب سے پوچھا۔

"اگر کوئی اور کام نہ ہو تو۔۔" صلاح الدین نے لفظ "تو" پر زور دے کے کہا۔ " امیر زادے ظفر اکیلے میں گھبرا جاتے ہیں۔"

Marfat.com

"بہتر ہے ـــ" زریافت نے سر ہلا دیا۔

امیر زادہ سر جھکائے مودب کھڑا تھا۔ زریافت صلاح الدین کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ وہ راہداری میں داخل ہو گیا تو زریافت نے امیر زادہ ظفر سے کہا۔ " آپ تنہائی میں گھبراتے کیوں ہے؟" زریافت کا انداز بڑا شگفتہ تھا مگر امیر زادہ کا مرتبہ نظر میں رکھتے ہوئے گفتگو کر رہی تھی۔

امیر زادہ ظفر نے زریافت کی شگفتگی کا غلط مطلب نکالا اور ہنس کر کہا۔ "آپ کی موجودگی میں مجھے بالکل گھبراہٹ نہیں ہوتی۔"

"زریافت نے اسے تعجب سے دیکھا۔" میری موجودگی سے کیا مطلب ہے۔ میں ہر وقت تو آپ کے ساتھ نہیں ہوتی۔"

"اس وقت تو آپ میرے ساتھ ہیں۔" امیر زادہ ظفر، زریافت کا لہجہ کچھ سمجھ نہیں سکا۔ حالانکہ اس میں کافی سختی آگئی تھی۔

" دیکھئے امیر زادے۔ میں گھما پھرا کے باتیں کرنا نہیں پسند کرتی۔ آپ کو جو کہنا ہے صاف صاف کہئے۔ جس طرح میں لگی لپٹی نہیں رکھتی اس طرح آپ بھی بات کریں۔"

" تو میں سب کچھ کھول کے کہہ دو؟" امیر زادہ ظفر اب تک شوخی دکھا رہا تھا۔

زریافت کو غصہ آیا۔ " امیر زادے۔ آپ میرے امیر زادے کے دوست ہیں اس لئے میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"زریافت میں ـــ میں ـــــ" امیر زادہ ظفر کا گلا خشک ہو گیا۔

زریافت ان کی گھبراہٹ پر مسکرا دی ـــ" میرا خیال ہے کہ آپ کوئی ایسی موٹی بات کہنا چاہتے ہیں جو آپ کے حلق میں پھنس رہی ہے۔ ٹھہریئے۔ میں آپکے لئے پانی لے آؤں۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں" امیر زادہ نے اسے روکا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اب آپ وہ بات نہیں کہئے گا جو آپ کے حلق سے نہیں نکل رہی"

" مجھے روکو نہیں زریافت۔ وہ بات نہیں کہوں گا تو رات بھر نیند نہیں آئے گی۔"

زریافت نے سنجیدہ ہو کے امیر زادہ ظفر کو دیکھا۔ " امیر زادے شاید آپ اب تک مجھے کنیز سمجھتے ہیں۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ مجھے اور میری ماں کو بیگم نجم الدین نے آزاد کر دیا ہے اور اب ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ اب فرمایئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟"

امیر زادے ظفر نے ہمت کر کے کہا۔ "مجھے یہ بات معلوم ہے جبھی تو تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

Marfat.com

"میں سمجھ تو گئی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" زریافت نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "مگر ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔ فرمایئے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ میں کسی کی کنیز نہیں اور مجھے اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔"

"امیر زادے ظفر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ " زریافت' میں پہلے تم سے اس لئے ملنا چاہتا تھا کہ تم سے مل کے اپنے مستقبل کے بارے میں معلوم کروں کیونکہ میں ایک سخت الجھن میں گرفتار تھا۔۔۔"

"دیکھئے امیر زادے۔ میں زیادہ دیر تک آپ سے باتیں نہیں کرسکتی۔" زریافت نے نرمی سے کہا۔ "میں نے پیشین گوئی کرنا چھوڑ دی ہے کیونکہ میں نے پہلے جو پیشین گوئیاں کی تھیں ان میں سے زیادہ غلط نکلیں۔ بہرحال آپ اپنی الجھن بیان کیجئے۔ میں امیر زادے صلاح الدین کی خاطر آپ کی الجھن کے بارے میں کچھ بتانے کی کوشش کروں گی۔"

"زریافت ۔ تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔" امیر زادے ظفر نے وضاحت کی۔ "یہ بات تو اس وقت تھی جب میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔"

"کیا وہ بات اب ختم ہو گئی ہے؟"

"ہاں' اب صورت حال بدل گئی ہے۔"

"اچھا ہوا۔ وہ قصہ ہی ختم ہوگیا۔ اب مجھے اجازت ہے۔ جاسکتی ہوں میں؟" زریافت نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اب تو تم سے ملنے اور بات کرنے کی اور زیادہ ضرورت ہے۔"

"وہ کیوں ۔۔ اب کوئی اور الجھن ہے؟" زریافت مسکرادی۔

"اب الجھن کوئی نہیں۔ صرف تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔ میں دراصل ۔۔۔۔"

"ذرا ٹھہریئے امیر زادے۔" زریافت نے اسے ٹوکا۔ "آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ آپ پہلے مجھ سے ملنا چاہتے تھے اس لئے کہ آپ کو کوئی الجھن تھی اور آپ اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے پھر وہ الجھن ختم ہو گئی اور آپ نے مستقبل کا خیال چھوڑ دیا۔ کیوں یہی بات ہے ناں؟"

"ہاں ہاں یہی بات ہے۔" ظفر نے تسلیم کیا۔

زریافت اب خود الجھنے لگی۔ " امیر زادے' پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ کی پہلی الجھن کیا تھی جو اب ختم ہو چکی ہے۔"

"اس الجھن کا تعلق صرف مجھ سے تھا۔" امیر زادے نے ظفر نے بتایا۔ "میرے والد صاحب ایران کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے میرے بڑے بھائی کی شادی ایک ایرانی

Marfat.com

لڑکی سے کی۔" ظفر شاید سانس لینے کے لئے رکا تھا کہ زریافت نے فوراً" سوال جڑ دیا۔

"آپ کے والد ایرانی ہیں۔ انہوں نے آپ کے بھائی کی شادی ایران میں کر دی۔ اس میں آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

"بھائی کی شادی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ ہونا تھی ہو گئی۔ اعتراض مجھے اپنی شادی پر ہے؟" امیر زادے نے بڑے جوش سے کہا۔

زریافت چونک پڑی۔ "کیا۔ کیا آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"

"یہ میں نے کب کہا۔" امیر زادہ ظفر نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ وہ میری شادی بھی ایران میں کرنا چاہتے تھے اور میں کسی صورت راضی نہ تھا۔"

"تو کیا آپ کے والد نے آپ کی شادی زبردستی کردی۔" زریافت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"زریافت۔ میں کہتا ہوں کہ میری شادی نہ رضامندی سے ہوئی اور نہ زبردستی۔ اس لئے تو میں آپ کے پاس آیا تھا۔" امیر زادہ ظفر نے اس طرح کہا جیسے یہ کہنا ناگوار ہو رہا ہو۔

"میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں؟"

"تم سمجھیں نہیں زریافت۔ یہ بات پہلے کی تھی ۔ اب وہ بات نہیں ہے۔" امیر زادہ ظفر نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔ "میں تم سے مل کے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا میری شادی ایران میں ہونا لازمی ہے۔ اور اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں لیکن جب میں تم سے ملا تو میں سب کچھ بھول گیا۔ کس کی شادی کہاں کی شادی۔ میرے خیالات یکسر بدل گئے۔"

"مگر وہ ۔۔۔ کیوں ۔۔۔ کیسے؟" زریافت نے شرماتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم اپنی درز دیدہ نظری اور شرما کے سر جھکانے کی ادائے خاص سے پوچھو۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ۔۔"

"میں جا رہی ہوں۔" زریافت بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔ "بہت دیر ہو گئی ہے۔ بیگم نے کہیں پوچھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"مگر میرے سوال کا جواب؟"

"کون سوال؟" زریافت انجان بن گئی۔

"یہی کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ شادی اپنی مرضی سے کروں گا۔"

"تو پھر کیجئے۔ کس نے روکا ہے آپ کو۔۔"

Marfat.com

" روکا تو کسی نے نہیں لیکن جس سے شادی کرنا ہے پہلے اس کا منشا بھی تو معلوم کرلوں۔؟

"معلوم کیوں نہیں کرتے۔ مجھے کیوں روک رہے ہیں۔؟"

"زریافت!"

"ہاں ۔۔۔"

زریافت اور امیر زادہ کی نظریں ملیں اور ایک دوسرے میں ڈوب کے رہ گئیں۔ امیر زادہ جو بات دو ملاقاتوں میں زبان سے نہ کہہ سکا وہ بات اس کی نظروں نے کہہ دی۔ صرف کہی نہیں بلکہ اس کا جواب بھی حاصل کرلیا زریافت بدھو یا جاہل نہیں تھی اس نے ایسے گھرانے اور ماحول میں آنکھ کھولی تھی جہاں علم و ادب کا ہروقت چرچا رہتا تھا۔ اسے امیر زادہ ظفر کی آنکھوں میں اپنائیت' انسیت اور جذبہ پیار تیرتا نظر آیا۔ اس کا دل ایسے جذبوں کو دیکھنے کا متمنی تھا۔ زریافت کو پیار سے دیکھا گیا تو اس کا پیار بھی آنکھوں میں اتر آیا۔ پیاسی آنکھوں کی پیاس بجھتی ہی نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ زبان بے زبانی سے باتیں ہو رہی تھیں۔ دوریاں ختم ہو رہی تھیں اور قربتیں۔ قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھیں۔

آخر امیر زادے ظفر کی جذبوں میں ڈوبی بھرائی آواز ابھری۔ "زریافت۔"

"امیر زادے ظفر۔" زریافت کے منہ نہ معلوم کس جذبہ کے تحت نکل گیا۔

بات بالکل کھل گئی تھی۔ ظفر کے دل نے زریافت کو پکارا۔ زریافت کے دل نے جواب دیا کہ اس میں بھی تیری تمنا ہے۔ پھر ظفر کی آنکھوں نے کہا کہ میں نے تمہاری تصویر اپنے میں اتار لی ہے۔ زریافت نے جواب دینے میں تامل نہ کیا اور کہا کہ آنکھوں کے ان پردوں میں بھی ایک تصویر چمکتی ہے۔ جھانک کے دیکھ لو شاید وہ تصویر تمہاری ہی ہے۔

زریافت اور امیر زادہ ظفر کی نظربازی کا یہ سلسلہ پتہ نہیں کب تک چلتا رہتا کہ امیر زادہ صلاح الدین واپس آگیا۔ اسے دیکھ کے زریافت نے جلدی سے اپنی حالت سنبھالی۔ چادر کا پلو سر پر کھینچا اور سر جھکائے شرمائی شرمائی سی باہر چلی گئی۔ صلاح الدین کچھ چپ چپ تھا۔ امیر زادہ ظفر کا دل بیٹھنے لگا۔ اس سے نہ رہا گیا اور پوچھ بیٹھا۔ "تمہیں کیا ہوا صلاح الدین ۔ چپ چپ کیوں ہو؟"

صلاح الدین چند لمحے ظفر کو دیکھتا رہا پھر پوچھا۔ "پچھلی مرتبہ جب تم یہاں آئے تھے تو زریافت سے کوئی خاص بات ہوئی تھی؟"

Marfat.com

امیر زادہ ظفر پریشان ہو گیا۔ "خاص بات سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہی کہ تم نے کوئی ایسی بات تو زریافت سے نہیں کی تھی کہ وہ بگڑ گئی ہو اور دوسرے غلام و کنیز جمع ہو گئے ہوں۔" صلاح الدین نے یہ بات شاید بڑے کرب سے کہی۔

"یہ تم نے کیسے سوچا صلاح الدین۔" امیر زادہ ظفر نے ناگوار انداز میں کہا۔ "کیا میں بے وقوف ہوں یا مجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ گورنر دمشق کا محل ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ——"

"لیکن نہیں صلاح الدین۔ تمہیں ہر وقت یہ یقین رکھنا چاہئے کہ تمہارا دوست تمہاری عزت کبھی داؤں پر نہیں لگا سکتا۔ تمہاری امی کہہ کیا رہی تھیں؟"

"وہ کہہ رہی تھیں—۔ اچھا چھوڑو اسے ۔ تمہاری ملاقات کیسی رہی کیا کہا تم نے۔ اس نے کیا جواب دیا" صلاح الدین نے بات کاٹنے کی کوشش کی۔

"نہیں صلاح الدین ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کہا تھا تمہاری امی نے؟" ظفر اس کے سر ہو گیا۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے یونہی پوچھا تھا کہ ظفر اس دن کیوں آئے تھے۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟" ظفر تفصیل سننا چاہتا تھا۔

"میں نے کہہ دیا کہ مجھے تلاش کرتے ہوئے ادھر آ گئے تھے۔"

"پھر تمہاری امی نے کیا کہا؟" ظفر کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"کہہ رہی تھیں کہ ظفر کو سمجھا دینا کہ تمہارے ساتھ آیا کرے۔ لوگ بلاوجہ میں باتیں بناتے ہیں۔"

"کیا باتیں بناتے ہیں لوگ؟"

"احمق کہیں کے۔" صلاح الدین نے اسے ڈانٹ دیا۔ " یہ بات بھلا امی حضور سے پوچھنے والی تھی۔ اگر میں بات بڑھاتا تو انہیں مجھ پر اور تم پر ضرور شبہ ہوتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے خاموشی اختیار کر لی۔" امیر زادہ ظفر مطمئن ہو گیا تھا۔

"ہاں بھئی۔ خاموشی اختیار کر لی۔ کوئی گواہی ثبوت چاہئے؟"

"اچھا کیا کہ خاموشی اختیار کر لی۔" ظفر نے بڑی بے پرواہی سے کہا۔ جیسے اس نے امیر زادہ صلاح الدین کی پوری سنی ہی نہیں۔

ذرا دیر خاموشی رہی پھر صلاح الدین نے پوچھا۔ " میرا دماغ سوال کر کر کے کھا لیا اب خود بھی تو بتاؤ کہ تم نے کیا کیا؟"

Marfat.com

"میں نے ۔۔۔ میں نے کیا کیا؟" ۔ ظفر نے اسے پریشان نظروں سے دیکھا۔

" میرا مطلب ہے کہ زریافت سے کیا باتیں ہوئی کیسے کیسے وعدے ہوئے؟" الدین کی آنکھوں میں شرارت نظر آتی تھی۔

"زریافت سے بات تو کوئی خاص نہیں ہوئی مگر میں نے سب کچھ کہہ دیا۔"

"جب تم نے کہا تو زریافت نے جواب بھی دیا ہوگا۔"

"ارے نہیں صلاح الدین۔ سوال و جواب کی نوبت ہی نہیں آئی۔" امیر زادہ ظفر چہرے سے مسرت کے پھول جھڑنے لگے۔

صلاح الدین الجھنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "تم کہہ رہے کہ تم نے سب کچھ کہہ دیا پھر کہتے ہو کہ سوال و جواب کی نوبت ہی نہیں آئی پھر کیسے کہہ دیا تم نے؟"

"دل کی بات کہنے کے لئے سوال کرنا اور جواب دینا ضروری تھوڑی ہوتا ہے۔ ہلانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی اور میں نے دل کا پورا مدعا بیان کردیا۔" امیر زادہ ظفر پڑ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"چلو سوال جواب نہیں ہوئے۔ تم نے زبان بھی نہیں ہلائی پھر اشاروں کنایوں بات ہوئی ہوں گی؟" صلاح الدین نے کریدنا شروع کیا۔

"میں یہ نہیں جانتا۔ یوں سمجھو' اس نے مجھے دیکھا اور میں نے اسے۔ پھر آنکھوں آنکھوں میں سوال جواب ہوتے رہے۔ جو کچھ میرے دل میں تھا وہ آنکھوں کے ذریعہ اس تک پہنچ گیا جو اس کے دل کے ورق پر لکھا تھا وہ اس کی آنکھوں کے پردے پر ابھر آیا۔ بس یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ تم آگئے" امیرزادے ظفر نے بڑے بھولے پن سے اپنی روداد سنادی۔

"کوئی وعدہ وعید۔ پھر ملنے کا عہد و پیان؟" صلاح الدین نے ایک اور سوال کیا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔ تمہارے آنے سے کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔" ظفر نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

صلاح الدین نے موڈ بدلتے ہوئے کہا۔ "اچھا بس چلو۔ اب ادھر آنے کا نام نہ لینا۔" اور صلاح الدین نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھا دیا۔

"سنو تو یار۔۔ تم تو ایسے بے مروت بن گئے ہو جیسے کبھی کی شناسائی نہیں۔" ظفر گڑگڑایا۔

صلاح الدین نے واقعی بڑی بے رخی اختیار کرلی تھی۔ سختی سے بولا۔ "کچھ بھی سمجھو مگر اب یہاں ایک لمحہ نہیں ٹھہرسکتے۔ امی حضور نے مجھ سے کہہ دیا ہے۔"

Marfat.com

"مگر میرا کیا بنے گا صلاح الدین۔ مجھے ایک بات صرف ایک بات کرلینے دو اس
ہے۔" ظفر کمال انکساری سے ایک بار پھر گڑگڑایا۔

"کس سے بات کرو گے؟"

"اسی سے --- زریافت سے اور کس سے؟"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ میں نے دل کی تمام باتیں اس تک پہنچا دی ہیں۔"

ارے وہ تو دل کی باتیں تھی۔ منہ سے تو میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔" ظفر افسردہ سا گیا۔

صلاح الدین کو رحم آگیا۔ نرم پڑتے ہوئے کہا۔ " اچھا پھر کبھی کہہ لینا۔ اس وقت ں نہیں ٹھہر سکتے ابا حضور بھی آنے والے ہیں۔ انہوں نے پوچھ گچھ شروع کردی تو بت ہوگا۔"

"میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔ بس ایک چھوٹا سا کام کردو۔"

"جلدی کہو۔ کیا کام ہے؟"

"زریافت سے یہ پوچھ دو کہ کیا اسے میرا خیال ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ ۔ عجیب آدمی ہو۔ اتنی دیر اس سے باتیں کرتے رہے اور اتنی سی ت نہیں پوچھ سکے تمہاری محبت کچھ یونہی معلوم ہوتی ہے"۔ صلاح الدین نے اس کا ہاتھ پڑا اور اور چلنے لگا۔

"یار سنو تو ---"

"بالکل نہیں۔ بس چلے چلو۔"

"یہ تو وعدہ کرو کہ جب اس سے ملو گے تو پوچھ لو گے۔"

"اچھا اچھا۔ پوچھ لیں گے۔"

لیکن اس کے بعد دمشق کے حالات کچھ دگرگوں ہو گئے سلطان نور الدین زنگی کو قلعہ رم پر فوج کشی کرنے پڑی۔ عیسائیوں کا یہ مضبوط قلعہ' حلب کے مغرب میں واقع تھا اور لطنت حلب جس کا دارالسلطنت اب دمشق ہو گیا تھا' کے لئے مستقل خطرہ بنا ہوا تھا اس ے 1156ء میں سلطان ایک لشکر کے ساتھ حارم روانہ ہوا۔ اس لشکر میں اسد الدین شیر وہ اور حکومت کے تقریباً" سب ہی سردار اور امیر شامل تھے۔ سلطان نے حارم پہنچتے ہی عہ حارم کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ میں عیسائی سلطنت انطاکیہ کا ایک قلعدار رہتا تھا۔ قلعہ کی اظت کے لئے اس میں کافی لشکر تھا۔ محاصرہ کی خبر سن کر شاہ انطاکیہ نے کافی کمک روانہ ۔ لیکن محاصرہ اس قدر سخت تھا کہ انطاکیہ کی امدادی فوج قلعہ حارم میں داخل نہ ہو سکی۔

Marfat.com

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس طویل محاصرہ کے بعد عیسائیوں نے صلح کی کوشش کی۔ آخر طے یہ ہوا کہ سلطان قلعہ حارم کا محاصرہ اٹھا لے گا جس کے صلہ میں سلطان کو علاقہ کا آدھا حصہ دیا جائے گا۔ اس طرح سلطان نے نصف حارم لے کے قلعہ حارم کا محا اٹھالیا۔ اس جھگڑے میں پورا سال لگ گیا۔

سلطان اس قضیہ کو طے کر کے واپس آیا تھا کہ عیسائیوں کی مدد کے لئے فرنگیوں تازہ فوجیں امڈ آئیں۔ ان کا سہارا پا کے انطاکیہ والوں نے حمص اور حواہ پر تاخت و تار شروع کردی۔ سلطان کو فوراً" ہی اپنے مستقر سے پھر نکلنا پڑا۔ اس تاخت و تاراج بانیاس کا فرمانروا پیش پیش تھا اس لئے سلطان نے اسد الدین شیر کوہ کو قلعہ حارم کی طر بھیجا خود صفرے فرمانروائے بانیاس کی سرکوبی کے لئے بڑھا۔ صفرے کو یورپ کی فوجوں کمک حاصل تھی اس لئے وہ بہت شیر ہو رہے تھے لیکن سلطان کی آمد کی اطلاع پا صفرے قلعہ بند ہو گیا اور مدافعتی جنگ کرنے لگا۔

بانیاس کا قلعہ فتح کرنے میں سلطان کو مزید ایک سال اور لگ گیا لیکن فائدہ یہ ہوا بانیاس پر قبضہ سے عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ کچھ دنوں کے لئے بالکل کان دبا کر گئے۔ سلطان نور الدین زنگی کو بانیاس سے بڑی دولت حاصل ہوئی۔ جنگ کا سلسلہ ایک شروع ہو جائے تو پھر ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ سلطان نور الدین زنگی کے بارے میں جاتا ہے اس کی زندگی سراپا جہاد تھی۔ سلجوقیوں کی سلطنت کے زوال کے بعد عیسائیوں ہاتھ پیر نکالنا شروع کردیئے تھے لیکن اتابک موصل یعنی امیر عماد الدین زنگی اور اس بیٹے سلطان نور الدین زنگی نے صلیبی جنگوں کا ایک سلسلہ شروع کر کے شام اور یورپ جنگجوؤں کے چھکے چھڑا دیئے۔ انہیں نہ صرف آگے بڑھنے سے روکا بلکہ ان کے بہت علاقے چھین لئے جس میں الرہا کی فتح قلعہ حارم پر قبضہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

1163ء میں حارم والوں نے پھر سر اٹھایا۔ سلطان نے فوراً" ادھر کا رخ کیا ایک معمولی جھڑپ کے بعد صلح ہو گئی مگر قلعہ حارم انطاکیہ اور سلطنت دمشق کے درمیان ایک ایسی چنگاری تھی جو بجھ بجھ کے ابھرتی تھی۔ 1165ء میں یہ چنگاری شعلہ بن کے بھڑکی جس نے ایک طرف شام کی تمام عیسائی ریاستوں کو ایک جھنڈے تلے اکٹھا کیا اور دوسری طرف سلطان بھی اپنے تمام امراء وزراء کو ساتھ لے کر پوری طاقت کے ساتھ میدان میں نکلا۔ یہ ایک بہت بڑا معرکہ تھا عیسائی لشکر کے ساتھ بڑے بڑے خانقاہ نشین شامل تھے دونوں فوجیں مقابل ہوئیں اور میدان کارزار گرم ہوا۔ عیسائیوں کی کوشش تھی کہ حارم میں فتح حاصل کر کے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دیں دوسری طرف سلطان نور الدین زنگی

Marfat.com

نے یہ اعلان کردیا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا یہ آخری معرکہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا کہ ملک شام میں عیسائی ریاستوں کا اثر و رسوخ ہے یا اس خطہ ارض پر مسلمانوں کا غلبہ ہے۔ آخر اس جنگ نے فیصلہ کر دیا کہ قدیم شان و شوکت کا آفتاب غروب ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب شام کی تمام عیسائی ریاستیں مسلمانوں کے سامنے سر جھکا دیں گی۔ الرہا پھر بانیاس اور اب حارم کی فتح سے مسلمانوں نے اپنی کامیابی کا آغاز کر دیا تھا اور ان کی نظریں ایک بار بار یروشلم کی طرف اٹھ رہی تھیں حارم کی شکست میں نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کا زبردست جانی اور مالی نقصان ہوا بلکہ اس جنگ میں عیسائیوں کے ممتاز امرا اور بادشاہ گرفتار کر کے قید کرلئے گئے۔ والی انطاکیہ بو ہمینڈ' والی طرابلس جنرل ڈیوک الرہا کے سابق شاہ جو سیلین کے کئی لڑکے جنگ میں گرفتار ہوئے تھے جو فدیہ کی رقم ادا کر کے رہا ہوئے تھے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ بانیاس پر مکمل قبضہ حارم کی جنگ کے بعد ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حارم کی شکست پر پورا دول یورپ گھبرا اٹھا اور انہوں نے ایک بار پھر بانیاس کی مدد کے لئے فوجیں روانہ کیں لیکن ان امدادی فوجوں کو راستے ہی سے واپس جانا پڑا کیوں سلطان نور الدین زنگی نے بانیاس پر پہلے ہی قبضہ کرلیا تھا۔ بانیاس کا انتظام کرنے کے بعد سلطان نے حصین منتیرہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

ان پے در پے جنگوں کی وجہ سے امیر زادہ ظفر اور زریافت کی محبت کے معاملات سرد پڑ گئے تھے۔ ان دونوں کی شادی بغیر سلطان کی اجازت کے نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ایک طرف امیر نصر کا بیٹا ظفر تھا تو دوسری طرف امیر نجم الدین ایوب کی بیٹی نہ سہی لیکن زریافت کو منہ بولی بیٹی کا رتبہ تو حاصل ہو گیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ابھی ظفر کے والد امیر نصر کو بھی اس شادی پر آمادہ کرنا تھا جنہیں اپنے پرانے ملک ایران سے ایسی محبت تھی کہ وہ ہر بیٹے کی شادی ایران ہی میں کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح ابھی ان معاملات حسن و عشق میں بڑی الجھنیں تھیں جنہیں حل کرنے کے لئے بڑے سکون و اطمینان کی ضرورت تھی۔

سلطان نور الدین زنگی نے صلاح الدین کو اپنے دربار سے منسلک تو کرلیا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام بھی کیا تھا لیکن سلطان کسی خاص مصلحت کی بناء پر صلاح الدین کو جنگ و جدل کے کھیل سے الگ رکھے ہوئے تھا۔ قلعہ حارم کے دوسرے حملہ کے وقت جب لشکر جانے کے لئے تیار ہوا تو صلاح الدین کو کوئی حکم نہیں دیا گیا تو اس نے خود سلطان سے عرض کیا۔

Marfat.com

"عالیجاہ۔ غلام کئی سال سے دربار سے وابستہ ہے۔ حکم عالی سے فنون سپہ گری کی تربیت بھی مکمل ہو گئی ہے مگر پتہ نہیں کہ خادم میں وہ کیا نقص ہے جس کی وجہ سے مجھے کسی معرکہ میں اپنی کارگزاری دکھانے کا موقعہ نہیں دیا جاتا۔ اگر حضور عالی میرے نقص اور کمی کی نشاندہی فرمائیں تو نقص کے دور کرنے میں آسانی ہوگی۔"

سلطان نے تبسم فرمایا۔ "اے امیر نجم الدین کے ہونہار بیٹے۔ ہم تمہیں بھولے نہیں۔ تم ہی کیا ہم وابستگان تخت و تاج میں سے کسی کو نہیں بھولتے۔ بے شک تم نے فنون سپہ گری میں اعلیٰ مہارت حاصل کرلی ہے لیکن قوت مشاہدہ میں اور طاقت پیدا کرو۔"

"قوت مشاہدہ" یہ لفظ صلاح الدین کے لئے نیا تھا۔ اس نے ادب سے سوال کیا۔ "شاہا۔ خادم کی عقل قوت مشاہدہ کا راز نہیں سمجھ سکی۔ میری اصلاح کے لئے اس کا مطلب عطا کیا جائے۔"

"صلاح الدین ۔ قوت مشاہدہ میں صرف ہمیں دیکھنے اور ہمارے نقش قدم پر چلنے سے اضافہ ہوتا ہے ہمیں دیکھو۔۔ ہمیں پرکھو اور پھر دیکھو پھر تم پر رموز سلطانی خود بخود کھلتے جائیں گے۔۔۔" سلطان نے بڑے مشفقانہ انداز میں سمجھایا ۔ "یہ جنگیں تمہارے مرتبہ سے کم ہیں۔"

اس دن سے صلاح الدین نے کوئی شکوہ نہ کیا اور خود کو سلطان کے پیکر میں ڈھالنے کی دھن میں لگ گیا۔ امیرزادہ ظفر نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ یہ وقت عشق و محبت کا نہیں اس لئے اس نے بھی اس وقت تک کے لئے خاموشی اختیار کرلی جب تک حالات پرسکون نہیں ہوتے۔

Marfat.com

قاہرہ سے دمشق

مصر کے فاطمی خلیفہ عاضد کی پھوپھی کو قتل کر دیا گیا۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ قتل کا یہ حکم خلیفہ کے وزیر نے دیا تھا اور خلیفہ کو اس سے بالکل بے خبر رکھا گیا تھا۔ اگر خلیفہ عاضد کو خبر ہو بھی جاتی تو بھی وہ اپنے وزیر سلطنت العادل زریک کے حکم کو منسوخ کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام میں بیک وقت دو خلافتیں موجود تھیں۔ ایک فاطمی خلافت جس کا مرکز قاہرہ (مصر) تھا۔ یہ شیعہ خلافت تھی اور اسے خلافت بنو فاطمہ۔ خلافت علیین اور خلافت فاطمین بھی کہتے تھے۔ دوسری خلافت بنی عباس کی تھی جس کا مرکز بغداد تھا اور عالم اسلام کے تمام سنی مسلمان اسے تسلیم کرتے تھے۔ مذہبی اعتبار سے دونوں خلافتیں ایک دوسرے کے خلاف تھیں لیکن طاقت اور حاکمیت کے معاملہ میں دونوں کی یکساں حالت تھی۔

بغداد کی خلافت عباسیہ اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ اس کا حلقہ اور رقبہ بغداد کی چار دیواری میں محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر مصر کی فاطمی خلافت کا یہ حال تھا کہ خلیفہ برائے نام ہوتا اس کا حکومت میں کوئی عمل دخل نہ تھا۔ اس کے بجائے وزیر سلطنت اصل حاکم ہوتا۔ وزیر کا الگ شاہی محل ہوتا تھا جسے دارالوزارت کہا جاتا۔ وزیر اپنے نام سے پہلے "ملک" کا لفظ لگاتا تھا جس کے معنی بادشاہ کے تھے۔ جس وقت خلیفہ عاضد کی پھوپھی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اس وقت وزارت کی مسند پر ملک العادل زریک متمکن تھا۔ خلیفہ کی

Marfat.com

بہن کا قتل دراصل ایک سیاسی قتل تھا۔

وزارت ماب یعنی وزیر العادل زریک کو اس جلیل القدر شہزادی سے اس لئے عداوت تھی کہ شہزادی نے امیر ابن قوام الدولہ اور استاد عنبر ریفی کی مدد سے وزیر زریک کے باپ الملک الصالح کو قتل کرایا تھا۔ ملک صالح نے مرتے وقت خلیفہ عاضد سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اس کی جگہ اس کے بیٹے زریک کو وزارت کا منصب عطا کیا جائے چنانچہ خلیفہ نے اس وعدے کا پاس کیا اور زریک کو "العادل" کا خطاب دے کر وزیر بنا دیا۔ مصر کے وزارت کا مطلب مصر کی بادشاہت تھی چنانچہ وزارت سنبھالتے ہی اس نے پہلے امیر ابن قوام الدولہ اور استاد عنبر ریفی کا خاتمہ کیا پھر خلیفہ کی پھوپھی شہزادی قاہرہ کو قتل کر دیا۔

یہ تاریخ کی کتنی بڑی ستم ظریفی تھی کہ جس طرح زریک نے اپنے خلیفہ عاضد کی پھوپھی کو قتل کرایا تھا بالکل اسی طرح زریک کے باپ صالح نے اپنے خلیفہ فائز کی پھوپھی کو قتل کرایا تھا۔ خلیفہ عاضد کو جب معلوم ہوا کہ اس کی پھوپھی کو وزارت ماب کے حکم سے قتل کیا گیا ہے تو اسے سخت صدمہ ہوا اس لئے کہ زریک صرف اس کا وزیر ہی نہ تھا بلکہ وہ خلیفہ کا برادر نسبتی بھی تھا۔ کیونکہ زریک کی بہن خلیفہ عاضد کے عقد میں تھی۔ عاضد نے اس سلسلہ میں خاموشی ہی بہتر سمجھی ورنہ اس کی خلافت بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو اہل بیت پر جان دینے والے فاطمی خلیفاؤں کو صحیح خلیفہ سمجھتے اور انہیں اپنا امام کہتے لیکن ان خلیفاؤں کی بہنوں کو جو کہ سیدانیاں تھیں انہیں قتل کرانے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کرتے تھے۔ بہرحال جب زریک نے قاہرہ کے تمام دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا تو اب اس کی نظریں باہر کی طرف پڑنے لگیں۔ پس چند ہی ماہ میں تمام بڑے بڑے امیر اس کے خلاف ہو گئے لیکن زریک کے قبضہ میں فوج تھی اس لئے کوئی کھل کے مخالفت کرنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔

شہزادی کے زریک کے ہاتھوں قتل نے محلات شاہی میں ایک خاموش قیامت برپا کر دی تھی۔ محلات میں رہنے والے شاہی خاندان کے تمام افراد غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ پھر ستم یہ تھا کہ شہزدی قاہرہ کو حریم خلافت سے گرفتار کیا گیا تھا۔ شہزادی کسی کام کے لئے خلیفہ کے پاس ان کے محل میں گئی تھیں اور وہیں گرفتار کر لی گئیں۔ ادھر زریک کا بیان تھا کہ شہزادی کو حریم خلافت سے باہر آنے کے بعد گرفتار کیا گیا تھا۔ شہزادی کے قتل کا سب ہی کو افسوس تھا لیکن ضرغام کو زریک پر بہت غصہ تھا۔ اس سے نہ رہا گیا اور اس نے خلیفہ عاضد سے شکوہ کیا۔

Marfat.com

"امیر المومنین۔ یہ کتنا بڑا غضب ہے کہ لوگ حریم خلافت کی بھی عزت نہیں کرتے۔"

"تمہارا اشارہ محترم شہزادی قاہرہ کی گرفتاری کی طرف تو نہیں؟ خلیفہ نے ایک آہ بھر کے کہا۔

"جی ہاں امیر المومنین۔" ضرغام غصہ سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ "وزارت ماب زریک کے سپاہیوں کو حریم خلافت میں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی؟"

"ہمیں بھی اس کا صدمہ ہوا تھا ضرغام۔" خلیفہ کا لہجہ افسردہ تھا۔ "مگر جب ہمیں بتایا گیا کہ محترمہ شہزادی کو ہمارے محل کے باہر گرفتار کیا گیا ہے تو ہمیں کچھ صبر آیا گیا تھا۔"

"امیر المومنین۔ آپ نمک حراموں کی خوامخواہ طرف داری کرتے ہیں۔" ضرغام نے بہت سخت لہجے میں کہا۔

خلیفہ سہم گیا۔ ضرغام نہ صرف حریم خلافت کا داروغہ تھا بلکہ تمام شاہی محلات کی دیکھ بھال اور حفاظت اس کے سپرد تھی۔ خلیفہ اس سے اس لئے خائف تھا کہ ضرغام اس کی حفاظت کا ذمہ دار تھا اور اس کے ایک اشارہ پر خلیفہ کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔

خلیفہ نے سنبھل کے جواب دیا۔ "ضرغام۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ وزارت ماب نے تمہاری بھی توہین کی ہے۔ اس کے فوجی دستہ کو ہمارے محل کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے تم سے اجازت حاصل کرنا چاہئے تھی۔"

"امیر المومنین نے اب انصاف کی بات کی۔" ضرغام کا لہجہ اک دم دھیما ہو گیا۔

"دراصل زریک اس قابل نہیں کہ زیادہ دن اس عہدہ جلیلہ پر رہ سکے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ضرغام۔ "خلیفہ نے فوراً تائید کی "ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ اس نمک حرام کو ایسے عہدہ پر نہیں رہنا چاہئے۔"

"تو پھر یہ آپ کا حکم ہے؟۔" ضرغام نے فوراً بات پکڑی۔

"ضرغام۔ ہمارا مذاق کیوں اڑا رہے ہو۔۔۔" خلیفہ نے دل گرفتگی سے کہا۔ "ہم کیا اور ہمارا حکم کیسا۔ وزارت ماب کے ایک اشارے پر ہماری خلافت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔"

"مگر ضرغام اس قدر کمزور نہیں امیر المومنین۔" داروغہ محلات نے سینہ پھلا کر کہا۔

"زریک نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔"

مجبور خلیفہ گھبرا گیا۔ "ضرغام ایسی غلطی ہرگز نہ کرنا۔ زریک مصری لشکر کا سالار بھی ہے اس کے حکم سے یہ محل برباد ہو سکتا ہے۔"

"امیر المومنین آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" ضرغام نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "یہ میرا

Marfat.com

اور زریک کا معاملہ ہے۔"

خلیفہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ "ضرغام---!" خلیفہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ کوئی معقول بات نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا۔

ضرغام بڑا با اثر غلام تھا۔ مصر کے سابق وزیر یعنی زریک کے باپ ملک صالح نے اعلیٰ قسم کے غلاموں کا ایک گروہ قائم کیا تھا ملک صالح کے بعد اس گروہ کی سرداری زریک بن صالح کو ملنی چاہئے تھی لیکن اسے بغیر کچھ کئے دہرے وزارت مل گئی تھی جس کے ساتھ ہی وہ تمام وسیع اختیارات کا مالک بن گیا تھا اس لئے غلاموں کا یہ گروہ جسے غلامان برقیہ یا گروہ برقیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا بے سہارا رہ گیا تھا۔ ضرغام کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا اس لئے کچھ فرغام کی کوشش کچھ "برقیہ" کے غلاموں کی خواہش پر ضرغام کو اس گروہ کا سردار تسلیم کر لیا گیا تھا اور طے یہ پایا کہ یہ گروہ جس میں کئی بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ درپردہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

طبقہ غلاماں کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ آقا سے خوش ہوں تو اس کے لئے اپنا خون تک بہا دیں اور اگر غداری پر اتریں، تو خلیفہ کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دیں ضرغام ایک تو غلام دوسرے خواجہ سرا۔ کریلا اور نیم چڑھا والا معاملہ تھا۔ وہ انتہائی بد دماغ، جلد باز اور مغلوب الغضب انسان تھا۔ تمام محلات اور دار الوزارت اس کے پاس تھے جس نے اسے مغرور کر دیا تھا۔ غلام اور کنیزیں اس کی خوشامد میں لگے رہتے اور محلات کی جھوٹی سچی خبریں اسے پہنچایا کرتے تھے۔ موجودہ وزارت ماب (وزیر اعظم) سے وہ پہلے ہی دن سے خلاف تھا لیکن ملک صالح کی وجہ سے چند دن خاموش رہا پھر جب وزارت ماب نے اپنے دشمنوں کا بے دریغ قتل شروع کیا تو ضرغام ہتھے سے اکھڑ گیا۔

ادھر کچھ دنوں سے اسے اطلاعات مل رہی تھیں کہ وزیر اعظم زریک ایسے تمام امرا اور عمائد سلطنت کو معزول کرنا چاہتا ہے جن کے متعلق اسے یہ شبہ تھا کہ وہ کسی وقت اس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ ایسے اشخاص کی اس نے ایک فہرست تیار کر لی تھی اس فہرست کی ایک نقل دار الوزارت کی ایک کنیز لے اڑی اور ضرغام کی خوشنودی کی خاطر اس کے حوالے کر دی۔ ضرغام ایسے سرداروں کی کھوج میں تھا جو زریک کا تختہ الٹنے میں اس کا ساتھ دے سکیں۔ اس فہرست سے اسے بڑا حوصلہ ملا کیوں کہ اس میں حکومت کے کئی بڑے بڑے عہدیداروں کا بھی نام تھا۔ ضرغام نے کئی دن غور کرنے کے بعد فہرست کے تمام لوگوں کو خفیہ طور پر مطلع کر دیا کہ وزیر زریک انہیں بہت جلد معزول کرنے والا ہے اس لئے وہ اپنا انتظام کر لیں۔

Marfat.com

اس فہرست میں صعید کے گورنر شادر کا نام بھی شامل تھا۔ شادر کو بھی زریک کے باپ نے صعید کا گورنر بنایا تھا لیکن اب اس کا بیٹا ہی اسے معزول کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ضرغام نے فوراً اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور فوراً شادر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:۔

گورنر صعید ملک شادر کے نام

ایک دوست اور ہمدرد کا خط

آپ کو معلوم ہو کہ ظالم وزارت ماب نے وزراء سلطنت اور امرائے حکومت کی ایک فہرست تیار کی ہے جنہیں ایک ایک کر کے معزول کیا جائے گا۔ ان عمائدین سلطنت میں سے بہت سے امراء اور گورنروں کو زریک نے معزول کر کے کسی نہ کسی بہانہ قتل کرا دیا ہے اب آپ کی باری ہے خدا نہ کرے کہ وہ وقت آئے اور دشمن کا دست ستم آپ کے سر تک پہنچے آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ فوراً اپنا انتظام کر لیں اگر آپ کسی صورت سے دارالوزادت تک پہنچ گئے تو دارالوزادت اور تمام محلات کے تمام عملے کو آپ اپنا مطیع اور فرمانبردار پائیں گے۔

آپ کا ایک مخلص دوست

ضرغام نے جان بوجھ کے اپنا نام نہیں لکھا۔ خط کو بڑے احتیاط سے بند کر کے لفافہ میں محفوظ کیا گیا پھر ضرغام نے اپنے ایک خاص آدمی کو یہ خط دیا کہ اسے اسی حفاظت کے ساتھ ملک شادر تک پہنچایا جائے اور اس کا جواب حاصل کر کے واپس آیا جائے۔

ضرغام نے اسے مزید تاکید کی۔ "میں نے اس خط میں احتیاط کے طور پر اپنا نام نہیں لکھا ہے لیکن اگر ملک شادر تمہیں پہچان لے یا خط لکھنے والے کا نام دریافت کرے تو انکار نہ کرنا بلکہ صاف کہہ دینا کہ دارالوزادت کے دروازہ پر داروغہ محلات شاہی آپ کو خوش آمدید کہے گا۔"

"اے آقائے محلات۔۔۔" اس کے ملازم نے اسے ادب سے مخاطب کیا۔ "صعید کا گورنر ملک شادر اپنی گردن بچانے کی خاطر یہ خط وزارت ماب زریک کو بھی دکھا سکتا ہے۔ اس وقت آپ کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"پھر تیرے خیال میں تیرے آقا کو اس معاملہ میں کیا قدم اٹھانا چاہیے" ضرغام نے ملازم کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔؟

"میرے خیال میں۔۔۔" ملازم نے بڑے فخر سے کہنا شروع کیا۔ "آپ کا خط ملک شادر کو پہنچایا جائے مگر یہ نہ بتایا جائے کہ اس کا راقم کون ہے۔ ملک کے زیادہ اصرار پر کہا

Marfat.com

جا سکتا ہے کہ اس کا راقم اس کا ایک مخلص دوست ہے۔"

بے وقوف انسان۔ تو اس قابل نہیں کہ کوئی اہم کام تیرے سپرد کیا جائے۔" ضرغام غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اگر میرے سوچنے کا انداز بھی تیرا جیسا ہوتا تو آج میں داروغہ محلات شاہی کے عہدے پر فائز نہ ہوتا۔ تجھے یہ علم ہی نہیں کہ شہنشاہت کی بازیگری میں کوئی کسی کا مخلص نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنے مفاد کی تاک میں رہتا ہے اور اپنا سر بچا کر فوراً حملہ کر دیتا ہے۔"

پھر ضرغام نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا اور کہا۔ "تو بڑا بدقسمت ہے اگر بغیر چوں چرا کے اپنے آقا کا حکم مانتا رہتا تو شاید مستقبل میں کچھ بن جاتا۔ تیرے لئے داروغہ محلات کا حکم ہے کہ اسی وقت قاہرہ کی فصیل سے نکل جا اور اپنی زبان بند رکھ ورنہ میرے آدمی تیرا سر قلم کر دیں گے۔"

ضرغام کا ملازم واقعی مرد ناداں نکلا۔ ضرغام کے اس کے ہاتھ سے خط واپس لینے کو اس نے اپنی توہین خیال کیا۔ داروغہ کے سامنے تو وہ کچھ نہ بولا مگر وہاں سے نکلتے ہی اس نے دارالوزارت کا مقصد کیا اور سیدھا زریک کے محل پر پہنچا۔ محل کے صدر دروازے پر سخت پہرہ چوکی تھا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن ضرغام کے ملازم کے پاس اس کے خیال کے مطابق ایک اہم راز تھا جس کا وزارت مآب تک پہنچنا ضروری تھا۔

ملازم نے دروازہ کے محافظوں کے سردار سے کہا۔ "میں داروغہ محلات شاہی کا خاص ملازم ہوں اور وزارت مآب سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

سردار نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ "اگر حریم خلافت سے کوئی پیغام لائے ہو تو ہمیں بتاؤ ہم وزارت مآب کے فوراً گوش گزار کر دیں گے۔

"میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گا۔ مجھے وزارت مآب کے سامنے پیش کر دو۔" ملازم نے ضد کی۔

محافظوں کا سردار چڑ گیا۔ "میں داروغہ محلات ضرغام کا بڑا لحاظ کرتا ہوں ورنہ تمہاری اس ضد اور گستاخی پر تمہیں دھکے دے کر نکال دیا جاتا۔"

ملازم پھر بھی اڑا رہا۔ اس نے کہا۔ "سردار میرے پاس ایک ایسا راز ہے کہ اگر وہ وزارت مآب تک نہ پہنچایا گیا تو حریم خلافت اور دارالوزارت دونوں پر تباہی آ سکتی ہے۔"

ہتو کیا چیز ہے اور کس بات سے نہیں ڈرا رہا ہے۔"

سردار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے مار کے بھگا دو۔ کئی آدمی اس کی طرف لپکے لیکن قبل اس کے کہ کوئی اسے پکڑ سکتا کہ اوپر والے کا حکم آ گیا اور کسی طرف ایک

Marfat.com

سنسناتا ہوا تیر آیا اور اس کا دل جگر پھاڑتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔

ہر محل کا داروغہ اپنے آپ کو اس محل کا ملک اور بادشاہ سمجھتا تھا۔ حالانکہ تمام محلات کے داروغاؤں کا حاکم ضرغام تھا لیکن کوئی کسی کی پروا نہ کرتا اور سب اپنی من مانی کرتے۔ ضرغام کے ملازم کا قتل چونکہ دارالوزارت کے دروازہ پر ہوا تھا اس لئے خطرہ تھا کہ کہیں بات بڑھ نہ جائے اور وزیر پوچھ گچھ نہ کر بیٹھے اس لئے محافظوں کا سردار جو دراصل دارالوزارت کا داروغہ تھا اس چند لمحوں بعد فیصلہ کیا۔

"لاش کو یہاں سے ہٹا کر ایسی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں تک خیال کی پرواز بھی نہ پہنچ سکے۔"

چار محافظوں نے لاش پر جو اس وقت ٹھنڈی ہو چکی تھی' ایک چادر ڈالی پھر اسے اٹھا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ سردار نے اس عرصہ میں سنگی فرش کو دھلوا کر اس پر اچھی طرح کپڑا پھروا دیا۔ ان چاروں کی واپسی تک جگہ خشک ہو گئی تھی اور کوئی اندازہ بھی نہ کر سکتا تھا کہ کچھ ہی دیر بعد یہاں ایک نادان اپنی کم عقلی کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتر گیا۔ اس بات کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے مگر ایسے لوگ ہمیشہ گونگے' بہرے اور اندھے بن جاتے ہیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ مرنے والے کی طرح اپنے آقا کی حکم عدولی کریں اور اپنے انجام بد کو پہنچیں۔

ادھر ضرغام کا دوسرا ملازم اپنے آقا کا پیغام سینے کے بند دریچے ہیں سنہائے والی صعید کے محل پر پہنچا۔ ملک شادر نے غلام کے لباس ہی سے پہچان لیا کہ اس شخص کا تعلق حریم خلافت یا محلات شاہی سے ہے پھر اس نے خود اٹھ کر اس کی پیشوائی کی۔

غلام نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرگوشی کی۔ "والی صعیدہ کے لئے میرے پاس ایک اہم پیغام ہے" اتنا سنا تھا کہ ملک شادر نے تمام لوگوں کو فوراً رخصت کر دیا۔ تخلیہ ہوتے ہی ملک شادر نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ "اے حریم خلافت کے راز دار --- مجھے جلد بتاؤ کو حریم خلافت نے مجھے کس پیغام سے سرفراز فرمایا ہے؟۔"

ضرغام کے ملازم نے ضرغام کے بتائے ہوئے طریقے سے پہلے نامہ ضرغام کو نکال کر بوسہ دیا پھر اسے ملک شادر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "اے والی صعید۔ اس خط میں آپ کو ایک نئی زندگی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔"

ملک شادر نے بھی پہلے خط کو بوسہ دیا پھر کھول کے جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ خط اگرچہ مختصر تھا لیکن اسے پڑھ کے ملک شادر کو پسینہ آ گیا۔ اس نے گلو گیر آواز میں دریافت کیا۔ "اے میری دوسری زندگی کے پیامبر۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ پیغام میرے کسی خاص دوست

Marfat.com

اور ہمدرد نے بھیجا ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے میرے محسن کا نام بتا دو تاکہ میں تمہارے سامنے ایک بار اس کے اس احسان کا شکریہ ادا کر سکوں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موت مجھے اس کی مہلت نہ دے۔"

"اے والی صعید ـــ" ضرغام کے چالاک ملازم نے کہا۔ "جس ہمدرد نے آپ کو یہ زندگی کا پیغام بھیجا ہے ان نے آپ کو میری زبانی یہ یقین بھی دلایا ہے کہ اگر آپ بحفاظت دارالوزارت کے دروازہ تک پہنچ گئے تو پھر وہ آپ کی زندگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ آپ خود غور فرما سکتے ہیں کہ حریم خلافت اور محلات شاہی میں وہ کون ہستی ہے جو آپ کو ایسی مضبوط صحافت دے سکتا ہے۔"

"ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو لیکن اس وقت تک میرے ذہن میں صرف ایک ہی نام گھوم رہا ہے اور وہ نام ہے داروغہ حریم خلافت اور محلات شاہی ملک ضرغام برقیہ۔" ملک شاور نے بے خوف ضرغام کا نام ظاہر کر دیا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اور ملک ضرغام دونوں ہی کا تعلق مصر کے مقتول ملک سانحہ کے گروہ ممالک برقیہ سے ہے اور دونوں کو انہوں نے اپنے حکم سے ان عہدوں پر فائز کیا تھا۔"

ضرغام کا ملازم مسکرا دیا۔ خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا ہے اس لئے آپ سخت احتیاطی تدابیر اختیار کریں بلکہ اس سلسلہ میں جو قدم مناسب سمجھیں وہ اٹھائیں۔"

ملک شاور بڑا چالاک اور دور اندیش تھا اس نے فوراً اپنے ہمدرد سرداروں کو اکٹھا کیا اور ان سے صلاح مشورے شروع کر دیئے۔ انہیں ضرغام کے بھیجے ہوئے پیغام میں ذرا بھی شبہ نہ تھا پھر بھی وہ یہ چاہتے تھے کہ دارالخلافہ سے کوئی سرکاری اطلاع آئے تو وہ عملی قدم اٹھائیں۔ ملک شاور کے دوسرے سردار اس کا ساتھ اس وجہ سے دینا چاہتے تھے کہ ملک شاور کی گورنری ختم ہونے کے بعد ان کا بھی خاتمہ ہو جانا ضروری ہے اس لئے وہ اپنے مفاد میں ملک شاور کا ساتھ دے رہے تھے۔

ضرغام کے ملازم کو صعید آئے ہوئے دوسرا ہی دن تھا کہ ایک نیا شگوفہ کھلا۔ وہ یہ کہ دارالوزارت قاہرہ سے امیر ابن رقعہ وزیر اعظم زریک کا ایک فرماں لے کر صعیدہ پہنچا۔ امیر ابن رقعہ کے پندرہ سوار تھے۔ امیر ابن رقعہ نے ملک شاور سے فوراً ملاقات کی خواہش کی۔ ملک شاور پہلے ہی ہشیار ہو گیا تھا اور سرداروں کے مشورہ سے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے ضرغام کے ملازم کو بھی اس مشورہ میں شریک کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد ملک شاور نے امیر ابن رقعہ کو بیماری کا بہانہ کر کے محل کے اندر ہی طلب کر لیا۔ امیر ابن رقعہ کے ساتھ پندرہ سوار تھے۔ وہ ان سواروں کے ساتھ مسلح حالت

Marfat.com

میں گورنر کے محل میں چلا گیا۔ ملک شاور اسے دیکھتے ہی تاؤ کھا گیا۔ "اے امیر ابن رقعہ۔ کیا تم درباروں کے قاعدے اور قوانین بھی بھول گئے۔ یہ صعید کا دربار ہے اور میں یہاں کا والی ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دارالوزارت یا حریم خلافت کا کوئی فرمان لے کر آئے ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ایک والی کی عزت و احترام کو بالائے طاق رکھ دو اور مسلح حالت میں اپنے آدمیوں کے ساتھ یوں گھستے چلے آؤ۔"

امیر ابن رقعہ کو شاہی فرمان کا زعم تھا۔ اس نے ملک شاور سے زیادہ تلخ لہجہ اختیار کیا۔ "میں یعنی امیر ابن رقعہ کو معلوم ہے کہ حریم خلافت' دارالوزا ‌ت اور کسی والی کے دربار میں کسی طرح داخل ہوا جاتا ہے یہ سب جانتے ہوئے بھی میں جس حالت میں تمہارے پاس آیا ہوں وہ درست ہے۔"

"کیا تم مجھے صعید کا والی نہیں سمجھتے؟۔" ملک شاور نے تقریباً چیخ کے کہا۔

"بالکل نہیں۔ صوبہ صعید کا گورنر اور والی تم نہیں بلکہ میں ہوں اور میرے پاس اس کا شاہی فرمان ہے۔" یہ کہتے ہوئے امیر ابن رقعہ نے شاہی فرمان ملک شاور کی طرف بڑھا دیا۔

ملک شاور کو معلوم تھا کہ یہ فرمان اس کی معزولی کا پروانہ ہے اس لئے اس نے بڑی بے پروائی سے فرمان لے کے اسے کھولا اور سرسری طور پر پڑھ کے کہا۔

"اے امیر ابن رقعہ یہ فرمان دارانورادت سے جاری ہوا ہے جبکہ کسی والی کو معزول کرنے کا فرمان صرف حریم خلافت سے اور خلاف ماب کے دستخطوں سے جاری ہو سکتا ہے" ملک شاور نے بڑے پرسکون لہجہ میں کہا۔

"ملک شاور۔۔۔" امیر ابن رقعہ چنگاڑا۔۔۔ "تم وزارت ماب کے فرمان کی توہین کر رہے ہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً صعیدہ کی گورنری سے فوراً مستعفی ہو جاؤ ورنہ تمہیں اس گستاخی اور نافرمانی کی سزا دی جائے گی۔"

"امیر ابن رقعہ۔ یہ باتیں بعد کی ہیں۔" ملک شاور نے کہا۔ "تم نے میرے درباریوں کے سامنے میری توہین کی ہے اس لئے میں تمہاری اور تمہارے سپاہیوں کی گرفتاری کا حکم دیتا ہوں۔"

ملک شاور نے تالی بجائی اور دم کے دم میں اس کے دربار کے تمام دروازے ایک ساتھ کھلے اور ان میں سے صعید کے لشکری اس طرح داخل ہوئے جیسے چیونٹیاں بلوں سے نکلتی ہیں۔ انہوں نے امیر ابن رقعہ کے سپاہیوں کو تلوار نکالنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور سب کو گرفتار کر لیا گیا۔

Marfat.com

ملک شاور کی بغاوت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ قاہرہ اور دیگر مقامات پر امیروں وزیروں کی وفاداریاں بدلنے لگیں۔ شخصی حکومتوں میں لوگ بھاری پلڑے کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔ ان دنوں ممالک برقیہ کا زور تھا اور ان میں سے بیشتر ملک شاور کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئے تھے اور ان کی وفاداریاں وزارت ماب زریک بن صالح سے ہٹ کر ملک شاور کی طرف پھر گئی تھیں۔ دارالخلافہ قاہرہ میں شاور کے لئے ضرغام کھلے عام کام کر رہا تھا اس کا تعلق بھی ممالک برقیہ سے تھا اس وجہ سے قاہرہ میں ملک شاور کے طرف داروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ملک شاور صعید میں ٹھہر کے اپنی طاقت بڑھانے کی فکر میں تھا کہ اسے ضرغام کا پیغام ملا:۔

"قاہرہ کے در و دیوار سے ملک شاور کے نعرے پھوٹ رہے ہیں۔ آپ بے فکر تشریف لائیے۔ دارالوزارت پر آپ کا استقبال کیا جائے گا۔"

ملک شاور تمام فکریں جھٹک کر قاہرہ کے لئے سوار ہوا۔ چلتے وقت اس نے اپنے جواں عمر برادر نسبتی عامر غربی کو تاکید کی کہ حالات کا رخ دیکھ کے وہ اس کے اہل خانہ کو قاہرہ لے آئے اور عامر نے اس کے حکم پر سر جھکا دیا تھا۔ ملک شاور کو زریک کا دھڑکا لگا ہوا تھا اس لئے ڈرتے ڈرتے قاہرہ پہنچا۔ وہاں ضرغام داروغہ محلات شاہی معہ تمام امرائے سلطنت کے ملک شاور کو خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھا۔

ملک شاور نے پہلا سوال زریک کے بارے میں کیا۔ "وہ برادر زریک کدھر ہے؟"

ضرغام مسکرایا۔ "آپ فکر نہ کیجئے وہ قاہرہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔"

ملک شاور اس خبر سے بہت خوش ہوا۔ اس کے تینوں بیٹے علی۔ طے اور کامل اس کے ساتھ تھے ملک شاور نے بغیر خون بہائے یہ مقام حاصل کیا تھا اس لئے اہل شہر اس کے دیدار کے لئے نکل پڑے اور اس پر پھولوں کی بارش کی۔ ملک شاور جلوس کی صورت میں اپنے دوست سعید السعداء کے مکان پر اترا۔ اسی مکان پر امراء کا اجلاس کیا اور بادشاہوں کی طرح نذریں قبول کیں۔

مصر کا فاطمی خلیفہ عاضد کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس وقت طاقت ملک شاور کے ہاتھ میں ہے اس لئے وہ ملک شاور کو وزارت کا قلمدان سونپنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ حریم خلافت کا ہرکارہ سعید السعداء کے گھر پر ملک شاور کو مبارک باد دینے پہنچ چکا تھا۔ مصر کے وزیر اعظم کا مسکن دارالوزارت جانے میں قصداً" دیر کر رہا تھا۔ وہ دراصل زیادہ سے زیادہ وفاداریاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب اسے بتایا گیا کہ مصر کے تمام امیروں اور سرداروں

Marfat.com

نے اس سے اظہار اطاعت کر دیا ہے تو وہ دارالوزارت روانہ ہوا۔

دارالوزارت کے صدر دروازہ پر بھی داروغہ محلات ضرغام نے اسے خوش آمدید کہا اس لئے کہ پہلے استقبال کے وقت وہ قاہرہ کے امرا کا نمائندہ تھا اور اس وقت وہ تمام محلات شاہی کا داروغہ ہونے کی حیثیت سے جس میں دارالوزارت یعنی وزیر کا محل بھی شامل تھا اس وجہ سے اسے اس استقبال میں بھی مرکزی حیثیت تھی۔ شاید یہ چیز ملک شاور کو ناگوار گزری کیونکہ اس وقت ضرغام سے ملتے ہوئے اس کے رویہ میں پہلا جیسا جوش نہ تھا۔ لوگوں نے اسے تھکن پر معمول کیا لیکن دور اندیش لوگ سمجھ گئے کہ ملک شاور اور ضرغام میں زیادہ دن نہیں بنے گی۔ یہ چیز ضرغام نے بھی محسوس کر لی تھی اور اس نے بھی ملک شاور کا استقبال کرتے وقت کسی خاص جوش و خروش کا اظہار نہ کیا تھا بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک ناگوار فرض ادا کر رہا ہو۔

اسی شام ضرغام نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ "خلافت ماب (خلیفہ) انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ کو ابھی یاد فرمایا ہے۔"

ملک شاور کو ضرغام کا دخل در معقولات پسند نہ آیا۔ اس نے تلخ لہجہ میں کہا۔ "تم ان معزز امرا کو نہیں دیکھتے۔ کیا انہیں چھوڑ کے حریم خلافت پر سجدہ ریزی زیادہ ضروری ہے۔"

ضرغام کو ناگوار تو بہت گزرا لیکن اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "وزارت ماب ہر فیصلہ کرنے میں خود مختار ہیں۔ ضرغام محض حکم بندہ ہے۔ حریم خلافت نے حکم دیا میں پیغام لے کر حاضر ہو گیا۔ وزارت ماب جو حکم فرمائیں گے وہ حریم خلافت پہنچا دوں گا۔"

ملک شاور اس جواب سے تلملا گیا لیکن وقت کی نزاکت کا اسے بھی احساس تھا۔ فوراً سنبھلا اور بولا۔ "میں کل حریم خلافت میں حاضر ہوں گا۔"

ملک شاور نے بات ٹالنے اور ضرغام کو چپ کرنے کے لئے جواب دیا تھا لیکن ضرغام جیسے اسے چمٹ گیا تھا۔ اس نے دوسرا سوال کیا۔ "اور وزارت ماب دارالوزارت کب تشریف لائیں گے؟"

"یہ ہمارا درد سر ہے۔ داروغہ محلات کو فکر کی ضرورت نہیں۔"

ملک شاور اور داروغہ ضرغام کی اس مختصر گفتگو سے اندازہ لگانے والوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ داروغہ محلات نے ملک شاور کو یہ مقام دلانے میں جو کردار ادا کیا تھا اس کا احساس شاور کے علاوہ ضرغام کو بھی تھا۔ اگر ضرغام قبل از وقت ملک شاور کو ہوشیار نہ کر دیتا تو عین ممکن تھا کہ شاور خوف کھا کر گورنر صعید کا عہدہ چھوڑ دیتا۔ یہ بات ملک شاور کے ذہن کے ایک گوشہ میں محفوظ تھی لیکن دوسری

Marfat.com

طرف وہ تمکنت تھی جو فاطمی سلطنت کے تمام امراء کے اس کے سامنے سر جھکانے سے ملک شاور کو حاصل ہوتی تھی۔

ملک شاور مصر کی فاطمی سلطنت کا وزیر اعظم تھا۔ اگرچہ ابھی تک اس نے نہ تو دارالوزارت میں قدم رکھا تھا اور نہ حریم خلافت کی طرف سے اسے قلمدان وزارت پیش کیا گیا تھا لیکن یہ سب فروعی باتیں تھیں۔ امرا نے اس کی اطاعت کر کے اس کی بڑائی اور وزارت تسلیم کر لی تھی۔ اب تو خلیفہ عاضد بھی یہ جرات نہ کر سکتا تھا کہ وہ شاور کو وزارت پیش کرنے میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ دکھائے بہرحال کوئی صورت بھی ہو لیکن یہ بات پہلے ہی دن سامنے آگئی کہ ضرغام اور ملک شاور دو مختلف خیالات اور جذبات کے انسان ہیں اگر ملک شاور سلطنت مصر کا وزیر تھا تو اس کی وزارت کی داغ بیل ضرغام نے ڈالی تھی۔

ملک شاور کو قاہرہ آتے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اس دوران اس نے حریم خلافت میں خلیفہ عاضد کا دیدار کیا تھا۔ حریم خلافت کی تفصیل اور اس کی آرائش و زیبائش کا اگر ذکر کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ باب چاہئے قاری یہ سمجھ لیں کہ خلیفہ عاضد کا محل بازنطینی اور رومی سلطنت کے شاہی محلات سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ نوادرات کے سلسلے میں تو اس کا درجہ ان سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

ملک شاور کے اہل خانہ اب تک صعیدہ میں تھے۔ وہ حکم دے آیا تھا کہ حالات دیکھ کر اہل خانہ کو قاہرہ لایا جائے۔ یہ حکم ملک شاور نے اپنے برادر نسبتی عامر غربی کو دیا تھا۔ عامر نے قاہرہ سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ روز سرائے جا کر قاہرہ سے آنے والوں سے ملاقات کرتا اور وہاں کے تفصیلی حالات معلوم کیا کرتا تھا۔ اسے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملک شاور خیریت سے قاہرہ پہنچ گئے ہیں انہیں وزارت کا عہدہ بھی مل گیا ہے۔ کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی لیکن ایک بات اس کی سمجھ سے باہر تھی مصر کے وزیر اعظم کا ایک الگ محل تھا جو دارالوزارت کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن ملک شاور اس محل میں رہنے کی بجائے قاہرہ میں کسی دوست کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ بات اتنی عجیب تھی کہ عامر غربی جس قدر اس پر غور کرتا اس کا ذہن اور زیادہ الجھ جاتا۔

ملک شاور کا دارالوزارت میں قیام نہ کرنا دراصل اس تلخ گفتگو کا ایک نتیجہ تھا جو پہلے دن ملک شاور اور داروغہ ضرغام کے درمیان ہوئی تھی۔ ملک شاور، داروغہ محلات سے پہلے ہی روز کھٹک گیا تھا اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ دارالوزارت میں اس وقت تک قدم نہ رکھے گا جب تک داروغہ محلات ضرغام زندہ ہے۔ اس کے اس ارادہ کا صاف

Marfat.com

مطلب یہ تھا کہ وہ ضرغام کو کسی صورت برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ ضرغام بھی کچھ کم چالاک نہ تھا۔ وہ روز اول ہی سمجھ گیا تھا کہ ملک شاور جیسے تند خو وزیر اعظم کے ساتھ اس کا گزارہ مشکل ہے۔ ملک شاور کے دارالوزارت نہ جانے سے ضرغام کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ ملک شاور اس کے خلاف ضرور کوئی سازش کر رہا ہے۔ وہ نہ صرف محتاط ہو گیا تھا بلکہ اس نے بھی ملک شاور کو وزارت سے اکھاڑنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں کیونکہ ان حالات میں قاہرہ میں ملک شاور اور داروغہ ضرغام میں سے صرف ایک ہی ہستی رہ سکتی تھی۔

ملک شاور کے اہل خانہ میں شاور کی دوسری بیوی کے علاوہ دو چھوٹی بچیاں شامل تھیں جو قاہرہ جانے کی ضد کر رہی تھیں پچھلے سال ان اہل خانہ میں ملک شاور کی مرحوم بہن کی ایک جواں سال بیٹی زر تاج بھی شامل ہوئی تھی۔ زر تاج ایک بھولی بھالی دیہاتی لڑکی تھی لیکن اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں نے عامر غربی کو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ عامر کی بہن یعنی ملک شاور کی بیوی نے جب اپنے بھائی کا رجحان زر تاج کی طرف دیکھا تو اس نے ارادہ کیا کہ اگر شاور مان جائے تو عامر اور زر تاج کا رشتہ کر دیا جائے لیکن پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ عامر مغربی کو چھ سات ماہ صعید سے باہر رہنا پڑا۔ عامر مغربی کی صعیدہ واپسی کے فوراً بعد ہی یہ انقلاب آ گیا۔

عامر مغربی نے کئی بار ارادہ کیا کہ وہ قاہرہ جا کر حالات معلوم کر لے لیکن اس کی بہن نے جانے نہ دیا شوہر کی عدم موجودگی میں وہ بھائی کو صعید سے دور بھیجنے پر آمادہ نہ تھی۔ ادھر چھوٹے بچوں کی ضد بڑھتی جا رہی تھی۔ اب تو زر تاج بھی بچوں کے ساتھ شامل ہو گئی اسے یہ علم تھا کہ عامر اسے پسند کرتا ہے اور اس کی شادی کسی وقت بھی عامر کے ساتھ ہو سکتی ہے اس لئے وہ عامر کو ناز و نخرے بھی دکھاتی اور اکثر اس سے بچوں کی طرح ضد بھی کرتی تھی۔

"آخر تم ہمیں لے کے قاہرہ کیوں نہیں چلتے۔" ایک دن زر تاج نے ٹھنک کے کہا۔

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔" عامر غربی نے زر تاج کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"یہ بہانہ سنتے سنتے ایک مہینہ ہونے کو آیا ہے۔ تمہیں نہیں چلنا ہے تو بتا دو۔ میں ممانی سے کہہ کے کوئی اور انتظام کروں گی۔"

ماشاء اللہ تم تو بہت بہادر معلوم ہوتی ہو۔" عامر غربی مسکرایا۔ "تمہیں میری بات بہانہ لگتی ہے۔ جب تک قاہرہ کے صحیح حالات معلوم نہ ہو جائیں' وہاں جانا کسی طرح مناسب نہیں۔"

Marfat.com

"میں حالات ولات کو نہیں جانتی۔" زرتاج نے نخرے سے کہا۔ "کان کھول کے سن لو اگر اگلے ہفتہ تک تم نے جانے کا فیصلہ نہ کیا تو میں ممانی اور بچوں کو ساتھ لے کر چلی جاؤں گی اور تم مجھے دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔"

"تمہیں تو میں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔" عامر کو ہنسی آ گئی۔ پھر اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "یقین کرو زرتاج۔ مجھے تم سے زیادہ قاہرہ جانے کی جلدی ہے لیکن ایسے پر آشوب دور میں بغیر سوچے سمجھے قاہرہ میں قدم رکھنا کوئی عقلمندی نہیں پھر ایسی حالت میں کہ ساتھ میں بہن۔ دو بچیاں اور زر تاج بھی ہو۔"

"مجھے تم ضرور طعنہ دو گے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" زر تاج نے منہ پھلا لیا۔

"یہ کیا کم بگاڑا ہے کہ صبح سے شام تک قاہرہ چلنے کی رٹ لگائے رکھتی ہو

"اچھا بھئی۔ میں باز آئی۔ اب جو کبھی قاہرہ کا نام لوں تو کہنا۔"

عامر غزنی ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔ شام کو جب وہ واپس آیا تو اس نے بہن سے بات کی۔ "باجی" بھائی جان کو گئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ ان کی طرف کوئی اطلاع نہیں آتی اور میرے لئے تاکید ہے کہ قاہرہ کے حالات دیکھ کے آپ لوگوں کے ساتھ قاہرہ پہنچوں۔"

بہن ذرا دیر انتظار کرتی رہی کہ شاید عامر کچھ اور کہے لیکن عامر خاموش رہا تو اس نے کہا۔ "عامر ان باتوں پر تو ہم ایک سے زیادہ بار گفتگو کر چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تم اب کیا کرنا چاہتے ہو۔ تمہارے ذہن میں اس کا کوئی حل یا تدبیر ہے۔"

"باجی ---" عامر نے ادب سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کوئی فیصلہ کریں۔ بھائی جان سے ممکن ہے کہ ہمیں کوئی اطلاع دی ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ ہم تک نہ پہنچی ہو۔"

اس کی باجی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں عمر میں تم سے ضرور بڑی ہوں لیکن عقل میں تم مجھ سے آگے ہو۔ تدبیر تم ہی کو کرنا ہو گی۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جب تک پرانا وزیر گرفتار نہ ہو جائے اس وقت تک تمہارے بھائی جان کی وزارت مضبوط نہیں ہو سکتی۔"

"اس ظالم کا تو ذکر ہی نہ کرو باجی۔" عامر غزنی نے بتایا۔ "زریک بھائی جان کے قاہرہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے تمام اسباب اور غلاموں کے ساتھ قاہرہ سے نکل بھاگا تھا۔ وہاں سے وہ لدا پھندا لبتچہ پہنچا اور بھائی جان کے ایک دوست ابن نصیر بن ابو الفتوح سے مدد حاصل کرنا چاہی۔ ابن نصیر کو جب معلوم ہوا کہ زریک حکومت مصر کا باغی اور وزیر اعظم ملک شاور کا دشمن ہے تو انہوں نے زریک کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیج دیا۔ بھائی جان نے ہفتہ بھر قید میں رکھا جہاں اس نے حکومت کے خلاف ایک سازش کی اور اس جرم میں قتل

Marfat.com

کر دیا گیا۔"

"یہ تو میدان ہی صاف ہو گیا۔" بہن نے خوش ہو کے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً قاہرہ پہنچنا چاہئے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" عامر غربی نے تاکید کی۔ "لیکن آپ کو وہاں لے جانے سے پہلے میں قاہرہ کا ایک چکر لگانا چاہتا ہوں۔"

"اس قدر بھی احتیاط کی ضرورت نہیں عامر۔" بہن نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "اگر تمہارا خیال ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا مناسب نہیں تو زرتاج کو میں امی کے گھر بھیج دیتی ہوں۔ رہی میں تو میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔"

"زرتاج کے ساتھ دونوں بچیوں کو بھی امی کے پاس بھیج دو باجی۔" عامر غربی نے مشورہ دیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" بہن نے مان لیا۔

لیکن جب زرتاج سے بات کی تو وہ اکڑ گئی۔

"میں تو قاہرہ جاؤں گی۔ ماموں نے مجھے بیٹی بنایا ہے۔ میں ان کے پاس جاؤں گی۔" زرتاج نے پورا گھر سر پہ اٹھا لیا۔

عامر کی بہن نے اسے سمجھایا۔ "زرتاج ہوش کے ناخن لو۔ میں بھی تو اپنی دونوں بیٹیوں کو اماں کے پاس بھیج رہی ہوں۔ یہ دونوں تمہارے ماموں کی سگی بیٹیاں ہیں۔"

مگر زرتاج کا ہے کہ ماننے والی تھی۔ چمک کے بولی۔ "آپ مجھے ساتھ نہیں لے گئیں تو میں اکیلی قاہرہ پہنچ جاؤں گی۔ مجھے گھوڑے کی سواری آتی ہے اور رستہ بھی معلوم ہے۔"

بیچاری ممانی چپ ہو کے رہ گئی۔ عامر باہر سے آیا تو اس نے چپکے سے کہا۔ "زرتاج بہت تیز لڑکی ہے۔ کہتی ہے میں قاہرہ ضرور جاؤں گی چاہے اکیلے گھوڑے پر بیٹھ کے جانا پڑا۔"

عامر ذرا اوپر مسکرا مسکرا کے بہن کو دیکھتا رہا پھر کہا۔ "باجی اجازت دو تو میں سمجھاؤں زرتاج کو۔"

"تم روز تو سمجھاتے ہو اس کو ——— مجھ سے کبھی پوچھا ہے۔" باجی نے اسے منہ توڑ جواب دیا۔

عامر کو شرمندہ ہونا ہی تھا۔ کچھ دیر بغلیں جھانکتا رہا پھر اس کمرے میں چلا گیا جہاں زرتاج بیٹھی تھی۔ "زرتاج" عامر نے اس زور سے کہا کہ زرتاج اپنی جگہ اچھل پڑی۔

"اتنی زور سے بولتے ہو۔ میں تو ڈری گئی تھی۔" زرتاج نے سہمے لہجہ میں کہا۔

Marfat.com

"سیدھی بات تمہاری سمجھ میں آتی ہی نہیں۔" عامر کے ہر لفظ سے غصہ ٹپک رہا تھا۔ "کہہ دیا کہ اس وقت تمہارا قاہرہ جانا مناسب نہیں۔ پھر کیوں ضد کر رہی ہو۔ بابا نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا لیکن مجھے ٹھپکار مارا۔"

زرتاج نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن کچھ سوچ کے خاموش رہی۔

عامر کو جواب نہیں ملا تو وہ اور بپھر گیا۔ "بھائی قاہرہ پہنچ چکے ہیں پہلا وزیر اعظم مارا جا چکا ہے لیکن بھائی جان اب تک دارالوزارت یعنی وہ محل جس میں وزیر اعظم رہتا ہے' اس پر اب تک قبضہ نہیں کر سکے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ وہ کسی اور کے گھر کیوں پڑے ہیں۔ یہ سوالات ایسے ہیں جن کا جواب ملنا ضروری ہے۔ اس سے پہلے قاہرہ میں عورتوں اور بچوں کو لے کر داخل ہونا موت کو دعوت دینا ہے۔ بھائی جان کو اپنی بیوی اور بچوں کی اگر ضرورت ہوتی تو انہوں نے اب تک کسی کو بھیجا ہوتا۔ ان کی خاموشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہاں کے حالات بھائی جان کے قابو میں نہیں اور تم ہو کہ قاہرہ کی رٹ لگا رہی ہو۔۔۔۔"

زرتاج نے آج پہلی بار عامر غبی کا غصہ دیکھا تھا۔ اب تک وہ اس کا پیار ہی دیکھتی آئی تھی اور زندگی کو پھولوں کی سیج سمجھتی تھی۔ عامر کی باتوں نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ زندگی گزارنا اس قدر آسان نہیں جتنا وہ سمجھتی ہے۔

"معاف کر دو عامر۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کی کٹورہ جیسی آنکھوں سے دو موتی ٹپک پڑے۔

عامر کا غصہ دھواں بن کے اڑ گیا۔ سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں۔ اس نے گھبرا کے زرتاج کا جھکا ہوا چہرہ اوپر اٹھا دیا۔ "ارے یہ کیا کرتی ہو۔ تم تو رونے لگیں ۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔"

"غلطی میری تھی عامر۔" زرتاج نے سسکی اور عامر کا دل ہل کے رہ گیا۔

تمہاری نہیں۔ میری غلطی تھی زرتاج میں نے تمہارا دل دکھایا ہے ۔۔۔۔" عامر کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کس طرح زرتاج کو منائے۔ اس سے معافی مانگے۔ زرتاج اپنی جگہ شرمندہ شرمندہ اور سہمی سہمی تھی۔ اسے ڈر لگ رہا تھا کہ ان باتوں سے اس کی محبت کا پودا نہ مرجھا جائے۔

"تم ممانی کو لے کے چلو جاؤ عامر۔ جب تم بلاؤ گے میں آ جاؤں گی۔" زرتاج نے آنسو پونچھ لئے۔

"میں اکیلا جاؤں گا زرتاج۔" عامر نے دوسرا فیصلہ کر لیا۔ "اگر قاہرہ کے حالات

Marfat.com

درست ہوئے تو میں واپس آ کے سب کو لے جاؤں گا۔"

زرتاج نے بڑی شکر گزاری سے عامر کو دیکھا۔ شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ ساتھ اس میں محبت کی چاشنی بھی تھی۔

عامر نے تھوڑی دیر بہن سے گفتگو کی۔ سفر کے لئے وہ پہلے ہی تیار تھا۔ رات کو سب لوگ دیر تک جاگتے اور باتیں کرتے رہے اور صبح دم عامر سوار ہو کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اس نے احتیاط کے طور پر دو سوار اور لے لئے تھے۔

قاہرہ کے حالات بظاہر پر سکون تھے لیکن یہ سکوت' طوفان سے پہلے والا سکوت تھا۔ ملک شاور کو قلمدان وزارت مل گیا تھا اور خلافت مآب کے اصرار پر ملک شاور' اپنے سرکاری محل یعنی دارالوزارت میں بھی منتقل ہو گیا تھا لیکن دونوں طرف اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ داروغہ محلات ضرغام اگرچہ ملک شاور کا بڑا ادب اور لحاظ کرتا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل میں عجلت برتتا لیکن اس کے سیاہ دل میں تقص بھر گیا تھا۔ ملک بڑا شاطر اور ذہین تھا لیکن اس نے بھی زریک والی غلطی کی تھی۔ زریک نے وزارت سنبھالتے ہی گروہ برقیہ سے نظریں پھیر لی تھیں کیونکہ وہ مصر کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ یہی روش ملک شاور نے اختیار کی۔ ضرغام نے پہلے ملک شاور کے مقابلہ پر آنے کی کوشش کی لیکن گروہ برقیہ جس کا اب ضرغام سردار اعلیٰ بن چکا تھا انہوں نے ضرغام کو سمجھا بجھا کر اس غلطی سے باز رکھا۔

ضرغام کے دل میں جو کچھ تھا اس سے قطع نظر اس نے ملک شاور کی اس قدر طرفداری' وفاداری اور خدمت گزاری کا اظہار کیا کہ ملک شاور جیسا چالاک آدمی بھی دھوکہ کھا گیا۔ پھر جب عامر غزنی قاہرہ پہنچا تو ضرغام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے خلیفہ کے مہمان خانہ میں عامر کو ٹھہرایا اور اس کی خوب مہمانداری۔ یہاں تک کہ خود عامر نے بھی ملک شاور سے ضرغام کے حسن سلوک کی بے حد تعریف کی۔ ملک شاور کو ہر قسم کا اختیار حاصل تھا۔ اس نے اپنے طور پر بھی ضرغام سے تعلقات استوار کر لئے تھے پھر بھی اس کے دل کو سکون نہ تھا۔ ایک نامعلوم خوف تھا جو راتوں کے اندھیرے اور اکثر دن کے اجالے میں بھی اسے چونکا دیا کرتا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس نے بغاوت کر کے مصر کی وزارت حاصل کی تھی اور مصر کے سابق وزیر اعظم زریک کو موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا یا پھر اس لئے کہ مصر کا ہر وزیر اعظم اسی طرح قتل ہوا کرتا تھا۔ زریک کے باپ ملک الصالح کا یہی انجام ہوا تھا پھر زریک بھی مارا گیا۔

ملک شاور نے اپنی وزارت مضبوط کرنے کے لئے یروشلم کے عیسائی بادشاہ کو سالانہ خراج بھی بے چون و چرا اور مقررہ وقت سے پہلے ہی ادا کر دیا تھا پھر بھی اس کے دل کا

Marfat.com

چور بار بار اسے ڈراتا تھا۔ اسے اپنی بیوی اور دونوں بچیوں سے جنہیں وہ صعید میں چھوڑ آیا تھا' بے حد محبت تھی۔ اس نے طے کیا تھا کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں یا تو دو روز کے لئے صعید جائے گا یا پھر انہیں قاہرہ بلوا لے گا لیکن وہ کوشش کے باوجود دونوں میں سے کوئی بات پوری نہ کر سکا تھا۔ اب عامر غزلی آیا تو وہ پریشان ہو گیا۔ دل چاہا کہ اس سے کہہ دے کہ بچوں کو فورا لے آؤ لیکن رات اس کے بڑے بیٹے علی نے ضرغام کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کیں کہ ملک شاور گھبرا گیا۔

عامر غزلی کو قاہرہ آئے تیسرا دن تھا اور اس کے خیال میں حالات بالکل پرسکون تھے مگر ملک شاور کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔ آخر عامر نے زور دے کے کہا۔ "ملک بھائی۔ آپ بہت مصروف رہتے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو۔ اس لئے آپ مجھے رخصت کیجئے۔"

"لیکن تم کیسے جاؤ گے عامر۔ میرا مطلب ہے کہ تم صعید جا کر کیا کہو گے۔ میں نے تو تمہیں کوئی بھی جواب نہیں دیا۔" ملک شاور نے بہت ٹھہر ٹھہر کے جملے ادا کئے۔

"آپ نے جواب نہیں دیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صعید کے معاملات میں ابھی آپ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے بہتر ہے کہ فی الحال حالات جوں کے توں رکھے جائیں۔" عامر نے جو حالات دیکھے اور سمجھے تھے ان کا یہی تقاضہ تھا کہ وہ اس طرح جواب دے۔

"تم نے یہاں کے حالات دیکھے ہیں۔ اس وقت پرسکون ہیں لیکن ————" ملک شاور کہتے کہتے رک گیا۔ ملک شاور نے ادھر ادھر دیکھا پھر سرگوشیوں میں کہا۔ "مجھے دارالوزارت کے ہر غلام اور ہر کنیز پر شبہ ہے کہ وہ جاسوس ہے۔"

"کس کا جاسوس ہے۔ آپ کا یہاں کون دشمن ہے؟۔" عامر غزلی نے آہستہ سے پوچھا۔

"دیکھنے میں کوئی دشمن نہیں لیکن یقین کرو اس محل کی دیوار میں تک دشمن اور جاسوس ہیں۔" ملک شاور نے بڑے یقین سے کہا۔ "تم ضرغام کی تعریف کرتے ہو وہی سب سے خطرناک انسان اور میرا ایک چالاک دشمن ہے۔"

"آپ کا کہنا ٹھیک ہو گا۔ میں نے تو جو دیکھا وہ بیان کر دیا۔" عامر نے سادگی سے جواب دیا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ اور باجی اور بچوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا———"

ملک شاور نے ایک لمحہ سوچ کے کہا۔ ذرہ دو ایک دن اور ٹھہرو۔ ممکن ہے کہ حالات کوئی بہتر رخ اختیار کریں۔"

Marfat.com

"ٹھیک ہے۔ آپ جیسا ارشاد فرمائیں"

ملک شاور کچھ دیر خیالات میں گم رہا پھر بولا ---"آج یروشلم سے جواب آنے والا ہے۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

عامر غربی نے حیرت سے ملک شاور کو دیکھا ----"یروشلم تو عیسائی سلطنت ہے۔ کیا آپ کی ان سے دوستی ہے؟۔"

"تمہیں مصر کے صحیح حالات کا علم نہیں۔" ملک شاور کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ "اک زمانہ تھا کہ شام اور فلسطین کی تمام عیسائی ریاستیں مصر کی ماتحت تھیں لیکن اب مصر اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ ہمیں اپنی بقاء کے لئے شاہ یروشلم کو ایک معقول رقم خراج کے طور پر دینا پڑتی ہے۔ مصر کی وزارت بھی شاہ یروشلم کے رحم و کرم پر ہے۔ میں نے وزارت سنبھالتے ہی شاہ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اسے خراج کی مقررہ رقم سے بھی زیادہ ادائیگی کی تھی۔ پھر بھی اس کا منہ ٹیڑھا ہی ہے۔ میں نے اس سے بہتر تعلقات کے لئے ایک سفارت بھیجی ہے جس کی واپسی کی آج کل میں امید ہے۔

عامر غربی کے لئے یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا ملک مصر ایک عظیم اسلامی ریاست ہے لیکن یہ معلوم کر کے اسے افسوس ہوا کہ یہ محض ایک ڈھونگ ہے۔ مصر کی چابی شاہ یروشلم کے ہاتھوں میں ہے اور یہاں کے وزیر اور خلیفہ کو اپنے تقرر اور بقا کے لئے یروشلم کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔

یروشلم سے مصر کا سفیر واپس آ گیا۔ ملک شاور کو بڑی امید تھی لیکن سفر سے گفتگو کے بعد جب عامر غربی کمرے میں گیا تو اس نے ملک شاور کو فکر مند بیٹھے دیکھا۔

"کیا ہوا بھائی جان۔ آپ پریشان کیوں ہیں؟" عامر غربی نے ادب سے پوچھا۔

"مصر کی وزارت عظمیٰ کانٹوں کی سیج ہے عامر۔" ملک شاور نے پریشان کن انداز میں کہا۔ "میں نے مصر کے خزانہ سے شاہ یروشلم کو اتنی رقم بھجوائی ہے کہ اس سے پہلے کبھی بھیجی نہیں گئی لیکن شاہ یروشلم کا منہ اب بھی سیدھا نہیں۔ شکریہ کے دو لفظ کہنا تو الگ رہا اس نے حکم دیا کہ خراج کی ادائیگی میں ایک دن بھی دیر نہ ہونا چاہئے ورنہ یروشلم کی فوجیں مصر کے دروازہ پر ہوں گی۔

"مصر کے عام لوگوں کو یہ بات نہیں معلوم کہ ان کی حکومت ایک عیسائی بادشاہ کو خراج دیتی ہے۔" عامر درد بھرے لہجہ میں کہا۔ "کم از کم میرے لئے یہ ایک نیا انکشاف ہے۔"

ہتمہارا خیال ٹھیک ہے عامر۔" ملک شاور افسردگی سے بولا۔ "جب سے خلافت ماب

Marfat.com

نے اپنے آپ کو حریم خلافت میں مقید کر لیا اس وقت سے مصری قوم اور مصری لشکر مورال گر گیا ہے وہ بھی لاپروا ہو کر رہ گئے ہیں۔ خلیفہ تو عام طور سے برقرار رہتا ہے لیکن وزارت روز الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ جس کو موقع ملتا ہے یا یوں سمجھ کر جس کے ساتھ زیادہ امرا ہو جاتے ہیں وہ وزارت پر قبضہ کر لیتا ہے۔"

"ایسی وزارت سے تو دور رہنا ہی اچھا ہے بھائی جان ----" عامر غربی نے ہمت کر کے کہا۔

"اسی جھنجٹ کی وجہ سے میں قاہرہ سے دور پڑا تھا۔" ملک شاور نے اپنی صفائی پیش کی۔ "مگر تم نے دیکھا کہ زریک نے کیا حرکت کی۔ میں نے اس کی طرفداری کی اور اس کی وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے خود چل کے اس کے پاس آیا تھا لیکن اس کے دل میں نہ جانے کیوں گرہ پڑ گئی تھی پھر مجبور مجھے وہ قدم اٹھانا پڑا جسے میں اٹھانا نہیں چاہتا تھا"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں چلا جاؤں۔" عامر غربی سے صاف کہہ دیا۔ "مجھے یہاں کی فضا کچھ اچھی محسوس نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں باجی اور بچوں کو یہاں لانا کسی طرح مناسب نہیں۔"

"مجبوری ہے عامر۔" ملک شاور نے واقعی بڑی مجبوری سے کہا۔ "بال بچوں سے کوئی دور نہیں رہنا چاہتا" لیکن اپنی مصیبت میں انہیں کھینچ لینا نہ محبت ہے اور نہ عقلمندی۔ تم ذہین جوان ہو۔ اس کی باتوں سے اندازہ لگانا کہ آیا کسی مشکل کی صورت میں وہ کس حد تک تمہارا ساتھ دے سکتا ہے---" چند لمحے رکنے کے بعد ملک شاور نے بڑے مایوس لہجہ میں کہا۔ "اگر تم مناسب سمجھنا تو بچوں کو لے کر کسی اور محلّہ میں منتقل ہو جانا۔ ذرا بہتر ہے کہ تم صعید کو چھوڑ دو اور کسی اور شہر میں رہائش اختیار کر لو۔"

ملک شاور کا لہجہ اس قدر مایوس کن تھا کہ عامر غربی گھبرا گیا۔ "بھائی جان یہ آپ کیا فرما رہے ہیں----"

ملک شاور نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بولنے سے منع کیا۔ "مجھے کہنے دو عامر۔ پتہ نہیں پھر وقت ملے یا نہ ملے۔ مجھے امید نہیں کہ قاہرہ کے حالات جلد سنبھل جائیں تمہارے لئے یہ سخت تاکید ہے کہ اگر تم کبھی بچوں کو لے کے قاہرہ آؤ تو دارالوزارت ہرگز نہ آنا بلکہ میرے دوست سعید السعداء کے گھر پر اترنا وہ میرے سچے دوست ہیں اور ہر قیمت پر تمہاری حفاظت کریں گے۔"

عامر غربی نے دیکھا کہ ملک شاور کی آنکھیں اشکبار ہو گئی ہیں۔

"بھائی جان کیا آپ نے حوصلہ ہار دیا؟۔" عامر غربی کے منہ سے اک دم نکل گیا۔

Marfat.com

"عامر!" ملک شاور اک دم چیخ اٹھا۔ اس کا چہرہ اک جرم متغیر ہو گیا تھا اور وہ آنکھیں جن میں اشک تیرتے معلوم ہو رہے تھے وہ آنکھیں اب شعلے برسا رہی تھیں۔

"تم مجھے بزدلی کا طعنہ دے رہے ہو۔" ملک شاور نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں سپاہی بچہ ہوں عامر۔ شمشیر زنی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ میں سوائے اپنے خدا کے کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ جس وقت میں صعید سے قاہرہ کی طرف چلا تھا تو میرے ساتھ صرف دو ہزار سوار تھے۔ یہ اور بات ہے کہ قاہرہ پہنچتے پہنچتے سواروں کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ وقت کتنا نازک تھا۔ جب میں اس وقت حوصلہ نہیں ہارا تو اب کیوں دل چھوڑوں گا۔ میں نے تلوار کے زور پر وزارت حاصل کی ہے اور کوشش کروں گا کہ تلوار کی لاج رکھوں۔ تم اطمینان سے جاؤ اور صرف نہیں اور بچوں کی حفاظت کا خیال رکھو۔ سیاست اور حکومت کے معاملات کی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان معاملات کو میں خود سنبھالوں گا۔"

عامر غزلی کا دھڑکتا دل ٹھہر گیا اور بس وقت وہ صعید واپس ہوا تو اسے ملک شاور کی طرف سے بہت اطمینان تھا۔

صعید میں عامر کا استقبال بڑی خاموشی سے ہوا۔ سب اس کے سامنے اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے بچے کہانی سننے دادی اماں کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ عامر کو معلوم تھا کہ سب کے دل قاہرہ جانے کے لئے بے چین ہیں اور وہ عامر سے قاہرہ جانے کی خوشخبری سننا چاہتے ہیں۔ عامر نے انہیں مایوس نہ کیا اور مصلحتاً جھوٹ بولا---"خوش ہو جاؤ بچو۔ تمہارے ابو بہت جلد صعید آ رہے ہیں۔"

بچے خوش ہو گئے لیکن بچوں کی ماں کی بے چینی بڑھ گئی۔

"کب آ رہے تمہارے بھائی جان۔ وہاں خیریت تو ہے۔ کیا وہ ہمیشہ کے لئے واپس آ رہے ہیں---" عامر کی بہن نے ایک ساتھ کئی سوالات کر ڈالے۔"

"وہ بہت مصروف ہیں باجی---" عامر نے بہن کو مطمئن کرنے کو کہا۔ "سر اٹھانے کی فرصت نہیں انہیں---"

"پھر وہ کیسے آئیں گے صعید؟" بہنے بھائی کا جھوٹ پکڑ لیا۔

عامر غزلی نے فوراً دوسرا جھوٹ بولا۔ "انہوں نے کہا ہے کہ وہ جلد نہ آ سکے تو کسی کو بھیج کے بچوں کو بلوا لیں گے۔"

Marfat.com

"کسی کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں تو تم لے جا سکتے ہو؟" بہن نے سوالوں سوال کر کے عامر کو بوکھلا دیا۔

عامر نے سنبھل کے کہا۔ "یہ مسئلہ بعد کا ہے۔ پہلے قاہرہ سے بلاوا آنے تو دو۔"

نہ قاہرہ سے بلاوا آئے گا اور نہ ہم وہاں جا سکیں گے۔" زرتاج نے جل کے کہا۔ وہ اب تک خاموشی سے باتیں سن رہی تھی۔

"تم جب بولو گی بے تکی ہی بولو گی۔" عامر کو غصہ بہن کے سوالوں پر آ رہا تھا لیکن اس نے سارا غصہ زرتاج پر اتار دیا۔

"میں بے تکی نہیں بول رہی ہوں بلکہ میں نے تمہاری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ اس لئے تم چیخ اٹھے ہو۔" زرتاج نے عامر کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

عامر بلبلا گیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں قاہرہ نہیں جانا چاہتا اور تم لوگوں کے جانے میں روڑے اٹکا رہا ہوں۔"

"دیکھئے ممانی۔" زرتاج نے فوراً ممانی کی حمایت ڈھونڈی۔ "جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ یہ خود منہ سے کہہ رہے کہ قاہرہ نہیں جانا چاہتے۔ پتہ نہیں انہیں صعید میں رہنے سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے۔"

"چھوڑو بھی زرتاج۔ تم بے چارے سے خوامخواہ الجھ رہی ہو۔" بہن نے کہا۔ "غریب کی تھکن تو اتر لینے دو پھر جو چاہے کہہ لینا۔" انہوں نے دونوں بچوں کی انگلی پکڑی اور دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

اب کمرے میں زرتاج اور عامر تھے۔

"بیچارہ کالے کوسوں سے آ رہا ہے۔ ہونہہ۔" زرتاج تنک کے بولی۔ "پیر سوج گئے ہوں گے۔ بدن درد کر رہا ہو گا۔ کہئے تو حضور کے ہاتھ پیر دبا دوں؟"

"ہاتھ پیر کیا دباؤ گی۔ ہاں گلا ضرور دبا دو گی۔" عامر نے طنزاً کہا۔

"نوج ۔ خدا نہ کرے۔ میں کیوں کسی کا گلہ دبانے لگی۔" زرتاج نے چٹک کے جواب دیا۔

"جس پر بس چلے اس کا گلہ دبا دو۔ غصہ اتار دو اس پر اگر کوئی نہیں ملتا تو یہ خادم حاضر ہے اور عامر غربی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر زرتاج کے سامنے سر جھکا دیا۔ "سر حاضر ہے۔ مشق ستم فرمایئے۔"

"ہائے اللہ کیا کہہ رہے ہو عامر۔ سیدھے کھڑے رہو۔ کہیں ممانی نہ آ جائیں۔" زرتاج پگھل گئی۔

Marfat.com

"قسم کھاؤ کہ اب طعنے نہ دو گی۔"
"قسم کھاتی ہوں۔ کبھی طعنہ نہ دوں گی۔"
"قسم کھاؤ مجھے بے وفا نہیں سمجھو گی۔"
"قسم کھاتی ہوں۔ بے وفا نہیں سمجھوں گی"

عامر غربی نے اسے ایسے پیار سے دیکھا کہ وہ شرما گئی۔ سر جھکا لیا۔ ہوتی ہے کچھ اظہار محبت کی زبان اور آغاز محبت کی باتیں۔ بات بات پر جھگڑا' پھر میل اور پھر جھگڑا۔ یہ دن اس طرح کٹتے ہیں۔ نہ کوئی دکھ ہوتا ہے اور نہ درد۔ ملک شاور کو قاہرہ گئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اس دوران عامر اور زرتاج کی محبت کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ وہ ایک دوسرے کے ترتیب سے قریب تر ہوتے گئے۔ لیکن قاہرہ میں ملک شاور اور داروغہ محلات ضرغام کے درمیان فاصلہ بڑھتے ہی گئے اور پھر ایسا وقت آ گیا کہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھل کے آ گئے۔

دمشق اور مصر کے درمیان اگرچہ شام کی عیسائی ریاستوں کی ایک پوری پٹی موجود تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ دمشق کا تاجدار نور الدین زنگی جو سلطان مشرق کے لقب سے مشہور تھا وہ مصر کے حالات سے ناواقف رہتا نور الدین زنگی نے جس انداز سے عیسائیوں ریاستوں کو دبایا تھا اس سے مسلمانوں کہ یہ امید پیدا ہو چکی تھی کہ نور الدین زنگی اپنے باپ عماد الدین زنگی کی طرح عیسائیوں سے جہاد جاری رکھے گا۔ عباسی خلیفہ نے خوش ہو کر نور الدین زنگی کو خلعت اور سلطان حلب و دمشق کا پروانہ عطا کیا تھا۔

خلیفہ بغداد نے سلطان کو یہ بھی پیغام بھیجا تھا کہ سلطان مصر کی طرف توجہ کرے کیونکہ وہاں کے حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں اور وزارت کے روز روز تبدیل ہونے سے مصر پر عیسائیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ نیز یہ کہ اگر مصر کے حالات کو اگر جلد نہ سنبھالا گیا تو عیسائی خصوصا" یروشلم کا بادشاہ وہاں قابض ہو کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے غلام بنا لے گا۔ خلیفہ کے اس پیغام سے ظاہر تھا کہ خلیفہ چاہتا ہے کہ مصر کی نام نہاد خلافت کا خاتمہ کر کے اس کا سلطنت دمشق سے الحاق کر لیا جائے۔ سلطان نور الدین کے دل میں بھی یہ بات عرصہ سے کچھ کے دے رہی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ شاہ یروشلم' مصر کا حلیف ہے اور یروشلم کی ریاست مصر اور دمشق کے درمیان میں حائل ہے اس لئے مصر پر حملہ کرنے کا مطلب ہے کہ پہلے وہ شاہ یروشلم سے جنگ کرے پھر شاہ یروشلم اکیلا کبھی نہ تھا اس کی پشت پر شام کی تمام عیسائی ریاستیں تھیں جو ایک آواز پر یکجا ہو جاتی تھیں۔

یہ حالات تھے جن کی وجہ سے سلطان نور الدین مصر پر حملہ سے گریز کر رہا تھا۔ وہ

Marfat.com

دیکھ رہا تھا کہ مصریوں کی خانہ جنگی عیسائیوں کو یہ موقع فراہم کر رہی ہے کہ وہ کسی دن پورے مصر پر قابض ہو جائیں۔ سلطان کو یہ بات بھی ناگوار تھی کہ مصر کی حکومت جو ایک اسلامی ریاست اور فاطمی خلافت ہونے کی دعویدار ہے وہ یروشلم کے عیسائی بادشاہ کو سالانہ خراج ادا کرے۔ اس تصور سے ہی اس کی گردن شرم سے جھک جاتی تھی۔ پچھلے دنوں مصر میں جو انقلاب آیا تھا۔ اس کی بازگشت دمشق میں بھی سنی گئی تھی۔ مصر کے وزیر اعظم ملک صالح نے ایک سال گزارہ تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اس کی جگہ وزیر بنا لیکن وہ بھی مشکل سے ایک سال گزار سکا تھا کہ معزول ہو کر ملک شاور کے ہاتھوں مارا گیا۔ ملک شاور بہت مکار اور عیار تھا لیکن اس کی اور داروغہ ضرغام کی اندر ہی اندر ایسی چلی تھی کہ مصر ایک نئے انقلاب کے دہانہ پر پہنچ گیا تھا۔

سلطان نور الدین کے جاسوس اسے برابر مصر کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ صرف ملک شاور ہی کے بارے میں سلطان کو آگاہ نہ کیا جا رہا تھا بلکہ سلطان کے جاسوس داروغہ ضرغام کی نجی محفلوں تک میں پہنچ جاتے تھے۔ ان جاسوسوں نے اپنے آپ کو شاہ یروشلم کے جاسوس ہونے کا تاثر دیا تھا اس وجہ سے ضرغام خود انہیں اپنی محفلوں کو بلاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی متوقع انقلاب سے پہلے وہ شاہ یروشلم کو اپنی حمایت پر آمادہ کرے تاکہ اسے کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ جاسوسوں نے ضرغام کو یقین دلا دیا تھا کہ شاہ یروشلم یہاں کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہیں اور وہ ہر موقعہ پر اس کا ساتھ دیں گے۔

ملک شاور نے مصر کی وزارت بلکہ بادشاہت حاصل تو کرلی تھی لیکن اب یہ ہڈی اس کے گلے میں اٹک کے رہ گئی تھی۔ اس نے ضرغام کی وفاداری خریدنے کی بہت کوشش کی لیکن ضرغام اس کے ہتھے نہیں چڑھا۔ ملک شاور نے اسے سیاسی رشوت سے رام کرنا چاہا تو اس کا الٹا اثر ہوا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مصر کی وزارت چھوڑ چھاڑ کے صعید واپس چلا جائے اور آرام سے گورنری کرے لیکن کسی نے کہا ہے کہ اقتدار کا نشہ بڑی مشکل سے اترتا ہے۔ ملک شاور تو کھیل کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن کھیل اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ضرغام اس قدر گھنا تھا کہ اس کی کسی بات سے ظاہر ہی نہ ہوتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے اور وہ کس طرح ملک شاور کو اپنے جال میں کس رہا ہے۔

آخر ایک ایسا وقت آگیا کہ ضرغام کے خوف سے اس کی رات کی نیندیں اڑ گئیں۔ اس دوران اس کے حکم سے کئی بے گناہ سولی پر چڑھ گئے تھے۔ حکومت میں ایسی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی لیکن ملک شاور ایک نامعلوم خوف سے جو دراصل ضرغام کا خوف تھا اس قدر پریشان ہو گیا تھا کہ اب اسے اپنے خاص وفادار دوست بھی دشمن معلوم ہوتے

Marfat.com

تھے۔ آخر اس نے اس کا یہ علاج سوچا کہ صعید سے بچوں کو بلوا لے تاکہ ان کی موجودگی سے اس کا دل بھی بہلا رہے اور اسے یہ بھی محسوس ہو کہ وہ اپنوں کے ساتھ رہ رہا ہے۔

ملک شاور نے عامر غزنی کے پاس ایک آدمی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ وہ سب کو لے کے قاہرہ آ جائے۔ جس وقت عامر نے گھر والوں کو یہ خبر سنائی تو وہاں جیسے بہار آ گئی۔ سب کے چہرے کھل اٹھے۔ زرتاج کو شاید قاہرہ جانے کی سب سے زیادہ خوشی تھی۔ وہ پورے گھر میں اترائی اترائی گھوم رہی تھی۔

عامر نے اسے چھیڑا ——"تمہاری دلی مراد پوری ہو گئی۔ اب تو خوش ہو ——نا؟"

"بہت خوش۔" زرتاج نے بڑی مسرت سے کہا۔ "بڑے شہر جانے کو کس کا دل نہیں چاہتا پھر میں نے آج تک قاہرہ کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔ جیزہ کے اہرام۔ ابو الہول کا عظیم الشان مجسمہ اور نہ جانے کیا کیا۔ اس پراسرار شہر میں کتنے ہی اسرار پائے جاتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم وہاں پہنچ کے مجھے بالکل بھول جاؤ گی۔" عامر نے طنز کیا۔

"بھولنے والی چیز تو بھلا دی جاتی ہے لیکن ——— اور زرتاج نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا۔

"یعنی میں بھولنے کی چیز ہوں؟——"

"یہ تم اپنے دل سے پوچھو۔ اگر تمہارا دل مجھے بھول جانے پر آمادہ ہے تو——"

یہ دلچسپ چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ عامر کی بہن اک دم کمرے میں آ گئیں۔

"ارے۔ تم اب تک یہیں ہو عامر۔" بہن نے حیرانی سے کہا۔ "میں اپنی طرف سے بالکل تیار ہوں۔

بس سواری کا انتظار ہے۔"

" میں بیکار نہیں بیٹھا ہوں باجی۔" عامر مسکرایا۔ "میں بھی تیار ہوں۔ گاڑی کوئی دم میں آنے ہی والی ہے لیکن زرتاج تو اس طرح بیٹھی ہیں جیسے انہیں قاہرہ جانا ہی نہیں ہے۔"

"وہ تیار کیسے ہو۔ تم جو باتیں زٹیل رہے ہو۔" بہن نے عامر کو گھورا۔

"باتیں یہ کر رہی تھیں باجی۔" عامر نے طویلے کی بلا بندر کے سر کے مصداق اپنا پہلو بچایا۔ "یہ پوچھ رہی تھیں کہ ابو الہول کی اونچائی کتنی ہے۔ اہرام مصر کس مٹی کے بنے ہیں اور ———"

"بس بکواس بند کرو۔ جاؤ دیکھو گاڑی کیوں نہیں آئی اب تک۔" بہن نے مصنوعی

Marfat.com

غصہ سے عامر غربی کو ڈانٹا اور وہ زرتاج کو گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

ایک بند گاڑی حویلی کے احاطہ میں آ گئی۔ اس میں صرف ضروری سامان رکھا گیا۔ ملک شاور کی دونوں بچیاں۔ بیوی اور بہن گاڑی میں بیٹھ گئیں اور عامر غربی گھوڑے پر سوار ان کے ساتھ چلنے لگا۔ گاڑی بان ملک شاور کا پرانا نمک خوار تھا۔ عامر اس سے باتیں کرتا ہوا چل رہا تھا۔ گاڑی بان خاموش خاموش تھا اور صرف ہاں۔ ہوں اور نہیں سے جواب دے رہا تھا۔ عامر دو تین بار قاہرہ ہو آیا تھا اور اس وقت قاہرہ کی تعریف میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔ گاڑیبان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے عامر کی باتیں ناگوار گزر رہی ہیں اور وہ محض "تکلفاً" ہوں۔ ہاں کر رہا ہے۔

آخر گاڑیبان نے اک دم عامر کی طرف منہ کر کے کہا۔ "غربی شہزادے۔ آپ کس قاہرہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ روز روز کی لڑائیوں نے اس شہر کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ پورا شہر میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو رہا ہے۔"

عامر غربی نے حیرت سے گاڑی بان کو دیکھا۔ اگرچہ اس کے لہجہ میں تلخی تھی لیکن وہ باتیں اس قدر اعتماد سے کر رہا تھا کہ عامر کو اس کی باتوں میں سنجیدگی نظر آئی۔ اس نے گاڑی بان کے لہجہ کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں تو اس شہر قاہرہ کا ذکر کر رہا تھا جسے میں نے امن کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ تم اسے میدان جنگ بتا رہے ہو ٹھیک ہی ہو گا لیکن ملک بھائی نے کل جو آدمی ہمیں بلانے بھیجا ہے اس نے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں بتائی۔"

"غربی شہزادے۔ آپ آقا ہیں اور میں غلام۔" میں آپ کی بات نہیں کاٹتا لیکن میرا ایک دوست آج قاہرہ سے پلٹا ہے اس نے جو حالات مجھ سے بیان کئے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلا کہ دارالخلافہ قاہرہ میں کسی وقت جنگ چھڑ سکتی ہے۔"

"جنگ! کیا کسی بیرونی طاقت نے قاہرہ کو گھیر لیا ہے؟" عامر غربی نے استفسار کیا۔

"باہر سے کون آئے گا شہزادے۔۔" گاڑی بان نے افسوس ظاہر کیا۔ "قاہرہ میں اندر ہی کے دشمن کیا کم ہیں میرے دوست نے بتایا ہے کہ محلات شاہی کے داروغہ ضرغام نے ہمارے آقا کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے مورچہ بند ہیں۔ صلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔ اگر یہ گفتگو ناکام ہو گئی تو جنگ چھڑ جائے گی پھر پتہ نہیں کون جیتے اور "کون ہارے۔"

عامر غربی پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "یہ بات تمہیں پہلے بتانا چاہیئے تھی۔ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا تو شاید ہم صعید سے روانہ ہی نہ ہوتے۔

Marfat.com

"میں سمجھا تھا کہ آپ کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اور آپ کسی مصلحت کی بنا پر آقا کے پاس معہ ان کی بیوی بچوں کے تشریف لئے جا رہے ہیں۔" گاڑی بان نہایت متانت اور ادب سے جواب دیا۔ "آپ مشورہ کر لیجئے۔ ہم ابھی صعیدہ سے زیادہ دور نہیں آئے۔"

"اچھا گاڑی روک لو۔"

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ اندر بیٹھی ہوئی سواریاں پریشان ہو گئیں اس وقت عامر نے گاڑی کے پردے سے اندر منہ ڈالا۔ "باجی قاہرہ کے حالات کے بارے میں ایک تازہ خبر ملی ہے۔" پھر عامر نے گاڑی بان سے جو کچھ سنا تھا وہ بالکل اسی طرح بہن سے بیان کر دیا۔ شاور کی لڑکیاں تو چھوٹی تھیں وہ کچھ زیادہ نہ سمجھ سکیں لیکن ملک شاور کی بیوی اور بھانجی اس اطلاع سے بہت پریشان ہوئیں۔ انہیں تو جیسے چپ لگ گئی۔ خاموشی نے زیادہ طول کھینچا تو عامر غربی نے کہا۔

"باجی۔ یہ وقت خاموشی کا نہیں۔ گاڑی سرراہ رکی کھڑی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے۔"

"تم کیا کہتے ہو عامر؟۔ بہن نے مردہ آواز میں دریافت کیا۔

عامر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "باجی اس وقت قاہرہ میں داخل ہونا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ہمارا اگرچہ مخالفوں سے کوئی جھگڑا نہیں لیکن آپ ملک بھائی کی بیوی اور میں ان کا برادر نسبتی ہوں دشمن ہمیں آسانی سے دارالوزارت تک نہیں پہنچنے دے گا اور اگر ہم وہاں پہنچ بھی گئے تو ملک بھائی کی مشکلات میں اور اضافہ ہو جائے گا۔"

پھر ہمیں کرنا کیا چاہئے۔ یہ بھی تو بتاؤ عامر؟۔" بہن کی آواز لرز رہی تھی۔

"میرے خیال میں ہمیں صعیدہ واپس جانا چاہئے۔" عامر غربی نے فیصلہ کر دیا۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ صعید میں ہم محفوظ رہ سکیں گے۔" بہن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اگر خدانخواستہ دشمنوں کا غلبہ ہو گیا تو کیا اس کے سوار ہمیں صعید میں چین سے بیٹھنے دیں گے۔ فاتح لشکر اندھا ہوتا ہے وہ مفتوح کے اہل خاندان کو دنیا سے مٹا دینا چاہتا ہے۔"

"آپ ٹھیک فرما رہی ہیں باجی۔" عامر غربی نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "لیکن خطرہ تو دونوں جگہ ہے۔ قاہرہ جانے کا تو مطلب ہے کہ ہم سانپ کے بل میں خود انگلی ڈال دیں صعید میں یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ وہاں ہم اپنی حویلی کے بجائے کسی اور جگہ سکونت اختیار کر لیں اور کسی کو خبر نہ ہونے دیں۔"

"عامر۔ ایک بات کو مت بھولو۔۔۔" بہن نے بزرگانہ لہجہ اختیار کیا۔" خطرے سے

Marfat.com

جس قدر دور بھاگو گے وہ اتنا ہی تمہارے نزدیک ہو گا اور جس قدر خطرے کے قریب رہو گے اتنا ہی خطرہ تم سے دور ہو گا۔ جس طرح ہم صعید میں کسی جگہ چھپ سکتے ہیں اسی طرح قاہرہ میں بھی پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔"

"مگر کہاں۔ کس کے پاس۔ وہاں ہمارا کوئی جاننے والا تو نہیں؟۔" عامر سخت پریشان ہو گیا تھا۔

"تمہیں یاد نہیں ہے عامر" بہن نے بتایا۔ "تمہارے بھائی نے چلتے وقت کہا تھا کہ وہ سعید السعداء کی حویلی پر ٹھہریں گے۔ سعید السعداء ان کے گہرے دوست ہیں۔"

"آپ نے خوب یاد دلایا باجی۔" عامر کی تمام پریشانی دور ہو گئی۔ "ہم قاہرہ ہی چلیں گے اور اگر دارالوزارت پر کچھ گڑ بڑ ہوتی تو ہم سعید السعداء کے مکان پر چلے جائیں گے اور وہاں ٹھہر کے حالات کے درست ہونے کا انتظار کریں گے۔"

بند گاڑی آگے بڑھنا شروع ہو گئی۔ گاڑی بان کی زبان بھی بند ہو گئی اور سب لوگ پرسکون ہو گئے لیکن جب گاڑی قاہرہ کے بیرونی محلوں میں پہنچی تو فضا میں عجب پراسرار قسم کا سناٹا تھا۔ سڑکیں اور گلیاں بالکل ویران تھیں۔ سوائے اس گاڑی کے اور کوئی گاڑی دور دور تک دکھائی نہ دے رہی تھی۔ گاڑی بان نے لگامیں کھینچ کے گاڑی روک لی۔ سب کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ سامنے سے چار پانچ سوار آتے دکھائی دیئے تو ان کی جان اور سوکھ گئی۔

"میرے لئے کیا حکم ہے شہزادے؟" گاڑی بان نے مردہ آواز میں کہا۔

عامر غربی اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "تمہارا کیا مشورہ ہے۔ ہمیں دارالوزارت کی طرف جانا چاہئے یا سعید السعداء کی حویلی پر؟۔۔"

"سعید السعداء۔ یہ کون صاحب ہیں۔ ان کی حویلی کس محلے میں ہے۔" گاڑی بان نے الٹا عامر سے سوال کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ ان سے واقف نہیں۔" عامر نے جیسے خود کلامی کی۔ "بھائی جان کے دوست ہیں وہ ـــ اچھے معقول آدمی ہیں۔ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" عامر نے وضاحت کی۔

"وہ یقیناً" کوئی بڑے آدمی ہوں گے۔ میں ابھی کسی سے پوچھے لیتا ہوں۔" گاڑی بان گاڑی سے اترنے لگا۔

"کہیں مشکل میں نہ پھنس جائیں ہم ـــ" عامر کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

Marfat.com

"آپ فکر نہ کیجئے۔ میں ان سواروں سے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔" گاڑی بان نیچے اتر گیا۔

سوار گاڑی کے پاس آ کر رک گئے۔ گاڑی بان نے ان کے پاس پہنچ کے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ "شہر میں اس قدر سناٹا کیوں ہے۔ نہ کوئی گاڑی چل رہی ہے اور نہ پیدل۔"

سواروں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان میں سے ایک بولا۔ "گاڑی میں زنانی سواریاں ہیں؟۔۔۔"

"جی ہاں۔۔۔" گاڑی بان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "چار سواریاں۔ دو خواتین دو بچیاں۔"

"سواریاں کس کے یہاں جانا ہیں؟" دوسرے سوار کا لہجہ کچھ کرخت تھا۔

عامر کچھ کہنے کے لئے منہ کھول رہا تھا کہ گاڑی بان نے ایسا جواب دیا جس میں ایک سوال بھی شامل تھا۔ "جناب کیا آپ بتائیں گے کہ سعید السعداء کی حویلی کو کونسا راستہ جاتا ہے؟"

پہلے کی طرح سواروں میں پھر اشارے ہوئے ایک سوار نے بائیں جانب جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ "اس پر کچھ دور جانے کے بعد بائیں جانب ایک گلی گھومی ہے۔ گلی میں سب سے اونچی حویلی سعید السعداء کی ہے۔"

"شکریہ۔" گاڑی بان اچک کے گاڑی پر بیٹھ گیا۔ سوار لگامیں سنبھال کر آگے بڑھنے والے تھے کہ گاڑی بان نے ایک اور سوال کر دیا۔ "جناب اگر کسی کو دارالوزارت جانا ہو تو وہ کونسا راستہ اختیار کرے؟"

"خاموشی سے اپنے راستہ پر جاؤ۔ کیا تمہیں جان پیاری نہیں۔" سوار نے اسے ڈانٹ دیا اور سب سوار ایڑ لگا کر گھوڑے بڑھائے چلے گئے۔

عامر غربی کی گاڑی سعید السعداء کی حویلی کی طرف جا رہی تھی۔ بند گاڑی کو دیکھ کے حویلی کے مسلح پہریداروں نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ عامر غربی بھی اندر آ گیا۔ ایک پہریدار عامر کے پاس آیا او سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

عامر اس کا خاموش سوال سمجھ گیا۔ اس نے کہا۔ "کیا سعید السعداء صاحب موجود ہیں؟"

"جی ہاں۔ آقا محل میں موجود ہیں۔" پہریدار نے اسی ادب سے جواب دیا۔

"انہیں مطلع کیا جائے کہ صعید سے مہمان خواتین آئی ہیں۔"

Marfat.com

پہریدار عامر کی بات سن کر محل کے اندر چلا گیا۔ یہ عمارت سعید السعداء کی حویلی کے نام سے مشہور تھی لیکن اندر اور باہر دونوں طرف سے یہ محل دکھائی دیتا تھا اور یہاں کے ٹھاٹ باٹ بھی کسی محل سے کم نہ تھیں صدر دروازہ ے باہر ایک درجن سے زیادہ زرق برق کپڑوں میں ملبوس سوار پہرہ دے رہے تھے اور دروازہ کے اندر اونچی چوکی پر یہ خوبصورت عمارت بنی تھی۔ محل کے اندر جانے کے لئے دو درجن کے قریب سیڑھیاں تھیں پر چوڑیں راہداریاں تھیں۔ اطلاع لے جانے والا پہریدار انہی راہداریوں میں غائب ہو گیا تھا۔

پہریدار واپس آیا تو اس کے ساتھ کنیزیں تھیں۔ پہریدار باہر کی طرف چلا گیا اور ایک کنیز نے آگے بڑھ کر عامر سے پوچھا۔ "آقا نے دریافت فرمایا کہ کیا صعید سے آنے والی مہمان خواتین کا تعلق وزارت ماب کے خاندان سے ہے؟۔"

"تمہارے آقا کا خیال ٹھیک ہے۔ گاڑی میں وزارت ماب کی بیگم دو بچیاں اور ان کی بھانجی ہیں" عامر نے تصدیق کی ——"میں ان کا چھوٹا بھائی عامر غربی ہوں۔"

دوسری کنیز جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھی اور پردہ ہٹا کر کہا۔ "خوش آمدید۔ آپ اندر تشریف لے چلئے۔ آقا زادی آپ کی منتظر ہیں۔"

ڈری سہمی خواتین اور بچیاں اتریں اور کنیز کی رہنمائی میں محل کے اندر چلی گئیں۔ دوسری کنیز نے عامر کو مخاطب کیا۔ "آقا آپ کے منتظر ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی کنیز نے تالی بجائی۔ ایک پہریدار گیٹ سے بھاگتا ہوا آیا۔ کنیز نے اسے تاکید کی۔

"آپ گاڑی بان کو تاکید کر دیجئے کہ محل سے باہر نہ جائے۔ حالات بہت مخدوش ہیں۔"

عامر کی تاکید سے پہلے ہی گاڑی بان بول پڑا۔ "حالات کا مجھے اندازہ ہو گیا۔ میں پوری احتیاط کروں گا۔"

"آپ کا ملازم بہت سمجھدار معلوم ہوتا ہے" اس کے ساتھ اس کی کنکھیوں سے گاڑی بان کو دیکھا گاڑی بان نے کہا کہ فوراً جواب دیا۔ "میری طرف سے اطمینان رکھ۔ انشاء اللہ کوئی غلطی نہ ہو گی پھر بھی تمہارا شکریہ۔"

عامر دونوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا پھر کنیز نے اشارہ کیا اور وہ اس کے عقب میں چلنے لگا۔

سعید السعداء پریشانی کے عالم میں مخمل فرش پر ٹہل رہے۔ ملک شاور بھی جب صعید

Marfat.com

سے آئے تھے تو انہی کے گھر پر اترے تھے اور کافی عرصہ تک یہیں مقیم رہے تھے۔ ملک شاور اور سعید السعداء میں دیرینہ تعلقات تھے اور گہری چھنتی تھی۔ وہ اپنے دل کی بات سعید السعداء سے کہہ دیا کرتے تھے۔ سعید السعداء کے مشورہ کے تحت ملک شاور کافی عرصہ تک ان کے محل ہی میں اپنی وزارت کا دربار لگاتے تھے۔ انہیں ملک شاور اور ضرغام کے بگڑتے ہوئے حالات کا پورا علم تھا۔ سعید السعداء' ملک شاور کے طرف دار تھے اور چاہتے تھے کہ وہ مصر کے ایک اچھے وزیر اعظم ثابت ہوں لیکن ضرغام اور ان میں جو ذہنی بعد تھا اس کا علاج ان کے پاس نہ تھا انہیں یقین تھا کہ ضرغام جس نے ملک شاور سے اپنی دشمنی پر مصلحت کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ یہ پردہ ایک دن چاک ہو جائے گا اور یہی ہوا۔ ضرغام کو جیسے پورے گروہ برقیہ کا تعاون حاصل ہو گیا اس نے بغاوت کر دی اور اب کیفیت یہ تھی کہ ملک شاور اپنے فوجیوں کے ساتھ دارالوزارت پر قابض تھا اور ضرغام گروہ برقیہ کو اکٹھا کئے حریم خلافت میں بیٹھا تھا۔

عامر غربی نے داخل ہو کر سعید السعداء کو سلام کیا۔

سعید السعداء کے قدم رک گئے۔ انہوں نے پریشان انداز میں کہا۔ "میرا خیالہ ے کہ ملک شاور کے برادر نسبتی تم ہو اور تمہارا ہی نام عامر غربی ہے۔"

"جناب نے صحیح فرمایا۔" عامر نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

سعید اسعداء نے بڑھ کے عامر کے کاندے پر ہاتھ رکھا اور اسے ایک گدے دار کرسی پر بٹھایا۔ "عامر تمہیں خوش آمدید کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کیونکہ مجھے یہ بھی بتانا ہوگا کہ دارالوزارت کے حالات بہت مخدوش ہوں اور کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے"

"اس کا کچھ کچھ اندازہ تو مجھے راستہ میں ہو گیا تھا۔" عامر نے جواب دیا۔ "اس لئے میں دارالوزارت جانے کے بجائے آپ کے پاس آگیا۔"

"یہ تو تم نے اچھا کیا۔" سعید السعداء کہتے کہتے رکے۔ "قاہرہ میں میرے ہر ایک سے تعلقات ہیں۔ ملک شاور میرے پاس عرصے تک رہنے کے بعد دارالوزارت منتقل ہوئے تھے۔ میں اس وقت بھی انہیں دارالوزارت نہیں جانے دے رہا تھا لیکن ان کے خیال میں دارالوزارت سے الگ رہنا مناسب نہ تھا۔ وہ چلے تو گئے لیکن جس بات کا خطرہ تھا وہ سامنے آگئی۔"

"یہاں کے حالات آپ بہتر جانتے ہیں لیکن صعید میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ بھائی جان نے تمام طاقتوں کو زیر کر کے حکومت پر پورا قبضہ جمالیا ہے۔" عامر ٹھہر کے کچھ سوچنے لگا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ سب اک دم کیسے ہوگیا۔ بھائی جان نے ہمیں آدمی بھیج

Marfat.com

کے بلوایا ہے۔"

"اچھا۔!" سعید السعداء نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ کب کا واقعہ ہے دو دن سے دارالوزارت کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ کہیں آپ لوگوں کو فریب دے کر تو نہیں بلایا گیا؟"

"ایسا معلوم نہیں ہوتا۔" عامر نے انکار کیا۔ "بھائی جان کا پیغام لے جانے والا ان کا پرانا ملازم ہے اور وہ پیغام دے کر فوراً" واپس چلا گیا تھا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" سعید السعداء نے فکر مند لہجہ میں کہا۔ "تم لوگوں کے آنے کی اطلاع سے میں پریشان ہو گیا تھا لیکن میں تمہیں باہر گلی میں کھڑا نہیں رکھ سکتا تھا۔ اب تم آگئے ہو تو سوچ کے کچھ فیصلہ کرتے ہیں۔ اس بات کا تم یقین رکھو کہ جس طرح ملک تمہیں اور اپنے گھر والوں کو عزیز رکھتے ہیں مجھے بھی تم اسی طرح عزیز ہو لیکن کسی فیصلے سے پہلے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں یعنی سعید السعداء اور وزارت ماب ملک شاور کی دوستی زباں زد خاص و عام ہے۔ ظاہر ہے کہ بات ملک شاور کا دشمن ضرغام بھی جانتا ہے جب کہ وہ کچھ عرصہ اس حویلی میں رہ کے بھی گئے ہیں۔"

"اس صورت میں آپ کا بھی یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ضرغام کے آدمی کسی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔" عامر نے بیچ ہی میں لقمہ دیا۔

"دیکھو یہ بات ہوئی عقلمندی کی۔" سعید السعداء نے اسے تحسین بھری نظروں سے دیکھا۔ "تم نے بالکل صحیح کہا عامر۔ ضرغام کے سوار یہاں پہنچیں گے اور مجھے گرفتار کیا جائے گا لیکن اس وقت جو میں اس حویلی میں اطمینان سے بیٹھا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرغام فی الحال ملک شاور سے الجھا ہوا ہے۔ اس کا قبضہ صریم خلافت پر ہے اور ملک شاور دارالوزارت پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ دونوں طاقتیں تقریباً برابر ہیں۔ اگر گروہ برقیہ ضرغام کی حمایت کر رہا ہے اور گروہ بحریہ اور جرکیہ ملک شاور کی پشت پر ہیں پھر ابھی یہ پتہ نہیں یہ لڑائی کب تک چلے گی اور فیصلہ کس کے حق میں ہو گا۔ پس جب تک اس جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا اس وقت ضرغام کا رخ طبقہ امراء کی طرف نہیں ہو گا۔"

"برادر بزرگ۔" عامر نے متانت سے کہا۔ "جو کچھ آپ نے فرمایا اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ خوف اور بے اطمینانی کی تلوار آپ کے سر پر ہر وقت لٹک رہی ہے اور ہمارے اس محل میں ٹھہرنے سے آپ کو سکون کے بجائے نقصان ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے میں آپ سے التماس کروں گا کہ ہم لوگ جس طرح آپ کے پاس آئے تھے اسی طرح آپ ہمیں واپس جانے کی اجازت دیجئے۔"

Marfat.com

"واہ بھئی۔ یہ کیا بات ہوئی عامر۔۔۔۔" سعید السعداء نے ناگوار لہجے میں کہا۔ میں اپنے دوست کے بچوں کو در در ٹھوکریں نہیں کھانے دوں گا۔ حویلی میں اس وقت کنیزوں اور غلاموں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ قاہرہ کے حالات بگڑتے ہی میں نے اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ میں ملک کے بچوں کو بھی وہیں بھیج دوں گا اور وہ دشمن کی شر سے محفوظ ہو جائیں گے۔ رہ گیا تمہارا سوال تو جس طرح میں تن بہ تقدیر یہاں پڑا ہوں اسی طرح تم بھی رہو۔ ملک کے حالات سنبھلتے دکھائی نہیں دیتے لیکن اوپر والا بڑا سبب الاسباب ہے۔ کیا عجب کی بہتری کی کوئی صورت نکل آئے اور تسبیح کے یہ منتشر دانے پھر اکٹھا ہو جائیں۔"

سعید السعداء نے جو حالات بیان کئے تھے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملک شاور دارالوزارت میں محصور ہیں اور دشمن نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ عامر کو اب اپنے بھائی جان کی ذہانت پر بھی شبہ ہونے لگا تھا۔ جب خطرات ان کے سر پر منڈلا رہے تھے تو صعید سے اہل خانہ کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔

"آپ نے جو ارشاد فرمایا وہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔" عامر نے بہت سوچ کے جواب دیا۔ "اگر اجازت ہو تو اس سلسلہ میں میں باجی سے بھی مشورہ کر لوں۔ وہ بیچاری خود بھی بہت پریشان ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت کوئی معقول مشورہ نہیں دے سکتیں لیکن وہ مجھ سے بڑی ہیں انہیں حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

"ضرور ضرور۔۔۔۔" سعید السعداء نے تائید کی اور ایک کنیز کے ساتھ عامر کو محل میں بھیج دیا۔ ملک شاور کے اہل خانہ کو محفوظ مقام پر بھیج دیا گیا۔ اب عامر غزلی آزاد تھا۔ وہ منظر بڑا اثر انگیز تھا جب عامر اپنی بہن اور اپنی جان آرزو زرتاج سے جدا ہوا تھا۔ بہن اسے گلے لگائے سسکیاں بھر رہی تھی اور زرتاج سامنے تصویر بنی کھڑی تھی۔ موقعہ ایسا تھا کہ وہ عامر سے کچھ کھل کے کہہ بھی نہ سکتی تھی۔ صرف آنکھوں سے باتیں ہوئیں اور عہد و پیمان باندھے گئے پھر عامر انہیں چھوڑ کر باہر آگیا۔ عامر کے جاتے ہی خواتین اور بچیاں اسی گاڑی پر سوار ہوئی ہیں جس میں وہ صعید سے آئی تھیں۔ صرف عامر غزلی ساتھ نہ تھا۔ ان کے گاڑی بان کے برابر سعید السعداء کا ایک آدمی بیٹھا تھا جس کی رہنمائی میں انہیں ایک نامعلوم منزل کی طرف جانا تھا۔

عامر غزلی آخری سلام کے لئے سعید السعداء کے کمرے میں داخل ہوا۔ ان کا چہرہ فرط غم سے پھیکا پڑ گیا تھا سعید السعداء عامر کو دیکھ کے کھڑے ہو گئے۔ عامر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن انہوں نے دونوں بازو کھول دئے اور عامر ان کے گلے لگ گیا۔

Marfat.com

"دل کی جو کیفیت ہے الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی عامر۔" سعید السعداء نے اسے گلے لگاتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا۔ "بال بچے چھوٹے۔ دوست چھوٹا۔ تمہارا آنا غنیمت تھا لیکن حالات ایسے ہیں کہ تمہیں بھی سپرد خدا کہنا پڑ رہا ہے۔"

"آپ کے غموں کا مجھے احساس ہے۔" عامر کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ "کاش میں یہاں ٹھہر سکتا یا آپ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا لیکن کیا مجبوری ہے۔ مجھے خود اپنی منزل کا پتہ نہیں۔"

"تم نے کسی منزل کا تو تعین کیا ہو گا؟" سعید السعداء نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "میری عقل کام تو نہیں کر رہی ہے پھر بھی اگر تم مجھے بتا سکو تو شاید میں کوئی مشورہ دے سکوں۔"

"میری منزل موت ہے محترم۔" سعید السعداء نے تحسین آمیز نظروں سے عامر کو دیکھا۔ "لیکن تم ان تک پہنچو گے کیسے دارالوزارت کے چاروں طرف تو جنگ ہو رہی ہے۔"

"محترم۔ میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں۔" عامر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مجھے صرف بہن سے کیا ہوا وعدہ ہے اور میں اسے پورا کرنے جا رہا ہوں۔"

عامر ان سے جدا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا اور حویلی سے باہر نکل گیا۔ سعید السعداء اس کے پیچھے راہداری تک گئے اور جب وہ حویلی کے صدر دروازہ سے نکل گیا تو ایک آہ بھر کر واپس ہو گئے۔

عامر گلی پار کر کے سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر جگہ جگہ سوار آپس میں گتھم گتھا تھے۔ عامر کو یہ چیز عجیب سی معلوم ہوتی کہ لڑنے والے سواروں میں آدھے نقاب پوش تھے اور آدھے بغیر نقاب والے۔ عامر نے گھبرا کر گھوڑا گلی میں کر لیا۔ اسی وقت ایک چوبارے کی کھڑکی سے آواز آئی۔

"کیسے بزدل ہو۔ ڈر کے بھاگ رہے ہو۔ ان نقاب پوشوں کو مار بھگاؤ۔"

عامر نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ "میں پردیسی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ نقاب پوش کون ہیں اور کیوں لڑ رہے ہیں؟۔"

"نقاب پوش باغی داروغہ ضرغام کے سوار ہیں۔ یہ دارالوزارت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی اوپر کی کھڑکی بند ہو گئی۔

اس گفتگو سے عامر کو یہ پتہ چل گیا کہ ضرغام کے سوار نقاب پوش ہیں اور دارالوزارت کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ عامر ہمت کر کے پھر سڑک پر آ گیا۔ اسی وقت ایک

Marfat.com

گلی سے دس بارہ سوار نکلے وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے کھلے تھے اس لئے عامر کو اطمینان ہوا لیکن فوراً ہی دوسری گلی نقاب پوش سواروں کا ایک بڑا گروہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے بے نقاب سواروں کو گھیر لیا۔ عامر ان سے کچھ دور تھا۔ اس نے یہی غنیمت سمجھا کہ گلی میں واپس چلا جائے۔

ادھر دونوں گروہوں میں لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ نقاب پوش زیادہ ہونے کی وجہ سے حاوی آ رہے تھے۔ بے نقاب افراد مدافعتی لڑائی لڑ رہے تھے اور ان کا حلقہ توڑ کے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ عامر آڑ میں گھوڑا لئے کھڑا تھا اور اس کا دل بار بار چاہ رہا تھا کہ باہر نکل کے نقاب پوشوں پر حملہ کر دے لیکن یہ موت کو دعوت دینے برابر تھا اس لئے وہ چپ چاپ لڑائی دیکھتا رہا پھر ایسا ہوا کہ نقاب پوش سواروں کے شدید حملہ سے تین بغیر نقاب کے سوار زخمی ہو کے زین سے لٹک گئے۔ دو سواروں کے گھوڑے زخمی ہوئے اور اپنے سواروں کے لے کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی سوار کسی نے کسی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔

نقاب پوش کچھ دیر کھڑے باتیں کرتے رہے پھر ایک طرف چلے گئے۔ اب گلی کے مکان کے دروازے آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ لوگ سہمے سہمے باہر آئے۔ عامر نے بھی اپنا گھوڑا ایک طرف باندھ دیا اور آدمیوں کے ساتھ ان گھوڑوں کے پاس گیا جو اپنے زخمی سواروں کو لئے کھڑے تھے۔ پہلے ہی زین میں لٹکے ہوئے سوار کو دیکھ کر عامر کا خون خشک ہو گیا عامر نے جلدی سے اس کے پیر رکاب سے نکالے اور سنبھال کے زمین پر لٹایا۔ عامر پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ بے ساختہ دو آنسو آنکھوں سے نکل کے اس لاش پر گرے۔ عامر نے جلدی سے منہ گھما کر آنکھیں پونچھ ڈالیں لیکن لوگ اس کے دل کی بات پا گئے۔

ایک نے نرمی سے پوچھا۔ "اے جواں۔ تو کیوں روتا ہے۔ اس مرنے والے سے تیرا کوئی رشتہ تھا؟"

عامر کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس نے بھرائی آواز میں جواب دیا۔ "میں شہر صعید کا رہنے والا ہوں اور یہ مارا جانے والا بھی وہیں کا رہنے والا ہے۔ یہ میرا بچپن کا دوست ہے۔"

"پھر تو اب کیا چاہتا ہے۔ کیا اس کی لاش صعید لے جائے گا۔" ایک اور آدمی نے دریافت کیا۔

پھر مرنے والے پر تبصرہ ہونے لگا۔ "کتنا خوبصورت جوان ہے۔ ماں باپ کو خبر ہو گی تو کلیجہ پھٹ جائے گا۔" خدا اس ضرغام کو غارت کرے۔ کیسے کیسے جوان اس کی ہوس اقتدار

Marfat.com

کی بھینٹ چڑھ گئے۔"

عامر سب کی سن رہا تھا اور دل ہی دل میں آنسو بہا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ سب کو بتا دے یہ اس شخص کا سب سے بڑا بیٹا ہے جسے ضرغام نے دارالوزارت میں گھیر رکھا تھا۔ آخر اس نے کہا۔ "آپ لوگوں کی مدد سے اگر میں اس کے کفن دفن کا انتظام کر سکوں تو اس کا اجر خدا آپ کو دے گا۔"

اس وقت دوسرے سوار بھی گھوڑوں سے الگ کر کے ادھر لائے جا چکے تھے اور تینوں کو برابر برابر لٹا دیا تھا۔ مجمع سے ایک آدمی نے کہا۔ "ان تینوں کے کفن دفن کا میں انتظام کروں گا کیونکہ یہ مظلوم تھے اور ضرغام کے نقاب پوش سواروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ لیکن یہ کام ابھی نہیں ہو گا۔ میں لاشیں اٹھوا کے اپنے گھر لئے جا رہا ہوں اور رات کو انہیں دفن کرا دوں گا۔"

لوگ ایک ایک کر کے منتشر ہونے لگے۔ وہ خدا ترس انسان لاشیں اٹھوا لے گیا۔ عامر پژمردہ سا اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا کیونکہ اس نے جس جوان کی لاش دیکھی تھی وہ وزیر اعظم ملک شاور کا بڑا بیٹا علی تھا۔ ملک شاور قاہرہ سے جاتے وقت اپنے تینوں بڑے بیٹے علی طے اور کامل کو اپنے ساتھ لایا تھا جس میں علی اس کی آنکھوں کے سامنے مارا گیا تھا۔ عامر نے ایک بار پھر دارالوزارت جانے کی کوشش کی لیکن اسی ناکامی ہوئی۔ وہ جس سڑک پر جاتا اسے نقاب پوش سوار دکھائی دیتے۔ قاہرہ سے باہر جانے کے راستے ابھی کھلے ہوئے تھے لیکن عامر شہر اس وقت تک چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جب تک ملک شاور کے متعلق پورے حالات معلوم نہ کر لے۔ تھک ہار کے اس نے سرائے کا رخ کیا۔ سرائے کا پتہ ٹھکانا اس نے سعید السعداء کے ایک ملازم سے پوچھ لیا تھا۔

عامر سرائے پہنچا۔ وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ کئی قافلے جانے کے لئے تیار تھے لیکن شہر کی مخدوش حالت کے تحت انہوں نے اپنا سفر ملتوی کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ قافلے جو شہر میں داخل ہو گئے تھے انہیں سرکاری سواروں نے اپنی حفاظت میں سرائے پہنچایا تھا اور تاکید کی تھی کہ جب تک حالت درست نہ ہو جائیں وہ سرائے چھوڑنے کی غلطی نہ کریں۔ عامر نے اپنے کو مسافر ظاہر کرتے ایک کمرے میں جگہ حاصل کر لی جہاں تین آدمی پہلے ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے نئے مسافر عامر کو خوش آمدید کہا اور چاروں خوش گپیوں میں لگ گئے۔ ان کی گفتگو کا موضوع مصر کی موجودہ سیاست اور حالات تھی۔

Marfat.com

ایک مسافر نے عامر سے پوچھا۔ "آپ کو مصر کے حالات سے کچھ دلچسپی ہے؟"

عامر نے سنبھل کے جواب دیا۔ "مصر اور اس کے حالات سے مجھے اسی حد تک تعلق ے کہ اس وقت میں قاہرہ کی ایک سرائے میں قیدی کی طرح پابندیوں اور حالات کے ست ہونے کی دعا مانگ رہا ہوں۔"

"آپ نے تو ماشاء اللہ بڑے دلچسپ جوان معلوم ہوتے ہیں۔" مسافر نے کہا۔ "ہم پ کی مصیبت ہیں برابر کے شریک ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ ہم سب ایک ہی کشتی میں ار ہیں۔ میرے یہ دو ساتھی ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام جا رہے ہیں مگر قافلہ کی روانگی ی ہو گئی ہے۔ میں اسکندریہ سے اپنے بھائی سے ملنے آیا ہوں۔ میرا بھائی صریم خلافت مہمان خانے پر پہریدار کے فرائض انجام دیتا ہے۔"

صریم خلافت کے نام پر عامر نے کان کھڑے کئے۔" آپ صریم خلافت تو جا سکتے ہیں۔ ، کو کون روک سکتا ہے"۔

"جی۔ آپ نے درست فرمایا۔" مسافر بولا جو عمر میں عامر سے کچھ ہی بڑا تھا اور بڑے نے سے گفتگو کر رہا تھا۔ "لیکن صریم خلافت جانے والے تمام راستے بند ہیں۔ ادھر پرندہ ا پر نہیں مار سکتا۔"

"راستے کس نے بند کئے ہیں؟" عامر نے دوسرا سوال کیا اور جواب کے لئے ہمہ تن ش ہو گیا۔

"ارے دی ضرغام ہے۔" پھر فوراً ہی آواز دبا کر کہا۔ "جناب کیا زمانہ آگیا۔ غلاموں ہ بھی پر لگ گئے میں نے سنا ہے کہ وہ صریم خلافت کا داروغہ ہے اور اب وزیر اعظم بننا ہتا ہے۔"

عامر اور سنبھل کے بولا۔ "لیکن جناب یہاں کے وزیر اعظم تو ملک شاور ہیں۔ وہ کیا ۔ رہے ہیں؟۔"

مسافر نے سمجھانے کی انداز میں کہا۔ "ملک شاور کچھ کمزور سے آدمی ہیں۔ اچھا خاصے عید کے گورنر تھے۔ جانے کیا سوجھی کہ قاہرہ پر چڑھ دوڑے اور دارالوزارت پر قبضہ کر ۔ انہیں سوچنا یہ چاہیے تھا کہ جب وزارت عظمیٰ حاصل کر لی ہے تو سب سے بڑے نٹے ضرغام کو ٹھکانے لگا دیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ضرغام نے پہلے وزیر اعظم کا ساتھ دیا ہو اور بعد میں ان کا ف ہو گیا ہو۔۔" عامر کے اس جواب پر مسافر حیران نظروں سے عامر کو دیکھنے لگا۔

"آپ واقعی بہت سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔" مسافر نے مسرت کا اظہار کیا۔ "آپ

Marfat.com

کے آنے سے ہمارا یہ قید کا وقت ہنسی خوشی کٹ جائے گا۔ آپ کا کہاں جانے کا ا
ہے؟"

"میں کہیں نہیں جا رہا ہوں برادرم۔" عامر نے دل شکستگی سے جواب دیا۔ "مجھ
اور آپ میں زیادہ فرق نہیں۔ میرا بھائی ملک شاور کے ساتھ قاہرہ آیا تھا لیکن اس
آنے کے بعد سے اب تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں دریافت حال کے لئے ملک شاو
سے ملنے آیا تھا۔"

"خدا آپ کے بھائی کو محفوظ رکھے---" مسافر نے افسردگی سے کہا۔ "ضرغام
گروہ برقیہ نے ملک شاور کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ پورے شہر میں ضر
کے نقاب پوش سوار دندناتے پھر رہے ہیں اور یہاں تک سنا گیا ہے کہ ملک شاور محل
نکل بھاگا ہے لیکن ابھی اس کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔"

عامر پریشان ہو گیا۔ "یہ باتیں آپ نے کہاں سے سنیں؟"

"اس سرائے کا مالک پورے شہر اور محلات کی خبر رکھتا ہے---" مسافر نے بتا
"سرائے کا مالک یہ بھی کہہ رہا تھا کہ ملک شاور کے لڑکے جنگ میں مارے گئے ہیں لیکن
بچ کے نکل گیا ہے محل پر ضرغام کے آدمیوں کا اب تک قبضہ نہیں ہو سکا اور بڑی شد
لڑائی ہو رہی ہے۔"

عامر تذبذب میں پھنس گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ خبر درست ہے کہ ملک شاور
شکست ہوئی اور وہ بچ کے نکل گیا ہے تو پھر عامر کا سرائے میں پڑا رہنا بیکار ہے کیوں نہ
سعید السعداء کے پاس جائے۔ ممکن ہے کہ ملک شاور ان کے پاس گیا ہو۔ سعید السعداء
حویلی پر جانے کا اسے ایک فائدہ یہ بھی نظر آیا کہ اگر ملک شاور نے ادھر کا رخ نہیں کیا
وہ سعید السعداء سے اس مقام کا نام معلوم کرے گا جہاں انہیں بھیجا گیا ہے تاکہ وہاں
کے ملک شاور کی آمد کا انتظار کرے کیونکہ فتح و شکست دونوں صورتوں میں ملک شاور ا
اہل خانہ کے پاس جانے کی کوشش ضرور کرے گا۔

وہ رات اس نے جوں توں سرائے میں کاٹی اور صبح ہی صبح سرائے کے مالک کے پا
پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ کے تینوں مسافر بھی اس کے ساتھ تھے۔ پڑھے لکھے مسافر نے عا
کا سرائے کے مالک سے ان الفاظ میں تعارف کرایا۔ "یہ ہمارے دوست عامر غزلی ہیں
ماشاء اللہ بڑے عقلمند اور پڑھے لکھے جوان ہیں۔ ان کا ایک بھائی مصر کے وزیر اعظم ملک
شاور کی ملازمت میں صعید سے قاہرہ آیا تھا۔ اس نیک بخت نے قاہرہ پہنچنے کے بعد
اب تک اپنے گھر کوئی اطلاع نہیں دی۔ یہ اس کی تلاش میں قاہرہ آئے ہیں اور تمہار

Marfat.com

مدد چاہتے ہیں۔"

سرائے کا مالک ذرا دیر عامر کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا رہا پھر بولا۔۔۔ "اے جوان۔ میں اپنے مسافروں اور دوستوں کے کام کر کے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہی اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارا بھائی ملک شاور کی فوجی خدمت میں تھا یا غیر فوجی خدمت میں۔؟"

عامر اس کے اس سوال سے پریشان ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ کہیں طویلے کی بلا بندر کے سر والا معاملہ نہ ہو جائے۔ آخر اس نے سوچ کے جواب دیا۔۔۔ " میرے بڑے بھائی پڑھے لکھے نہ تھے۔ ملک شاور کے یہاں پہلے باورچی خانہ میں کام کرتے تھے پھر اصطبل میں لگا دیئے گئے تھے۔۔۔"

"تو پھر جوان خوش ہو جاؤ۔۔۔" سرائے کے مالک نے کہا۔ "دارالوزارت کے تمام ملازمین نے داروغہ محلات ضرغام کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا گیا لیکن اس کی تصدیق دوچار دن کے بعد ہی ہو سکے گی کیونکہ دارالوزارت لاشوں سے پٹا پڑا ہے۔ جب صفائی ہو گی تب پتہ چلے گا۔"

دوسرے دن سرائے کے مالک نے ایک اور خوفناک خبر سنائی' اس نے بتایا۔ "دارالوزارت پر داروغہ محلات ضرغام کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ملک شاور کے تمام بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے ہیں۔ ان کی لاشوں کی شناخت بھی ہو گئی ہے لیکن ملک شاور اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ پہریداروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کے دارالوزارت سے غائب ہو گیا ہے۔ ایک شخص نے اسکندر سے اطلاع بھیجی ہے کہ ملک شاور اسکندریہ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ موجود ہے اور قاہرہ کی واپسی کے لئے فوجیں اکٹھا کر رہا ہے۔"

سرائے کے مالک کی بیان کی ہوئی خبروں میں تضاد پایا جاتا تھا۔ ملک شاور کے تمام بڑے سرداروں کا قتل ہونا تو ممکن تھا اس لئے کہ وہ سب ملک شاور کے ساتھ دارالوزارت میں ہوں گے اور جب ضرغام کے نقاب پوشوں دارالوزارت پر یلغار کر کے قبضہ کیا ہو گا تو وہ سب مارے گئے ہوں گے۔ لیکن ملک شاور کا اپنے بیٹوں کے ساتھ دارالوزارت سے نکل بھاگنا مشکوک تھا۔ عامر غزنی نے ملک شاور کے بڑے بیٹے کی لاش خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی ممکن ہے اس کے باقی دو بیٹے بھی اس دار و گیر میں کسی اور جگہ مار دیئے گئے ہوں اور انہیں کوئی شناخت نہ کر سکا ہو۔ عامر غزنی کے لئے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ ملک شاور بچ کے نکل گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مارا جاتا تو اس کی شناخت پر شخص کر سکتا تھا۔

Marfat.com

بہرحال اب عامر غزنی کے لئے سرائے میں ٹھہرنا بیکار تھا۔ اس نے رات ہی میں اپنے مسافر ساتھیوں کو مطلع کر دیا "دوستو۔ میں کل صبح واپس چلا جاؤں گا۔ دارالوزارت کے جو حالات بتائے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی شخص بھی زندہ نہیں بچا اور اگر کوئی بچ گیا تھا تو وہ بھاگ چکا ہے۔ میں واپس اس امید پر جا رہا ہوں کہ شاید میرا بھائی بچ کے گھر پہنچ گیا ہو۔"

سب نے عامر کے خیال کی تائید کی۔ اس کے سوا وہ بیچارے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ اس رات دیر تک محفل جمی رہی۔ عامر دوستوں کے قصے سنتا رہا اور اپنے بارے میں بھی بتاتا رہا مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کا وزیر اعظم ملک شاور کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہ ثابت ہو سکے۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے صبح کو بھی وہ سب دیر سے اٹھے اور اٹھتے ہی ان کے کان میں ڈھول کی آواز آئی۔ ڈھول پر اعلان کیا جا رہا تھا جس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"ملک خدا کا۔ حکومت بادشاہ کی حکم وزارت مآب ضرغام کا غدار سابق وزیر شاور اور اس کی تینوں بیٹے قاہرہ سے نکل بھاگے ہیں۔ ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص شہر سے باہر جانے کی کوشش نہ کرے۔ جو جہاں موجود ہے وہیں تاحکم ثانی قیام کرے۔ شہر کے راستے اور ملک کی سرحدیں بند کر دی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص شاور یا اس کی اولاد کو زندہ یا مردہ حالت میں دارالوزارت پہنچائے گا یا اس کے بارے میں ایسی خبر دے گا جس سے اس کی گرفتاری میں مدد ملے تو اسے معقول انعام دیا جائے گا اور سرکار میں اعلیٰ عہدہ پائے گا۔"

شاہی اعلان سن کے عامر کو بخار سے چڑھ آیا۔ اس کے مسافر دوست نے اس سے افسوس کا اظہار کیا۔ "عامر اب تو تم کہیں نہ جا سکو گے"

"ہاں دوست۔" عامر نے دلگیر آواز میں کہا۔ "کہتے ہیں زبردست کا جوتا سر پر۔ حکومت کا حکم کیسا ہی کیوں نہ ہو ماننا پڑتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ملک شاور اور اس کے بیٹوں کو تلاش کیا جا رہا ہے۔" مسافر دوست نے خیال ظاہر کیا۔

"خیال نہیں بلکہ یہ یقینی بات ہے دوست۔" عامر نے تائید کی۔ "اس سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ داروغہ محلات ضرغام نے دارالوزارت پر قبضہ تو کر لیا ہے لیکن ابھی

Marfat.com

ان کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے ہیں اور ملک شاور کا خوف ان پر غالب ہے۔"

"بالکل یہی بات ہے جناب۔" پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور آواز دبا کے کہا۔ "بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ملک شاور اپنے بیٹوں کو لے کر سلطان دمشق کے پاس پہنچ گیا ہے۔"

عامر غربی چونک پڑا۔ "یہ بات کس نے کہی ہے؟۔"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہو عامر۔۔۔" مسافر نے اس سے سوال کیا۔ "کیا یہ بات غلط ہے یا تمہارے خیال میں ملک شاور سلطان دمشق کے پاس نہیں جا سکتے؟"

"اس کا جواب اس قدر آسان نہیں میرے دوست" عامر نے جواب دیا۔ "ہم فاطمی خلافت میں رہتے ہیں اور سلطان دمشق' خلافت عباسیہ کو تسلیم کرتا ہے۔ فاطمیوں اور عباسیوں میں پرانا اختلاف ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں فاطمی اور عباسی کسی نکتہ پر ہم خیال نہیں ہو سکتے۔ یوں بھی سیاست میں ہر چیز جائز ہے۔ لیکن ملک شاور کا دمشق جانا۔ مشکل نظر آتا ہے کیونکہ مصر کی حکومت یروشلم کے عیسائی بادشاہ کو خراج دیتی ہے اور یروشلم کا بادشاہ یہ کبھی گوارہ نہ کرے گا کہ مصر کے معاملات میں سلطان دمشق دخل دے۔ ملک شاور اگر بچ گئے ہیں تو وہ یروشلم کے دربار میں جا سکتے ہیں کیونکہ یروشلم' مصری حکومت پر دباؤ بھی رکھتا ہے اور اگر چاہئے تو ضرغام کو وزارت سے الگ بھی کر سکتا ہے۔"

"مگر عامر بھائی۔" دوسرا مسافر جو کم پڑھا لکھا تھا اس نے ٹوکا۔ "ہمارا ملک تو آزاد ہے۔ وہ عیسائیوں کو خراج کیوں دے گا۔"

"میرے دوست۔" عامر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سیاست میں سب کچھ جائز ہے۔ مصر کے عوام نہیں جانتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مصر اب سے بلکہ ایک زمانہ سے عیسائیوں کو خراج ادا کر رہا ہے۔ خراج کی ادائیگی میں اگر ایک دن کی تاخیر ہو جائے تو یروشلم کا نمائندہ وزیر اعظم مصر کا گلا دبا لیتا ہے اور پھر خراج کے علاوہ رشوت کے طور پر ایک معقول رقم ادا کر کے وزیر اعظم کی جان چھوٹتی ہے۔"

"یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے۔" دوسرے مسافر کو شرم معلوم ہو رہی تھی۔ "یہ خراج بند نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" عامر نے کہا۔ "اگر فاطمی خلافت اور عباسی خلافت اپنے اختلافات ختم کر دیں تو صرف خراج ہی بند نہیں ہو سکتا بلکہ مسلمانوں کے تمام علاقے جن پر عیسائیوں نے زبردستی قبضہ کر لیا ہے وہ بھی واپس ہو سکتے ہیں۔"

عامر سرائے میں قید ہو کر رہ گیا۔ ضرغام نے قاہرہ اور پورے مصر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر ملک شاور اور اس کے بیٹوں کا کوئی پتہ نہ چلا۔ قاہرہ میں روز افواہیں اڑتیں۔ ایک دن

Marfat.com

خبر آتی کہ ملک شاور یہیں ہے تو دوسرے دن اطلاع ملتی کہ وہ یروشلم میں بیٹھا فوجیں اکٹھی کر رہا ہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس سلسلہ میں سب سے دلچسپ بات وہ تھی جو سرائے میں آنے والے ایک نئے مسافر نے بیان کی۔ اس نے قسم کھا کر لوگوں سے کہا۔

"میں نے ملک شاور اور اس کے تینوں بیٹوں کو دربار دمشق میں دیکھا ہے۔ سلطان نے ملک شاور کو فوجی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے اور سلطان کے دو جواں عمر بیٹے جن میں سے ایک کا نام صلاح الدین ہے اور دوسرا شہزادہ ظفر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان دونوں کی کمان میں ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا گیا ہے جو کچھ دنوں میں مصر کی طرف روانہ ہو گا۔"

اس افواہ نے کچھ ایسا زور باندھا کہ اس کی بازگشت دارالوزارت میں سنی گئی اور دمشق سے آنے والے مسافر کو ضرغام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس افواہ گر نے ضرغام کے سامنے بھی قسم کھا کر وہی بیان دیا جو اس نے سرائے والوں کو بتایا تھا دارالوزارت میں اس خبر سے لرزہ پیدا ہو گیا اور وزیر اعظم ضرغام کی وزارت ڈگمگانے لگی۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد تھی۔ صلاح الدین اور شہزادہ ظفر دونوں ہی سلطان دمشق نور الدین محمود کے بیٹے نہ تھے۔ صلاح الدین، نجم الدین ایوب کا بیٹا اور اسد الدین شیرکوہ کا بھتیجا تھا۔ اسی طرح جسے شہزادہ ظفر بیان کیا گیا وہ امیر زادہ ظفر تھا جو صلاح الدین کا گہرا دوست بن گیا تھا۔ امیر زادہ ظفر کی شادی، صلاح الدین کے گھر پلنے والی زریافت سے ہو گئی تھی۔ اس طرح ان دونوں کی گفتگو میں پائیداری پیدا ہو گئی تھی اور دمشق کے کوچہ و بازار میں یہ دونوں جوان ایک ساتھ گھومتے دکھائی دیتے تھے۔

Marfat.com

ضرغام کی بغاوت

مصر پر دو سو سال تک فاطمیوں نے بڑی شان سے حکومت کی۔ یہ خاندان حضرت فاطمہ کی اولاد تھا اس لئے بنو فاطمہ کہلاتا تھا۔ بنو فاطمہ کی بری اور بحری طاقت کا یہ عالم تھا کہ اسپین کے مسلمان بادشاہ بھی ان سے کتراتے تھے۔ بنو فاطمہ شیعہ عقیدہ رکھتے تھے برخلاف اس کے بغداد کے عباسی خلیفہ سنی العقیدہ تھے لیکن ان میں بھی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ بنو فاطمہ کو دبا سکیں۔ مصر میں پہلے ہی سے شافعی فرقہ کا زور تھا اس لئے مصر میں شیعہ فرقہ کا زور تھا۔ بس مصر میں شیعہ حکومت قائم ہوتے ہی عوام بھی شیعہ عقیدہ ماننے لگے اور عقیدہ کی بنیاد پر وہاں کوئی جھگڑا نہ ہوا۔

مصر کی بحری طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ان کے جہاز بحر روم عبور کر کے جبرالٹر ہوتے ہوئے افریقہ کے پورے مغربی ساحل تک سامان تجارت لے جاتے تھے۔ ایک بیان کے مطابق مصر کے تاجر اپنے عروج کے زمانہ میں وسط افریقہ میں جھیل چاڈ تک پہنچ گئے تھے لیکن اس سلطنت کو کچھ ایسا گھن لگا کہ فاطمی خلیفہ کمزور ہوتے ہوتے قاہرہ کے "قصر الکبیر" میں قید ہو کر رہ گیا اور کاروبار سلطنت پر مصری وزیروں کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح خود غرضی اور مفاد پرستی نے مصر کو اس قدر تباہ و برباد کر دیا کہ اب وہ عیسائیوں کو خراج ادا کرتا۔

اور پھر وہ وقت آیا کہ مصری وزیر اعظم ملک شاور دربار دمشق میں جبہ سائی کے لئے حاضر ہوا۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ دمشق کے قلعہ میں داخل ہوتے ہی ملک شاور کا سامنا صلاح الدین سے ہوا۔ ملک شاور نے دیکھا کہ دو خوبصورت جوان گھوڑے سے گھوڑا ملائے چلے آ رہے ہیں انہیں دیکھتے ہی شاور کے دل سے آواز آئی۔ "شاور تیرا آنا مبارک کہ دمشق کے قلعہ میں تیرا سامنا سب سے پہلے سلطان دمشق کے دونوں شہزادوں سے ہوا۔

Marfat.com

بڑھ کے ان سے صاحب سلامت کرتا کہ دربار میں دونوں تیری سفارش کریں۔"

ملک شاور جنہیں سلطان دمشق نور الدین محمود کے شہزادے سمجھ رہا تھا وہ صلاح الدین اور اس کا دوست امیر زادہ ظفر تھے۔ ان دونوں کی دوستی کچھ ایسی مشہور ہوئی تھی کہ دمشق سے قاہرہ پہنچی ہوئی تھی اسی وجہ سے قاہرہ میں افواہ اڑی تھی کہ سلطان دمشق اپنے دو نوجوان بیٹوں کے ساتھ قاہرہ کی طرف بڑھ رہا ہے حالانکہ اس میں حقیقت کو ذرا بھی دخل نہ تھا ہو سکتا ہے کہ دمشق سے گزرے والے کسی سوداگر نے صلاح الدین اور امیر زادہ ظفر کو ایک ساتھ دیکھا ہو اور انہیں شہزادے سمجھ بیٹھا ہو اس طرح یہ افواہ دور نزدیک پھیل گئی ہو۔

ملک شاور اپنا گھوڑا بڑھا کر بالکل ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ صلاح الدین نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کے تیزی سے اپنا گھوڑا گھمایا۔ ملک شاور نے اسے پلٹتے دیکھا تو فوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ صلاح الدین اسے تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا شاید پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ امیر زادہ ظفر بھی اپنا گھوڑا گھما کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" ملک شاور نے بڑے ادب سے دونوں سواروں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" صلاح الدین نے اسی جوش سے جواب دیا اور ذہن پر زور دینے لگا۔

امیر زادہ ظفر حیرت کے عالم میں کبھی صلاح الدین کا منہ دیکھتا تو کبھی اجنبی کا جو فدوی صورت بنا ہوا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"اے اجنبی محترم۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟" صلاح الدین نے اسے "محترم" کہہ کر اس لئے مخاطب کیا کہ اجنبی کی عمر اسے چالیس سال سے زیادہ معلوم ہوئی۔

"محترم شہزادگاں میرے لئے فکر مند نہ ہوں کہ میں واقعی اجنبی ہوں اور دمشق کی مبارک سرزمین پر میں نے زندگی میں پہلی بار قدم رکھا ہے۔" ملک شاور نے بڑے سلیقے سے "محترم" کا قرض اتار دیا۔

اجنبی کو پیدل دیکھ کر صلاح الدین اور امیر زادہ ظفر بھی پا پیادہ ہو گئے۔

صلاح الدین نے اجنبی کا احترام برقرار رکھتے ہوئے کہا۔" ہم آپ کو دمشق میں خوش آمدید کہتے ہیں اس کے ساتھ ہی ہم آپ کو مطلع کرتے ہیں کہ نہ ہم شہزادے ہیں اور نہ ہمارا تعلق سلطان عالی مقام کے خاندان سے ہے۔"

"میں اس خوشگوار غلط فہمی کی معافی نہیں مانگوں گا۔" ملک شاور طویل سفر کی تکان کے باوجود مسکرایا۔"آپ دونوں شہزادے نہ سہی لیکن یہ چمکتی ہوئی پیشانیاں اس بات کی غمازی

Marfat.com

کر رہی ہیں کہ آپ یقیناً کسی اعلیٰ گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔" ملک شاور بہت بڑا لسان اور صاحب زبان تھا۔ اس کی فصاحت اور بلاغت پورے مصر میں مشہور تھی۔ شاور پہلے مصری وزیر ملک الصالح کے خدمتگاروں میں شامل تھا موجودہ خلیفہ العاضد کے والد خلیفہ الفائز نے اہل ادب کی ایک مجلس قائم کی تھی جس کا کام محض داستان گوئی تھا۔ الفائز کبھی کبھی کچھ نظم بھی کر لیا کرتا۔ اس وقت ملک الصالح نے ملک شاور جو اچھی خاصی شاعری کرتا تھا اور "سعدی" کا تخلص اختیار کیا تھا۔ کو الفائز کی شاعری کا استاد مقرر کرا دیا تھا پھر ملک شاور اپنی قابلیت سے بڑھتے بڑھتے صعید کا گورنر ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی گفتگو میں شیرینی اور شگفتگی تھی۔

"محترم آپ کی گفتگو سے پھول جھڑتے ہیں۔ زبان سے الفاظ یوں ادا ہوتے ہیں جیسے شعر کہہ رہے ہوں۔" صلاح الدین اس کی شیریں بیانی سے بہت متاثر ہوا۔ "بغیر یہ دریافت کئے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میرے لئے یہ باعث افتخار ہو گا آپ مجھے اپنی مہمان نوازی کا موقعہ عطا فرمائیں۔"

"میں اس خلوص کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" ملک شاور نے جواب دیا پھر نرم لہجے میں درخواست کی۔ "کیا آپ دونوں اپنے تعارف سے اس پردیسی کو شاد کام نہیں فرمائیں گے؟"

"کیوں نہیں۔ ضرور ضرور۔" صلاح الدین نے اپنے دوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان سے ملئے یہ ہیں دربار نوریہ کے ایک معزز امیر کے صاحبزادے امیر زادہ ظفر۔ میرے بہت عزیز دوست ہیں اور میں یعنی خاکسار کو صلاح الدین کہتے ہیں میرے والد کا تعلق بھی امرائے نوریہ سے ہے۔"

"دربار نوریہ سے آپ کی مراد---؟" ملک شاور نے رک کر صلاح الدین کی طرف دیکھا۔

"دربار نوریہ سے مطلب اعلیٰ حضرت سلطان نور الدین محمود زنگی ہے" صلاح الدین نے سلطان کا نام بڑی عزت سے لیا۔ "سلطان معظم کے وہ تمام امرا جن پر سلطان کی خاص نظر رہتی ہے اور جو سلطانی مشورے میں شریک رہتے ہیں امرائے نوریہ کہلاتے ہیں۔"

"بہت خوب۔" ملک شاور نے اطمینان کا سانس لیا۔ "اب میں اپنا تعارف کرانے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں کرتا۔" ملک شاور ایک لحہ کچھ سوچتا رہا پھر سر اٹھا کے بولا---

"اے امیر زادو--- آپ کے سامنے کھڑا ہوا یہ پریشان حال مسافر دراصل سلطنت مصر کا وزیر اعظم ملک شاور ہے۔ گردش دوراں ملاحظہ ہو کہ کل تک اس فقیر کے ایک اشارہ پر زندگی موت کے سودے ہوا کرتے تھے لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی تھیں لیکن آج وہی فقیر

Marfat.com

تقدیر کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہے کہ دمشق کے باب عالی پر سلطان معظم کو سلامی دے اور اپنے وقار کی بھیک مانگنے حاضر ہوا ہے۔"

صلاح الدین اور امیر زادہ ظفر نے پہلے ملک شاور کو پھر ایک دوسرے کو حیران نظروں سے دیکھا۔ "آپ اس قدر پریشان نہ ہوں وزیر اعظم۔ آپ جس سلطان کے دربار میں حاضری دینے تشریف لائے ہیں وہاں سے بہت کم لوگ مایوس لوٹتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ سلطان کی نظر کرم آپ پر ہو جائے اور آپ کا گیا مقام پھر آپ کو واپس مل جائے۔"

"مجھے بھی سلطان معظم کی کرم نوازی سے ایسی ہی امید ہے۔" ملک شاور نے کہا۔ "اب آپ کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ میری دربار نوریہ میں جلد سے جلد حاضری ہو جائے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔" صلاح الدین نے اسے اطمینان دلایا۔ "میرے ساتھ تشریف لے چلئے۔ میں آپ کو اپنے والد امیر نجم الدین ایوب سے ملواؤں گا اور اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کی ملاقات اپنے چچا اسد الدین شیر کوہ سے بھی کراؤں گا۔ شیر کوہ سلطانی دربار کے امیر الامرا ہیں۔"

"اسدالدین شیرکوہ۔" ملک شاور نے یہ نام دہرایا۔ "یہ نام اور ان کے کارنامے میں نے مصر میں سنے ہیں۔"

"ضرور سنیں ہوں گے" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین نے رکاب میں پیر رکھا۔ "آپ میرے ساتھ تشریف لے چلئے۔ والد صاحب گھر پر ہوں گے تو ابھی ملاقات ہو جائے ورنہ پھر میں آپ کو چچا شیر کوہ کے پاس لے چلوں گا۔۔۔"

تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے نجم الدین ایوب کی حویلی پر پہنچے۔ خدمت گار نے بتایا کہ امیر نجم الدین مہمان خانہ میں کسی امیر سے گفتگو کر رہے ہیں۔ صلاح الدین' ملک شاور کو لئے ہوئے وہیں پہنچ گیا۔ ملک شاور نے دونوں امیروں کو سلام کیا۔ امیر نجم الدین نے جواب دے کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

صلاح الدین نے بے جھجک کہا۔ "یہ معزز مہمان مصر کے وزیر اعظم ملک شاور ہیں۔۔۔" اتنا سننا تھا کہ دونوں امیر اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔

"سبحان اللہ ۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔" نجم الدین ایوب نے معانقہ کے لئے بازو پھیلا دیئے۔ دونوں بغلگیر ہوئے پھر دوسرے امیر بھی ملک شاور سے بغلگیر ہوئے۔

"تشریف رکھئے معزز مہمان۔۔۔" اور سب فرش مخملی پر بیٹھ گئے۔

صلاح الدین نے اپنی بات کی ذرا اور وضاحت کی۔ "سلطنت مصر کے بارے میں دمشق میں جو افواہیں اڑ رہی تھیں مہمان محترم نے ان میں سے بعض کی تصدیق کر دی

Marfat.com

ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔" نجم الدین ایوب نے متانت سے کہا۔ "وزیر اعظم مصر کا دمشق آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ مصر کے حالات درست نہیں۔ بہرحال آپ ہمارے مہمان ہیں۔ فرمایئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟؟"

"وزیر اعظم کہہ کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے امیر۔۔۔" ملک شاور نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اب یہ ایک خواب ہے جو میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور یہ اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب سلطان دمشق اس مظلوم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔ میری دنیا صرف سلطان کے ایک مثبت اشارے سے پھر سنور سکتی ہے۔"

امیر نجم الدین ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ صلاح الدین کا کام پورا ہو گیا تھا اس لئے وہ چپکے سے وہاں سے نکل آیا۔ باہر اس کا دوست امیر زادہ ظفر انتظار کر رہا تھا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک طرف نکل گئے۔

امیر نجم الدین سر جھکائے سوچ رہا تھا اور ملک شاور کی نظریں اس کے چہرے پر لگی تھیں۔ دوسرا امیر بھی ان دونوں کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ بہت دیر بعد نجم الدین نے سر اٹھایا اور نرم لہجے میں کہا۔ "محترم مہمان۔ پچھلے چھ سات ماہ سے مصر کے بارے میں بڑی وحشت ناک خبریں آ رہی تھیں اور ادھر دو تین ہفتہ سے تو روز شہر میں یہ افواہ اڑتی ہے کہ مصر کے وزیر اعظم، سلطان معظم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں چنانچہ یہ افواہ حقیقت بن گئی۔ میں سلطان معظم کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور مجھے یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ آپ سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو کروں۔ میرے بیٹے صلاح الدین کی باتوں سے اس بات کا اظہار ہوا کہ آپ سلطان عالی مقام کے حضور میں پیش ہونا چاہتے ہیں۔ جب تک آپ کو یہ شرف حاصل نہیں ہوتا آپ میرے مہمان رہیں گے۔ میں کل ہی آپ کی آمد کی اطلاع سلطان معظم کے گوش گزار کر دوں گا۔"

"میں امیر کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک خانماں برباد کو اپنی مہمان نوازی کے لائق سمجھا۔" ملک شاور نے بڑے عجز سے کہا۔ "کاش مجھے وہ قدرت حاصل ہو کہ میں مصر میں آپ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کر سکوں۔"

"میں نے سنا ہے کہ مصر بڑی پر اسرار زمین ہے اور اس سر زمین پر قدم رکھنے والے مشکل ہی سے اپنے وطن لوٹتے ہیں۔ آخر یہ کیا سحر ہے محترم۔؟" امیر نجم الدین نے بڑے تجسس سے دریافت کیا۔

"آپ نے جو کچھ فرمایا وہ بے حد ڑ تک درست ہے۔" ملک شاور نے تائید

Marfat.com

کرتے ہوئے کہے۔ "وادی نیل کی آب و آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے اور حسن کی دیوی اس سر زمین پر مہربان ہے۔ جس خاتون کو بھی دیکھئے وہ ملکہ دکھائی دیتی ہے۔ لوگ کھیل تماشے اور میلے ٹھیلے کے شوقین ہیں۔ غرضیکہ کیا امیر کیا غریب اپنے حال میں سب مست اور بے فکر ہی۔"ہیں۔"

"اگر سب لوگ بے فکر ہیں تو پھر یہ بے چینی کیسی۔ اس خانہ جنگی کا کیا سبب ہوسکتا ہے؟" امیر نجم الدین نے اس کی پکڑ کی۔

ملک شاور گھبرا گیا۔ "دراصل اگر کسی چھوٹے آدمی کو ذرا سا اقتدار حاصل ہو جائے تو اس کا دماغ چل نکلتا ہے۔ ہمارے فاطمی خلیفہ کے تمام ملازمین اور متعلقین بہت خود سر ہیں۔ قصر خلافت کا داروغہ ضرغام خود اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتا ہے اور کاروبار سلطنت میں روڑے اٹکاتا ہے۔ میرے اور اس کے اختلافات کی اصیل وجہ یہی تھی۔ اس نے میرے خلاف بغاوت کردی اور امرا کے ایک گروہ جس کا نام امرائے برقیہ ہے ان کی مدد سے وزارت کی مسند پر قابض ہو گیا ہے۔"

امیر نجم الدین نے مسکرا کے جواب دیا۔ "مصر کے حالات خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ ہیں۔ آپ سلطان عالی کی ملاقات میں ان حالات کا ذکر ضرور کیجئے گا۔"

"آپ کل سلطان سے میری آمد کا تذکرہ کریں گے لیکن کیا علم کہ وہ فوری طور پر مجھے طلب نہ کریں۔ کیا آپ سلطان سے میری سفارش نہیں کرسکتے ہیں۔"

"محترم۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔" نجم الدین نے صاف الفاظ میں جواب دیا۔ "سلطان کا کوئی امیر ان کے سامنے اپنی اولاد کی بھی سفارش نہیں کرسکتا۔ میں صرف آپ کا ذکر ہی کرسکتا ہوں۔ ہاں اگر سلطان نے دلچسپی ظاہر کی تو آپ کو کل ہی طلب کیا جاسکتا ہے۔"

ملک شاور تذبذب میں گرفتار کچھ کہنے والا تھا کہ نجم الدین پھر بولا۔ "معزز مہمان۔ مہمان خانہ میں تشریف لے جائیں۔ باقی گفتگو ان سے کل ہوگی۔"

امیر نجم الدین اٹھ کھڑا ہوا جس کا مطلب تھا کہ وہ اب مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ ملک شاور نے اپنی زبان بند رکھی۔ اسی وقت ایک غلام اس کے پاس آیا اور ملک شاور اس کے ساتھ مہمان خانہ چلا گیا۔

امیر نجم الدین ایوب کے دل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ سلطان نور الدین محمود زنگی کے دربار میں کسی نہ کسی رخ سے فاطمہ خلیفہ مصر اور وزارت مصر کا ذکر روز ہی ہوا کرتا تھا۔

Marfat.com

نجم الدین ایوب کو دربار ہی سے معلوم ہوا کہ مصر کے موجودہ وزارتی جھگڑے سے پہلے بھی مصر کے بعض مقتدر لوگوں نے سلطان کو مصر پر حملہ اور قبضہ کی دعوت دی تھی لیکن سلطان نے بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اس پر توجہ نہ دی تھی لیکن اس دفعہ مصری معاملات میں سلطان کچھ دلچسپی ظاہر کر رہے تھے۔

نجم الدین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک غلام کو اسد الدین شیرہ کوہ کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ اگر اسے فرصت ہو تو وہ فوراً" نجم الدین سے مل لیں یا پھر نجم الدین خود اس سے ملنے آجائیں۔ نجم الدین اگرچہ عمر میں شیر کوہ سے بڑے تھے لیکن شیر کوہ کا عہدہ دربار میں بڑا تھا اس لئے نجم الدین کو شیر کوہ کا ادب کرنا پڑتا تھا۔ اسد الدین شیر کوہ کو اس وقت کوئی کام نہ تھا اس لئے وہ غلام کے ساتھ ہی نجم الدین کی حویلی پر آگئے۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ نجم الدین ایوب کثیرالاولاد شخص تھے۔ ان کے سات بیٹے اور ایک بیٹی ربیعہ خاتون تھی۔ ۱۱۶۴ء یعنی مصر پر پہلے حملہ کے وقت ربیعہ خاتون دودھ پیتی بچی تھیں۔ نجم الدین ایوب کی اولاد میں صلاح الدین کے علاوہ کئی اور بیٹوں نے صلیبی جنگوں میں نام پیدا کیا لیکن وہ سب صلاح الدین کے ماتحت تھے۔ ان کا ذکر آگے چل کے آئے گا۔

دربار نوریہ میں اسد الدین شیر کوہ اور نجم الدین ایوب دونوں ہی کو اعلیٰ مقام حاصل تھا لیکن ان کے مخالف بھی بکثرت تھے اس لئے دونوں بھائیوں کی ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ یہ بات مصلحت کی بنا پر تھی۔ پھر جب کبھی شیر کوہ' نجم الدین کی حویلی پہنچ جاتے تو جیسے وہاں عید ہو جاتی۔ نجم الدین کے تمام بچے انہیں گھیر لیتے اور خوب خوشیاں منائی جاتیں۔ نجم الدین کو آج اسد الدین شیر کوہ سے خاص گفتگو کرنا تھی اس لئے انہوں نے شیر کوہ کو باہر ہی روک لیا اور راہداری کے ایک کمرے میں لے کر بیٹھ گئے تاکہ اطمینان سے گفتگو ہو سکے۔

"خیر تو ہے بھائی جان' ۔" شیر کوہ نے بیٹھتے ہی کہا۔ "کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟"

"فکر کی بات نہیں لیکن خبر بہت اہم ہے؟" نجم الدین ایوب نے مسکرا کے جواب دیا۔ "مصر کے جو چرچے دربار میں ہو رہے تھے۔ ان کی تصدیق ہو گئی ہے۔"

"کوئی تازہ خبر آئی ہے مصر سے؟" شیر کوہ نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"صرف خبر ہی نہیں ۔ مصر کا معزول وزیراعظم ملک شاور یہاں آیا ہے۔" نجم الدین نے پردہ اٹھایا۔

"اچھا۔ یہ تو بہت اہم اطلاع ہے۔ وہ کہاں ہے کس کے پاس ٹھہرا ہے؟" شیر کوہ اور

Marfat.com

بے چین ہو گیا۔

"یہیں ہے۔ میری حویلی میں۔" نجم الدین نے جواب دیا۔ "صلاح الدین کو جنوبی دروازہ پر ملا تھا۔ وہ اسے میرے پاس لے آیا۔ بہت پریشان ہے۔ سلطان سے فوراً ملاقات چاہتا ہے۔"

"پھر آپ نے کیا کہا اس سے؟"

"ملاقات کے بارے میں کیا جواب دیا جاسکتا تھا۔" نجم الدین نے کہا۔ "میں نے اسے کہہ دیا کہ اس کی آمد کی اطلاع کل تک سلطان معظم کے گوش گزار کردی جائے گی اور جب تک وہ طلب نہیں کیا جاتا وہ میرا مہمان رہے گا۔"

"یہ آپ نے بڑا اچھا کیا۔" پھر ذرا رک کے شیرکوہ نے کہا۔ "اس کے آنے کی کسی اور کو تو اطلاع نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے اپنے بارے میں کسی اور سے تو گفتگو نہیں کی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" نجم الدین نے یقین دلایا۔ "صلاح الدین کے ساتھ اس کا دوست امیرزادہ ظفر بھی تھا لیکن وہ دونوں سمجھدار بچے ہیں۔ انہوں نے کسی سے ذکر نہ کیا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" شیرکوہ بولا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آج رات سلطان کے کان میں یہ بات ڈال دوں؟"

"یہ بات تمہارے سوچنے کی ہے شیرکوہ۔" نجم الدین نے جواب دیا۔ "خواہ آج اطلاع دو خواہ کل لیکن کل تک ضرور اطلاع ہو جانا چاہئے۔ میں سلطان کے حکم کے بغیر اس کی مہمانداری نہیں کرسکتا۔"

"میں آج دیکھوں گا۔ موقعہ ملا تو ضرور ذکر کروں گا۔ پھر سلطان کی مرضی۔" یہ کہہ کے شیرکوہ اٹھ کھڑا ہوا مگر نجم الدین کی بیوی جس نے شیرکوہ کو ماں بن کے پالا تھا وہ اچانک کمرے میں آگئیں۔

"تسلیمات پیش کرتا ہوں بھابھی جان کو۔" شیرکوہ نے ادب سے سلام کیا۔

"جیتے رہو۔" انہوں نے جواب دیا۔ "بڑی مشکل سے یاد آتی ہے ہم لوگوں کی؟"

نجم الدین نے ہنس کے کہا۔ "یہ آئے نہیں بلکہ بلائے گئے ہیں۔ میں نے ایک ضروری کام کے لئے بلایا تھا ورنہ یہ کب ادھر آتے۔"

"نہیں بھابھی یہ بات نہیں ہے۔" شیرکوہ نے بات بنانا چاہی لیکن بھابھی نے موقعہ نہ دیا۔

Marfat.com

"کیوں بہانے بناتے ہو۔" بیگم نجم الدین نے بات کاٹ دی۔ "بھائی سے تو دربار میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ صلاح الدین بھی سلطان کا ہو کر رہ گیا ہے۔ رہے ہم لوگ تو وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں پھر تم کیوں آنے لگے۔"

"جو آپ کا جی چاہے کہے۔ میں کوئی جواب نہ دوں گا۔" شیرکوہ زچ ہو کے چپ ہو گیا۔

نجم الدین نے بیوی کو اشارے سے بہت منع کیا کہ اب وہ شیرکوہ پر طنز نہ کرے لیکن بیگم تھیں کہ شیرنی کی طرح مورچے پر ڈٹی تھیں۔ "شیرکوہ"

وہ اک دم بولیں اور شیرکوہ نے انہیں چونک کے دیکھا۔ وہ ایک گتھی مجھ سے نہیں سلجھائی جارہی ہے اور شاید تم اسے سلجھا سکتے ہو۔"

"فرمایئے ۔ میں حاضر ہوں۔" شیرکوہ نے بڑی تابعداری سے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ عقل و فراست میں بھائی نجم الدین مجھ سے بہت آگے ہیں۔"

نجم الدین مسکرا کے بولے۔ "انہیں سلجھاتے میری اتنی عمر ہوگئی مگر یہ خود بھی نہ سلجھ سکیں تو بھلا میں ان کی گتھیاں کیا سلجھاؤں گا۔"

"آپ ذرا خاموش رہے تو زیادہ بہتر ہے۔" بیگم نے نجم الدین کو تیز نظروں سے دیکھا۔

"اس کا طریقہ یہی ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے باہر جانے کے لئے قدم اٹھایا۔ ان کے چہرے پر ناگوار آثار پیدا ہوگئے تھے۔

"نہیں نہیں بھائی جان ۔ آپ ٹھہریئے۔" شیرکوہ نے درخواست کی اور نجم الدین رک گئے۔

شیرکوہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ۔ "ہاں بھابھی جان فرمایئے کیسی گتھی ہے؟۔"

" گتھی صلاح الدین کی ہے شیرکوہ ۔" بیگم نجم الدین نے جیسے دکھ سے کہا ۔ "کتنے سال ہوگئے ہیں اسے دربار سے وابستہ ہوئے۔ اس دوران کئی جنگیں ہوئیں لیکن سلطان پتہ نہیں صلاح الدین کو میدان جنگ میں کیوں نہیں بھیجتے۔ ماشاء اللہ اس عمر میں چوبیس کے قریب ہوگئی ہے۔ مرد کی جوانی کا یہی زمانہ ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا بھابھی جان ۔" شیرکوہ نے تائید کی۔ "لیکن آپ یہ تسلیم کریں گی کہ سلطان نے صلاح الدین کو جس کام میں لگایا۔ اس نے وہ پوری دل جمی سے پورا کیا۔

"کام پر کیا خاک لگایا ہے۔" بیگم چڑ گئیں۔ "سلطان نے تو اسے اپنی نقالی پر لگایا

Marfat.com

ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" شیر کوہ نے پھر تائید کی۔ "آپ جانتی ہیں ہمارے سلطان میں نیک مزاجی' عدل و انصاف اور جوش جہاد کوٹ کوٹ کے بھرا ہے اور یہ صفات صلاح الدین میں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔"

"شیر کوہ --" بیگم نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "جو صفات تم نے بیان کی ہیں یہ ایک سلطان کو زیب دیتی ہیں۔ جوش جہاد تو ٹھیک ہے لیکن جب اسے جہاد پر بھیجا ہی نہیں جائے گا۔ اس میں جوش کیسے پیدا ہو گا۔"

بھاوج کی اس دلیل سے شیر کوہ بھی قائل ہو گیا۔ اس سلسلہ میں وہ خود بھی اکثر پریشان رہتا تھا۔ سلطان نے صلاح الدین کو تمام آسانیاں دے رکھی تھیں لیکن جب جنگ کا موقعہ آتا تو وہ صلاح الدین کو اس طرح نظرانداز کر دیتا ہے جیسے وہ سلطانی لشکر میں شامل ہی نہیں۔ آخر شیر کوہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ "بھابھی جان اطمینان رکھیے۔ اب کی کوئی موقعہ نکلا تو میں صلاح الدین کو ضرور ساتھ لے جاؤں گا۔"

شیر کوہ کے دل میں بھاوج کی بات چبھ کے رہ گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس دفعہ وہ صلاح الدین کے لئے منہ پھاڑ کے سفارش کرے گا۔ سلطان نور الدین محمود رات کو دربار کم ہی لگاتا تھا۔ یوں روز رات میں وہ کسی نہ کسی امیریا سردار کو مشورہ کے لئے بلایا کرتا تھا۔ شیر کوہ کو امراء میں سب سے اہم مقام حاصل تھا اس لئے اسے تقریباً ہر شب قصر شاہی میں حاضری دینا پڑتی تھی۔ آج رات تو اسے لازمی طور پر سلطان کے حضور پیش ہونا تھا۔ وہ محل جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ شاہی ہرکارہ اسے بلانے آگیا۔

"سلطان معظم نے آپ کو یاد فرمایا ہے امیر --"

"اور کوئی امیر ہے سلطان کے حضور میں؟" شیر کوہ نے شاہی ہرکارے سے دریافت کیا۔

"جی ہاں امیر -- جس وقت میں آپ کو اطلاع دینے چلا ہوں تو امیر شرف الدین برغش باب عالی میں داخل ہو رہے تھے۔ ممکن ہے کہ اور امرا کو بھی طلب کیا گیا ہو۔" ہرکارے نے اسد الدین شیر کوہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"مزاج عالی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ برہم تو نہیں ہیں۔" شیر کوہ نے اپنے اطمینان کے لئے پوچھا۔

"بالکل نہیں امیر -- چہرے پر خفگی کا ذرا بھی اثر نہیں --" ہرکارہ نے جواب دیا۔ دربار کی گاڑی اسے لینے آئی تھی۔ شیر کوہ اس میں بیٹھ کے محل پہنچ گیا۔ ہرکارہ نے ٹھیک

Marfat.com

کہا تھا۔ امیر شریف الدین برغش سلطان کے پاس موجود تھے۔ شیرکوہ سلام کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

سلطان نے جواب دے کر برغش کے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شیرکوہ سر جھکا نے کے بیٹھ گیا۔

سلطان کا چہرہ شگفتہ ہو رہا تھا انہوں نے اس شگفتگی سے کہا "شیرکو ہمارے کانوں میں کتنے دنوں سے خبریں پہنچ رہی ہیں کہ مصر کا وزیراعظم شکست کھا کر ہماری طرف آیا ہے لیکن یہ خبراب تک محض افواہ ہی ہے۔ امیر برغش کا خیال ہے کہ اگر ملک شاور ہماری طرف چلا ہے تو وہ دو ہفتوں تک یہاں پہنچے گا۔"

"حضور عالی نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" شیرکوہ دل میں مسکرا رہا تھا۔

" ہمارا خیال ہے --" سلطان چند لمحے رکا پھر بولا --"ہمارا خیال ہے کہ اگر دمشق کی مدد حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس وقت تک دمشق پہنچ جانا چاہئے۔"

"اعلحضرت کا ارشاد بالکل بجا ہے۔" شیرکوہ نے فوراً" کہہ دیا۔

"یعنی تمہارا اندازہ بھی یہی ہے۔" سلطان نے خوش ہو کے کہا۔

"سلطان معظم ۔ خادم نے کوئی اندازہ نہیں لگایا بلکہ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔" شیرکوہ نے بات طول دینے کے لئے مبہم جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ۔" سلطان الجھنے لگا۔ "کون سی حقیقت بیان کی ہے تم نے؟"

"عالیجاہ ۔ یہ حقیقت ہے کہ مصر کا وزیراعظم ملک شاور دمشق پہنچ چکا ہے۔" شیرکوہ نے بات پھر بھی صاف نہیں کی۔

سلطان نے تعجب سے شیرکوہ کو دیکھا۔ "ہم سمجھے نہیں شیرکوہ جو کہنا ہے صاف صاف کہو"

"سلطان معظم ۔" شیرکوہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "غلام دربار عالی میں کوئی غلط بات زبان سے نہیں نکال سکتا۔ ملک شاور اس وقت برادر مکرم امیر نجم الدین کی حویلی پر موجود ہے اور قدم بوسی کا خواہشمند ہے۔ حکم عالی ہو تو ابھی حاضر کردیا جائے۔"

فضا میں ایک خوشگوار حیرت پھیل گئی۔ سلطان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے مسرت آمیز نظروں سے شیرکوہ کو دیکھا۔ "امیر شیرکوہ تم نے یہ اطلاع پہنچا کر ہمیں فرحت بخشی۔ ہم کئی سال سے مصر کے مدوجزر اور انقلاب در انقلاب کی کیفیت بغور دیکھ رہے تھے۔ ہم نے محسوس کرلیا تھا کہ مصر کے ہرسال اور اکثر ہر ماہ بدلنے والے وزیراعظم اپنے ملک اور قوم کے تو وفادار تھے ہی نہیں وہ خود اپنے سے بھی مخلص نہیں تھے۔ مصر کی

Marfat.com

حکومت اور سرزمین جس قدر ہمیں عزیز ہے اتنی ہی اہمیت اس ملک کی شاہ یروشلم کی نظر میں بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مصر میں وزیراعظم کی ہر تبدیلی کے وقت یروشلم نے اس میں دخل دیا ہے۔ اس مختصر تبصرے کا مقصد یہ ہے کہ مصر کے معاملات میں دخل دینے سے پہلے ہمیں بہت کچھ سوچنا ہوگا۔"

سلطان خاموش ہوا تو امیر برغش بولا۔ "سلطان معظم کی بالغ نظر مسلم ہے۔"

امیر برغش کا تبصرہ دراصل خوشامد کے ذیل میں آتا تھا اس لئے شیر کوہ کا منہ بن گیا۔ اس نے کہا: "بے شک سلطان معظم نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے وہاں تک حضور والا ہی کی نظر پہنچ سکتی تھی۔ ان حالات میں ہم وابستگان تخت و تاج کے لئے کیا حکم ہے؟"

سلطان شاید اس دوران کسی نتیجہ پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے احکامات جاری کئے۔ "دمشق سے قاہرہ اور دمشق سے یروشلم تک تمام جاسوسوں کو ایک سلسلے میں پرو دیا جائے۔ دربار کو دونوں مقامات کی ہر ساعت کی خبر پہنچا چاہیے۔ خبروں کی فوری ترسیل کے لئے ہر منزل پر صبا رفتار گھوڑوں کی تعداد بڑھا دی جائے اور دونوں سلطنتوں کے صدر مقام کو نامہ بر کبوتر بھیجے جائیں جن کی ذریعہ ہر قسم کی فوجی نقل و حرکت کی اطلاعات روانہ کی جائیں۔"

سلطان پھر خاموش ہو گیا۔ اسدالدین شیر کوہ کو الجھن ہو رہی تھی۔ سلطان چند احکامات کا اعلان کیا تھا لیکن دو اہم معاملات کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ جب خاموشی طول کھینچنے لگی تو شیر کوہ نے زبان کھولی۔ "عالیجاہ نے جو احکامات صادر فرمائے ہیں۔ ان پر اسی وقت سے عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔"

سلطان بالکل خاموش تھا۔ اس نے شیر کوہ کی بات پر کوئی توجہ نہ کی یا پھر اسے جواب کے قابل نہ سمجھا۔ اسد الدین شیر کوہ آخر کہتا ہی پڑا۔ سلطان معظم کے احکامات خادم نے ذہن نشین کر لئے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور حکم عالی۔ ؟" شیر کوہ نے کنکھیوں سے سلطان کو دیکھا۔

"مصر کے وزیراعظم کو کل ہمارے حضور پیش کیا جائے۔ دربار میں نہیں محل میں۔" سلطان نے ایک اور حکم صادر کیا۔

شیر کوہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے فوراً کہا۔ "خادم کو احکامات کی تعمیل کی اجازت دی جائے۔"

"تم جاسکتے ہو شیر کوہ۔" سلطان نے اسے رخصتی کی اجازت دیدی۔

شیر کوہ رخصتی سلام کے لئے جھکا تھا کہ سلطان کی آواز سنائی دی۔" اس بات کا خیال رکھا جائے کہ مصر کے وزیراعظم کے دمشق آنے کی خبر صرف امیر برغش۔ امیر نجم

Marfat.com

الدین ور امیر اسد الدین شیر کوہ کو ہے۔ چوتھا شخص اس راز سے واقف نہ ہونا چاہئے۔ ہم اس خبر کو فی الحال عام نہیں کرنا چاہئے۔"

"سلطان معظم ۔ اس راز سے دو جوان اور بھی واقف ہیں۔ انہیں اس حکم سے معاف فرمایا جائے۔" شیر کوہ نے سلطان کو مطلع کیا۔

"کون ہیں وہ ۔انہیں کس نے اطلاع دی؟" سلطان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

"عالیجاہ ۔ یہ دونوں جوان امیر زادہ صلاح الدین اور امیر زادہ ظفر ہیں۔" شیر کوہ نے انکشاف کیا۔ "ان جوانوں کو کسی نے مطلع نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ملک شاور کو برادرم امیر نجم الدین کی حویلی تک پہنچایا تھا۔ امیر زادے سیر کو نکلے تھے کہ ملک شاور نے خود انہیں روک کر اپنا تعارف کرایا۔ وہ دونوں ملک شاور کو لے کر سیدھے امیر نجم الدین کی حویلی پر گئے اور اسے ان کے حوالے کردیا۔"

ٹھیک ہے ۔ "سلطان نے سر ہلایا۔ "ان دونوں کو تاکید کردی جائے کہ وہ اس خبر کو عام نہ کریں۔"

ملک شاور نے امیر نجم الدین کے مہمان خانہ میں ایک شب اس طرح گزاری جیسے وہ قید تنہائی میں رہا ہو۔ غلام اور کنیزیں اس کی خدمت پر مامور تھیں لیکن سوائے اس کے حکم کی بجاآوری کے وہ اور کچھ نہ کرتی تھیں۔ ملک شاور کے بڑے اصرار پر ایک کنیز نے ملک شاور کو ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"آقا کی تاکید ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے مگر کوئی غیر ضروری بات نہ کی جائے۔"

"میں تم سے نہ تو کوئی غیر ضروری بات کہہ رہا ہوں اور نہ کوئی غلط حکم دے رہا ہوں۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ امیر نجم الدین مجھے گفتگو کے لئے دوبارہ کب بلائیں گے ۔ "ملک شاور کا لہجہ بڑا عاجزانہ تھا۔

"معزز مہمان ۔" کنیز نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا تھا۔ میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اور اگر مجھے علم ہوتا تب بھی میں آپ کو نہیں بتاتی۔"

"تم لوگ بہت سخت دل ہو۔" ملک شاور کو غصہ آرہا تھا۔ "تمہیں اپنے مہمان کی حالت پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔"

"آپ جو چاہے کہہ لیجئے لیکن مجھے پتہ نہیں کہ آپ کو دوبارہ کب بلایا جائے گا۔" کنیز نے نرمی سے جواب دیا۔ "آپ ہمارے مہمان خانہ کے پردے داروں سے فردا" فردا" نجم

Marfat.com

الدین کے بارے میں مختلف قسم کے سوالات کیے لیکن اسے صرف ایک ہی جواب ملتا۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم"

ملک شاور نے غصہ میں آکر کنیزوں اور غلاموں میں سے کئی اور کو برا بھلا بھی کہا لیکن انہوں نے اس کی بات کا برا نہ مانا اور ہر سوال کے جواب صرف یہ کہتے رہے۔ "ہمیں نہیں معلوم"

ملک شاور نے پہاڑ جیسی رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح دم اس کی آنکھ لگی تھی کہ ایک غلام نے جگا دیا۔ "آپ کو آقا یاد کر رہے ہیں۔"

"کیوں۔؟" ملک شاور چڑ گیا۔ "صبح ہی صبح میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"آپ کو سلطان عالی مقام کے سامنے پیش ہونا ہے۔"

غلام کی اس بات سے ملک شاور کے جسم میں جیسے تازگی پیدا ہوگئی۔ وہ جلدی جلدی منہ دھو کر تیار ہوگیا۔ چلو میں تیار ہوں۔" ملک شاور نے غلام سے کہا۔

ملک شاور اور غلام دونوں مہمان خانہ کے باہر آئے سامنے ایک بندی گاڑی کھڑی تھی۔

غلام نے گاڑی کے پاس رک کر کہا۔ "تشریف رکھئے اس میں۔"

"گاڑی میں؟" ملک شاور نے حیرانی سے پوچھا۔

"تشریف رکھیے۔ مجھے یہی حکم ہے۔" اور غلام نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے جانا کہاں ہے؟" ملک شاور نے احتجاج کیا۔ "تم نے کہا تھا کہ امیر نے مجھے یاد کیا ہے۔ اب کہاں لے جانا چاہتے ہو مجھے؟"

"بحث نہ کیجئے مہمان۔ ہم آقا کے پاس جا رہے ہیں۔" غلام کے لہجے میں سختی آگئی۔

"لیکن میں ---"

غلام نے بڑی تیزی سے نیام سے تلوار کھینچ لی اور ملک شاور کی بات کٹ گئی۔ غلام نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ "مجھے سختی پر مجبور نہ کیجئے معزز مہمان۔ آقا نے حکم دیا ہے کہ آپ کو ان تک پہنچایا جائے میں تعمیل حکم پر مجبور ہوں۔"

"مگر مجھے معلوم ہونا چاہیے ---"

"خاموش رہیے---" غلام نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور ملک شاور غلام کا غصہ سے تمتماتا چہرہ دیکھ کر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی۔ گاڑی میں ہر طرف پردے پڑے تھے اس لئے باہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ملک شاور نے دیکھنے کی کوشش نہ کی۔ ملک شاور کو اس وقت

Marfat.com

افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے سلطان شام کے پاس آنے میں غلطی کی۔ اس سے اچھا تو شاہ یروشلم تھا جو اپنے تعاون کا اگرچہ بھاری معاوضہ وصول کرتا تھا لیکن مدد کو تو فوراً" پہنچتا تھا۔

مصر میں آئے دن وزارت کے انقلاب کی سب سے بڑی وجہ شاہ یروشلم کی ریشہ دوانیاں تھی۔ وہ ہر وزیر کی مخالفت جماعت کو اپنے تعاون کا یقین دلاتا۔ اس طرح انقلاب آجاتا اور شاہ یروشلم کو معاوضہ میں ایک بھاری رقم وصول ہوتی۔ سلطان مصر اس زمانہ کی سیاست کا ایک اہم مہرہ تھا۔ پہلے سلجوقی سلطان اور اب زنگی سلطان' اس سلطنت کا ہمیشہ تعاون حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اس وقت سلطان شام کا سب سے بڑا حریف شاہ یروشلم تھا اور اسے شکست دینے کے لئے مصر کا تعاون ضروری تھا۔ اس بات سے مصری وزیراعظم بھی واقف تھے اس لئے ہر اہم موقعہ پر وہ سلطنت شام اور سلطنت یروشلم دونوں سے رقم بٹورتے تھے۔ ملک شاور نے دمشق آنے سے پہلے شاہ یروشلم سے بھی مراسلت کی تھی لیکن شاہ یروشلم نے ملک شاور کے مخالف ضرغام سے تعاون کا وعدہ کرلیا تھا اس لئے ملک شاور کو مجبوراً" سلطان شام کے پاس آنا پڑا لیکن یہاں وہ ایک اور مشکل میں پھنس گیا تھا۔ بند گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اسے برے برے خیالات آرہے تھے۔

پھر گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رکی اور ایک زریں کمر غلام نے پردہ ہٹا کر بڑے مہذب طریقے سے کہا ۔۔ "تشریف لائیے معزز مہمان ۔۔"

ملک شاور اس قدر دل برداشتہ ہو رہا تھا کہ وہ یہ دیکھ ہی نہیں سکا کہ وہ اس وقت دمشق کے عظیم الشان شاہی محل میں ہے جس کے مسجع اور مرصع در و دیوار آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں۔ وہ خاموشی سے سر جھکاتے ہوئے گاڑی سے اترا اور چند سیڑھیاں چڑھ کے راہداری میں پہنچ گیا۔ زریں کمر غلام اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ایک دروازہ کے سامنے ٹھہر کے ملک شاور سے کہا ۔ "ہوشیار مہمان آپ حضور عالی میں پیش ہونے والے ہیں۔ میں اجازت لے کر حاضر ہوتا ہوں۔"

غلام اندر چلا گیا اور ملک شاور نے اطمینان سے کھڑے ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ مصر کا حریم خلافت دنیا کے درباروں میں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا لیکن دمشق کا شاہی محل بھی کسی سے کم تھا۔ دروازوں پر حریری پردے تھے جن پر جواہر ریزے ٹکے ہوئے تھے اور راہداری کے ستونوں پر چاندی سونے کے پتے چڑھے تھے ۔۔

ملک شاور کی نظریں ابھی محل کے درو دیوار پر تھیں کہ غلام آگیا۔ "آپ خوش قسمت ہیں مہمان۔ سلطان دمشق نے آپ کو حاضر کرنے کا حکم دیا ہے۔"

Marfat.com

ملک شاور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سلطان نہ معلوم
طرح پیش آئے۔ اگر اس نے انکار کردیا تو کیا ہوگا۔ ملک شاور کا گلا خشک ہونے لگا۔
اب تک کئی دروازے پار کر چکا تھا اور جو جو آگے بڑھ رہا تھا محل کی آرائش میں اضافہ
رہا تھا۔ آخر غلام نے موتیوں کا ایک پردہ ہٹا کر سرگوشی کی۔ "نظر باادب۔ سلطان ابن
سلطان۔ شہنشاہ دوراں نور الدین محمود بالمقابل جلوہ افروز ہیں۔"

ملک شاور نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر شخص جس کی داڑھی میں کچھ سفید
بال بھی تھے بڑے رعب سے تخت پر بیٹھا تھا۔ ملک شاور نے ایسا پر جلال چہرہ نہ دیکھا تھا
مرعوب ہو گیا۔

"ملک شاور اپنا مقصد بیان کرے۔" سلطان نے بے پرواہی سے کہا۔

ملک شاور نے کنکھیوں سے دونوں طرف دیکھا۔ اسے امیر نجم الدین کہیں نظر نہ
آیا۔ اس وقت صرف امیر برغش اور امیر اسد الدین شیر کوہ موجود تھے۔ ملک شاور نے اسد
الدین شیر کوہ کا نام سنا تھا لیکن وہ اسے پہچانتا نہ تھا۔

ملک شاور نے دبی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اے سلطان دمشق۔ میں صرف چھ ماہ
پہلے مصر کی وزارت کا عہدہ سنبھالا تھا۔ امرائے سلطنت میرے ساتھ تو تھے لیکن حریم
خلافت کے داروغہ ضرغام نے یروشلم کے شاہ ایمارک کی شہ پر بغاوت کردی اور مجھے
سلطان کے دربار میں حاضر ہونا پڑا۔"

"ملک شاور کو دربار دمشق سے کیا امید ہے؟" سلطان نے سوال کیا۔

"سلطان معظم۔ ضرغام باغی اور ظالم ہے۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ سلطان دمشق مظلوم کی
مدد فرمائیں" ملک شاور نے عاجزی سے جواب دیا۔

"سلطنت مصر کے معاملہ میں شاہ یروشلم بھی ملوث ہے۔ تم یروشلم کو خراج دیتے ہو۔
پھر دمشق تمہارے معاملات میں کیوں دخل دے۔" سلطان نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر سلطان دمشق نے میری مدد نہ فرمائی تو مصر پر نصرانیوں کا مکمل قبضہ ہو جائے
گا۔" ملک شاور نے ایک نیا انداز اختیار کیا۔

"اور اگر ہم نے تمہاری مدد کے لئے لشکر روانہ کیا تو کیا ہوگا۔؟ سلطان نے ملک شاور
کو تیز نظروں سے دیکھا۔

"میں اس نوازش کے بدلے میں شامی لشکر کے تمام اخراجات ادا کروں گا۔" ملک
شاور نے بڑی فراخدلی سے پیشکش کی۔

"ملک شاور۔ ہمیں تمہاری فراست پر شبہ ہونے لگا ہے۔" سلطان نے تلخ لہجہ میں

Marfat.com

کہا۔

"تم نے غور ہی نہیں کیا کہ شام سے مصر جانے والا لشکر یروشلم کے ریگستانی علاقہ میں شاہ یروشلم کے لشکر سے ٹکرا بھی سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں مصر میں تمہارے دشمن ضرغام سے جنگ کرنے سے پہلے شاید یروشلم سے جنگ کرنا پڑے گی۔"

"سلطان معظم درست فرماتے ہیں۔" ملک شاور نے تسلیم کیا۔ "اس بات کا امکان موجود ہے۔ شاید یروشلم یہ گوارا نہ کرے گا کہ میں پھر سے وزیراعظم مصر ہو جاؤں۔"

سلطان نے اس کی سنی ان سنی کردی۔ "یہ بھی ممکن ہے یروشلم سے ہماری جنگ ایک بڑی صلیبی جنگ کی صورت اختیار کرے کیونکہ پورا دول یورپ یہ چاہتا ہے کہ یروشلم پر اناملرک کا قبضہ ہر صورت برقرار رہنا چاہئے۔"

"اس بات کا بھی امکان موجود ہے سلطان معظم۔" ملک شاور نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امیر عماد الدین زنگی کے دور حکومت میں یروشلم کا بادشاہ شاہ بالڈون سوم تھا۔ ۱۱۴۳ء میں ایمالرک شاہ یروشلم ہو گیا تھا۔

سلطان نے نرم لہجے میں کہا۔ "ملک شاور ان حالات کے تحت ہمیں تمہارے ساتھ شامی لشکر بھیجنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اس بات پر تمہیں غور کرنا ہوگا۔"

"سلطان معظم ۔ میں نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی۔" ملک شاور جلدی سے بولا۔ "میری کامیابی کی صورت میں مصر کی مجموعی آمدنی کا ۱/۳ حصہ بطور خراج سالانہ سلطنت دمشق کو ادا کیا جایا کرے گا۔ اس کی ادائیگی کا میں خود ذمہ دار ہوں گا۔"

بعض جگہ ۱/۳ کی کے بجائے ۳/۴ حصہ لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

اس وقت سلطان نے شیر کوہ کی طرف دیکھا۔ "اسد الدین شیر کوہ۔ مہمان کو امیر نجم الدین کی حویلی سے شاہی مہمان خانہ میں منتقل کردیا جائے" پھر ملک شاور کی طرف پلٹ کے کہا۔ "تمہاری درخواست کا جواب جلد دیا جائے گا۔"

اس گفتگو کے بعد سلطان نے صاحب خاص کو اشارہ کیا۔ اس نے سلطان کا اشارہ پا کر فوراً "برخاست" کا نعرہ بلند کیا۔

اس کا مطلب تھا کہ سلطان اب مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ درباری اپنے کام پر جاسکتے ہیں۔ دربار میں تھا ہی کون۔ امیر برغش اور اسد الدین شیر کوہ۔ ملک شاور ہکا بکا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ "برخاست" کے اعلان کا مطلب تو وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ سلطان نے اس کی درخواست کا ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے اور ابھی یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ کب تک فیصلہ کرے

Marfat.com

کہ اسی وقت سلطان کھڑا ہوا اور پشت کے حریری پردے کے پیچھے چلا گیا۔ امیر برغش دروازہ پر پہنچ چکا تھا اور شیر کوہ ایک غلام سے گفتگو کر رہا تھا۔ ملک شاور نے چاہا کہ اسد الدین شیر کوہ سے کوئی بات کرے لیکن شیر کوہ اس نے قریب پہنچنے سے پہلے ہی باہر نکل گیا۔

غلام نے ملک شاور کے پاس آ کے کہا۔ "چلئے میں مہمان خانہ میں پہنچادوں۔"

ملک شاور سر جھکا کے اس کے ساتھ ہولیا۔

قاہرہ میں یہ افواہ کئی ہفتہ تک گردش کرتی رہی کہ ملک شاور اپنے بیٹوں کے ساتھ دمشق پہنچا ہوا ہے۔ اور جلد ہی سلطان دمشق کا لشکر اس کے دو بیٹوں کے زیر کمان قاہرہ روانہ ہونے والا ہے۔ اس اطلاع سے ضرغام کے مخالف امرا کو اپنی بحث کرنے کا موقعہ مل گیا۔ جن امرا اور عمائدین سلطنت نے ملک شاور کا ساتھ دیا تھا ان میں سے بہت سوں کو ضرغام کے حمایتی گروہ برقیہ نے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جو بچ گئے تھے انہوں نے اس سکون سے فائدہ اٹھایا جو ضرغام کے وزیراعظم ہو جانے سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا۔ امیر سعید السعداء ان امراء میں سے تھے جنہوں نے کھل کے ملک شاور کا ساتھ دیا تھا۔ ضرغام کی فہرست میں سرفہرست سعید السعدا کا نام تھا جنہیں ملک دشمنی کے جرم میں سولی پر لٹکایا جاتا تھا۔ سعید السعدا اور ان جیسے امرا کا اب تک خاتمہ ہو گیا ہوتا اگر ضرغام کو ملک شاور کے واپس آنے کا ڈر نہ ہوتا۔

ضرغام نے اپنے تمام مخالف امرا کے ساتھ منافقت کی روش اختیار کی تھی۔ وہ امراء کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ ان کا اختلاف صرف ملک شاور سے تھا۔ وہ ملک سے بھاگ گیا ہے اس لئے اب اس کا اور کوئی دشمن نہیں بلکہ ضرغام اپنے دشمن کے امراء کے ساتھ دوست امراء سے زیادہ بہتر سلوک کر رہا تھا اس سے بعض نیک طبیعت امرا دھوکہ کھا گئے تھے اور وہ قاہرہ میں جم کے بیٹھ گئے تھے لیکن چالاک اور تجربہ کار امراء' ملک شاور کی شکست کے ساتھ ہی قاہرہ چھوڑ گئے تھے۔ سعید السعداء بہت ہی نیک انسان تھے اس لئے انہوں نے ضرغام کو قابل اعتماد سمجھ لیا اور اس کے دل میں جگہ حاصل کرنے کے لئے دارلوازارت کے روز چکر لگانے لگے۔

پھر جب ملک شاور کے دمشق جانے کی افواہ کمزور ہوئی اور بعض تاجروں نے اس بات کی تصدیق کی کہ دمشق کے بازاروں میں ایک ساتھ گھومنے پھرنے والے دونوں جوان' سلطان دمشق کے بیٹے نہیں بلکہ امرا کے لڑکے ہیں۔ تب ضرغام کو ملک شاور کی طرف سے اطمینان ہوا اور وہ ملک شاور کو مردہ سمجھ کر اس کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہو گیا۔ جیسا

Marfat.com

کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ مصر کے وزیر جو دراصل وہاں کے مطلق العنان بادشاہ ہوتے تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ دمشق کا سلطان شام اور یروشلم کا شاہ ایمارک دونوں ہی مصر سے دوستی اور تعاون کے خواہاں ہیں۔ اس لئے مصر کا ہر وزیر اپنے اپنے طور پر یروشلم اور دمشق سے غیر فوجی اور اکثر فوجی مدد اپنا حق سمجھتے تھے پھر اسی پر بس نہ تھا بلکہ مطلب نکلنے کے بعد وہ طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتے تھے۔

اس دفعہ بھی کچھ اسی طرح کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ موجودہ وزیر اعظم مصر نے جب اپنے ہمنوا گروہ برقیہ کے ساتھ ملک شاور پر یلغار کی تو اس نے خفیہ طور پر شاہ ایمارک فرمانروائے یروشلم کی آشیر باد حاصل کرلی تھی۔ ظاہر تھا کہ اس زبانی آشیر باد کی کچھ قیمت بھی ہونا چاہئے تھی۔ بس جس وقت داروغہ' محلات ضرغام کو ملک شاور پر فتح حاصل ہوئی اور ضرغام نے خلیفہ العاضد سے قلمدان وزارت حاصل کر لیا تو شاہ یروشلم نے اپنی آشیر باد کی قیمت وصول کرنے کے لئے ایک سفارت ضرغام کے پاس بھیجی۔ اس سفارت کا سربراہ ایک پادری تھا جو بظاہر پادری تھا لیکن اندر سے یروشلم کی ایک نہایت اہم سیاسی شخصیت تھی۔ یروشلم کی سفارت نے دارالوزارت میں پیش ہونے یا قیام کرنے سے شہر کے ایک گرجا میں قیام کیا۔ اس کا مقصد ضرغام سے بات چیت کے ساتھ ساتھ موجودہ وزیر اعظم کی فوجی طاقت کا اندازہ بھی لگانا تھا۔

یروشلم کی سفارت نے جب مصر کے حالات کی تحقیق کی تو انہیں معلوم ہوا کہ ضرغام کی وزارت نے مصر کے حالات یکسر بدل کے رکھ دیئے ہیں۔ پرانے امرا یا وزرا یا تو جنگ میں مارے گئے ہیں یا پھر ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں جن کے متعلق کسی کو علم نہیں۔ وزیر اعظم ضرغام اس قدر خود سرا فرعون ہوگیا ہے کہ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ پوری حکومت پر امرائے برقیہ کا قبضہ ہے اور وہی سیاہ و سفید کے مالک ہیں ضرغام نے اپنے آپ کو مصر کا بادشاہ سمجھ لیا ہے اور دوسرے ممالک سے تمام پرانے معاہدات ختم کردیئے ہیں۔ ان حالات میں یروشلم والوں کے خراج کی ادائیگی مشکل ہی نظر آتی تھی لیکن سفارت بغیر ضرغام سے گفتگو کیے واپس بھی نہیں جاسکتی تھی۔

پھر ایک شام یروشلم کی تین اشخاص سفارت دارالوزارت پہنچ گئی۔ وزیر اعظم ضرغام اپنے امرائے برقیہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے سفارت کو انتظار کرنے کا پیغام بھیجا پھر امراء سے دوبارہ گفتگو میں مصروف ہوگیا۔ ان کی گفتگو اس قدر طول کھینچ گئی کہ سفارت کو ایک بار پھر ملاقات کی درخواست کرنا پڑی۔ ضرغام نے شاید اسے مداخلت بیجا تصور کیا اور سفارت کو پیغام بھجوایا گیا کہ وزیر اعظم انتہائی اہم گفتگو میں مصروف ہیں اس

Marfat.com

لئے آج ملاقات نہیں ہو سکتی۔ سفارت کو مہمان خانہ میں ٹھہرنے کا بھی حکم دیا گیا لیکن سفارت نے اس حکم کی پابندی نہیں کی اور وہ گرجا واپس چلے گئے جہاں وہ پہلے سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ دارالوزارت سے واپس ہوتے ہوئے وزارت نے محل کے دربان کو آگاہ کر دیا کہ وہ فلاں فلاں گرجا میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور جب وزیراعظم کو فرصت ہو تو انہیں وہاں سے بلوالیا جائے۔

اس طرح یروشلم کی وزارت کو قاہرہ میں ٹھہرے ہوئے ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ اس دوران نہ دارالوزارت سے انہیں بلایا گیا اور نہ انہوں نے خود وہاں جانے کی کوشش کی۔ اسی دوران قاہرہ ملک مصر ایک اور عذاب میں مبتلا ہوگیا۔ ضرغام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کے دشمن اب بالکل کمزور ہو گئے ہیں نیز یہ کہ اس کی طاقت اس قدر مضبوط ہو چکی ہے کہ اب اسے یروشلم کو خراج دینے کی ضرورت نہیں۔ اس نے مصر میں وہ روایتی ظلم و ستم کا وہ باب کھول دیا جس پر ہر نیا وزیراعظم عمل کیا کرتا تھا۔

ضرغام نے اپنے بھائی ناصر الدین ہمام کو حکم دیا۔ "ان تمام امرا کی فہرست پیش کی جائے جو ملک شاور کی حکومت میں اس کے دست و بازو تھے۔"

ناصر الدین ہمام نے دست بستہ عرض کیا۔ "وزارت ماب نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی امرا کی ایک فہرست اس خادم کو عطا کی تھی کہ اسے سنبھال کے رکھا جائے اور طلب کرنے کے پیش کی جائے۔"

"وہ فہرست کہاں ہے۔ ہمیں وہی چاہئے؟۔" ضرغام نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں وہی عرض کر رہا ہوں۔" ناصر الدین نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ "وزارت ماب نے فہرست دینے کے چند روز بعد مجھے حکم دیا تھا کہ اس فہرست کو ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے فہرست ضائع کرنے کا حکم نہیں دیا۔" ضرغام آگ بگولہ ہوگیا۔

ناصر الدین ہمام کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔

ضرغام نے دوسرا حکم دیا۔ "تم لوگوں سے دریافت کر کے دوسری فہرست تیار کرو اور جو امرا زندہ ہیں انہیں فوری طور پر تہہ تیغ کر دو۔"

ناصر الدین نے حیرانی سے بھائی کو دیکھا۔ "وزارت ماب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ملک شاور کے وفادار امرا نے اس انقلاب میں درپردہ ہمارا ساتھ دیا تھا اور وزارت ماب نے انہیں معاف کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا جائے؟۔

Marfat.com

"ناصر الدین ہمام ـــ" ضرغام چیخ کے بولا ـــ "تم کس قدر نادان ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنی آستین میں سانپ پالیں تاکہ وہ موقعہ پا کر ہمیں ڈس لیں۔

"لیکن وزارت ماب ـ یہ تو بڑا ظلم ہو گا ـــ

"چپ رہ بدزبان ـــ تیری یہ جرات کہ مصر کے وزیراعظم کو جواب دے رہا ہے۔ دور ہو میری آنکھوں کے سامنے سے۔" ضرغام نے زور سے پیر پٹخا۔

اس وقت ضرغام کا دوسرا بھائی فخر الدین ہمام بھی اسی محفل میں موجود تھا۔ اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ ناصرالدین کو وہاں سے نکال لے جائے ورنہ خطرہ تھا کہ ضرغام کہیں اس کے قتل کا حکم نہ دیدے۔

فخر الدین جب ناصرالدین کا ہاتھ پکڑ کے اسے دوسرے کمرے میں لے گیا تو ناصر الدین نے بھائی سے شکوہ کیا۔

"فخر الدین بھائی ـــ تم نے ضرغام کی گفتگو کا انداز دیکھا۔ مجھے وہ اپنا نوکر سمجھتا ہے حالانکہ اگر میں اور تم اس کی مدد نہ کرتے تو ملک شاور کے امرا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔"

"مجھے تم سے اتفاق ہے ناصر ـــ" فخر الدین جو اس وقت مصری لشکر کا سپاہ سالار تھا اس نے بھائی کو سمجھایا۔ "مگر پاگل کے ساتھ پاگل تو نہیں بن جاتے۔ اقتدار نے اسے اندھا اور بہرہ کردیا ہے۔ اگر اس کا یہی حال رہا تو اس کا نتیجہ بہت برا ہو گا۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے بھائی ـــ" ناصر الدین نے بے بسی سے بھائی کو دیکھا۔

"زندہ رہنا ہے تو وہ کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ـــ" فخر الدین نے جواب دیا۔ سلطنت کی مصلحتیں ایک بادشاہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ ہمیں اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔"

ناصر الدین ہمام نے بڑے جبر کے تحت اس ناخوشگوار کام کا آغاز کیا۔ اس وقت واجب القتل لوگوں کی فہرست تیار کی گئی اس میں بھی سرفہرست سعید السعدا کا نام تھا۔ پھر آٹھ ایسے امیر تھے جو اس وقت قاہرہ میں موجود تھے اور انہوں نے ضرغام سے وفاداری کا اظہار کر کے اپنی گردنیں بچالی تھیں۔ باقی جن امیروں کے نام لکھے تھے ان میں سے کوئی بھی قاہرہ میں موجود نہ تھا۔ یا تو وہ قتل ہو گئے تھے یا پھر ملک شاور کی شکست کے بعد کسی اور جگہ جا کے پوشیدہ ہو گئے تھے۔

فہرست کے مطابق سب سے پہلے سعید السعدا کی خبرلینا تھی لیکن سعید السعداء اس قدر نیک اور غریب پرور انسان تھا کہ اسے ایک دن پہلے ہی اطلاع پہنچ گئی کہ اس کے نام

Marfat.com

پر ضرغام نے خط تنسیخ کھینچ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دوسری صبح منہ اندھیرے سعید السعداء کے مکان کو گھیرا گیا تو معلوم ہوا کہ سعید السعداء ایک دن پہلے ہی کہیں چلا گیا ہے۔ کسی غلام یا کنیز کو اس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ ممکن ہے کہ کسی کو علم بھی ہو مگر وہ اپنے فرشتہ صفت آقا کے بارے میں کیوں بتاتا۔

ناصر الدین ہمام نے پچاس سواروں کے ساتھ سعید السعداء کی حویلی پر چھاپہ مارا تھا لیکن چار گھنٹے تک حویلی کا چپہ چپہ چھان مارنے کے باوجود وہ سعید السعداء کو تلاش نہ کر سکے مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ تو یہی کیفیت ناصر الدین ہمام کی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر اس نے کنیزوں اور غلاموں پر تشدد شروع کیا۔ غلاموں پر کوڑے برسائے گئے اور کنیزوں کو زنجیروں میں جکڑ کے راہداریوں میں گھسیٹا گیا مگر کسی نے زبان نہ کھولی۔ آخر ناصر الدین ہمام نے تنگ آکر حویلی کو لوٹ لینے کا حکم دیا۔ حکم ملتے ہی فوجی سوار حویلی پر ٹوٹ پڑے اور دم بھر میں حویلی کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔ سعید السعداء افراتفری کے عالم میں حویلی سے نکلا تھا۔ گھر کی وہ کوئی چیز اٹھا ہی نہیں سکا تھا۔ فوجیوں نے ہر چیز لوٹ لی پھر ناصر الدین کے حکم سے حویلی کو آگ لگا دی گئی۔

حویلی جل رہی تھی اور سعید السعداء کے پڑوسی ہاتھ مل رہے تھے۔ بعض جوشیلے جوان اور بوڑھے لشکریوں کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ان کے ایک نیک انسان کے گھر کو پھونک دینا شیطانی کھیل سے کم نہ تھا۔ حویلی کے غلام اور کنیزیں بے کسی کے عالم میں دور کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ سعید السعداء کی حویلی کی بربادی کی خبر منٹوں میں پورے شہر میں پھیل گئی۔ ضرغام کے اس فعل سے کوئی بھی خوش نہ ہوا۔ ابھی سعید السعداء کی حویلی کی بربادی کے چرچے ختم نہ ہوئے تھے کہ امرائے سلطنت پر ضرغام کا قہر نازل ہوا۔ ظالم حکمران کی ایک اور ظلم کا اظہار ہوتی ہے ضرغام کے حکم کے تحت ملک شاور کے دور کے تمام امراء خواہ وہ ملک شاور کے وفادار تھے یا نہیں۔ بلا کسی تفریق گرفتار ہو کے قتل کر دیئے گئے اور ان کی حویلیاں لوٹ لی گئیں۔ اس ظلم سے لوگ کانپ اٹھے۔ اب کوئی بھی محفوظ نہ تھا امرائے برقیہ اور ان کے کارندے جس کو چاہتے گھر سے پکڑ لے جاتے پھر وہ گھر واپس نہ آتا۔

قاہرہ میں موجود تمام امراء اور عمائدین سلطنت قتل کر دیئے گئے۔ پورے شہر میں قبرستان جیسا سناٹا چھا گیا۔ لوگ خود اپنے قدموں کی آواز سے بھی ڈرنے لگے۔ ان کے مکانات دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے اور اگر کوئی شکایت لے کر قاضی شہر کے پاس جاتا تو

Marfat.com

اسے وزارت ماب کا باغی بنا کر گرفتار کرلیا جاتا اور وہ ہمیشہ کے لئے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا۔ چار دن تک اسیروں کی پکڑ دھکڑ اور گرفتاریاں ہوتی رہیں لوگ جلاد کی تلوار کا نشانہ بنتے رہے یا سولیوں پر چڑھتے رہے۔ پانچویں دن ذرا سکون ہوا پھر چھٹے دن بازار کھل گئے اور آہستہ آہستہ شہر کی رونقیں واپس آنے لگیں۔ حالات معمول پر آئے تو یروشلم کی سفارت نے پھر ہاتھ پاؤں مارے۔ اس نے ضرغام کے خاص ملازم کو رام کر کے دارلوازارت میں حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرلی۔ ملاقات کے وقت صرف سفارت کے سردار کو طلب کیا گیا اور ایک بند گاڑی میں اسے وزیراعظم کے محل بھیج دیا گیا۔ عیسائی سفارت کار محل تو پہنچ گیا مگر تمام دن ایک کمرے میں جس کے باہر پہرہ لگا تھا بند رہا۔ رات کو بھی اسے طلب نہیں کیا گیا۔ اس کے واویلا کرنے پر اس سے کہا گیا کہ وزارت ماب بہت مصروف ہیں کل شاید ملاقات ہو سکے۔

دوسرے دن بھی یہی حال رہا۔ رات کا ایک پہر گزر جانے پر بھی اسے نہیں بلایا گیا۔ اس کے دریافت کرنے پر کل والا جواب دیا گیا۔ اس طرح ہفتہ تک سفارت کار دارالوزارت جاتا رہا اسے کامیابی نہ ہوئی۔ سفارت کار اور اس کے ساتھی اس قدر دل برداشتہ ہوگئے تھے کہ ایک دن وہ گرجا جانے کا بہانہ کر کے وہاں سے نکلے تو پھر واپس نہ ہوئے۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ وزیراعظم نے بھی سفارت کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ضرغام اس سفارت سے ملنا نہیں چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ عیسائی سفارت خود ہی واپس چلی جائے۔

عامر غربی سرائے سے نکل کے کئی دن ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کدھر جائے اور زرتاج کو کہاں تلاش کرے۔ ملک شاور کے بارے میں بھی کوئی بات واضح نہیں تھی۔ دوسرا یہ کہ ملک شاور کے پاس جا کے بھی کیا کرے گا۔ مردہ تو اہل خانہ کی دیکھ بھال پر مامور تھا۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے صعید کا رخ کیا۔ وہاں اس کے جاننے والے لوگ اور یار دوست بھی تھے۔ وہ کسی سے اپنے دل کا حال تو کہہ سکتا تھا مگر جب صعید پہنچا تو اسے وہاں کے حالات دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوا۔ ملک شاور وہاں کا سابق گورنر تھا۔ اس لئے ضرغام نے ایک دستہ فوج بھیج کے اس کی حویلی پر قبضہ کرلیا تھا۔ حویلی کا تمام قیمتی سامان کو فوجی خود ہضم کر گئے۔ صرف خانہ پری کے لئے تھوڑا سامان دارالخلافہ قاہرہ بھیج دیا گیا۔ ملک شاور کی گرفتاری کے سلسلے میں کچھ لوگوں پر تشدد بھی کیا گیا پھر ایک ہفتہ بعد یہ فوجی دستہ ناکام واپس ہو گیا۔

ملک شاور کی خوبصورت حویلی کے دروازے اور کھڑکیاں تک لوگ اکھاڑ لے گئے۔

Marfat.com

عامر غربی کو صعید میں داخل ہوتے ہی حویلی کی تباہی کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ جس آدمی کے گھر عامر ٹھہرا تھا اس نے عامر کو منع کر دیا تھا کہ وہ دن کے وقت حویلی کے پاس نہ جائے کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ ضرغام کے جاسوس صعید میں موجود ہیں جو مشکوک آدمیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ عامر غربی دن میں تو حویلی پر نہیں گیا لیکن رات کو خود پر قابو نہ رکھ سکا اور لفرزندہ قدموں سے اپنے اس مسکن کو دیکھنے چلا جہاں اس کے پیار نے جنم لیا تھا اور جس کی دیواروں کے سامنے اسی کی محبت پروان چڑھی تھی۔

حویلی کی وحشت ناک حالت دیکھ کر عامر غربی کے آنسو نکل آئے۔ عامر کا میزبان اس کے ساتھ تھا۔ عامر نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "تم نے اس حویلی کی رونق نہیں دیکھی بھائی جان ملک شاوز نے اسے شاہی محل کی طرح آراستہ کیا تھا۔ دنیا بھر کے نوادرات انہوں نے اس حویلی میں لا کے سجائے تھے۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔" میزبان نے تائید کی۔ "میں نے حویلی کو اندر سے نہیں دیکھا لیکن ایک بار یہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا اور اس کا باہری حصہ میں نے دیکھا تھا۔ وہاں کا سامان دیکھ کر آنکھیں چوندھیا جاتی تھیں۔ میں نے تمہارے بھائی جان کو بھی دیکھا ہے۔ بڑے شریف آدمی ہیں۔۔۔"

اسی وقت حویلی کے کھنڈرات میں کس طرف آہٹ ہوئی۔ میزبان نے سرگوشی کی۔ "یہاں اور کوئی بھی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ آہٹ میں نے بھی سنی ہے۔" عامر نے تصدیق کی۔ "ممکن ہے کوئی جانور ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے یہ آہٹ کتے بلی کی ہے؟"

"ہاں۔ یہ میرا خیال ہے۔۔۔"

"مگر کتے بلی یہاں آ کے کیا کریں گے۔ ان کے کھانے کی کون چیز ہے یہاں۔ لوگ دروازوں اور کھڑکیوں کے پٹ تک اکھاڑ لے گئے ہیں۔" میزبان کی بات بھی معقول تھی۔

عامر کے منہ میں ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ میزبان اس کی پشت پر ہو گیا تھا۔ اس نے پیچھے سے دامن پکڑ کر عامر کو کھینچا۔ عامر اس کے قریب ہو گیا۔

"ادھر دیکھو۔ صدر دروازہ کی طرف" میزبان نے عامر کو ادھر مخاطب کیا۔

ہر طرف اندھیرا پھیلا تھا قریب کے مکانوں سے آنے والی ہلکی روشنی میں عمارت کے در و دیوار بھوت پریت کی شکلیں اختیار کئے ہوئے تھے۔ صدر دروازہ کی جانب کچھ روشنی تھی۔ عامر نے غور کیا تو اسے محسوس ہوا جیسے کوئی سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تیزی سے جا رہا

Marfat.com

ہے۔ عامر غور ی کر رہا تھا کہ وہ کسی دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ عامر تیزی سے ادھر بڑھا لیکن میزبان نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہے ہو عامر؟" میزبان نے گھبرائی آواز نکالی۔

"مجھے ایک سائیہ دکھائی دیا تھا۔ چھوڑ دو مجھے معلوم تو کر لیا کہ وہ کون تھا۔" عامر نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن میزبان کی گرفت اور مضبوط ہو گی۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ ہوا کے پیچھے نہیں بھاگا کرتے۔" میزبان نے سمجھایا۔

"ہوا نہیں ۔ وہ ضرور کوئی آدمی تھا۔" عامر نے زور دے کے کہا۔

"چلو۔ آدمی ہی سہی۔ لیکن وہ دشمن بھی تو ہو سکتا ہے۔ ہم رات کو اس لئے آئے ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے اور تم خود اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتے ہو۔"

میزبان کی بات میں بڑا وزن تھا۔ اس وقت پورا مصر ملک شاور اور اس کے عزیزوں رشتہ داروں کا دشمن ہو رہا تھا۔" کیا پتہ وہ کوئی جاسوس ہو اور ان دونوں کو دیکھ کے کسی کو بتانے گیا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی عامر نے میزبان سے کہا۔" جلدی سے نکل چلو یہاں سے۔"

"کیوں کیا ہوا۔ کچھ اور دیکھا ہے کیا؟۔" میزبان نے پوچھا۔

"اور تو کچھ نہیں دیکھا لیکن یہاں ٹھہرنا کوئی عقلمندی نہیں۔" عامر نے چلتے ہوئے کہا۔" میرا خیال ہے کہ وہ ضرور کوئی آدمی تھا اور ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا دشمن ہو۔"

میزبان نے کوئی جواب نہ دیا اور دونوں کھنڈرات پھاندتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اب ان کے قدم بڑی تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ دونوں نے گھر ہی پہنچ کے دم لیا۔ عامر پر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا تھا کہ تین روز تک اس جھنے گھر سے قدم نہیں نکالا چوتھے روز دل نے ایسی ملامت کی کہ سر شام ہی تیار ہو کے باہر نکلنے لگا لیکن میزبان دوست نے روکا۔" کدھر کے ارادے ہیں۔ ابھی تو رات بھی نہیں ہوئی؟"

"حویلی پر جارہا ہوں۔" عامر نے بڑی جرات سے کہا۔

"مگر وہاں وہ سائیہ۔ وہ بھوت ؟۔" میزبان نے ڈرانے کی کوشش کی۔

ہوں۔" عامر نے اکڑ کر کہا۔" وہ بھوت ہے تو میں مہا بھوت ہوں۔"

عامر نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی۔ اب وہ میزبان سے حویلی جانے کی درخواست بھی نہ کر سکتا تھا۔ میزبان نے شاید اس کے دل کا حال معلوم کر لیا تھا۔ اس نے مسکرا کے پوچھا۔" ڈر لگ رہا ہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔"

"نہیں نہیں۔ ڈر کیسا۔ میں بالکل نہیں ڈرتا۔" اور عامر قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔

Marfat.com

حویلی کے کھنڈرات پر وہی پہلے جیسی ویرانی طاری تھی بلکہ اس میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس دن جب وہ آیا تھا تو کھڑکی دروازے مٹی میں دبے پڑے تھے مگر آج وہ جگہ پر نہ تھے۔ لوگ منوں مٹی ہٹا کر انہیں اٹھا لے گئے تھے۔ عامر غزنی کو لوگوں کی لالچ اور بے وفائی پر رونا آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس محلے میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جن پر ملک شاور نے احسان کیا ہو گا۔ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ملک شاور کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے ہوں گے لیکن اب وہ ملک شاور کا کفن بھی اتارنے پر تیار تھے۔ ملک شاور نے اچھا کیا کہ کسی طرف نکل گئے ورنہ اس محلے کے لوگ ان پر پتھر مارنے سے دریغ نہ کرتے۔

چاند کی دوسری تیسری تاریخ ہو گی اس لئے چاند اپنا چہرہ دکھا کر غروب ہو گیا تھا اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ عامر اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا اس دروازہ کو ڈھونڈ رہا تھا جس کے پیچھے وہ سایہ چھپ گیا تھا جو عامر کے مطابق اسے دیکھ کے بھاگا تھا عامر بہت دیر تک یونہی بھٹکتا رہا لیکن اس جگہ تک نہیں پہنچ سکا۔ آخر وہ تھک ہار کر ایک دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا اور اندھیرے میں آنکھیں سنبھل سنبھل کے ادھر آ رہا ہے۔ عامر نے خوف کو ذہن سے جھٹک چکا تھا اس لئے وہ بالکل خوفزدہ نہ ہوا اور مدافعتی انداز میں تن کر کھڑا ہو گیا۔

سایہ بالکل قریب آ گیا اتنا قریب کہ عامر غزنی ایک قدم بڑھ کے اسے پکڑ سکتا تھا لیکن عامر نے دل پر قابو رکھا پھر سایہ اس کے بالمقابل آ کے کھڑا ہو گیا اور ایک لہراتا ہوا ہاتھ عامر کی طرف بڑھا جیسے عامر کو پکڑنا چاہتا ہو اور عامر اسی وقت اچک کر ہو گیا۔

عامر کے اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہی ایک ہلکی سی چیز بلند ہوئی پھر ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ عامر نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ آواز کسی عورت ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس نے جی کڑا کر کے کہا۔

"کون ہو تم؟"

سایہ نے کوئی جواب نہ دیا تو عامر نے پھر ہمت کی۔ "تو ضرور کوئی عورت ہو۔ مجھ سے خوف نہ کھاؤ۔ بتاؤ۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

سایہ میں اک دم حرکت ہوئی اور کسی نے لرزتی آواز میں کہا۔ "کیا تم عامر ہو؟"

"زرتاج!" جواب میں عامر کی زبان سے اک دم نکل گیا۔

عامر اور زرتاج دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ زرتاج نے کہا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچے عامر؟"

Marfat.com

عامر نے جواب دیا۔"یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنا خطرے سے خالی نہیں تم کہاں
ری ہو۔ کیا میں تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں۔؟
"نہیں عامر۔ تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے۔" زرتاج نے انکار کیا۔"جہاں میں ٹھہری
ں وہ جگہ اور زیادہ خطرناک ہے ۔ ضرغام کے جاسوس ہر وقت گھومتے رہتے ہیں۔ ادھر
ئی نہیں آئے گا۔"
"چار دن پہلے میں یہاں آیا تھا تو مجھے یہاں ایک سایہ دیکھائی دیا تھا۔۔"
زرتاج نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ سایہ نہیں بلکہ ماموں جان کا گاڑیبان تھا۔ اسی
کے گھر ہم لوگ چھپے ہوئے ہیں۔ نیک دل سعید السعداء نے ہمیں اپنے کسی دوست کے گھر
ہوایا تھا لیکن ہم راستے ہی میں تھے کہ ضرغام نے دارالورارت پر قبضہ کر لیا اور سرحدیں
ہو گئیں۔ ہم بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکے۔ کسی اور طرف جانے کے بجائے ہم
ید آ گئے۔ صعید میں معلوم ہوا کہ ہماری حویلی کو لوٹ کے برباد کر دیا گیا ہے۔ پھر ہم
وں جان کے کوچبان کے گھر آ گئے۔ اس نے ہم لوگوں کو بڑے آرام سے رکھا ہے۔ وہ
ر اس کا خاندان ایک بڑے احاطہ میں رہتے ہیں۔
دوبار مخبری ہوئی کہ احاطہ میں ملک شاور کے رشتہ دار چھپے ہیں لیکن کوچوان نے ہمیں
بار بچا لیا۔
اب ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے تم سناؤ عامر۔ ماموں جان کا کوئی پتہ چلا؟"
"نہیں زر تاج۔ اب تک کوئی صحیح بات نہیں معلوم ہو سکی۔ خیال یہی ہے کہ وہ مصر
ے نکل گئے ہیں عامر نے بڑے دکھ سے بتایا۔
"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ " پھر سوچ کے بولی۔"کوچوان کو میں روز رات کو حویلی پر
یجتی ہوں میرا دل کہتا تھا کہ تم ہم لوگوں کو ڈھونڈتے ہوئے حویلی پر ضرور آؤ گے۔ چار
ن پہلے جب کوچوان حویلی کے کھنڈرات میں داخل ہوا تو اسے وہاں دو آدمیوں کے باتیں
رنے کی آواز سنائی دی۔ وہ خوف کھا کر بھاگ آیا۔ اس نے جب مجھے بتایا تو میرے دل
ے فورا آواز آئی کہ حویلی میں تم آئے ہو گے۔ بس اس دن سے میں حویلی کے چکر لگا
ہی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج تم مل گئے۔"
"اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟" عامر نے پوچھا۔
"کس بارے میں؟"
"یہی کہ اب کہاں رہو گی ۔ یہیں قیام کرو گی یا میں کہیں اور لے جانے کی کوشش
وں۔" عامر غربی نے افسردگی سے جواب دیا۔

Marfat.com

"میں تمہارے ساتھ ہر وقت چلنے کو تیار ہوں۔" زر تاج نے کہا۔ "لیکن ان حالات میں جب کہ ماموں جان کو کوئی پتہ نہیں تم ہمیں کہاں لے جاؤ گے۔ کوئی ٹھکانہ تمہارے پاس؟"

"میں تو ابھی تک در بدر ہوں۔" زر تاج نے اسے سمجھایا۔ خدا سے دعا کرو کہ حالات درست ہو جائیں۔ ہماری طرف سے بالکل بے فکر رہو۔" یہ کہہ کے زر تاج جانے کے لئے تیار ہو گی۔" اب مجھے اجازت دو۔ سب لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"اچھا خدا حافظ۔" عامر نے بھراتی آواز میں کہا۔ "اب کب ملاقات ہو گی؟"

"تم یہاں کب تک ٹھہرو گے۔؟" زر تاج نے پوچھا۔

"شاید میں کل ہی چلا جاؤں۔ تم لوگوں کی خریت معلوم کرنا تھی۔ وہ مقصد تو پورا گیا۔"

"میں تمہیں روکوں گی نہیں۔" زر تاج کی آواز بھی رندھ گئی تھی۔ "ماموں جان کا لگانے کی کوشش کرو۔ جب تک ان کا پتہ نہیں چلتا ہم لوگ اسی جگہ رہیں گے۔ اس احاطے کا نام ہے "فاطمی احاطہ۔"

زر تاج ٹھوکریں کھاتی اور گرتی پڑتی کھنڈرات سے نکل گئی۔ عامر بہت دیر تک وہیں بیٹھا خیالات میں کھویا رہا۔ اسے اس اتفاق پر بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ سچ ہے کہ اللہ بڑا کارساز ہے۔ گو وہ کام بنانا چاہے تو اس کے اسباب خود پیدا کر دیتا ہے۔

عامر گھر پہنچا تو اپنے میزبان کو بہت بے چین پایا لیکن جب عامر نے آج کی مہم کی تفصیل بیان کی تو وہ کھل اٹھا۔ "ایک بات میں نے تم سے چھپائے رکھی تھی۔ اب جی چاہتا ہے کہ بیان کر دوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے بیان تمہاری نظروں میں میری وقعت کم ہو جائے گی۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں دوست۔" عامر عاجزی سے بولا۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر مجھے نہ ملتے تو میں یہاں کس طرح ٹھہرتا اور اپنے عزیزوں سے کیسے مل پاتا۔"

"خیر اسے چھوڑ عامر۔" میزبان دوست نے کہا۔ "میں تمہیں یہ بتاتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے تمہاری حویلی برباد ہوتے دیکھی اور چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ میرا تو خیر تم سے یا وزیر اعظم ملک شاور سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی حویلی برباد ہوتے دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن میں نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو ملک شاور کے گورنری کے زمانہ میں ان کے خاص دوست تھے اور جب انہوں نے قا... کا قصد کیا تو ان لوگوں نے انہیں اس طرح رخصت کیا جیسے وہ اپنے کسی خاص عزیز

Marfat.com

رخصت کر رہے ہوں لیکن جوں ہی وزیر اعظم کے قاہرہ میں حالات بگڑے اور اس کی خبر صعید پہنچی۔ ان لوگوں نے اسی وقت حویلی پر حملہ کردیا اور جو جس کے ہاتھ لگا وہ لے بھاگا۔ اس وقت تو خیر محلے کے بعض شریف لوگوں نے انہیں سمجھا بجھا کے حویلی کو بچا لیا مگر دوسرے ہی دن انہیں ایک آدمی قاہرہ بھیج کر گورنر کی حویلی لوٹنے کی اجازت حال کرلی۔"

میزبان دوست نے سانس لے کر پھر کہنا شروع کیا۔" دارالخلافہ قاہرہ نے حویلی لوٹنے کی اجازت کے ساتھ ایک دستہ فوج بھی بھیج دی تاکہ اگر کوئی مزاحمت کرے تو اس کو سزا دی جا سکے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حویلی کو حکومت کے لشکریوں نے کم اور اہل محلّہ نے زیادہ تباہ و برباد کیا ہے۔ تین روز تک حویلی کو برابر لوٹا جاتا رہا یہاں تک کہ لکڑی کے دروازے اور کھڑکیاں تک اکھاڑلی گئیں۔ تم جو چاہے لعنت ملامت کر سکتے ہو لیکن یہ بات ضرور ہے کہ میں اور محلّہ کے بہت سے لوگ حویلی بچانا چاہتے تھے لیکن لوگ اس قدر بپھرے ہوئے تھے کہ ہم لوگوں کی ہمت نہ پڑی اور ہماری آنکھوں کے سامنے بھرا پرا گھر برباد ہو کے رہ گیا۔"

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں دوست۔" عامر نے صاف دلی سے کہا۔ "جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا میں تو تمہارا اس لئے شکرگزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے آج میں اپنے عزیزوں تک پہنچ گیا۔

"عامر۔ اب مجھے اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ تم اپنے عزیزوں کو میرے پاس لے آؤ۔ انہیں میں ایک محفوظ جگہ رکھوں گا۔" دوست نے پیش کش کی۔

"اس مسئلہ کو فی الحال ملتوی رکھو۔" عامر اسے زیادہ تفصیل بتانا نہیں چاہتا تھا۔"اب میری ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہوگی مجھے بھائی جان کو تلاش کرنا ہے قسمت ہوئی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

"اب تم کدھر جانا چاہتے ہو؟" دوست نے پوچھا۔

عامر نے سوچتے ہوئے بتایا۔ ان لوگوں کی طرف سے مجھے اطمینان ہو گیا اب پہلے میں قاہرہ جاؤں گا اگر وہاں سے کچھ پتہ نہ لگا تو جدھر دل کہے گا ادھر چلا جاؤں گا کیا عجب ہے کہ اسی طرح میں ان تک بھی پہنچ جاؤں۔"

ادھر قاہرہ میں حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے وزارت مآب ضرغام نے یروشلم کی سفارت کو باریابی کی اجازت نہ دی وہ انتظار کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکا اور تنگ آکر یروشلم واپس ہو گیا۔ شاہ یروشلم خراج کی بھاری رقم کا انتظار کر رہا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ خراج تو ایک طرف رہا ضرغام نے اس کی سفارت سے گفتگو کرنا بھی گوارہ

Marfat.com

نہیں کی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے فورا لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور تیسرے ہی دن لشکر لے کر بڑی تیزی سے قاہرہ کی طرف بڑھا۔ مصری جاسوس یروشلم میں موجود تھے۔ انہوں نے فورا دو تیز رفتار سوار آگے پیچھے قاہرہ بھیجے اور وزارت ماب کو اطلاع دی کہ شاہ یروشلم مصر پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔

شاہ یروشلم کا مصر پر اس قدر رعب تھا کہ اگر شاہ کی ذرا بھی نظر گھومتی تو مصر سے سفارت کاروں کی قطار بندھ جاتی اور ایک کے بعد ایک سردار شاہ یروشلم کو منانے کے لئے یروشلم جاتا تھا لیکن ضرغام نے یروشلم سے آنے والی خبر پر کچھ توجہ نہ دی۔ اس نے دارلوزارت میں امرا کی ایک مجلس منعقد کی۔ ان امرا میں تقریباً" وہی تمام گروہ برقیہ تھے جن کا سردار ضرغام بن گیا تھا۔

ضرغام نے امرا کو بڑے جوش سے مخاطب کیا۔" میں نے آپ لوگوں کو اس لئے جمع کیا ہے کہ یروشلم سے ہمارے مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ شاہ یروشلم بلا کسی جواز یا اشتعال کے مصر پر لشکر کشی کا ارادہ کر رہا ہے۔ مجھ سے پہلے مصر کی وزارت پر جو وزیر مقرر ہوئے وہ سب یروشلم کو ایک مخصوص رقم خراج کے طور پر سالانہ ادا کرتے تھے۔ اس وقت ہمارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم کوئی بھاری رقم شاہی خزانہ سے نکال سکیں پھر بھی ہم نے ارادہ کیا تھا کہ حالات درست ہوتے ہی مقررہ رقم ہم شاہ یروشلم کو بھجوا دیں گے لیکن شاہ یروشلم نے ہمیں الٹی میٹم دیا ہے کہ خراج کی ڈیوڑھی رقم فوری طور پر ادا کی جائے ورنہ مصر پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں آپ لوگوں کی کیا رائے اور کیا مشورہ ہے؟

ایک برقیہ امیر نے جواب دیا۔ "وزارت ماب اس معاملہ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو بس حکم دیا جائے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔؟

دوسرے امیر نے پہلے امیر کی تائید کی پھر تو ہر امیر باری باری کھڑا ہوتا تو پہلے امیر کی بات سے اتفاق کرتا ضرغام اپنی تعریف سن کے پھول گیا۔ ملک شاور کو شکست دے کر اس کے حوصلے بڑھ گئے تھے یہی حال اس کے لشکر کا تھا وہ بھی بے گناہوں پر جبرو تشدد کر کے شیر ہو رہا تھا۔

ضرغام نے بڑے غرور سے سر اٹھایا۔" خراج دینا مصریوں کی توہین ہے ہم عیسائیوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ان سے زیادہ طاقتور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں میدان میں نکل کے عیسائیوں کا مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ خراج کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔"

مشہور ہے کہ جنگ کے لئے جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن مصریوں

Marfat.com

میں نہ تو جوش تھا اور نہ ہوش وہ تو صرف ضرغام کو خوش کرنا چاہتے تھے اس لئے ہر طرف آوازیں بلند ہوئیں۔

"ہم مسلمان ہیں عیسائیوں سے بہتر قوم ہیں۔"

"ہم خراج نہیں دیں گے۔"

"ہم عیسائیوں سے لڑیں گے اور ان کا میدان میں مقابلہ کریں گے۔"

"ہم عیسائیوں کو سبق سکھائیں گے۔"

ضرغام کبرو نخوت کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی امیر بھی اس کی طرح کے تھے۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ فوجیں قاہرہ سے آگے بڑھا کر بلبیس میں مورچہ جمایا جائے تاکہ عیسائی مصری حدود میں داخل ہی نہ ہو سکیں۔ ضرغام نے فوجوں کی کمان اپنے دونوں بھائیوں ناصر الدین حمام اور فخرالدین حمام کے سپرد کی اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ ناصر الدین حمام نے سوچا تھا کہ بلبیس پہنچ کر کچھ دن آرام کریں گے پھر واپس آ جائیں گے۔ یہ بات اس کے دماغ میں اس لئے آئی تھی کہ ضرغام نے اسے چلتے وقت بتایا تھا کہ یروشلم کے لشکر سے مقابلہ کا کوئی امکان نہیں کیونکہ شاہ یروشلم ابھی تک ارادہ ہی باندھ رہا ہے۔ اس کا لشکر ابھی مصر کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا۔

ملک شاور کو دمشق آئے دو ماہ ہو رہے تھے لیکن دربار دمشق سے اس کے سلسلہ میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ ملک شاور نے بارہا حضور عالی میں پیش ہونے کی التجا کی لیکن اسے ہر بار انتظار کرنے کا حکم ہوا۔ ملک شاور انتظار اور مسلسل انتظار کے کرب سے نڈھال ہو گیا تھا اور ہاں یا نہیں میں دو ٹوک جواب چاہتا تھا تاکہ اگر دمشق سے مایوسی ہو تو وہ شاہ یروشلم کے پاس جا کے قسمت آزمائی کرے۔ سلطان کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد اس نے امیر نجم الدین ایوب سے ملاقات کی درخواست کی لیکن نجم الدین ایوب ملاقات سے صاف انکار کر دیا۔ ملک شاور کو بتایا گیا کہ اس کے معاملہ میں اگر کوئی ہاتھ ڈال سکتا ہے تو وہ صرف امیر اسد الدین شیر کوہ ہے جو کہ دمشق کی افواج کا سپہ سالار ہونے کے علاوہ تمام امرائے توریہ کا امیر الامرا ہے۔

پس ایک دن ملک شاور نے شاہی مہمان خانہ سے جو اس کے لئے قید خانہ بنا ہوا تھا' امیر شیر کوہ کو ایک ایسی درد ناک اور دلگداز درخواست لکھی کہ شیر کوہ اسے پڑھ کے بے چین ہو گیا ملک شاور نے اپنی درخواست کے آخر میں لکھا تھا کہ اگر سلطان شام اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تو وہ اسے (ملک شاور) قتل کرا دیں کیونکہ ملک شاور سوائے دمشق کے دربار کے اور کسی جگہ سے مدد حاصل نہیں ہو سکتی۔ شیر کوہ اسی وقت شاہی محل پہنچا

Marfat.com

اور ملک شاور کی درخواست سلطان کے سامنے رکھ دی۔

سلطان نور الدین محمود زنگی کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "مصر کا یہ معزول وزیر بہت چالاک معلوم ہوتا ہے جو شخص جنگی اخراجات کی ادائیگی کے ساتھ ملک کی آمدنی کا ساڑھے تین فی صد حصہ (تہائی) بھی ادا کرنے کا اک دم وعدہ کرلے اس کی بات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔" "سلطان معظم کا اندازہ بالکل درست ہے۔" شیرکوہ نے جواب دیا۔ "حکم عالی ہو تو اسے آزاد کر دیا جائے۔"

"نہیں شیرکوہ۔ وہ خطرناک اور چالاک آدمی ہمارے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔" سلطان شیرکوہ کو جواب دے کر چھت کو گھورنے لگا۔

شیرکوہ چپ ہو کے رہ گیا حالانکہ اس کی خواہش تھی کہ ملک شاور کو آزاد کر دیا جائے۔ شیرکوہ کا کام ختم ہو گیا تھا لیکن اب سلطان کی اجازت کے بغیر وہ جا بھی نہیں سکتا تھا۔ سلطان دیر تک خیالات میں الجھا رہا ملک شاور کی مدد کرنا کوئی مشکل بات نہ تھی لیکن اسے یقین تھا کہ مصر پر حملہ ہوتے ہی شاہ یروشلم ضرغام کی مدد کو پہنچ جائے گا اس طرح اسے مصر اور یروشلم دونوں طاقتوں سے بیک وقت جنگ کرنا ہوگی۔

"شیرکوہ ہمیں مصر سے کسی تازہ خبر کی امید ہے۔" سلطان نے خیالات سے واپس آتے ہوئے کہا۔ "اس مسئلہ پر ہم اگلے ہفتہ گفتگو کریں گے تم جا سکتے ہو۔"

اجازت ملتے ہی شیرکوہ نے رخصتی سلام کیا اور باہر آ گیا وہاں سے وہ ملک شاور کے پاس پہنچا ملک شاور امیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

"امیر محترم۔ آپ نے اس غریب الوطن کے پاس آنے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ میں اس کے لئے امیر کا شکر گزار ہوں۔"

امیر نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ "ملک شاور۔ آپ کو صرف ایک ہفتہ اور انتظار کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ اس ہفتہ آپ کو ضرور جواب مل جائے گا۔"

"امید ہو تو میں ایک ہفتے کیا ایک سال انتظار کر سکتا ہوں۔" ملک شاور نے مردہ آواز میں جواب دیا۔ "امیر کی یہ کیا کم مہربانی ہے کہ انہوں نے مجھے ایک ہفتہ کی امید دلائی ہے۔"

"فکر نہ کیجئے ملک شاور۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

اس کے ساتھ ہی امیر شیرکوہ شاہی مہمان خانہ سے باہر آ گیا۔

دوسرے دن جب صرف شیرکوہ سلطان کے پاس تھا تو سلطان نے فوری بات چھیڑی۔ "شیرکوہ۔ ہمیں ملک شاور کی قوت برداشت پر تعجب ہے ہم نے اسے مہمان خانہ میں رکھ

Marfat.com

کے دراصل اس کے صبر و تحمل کا امتحان لیا تھا مگر یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اس نے محض ایک امید موصوم پر اس قدر صبر و تحمل کا ثبوت دیا اور انتظار کے کرب سے گزرتا رہا۔"

"سلطان معظم۔ ملک شاور نے واقعی انتظار کی حد کر دی اور اب بھی وہ نا امید نہیں ہے۔" شیرکوہ نے سلطان سے اتفاق کیا۔

سلطان نے پھر چھت کو گھورنا شروع کر دیا۔ شیرکوہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد سلطان نے سر گھما کر کہا "ملک شاور اگرچہ قابل اعتماد نہیں اور مصر تک پہنچنے کے لئے ہمارے لشکر آگ اور خون سے کھیلنا ہو گا لیکن مصر کو ضرغام جیسے نا تجربہ کار غلام کے قبضہ میں نہیں رہنا چاہئے۔ اس سے کسی وقت بھی کوئی بڑی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔"

سلطان کے منہ سے نکلی ہوئی بات سچ ہو گئی۔ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ مصر سے آنے والے مخبر نے سلطان کو خبر دی کہ مصر اور یروشلم میں جنگ چھڑ گئی ہے۔ اس وقت سلطان کے قریب شیرکوہ کے علاوہ دو تین اور امیر موجود تھے۔

"جنگ میں پہل کس نے کی؟" سلطان فکرمند ہو گیا تھا۔

"عالی جاہ۔ جس وقت میں مصر سے چلا ہوں اس وقت مصری لشکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔" مخبر نے سادگی سے بتایا۔

"سلطان نے سخت نظروں سے مخبر کو دیکھا۔" تم نے مصری لشکر کو صرف جاتے دیکھا تھا یا مصر اور یروشلم کے لشکروں کو لڑتے دیکھا تھا؟

"سلطان عالم۔ جب میں یروشلم سے گزرا تو میں نے یروشلم کے لشکر کو مصری سرحد کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" مخبر کا جواب اب بھی مبہم تھا۔

"ہوش کی باتیں کر۔" سلطان بگڑ گیا۔ تو نے مصر کا لشکر دیکھا۔ یروشلم کا لشکر دیکھا مگر جنگ ہوتے نہیں دیکھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں صلح ہو گئی ہو۔"

"جی عالی جاہ صلح بھی ہو سکتی ہے۔" مخبر گھبرا گیا۔

"تمہیں جاسوس کے اہم عہدہ سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔" سلطان نے اس کی ملازمت پر خط تنسیخ پھیر دیا "دو لشکروں کو متحرک دیکھ کر یہ تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ دونوں ٹکرا جائیں لیکن انہیں دیکھ کر یہ کہنا کہ ان میں جنگ چھڑ گئی ہے یہ بات لغو اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔" پھر سلطان نے شیرکوہ کو مخاطب کیا "اس جاسوس کو حراست میں رکھا جائے اگر مصر سے یہ خبر آئے کہ یروشلم اور مصر میں جنگ شروع ہو گئی ہے تو اسے ملازمت پر بحال کر دیا جائے ورنہ اسے دوبارہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

Marfat.com

شیر کوہ نے جاسوس کو ایک غلام کے حوالہ کر دیا کہ اسے قید خانہ بھیج دیا جائے۔

جاسوس خود اپنی غلطی سے قید خانہ پہنچ گیا۔ اس نے یہ صحیح کہا تھا کہ مصری لشکر سرحد کی طرف جا رہا ہے اور اس کا یہ کہنا بھی درست تھا کہ یروشلم کا لشکر مصر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ دو لشکروں کا ایک دوسرے کی طرف روانہ ہونا اس بات کی دلیل تو تھا کہ جنگ ہونے والی ہے مگر اسے اس طرح بیان کرنا کہ مصر اور یروشلم میں جنگ شروع ہو گئی ہے یقیناً غلطی تھی جس کا نتیجہ جاسوس کو بھگتنا پڑا۔ اسی لئے اس دور کا مشہور قول ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں بغیر تصدیق کئے کوئی بات مت کہو کیونکہ بادشاہ تلون مزاج ہونے میں کبھی غلط بات سن کے انعام دیتے ہیں تو کبھی سچ بات پر ناراض ہو کر سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔

جلد باز جاسوس قید خانہ پہنچ گیا مگر اس کی کہی ہوئی بات سچ ہو گئی۔ یروشلم کے بادشاہ ایمالرک نے اس بات کو اپنی توہین سمجھا کہ اس کی سفارت کو ضرغام نے دارالوزارت میں گھسنے بھی نہیں دیا۔ مصریوں اور خاص کر ضرغام کی اور اس جرات پر وہ جھلا اٹھا اور فوراً فوجوں کو درست کر کے مصریوں پر لشکر کشی کے لئے چل پڑا۔ ضرغام کو اس کے غرور نے اس قدر خود سر کر دیا تھا کہ وہ یروشلم کی سفارت کو ذرا بھی خاطر میں نہ لایا لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ شاہ یروشلم اسے معاف نہ کرے گا اور اطلاع پاتے ہی مصر پر چڑھ دوڑے گا۔ اس نے اپنے امرا کو غلط یا صحیح طریقہ سے اپناہمنوا بنا لیا تھا اور وہ یروشلم کو خراج ادا کرنے سے منکر ہو گئے تھے۔ ضرغام ان کے جوش سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس لئے اس نے دونوں بھائیوں کی سرکردگی میں ایک لشکر سرحد کی طرف روانہ کر دیا تاکہ عیسائیوں کو سرحد میں داخل ہونے سے پہلے ہی روک دیا جائے۔

یروشلم اور مصر کے لشکر بڑھتے بڑھتے بلیس کے مقام پر آمنے سامنے ہو گئے۔ یروشلم کے لشکر کی کمان خود شاہ ایمالرک کر رہا تھا۔ اس نے بلبیس پہنچتے ہی مصریوں کے سامنے مورچے لگا دیئے مصری پہلے پہنچ گئے تھے اس لئے وہ بہتر جگہ پر مورچہ بند تھے۔ شاہ یروشلم کو مصریوں پر تعجب ہو رہا تھا۔ ایک زمانہ سے وہ بے چوں و چرا خراج ادا کر رہے تھے۔ مصر کے کسی وزیر کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ یروشلم سے مقابلہ کا تصور بھی کر سکے لیکن آج مصری فوج ان کے مد مقابل تھی۔

شاہ یروشلم نے احتیاط کے طور پر مصری لشکر کی طرف اپنا ایک نمائندہ بھیجا۔ یروشلم کا نمائندہ نیزے پر سفید کپڑا باندھ کر اپنے لشکر سے نکلا۔ مصریوں نے کوئی روک ٹوک نہیں کی اور نمائندہ کو فخرالدین ہمام اور نصیرالدین ہمام کے خیمے میں پہنچا دیا۔ نمائندہ نے دو

Marfat.com

سرداروں کو خیمے میں دیکھ کر تعجب کیا پھر بولا۔"میں شاہ یروشلم کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ دونوں میں سے مصر کے وزیر اعظم کون ہیں۔؟"

نصیرالدین نے جواب دیا۔"وزارت ماب قاہرہ میں ہیں ہم دونوں وزارت ماب کے بھائی اور اس لشکر کے سپہ سالار ہیں۔ تمہیں جو کہنا ہے وہ کہہ سکتے ہو۔؟"

نمائندہ نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔"شاہ معظم نے پیغام دیا ہے کہ ان کا مصر سے کوئی اختلاف نہیں۔ انہیں صرف مقررہ خراج چاہئے خراج ادا کر دیا جائے تو یروشلم کا لشکر یہیں سے واپس ہو جائے گا۔"

نصیرالدین نے اس کا مذاق اڑایا۔"تمہارے شاہ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مصر کا قلمدان وزارت اس وقت ہمارے محترم برادر امیرو ملک ضرغام کے پاس ہے جن کے ہاتھ میں مصریوں کی قسمتیں ہیں ایکوقت تھا کہ مصری تمہارے شاہ کو خراج ادا کرتے تھے لیکن وقت یکساں نہیں رہتا۔ اب حکومت ہمارے بھائی کے پاس ہے۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ یروشلم کے بادشاہ کوالفاظ کی زبان یا تلوار کی زبان سے سمجھایا جائے کہ مصر کی طرف سے خراج ادا کرنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر شاہ یروشلم ہم سے دوستی کے خواہاں ہیں تو لشکر واپس لے جائیں ہم ان کا راستہ نہیں روکیں گے ورنہ اگر ہم نے ایک بار تلوار نیام سے باہر نکال لی تو پھر ہماری تلواریں اس وقت تک نیام میں واپس نہیں جائیں گی جب تک انہیں مصر سے اب تک وصول کیا ہوا تمام خراج واپس نہیں کیا جاتا۔"

یروشلم کانمائندہ اس قدر سخت الفاظ اور لہجہ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے جواب دیا"مصری لشکر نے ابھی یروشلم کی تلواروں کی کاٹ نہیں دیکھی۔ خداوند یسوع مسیح کی قسم اگر ہماری تلواریں بے نیام ہو گئیں تو مصریوں کے خون کے دریا بہہ جائیں گے۔ بستیاں ویران اور شہر قبرستان بن جائیں گے۔" "چپ ہو جا بد زبان۔" فخر الدین نے نمائندہ کو ڈانٹا۔"اگر تو شاہی نمائندہ نہ ہوتا تو اب تک تیرا سر قلم کیا جا چکا ہوتا۔ جا اور شاہ ایمالرک سے کہہ دے کہ اپنی خیر چاہتا ہے تو چپ چاپ یروشلم واپس چلا جائے ورنہ بلبیس اس کا اور اس کے لشکریوں کا قبرستان بنے لگا ہے۔"

نمائندہ بد زبان ہونے کے ساتھ ساتھ منہ زور بھی تھا۔اس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا"جس لشکر کے سالار اس قدر مغرور ہوں وہ لشکر میدان جنگ میں کتنی دیر ٹھہرے گا۔ اے مصروالو۔ تم نے یروشلم کے خاص نمائندے کی توہین کی ہے۔ اس کا بدلہ تم سے میدان جنگ میں لیا جائے گا۔"

نمائندہ خیمہ کے باہر آیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر واپس چلا گیا۔ جس

Marfat.com

طرح دمشق کا سلطان، مصریوں سے جنگ کرنے سے ہچکچاتا تھا اسی طرح یروشلم بھی مصر سے کھلی ہوئی جنگ سے گریز کر رہا تھا۔ وہ فوجیں لے کر مصر پر اس لئے چڑھ دوڑا تھا کہ مصر اس سے خوفزدہ ہو کر بغیر جنگ و جدل کے تاوان ادا کر دے گا اور وہ یروشلم واپس ہو جائے گا۔ اسی لئے اس نے پہلے مصالحتی طریقہ اختیار کیا اور اپنا نمائندہ بھیج کر خراج طلب کیا لیکن ضرغام کے دونوں بھائی ملک شاور کو شکست دے کر اس قدر مغرور ہو گئے تھے کہ وہ کسی طاقت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایمالرک شاہ یروشلم نے مصری سپہ سالار کا جواب سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے اسی گھڑی طبل جنگ بجوا دیا۔

مصری فوج کو تو جنگ کے لئے بھیجا ہی گیا تھا۔ نصیر الدین ہجام اور فخر الدین ہمام نے طبل جنگ کی آواز سنی تو جواب میں مصری لشکر میں بھی طبل جنگ بجایا گیا۔ طبل جنگ یا جنگ کا نقارہ بجنے کا مطلب ہوتا تھا "اعلان جنگ" دونوں طرف صف بندی ہو چکی تھی۔ مصریوں اور یروشلم والوں کے لڑنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہی میمنہ میسرہ اور قلب۔ دونوں طرف اسی ترتیب سے فوجیں صف آرا تھیں شاہ ایمالرک قلب فوج میں تھا۔ اس نے پہلے قلب کو بڑھنے کا حکم دیا۔ عیسائی قلب نے ایسی زبردست یلغار کی کہ مصری قلب کو تھوڑا سا پسپا ہونا پڑا لیکن وہاں نصیرالدین ہمام اور فخر الدین ہمام موجود تھے انہوں نے فوجیوں کے دل بڑھا کر انہیں جما دیا پھر جوابی حملہ کیا۔ ان کا جوابی حملہ بھی تیز تھا۔ وہ نہ صرف اپنی جگہ واپس آ گئے بلکہ عیسائیوں کو دباتے ہوئے ان کے لشکر میں گھس گئے۔

بڑے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ ایک کا میمنہ دوسرے کا میسرہ اور دوسرے کا میسرہ پہلے کے منہ میں بھڑا ہوا لڑ رہا تھا۔ قلب، قلب کے سامنے تھا۔ چار گھنٹے کی مسلسل شدید جنگ مصریوں نے بڑے حوصلہ سے لڑی لیکن مصری لشکر اب میدان جنگ کا عادی نہ رہا تھا۔ فاطمی خلیفہ اپنے حریم خلافت میں سمٹ گیا تھا اور اس کے اختیارات پر مصر کے وزیر اعظم نے قبضہ کر رکھا تھا۔ مصر پر یروشلم کا اثر رسوخ بڑھ گیا تھا اور خراج ادا کرنے کی وجہ سے مصری غیر شعوری طور پر یروشلم کو مصر سے زیادہ طاقتور ملک سمجھنے لگے تھے؟ یہی وجہ تھی کہ چار گھنٹے کے بعد مصری لشکر میں سستی کے آثار نظر آنے لگے اور مکمل شکست سے بچنے کے لئے ضرغام کے دونوں بھائیوں نے پسپائی اختیار کی۔

دوسری طرف آغاز جنگ کے وقت ایمالرک شاہ یروشلم کا خیال تھا کہ مصری لشکر دو گھڑی بھی میدان میں نہ ٹھہر سکے گا لیکن مصریوں نے جس شدت سے حملہ کیا اور مدافعت میں جس نظم کا ثبوت دیا اس سے ایمالرک کا خیال بدل گیا۔ چنانچہ جب مصری لشکر نے پسپائی اختیار کی تو ایمالرک نے ان پر اک دم دباؤ ڈالنے کے بجائے آہستہ آہستہ تعقب

Marfat.com

شروع کیا۔ اسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کا لشکر گھیرے میں نہ آ جائے یا پھر مصری کہیں پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ ایمالرک کے اس رویہ سے مصریوں نے فائدہ اٹھایا اور وہ بغیر کسی جانی نقصان کے محفوظ مقام تک پسپا ہو گئے۔

قاہرہ میں جب ضرغام کو اس شکست کی خبر ہوئی تو تلملا اٹھااور قاہرہ سے ایک تازہ دم لشکر لے کر بھائیوں کی مدد کو روانہ ہوا۔ شاہ یروشلم بہت سنبھل سنبھل کے آگے بڑھ رہا تھا اس لئے دونوں لشکروں میں کافی فاصلہ ہو گیا تھاضرغام وہاں پہنچا تو چند امیروں نے اسے ایک اور مشورہ دیا۔ اس سے شاہ ایمالرک کی پیش قدمی کو روکا جاسکتا تھا لیکن یہ ایک انسانیت سوز حکمت عملی تھی جس کی وجہ سے مصری عوام کی اسے کوئی پروانہ تھی اس لئے اس نے شاہ ایمالرک سے بچنے کے لئے عوام دشمن تدبیر پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔

مصر کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب ملکوں میں ہوتا تھاحالانکہ مصر میں بارش کا نام تھا۔ دراصل یہ تمام زرخیزی اور شادابی مصر کے دریائے نیل کی وجہ سے تھی۔ دریائے نیل میں جون سے ستمبر تک دریائے نیل میں سیلاب آتے تھے لیکن ان سیلابوں کی یہ صفت تھی کہ دریا اپنے کناروں سے باہر نہ نکلتا تھا اور مصر والے بڑھے ہوئے پانی کو نہروں کے ذریعہ آبپاشی کے کام میں لاتے تھے اوراگر پانی کناروں سے نکلتا بھی تھا تو اس سے زمین خود بخود سیراب ہو جاتی تھی اور مصر میں دریا کے اردگرد کے تمام علاقے کھیتوں میں تبدیل ہو کر لہلہانے لگتے تھے۔ مصر کی کامیاب زراعت اور سرسبزی کا یہی راز تھا۔

مصر کا بچہ بچہ اس راز سے واقف تھا۔ چنانچہ ضرغام نے اس سے نہایت کامیاب فائدہ اٹھایا شاہ یروشلم نے ستمبر ۱۱۶۳ء میں مصر پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت دریا میں سیلاب آیا ہوا تھا اور سیلاب کے پر جوش دھارے کنارے سے نکلنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے ایسے میں ضرغام نے حکم دیا کہ دریا کے تمام بند اور سنگین پشتے وار راستے توڑ دیئے جائیں۔ لشکر پہلے ہی محفوظ مقام تک سمٹ چکی تھی۔ بند اور سنگین پشتے ٹوٹتے ہی سیلاب کا ریلے دار پانی طوفانی موجوں کی طرح چاروں طرف پھیل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کیا آبادی اور کیا کھیت کھلیاں سب پانی میں ڈوب گئے اور بہہ گئے۔ پتہ نہیں کتنی زندگیاں موت کے منہ میں چلی گئیں اجناس اور دوسرے سامان کا نقصان الگ ہے کیونکہ ملک کا تقریباً نصف حصہ گہرے پانی میں ڈوب گیا تھا۔ ضرغام کو یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ اس کا تعاقب کرنے والا لشکر آگے نہ بڑھ سکا اور شاہ یروشلم کو واپس جاناپڑا۔

بہرحال یہ ایک جنگی چال یا فوجی حکمت عملی تھی۔ جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ اس ترکیب سے ضرغام نے وقتی طور پر تو شاہ یروشلم کو واپس جانے پر مجبور کر دیا لیکن اس سے

Marfat.com

قاہرہ اور دور و نزدیک کی آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ شاہی محلات میں اس فتح کا زبردست جشن منایا گیا۔ ضرغام کی گردن غرور سے کچھ اور ٹیڑھی ہو گئی لیکن خدا کو کسی غرور پسند نہیں اور نہ مغرور کو وہ معاف کرتا ہے۔ ضرغام کو بغلیں بجاتے ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ دمشق سے آنے والے مسافروں نے عجیب عجیب باتیں کرنا شروع کر دیں۔

ایک تاجر نے بیان کیا۔ "دمشق میں آج کل زبردست فوجی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

دوسری خبر یہ اڑی۔ "سلطان دمشق عیسائیوں سے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

اس سے زیادہ خطرناک یہ افواہ تھی ——— "مصر کا وزیر اعظم ملک شاور دمشق پہنچ چکا ہے اور سلطان دمشق کا مہمان ہے۔"

یہی افواہ سب سے زیادہ خطرناک تھی جس نے ضرغام کی نیندیں حرام کر دیں۔ اس کے تمام سردار جو اب تک فتح کے جشن سے مخمور ہو رہے تھے' ان کے بھی حواس جاتے رہے۔ ابھی یہ محض ایک افواہ تھی لیکن دوسرے ہی ہفتے دمشق سے آنے والے ایک مصری جاسوس نے تصدیق کی۔

"وزارت مآب۔ یہ حقیقت ہے کہ غدار ملک شاور دمشق میں ہے۔ وہ شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرا ہے۔ میں نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

ضرغام نے فکر مند نظروں سے اسے دیکھا۔ "کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ ملک شاور اور سلطان شام میں کیا طے ہوا؟"

"وزیر محترم ———" جاسوس نے ادب سے کہا۔ "پرانے دانشوروں کا قول ہے کہ شاہی دربار میں جھوٹ بات کہنا اور موت کو آواز دینا ایک ہی بات ہے۔ اس لئے میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میں نے ملک شاور اور سلطان کی گفتگو خود سنی ہے لیکن ان گنہگار کانوں نے دمشق کے قہوہ خانوں میں باتیں کرتے سنا ہے کہ ملک شاور روز سلطان کی خوشامد کرتا ہے کہ اس کی فوجی مدد کی جائے لیکن سلطان اسے روز ڈانٹ دیتا ہے۔"

"اور ——— اور کیا سنا تم نے؟" ضرغام نے بے چینی سے پوچھا۔

"وزیر عالی مقام ———" جاسوس نے بتایا ——— "قہوہ خانے کے لوگوں کا خیال ہے کہ سلطان نے انکار کر دیا ہے لیکن اس کے امیر چاہتے ہیں کہ ملک شاور کی ضرور مدد کی جانا چاہیے۔"

"یہ خیال قہوہ خانے کے بیٹھنے والوں کا ہے یا تمہارا؟" ضرغام کا انداز ناگوار سا ہو گیا تھا۔

"وزارت مآب۔ میرا خیال ہے کہ سلطان' اس غدار ملک شاور کی کوئی مدد نہیں کرے

Marfat.com

گا۔ جاسوس نے ضرغام کا رخ دیکھ کر فوراً بات پلٹ دی۔

"اگر ملک شاور کو مدد نہیں ملتی تو وہ وہاں ٹھہرا ہوا کیوں ہے۔" ضرغام نے خود کلامی کے انداز میں کہا لیکن جاسوس نے سن لیا۔

"یہ بات واقعی غور کرنے کی ہے۔" جاسوس کے منہ سے اک دم نکل گیا۔

"تمہارے غور کرنے کی نہیں بلکہ یہ بات ہمارے غور کرنے کی ہے۔۔" ضرغام نے قدرے غصے سے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔۔۔"

جاسوس چلا گیا اور ساتھ میں ضرغام کا عیش و آرام بھی لے گیا۔ اس نے فوراً گروہ برقیہ کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس دو دن تک مسلسل جاری رہا۔ گروہ برقیہ کو اب اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ سب سے زیادہ ضرغام پریشان تھا۔ اسے اس بات کا افسوس تھا کہ اس نے خوامخواہ شاہ یروشلم سے بگاڑ پیدا کیا۔ اگر ملک شاور کو دمشق سے فوجی مدد مل گئی اور اس نے مصر پر حملہ کر دیا تو وہ شاہ سے کس منہ سے مدد مانگے گا۔ دو دن کے بحث و مباحثہ کے بات یہ طے ہوا کہ شاہ یروشلم سے فوراً رابطہ قائم کیا جائے اور جس شرط پر بھی ہو سکے یروشلم سے دوبارہ تعلقات استوار کر لئے جائیں اب سوال یہ تھا کہ شاہ یروشلم سے گفتگو کرنے کون جائے' ضرغام نے تو اس کی سفارت سے بھی ملنا گوارہ نہیں کیا تھا اس لئے وہ تو شاہ یروشلم کو براہ راست مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ نصیر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام نے بھی میدان جنگ میں شاہ یروشلم کے نمائندہ کو بڑا سخت جواب دیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں بھی یروشلم جانے سے کترا رہے تھے لیکن وہ جو کہا ہے کسی نے کہ محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے۔ اس لئے ضرغام نے فیصلہ کیا کہ اس کا بھائی فخر الدین ہمام' یروشلم جائے گا اور وزارت ماب کی نمائندگی کرے گا۔

شاہ یروشلم نے پہلے تو اس بد اخلاقی کا بدلہ لیا جو مصر کے وزیر اعظم نے یروشلم کی سفارت کے ساتھ روا رکھا تھا۔ فخر الدین ہمام پچاس سواروں کو ساتھ لے کر بھاگم بھاگ یروشلم پہنچا۔ ایمارک شاہ یروشلم کو مصری سردار کے یروشلم آنے کا مقصد سمجھنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ اس کے جاسوسوں نے بھی اسے مطلع کر دیا تھا کہ ملک شاور' دمشق پہنچا ہی ہے اور سلطان شام سے فوجی مدد مانگ رہا ہے۔ اس کے جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ سلطان اسے مدد دینے پر آمادہ نہیں۔ اس سے شاہ یروشلم کو دمشق کی طرف سے جو خطرہ پیدا ہوا تھا معدوم پڑ گیا۔ اس کے اس خیال کو ایک اور بات سے بھی تقویت پہنچتی تھی۔ دمشق اور مصر کے درمیان یروشلم حائل تھا۔ اگر دمشق کا لشکر مصر روانہ ہوتا ہے تو ظاہر کی اس کی اطلاع شاہ یروشلم کو ہو جائے گی اور شاہ اس لشکر کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ اس

Marfat.com

لئے وہ اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ سلطان دمشق' ملک شاور کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔
چنانچہ جب یروشلم پہنچ کے فخرالدین ہمام نے شاہ سے ملاقات کی درخواست پیش کی شاہ کی طرف سے اسے جواب دیا گیا کہ شاہ اس وقت مصروف ہیں اس لئے فخرالدین ہمام کو کم از کم ایک ہفتہ انتظار کرنا ہو گا۔ فخرالدین ہمام یہ جواب سن کر بوکھلا اٹھا۔ ایک ہفتہ تو بڑی بات تھی اسے ایک ایک لمحہ پہاڑ گزر رہا تھا۔ دوسرے دن اس نے پھر درخواست کی مگر ادھر سے "انتظار" کا حکم ہوا۔ تیسرے دن فخرالدین ہمام نے شاہ کو ایک تحریری درخواست دی جس میں اپنے آنے کا مقصد گول میل الفاظ میں بیان کیا مگر شاہ یروشلم پھر بھی آمادہ نہ ہوا۔ آخر فخرالدین ہمام نے چند امیروں کو درمیان میں ڈالا پھر اسے دربار میں حاضری کا حکم ہوا۔ دربار میں بھی شاہ یروشلم کا رویہ تلخ اور تند تھا۔
"تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے فخرالدین؟۔" شاہ نے تلخ لہجہ میں کہا۔
"شاہ معظم۔۔" فخرالدین نے سر جھکا کے کہا۔۔ "میں اپنے آنے کے مقصد پر اپنی درخواست میں اشارے کر چکا ہوں۔۔۔"
"فخرالدین یہ مت بھولو کہ تم شاہ یروشلم کے دربار میں ہو ۔" شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمیں تمہارے اشارے سمجھنے کا وقت نہیں۔ صاف بیان کرو تم کیا چاہتے ہو؟"
"عالیجاہ۔۔۔" فخرالدین نے عاجزی سے کہا۔ "سلطنت مصر اس وقت سخت مشکل میں ہے اگر شاہ نے وزارت مآب کی فوجی مدد نہ کی تو خطرہ ہے کہ ملک شاور' شامی فوجوں کی مدد سے مصر پر قبضہ کرے گا اور مصر ہمیشہ کے لئے سلطان دمشق کا غلام ہو جائے گا۔۔۔"
تمہارے وزارت مآب کو اس خطرہ کا اس وقت احساس نہ ہوا جب ہماری سفارت خراج وصول کرنے گئی تھی اور اسے دارالوزارت میں داخلہ کی بھی اجازت نہ ملی تھی۔"
"شاہ درست فرماتے ہیں۔" فخرالدین ہمام نے اور زیادہ عاجزی سے کہا۔ "وزارت مآب کو اپنی غلطی کا احساس ہے اور وہ اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔"
"خراج کے لئے وزارت مآب نے کیا کہا ہے؟" شاہ کا لہجہ اب بھی تند تھا۔
"خراج کی رقم میں ساتھ لے کے آیا ہوں۔" فخرالدین نے فوراً کہا۔ "وزارت مآب نے یہ بھی پیش کش کی ہے کہ شاہ معظم اس وقت ان کی مدد فرمائیں۔ خراج کی رقم ڈیڑھ گنی کر دی جائے گی۔"
"خراج کی رقم شاہی خزانہ میں داخل کر دی جائے۔۔" شاہ نے حکم دیا۔ "وزارت مآب کی پیشکش پر غور کیا جائے گا۔ تمہیں جلد ہی جواب دیا جائے گا۔"
شاہ اٹھ کر محل میں چلا گیا۔ فخرالدین ہمام منہ دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے شاہ یروشلم

Marfat.com

ے حکم کے مطابق خراج کی رقم شاہی خزانہ میں جمع کرا دی اور انتظار کرنے لگا۔ اسے
نظار کرتے دو ہفتے گزر گئے۔ اس دوران اس نے ایک ایک امیر اور سردار کی خوشامد کی
ہ اسے شاہ کے سامنے پیش کر دیا جائے لیکن اس کی بات پر کسی نے دھیان نہ دیا۔

فخرالدین ہمام انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ یروشلم میں ایک افواہ اڑی۔

"سلطان شام نے عیسائی علاقوں پر حملہ کر دیا ہے۔"

یروشلم میں افراتفری مچ گئی۔ شاہ یروشلم نے فوراً ایک لشکر کو ترتیب دیا اور اسے
اپنے شمالی علاقوں کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر ایک اور افواہ اڑی۔

"شاہی لشکر صحرا عبور کر کے مصر کی سرحد کے قریب پہنچ گیا ہے۔"

ہر شخص انگشت بدنداں تھا کہ یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔

Marfat.com

پہلا معرکہ

سلطان نور الدین محمود زنگی کا دربار خاص لگا تھا۔

امیرالاُمرا اسد الدین شیر کوہ اپنے خیالات کا اظہار کر چکا تھا اور اب سلطان نے ایک دوسرے امیر عین الدولہ باروقی کو اذن گفتگو دیا تھا۔ امیر عین الدولہ باروقی نے سر جھکا کر عرض کیا۔ "سلطان معظم۔ یہ درست ہے کہ سلطنت مصر کے حالات بہت زیادہ دگرگوں ہو گئے ہیں اور اس بات کا امکان ہے کہ مصری وزیراعظم امیر ضرغام اور شاہ یروشلم ایمارک کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ طے ہو جائے جس کی رو سے عیسائیوں کو مصر میں داخل ہونے کا موقعہ مل جائے لیکن مہمان وزیر ملک شاور کی مدد کرنے سے پہلے ہمیں یہ انتظام کرنا ہو گا کہ ہماری بھیجی ہوئی مدد بحفاظت مصر پہنچ جائے اور راستے میں عیسائیوں سے کوئی مڈبھیڑ نہ ہو۔"

اب امیر قطب الدین کی باری تھی۔ اس نے باادب ہو کے کہا۔ "عالیجاہ۔ میں عین الدولہ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ ہماری سلطنت شام اور سلطنت مصر کے درمیان عیسائی علاقہ ہے۔ ہمارا لشکر بغیر عیسائیوں سے جنگ کئے مصر میں داخل نہیں ہو سکتا اگر یہ صورت پیش آئی تو ملک شاور کی امداد تو ایک طرف رہی ہم عیسائیوں سے خواہ مخواہ ایک محاذ کھول دیں گے۔"

امیر سیف الدین مشطوب ہکاری کی رائے بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔ اس نے کہا۔ "سلطان عالی مقام ۔ مصر کے حالات فوری امداد کا تقاضہ کرتے ہیں لیکن شاہ یروشلم سے جنگ کا خطرہ مول لینا کچھ مفید نہیں معلوم ہوتا۔"

کچھ اور امیر بھی بولے لیکن انہوں نے بھی دبے الفاظ میں مصر کی طرف لشکر بھیجنے کی مخالفت کی۔ صرف فقیہ شہر عیسی ہکاری کی ایک ایسی ہستی تھی جس نے امیرالامرا اسد

Marfat.com

الدین شیر کوہ کی تائید میں رائے دی۔ انہوں نے کہا۔ "تمام جنگی اور سیاسی مصلحتوں سے
قطع نظر میرا خیال ہے کہ مصر جیسی عظیم مسلم سلطنت کو عیسائیوں میں جاتے دیکھ کر خاموش
رہنا کم از کم زنگی خاندان کے وقار کے خلاف ہے ۔ پھر مصر ایک مسلمان سلطنت ہی نہیں
بلکہ ایک انتہائی زرخیز علاقہ بھی ہے۔ اس پر عیسائیوں کے قبضے سے سلطنت دمشق کو نقصان
پہنچنے کا بھی امکان ہے ۔۔۔"

"لاریب ۔ لاریب" سلطان نور الدین نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فقیہ شہر کی بات
پسند آئی۔" مصر کی امداد نہ کرنا اسلامی روایات اور زنگی وقار دونوں ہی کے خلاف ہے۔"
پھر سلطان اسد الدین شیر کوہ سے مخاطب ہوا۔" امیر اسد الدین تمہاری رائے سے فقیہ شہر
نے اتفاق کیا ہے اور فقیہ شہر کی بات رد کرنے کے ہم بھی مجاز نہیں۔ ملک شاور کو مطلع
کر دو کہ ہم اس کی پیش کش پر مدد کرنے کو تیار ہیں۔ پورے لشکر کو تیاری کا حکم دیا جاتا
ہے۔"

سلطان کے آخری حکم پر سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ کیا سلطان خود مصر جا رہا
ہے۔ اس کے حکم سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا۔ پورے لشکر کو تیاری کا حکم دیئے جانے کا مقصد
یہی ہو سکتا ہے کہ سلطان بہ نفس نفیس لشکر کی سپہ سالاری فرمائیں گے مگر کس میں ہمت
تھی کہ سلطان سے اس کی وضاحت کی درخواست کرتا۔ سلطان حکم دے کر اندر چلا گیا تھا
جس کا مطلب تھا کہ دربار برخاست ہو گیا ہے۔

وہ دور سلطانی اور بادشاہی کا دور تھا۔ بادشاہ کی زبان کا نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حیثیت
رکھتا تھا۔ اسے کسی کے صلاح مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ جن ملکوں میں خلافت تھی
ان کا حال بھی یہی تھا۔ خلیفہ کو بھی ایک سلطان بادشاہ کے اختیارات ہوتے تھے۔ یہ بھی
عجب اتفاق تھا کہ اس دور میں بیک وقت دو خلافتیں تھیں جن کے دو الگ الگ خلیفہ تھے۔
ایک بغداد کی سنی خلافت اور دوسری مصر کی شیعہ خلافت جسے فاطمی خلافت یا خلافت علین
بھی کہتے تھے لیکن ہر دو خلافت کے خلیفہ بس نام کے خلیفہ تھے۔ بغداد کی خلافت شہر کے
حدود میں محدود تھی اور مصر کی خلافت' قصر خلافت کی دیواروں میں مقید ہو گئی تھی۔ وہاں کا
خلیفہ عاضد اپنے وزیراعظم کے حکم کا پابند تھا۔ جو شخص دارالوزارت پر قابض ہو جاتا۔ وہی
مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا تھا۔ اسی طرح بغداد کی خلافت اس وقت زنگی سلطان
کے ماتحت تھی۔ نور الدین محمود زنگی کا خطبہ بغداد کی مسجدوں میں پڑھا جاتا تھا۔

سلطان نور الدین کے دربار خاص لگانے کا مقصد یہ تھا کہ مصر سے آنے والے ایک
سفیر کی اطلاع پر دربار میں غور کیا جائے۔ جن امرا کو اس دربار میں طلب کیا گیا تھا۔ یہ سب

Marfat.com

کے سب سلطان نور الدین کے دربار سے منسلک تھے اور "امرائے نوریہ" کے نام
پکارے جاتے تھے۔ ان امرا میں دو طرح کے لوگ شامل تھے اول تو وہ جو بہادر ہونے
علاوہ عقل و دانش میں بھی یکتا تھے دوسرے وہ لوگ جو عقل سے بالکل پیدل مگر
سپہگری میں طاق اور مشتاق تھے۔ ان کے علاوہ شہر اور ملک کے وہ معززین بھی شامل ہو
تھے جنہیں عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ مثلاً فقیہ شہر اور کوتوال شہر وغیرہ۔ لیکن یہ امیر
امرائے نوریہ تھے ان کی الگ نہ اپنی کوئی طاقت تھی اور نہ رائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ا
خاص خاص موقعوں پر مشورہ کے لئے طلب کیا جاتا لیکن اس قسم کے اجتماع کو مجل
مشورت کے بجائے دربار خاص کا نام دیا جاتا۔ کسی خاص نکتے پر وہ رائے تو دے سکتے
لیکن فیصلہ سلطان ہی کرتا تھا اور بعض اوقات سلطان کوئی ایسا فیصلہ بھی کر دیتا تھا جس
کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔

لشکر میں زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تیروں کی نوکیں درست کی جا رہی تھ
اور تلواروں پر جلد ہو رہی تھی۔ تیز تلوار ہی اس دور کے مہلک اور مقبول عام ہتھیا
تھے۔ سپاہی کے لئے یہ ضروری تھا کہ اچھا شہسوار ہونے کے علاوہ تیر اندازی اور شمشیر ز
کی اچھی مشق رکھتا ہو۔ شہر میں یہ افواہ گرم تھی کہ سلطان جہاد پر جا رہا ہے حالانکہ خاص
خاص درباریوں کو معلوم تھا کہ یہ تیاریاں مصر جانے کی ہو رہی ہیں۔ امرائے نوریہ کو عل
ہونے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی اس افواہ کی تردید کرنے کے لئے تیار نہ تھا کیونک
سلطان نے اب تک اعلان عام نہ کیا تھا اور جب تک سلطان کی طرف سے اعلان نہ ہ
اس پر کوئی تبصرہ نہ ہو سکتا تھا۔ یہ دربار کی اہمیت اور سلطان کا حکم تھا۔

جب پورا لشکر کیل کانٹے سے درست ہو کر سلطان کے ملاخطہ کے لئے میدان میں جم
ہوا تو سلطان کی طرف سے اعلان ہوا۔

"ملک خدا کا۔ سلطانی سلطان نور الدین محمود زنگی کی اور حکم سلطان شام کا۔ ک
اسلامی لشکر تثلیث پرست عیسائیوں سے جہاد کرنے روانہ ہو رہا ہے۔ خواص اور عوام
جو بھی خود کو سپہ گری کے لائق سمجھتا ہو اور دل میں جہاد کا جذبہ رکھتا ہو تو ناظم لشکر
پاس حاضر ہو کر اپنا نام درج کرائے۔"

یہ وہ ایک عام اعلان تھا جو سلطان کے کسی بھی ملک پر فوج کشی کے وقت کیا جاتا تھا
سلطان لشکر تو اپنے طور پر اکٹھا کرتا تھا یا پھر مختلف قلعداروں اور والیوں سے طلب کرتا
لیکن اس اعلان سے اس کے دو مقصد ہوتے تھے۔ اول یہ کہ اس عوام کی ہمدردی حاصل
ہو جائے اور عوام اسلامی جذبہ کے تحت لشکر کی کامیابی کی دعا کرتے رہیں۔ دوسرا مقصد

Marfat.com

تھا کہ اگر سلطان کسی چھوٹی ریاست پر حملہ کرنے جارہا ہے تو اس کی اسلامی لشکر کی روانگی کا علم ہو جائے اور وہ خوف کھا کے بغیر کسی جنگ کے سلطان کی اطاعت قبول کرے۔ عیسائیوں کی طاقت کوئی کمزور طاقت نہ تھی۔ مسلمانوں کے خلاف وہ فوراً متحد ہو جاتی تھیں اس لئے یہ تو نہیں جاسکتا تھا کہ سلطان کسی چھوٹی ریاست پر فوج کشی کرنے جارہا ہے اور اس نے محض رعب ڈالنے کے لئے اعلان کیا ہے پھر ایسا کیوں کیا گیا اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

لشکر کے ملاحظہ کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ لشکر کے تین حصے کردیئے جائیں۔ یہ بھی ایک تعجب خیز بات تھی۔ لشکر کو ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک حصہ قلعہ میں حفاظت کے لئے رہتا اور باقی لشکر محاذ پر روانہ ہو جاتا لیکن اس وقت لشکر کے تین حصے کرائے گئے تھے کیوں؟ اس کا بھی کسی کے پاس جواب نہ تھا۔ آخر کوچ کی تاریخ کا اعلان ہوا لیکن یہ اعلان بھی الجھا ہوا تھا۔ لشکر عام طور سے صبح کے وقت کوچ کرتے تھے لیکن اس لشکر کو سرشام کوچ کرنا تھا۔ سب نے خاموشی سے اس اعلان کو سنا اور ان کی زبانوں پر خاموشی ہی طاری رہی۔

جس شام کو لشکر کی روانگی تھی اس کی صبح کو ان تمام امرائے نوریہ اور سرداروں کو آخری ہدایات کے لئے شاہی محل میں طلب کیا گیا۔ ان امرائے نوریہ اور سرداروں کی فہرست میں جواں عمر امیر زادے صلاح الدین ایوبی کا نام بھی شامل تھا۔ اس کی اطلاع صلاح الدین کو اس کے دوست امیر زادہ ظفر نے دی۔

"مبارک ہو امیر زادے صلاح الدین تمہیں جہاد کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔" امیر زادے ظفر نے دل گرفتگی سے کہا۔

صلاح الدین نے اس کی افسردگی فوراً محسوس کرلی۔ اس نے جواب دیا۔ "ظفر تم نے یہ خبر اس قدر افسردگی سے کیوں سنائی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں اس سعادت سے محروم رکھا گیا ہے؟"

"ہاں صلاح الدین یہی بات ہے۔ شاید میری قسمت میں شہادت نہیں لکھی گئی۔" امیر زادہ ظفر اور زیادہ غمزدہ ہوگیا۔

اللہ اللہ اس زمانے میں جوانوں کے سینے جوش جہاد اور شوق شہادت سے کس قدر بھرے ہوئے تھے۔ ایک کو جہاد پر بھیجا جاتا اور دوسرے کو موقعہ نہ ملتا تو وہ کس قدر افسردہ ہوتا تھا۔ اسے وہ قسمت کی سب سے بڑی نحوست سمجھتا تھا۔ اس جوش اور شوق کے مقابلے میں آج کے جوان کی کیا کیفیت ہے۔ جہاد کا تو وہ نام بھی نہیں جانتے۔ ان کا ایمان

Marfat.com

اور سیاست تو کلاشنکوف بن چکی ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالج کی کلاسیں میدان جنگ بنی ہوئی ہیں اور ہمارے وہ طلبا جن کے کاندھوں پر مستقبل کی رہبری کا بار پڑنے والا ہے وہ پاگل کتوں کی طرح ایک دوسرے کو بھنبوڑنے اور خون بہانے پر تلے نظر آتے ہیں۔

صلاح الدین نے اسے اس قدر دل گرفتہ دیکھا تو سوال کیا۔ "تم نے یہ خبر کس سے سنی۔ ہو سکتا ہے کہ جانے والوں میں تمہارا نام بھی شامل ہو۔؟"

"مجھے میرے والد صاحب نے بتایا ہے۔" ظفر نے وضاحت کی۔ "انہوں نے مجھے وہ فہرست بھی دکھائی تھی جس میں سلطان کے ساتھ جانے والوں امرائے نوریہ اور دیگر لوگوں کے نام درج تھے۔"

"کیا اس فہرست میں میرے ابا جان نجم الدین ایوب کا نام درج تھا۔" صلاح الدین ایوب نے بڑی امیدوں سے پوچھا۔

"نہ تمہارے بابا کا نام تھا اور نہ میرے بابا کا۔" ظفر کا لہجہ خشک تھا۔ "تعجب کی بات یہ ہے کہ سلطان اپنے ساتھ تقریباً تمام امرائے نوریہ کو لئے جا رہے ہیں۔ آج تک اتنے امرا کسی محاذ پر نہیں گئے۔"

صلاح الدین نے اسے سمجھا بجھا کے واپس کر دیا۔ مگر ظفر کے جہاد پر نہ جانے کا اسے بھی افسوس تھا گھر پہنچا تو اس کے والد نجم الدین ایوب نے پوچھا۔ "یوسف تمہیں معلوم ہے کہ سلطان محاذ جنگ پر جا رہے ہیں؟"

"جی ابا جان۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں بھی جہاد پر جا رہا ہوں لیکن آپ کو اس سعادت سے محروم رکھا گیا ہے؟" صلاح الدین یوسف کے لہجے میں مسرت کی آمیزش تھی۔

"جہاد پر تو پھر تم بھی نہیں جا رہے ہو۔" نجم الدین ایوب نے ہنستے ہوئے کہا۔

صلاح الدین چونکا۔ "آپ کا فرمانا ضرور درست ہو گا لیکن امیر زادہ ظفر نے مجھے بتایا ہے کہ سلطان مجھے اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں اور میرا نام امرائے نوریہ کی اس فہرست میں شامل ہے جنہیں ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔" صلاح الدین نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

امیر زادہ نے بھی صحیح کہا ہے۔" نجم الدین اب بھی مسکرا رہے تھے۔

صلاح الدین اور زیادہ الجھ کے رہ گیا۔ "مگر ابا جان ـــ وہ ـــ"

صلاح الدین کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وقت اسد الدین شیر کوہ آ گئے اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ صلاح الدین انہیں سلام کر کے ایک طرف چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

Marfat.com

"تمہیں اطلاع مل گئی نا؟" شیر کوہ نے صلاح سے پوچھا۔

"کس بات کی اطلاع؟" صلاح الدین نے چڑ کے جواب دیا۔

"ارے بھئی یہی کہ تمہیں آج شام روانہ ہونا ہے۔" شیر کوہ نے بتایا۔

"لیکن ابا جان تو کہہ رہے ہیں کہ میں سلطان کے ساتھ نہیں جارہا ہوں۔۔" صلاح الدین نے بے بسی سے کہا۔

شیرکوہ نے سوچتے ہوئے صلاح الدین کے الفاظ دہرائے۔ "سلطان کے ساتھ نہیں ۔۔" پھراس نے رک کر نجم الدین کی طرف دیکھا۔

نجم الدین ایوب نے تبسم آمیز لہجے میں کہا۔ "ہاں میں نے صلاح الدین سے کہا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ جہاد پر نہیں جارہا ہے۔"

"ٹھیک تو کہا بھائی نجم الدین نے۔" شیر کوہ بھی مسکرانے لگے۔ "تم جہاد پر نہیں جا رہے ہو۔"

"جارہے ہو۔ نہیں جارہے ہو۔" صلاح الدین بوکھلا گیا۔ "ابا جان ایک زبان میں کہتے ہیں تم جارہے ہو اور دوسری زبان میں فرماتے ہیں تم سلطان کے ساتھ نہیں جارہے ہو۔ آپ بھی یہی فرما رہے ہیں۔ آخر میں اس سے کیا سمجھوں؟"

"دونوں باتیں سچ ہیں صلاح الدین بیٹے۔" اسد الدین شیر کوہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم سلطان معظم کے ساتھ نہیں میرے ساتھ جارہے ہو۔"

"تو کیا آپ سلطان کے ساتھ نہیں جارہے ہیں؟" صلاح الدین نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ میں نے کب کہا؟" شیر کوہ بولے۔ "اسے یوں سمجھو کہ میں سلطان کے ساتھ جارہا ہوں اور تم میرے ساتھ جارہے ہو۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا چچا جان۔ یہ سب کیا ہے۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔" صلاح الدین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"بھئی اب اسے زیادہ پریشان نہ کرو اسد الدین۔ اصل بات سمجھا دو۔" نجم الدین نے شیر کوہ سے کہا۔ "سلطان کس وقت روانہ ہو رہے ہیں؟"

"دونوں لشکر عصر کی نماز کے بعد روانہ ہوں گے۔" پھر شیر کوہ نے صلاح الدین کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا۔

صلاح الدین قریب آیا تو شیر کوہ نے سرگوشیوں میں کہا۔ "میری بات غور سے سنو صلاح الدین لشکر سہ پہر کو روانہ ہوگا۔ ہم تم اور منتخب امرائے نوریہ سلطان کے ساتھ ہوں

Marfat.com

گے لیکن روانگی کے بعد رات کے اندھیرے میں لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے
ایک حصہ لے کر سلطان' عیسائی سرحدوں کی طرف روانہ ہوجائیں گے اور دوسرا حصہ میں
سرداری میں دوسری طرف جائے گا۔"

صلاح الدین حیرت سے شیر کوہ کو دیکھ رہا تھا۔ "آپ لشکر لے کر کدھر جائیں گے
جان؟" صلاح الدین کے دل میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہو رہے تھے۔

"تمہیں یہ سوال پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن جب پوچھ ہی بیٹھے ہو تو بتائے
دیتا ہوں۔" شیر کوہ کے لہجے میں ذرا تلخی آگئی تھی۔

اس وقت نجم الدین نے دخل دیا۔ "صلاح الدین تمہارے چچا امیر الامراء کو ایک لشکر
کا سپہ سالار بنا کر ملک شاور کے ساتھ مصر بھیجا جارہا ہے۔ باقی باتیں تم خود جانتے ہو۔"

صلاح الدین کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا۔ اس نے شاید اسی جھلاہٹ میں کہا۔ "میں مصر
نہیں جاؤں گا ابا جان۔"

اتنا کہہ کر صلاح الدین منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی ماں کے
کمرے میں چلاگیا۔ نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیر کوہ اسے دیکھ کر رہ گئے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر شیر کوہ نے کہا۔ "یہ کیا ہوگیا ہے صلاح الدین کو۔ ایسے
موقعے بار بار نہیں آیا کرتے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" نجم الدین بھی پریشان ہوگئے تھے۔ "جس وقت آیا تھا تو
بہت خوش تھا۔ کہہ رہا تھا کہ جہاد پر جانے والوں میں اس کا نام خود سلطان نے لکھا ہے مگر
اب مصر کے نام پر وہ بھڑک گیا۔"

"یہ باتیں صلاح الدین کے سوچنے کی نہیں۔" شیر کوہ کے لہجے میں ناگواری کے آثار
پیدا ہوگئے تھے۔ "اسے پتہ نہیں کہ جہاد کا اعلان ایک جنگی چال ہے ورنہ جہاد ہونے کی
کوئی امید نہیں۔"

"تم جاؤ شیر کوہ۔ میں اسے سمجھالوں گا۔" نجم الدین نے شیر کوہ کا مزاج بگڑتے دیکھ
کر کہا۔

شیر کوہ کے غصے سے سب ہی گھبراتے تھے۔ اسے ایک تو غصہ آتا ہی نہ تھا لیکن جب
اس کا مزاج بگڑتا تو پھر قیامت ہی آجاتی۔ کسی کو دم مارنے کا یارہ نہ ہوتا۔ نجم الدین اسے
اسی لئے ٹال رہا تھا کہ اس کے جانے کے بعد وہ صلاح الدین کو پوری بات سمجھائے گا۔ نجم
الدین کو امید تھی کہ صلاح الدین اس کا کہنا ٹال نہیں سکے گا لیکن یہ باتیں وہ شیر کوہ کے
سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

Marfat.com

شیر کوہ اک دم اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ "میں خود اس سے بات کروں گا۔ دیکھوں تو کیسے نہیں مانتا وہ سلطان کے سامنے میرا منہ کالا ہو جائے گا۔"

نجم الدین نے اس کا ہاتھ پکڑ کے بٹھا دیا۔ "تم یہیں ٹھہرو شیر کوہ۔ میں اسے لے کے آتا ہوں۔"

نجم الدین کو بھی شاید غصہ آگیا تھا۔ وہ سیدھا صلاح الدین کے پاس گیا اور تند لہجے میں بولا۔

"یوسف۔ مجھے آج تک شیر کوہ نے جواب نہیں دیا لیکن تم نے اسی شیر کوہ کے سامنے مصر جانے سے صاف انکار کردیا۔ ٹھیک ہے تمہارے پاس انکار کی کوئی دلیل ضرور ہو گی لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ تم بڑوں سے گستاخی کرو۔"

صلاح الدین بوڑھے باپ کی آنکھوں میں غصہ دیکھ کر سہم گیا۔ "میں نے گستاخی نہیں کی لیکن ابا جان کیا مجھے اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا بھی حق نہیں؟"

"ضرور ہے۔ تم سمجھدار ہو صلاح الدین۔" نجم الدین نے نرمی سے کہا۔ "لیکن تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ سلطان نور الدین تمہارے آقا ہیں۔ ولی نعمت ہیں۔ ان کی ہر بات تمہارے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ جہاں تک تمہارے مصر جانے کا سوال ہے تو اس کا حکم سلطان نے نہیں دیا بلکہ یہ فیصلہ شیر کوہ کی درخواست پر سلطان نے کیا ہے۔"

"ابا جان۔ مجھے جہاد پر جانے کی خوشی تھی۔ اس وقت میں کہیں اور نہیں جانا چاہتا۔ مصر جانے سے جہاد کا ثواب اور برکتیں تو نہیں حاصل ہوسکتیں؟" صلاح الدین کے پاس واقعی مصر نہ جانے کی ایک ٹھوس اور ایسی دلیل تھی جس سے انکار کرنا مشکل تھا۔

نجم الدین نے نرمی سے جواب دیا۔ "تم نے درست کہا یوسف۔ جہاد پر کسی اور چیز کو فوقیت نہیں دی جاسکتی لیکن تم اصل حالات سے واقف نہیں اس لئے اس دلیل کا سہارا لے رہے ہو ورنہ جب تم پر اصل حال کھلے گا تو تم شیر کوہ کی عقل کے قائل ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ شیر کوہ نے تمہیں جہاد سے روک کر مصر لے جانے کی کیوں درخواست کی۔ یہ ایک شاہی راز ہے جسے افشا کرنے کی مجھے اجازت نہیں لیکن آج کے سفر کی آدھی منزل طے کرنے کے بعد یہ راز خود بخود کھل جائے گا اس وقت تم اپنے چچا کی تعریف کرو۔"

"ابا جان مجھے کچھ تو ضرور معلوم ہونا چاہئے۔ آخر اس میں میرا مستقبل اور میری ذات بھی ملوث ہے۔؟" صلاح الدین جیسے ضد پکڑ گیا تھا۔

"صلاح الدین۔" نجم الدین نے چیخ کے کہا۔ "یہ تمہاری دوسری گستاخی ہے۔ سپاہی

Marfat.com

اپنے سردار سے یہ نہیں پوچھا کرتا کہ اسے محاذ پر کیوں بھیجا جارہا ہے جبکہ اس کے سا
آرام کر رہے ہیں۔ اس قسم کی بحث اور جرح حکم عدولی اور بغاوت کہا جاتا ہے۔ تعمیل
سپاہی کا پہلا فرض ہے۔ شیر کوہ تمہارے سردار بلکہ سپہ سالار ہیں۔ ان کے ہر حکم کے
سامنے تمہیں سر جھکانا چاہئے۔"

"مجھے افسوس ہے ابا جان۔" صلاح الدین کا غصہ اب دم کافور ہو گیا۔ "مجھے ایسا
جواب نہ دینا چاہئے تھا۔ آپ چچا جان سے کہہ دیجئے۔ وہ جہاں کہیں گے وہاں جاؤں گا۔"

نجم الدین ایوب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "شاباش یوسف تمہیں یہی طریقہ کرنا
چاہئے میرے ساتھ چلو اور شیر کوہ کے سامنے معذرت کرو۔"

صلاح الدین بلا عذر باپ کے ساتھ ہولیا۔

"مجھے افسوس ہے چچا جان۔" صلاح الدین نے شیر کوہ کے سامنے پہنچ کے معذرتانہ
انداز میں کہا۔ "امید ہے آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔"

شیر کوہ نے بڑی مسرت سے اسے گلے لگایا۔ "صلاح الدین تحمل' صبر اور بردباری ایک
سپاہی کی شناخت ہے۔ بے صبری اور پھوتی صرف میدان جنگ میں کام آتی ہے۔ تم پہلے
امتحان پر جا رہے ہو۔ اس امتحان پہ تمہارے مستقبل کا انحصار ہے۔ ہم مصر کے معزول
وزیر ملک شاور کے ساتھ مصر جا رہے ہیں۔ میرے اور بھائی نجم الدین کے بعد تم تیسرے
آدمی ہو جسے اس راز سے آگاہ کیا جارہا ہے۔"

"چچا جان میں آئندہ کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گا۔" صلاح الدین
نے سر جھکا کے کہا۔

لشکر کا ایک حصہ دمشق میں چھوڑا گیا اور باقی دو حصے سلطان کے ساتھ جہاد کے لئے
روانہ ہوئے۔ لشکر کی روانگی سرشام رکھی گئی تھی اس لئے دمشق اور قریب و جوار کے تمام
آبادی لشکر اسلام کو الوداع کہنے قصر کے سامنے کے میدان میں جمع ہو گئی۔ لشکر وہاں پہلے ہی
موجود تھا۔ سلطان نور الدین محمود زنگی وقت کا بڑا پابند تھا اس لئے لشکر کی روانگی ٹھیک
وقت پر ہوئی۔ سلطان کے ساتھ جانے کے لئے جن امرائے نوریہ کا انتخاب کیا گیا تھا ان
میں سے عین الدولہ باروقی' قطب الدین نیال' سیف الدین سطوب ہکاری' شہاب الدین
محمود حارمی اور فقیہ عیسیٰ ہکاری زیادہ مشہور تھے۔ ان لوگوں نے آگے چل کے بڑے بڑے
کارنامے انجام دیئے۔ ان کے علاوہ امیر الامرا اسد الدین شیر کوہ اور صلاح الدین یوسف
تھے۔ صلاح الدین کے علاوہ باقی سب امراء' سلطان کے ہر سفر میں ہمرکاب ہوتے تھے۔

عوام نے بڑے جوش و خروش سے لشکر کو رخصت کیا۔ سب سے آگے سلطان نور

Marfat.com

الدین محمود زنگی کا گھوڑا تھا۔ اس کے دائیں جانب امیر الامراءاور سپہ سالار لشکر اسدالدین شیر کوہ چل رہا تھا۔ دوسرے امرا سلطان کے بائیں طرف چل رہے تھے۔ لشکر کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہی اندھیرا پھیلنے لگا پھر گہری تاریکی چھا گئی۔ نصب شب تک لشکر اسی انداز سے چلتا رہا پھر ایک آبادی کے قریب سلطان نے راسیں کھینچ کے اپنا گھوڑا روک لیا اس کے ساتھ ہی پورا لشکر رک گیا اور سلطان نے منزل کرنے کا حکم دیا۔ سب لوگوں کو تعجب تھا کہ سلطان نے نصب منزل پر قیام کا حکم کیوں دیا لیکن کسی میں پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ سلطان کے حکم کی تعمیل شروع ہوگئی۔ باربرداری کے جانوروں پر سے سامان اتارا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے راستے کے ایک طرف دور دور تک قطار و قطار خیمے لگ گئے۔ سلطان کا خیمہ ایک اونچے مقام پر نصب کیا گیا پھر اسی وقت سلطان کے خیمے میں ساتھ آنے والے تمام امرائے نوریہ کو جمع کیا گیا۔

سب سے آخر میں امیر الامرا اسد الدین شیر کوہ خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ صلاح الدین یوسف بھی تھا۔ امراء نوریہ نے ناگوار انداز میں صلاح الدین کو دیکھا اور ان میں سے بعض کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ سلطان کا خیمہ دہرا تھا یعنی اس کے دو حصے تھے۔ اگلے حصے میں تمام امرا جمع تھے اور سلطان ابھی دوسرے حصے میں تھا وہ تمام امرا کے جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ امرائے نوریہ زمین پر بچھے فرش مخملیں پر بیٹھے تھے۔ صلاح الدین اپنے چچا اسد الدین شیرکوہ کے برابر بیٹھ گیا۔

امیر عین الدولہ نے فورا" اعتراض کیا۔ "امیر محترم شیر کوہ ہماری محفل میں اس بچہ کو لانے کا کیا مقصد ہے؟"

امیر نے عین الدولہ کو گھور کے دیکھا۔ "اس بچہ کو میں لایا نہیں ہوں بلکہ اسے بلایا گیا ہے۔"

عین الدولہ نے اس سختی سے جواب دیا۔ "امیر آپ اس کے چچا ہیں۔ اور کون بلا سکتا ہے اسے یہاں؟"

شیر کوہ نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔ یہ سوال آپ سلطان عالی مقام سے کیجئے گا۔ صلاح الدین یوسف عالیجاہ کے حکم سے یہاں آیا ہے۔"

اسی وقت سلطان دوسرے حصے سے ادھر آگئے۔ " ہم نے بلایا ہے صلاح الدین یوسف کو۔ کون اعتراض کر رہا ہے؟ "

"کوئی نہیں عالیجاہ۔" اسدالدین شیر کوہ نے غصہ دبایا اور فورا" بات بنائی۔ "صلاح الدین کم عمر ہے اس لئے اس محفل میں الگ الگ لگتا ہے۔"

Marfat.com

"ہم نے اسی لئے صلاح الدین کو تمہارے سپرد کیا ہے شیر کوہ۔" سلطان قالین پر اک مسند کے سہارے بیٹھ گئے۔ ہم اس جوان کو مصر سے واپسی پر ایک سنجیدہ سردار دیکھنا پسند کریں گے تاکہ کسی امیر کو اس کے بچہ ہونے پر اعتراض نہ ہو۔"

سلطان نے شیر کوہ اور عین الدولہ باروتی کی نرم گرم گفتگو سن لی تھی لیکن انہوں نے دونوں میں سے کسی کو سرزنش نہیں لیکن عین الدین کی سخت کلامی شاید انہیں ناگوار گزری تھی اور خطرہ تھا کہ وہ اس بھرے دربار میں کوئی اور سخت بات نہ کہہ بیٹھے اس لئے سلطان نے اسے تنبیہہ کردی۔ امرائے نوریہ سلطان کے مصر کے اشارے پر چونک اٹھے تھے اور ایک دوسرے کو نظریں بچا بچا کے دیکھ رہے تھے۔ انہیں بالکل معلوم نہ تھا کہ سلطان کے کیا ارادے ہیں۔ امرائے نوریہ کو اس کی اطلاع بھی نہ تھی کہ مصر کا معزول وزیراعظم بھی لشکر میں موجود ہے سلطان نے اسے لشکر کے پچھلے حصہ کے ساتھ چلنے کا حکم دیا تھا۔

تمام سردار اور امیر دست بستہ کھڑے تھے۔ سلطان نے گفتگو کا آغاز کیا "اے امرائے نوریہ اور تخت و تاج کے جانثارو۔ وقت کم ہے اور سفر بہت طویل۔ اس لشکر کی روانگی اور سفر کا اصل مقصد ہم نے اپنے وفاداروں سے قصداً پوشیدہ رکھا تھا اس لئے کہ دمشق میں تمام دشمن ممالک کے جاسوس کسی نہ کسی بھیس میں ہروقت گھومتے رہتے ہیں اس کے علاوہ دمشق ایک بڑی تجارتی شاہراہ پر واقع ہے اس لئے شہر کی سرائیں شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے تاجروں سے ہروقت بھری رہتی ہیں اور یہ تاجر جدھر جاتے ہیں ادھر دمشق کی خبریں بھی لے جاتے ہیں اس طرح وہ لاشعوری طور پر جاسوسی کے مرتکب ہوتے ہیں اور انہیں اس فعل سے نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ انہیں اس کی کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔"

سلطان سانس لینے کے لئے رکا اور ہر ایک کے چہرے پر فرداً فرداً نظر ڈالی۔ ہم نے دمشق میں اعلان کیا تھا کہ ہم جہاد پر جارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارا جہاد عیسائیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بے شک ہم عیسائیوں سے ضرور جہاد کریں گے۔ لیکن اس وقت مصر کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ مصر کی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق مصر کے موجودہ وزیراعظم ملک ضرغام اور یروشلم کے بادشاہ شاہ ایمارک میں ایک نئے معاہدہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ مصر ہر سال ایک خطیر رقم شاہ یروشلم کو بطور خراج ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہی ایک ہتک آمیز بات ہے نہ کہ اس نئے معاہدے کے تحت مصر میں عیسائی لشکر کی ایک معقول تعداد مستقل طور پر رہا کرے گی۔ جس کے تمام اخراجات کے علاوہ پہلے سے ادا کئے جانے والے خرچ کی رقم دوگنی کر دی جائے گی۔ جس کے لئے ہم شیر کوہ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ دو ہزار سواروں کو لے کر صبح ہونے سے پہلے مصر کی طرف روانہ ہو جائے۔

Marfat.com

مصر کے معزول وزیراعظم ملک شاور اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ شیر کوہ کی رہنمائی کریں گے۔ کسی کو کچھ کہنا یا دریافت کرنا ہو تو اجازت ہے۔

کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ سلطان نے ذرا انتظار کے بعد کہا "شیر کوہ اس لشکر کشی کے سپہ سالار ہوں گے ان کی مدد ایک مجلس مشورت کرے گی جن کے ارکان ہمارے امرائے نوریہ میں سے سیف الدین مسلوب ہکاری' عین الدولہ باروقی' قطب الدین نیال' فقیہ عیسی ہکاری اور شہاب الدین محمود حارمی ہوں گے۔"

سلطان نور الدین نے اپنی بات ختم کرنے کے بعد ایک بار پھر انتظار کیا کہ شاید کوئی بولے لیکن کسی میں بولنے کی ہمت نہ تھی۔ آخر سلطان نے کہا۔ "سب لوگ جاسکتے ہیں شیر کوہ تم اپنی مرضی کے دو ہزار سوار منتخب کرسکتے ہو۔"

سلطان نورالدین زنگی کے جہاد پر روانہ ہونے سے پہلے ہی یہ خبر یروشلم پہنچ گئی۔ سلطان نے خود ہی اس خبر کو عام کرنے کا اشارہ دیا تھا۔ سلطان کی حکمت عملی یہ تھی کہ شاہ یروشلم پریشان ہو کر اور مصر کا خیال چھوڑ کے اپنے علاقوں کو بچانے کی فکر میں لگ جائے اور اس دوران شیر کوہ ریگستان پار کر کے مصر پہنچ جائے۔ سلطان کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی۔ شاہ یروشلم کچھ ایسا پریشان ہوا کہ اس نے اپنی شمالی سرحد کی طرف ایک لشکر روانہ کردیا۔ دوسری طرف جب مصری وفد کو یہ معلوم ہوا کہ یروشلم اور سلطان میں جنگ ہونے والی ہے تو وہ سمجھ گئے کہ اب یروشلم سے انہیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ انہوں نے یروشلم میں ٹھہرنا بیکار سمجھا اور بڑی تیزی سے مصر واپس ہوگئے۔

مصر میں بھی طرح طرح کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔ پورا مصر افواہوں کی لپیٹ میں تھا۔ ضرغام کو امید تھی کہ اس کے دونوں چالاک بھائی ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام شاہ یروشلم کو ضرور منالیں گے اور وقت ضرورت اسے یروشلم سے فوجی مدد مل جائے گی لیکن اس کے بھائیوں نے واپس جا کر کچھ اور ہی حالات بیان کئے۔ ان دونوں کی چالاکی یروشلم میں تو چل نہ سکی تھی اور یہ دوگنا اخراج دے آئے تھے لیکن انہوں نے بھائی کے سامنے واقعی بڑی چالاکی سے باتیں بنائیں۔

وزیراعظم مصر ضرغام نے بڑی امیدوں سے پوچھا۔ "میرے برادران گرامی نے یروشلم کے بھیڑیئے کو ضرور سبز باغ دکھا کر دوستی پر راضی کرلیا ہوگا۔"

فخر الدین ہمام نے بڑی مکاری سے جواب دیا۔ "خداوند وزیراعظم کی عمر دراز کرے۔ ہم نے شاہ یروشلم پر ایسا روغن قاز ملا کہ وہ بھیگی بلی بن گیا۔ پھر اس نے ہماری ایسی خاطر و مدارت کی کہ کسی بادشاہ کی خاطر ہوگی۔ کیوں بھائی ناصرالدین میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

Marfat.com

دونوں بھائیوں میں پہلے ہی ملی بھگت ہوگئی تھی۔ ناصرالدین نے ترنگ کے کہا۔ "آپ کا جلال قائم رکھے۔ شاہ ایمالرک ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اس نے ہمیں فاتح سردار کے القاب سے مخاطب کیا اور استقبال میں آنکھیں بچھا دیں۔"

گزشتہ قسط میں مصر اور یروشلم کی جنگ کا حال بیان کیا گیا تھا۔ اس میں اگرچہ مصری لشکر جو فخرالدین ہمام اور ناصرالدین ہمام کی سپہ سالاری میں لڑا تھا وہ یروشلم کے عیسائی لشکر سے شکست کھا گیا تھا لیکن مصریوں نے تمام آبی راستے اور پشتے توڑ کر ملک میں مصنوعی سیلاب پیدا کردیا تھا۔ شاہ یروشلم کو اس سیلاب کی وجہ سے مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اس کے باوجود فخرالدین اور ناصرالدین خود کو فاتح سمجھتے تھے۔

وزیراعظم ضرغام ان لن ترانیوں سے چڑ گیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ "ان فضول باتوں کو بند کرو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ شاہ ایمالرک نے کیا جواب دیا؟"

ناصرالدین سٹ پٹا گیا لیکن سنبھل کے بولا ۔۔ "خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جواب دینے کی اس کی کیا ہمت تھی۔ وہ ہمیں اپنا لشکر حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن یروشلم کے مالی حالات آج کل بہت خراب ہیں۔ خزانہ خالی پڑا ہے۔ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں میں نے شاہ کو تسلی دی اور ۔۔" ناصر ہمام نے رک کے فخرالدین ہمام کو دیکھا۔

فخرالدین پہلے سے تازہ دم تھا۔ اس نے بھائی کی بات پر فوراً گرہ لگائی۔ "اس فقیر کو علم ہے کہ مصر ایک دولتمند ملک ہے۔ چنانچہ اس نے دست سوال بڑھایا اور ہم نے اس کے کشکول میں مقررہ رقم کے علاوہ بطور خراج کچھ زیادہ رقم ڈال دی۔"

"بس وہ آپ کا مطیع ہوگیا ہے۔" ناصرالدین نے بات آگے بڑھائی۔ "کہنے لگا کہ دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔ پھر اس نے آپ کو ہزاروں دعائیں دے ڈالیں ۔۔۔"

وزیراعظم غصہ سے بے قابو ہوگیا۔ "ناصرالدین کے بچے ہمیں دعائیں نہیں فوجی مدد چاہئے۔ اس بارے میں اس نے کیا جواب دیا؟"

ناصرالدین کے بجائے فخرالدین بولا۔ "وزیر بھائی ۔ ننگا کیا دھوئے گا اور کیا نچوڑے گا ۔ فوج اس کے پاس کہاں۔ اس کے لشکر کا بیشتر حصہ ہم سے مقابلہ میں مارا گیا۔ مدد دینا تو ایک طرف وہ تو ہم سے مدد مانگنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا کہ دمشق کا سلطان نورالدین محمود زنگی، یروشلم پر بڑھا چلا آرہا ہے۔ یاری اور دوستی دکھانے کا یہی وقت ہے۔ جو مدد کرسکتے ہو فوراً بھیجو ورنہ یروشلم ختم ہوا تو پھر مصر میں کچھ نہیں دوسری یلغار میں خدانخواستہ مصر کا صفایا ہو جائے گا۔"

ضرغام بھی فکر مند ہوگیا۔ "اس کا مطلب ہے تم جیسے خالی ہاتھ گئے تھے ویسے ہی

Marfat.com

واپس آگئے ہو۔ خراج دیتے دیتے اپنی جیبیں بھی خالی کر دی ہیں۔ اب ہمارا کیا بنے گا؟"

"کچھ نہیں بنے گا اور بنے گا تو بہتر بنے گا۔" فخر الدین نے بڑے فخر سے کہا۔ "مغرور شاور کو ہم نے شکست دی۔ ایمارک شاہ یروشلم کو ہم نے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اگر دمشق کے سلطان نے مصر کا رخ کیا تو اسے بلبیس کے ریگستان میں دفن کر دیں گے۔"

"تم دونوں غارت ہو جاؤ۔" ضرغام بے بسی سے بولا۔ "برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ بلبیس کے دفاع کو اور مضبوط کرو خدا نہ کرے ان کا رخ ادھر ہو ورنہ غضب ہو جائے گا۔ شاور وہاں پہلے ہی پہنچا ہوا ہے اس نے اپنی گورنری کے زمانہ میں صعید والوں کو جانے کیا گھول کے پلا دیا تھا کہ وہ اب تک اس کا دم بھرتے ہیں روز کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں۔"

ملک شاور' مصر کا وزیراعظم ہونے سے پہلے صعید یا صعیدہ کا گورنر تھا۔ اس کے خلاف دربار میں سازش ہوئی اس وقت ضرغام' محلات شاہی کا داروغہ تھا۔ اس نے ملک شاور کو سازش سے آگاہ کر کے اس کی جان بچائی پھر اسی ضرغام کی کوششوں سے ملک شاور مصر کا وزیراعظم ہوا تھا لیکن وزیر ہوتے ہی اس نے ضرغام کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دونوں میں جنگ چھڑ گئی اور ضرغام نے امرائے برقیہ کی مدد سے ملک شاور کو ملک سے نکال باہر کیا۔ ملک شاور کا سلوک اپنے صوبہ صعیدہ والوں کے ساتھ بہت اچھا تھا اس لئے ملک شاور کے معزول ہونے کے بعد بھی صعیدہ والے اسے یاد کرتے۔ ملک شاور کی بیوی' بہن اور دو بچیاں اس وقت بھی صعیدہ میں پناہ حاصل کئے ہوئے تھیں۔ بعض مفاد پرستوں نے یہ خبر ضرغام کو پہنچا دی تھی اور اس نے کئی بار فوجی سوار بھیج کر صعید کے گھر والوں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن گھر گھر تلاش کے باوجود وہ شاور کے اہل خانہ کو نہ پا سکے تھے۔

عامر غزلی جو ملک شاور کا سالا تھا اس کی اور زرتاج کی آخری ملاقات ملک شاور کی حویلی کے کھنڈرات میں ہوئی تھی۔ صعیدہ میں عامر غزلی کا زیادہ قیام اس کے اور زرتاج دونوں ہی کے لئے خطرناک تھا۔ وہ کسی وقت بھی پکڑے جا سکتے تھے۔ اس نے قاہرہ پہنچ کے ملک شاور کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں پر جب اسے کامل یقین ہو گیا کہ ملک شاور دمشق پہنچ چکا ہے تو اس نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا۔ یہ بات انہی دنوں کی ہے جب وزیر مصر ضرغام کے حکم سے اس نے دونوں بھائی کچھ فوج لے کے بلبیس جا رہے تھے۔ اتفاق سے ایک قافلہ بھی ادھر ہی جا رہا تھا۔ عامر غزلی قافلہ کے ساتھ ہو لیا۔ اسی طرح عامر غزلی اور مصری فوج آگے پیچھے بلبیس پہنچے۔

Marfat.com

عامر غزلی نے سوچا تھا کہ وہ ایک دو روز بلبیس میں ٹھہرنے کے بعد یروشلم روانہ ہو جائے گا کیونکہ دمشق جانے والا راستہ یروشلم ہو کر گزرتا تھا لیکن دوسرے ہی دن بلبیس میں افواہ پھیلی کہ شاہ یروشلم اور ملک شام کے سلطان نور الدین زنگی کی فوجوں میں جھڑپیں شروع ہو گئی ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ قلعہ کا راستہ بند ہوگیا اور عامر غزلی کا یروشلم جانا بیکار ہے۔ اس غریب کی زندگی مسافرانہ بن کے رہ گئی تھی۔ آج اس سرائے میں تو کل اس سرائے میں۔ وہ شہروں شہروں اور قصبوں قصبوں اسی طرح خانہ برباد پھر رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہر جگہ مسافروں کے لئے سرائیں ہوتی تھیں جن کا کرایہ بہت کم ہوتا تھا۔ اس سراؤں پر علاقے کے حاکم کا سخت دباؤ رہتا تھا اس لئے سرائے کے مالکان نہ تو کرایہ بڑھا سکتے تھے اور نہ کھانے پینے کی چیزوں کے نرخ بڑھ سکتے تھے۔

اب عامر غزلی مجبور ہو کر بلبیس کی ایک سرائے میں بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے کہ جب تک مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگ ختم نہیں ہوتی اس وقت تک قافلوں کی آمدورفت خطرے سے خالی نہ تھی۔ شمال کی طرف جانے والے تمام قافلے رک کے رہ گئے تھے۔ یروشلم تک کا راستہ اگرچہ کھلا ہوا اور محفوظ تھا لیکن کوئی قافلہ یروشلم جانے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔ عامر غزلی کے یہ دن بہت بے کیف گزر رہے تھے بے کیف دن تو وہ بلبیس آنے سے پہلے بھی گزار رہا تھا۔ یہ ادبار اور مصیبت اس پر اس وقت سے نازل ہوئی تھی جس دن سے اس کے بہنوئی ملک شاور کے دماغ میں مصر کی وزارت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ ملک شاور بڑا موقعہ شناس تھا لیکن ضرغام کے معاملے میں وہ دھوکہ کھا گیا۔ اس نے ضرغام کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور اس سے بگاڑ کر بیٹھا۔ اس نے اگرچہ وزارت حاصل کرلی تھی لیکن ضرغام کی دشمنی نے اسے ایک دن بھی چین نہ لینے دیا اور آخر اسے اپنے تینوں بیٹوں میں سے بڑے بیٹے علی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ باقی دو طے اور کامل کا بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ جا کے چھپ گئے یا کسی کے ہاتھوں مارے گئے۔

عامر غزلی کا دل سرائے میں بہت گھبراتا تھا۔ یہ ایک ریگستانی شہر تھا لیکن فوجی نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ یہاں سے گزرنے والی شاہراہ یروشلم، دمشق، انطاکیہ اور اس سے اوپر کے شمالی شہروں تک جاتی تھی۔ یہیں سے مشرق وسطی کا ریگستان شروع ہوتا تھا۔ مصر کا سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے اسے مصر کا دروازہ بھی کہتے تھے۔ بلبیس پر قبضہ کے بعد قاہرہ تک آسانی سے پہنچا جاسکتا تھا کیونکہ درمیان میں اور کوئی مضبوط قلعہ نہ تھا۔ یروشلم اور مصر میں جو جنگ ہوئی تھی وہ بھی بلبیس پر لڑی گئی تھی جس میں مصریوں کو شکست ہوئی تھی لیکن مصری سپہ سالار نے آج راستے اور پشتے تڑوا کے یروشلم کے آگے

Marfat.com

بڑھنے کا راستہ روک دیا تھا۔

پھر ایک صبح خبر پھیلی کہ بلبیس کی سرحد پر جنگ شروع ہو گئی۔ جنگ کس سے ہو رہی تھی اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ عامر غربی سو کے اٹھا تھا کہ اس کے کانوں میں جنگ کی خبر پڑی۔ وہ ششدر رہ گیا کیونکہ جنگ صرف یروشلم کے عیسائی بادشاہ ایمالرک سے ہو سکتی تھی لیکن اس وقت اس کی فوجیں شمال میں صفیں باندھے کھڑی تھیں کیونکہ دمشق کا سلطان نور الدین محمود زنگی یروشلم کی سرحد تک پہنچ چکا تھا اور کسی وقت بھی ایک خوفناک جنگ چھڑ سکتی تھی۔ یوں زنگی لشکر اور عیسائی لشکر میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں روز ہی ہوا کرتی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کسی بڑی جنگ سے کترا رہے تھے یا پھر مزید تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان حالات میں شاہ ایمالرک کا شمالی محاذ چھوڑ کر بلبیس پر حملہ کرنا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایسے وقت میں اسے مصر سے صلح رکھنا چاہئے تھی۔

عامر غربی کپڑے بدل کر شہر گھومنے نکل گیا۔

شہر والوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ جنگ کس سے ہو رہی ہے بس ہر شخص پریشان اور خوفزدہ تھا۔ کچھ دن پہلے مصریوں اور یروشلم کے عیسائیوں کے درمیان اسی شہر کے مضافات میں جنگ ہوتی تھی اور مصریوں کی شکست کے بعد اس شہر کی شامت آگئی تھی۔ عیسائیوں نے اسے خوب لوٹا تھا۔ ابھی شہر والے سنبھل بھی نہ پائے تھے۔ کہ جنگ ایک بار پھر ان پر مسلط کردی گئی۔ ادھر کچھ دنوں پہلے قاہرہ سے کچھ تازہ دم مصری لشکر آیا تھا اور وزارت مآب ضرغام کے دونوں بھائی فخر الدین ہمام اور ناصر الدین پھر شہر میں نظر آرہے تھے۔ ان کی موجودگی سے شہر والوں نے اندازہ لگایا تھا کہ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے اور جلد یا بدیر جنگ کے شعلے پھر بھڑکیں گے۔

عامر غربی نے شہر کی اس کونے سے اس کونے تک کئی چکر لگائے۔ بازار اور گلیاں سونی پڑی تھیں۔ پیدل چلنے والوں اور سواریوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لوگ اس طرح چل رہے تھے جیسے بھاگ رہے ہو۔ عامر غربی نے پاس سے گزرتے ہوئے ایک آدمی کو روک کے پوچھا۔ "برادر۔ یہ کیسی افواہ ہے۔ جنگ کس سے ہو رہی ہے۔ کیا کسی نے حملہ کیا ہے؟"

"کچھ پتہ نہیں برادر ـــ" اس نے مختصر سا جواب دے کر قدم آگے بڑھائے۔

عامر غربی نے لپک کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "پھر آپ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں تو پھر پریشانی اور گھبراہٹ کیسی۔ شہر میں ایسا سناٹا ہے جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔"

Marfat.com

اجنبی نے بے بسی سے عامر غربی کو دیکھا۔ "برادر مجھے جانے دیجئے۔ میرا بچہ سخت بیمار ہے۔ میں حکیم سے دوا لے کے جارہا ہوں۔"

عامر غربی نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تمہیں واقعی بہت جلدی ہوگی۔ جاؤ بھائی مجھے معاف کر دینا۔"

اجنبی نے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

عامر غربی نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا بھگائے چلا آرہا ہے۔ کچھ قریب آکر وہ رکا۔ گھوڑا گھما کے پیچھے دیکھا پھر دوبارہ گھوڑا سرپٹ دوڑایا۔ عامر اس کے بارے میں کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ سوار اس کے بالکل قریب آکر رک گیا۔ پھر گھوڑے سے اتر کر خود ہی عامر کو السلام علیکم کہا۔ عامر نے بھی اسے جواب دیا اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

سوار نے ایک بار عامر کو سر سے پیر تک دیکھا پھر خود ہی سلسلہ کلام شروع کیا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگتا جواں مرد۔"

"کس کا ڈر اور کس بات کا ڈر۔" عامر نے بے پرواہی سے جواب دیا۔

"بڑے زور کی جنگ ہو رہی ہے۔" سوار نے جنگ کے لفظ پر زور دے کر کہا۔

"پھر اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" عامر نے بغیر کوئی رد عمل ظاہر کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جنگ کس سے ہو رہی ہے اور کیوں ہو رہی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کن سے جنگ ہو رہی ہے اور کیوں ہو رہی ہے۔" سوار نے جواب دیا۔

"میں جنگ سے ڈرتا تو نہیں لیکن یہ ضرور معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جنگ کون کر رہا ہے اور کیوں جنگ شروع ہوئی۔ بتا دو تو مہربانی ہوگی۔"

"تم ایک بہادر جوان معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔" سوار نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ کچھ ماہ پہلے مصر کے وزیراعظم ملک شاور کو موجودہ وزیراعظم ضرغام نے شکست دے کر مصر سے بھگا دیا تھا۔ وہ وزیراعظم دمشق کے سلطان نور الدین زنگی کے پاس فریاد لے کر گیا اور سلطان اسے وزارت واپس دلانے ایک لشکر لے کر یہاں تک پہنچ گیا ہے اور اس وقت مصری فوج اور سلطان نور الدین زنگی کے لشکر میں شدید جنگ ہو رہی ہے۔ سمجھے میرے دوست؟"

سوار کی باتیں سن کے عامر غربی پھولے نہ سما رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر سوار نے

Marfat.com

صحیح اطلاع دی ہے اور دمشق کا لشکر اس کے بہنوئی ملک شاور کو مصر کی وزارت واپس دلانے آیا ہے تو پھر اس لشکر کے ساتھ ملک شاور بھی ضرور ہوں گے لیکن وہ اپنی خوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عامر نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا۔ "سوار اگر یہ لشکر ملک شاور کو وزارت واپس دلانے آیا ہے تو پھر ملک شاور بھی اس لشکر کے ساتھ ضرور ہوں گے۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جوان۔" سوار نے جواب دیا۔ "ملک شاور کو میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یہ سنا ہے کہ مصر کا سابق وزیراعظم اس لشکر کے ساتھ ہے۔"

سوار نے سوال کیا۔ "جوان تمہارا نام کیا ہے؟"

"عامر۔" عامر نے احتیاط کے طور پر لفظ "غربی" اپنے نام سے ہٹا کر بتایا۔

سوار نے ایک اور سوال کیا "تم نے ملک شاور کا اس طرح نام لیا جیسے تم اس کے بہت قریب رہے ہو؟"

عامر غربی کی مسرت اس کے چہرے سے چھلکی پڑتی تھی۔ اس نے مسکرا کے کہا۔ ملک شاور ملک کے وزیراعظم تھے ان کا نام تو ہر ایک کو معلوم ہونا چاہئے لیکن ایک بات تم بھی تو بتاؤ تم نے مصر کے سابق اور موجودہ وزیرں کا تذکرہ اس روانی سے کیا ہے جیسے تمہارا تعلق ان دونوں وزیروں یا کم از کم ایک سے ضرور رہا ہے۔"

"اگر میں کہوں کہ تم غلط کہہ رہے ہو تو؟" یہ سوار کا سوال تھا۔

"میں سمجھوں گا کہ تمہیں دوست اور دشمن کی پہنچان نہیں۔" عامر کا جواب بھی ایک سوال تھا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو تو؟"

"تو میرا جواب ہو گا کہ میں ملک شاور کے بہت قریب ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ میرے بہنوئی ہیں اور میں انہی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔" آخر عامر نے خود کو ظاہر کر دیا۔

"بہت خوب عامر صاحب۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کے آقا ایک ہی ہیں۔" سوار کے دل میں عامر کی عزت اک دم پیدا ہوگئی۔ "جس وقت آقا دارلوزارت پر قابض تھے میں ان کے محافظ دستے میں شامل تھا پھر جب بدذات ضرغام نے دارالوازارت کا محاصرہ کیا اور ہم لوگوں نے دیکھا کہ اب آقا کا گرفتاری سے بچنا ممکن نہیں تو ہم آقا کو ایک ملازم کے کپڑے پہنا کر دارالوازارت سے باہر بھیج دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ حفاظت سے نکل کر دمشق پہنچ گئے اور آج شاہانہ انداز میں بلبیس واپس آئے ہیں۔"

Marfat.com

"میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں برادر؟" عامر غربی نے سوال کیا۔

"میرا نام قاسم الحسین ہے اور آقا مجھے صرف حسین۔" کہہ کر پکارتے تھے۔ قاسم حسین نے جواب دیا۔ میرا خیال ہے کہ عامر آپ کا اصلی نام نہیں اور آپ نے میری طرح کوئی نیا نام اختیار کیا ہو گا؟"

"میرے نام کا پہلا حصہ تو عامر ہی ہے۔ دوسرا حصہ غربی ہے جسے میں نے پوشیدہ رکھا تھا۔"

عامر غربی نے بھی کھل کے گفتگو کی۔ "اگر وزارت ماب ملک شاور سے آپ کی ملاقات ہو تو ان سے میرا نام "عامر غربی" بتایئے گا وہ فوراً" پہچان لیں گے۔ اگر میری ملاقات پہلے ہوئی تو میں آپ کا ذکر کروں گا۔"

"اور اگر دونوں کی ایک ساتھ ملاقات ہوئی تو؟۔" قاسم الحسین مسکرایا۔ عامر غربی صاحب اب آپ میرے ساتھ رہیں گے۔ آقا سے میری سفارش تو آپ ہی کریں گے نا؟"

"ضرور۔ ضرور۔ مولا وہ وقت تو لائے پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کن الفاظ میں آپ کی سفارش کرتا ہوں۔" عامر نے بڑے یقین سے کہا۔

"اب آپ میرے ساتھ چلئے۔" قاسم الحسین کا لہجہ مودبانہ تھا۔ "میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔"

عامر غربی نے پوچھا۔ "میں ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔"

سوار نے جواب دیا۔ ہم چار دوست ہیں اور چاروں کرایہ کے ایک مکان میں رہتے ہیں۔ میں سرحد پر جنگ کی خبر لینے گیا تھا وہاں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان شام کے ساتھ ہمارے آقا ملک شاور بھی تشریف لائے ہیں۔ میں یہ خوشخبری لے کے ان کے پاس جارہا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح وزارت ماب کے نمک خوار اور وفادار ہیں۔ سوار قاسم الحسین نے غور سے عامر کے چہرے کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ عامر خیالات میں غلطاں و پیچاں ہے۔

"کس دنیا میں پہنچے ہوئے ہیں عامر غربی صاحب؟" قاسم الحسین نے اسے چونکا دیا۔

عامر نے سر کو جھٹکا دے کر جواب دیا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے قاسم بھائی۔" عامر نے برادرانہ بے تکلفی کا انداز اختیار کیا۔

"ارشاد فرمایئے میں سپاہی ہوں۔ زیادہ سمجھ بوجھ تو رکھتا تو نہیں لیکن ممکن ہے آپ کو مشورہ دے سکوں" سوار قاسم الحسین نے بڑے عالمانہ انداز میں کہا

"بات یہ ہے کہ پورے مصر میں اور خاص کر بلبیس میں یہ خبر عام ہے کہ یروشلم کے

Marfat.com

شاہ ایمالرک اور سلطان نور الدین زنگی کے لشکر یروشلم کے شمال میں آمنے سامنے صف آرا ہیں۔۔۔"

عامر غربی کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ سوار قاسم الحسین نے قطع کلام کیا۔ " عامر غربی صاحب اس میں نہ سمجھنے والی کونسی بات ہے۔ میدان جنگ میں دو مخالف لشکر ہی صف آرا ہوتے ہیں۔"

عامر غربی اس کی صورت دیکھنے لگا "آپ واقعی صرف سپاہی ہیں۔ آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ بقول آپ کے سلطان دمشق نور الدین زنگی اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ بلیس کے شمال میں مصری فوجوں سے جنگ کر رہے ہیں دوسری طرف سلطان دمشق ' یروشلم کے شمال میں ایمالرک کے سامنے صف آرا ہیں۔ کہاں بلیس اور کہاں یروشلم کا شمالی حصہ۔ سلطان دمشق ایک ہی وقت میں دو مختلف محاذوں پر کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ ان دونوں محاذوں کا درمیانی فاصلہ کئی منزلوں کے برابر ہے۔"

سوار قاسم الحسین بہت غور سے سن رہا تھا۔ عامر کے چپ ہوتے ہی بولا۔۔ "ہاں یہ بات واقعی تعجب کی ہے لیکن یہ تعجب کی بھی بات نہیں۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ شاہ یروشلم کے مقابلہ پر سلطان کا کوئی سردار ہو اور سلطان خود بلیس کے محاذ پر لڑ رہا ہو۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ بلیس کے محاذ پر سلطان کا کوئی سردار ہو اور سلطان یروشلم کے محاذ پر صف آرا ہو۔" عامر غربی نے یہ کہہ کے قاسم الحسین کو بوکھلا دیا۔

قاسم الحسین کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا "مولا ہی جانے اس میں کیا راز ہے۔" قاسم الحسین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "یہ تو خیر ماننا ہی پڑے گا کہ سلطان بلیس کے محاذ پر ہے۔"

عامر نے اس کی نادانی پر ہنسی گئی۔ "لیکن یہ کیوں ماننا پڑے گا۔اس کا جواز کیا ہے۔"

"جواز یہ ہے کہ لوگ یہی کہہ رہے ہیں میں نے کئی آدمیوں کی زبان سے یہی سنا ہے۔" سوار قاسم الحسین نے ایک نہایت کمزور جواز پیش کیا۔

"آپ نے صرف سنا ہے ایک نہیں کئی آدمیوں سے لیکن سلطان کو اپنی آنکھوں سے کسی نے دیکھا بھی ہے؟" عامر نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں نے تو نہیں دیکھا اور جو سنا تھا وہ بیان کردیا۔" قاسم الحسین نے اپنی ہار مان لی۔

"قاسم الحسین بھائی۔ ایک تو سنی سنائی بات پر اعتبار کرنا غلطی ہے اور اس سے بڑی غلطی ہے کہ ایسی باتوں پر یقین کر کے اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانا۔" عامر غربی کہنے کو تو کہہ گیا مگر اسے فوراً ہی خیال آیا کہ وہ کہاں کا بزرگ ہے جو دوسروں کو نصیحت کر رہا

Marfat.com

ہے۔ اس لئے اس نے فوراً ہی بات پلٹ دی۔ "اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدانخواستہ آپ پر دروغ بیان کا الزام لگا رہا ہوں بلکہ مقصد یہ جتلانا ہے کہ افواہوں پر یقین نہ کرنا چاہئے ورنہ ہمارے لئے تو یہ بات زیادہ مفید ہے کہ سلطان دمشق خود یہاں تشریف لائے ہوں اور یروشلم کے محاذ پر انہوں نے کسی اور کو بھیجا ہو۔"

قاسم الحسین شرمندہ ہوگیا تھا۔ اس نے معذرت کی۔ "عامر غزنی صاحب آپ نے بالکل درست فرمایا کہ افواہ پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ آپ تو خیر اپنے ہیں اگر میں نے یہی بات کسی دربار میں کہی ہوتی اور وہ غلط نکلتی تو میری جان کے لالے پڑ جاتے۔"

عامر نے اسے زیادہ شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور بات ٹال دی۔ "خیر چھوڑیئے ان باتوں کو اس بات کی حقیقت آج کل میں معلوم ہی ہو جائے گی اب بتایئے آپ کے احباب کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔"

چونکہ عامر غزنی پیدل تھا اس لئے قاسم الحسین بھی گھوڑے کی لگام پکڑے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ قاسم الحسین اسی خیال میں کھویا ہوا تھا کہ اسے عمر غزنی ایسا مفید آدمی مل گیا ہے جس کی سفارش سے وہ اپنے سابق عہدے پر بحال ہی نہیں ہو جائے گا بلکہ اپنے آقا کی نظروں میں بھی پہلے جیسی عزت حاصل کرے گا۔ عامر غزنی تو اس خیال ہی سے کھلا جارہا تھا کہ اس کا وزیراعظم بہنوئی ترکمانوں کے ایک عظیم لشکر کی معیت میں مصر واپس آیا ہے اور اس لشکر کی مدد سے ایک بار پھر اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرلے گا۔ اس کی خاندانی خوشیاں واپس آجائیں گی۔ اس کی زرتاج سامنے کھڑی مسکراتی نظر آرہی تھی۔

اگر ان کی منزل نہ آجاتی تو وہ اسی طرح خیالوں میں کھوئے رہتے۔ قاسم الحسین ایک مکان کے دروازے پر رک گیا۔ یہ مکان ایک اوسط درجہ کا تھا اور جس آبادی میں وہ کھڑے وہ بھی متوسط درجہ سے تعلق رکھتی تھی۔ قاسم الحسین نے دروازے پر تین بار دستک دی۔ تیسری مرتبہ دروازہ کھل گیا اور ایک آدمی نے گردن نکال کے انہیں دیکھا اور عامر غزنی کے منہ سے اک دم نکلا۔

"کامل بھائی آپ۔"

وہ ملک شاور کا دوسرا بیٹا کامل ہی تھا۔ ملک شاور کا بڑا بیٹا علی پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ یہ دوسرا بیٹا تھا۔ کامل نے بھی عامر غزنی کو پہچان لیا اور دروازہ کھول کے باہر نکل آیا۔ عامر نے بھی اپنے بازو پھیلائے اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ دونوں کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔

Marfat.com

قاسم الحسین ہکا بکا انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب وہ بغلگیر ہو کر الگ ہوئے تو قاسم الحسین نے کامل سے شکایتاً" کہا۔ "کامل تم نے تو اپنا نام امید بتایا تھا۔"

کامل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں قاسم بھائی۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا دراصل میں۔"

عامر غربی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "قاسم بھائی میں تمہیں بتایا ہوں۔ یہ وزارت مآب ملک شاور کے دوسرے بیٹے کامل ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کا نام علی اور چھوٹے کا نام طے ہے۔"

قاسم نے کہا۔ "کامل نے ہمیں کچھ نہیں بتایا میں تو انہیں اسد کے نام سے جانتا ہوں۔"

کامل نے سرگوشی کی۔ "اندر آجاؤ سڑک پر کھڑے ہو کر باتیں کرنا مناسب نہیں۔" سب مکان کے اندر چلے گئے۔

سلطان نور الدین زنگی اور یروشلم کے شاہ ایمالرک کے لشکر آمنے سامنے پڑے تھے۔ ان کا درمیانی فاصلہ پانچ میل سے بھی کم تھا۔ یوں تو دوسرے تیسرے دن ایک جھڑپ ہو جایا کرتی تھی لیکن طبل جنگ ابھی نہیں بجا تھا۔ سلطان کو مصر سے اطلاع آنے کا انتظار تھا۔ اس نے شیرکوہ کو رخصت کرتے وقت تاکید کردی تھی کہ وہ ہر منزل سے ایک تیز رفتار سوار کے ذریعہ اپنی خیریت بھیج دیا کرے۔ چنانچہ سلطانی لشکر اور شیرکوہ کے لشکر کے درمیان برق رفتار قاصدوں کا سلسلہ بندھا ہوا تھا۔ شیرکوہ کو مصر پہنچنے کی بہت جلدی تھی۔ مصر کے معزول وزیراعظم کی نظروں میں اقتدار کی دیوی رقص کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ آنے والا شامی لشکر اگرچہ تعداد میں کم تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ شیرکوہ ایک گرگ باراں دیدہ سپہ سالار ہے۔ ایسے لوگ کم تعداد سے ٹڈی دل لشکر کو بھگا دیا کرتے ہیں پھر اسے اپنے مصری بھائیوں سے بھی بڑی امیدیں تھیں۔ ضرغام کے مقابلے میں عوام کی نظروں میں اس کی زیادہ عزت تھی۔ وہ اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ملک شاور نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے اگرچہ مصر کے ۱/۳ علاقہ کا سلطان دمشق سے سودا کیا تھا لیکن یہ باتیں سوچنے کا وقت نہ تھا۔ وہ شیرکوہ کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے چل رہا تھا۔

ستائیس سالہ صلاح الدین یوسف کا دمشق سے باہر نکلنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ صلاح الدین اپنی عملی زندگی میں پہلا قدم رکھ رہا تھا۔ ستائیس سال کی عمر کم نہیں ہوتی لیکن پتہ نہیں کہ اس وقت اس نے خود کسی جنگ میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی یا سلطان دمشق نورالدین زنگی اس کی تربیت اس طرح کر رہا تھا کہ صلاح الدین کی زندگی کے

Marfat.com

ماہ و سال کا نقصان دراصل اس کے حق میں مفید ثابت ہو۔ صلاح الدین پر بھی اس سفر کا ایک عجیب قسم کا کیف سوار تھا۔ اس نے پہلے مصر جانے سے انکار کیا تھا لیکن شیرکوہ نے اسے بتایا کہ سلطان نے اس تربیت اور تہذیب کسی ایسے ہی وقت کے لئے تھی تو وہ آمادہ ہوگیا لیکن بڑی دلی کے ساتھ۔

یروشلم کا شاہ اپنے شمالی علاقوں کو بچانے کی فکر میں تھا۔ سلطان دمشق نے اگرچہ اب تک حملہ نہیں کیا تھا لیکن اس کا ہر وقت امکان موجود تھا اس لئے اس نے مشرق وسطی کی تمام عیسائی ریاستوں سے مدد طلب کرلی تھی اور ان کی امدادی فوجیں یروشلم پہنچنا شروع ہو گئیں تھی۔ دوسری سمت صلاح الدین اپنے چچا شیرکوہ کے ساتھ ریگستان کے تحت سفر تجربہ کر رہا تھا۔ اس کا ابلق گھوڑا بار بار شیرکوہ کے گھوڑے سے آگے نکل جاتا تھا۔ امرا نوریہ میں سے بعض امیر اس نوجوان اور ناتجربہ کار شہسوار کو کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور بعض اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ امرا شیرکوہ اور صلاح الدین کے خاندانی پس منظر سے پوری طرح واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ وہ جوان ہے جس کے باپ نجم الدین ایوب نے ایک اہم موقعہ پر سلطان نورالدین زنگی کے والد امیر اعتاد الدین زنگی کو اپنے قلعہ تکریت میں پناہ دی تھی پھر جب نجم الدین ایوب کو گردش آسمان کے تحت قلعہ تکریت سے ذلت کے ساتھ نکلنا پڑا تو اسے امیر اعتاد الدین زنگی نے جو اس وقت موصل کا امیر تھا' عزت اور احترام کے ساتھ اپنے دربار سے منسلک کرلیا تھا۔ اس کے صلہ میں نجم الدین ایوب اور اس کے بھائی اسد الدین شیرکوہ نے زنگی خاندان کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں تھیں۔

شاہ یروشلم یہ انتظار ہی کرتا رہا کہ کب سلطان دمشق اس پر حملہ کرے اور وہ مقابلہ کے سر پر مسلط اس بلا کو بھگا سکے۔ شاہ یروشلم کو بحری راستے سے شمالی علاقوں کی عیسائی ریاستوں سے فوجی مدد بھی پہنچ گئی تھی مگر اس کی ہمت نہ پڑ رہی تھی خود آگے بڑھ کے جنگ کا آغاز کرے۔ وہ اسی کشمکش میں تھا دوسری طرف شیرکوہ کا لشکر ریگستان کو روندتا ہوا بلبیس کے قریب پہنچ گیا۔ شیرکوہ نے بلبیس سے ایک منزل پہلے دو سو سواروں کا ایک ہر اول دستہ ترتیب دیکر اسے صلاح الدین کی کمان میں آگے بھیج دیا تھا۔ صلاح الدین کو حکم تھا کہ وہ بلبیس کی مصری چوکی پر آندھی اور طوفان کی طرح حملہ کر کے ان کا دفاعی نظام درہم برہم کر کے پیچھے ہٹ آئے تاکہ شیرکوہ اپنے سواروں کے ساتھ بھرپور حملہ کرنے کا موقع مل سکے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ صلاح الدین کی پہلی جنگ تھی۔ اس نے دل میں مصمم

Marfat.com

تہیہ کیا تھا کہ وہ اس پہلے ہی معرکے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے گا۔ اس وقت وہ لشکر سے آگے تھا اور اس کا گھوڑا رانوں سے نکلا جارہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سواروں کو سمجھا دیا تھا کہ دشمن کی چوکی سامنے موجود ہے اس لئے وہ حملہ کے اعلان کا انتظار کئے بغیر تیزی سے حملہ کریں اور دشمن کو تہس نہس کرکے واپس نکل آئیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ صلاح الدین اور اس کے سوار پوری رفتار سے بلبیس کی چوکی کی طرف بڑھ رہے تھے اور بلبیس کی چوکی کی فوج اگرچہ مقابلہ کے لئے تیار تھی لیکن وہ سخت پریشان تھی کہ اس کی طرف سے آنے والے یہ طوفانی سوار دشمن سے تعلق رکھتے ہیں یا کسی دوست ملک کے ہیں۔ ان کے ذہن ماؤف اور عقل حیران تھی کہ اس ریگستان میں یہ سوار کہاں اور کدھر سے آگئے۔ انہوں نے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان شام اپنے لشکر کے ساتھ دمشق سے نکلا ہے لیکن اس کا رخ تو یروشلم کی طرف تھا اور یہ آنے والے ریگستانی علاقے کی طرف سے آرہے تھے جہاں دور دور تک کسی ریاست کا نام نہ تھا بلکہ یہ ریگستان مصر اور یروشلم کے درمیان بٹا ہوا تھا۔

صلاح الدین کے ساتھ صرف دو سو سوار تھے لیکن اس نے سواروں کو دور دور تک پھیلا دیا تھا اور انہیں پانچ دس سواروں کی ٹولیوں میں اس طرح ذرا فاصلے سے چلنا تھا کہ وہ ایک صف کے بجائے آگے پیچھے کئی صفیں معلوم ہوں۔ مصری فوج کی کمان ضرغام کے دونوں بھائیوں ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام کے پاس تھی۔ مصری فوج نے صفیں باندھ لی تھیں مگر ابھی حملے کا حکم نہ ملا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ آنے والا لشکر یا تو اپنی شناخت کرائے گا یا پھر کچھ فاصلہ پر رک کر صفیں ترتیب دے گا جو جنگ کا طریقہ ہے لیکن آنے والے سرپٹ گھوڑے دوڑائے چلے آرہے تھے۔ انہیں یہ قطعی اندازہ نہ ہو سکا کہ حملہ آوروں کی تعداد صرف دو سو سواروں پر مشتمل ہے ورنہ شاید وہ کوئی اور طریقہ اختیار کرتے۔

صلاح الدین کا حملہ اچانک تو نہ تھا لیکن اس قدر تیز تھا کہ مصری رسالداروں کو فوج آگے بڑھانے میں ذرا دیر لگی اور اس وقت تک شامی لشکر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ مصریوں کے گھوڑے تیز بھی نہ ہوئے تھے کہ پہلے ان پر تیروں کی باڑھ پڑی پھر صلاح الدین کے سوار تلواریں سونت سونت کے آن پڑے۔ مصری اس بلائے ناگہانی سے گھبرا اٹھے۔ ان کو یوں محسوس ہوا جیسے دشمن نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شامیوں نے پہلے حملے میں انہیں نقصان کو پہنچایا لیکن مصر کی ٹڈی دل فوج کے سامنے دو سو سواروں کی تعداد ہی کیا ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر دست بدست لڑنے کے بعد صلاح الدین نے اپنے سواروں کو واپسی

Marfat.com

کا حکم دیا۔ اگر وہ ذرا بھی دیر کرتا تو اس کے سواروں کا گھر جانا ممکن تھا۔ چنانچہ صلاح الدین جس تیزی سے حملہ آور ہوا تھا اسی تیزی سے اپنے سواروں کو دشمن کی فوجوں کے اس سمندر سے نکال لے گیا۔ اس حملے میں دس مصری مارے گئے اور سو زخمی ہوئے۔ شامی سواروں میں صرف پانچ آدمیوں کو معمولی زخم آئے۔

شامی واپس ہو گئے تو مصریوں نے خدا کا شکر ادا کیا لیکن یہ عقدہ اب تک نہ نکلا تھا کہ حملہ آور کون ہیں اور انہوں نے کس وجہ سے حملہ کیا۔ مصریوں کو زیادہ حیران نہ ہونا پڑا۔ ان کے ایک جاسوس سوار نے جو حملہ آوروں کے پیچھے گیا تھا اس نے آکر بتایا کہ ایک بڑا شاہی لشکر ادھر بڑھا چلا آرہا ہے۔ حملہ آور سوار اسی لشکر کے ہراول دستہ تھے۔

ناصر الدین اور فخر الدین ہمام کے ہوش اڑ گئے۔ فخر الدین نے کہا۔ "یہ وہی لشکر ہے جس کے بارے میں یروشلم میں افواہ گرم ہوئی تھی کہ سلطان دمشق' یروشلم کی طرف آرہا ہے۔"

ناصر الدین نے سوچتے ہوئے کہا۔ "فخر بھائی۔ ہم نے تو یروشلم میں یہ بھی سنا تھا کہ لشکر کی کمان خود سلطان کر رہا ہے لیکن ہمارے جاسوس شامی لشکر کی تو نشاندہی کرتے ہیں لیکن سلطان کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔"

فخر الدین دور کی کوڑی لایا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سلطان نے دو لشکر ترتیب دیئے ہوں۔ نصف یروشلم بھیجے ہوں اور نصف ہم پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے ہوں۔

ناصر الدین بولا۔ "اگر سلطان نے ایسا کیا ہے تو وہ انتہائی نادان ہے۔ کیا اس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بیک وقت دو محاذوں پر جنگ کر سکے۔"

یہ خیر سلطان ہی بہتر جانتا ہوگا۔ فخر الدین ہمام نے ڈینگ ماری۔ "اگر سلطان اس لشکر کے ساتھ نہیں ہے تو ہم اسے ریگستان میں گھیر گھیر کے ماریں گے۔"

اسی دوران ایک اور جاسوس سوار آپہنچا۔ ناصر الدین نے اسے فوراً" اپنے پاس بلوالیا۔ سوار اس کے سامنے آیا مگر وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

ناصر الدین نے دریافت فرمایا۔ "دشمن دیکھ کے تیری جان کیوں نکل گئی۔ اس قدر گھبرایا ہوا کیوں ہے۔"

جاسوس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ سپہ سالار میں ایک ایسی خبر لے کے آیا ہوں جسے سن کے آپ کو یقین نہیں آئے گا۔

"تو بزدل ہے لیکن تیرے سپہ سالار بزدل نہیں۔ کیوں فخر بھائی؟" ناصر الدین نے بھائی کی حمایت چاہی۔

Marfat.com

"بالکل ٹھیک ہے۔ یہ لشکر دیکھ کے ڈر گیا ہے۔" فخر الدین نے بڑے فخر سے کہا۔

جاسوس سوار نے منہ بنالیا۔ "جی ہاں وہی ملک شاور جسے ہمارے وزارت ماب ضرغام نے شکست دی تھی۔ وہ زندہ بچ کر دمشق پہنچ گیا تھا۔ وہ اب شامی لشکر کے ساتھ واپس آیا ہے اور ہم سے جنگ کر کے داراوالوزارت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔"

ناصرالدین اور فخرالدین ہمام سب کچھ سن رہے تھے مگر حلق سے ان کی آواز نہ نکلتی تھی۔ بڑی مشکل سے ناصرالدین خود پر قابو پاسکا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "تو پھر کیا ہوگیا جو ملک شاور آگیا؟"

"ہاں ہاں تو پھر کیا ہوا؟" فخر الدین نے ہاں میں ہاں ملائی۔

ناصرالدین نے گردن اکڑائی۔ "اسے پہلے بھی شکست ہوئی تھی اب بھی شکست دیں گے۔"

"اور کیا۔ پہلے بھی شکست دی تھی اب کی اس سے بڑی شکست دیں گے۔" فخر الدین بھی اکڑ گئے۔

"ملک شاور کے علاوہ دمشق کے امیر الامرا بھی لشکر کے ساتھ ہیں۔" جاسوس نے مزید بتایا

"امیر الامرا کون۔ یہ کونسا شخص ہے؟" فخر الدین نے پوچھا۔

جاسوس نے بتانا شروع کیا۔ "اس کا نام اسد الدین ہے لیکن شجاعت کی جہ سے اسے شیر کوہ کا خطاب ملا ہے۔ شیر کوہ سلطان دمشق کے تمام امیروں کا سردار ہے اور امیرالامرا کہلاتا ہے۔"

"اچھا دیکھا جائے گا میں کہتا ہوں جو ہم سے ٹکرائے گا اس کا یروشلم کے شاہ جیسا انجام ہوگا۔" فخر الدین نے جواب دیا اور ناصرالدین کی طرف دیکھا۔

ناصرالدین نے سرہلا کر اس کی تائید کی۔

صلاح الدین نے چھاپہ مار کے کامیابی سے اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔ جب اس نے شیر کوہ کو بتایا کہ اس نے دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ نہیں دیا اور بڑی برق رفتاری سے انہیں جالیا تو شیر کوہ نے صلاح الدین کو شاباش دی۔

"شاباش صلاح الدین۔ تم نے ثابت کردیا کہ تم نجم الدین ایوب کے بیٹے ہو؟"

"صلاح الدین ایوب اپنی پہلی کامیابی پر بہت خوش تھا"۔ اس نے کہا "مجھے اپنے باپ پر فخر ہے لیکن میری تربیت آپ نے کی ہے۔ فنون سپہ گری کی اونچ نیچ میں نے آپ ہی سے سیکھی ہے۔"

Marfat.com

"سمجھدار صلاح الدین ۔" شیر کوہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔ "اصل یہ سب ہمارے ذی شان سلطان نور الدین محمود زنگی کی تہذیب اور توجہ کا فیض ہے۔ سلطان عالی مقام نے تمہیں ہمیشہ نصیحت کی کہ تم اس کی ذات میں غور کرو اور اس جیسا بننے کی کوشش کرو۔ کیا یہ سلطان کی دور اندیشی نہیں کہ انہوں نے تمہارے امتحان کے لئے ایک ایسا محاذ منتخب کیا جس سے تم قطعی ناواقف تھے۔ اس محاذ کی کامیابیاں اور ناکامیاں تمہارا مستقبل ترتیب دیں گی۔ میں نے بھی تمہیں ہراول دستے میں رکھ کر تمہاری تلوار کا لوہا آزمایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دشمن کو حیرت زدہ کر کے بغیر کسی نقصان کے واپس آ گئے ۔"

اس وقت لشکر کے ساتھ آنے والے امرائے نوریہ بھی موجود تھے لیکن انہوں نے صلاح الدین کی تعریف میں کوئی لفظ نہیں کہا۔ دراصل امرائے نوریہ عین الدولہ باروقی صلاح الدین کی صلاحیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کا مخالف تھا۔ اس نے دربار خاص کے ایک اجلاس میں صلاح الدین کی شرکت پر اعتراض کیا تھا۔ باقی امرا صلاح الدین کو پسند کرتے تھے۔ وہ اپنی نجی محفل میں صلاح الدین کی صلاحیت کی تعریف کرتے تھے۔ اس وقت وہ اس وجہ سے خاموش تھے کہ عین الدولہ باروقی ایک بدمزاج اور مغرور امیر تھا اگر وہ صلاح الدین کی تعریف کرتے تو ظاہر تھا کہ عین الدولہ کی اس کی مخالفت کرتا۔ اس طرح بات بڑھ سکتی تھی لیکن وہ نہیں چاہتے تھے جنگی محاذ پر امرا کے درمیان کسی قسم کی ناچاقی ہو۔

شیر کوہ نے ہراول دستے سے حملہ کر کے مصریوں کو ہلا دیا تھا۔ اس حملہ کے علاوہ جب ناصر الدین اور فخر الدین ہمام کو معلوم ہوا کہ شامی لشکر کے ساتھ مصر کا سابق وزیراعظم ملک شاور بھی ہے تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ جاسوس کے سامنے اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے دونوں بھائیوں نے بڑی ڈینگیں ماری تھی لیکن جب جاسوس چلا گیا اور انہیں تنہائی نصیب ہوئی تو وہ سر جوڑ کے بیٹھے۔

ناصر الدین نے مشورہ دیا ۔ "اگر ہو سکے تو شاہی لشکر سے صلح کر لی جائے ۔"

فخر الدین اس سے زیادہ پریشان تھا۔ "صلح تو اس وقت ہو سکتی تھی جب ملک شاور ان کے ساتھ نہ آیا ہوتا۔ ہم صلح کن شرائط پر کریں گے۔ شامی لشکر ملک شاور کے ساتھ اس طرح تو نہ آیا ہوگا اس نے ملک شاور سے ضرور کوئی معاہدہ کیا ہوگا ۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" ناصر الدین کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی۔ "ہم شامی سپہ سالار کے سامنے شرط رکھیں گے کہ اگر وہ جنگ سے باز آجائے تو ہم اسے ملک شاور سے زیادہ اچھی شرائط پر صلح کرنے پر آمادہ ہیں ۔"

Marfat.com

فخرالدین کو بھی یہ ترکیب اچھی معلوم ہوئی۔ "یہ ترکیب یقیناً" کارگر ثابت ہوگی لیکن پہلے یہ طے کرو کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا میں سمجھ نہیں سکا۔" ناصر الدین الجھنے لگا۔ "ہم صلح کرنا ہے کہ کسی کے گلے میں گھنٹی باندھنا ہے۔"

"میرا مطلب ہے کہ شامی سپہ سالار سے گفتگو کرنے کون جائے گا۔" فخرالدین نے وضاحت کی۔

"میں جاؤں گا۔" ناصر الدین نے سینے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

ناصر الدین نے فوراً" جواب دیا۔ "تو پھر تم بھی ساتھ چلو۔ شاہ یروشلم کے دربار میں بھی ہم دونوں ہی گئے تھے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن وہاں ہمارا دشمن ملک شاور بھی موجود ہوگا۔"

فخرالدین نے جواب دینے کے بعد ناصر الدین کے چہرے کو دیکھا۔ ملک شاور کا نام سن کے ناصر الدین کا چہرہ اتر گیا تھا۔ وہ بالکل چپ ہوگیا تھا۔ اسے کوئی جواب نہ سوجھ رہا تھا۔

فخرالدین نے خود ہی اس کی مشکل آسان کردی۔ "ہم دونوں کے ایک ساتھ جانے میں ایک اور بھی خطرہ ہے۔"

ناصر الدین نے گھبرا کے پوچھا۔ "اور کونسا خطرہ ہے فخرالدین؟"

"ہم مصری فوج کے سپہ سالار ہیں اگر ملک شاور نے شامیوں کو یہ بتا دیا تو ہوسکتا ہے کہ ہم دونوں کو وہیں گرفتار کرلیا جائے۔" ناصر الدین نے اس نئے خطرے کی طرف اشارہ کیا۔

فخرالدین ہمام نے فخر کے بجائے بڑے غرور سے اعلان کیا۔ "ہم مقابلہ کریں گے۔ خون کے آخری قطرے تک مقابلہ۔"

ناصر الدین نے اس کی آواز میں آواز ملائی۔ "ملک شاور پہلے بچ گیا تھا لیکن اس دفعہ ہماری تلوار سے نہیں بچ سکتا۔ اس کی لاش کو دارالوزارت کے صدر دروازے پر لٹکایا جائے گا۔"

لیکن یہ سب باتیں ہی باتیں تھیں۔ چند ہی لمحوں بعد دونوں بھائیوں کو پھر فکروں نے گھیر لیا۔

فخرالدین ہمام نے گلوگیر آواز میں کہا۔ بھائی ناصر الدین میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔"

Marfat.com

ناصر الدین نے فوراً جواب دیا۔ "میری دائیں آنکھ پھڑک رہی ہے فخرالدین بھائی"

"نحوست ۔ بہت بڑی نحوست ۔" فخر الدین نے اعلان کردیا۔ "ایک آنکھ پھڑکے تو معمولی مصیبت اور دونوں آنکھیں پھڑکیں تو پھر خطرناک قسم کی مصیبت آتی ہے ۔"

"پھر کیوں نہ شامی لشکر سے صلح کرلی جائے؟" ناصر الدین نے ایک بار پھر صلح کی شروع کی۔

"رائے معقول اور قابل عمل ہے ۔" فخرالدین نے اتفاق کیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس مصیبت سے جان چھڑانے کی خاطر ہمیں آدھا مصر' شامی لشکر کے حوالے کردینا چاہئے۔ "ایسی صورت میں ہمارے پاس کیا بچے گا۔ شاہ یروشلم کو ایک کثیر رقم سالانہ بھی ادا کرنی پڑتی ہے ۔" ناصر الدین نے یاد دلایا۔ "اگر آدھا ملک شامیوں کو دیدیا گیا تو اس کے خلیفہ کی فضول خرچیوں کے لئے رقم کہاں سے آئے گی ۔"

فخر الدین نے بات کو ختم کرنے کے لئے کہا۔ "ان فضول باتوں میں ہم وقت ضائع کرتے رہے تو کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ بہتر ہے کہ خلیفہ کا وظیفہ بند کردیا جائے اور شاہ یروشلم کو سالانہ رقم بھی نہ ادا کی جائے ۔"

فخر الدین اور ناصر الدین ہمام میں نہ تو دوراندیشی تھی اور نہ تجربہ۔ ضرغام کے بھائی ہونے کی بنا پر انہوں نے مصر لشکر کی سپہ سالاری آپس میں بانٹ لی تھی۔ دونوں اپنے آپ کو سپہ سالار کہلواتے تھے اور باری باری سے سپہ سالار کے فرائض ادا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو نہ سر تھا نہ پیر خطرہ سر پر کھڑا تھا اور وہ فضول باتوں میں وقت گزار رہے تھے کبھی ملک کا بٹوارہ کرنے کی اسکیم بناتے تو کبھی یروشلم کا خراج بند کرنے کا سوچتے۔ لیکن جنگ کرنے کی کوئی بات نہ کرتا۔ ان کے پاس اس وقت بھی کافی فوج تھی اگر وہ صحیح حکمت عملی ترتیب دیتے تو حملہ آوروں کے لئے مشکلات پیدا کرسکتے تھے۔

شیر کوہ کا لشکر بلبیس کے قریب اترا ہوا تھا۔ اس کے لشکر کو صرف ایک دن آرام دیا پھر بلبیس کی جانب کوچ کیا۔ بلبیس شہر کے باہر ایک چٹیل میدان تھا اس میں مصری فوج صف آرا تھی۔ ضرغام کو اطلاع بھیج دی گئی تھی کہ شامی فوج بلبیس پہنچ چکی ہے ۔ ضرغام نے دونوں بھائیوں کو جس قدر فوج دے رکھی تھی اس کے سوا قاہرہ میں صرف تھوڑی سی فوج باقی تھی جو پورے ملک کے امن و امان کی ذمہ داری تھی۔ ناصرالدین اور فخرالدین ہمام کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ قاہرہ سے ایک تو انہیں مدد مل ہی نہیں سکتی اور اگر وہاں سے کمک بھیجی بھی گئی تو اس وقت تک بلبیس کا کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ اس لئے

Marfat.com

دونوں بھائی پہلے ہی بہت ہار چکے تھے لیکن مصری فوج حملہ آوروں سے مقابلے پر تیار تھی۔ جس طرح شامی فوج کے امرائے نوریہ تھے اسی طرح مصری فوج میں بھی امرائے برقیہ کی کافی تعداد موجود تھی۔ امیروں کے اسی گروہ کے زور پر ضرغام نے مصر کی وزارت حاصل کی تھی۔ مصری فوج کے دونوں سپہ سالار جنگ سے فرار چاہتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے ذرا بھی کمزوری ظاہر کی تو امرائے برقیہ انہیں ٹھکانے لگا کے فوج کی باگ ڈور خود سنبھال لیں گے۔ اس لئے ناصر الدین اور فخر الدین ہمام کو بلبیس کی جنگ میں مجبوراً شامل ہونا پڑا۔ مصری فوج اگرچہ اس وقت وزیراعظم ضرغام کی وفادار تھی لیکن فوج اور شہریوں میں ملک شاور کے ہمدرد بھی شامل تھے جو شامی فوج سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کئے ہوئے تھے اور انہیں ضروری معلومات فراہم کر رہے تھے۔

جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو ملک شاور نے شیر کوہ سپہ سالار شامی لشکر سے دست بستہ درخواست کی۔ "شامی سپہ سالار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ضرغام کی فوج کی سپہ سالاری ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام کے سپرد ہے۔"

شیر کوہ نے بلاتکلف جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے ملک شاور یہ دونوں مصری وزیراعظم کے بھائی ہیں۔"

ملک شاور حیران رہ گیا۔ اس کا خیال کہ اس کے ہمدردوں نے اسے پہلے اطلاع دی ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ شامی جاسوس بلبیس تک پہلے ہی پہنچ چکے ہیں جو خبریں بھیج رہے ہیں۔ ملک شاور جو اپنی مدد پر اتنا بڑا لشکر دیکھ کر پھولے نہ سما رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر شیر کوہ کو مخاطب کیا۔

"سردار شیر کوہ --- میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

ملک شاور نے شیر کوہ کو "سردار" کہہ کر مخاطب کیا تھا حالانکہ وہ اس وقت شامی لشکر کا سپہ سالار تھا ممکن ہے کہ وہ ملک شاور کے اس انداز سے چڑ گیا ہو۔ اس نے تند لہجے میں جواب دیا۔ "ملک شاور۔ جنگ شروع ہونے والی ہے جو کہنا ہے مختصر کہو۔"

"میں ناصر الدین اور فخر الدین ہمام کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتا ہوں۔" ملک شاور نے اپنی دلی نفرت کا اظہار کر دیا۔

شیر کوہ نے ملک شاور کو تیز نظروں سے دیکھا۔ "مصری سپہ سالاروں کی گرفتاری پر میں نے اپنے بھتیجے سردار صلاح الدین ایوبی کو مقرر کیا ہے۔ ان کی گرفتاری کی صورت میں بھی تم انہیں قتل نہ کر سکو گے کیونکہ وہ جنگی قیدی ہیں اور ان کی تقدیر کا فیصلہ ہمارے ساتھ آنے والے امرائے نوریہ کریں گے۔ تم اپنی اس خواہش کا اظہار وقت آنے پر ان

Marfat.com

سے کرنا۔"

شیر کوہ کی بات ختم ہوئی تھی کہ مصری لشکر میں جنگی بگل بجنے لگا۔ مصر دراصل فرعونوں کی سرزمین ہے جس پر مختلف فرعون خاندان ہزاروں سال حکومت کرتے رہے تھے۔ فرعون اپنی جنگ کا آغاز جنگی بگل بجا کے کرتے تھے اور یہ رواج اس وقت تک رائج تھا۔ مسلمانوں میں بھی طبل جنگ بجانے کا رواج تھا۔ موجودہ دور میں طبل جنگ اور بگل کے بجائے الٹی میٹم دیا جاتا ہے۔

جواب میں شامی لشکر میں بھی طبل جنگ پر چوٹ پڑی۔ جس کے ساتھ ہی دونوں لشکر ایک دوسرے پر تیر برساتے آگے بڑھے۔ شیر کوہ نے صلاح الدین ایوبی کی کمان میں پانچ سو سواروں کا ایک دستہ دیکر تاکید کی تھی کہ وہ مصری فوج کے دونوں سپہ سالار کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرے۔ صلاح الدین کو جنگ شروع ہونے سے پہلے مصری سپہ سالار فخر الدین ہمام اور ناصر الدین ہمام کی شناخت کرا دی گئی تھی۔ یہ دونوں سپہ سالار قلب فوج میں تھے اور ان کے آگے مصری پرچم لہرا رہے تھے۔

جنگ شروع ہوتے ہی صلاح الدین اپنے سواروں کے ساتھ بڑی تیزی سے مصری قلب پر حملہ آور ہوا اور اس کے اندر دور تک گھستا چلا گیا۔ ناصر الدین ہمام اور فخر الدین نے پیچھے ہٹ کے اپنے سواروں کو للکارا انہوں نے صلاح الدین اور اس کے سواروں کو گھیرنا شروع کردیا۔ صلاح الدین نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنا گھوڑا مصری سالاروں کی طرف بڑھا لیکن اس کے اور سالاروں کے درمیان مصری سواروں نے دیوار اٹھا دی۔ مجبوراً صلاح الدین اپنے سواروں کی بچت کے لئے مصریوں کے حلقے سے نکلنا پڑا۔

جنگ تیز ہوگئی تھی۔ ملک شاور بھی تلوار کے جوہر دکھا رہا تھا۔ شیر کوہ واقعی ایک پہاڑ کی طرح میدان میں ادھر ادھر گردش کر رہا تھا۔ اس کا محافظ دستہ اس کے آگے پیچھے رہتا تھا۔ جدھر وہ رخ کرتا دوسری فوج کے پرے کے پرے صاف ہوجاتے۔ صلاح الدین ایک بار ناکام ہونے کے بعد دوبارہ مصریوں میں گھس گیا تھا۔ پہلے ناصر الدین اور فخرالدین ہمام پاس پاس کھڑے فوج کو لڑا رہے تھے لیکن اب الگ الگ ہو گئے تھے شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ ایک شامی سردار سیدھا ان پر ہلہ بول رہا ہے۔ صلاح الدین نے دونوں کو الگ الگ دیکھا تو پہلے فخرالدین کو تاکا اور گھوڑے اور ایڑ دے کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ فخر الدین ایسا گھبرایا کہ اس نے گھوڑا گھما کر میدان سے بھاگ جانے کا قصد کیا۔ صلاح الدین نے اس کا راوہ بھانپ لیا اور اس پر بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ فخرالدین نے بچنے کے لئے اپنا سر دوسری طرف کرلیا ٹھیک اسی وقت صلاح الدین نے ریشمی ڈوری کا ایک پھندا ان پر

Marfat.com

پھندا فخر الدین کے ہاتھ میں الجھا اور صلاح الدین کے کھینچنے پر فخر الدین گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ صلاح الدین چاہتا تو سر اتار سکتا تھا لیکن اسے فخر الدین کو زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا اس لئے اس نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا کہ وہ فخر الدین کو گرفتار کرلیں۔ اس نے سواروں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مصری فوج کے دونوں سپہ سالاروں کو زندہ پکڑنا ہے۔ سواروں نے گرے ہوئے فخر الدین کو اٹھنے نہ دیا اور اس پر تلوار کا قبضہ مار کر بے ہوش کردیا۔

مصری لشکر میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ فخر الدین کے گھوڑے سے گر جانے نے بھی برا اثر دکھایا تھا۔ ادھر جنگ جیسے سمٹ کر دوسرے سپہ سالار ناصر الدین کے گرد آگئی تھی۔ مصر کے دونوں پرچم ناصر الدین کے قریب لہرا رہے تھے اور صلاح الدین ایوبی بادوباراں کی طرح' صفیں چیرتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ شیر کوہ نے مصری خیمہ اور مصریوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا اور مصریوں نے بھاگنا شروع کردیا تھا ناصر الدین نے نے یہ حال دیکھا تو اس نے بھی باگیں موڑ دیں اور میدان جنگ سے نکل جانا چاہا مگر صلاح الدین اسے کب جانے دیتا۔ اس نے فورا" ناصر الدین پر پھندا پھینکا لیکن وہ بچ گیا اور اس نے پلٹ کے صلاح الدین پر تلوار سے وار کیا۔ صلاح الدین نے اس کا وار تلوار ہی پر روکا اور کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ ناصر الدین کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کے دور جا گری

صلاح الدین نے تلوار نیام میں کی اور ہاتھ بڑھا کے ناصر الدین کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی چمڑے کی پٹی کو پکڑ کر زور لگایا تو ناصر الدین زمین سے کچھ اوپر اٹھ آیا۔ اس کے پیر رکابوں سے نکل آئے۔ صلاح الدین نے ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر ناصر الدین کو گھوڑے سے کھینچ لیا۔ ناصر الدین ہمام اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور قلابازی کھاتا زمین پر گرا۔ اس وقت تک مصری فوج میں بھگدڑ مچ چکی اور شامی لشکر بھاگتے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ اس طرح ناصر الدین کو بھی زندہ پکڑ لیا گیا۔

شیر کوہ نے حکم دیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ وہ اپنے سواروں کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے دشمن کو قاہرہ سے کمک بھی پہنچ سکتی تھی اور پیچھا کرنے والے ان سے ٹکرا کر اپنا نقصان کرسکتے تھے۔ جنگ اگرچہ شدید تھی لیکن زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ مصری فوج کے دونوں سپہ سالاروں کی گرفتاری کے بعد مصری فوج کے قدم میدان سے اکھڑ گئے۔ شکست کے آثار ان میں پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ سپہ سالاروں کی گرفتاری ایک بہانہ بن گئی۔

Marfat.com

شامی لشکر کے سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ کا دربار میدان جنگ میں لگا تھا۔ امرائے نوریہ نے بلبیس کے میدان میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ وہ اس بہت خوش تھے اور ایک ایک کر کے شیر کوہ کے سامنے آ آ کے جمع ہو رہے۔ مصر کا وزیراعظم شاور گردن اکڑائے شیر کوہ کے قریب کھڑا تھا۔ شیر کوہ خوش تو بہت تھا لیکن صلاح الدین کے اب تک نہ آنے سے پریشان تھا اور بار بار گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

اور پھر صلاح الدین مجمع کو چیرتا ہوا اسی طرح آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں رسیوں کے سرے تھے جن میں ایک سے ناصر الدین ہمام اور دوسری سے فخر الدین ہمام بندھا ہوا تھا۔ ان کی نظر شرم کی وجہ سے زمین میں گڑی تھیں۔ صلاح الدین کو آتے دیکھ کے بعض سرداروں نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ قریب پہنچ کے صلاح الدین نے رسیاں ایک فوجی کو پکڑا دیں اور خود شیر کوہ کی طرف بڑھا۔

اسی وقت ملک شاور کی آواز بلند ہوئی۔ "ان دونوں نمک حراموں کو میرے حوالے کرو ان کے سر میں قلم کروں گا۔"

امرائے نوریہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اسد الدین شیر کوہ کو ملک شاور کے اس دخل در معقولات پر غصہ آرہا تھا مگر اس نے امرائے نوریہ کے غضبناک چہرے دیکھ کر فوراً حالات کو سنبھال لیا۔

شیر کوہ نے گرج کر کہا۔ "تم سلطان دمشق کے مہمان کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہو۔ مہمان حکم نہیں دیتے بلکہ درخواست پیش کرتے ہیں۔"

ملک شاور نے فوراً ہی درخواست پیش کردی۔ اے شامی لشکر کے عظیم سالاروں ناصر الدین ہمام اور فخر الدین اپنے غدار بھائی ضرغام کی طرح میرے مجرم ہیں میں بصد ادب درخواست کرتا ہوں کہ ان بے ضمیروں کے قتل کا حکم دیا جائے اور ان کی گردن زدنی کے لئے بطور جلاد کے مجھے نامزد کیا جائے تاکہ انہیں قتل کر کے میں اس انتقام کا آغاز کروں جو میں اس غدار خاندان اور ان کے ہمدردوں سے لینا چاہتا ہوں۔

شیر کوہ نے قدرے نرمی سے جواب دیا۔ "ملک شاور۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ درخواست قبول نہیں کی جاسکتی۔"

قبول نہیں کی جا سکتی۔ یہ دونوں بھائی جنگی قیدی ہیں اور جنگی قانون کے مطابق ان کے فیصلہ سلطان کے بعد ان کے امرائے نوریہ ہی کر سکتے ہیں پھر ابھی اس فتنہ کی اصل جڑ ضرغام زندہ ہے۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ فتنہ کو جڑ سے اکھاڑا جائے۔ اس لئے پہلے ضرغام

Marfat.com

فیصلہ ہو گا۔"

ملک شاور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا حالانکہ یہ اس کی غلطی تھی۔ اسے اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا اور اس نے حکم چلانا شروع کر دیا اچھا ہی ہوا کہ ملک شاور خاموش ہو گیا ورنہ امرائے نوریہ کے تیور ایسے تھے کہ بات بڑھ سکتی تھی اور بگڑ بھی سکتی تھی۔

بلبیس کے میدان میں شکست کھا کر بھاگنے والی مصری فوج کے قدم کہیں ٹھہرنا تو ... رہا اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا اور سیدھا قاہرہ پہنچ کر دم لیا۔ شکست کی خبر اور شکست خوردہ فوج کی واپسی کو دیکھ کر وزیر اعظم مصر ضرغام بد حواس ہو گیا۔ اس نے تمام امرائے برقیہ کو جمع کیا اور تمام صورت حال کو بے کم و کاست ان کے سامنے پیش کر دیا۔ ... کے تمام امیر گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

ایک امیر نے بڑی دل گرفتگی سے کہا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیں شکست ہوئی ہے اور بلبیس جو فوج آئی ہے اس کے حوصلے پست ہیں۔ میرے خیال میں بہتر ہو گا کہ شکست خوردہ فوج کو قلعہ کے اندر آنے دیں اور قلعہ بند ہو کر مدافعتی جنگ کا حربہ استعمال کریں۔"

دوسرے امیر نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "قلعہ میں اسلحہ کے علاوہ خورد و نوش کا کافی ذخیرہ موجود ہے اس لئے امیر موصوف کی رائے میں اتفاق کرتا ہوں۔"

دوسرے امیر نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "قلعہ میں اسلحہ کے علاوہ خورد و نوش کا کافی ذخیرہ موجود ہے اس لئے امیر موصوف کی رائے میں اتفاق کرتا ہوں۔"

تیسرا امیر کچھ زیادہ ہی پرجوش تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کریں۔ حملہ آوروں کی تعداد دو تین ہزار سے زیادہ نہیں اور ہمارے پاس اس وقت دس ہزار کا لشکر موجود ہے۔ میں قلعہ بند ہونے کے مشورے کو رد کرتا ہوں۔ ہمیں قلعہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔"

ایک اور امیر نے بھی قلعہ کے باہر جنگ کا مشورہ دیا۔ "یہ واقعی بڑی ذلت کی بات ہے کہ ملک شام کے دو تین ہزار اتنا لمبا سفر کر کے مصر پر حملہ کرنے چڑھ آئیں اور ہم اپنے ملک میں دس بارہ ہزار کی فوج رکھتے ہوئے بھی بزدلوں کی طرح قلعہ میں بند ہو جائیں۔"

بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ ضرغام کے امرائے برقیہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کی رائے تھی کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے دوسرا گروہ جو زیادہ پرجوش تھا وہ کھلے میدان میں جنگ کرنے حامی تھا۔ جب گفتگو زیادہ طول کھینچ گئی اور یہ خطرہ پیدا ہو کہ کہیں

Marfat.com

شامی لشکر قاہرہ نہ پہنچ جائے اور وہ آپس میں تکراری کرتے رہ جائیں۔ تو وزیر اعظم نے دخل دیا۔

"میرے ساتھیو۔" اس نے امرائے برقیہ کو مخاطب کیا۔ "میں امرائے کے جوش خروش کی دل سے قدر کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم قلعہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں تو ہمارے بہادر دشمن کا منہ پھیر دیں گے لیکن ہماری فوج بلبیس میں پسپا ہو چکی ہے۔ اس وقت اس کے حوصلے پست ہیں ان لئے بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی شکست خوردہ فوج کو حوصلہ دیں اور قلعہ بند ہو کر مدافعتی جنگ شروع کر دیں۔ پھر جب دشمن محاصرے کی طوالت سے گھبرا جائے تو ان پر اچانک باہر نکل کر حملہ کر دیں۔ اس طرح ہماری فتح کے زیادہ امکان ہیں۔"

ضرغام چونکہ ان کا سردار اور وزیراعظم مصر تھا۔ اس لئے اس کی بات تسلیم کی گئی۔ فصیل شہر کے تمام دروازے بند کر لئے گئے اس طرح قاہرہ کا بھرا پرا شہر ایک مضبوط قلعہ میں تبدیل ہو گیا۔

بلبیس کی فتح کے بعد اسد الدین شیرکوہ اور ملک شاور دونوں کو یہ امید پیدا ہو گئی کہ اب قاہرہ پر قبضہ کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام سے اسد الدین کو بہت مفید معلومات حاصل ہوئی تھیں لیکن جوں جوں شامی لشکر قاہرہ کے قریب پہنچتا جا رہا تھا۔ ملک شاور کی جان کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ملک شاور کو معلوم تھا کہ ضرغام نے پانچ سو سواروں کا ایک جاں نثار دستہ تیار کیا ہے جو ضرغام کی حفاظت بھی کرتا ہے اور اس کے تمام اہم اور خطرناک کام بھی کرتا ہے۔ جس وقت ملک شاور ملک کا وزیر اعظم تھا اس وقت ضرغام کے ان دستے کے ایک فرد نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا وہ تو ملک شاور کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بال بال بچ گیا ورنہ جانثار نے اسے ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ملک شاور کا خیال صحیح تھا۔ ضرغام کے یہ جاں نثار جو خونی کتوں کے نام سے مشہور تھے اور جن کے خوف سے امرائے برقیہ تک لرزہ براندام رہتے تھے۔ ضرغام نے چند جاں نثاروں کو ملک شاور کے قتل پر مامور کر دیا تھا لیکن ملک شاور نے سپہ سالار کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ نے خاص اپنے محافظ دستے کے دس آدمیوں کو ملک شاور کی حفاظت پر لگایا تھا اور انہیں تاکید کی تھی کہ ملک شاور کے قریب کسی شخص کو بھی خواہ وہ اس کا عزیز ہی کیوں نہ ہو' ہرگز نہ جانے دیا جائے۔

اس احتیاط سے ملک شاور کی جان تو محفوظ ہو گئی لیکن اسے یہ نقصان ہوا کہ اس کا برادر نسبتی عامر غربی بھی اس تک نہ پہنچ سکا۔ جس وقت شامی لشکر بلبیس سے قاہرہ کی طرف

Marfat.com

روانہ ہوا تو اثنائے راہ میں عامر غربی اور اس کا دوست قاسم الحسین ملک شاور سے ملاقات کے لئے شامی لشکر میں پہنچے۔ ادھر ایک تو ملک شاور نے سپہ سالار سے اپنی حفاظت کی درخواست کی تھی دوسرے ابھی اسد الدین شیرکوہ کو ملک شاور سے بہت سے کام بھی لینا تھے۔ اس لئے اس نے ملک شاور پر اپنے محافظ مامور کرنے کے علاوہ فوج سرداروں کو بھی مطلع کر دیا تھا کہ کوئی شخص ملک شاور سے ملاقات نہ کرنے پائے۔ اس طرح شیرکوہ کا یہ حکم سرداروں کے ذریعہ تمام لشکریوں تک پہنچ گیا تھا اور ہر وقت چوکنے رہتے تھے۔

عامر غربی نے لشکر گاہ میں پہنچ کے ایک محافظ سوار سے درخواست کی۔ "برادر۔ میرے ایک عزیز آپ کے لشکر میں موجود ہیں۔ کیا آپ میرا ایک پیغام ان تک پہنچا دیں گے۔"

شامی لشکر کو مصریوں کا دل جیتنے کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ لشکری مقامی لوگوں سے گفتگو کرتے وقت کمال التفات اور محبت کا اظہار کریں۔ سوار نے اس لئے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ "آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم مصری عوام کے بھائی ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ آپ اپنے عزیز سے ضرور ملیں گے۔ ان کا نام بتائیے۔ میں آپ کو ان تک پہنچا کے آؤں گا۔"

عامر غربی نے بڑی مسرت سے بتایا۔ "میں ان کا برادر نسبتی ہوں۔ ان کا نام ملک شاور ہے۔ وہ مصر کے وزیر اعظم تھے اور سلطان دمشق کے پاس مدد حاصل کرنے گئے تھے۔"

سوار گھوڑے پر سے اس طرح کودا جیسے بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ چند لمحے وہ آنکھیں پھاڑ کے عامر اور قاسم کو دیکھتا رہا پھر سر ہلا کر کہا۔ "تم مصر کے معزول وزیر ملک شاور سے ملنا چاہتے ہو۔"

عامر غربی اس کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا لیکن قاسم الحسین نے آگے بڑھ کے جواب دیا۔ "جی ہاں۔ یہ وزیر اعظم ملک شاور کے سالے ہیں۔ آپ نے سنا نہیں کہ ساری خدائی ایک طرف جورو کا ہو۔ تو تم بیوی کے بھائی ہو" سوار کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا۔

"میں ---- میں نہیں یہ" قاسم الحسین نے عامر کی طرف اشارہ کیا۔

"تم بھی اور وہ بھی--" یہ کہہ کے سوار نے ایک طرف دیکھ کے آواز دی۔ "ادھر آنا ذرا۔" چار پانچ سپاہی دوڑ کے سوار کے پاس آ گئے۔

"ان دونوں کو سردار کے پاس لے جاؤ۔ یہ اپنے کو ملک شاور کا سالا کہتے ہیں۔" سوار نے آنے والوں سے کہا آنے والوں نے فوراً تلوار کی نوک پر انہیں اندر بھیج دیا وہ بیچارے سخت پریشان کہ کیا ماجرہ ہے اور وہ کن لوگوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھے کہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے۔

Marfat.com

ذرا دیر بعد کسی نے خیمہ کا پردہ اٹھا اندر جھانکا اور ذرا دیر انہیں غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ "اچھا تو تم ہو وہ لوگ۔۔۔"

"کون لوگ؟" عامر کی زبان سے اک دم نکل گیا۔

عامر کو کسی نے جواب نہ دیا۔ انہیں گھور کر دیکھنے والا گردن کھینچ کر غائب ہو گیا تھا۔ باہر پہرے دار اس طرح مستعد کھڑے تھے جیسے وہ کسی مجرم کی حفاظت کر رہے ہوں۔ عامر اور قاسم الحسین کو قید کر دیا گیا تھا۔ انہیں جرم نہیں بتایا گیا حالانکہ اگر انہیں بتا دیا گیا ہوتا کہ شامی لشکر نے انہیں اس شبہ میں گرفتار کیا ہے کہ شاید وہ ملک شاور کو قتل کرنے آئے ہیں اور اس کے جاں نثار گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

شامی لشکر کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ شیرکوہ کے ساتھ اب صلاح الدین چل رہا تھا۔ ملک شاور کو حفاظت کی خاطر سواروں کے درمیان میں رکھا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے بلبیس کی جنگ میں جو کارنامہ انجام دیا تھا اس نے شیرکوہ کو بھتیجے کے مستقبل سے بہت پرامید کر دیا تھا۔

ضرغام قلعہ بند ہو گیا تھا۔ شیرکوہ نے قاہرہ پہنچ کے فصیل شہر کا ایک چکر لگایا اور جہاں مناسب سمجھا وہاں سواروں کا پہرہ لگانے کا حکم دیا۔ قلعہ کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا اور ایک اطلاع کے مطابق قلعہ میں کافی فوج سامان رسد موجود تھا۔ شیرکوہ نے محاصرہ کا حکم دیا اور قاہرہ سے ذرا ہٹ کر فسطاط جسے فسطاس بھی کہتے ہیں' اپنی لشکر گاہ قائم کی۔ مصری فوج کے دونوں سالار ناصر الدین اور فخر الدین جنگی قیدی کی حیثیت سے شامی لشکر میں قید تھے۔ اسی طرح عامر غربی او قاسم الحسین کو جنہیں شبہ کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ بھی لشکر گاہ کے درمیان ایک خیمے میں رکھے گئے تھے۔

ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام کو قتل کرنے کا مشورہ ملک شاور برابر دے رہا تھا بلکہ اس نے اس کا جواب بھی پیش کیا تھا۔ اس نے شیرکوہ کو سمجھایا کہ اگر ان دونوں کے سر قلم کر کے قلعہ کے صدر دروازے کے سامنے پھینک دیئے جائیں تو محصور فوج میں خوف پیدا ہو جائے گا اور ان میں بدلی پھیلے گی لیکن اسد الدین شیرکوہ ہمیشہ یہ کہہ کے ٹال جاتا کہ ابھی ان دونوں کا قتل مناسب نہیں۔ کیا پتہ مصری لشکر کو ان کی کسی وقت ضرورت پڑ جائے۔

ضرغام کو نہ تو جنگ کا کوئی تجربہ تھا اور اسے یہ اندازہ تھا کہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں قلعہ کے اندر کتنا سامان رسد ذخیرہ ہونا چاہئے۔ اس نے قلعہ بند ہو کے یہ سوچ لیا تھا کہ اب اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور حملہ آور باہر کے صدقوں کو تاراج کر کے واپس چلے

Marfat.com

جائیں گے لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ شیرکوہ کے قدم فسطاط میں جمے جا رہے تھے۔ اس نے صلاح الدین کو قاہرہ کے محاصرہ کا سردار بنا دیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ ہر روز یا ہفتہ میں کم از کم ایک بار قلعہ پر اس قدر زبردست حملہ کرے قلعہ والے لرز کر رہ جائیں۔ اسے ضرغام سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ اگر ضرغام جو قلعہ حوالے کرنے پر تیار ہوتا اور اس کے صلے میں اپنی جان کی امان چاہتا تو شیرکوہ کو اس پر اعتراض نہ ہوتا۔ اس سلسلہ میں اس نے ملک شاور سے بھی گفتگو کی تھی لیکن ملک شاور اور ہی خیالوں میں تھا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں سپہ سالار۔" ملک شاور نے غصہ سے جواب دیا تھا۔ "میں ضرغام کو کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے مجھے برباد کیا ہے میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

شیرکوہ ہنس دیا تھا۔ "ظلم کا بدلہ ظلم تو نہیں۔ اس نے تم سے مصر کی وزارت چھینی تھی۔ تم اس سے وزارت واپس لے لو۔ بس قصہ ختم۔ زیادہ سے زیادہ اسے قید کر دینا۔"

"یہ تو ہو ہی نہیں سکتا سپہ سالار۔ آپ دیکھیں گے میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔ میری بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کا کوئی پتہ نہیں۔ اس نے سب کو قتل کر دیا ہو گا۔ آپ جلدی سے قلعہ پر قبضہ کر لیجئے پھر میں اسے دیکھ لوں گا۔" ملک شاور دل کے پھپولے پھوڑنے لگا۔

"ہم خاموش نہیں بیٹھے ہیں۔ قلعہ کو ہم نے پوری طرح گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ضرغام کو باہر سے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ جب اس کے آدمی بھوکوں مرنے لگیں گے وہ خود دروازہ کھول دے گا۔ محاصرہ جنگ جیتنا ایک طویل عمل ہے۔ اس میں ایک سال بھی لگ سکتا ہے۔"

شیرکوہ نے اسے نرمی سے سمجھایا تھا لیکن اس کا منہ پھول گیا۔ "اتنے عرصہ تک میں صبر نہیں کر سکتا۔ آپ قلعہ پر حملہ کیوں نہیں کرتے۔" ملک شاور جامہ سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

شیرکوہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ "ملک شاور۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم ریگستان پار کر کے مصر تفریح کرنے آئے ہیں۔ جنگ میں بڑے تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ محصارہ جاری ہے اور قلعہ پر برابر حملے کئے جا رہے ہیں۔ ہم زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

ملک شاور نے افسردگی سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میں نا امید ہو جاؤں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا کہ شامی لشکر بھی ضرغام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو دمشق جانے کی مصیبت کیوں اٹھاتا۔"

Marfat.com

"تم بہت ناشکرے ہو ملک شاور۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم فسطاط میں بیٹھے جی رہے ہیں اور تم مصیبت جھیل رہے ہو۔" شیرکوہ کا لہجہ بھی سخت ہو گیا۔ "ہم قلعہ وجہ یلغار کر کے اپنے سپاہیوں کو ضائع نہیں کر سکتے۔"

"لیکن آپ تو فسطاط سے باہر نکلتے ہی نہیں۔" ملک شاور پر شیرکوہ کے تند لہجے کا اثر نہ ہوا تھا۔

"تم کس قدر جلد باز ہو ملک شاور ---" شیرکوہ حالات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لہجے میں ٹھہراؤ پیدا کیا۔ "ہم خود چاہتے ہیں حالات جلد از جلد قابو میں آ جائیں اور وزارت کے عہدے پر سرفراز ہو جاؤ ہم یہاں ٹھہرنے نہیں آئے لیکن جلد میں کوئی قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتے۔"

ملک شاور اپنی وزارت کے ذکر پر خوش ہو گیا۔ "آپ ٹھیک فرماتے ہیں سپہ سالار دراصل اہل خانہ کی خبر نہ ملنے سے میں پریشان ہو گیا ہوں۔ بہرحال آپ سپہ سالار ہیں بہتر جانتے ہیں کہ جنگ کی کونسی حکمت عملی اختیار کی جائے۔"

شیرکوہ نے اس سے دریافت کیا۔ "ملک شاور اگر تم کہو تو ہم تمہارے اہل خانہ لئے چاروں طرف اعلان کرا دیں لیکن اس میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی پناہ گاہ سے تو نکل آئیں لیکن تمہارے پاس پہنچنے تک اگر کسی دشمن کے ہاتھ پڑ گئے تو ---"

"خدا انہیں محفوظ رکھے۔" ملک شاور گھبرا گیا --- "آپ اعلان ہرگز نہ کرائیے گا وہ اگر زندہ ہیں تو خدا ایک دن ملا دے گا۔"

ملک شاور نے شاید پہلی مرتبہ خلوص دل سے خدا سے دعا مانگی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد شیرکوہ کو اطلاع دی گئی کہ دو عورتیں اور بچیاں گرفتار کی گئی ہیں جو اپنے آپ کو ملک شاور کا قریبی عزیز بتاتی ہیں۔ شیرکوہ کو غصہ آ گیا۔

"عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنے کا کس نے حکم دیا ہے۔" شیرکوہ چیخ پڑا۔

اطلاع دینے والا ایک معمولی سپاہی تھا اس نے عورتوں اور بچیوں کو روتے دیکھا تو بھاگ کے اپنے آقا کو خبر دی۔ اب اسے لینے کے دینے پڑ گئے۔ اسے یہ تو علم تھا کہ سپہ سالار کا حکم ہے کہ ملک شاور سے ملنے والے ہر شخص کو گرفتار کر لیا جائے لیکن وہ کہتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

شیرکوہ نے اسے خاموش دیکھا تو ذرا نرمی سے بولا ---- "او مرد خدا۔ کتنی بری بات ہے کہ تم لوگوں نے عورتوں اور بچیوں کو گرفتار کر لیا۔ شہر والوں کو معلوم ہو گا تو وہ کیا سوچیں گے اگر انہوں نے ملک شاور کی رشتہ دار ہونے کا دعوی کیا تھا تو پہلے ان سے پوچھ

Marfat.com

تو لیا ہوتا۔"

سپاہی نے سوچا کہ اب جواب تو دینا ہی پڑے گا پھر کیوں نہ حوصلے سے جواب دے۔ اس نے سنبھل کے جواب دیا۔ "سپہ سالار آپ ہی نے حکم دیا تھا؟"

"میں نے ---- میں نے کہا تھا کہ عورتوں اور بچیوں کو پکڑ لو --- یہ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے" شیرکوہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"جی سپہ سالار۔ ہم لوگوں کو تو یہی بتایا گیا تھا کہ سپہ سالار کا حکم ہے جو بھی مصر کے وزیر اعظم سے ملنے کے لئے اسے فوراً گرفتار کر لیا ائے---" سپاہی نے وضاحت کر دی۔

"تم اور تمہیں بتانے والے دونوں ہی عقل سے خالی معلوم ہوتے ہو۔" شیرکوہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ "میں نے کہا تھا کہ اگر ملک شاور سے کوئی ملنے آئے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے جب تک ملک شاور سے تصدیق نہ کرا لی جائے۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر ملک شاور اسے پہچان لیں تو اسے حفاظت میں ان کے پاس پہنچا دیا جائے اور اگر ملک شاور اس پر شبہ ظاہر کریں تو اسے گرفتار کر کے قید میں رکھا جائے۔"

سپاہی کو اور حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "سپہ سالار اس سے پہلے دو آدمی ملک شاور سے ملنے آئے تھے اور ہما۔ر سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ ان کے بارے میں وزیر اعظم سے کچھ نہیں پوچھا گیا تھا۔ وہ اب تک ایک خیمے میں قید پڑے ہیں۔"

شیرکوہ کے کان کھڑے ہوئے۔ "تم لوگ عجیب بے وقوف ہو۔ اچھا پہلے ان عورتوں کا فیصلہ ہو جائے پھر ان آدمیوں کو بھی دیکھیں گے۔ عورتوں کے پاس جاؤ اور ان کا نام پوچھو۔ پھر اس کی تصدیق ملک شاور سے کراؤ اگر ملک شاور ان سے ملاقات پسند کریں تو انہیں عزت کے ساتھ ان کے پاس پہنچا دو اور اگر وہ پہچاننے سے انکار کر دیں تو ہمارے سامنے پیش کرو۔"

سپاہی نے ایسا ہی کیا۔ وہ بھاگتا ہوا ان گرفتار عورتوں کے پاس گیا۔ ان کے نام پوچھے پھر سیدھا ملک شاور کے پاس گیا اور آنے والی عورتوں کے نام بتائے۔ ملک شاور اور ان کے نام سن کر ایسا خوش ہوا کہ فوراً اس سپاہی کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہ اس خیمہ میں داخل ہوا جس میں عورتوں اور بچوں کو قید کر کے رکھا گیا تھا تو دونوں عورتیں اور بچیاں دوڑ کے ملک شاور سے لپٹ گئیں۔ یہ خواتین ملک شاور کی بیوی دونوں بچیاں اور بھانجی زرتاج تھیں۔ ملک شاور کی بیوی دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی۔ ملک شاور اسے جتنی تسلی دیتا اتنا ہی وہ پھوٹ پھوٹ روتی تھی۔

ملک شاور سب کو اپنے خیمہ میں لے آیا۔ ملک شاور کی بیوی نے رو رو کے اپنی

Marfat.com

داستان سنائی۔ ملک شاور بھی آبدیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے بیوی بچوں کو صبر کر لیا تھا۔ اس اپنی سرزمین اس کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی پھر اس کے اہل خانہ کون پوچھتا۔ ملک شا نے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی تھی کہ جب وزارت نہیں رہی تو کسی اور کو کیا کہا جائے

"تم لوگ یہاں تک پہنچیں گئے۔ ضرغام کے آدمیوں نے تمہیں پہنچانا نہیں؟۔" ملک شاور کو ان کے بخیریت پہنچنے پر تعجب ہو رہا تھا۔

اس کی بیوی سے تو جواب دیا نہیں گیا۔ اس نے رو رو کے اپنا برا حال کر لیا تھا۔ ملک شاور کی بھانجی زرتاج نے جواب دیا۔ "ماموں جان بس یہ سمجھئے کہ خدا نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا ورنہ ہر قدم پر یہی خطرہ تھا کہ اب مارے گئے اور اب مارے گئے۔"

"تم لوگ اب تک سعید السعداء کے مکان پر تھے؟" ملک شاور نے دوسرا سوال کیا۔

"پہلے ہم انہی کے گھر پر تھے مگر جب ہنگامہ زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے ہمیں دوسری جگہ بھیج دیا۔" زرتاج نے سسکیوں کے درمیان بتایا۔ "پھر تو پیر میں چکر بندھ گیا۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ خدا بھلا کوچبان (کوچوان) کا وہ ہمیں اپنے ساتھ صعیدہ لے گیا اور ہمیں اپنا رشتہ دار بنا کر اپنے ہی گھر میں رہنے کے لئے جگہ دے دی۔ اس طرح ہم محفوظ رہے ورنہ پھر قیامت ہی میں ملنا ہوتا۔"

ملک شاور بے چین ہو کر دونوں بچیوں کو سینے سے لگاتا تھا۔ دراصل اس وقت اسے اپنے تینوں بیٹے یاد آ رہے تھے جن کے متعلق اسے کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔ اس نے بیوی سے سوال کیا۔ نیک بخت۔ تم خود اپنی مصیبتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ تم نے علی۔ طے اور کامل کے بارے میں کیا سنا ہو گا؟"

بیوی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے بارے میں ہزار کوشش کے باوجود کچھ پتہ نہ چل سکا تھا تو پھر کسی اور کے بارے میں کیا معلوم ہوتا۔ صرف ایک بار عامر غربی ہم لوگوں کو ڈھونڈتا ہوا صعیدہ پہنچا تھا اور زرتاج سے ملا تھا۔"

ملک شاور نے سوالیہ نظروں سے زرتاج کو دیکھا۔ "یہ ٹھیک ہے ماموں جان۔ میں جب بہت بے چین ہوتی تھی تو اپنی حویلی کے کھنڈرات پر آنسو بہانے چلی جاتی تھی ——"

"کون سی حویلی؟" ملک شاور نے چونک کے بات کاٹی

زرتاج نے جواب میں بتایا۔ "آپ کی حویلی ماموں جان۔ اس حویلی کو ظالموں نے زمین کے برابر کر دیا ہے۔ صعیدہ والے بتاتے ہیں کہ ضرغام کے فوجیوں نے حویلی کو تین روز تک لوٹا تھا۔ پھر جب وہ واپس گئے تو محلے والوں نے حویلی کی کھڑکیاں اور دروازے

Marfat.com

نے نکال دیئے۔ تمام حویلی زمین پر آ رہی۔ ایک شام جب میں کھنڈرات میں گئی تو وہاں مجھے عامر مل گئے۔ وہ بھی حویلی پر آنسو بہانے آئے تھے۔ اس زمانے میں صعیدہ میں ضرغام کے بہت سے جاسوس گھوم رہے تھے ضرغام کو بتایا گیا تھا کہ آپ کے گھر والے اور عامرؔ صعیدہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ کئی گھروں پر چھاپے پڑے مگر کوچوان ہمیں ہر بار کسی دوسری جگہ چھپا دیتا اور چھاپہ مارنے والے ناکام واپس ہو جاتے۔"

"عامر اب کہاں ہے؟" ملک شاور نے پوچھا۔

زر تاج نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جس دن دارالوزارت کو گھیرا گیا' وہ آپ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ آپ دارالوزارت سے بحفاظت نکل گئے ہیں اور یروشلم یا دمشق گئے ہیں۔ اس کے بعد سے ان کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید وہ آپ تک پہنچ گئے ہوں گے۔"

قدرت بھی کس قدر ستم ظریف ہے۔ بگاڑنے پر آئے تو بادشاہ کو بھیک منگوا دے اور بنانے پر آئے تو الٹے اور ناممکن کام میں لمحوں میں بنا دے۔ یہ لوگ اپنی اپنی سنا رہے تھے کہ ملک شاور کے محافظوں میں سے ایک اندر آ گیا۔

"ملک شاور کو اس کا آنا بہت ناگوار ہوا۔" کیوں آئے ہو تم۔ دیکھتے نہیں کہ یہاں خواتین بھی ہیں۔ خبردار۔ اب بغیر بلائے اندر نہ آنا۔"

محافظ نے ادب سے کہا ــــ "محترم۔ ایک دوسرے خیمے کا پہریدار آیا ہے وہ آپ سے ایک بات کی تصدیق چاہتا ہے۔"

ملک شاور اور جھلا گیا۔ چیخ کے بولا۔ "کون ہے وہ کیا تصدیق چاہتا ہے؟"

محافظ نے ملک شاور کے سخت لہجہ کا برا نہ منایا۔ شیرکوہ کا حکم تھا کہ ملک شاور شاہی مہمان ہے اس لئے اس کی عزت اور وقار کا خیال رکھا جائے۔ محافظ نے اور نرم لہجے میں کہا۔ "جناب وہ قیدیوں کے خیمے کا پہریدار ہے اور یہ تصدیق چاہتا ہے کہ آپ عامر غربی نام کے کسی شخص کو جانتے ہیں؟"

"عامر غربی!" ملک شاور اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ۔ جلدی بتاؤ؟"

محافظ نے جواب دیا۔ "محترم اس وقت وہ قیدی ہیں اور انہیں ایک خیمے میں رکھا گیا ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے بشرطیکہ آپ اجازت دیں اور پسند فرمائیں۔"

"ہاں ہاں۔ اسے جلدی یہاں لاؤ۔ وہ میرا بھائی ہے۔" ملک شاور نے بے چینی سے کہا۔

Marfat.com

محافظ نے یہ بات باہر کھڑے ہوئے پہریدار کو بتا دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس قیدی کو بڑی عزت سے یہاں لاتا کیونکہ وہ شاہی مہمان کا بھائی ہے۔ پہریدار تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔
عامر غزنی اور قاسم الحسین کو جس خیمے میں قیدیوں کی طرح رکھا گیا تھا۔ اس کے پہریدار روز تبدیل ہوتے تھے۔ عامر ہر پہریدار کی خوشامد کرتا کہ اس کا پیغام ملک شاور تک پہنچا دے مگر کوئی اس کی بات پر کان نہ دھرتا الٹا اس کا مذاق اڑاتے کہ پڑا تو قید میں ہے اور دعویٰ کرتا ہے شاہی مہمان کے رشتہ دار ہونے کا اس طرح عامر غزنی اور قاسم الحسین بلبیں سے فسطاط پہنچ گئے اور ان کی فریاد کسی نے نہیں سنی۔ اس کی قسمت اچھی تھی یا خدا کو اس کی قید ختم کرنا مقصود تھی۔ اس لئے آج جو پہریدار خیمہ پر مقرر ہوئے وہ نیک دل اور نیک طبیعت تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اس خیمے میں دو قیدی سپہ سالار کے حکم سے رکھے گئے ہیں۔ دوسرے لشکریوں کی طرح ان کا بھی خیال تھا کہ ان قیدیوں نے ضرور کوئی ایسی حرکت کی ہے جس کی پاداش میں انہیں چار سپاہیوں کے پہرے میں رکھا گیا ہے لیکن جب وہ پہرے پر آئے اور انہوں نے دونوں قیدیوں کی باتیں کان لگا کر سنیں تو انہیں شبہ ہوا کہ انہیں ضرور کسی غلط فہمی کی بنا پر قید کیا گیا ہے۔

ان میں سے ایک پہریدار جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ رحمدل تھا' نے عامر سے اس کی رام کہانی پوچھی تو اس نے ایک ایک بات اگل دی۔ پہریدار کو یقین ہو گیا کہ عامر' شاہی مہمان کا اگر سالا نہیں تو کوئی قریبی رشتہ دار ضرور ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ آج شام جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوں گے تو اپنے سردار سے عامر غزنی کی داستان بیان کر کے اس کا تعاون حاصل کریں گے تاکہ دو بے گناہ قیدیوں کو رہائی مل سکے لیکن ان بے قصور قیدیوں کی رہائی کا وقت اس سے بھی پہلے مقرر تھا۔ سپہ سالار شیرکوہ نے ملک شاور کے اہل خانہ کو ملک شاور کے پاس بھیجنے کا حکم دے کر ایک غلام کے ذریعہ ان قیدیوں کی تحقیقات کا حکم دیا تھا جو ملک شاور کی رشتہ دار ہونے کی بنا پر بغیر گواہی شہادت کے پکڑ کے قید کر دیئے گئے تھے۔

سپہ سالار کا غلام اس خیمہ پر پہنچا اور شیرکوہ کا حکم سنایا۔ یہاں کے پہریدار پہلے ہی عامر غزنی کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ سپہ سالار کا حکم پاتے ہی ایک پہریدار ملک شاور کے خیمے پر پہنچ گیا۔ اس طرح عامر غزنی اور قاسم الحسین کو ملک شاور کے سامنے پیش کیا گیا۔ عامر غزنی دوڑ کے ملک شاور کے گلے لگ گیا۔ اس کی بیوی اپنے بھائی سے ملنے کے لئے اس قدر بے تاب ہوئی کہ قاسم الحسین کی موجود کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ دوڑتی ہوئی عامر کے پاس پہنچی اور اسے گلے لگا لیا۔

Marfat.com

پھر جب سارا خاندان ایک جگہ جمع ہوا تو ان کی خوشی کا عالم دیکھنے والا تھا۔ زرتاج
نکھیوں سے عامر کو دیکھ رہی تھی اور عامر بہن سے گفتگو کرتے کرتے رک رک کے زرتاج
کو دیکھ رہا تھا۔ ملک شاور دل میں بہت خوش تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اشک بھر آئے
تھے۔

"کاش اس وقت میرے تینوں بیٹے بھی ہوتے۔۔۔" ملک شاور نے کہا اور اس کی
آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو ٹپک پڑے۔

عامر غزنی کو صرف علی کے بارے میں یقین تھا کہ وہ لڑتے ہوئے مارا گیا ہے لیکن اس
نے مصلحتاً اپنی زبان بند رکھی۔ اس خوشی کے موقعہ پر وہ غم کی آمیزش نہیں کرنا چاہتا تھا۔

Marfat.com

ملک شاور کا منصوبہ

فسطاط یا فسطاس جہاں اسد الدین شیرکوہ نے اپنی لشکرگاہ قائم کی تھی۔ اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اکیس ہجری (۲۱ ھ) میں جب عہد فاروقی میں عمرو بن العاص نے اپنے لشکر کے ساتھ مصر میں قدم رکھا تو انہوں نے ایک مقام جسے تمفس کہتے تھے' اس میں اپنی خیمہ گاہ بنائی تھی۔ تمفس میں لشکر اسلام بہت دن مقیم رہا پھر حضرت عمرو بن العاص نے تمفس سے اسکندریہ کی فتح کے لئے کوچ کا ارادہ کیا۔ لشکریوں نے خیمے اکھاڑنا اور سامان باندھنا شروع کر دیا۔ اس وقت ایک فراش جو سپہ سالار عمر بن العاص کے خیمے سے متعلق تھا اس نے سپہ سالار کو اطلاع دی کہ ان کے خیمے میں کبوتر نے گھونسلہ بنا لیا ہے اور اس میں انڈے رکھے ہیں۔ عمرو بن العاص نے خود خیمے کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ اس خیمہ کو اس طرح رہنے دو تاکہ بن بلائے مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ کبوتر والے خیمہ کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ پھر جب لشکر اسلام اسکندریہ فتح کر کے واپس آیا اور اس کی اطلاع حضرت عمر فاروقؓ کو دی گئی تو اس میں کبوتر کے انڈے دینے کا واقعہ بھی لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں عمرو العاص کو حکم دیا کہ جس جگہ کبوتر والا خیمہ ہے اس کے گرد ایک شہر آباد کرو۔ اس طرح خلیفہ دوم کے حکم پر تمفس میں ایک بڑا شہر آباد ہوا۔ عربی میں

Marfat.com

خیمے کو فسطاط کہتے ہیں اس لئے یہ شہر ممفس سے فسطاط ہو گیا۔ فسطاط کو بعض جگہ فسطاس بھی لکھا گیا ہے۔

فسطاط آگے چل کر مصر کے سب سے بڑے شہر قاہرہ کا ایک حصہ بن گیا۔ فسطاط کے ۳۳۲ سال بعد جب جوہر صقلی نے مصر فتح کیا تو ۱۷ شعبان بروز سہ شنبہ ایک جدید شہر منورۃ المصورہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ دور علویینؑ عبیدین کا تھا۔ اسے فاطمی دور بھی کہتے ہیں۔ طے یہ کیا گیا کہ دارالامارہ مدارس' شفاخانہ' جامعہ مسجد اور دارالقضا وغیرہ کے سنگ بنیاد ایک ہی وقت میں رکھے جائیں۔ اس کے لئے بانس کی بلیوں میں ڈوری باندھ کر ان میں گھنٹیاں آویزاں کر دی گئیں تاکہ نیک وقت پر ڈوری ہلائی جائے اور گھنٹیاں بجنا شروع ہوں تو سنگ بنیاد رکھا جائے لیکن ہوا یہ کہ ایک کوا اڑتا ہوا آیا اور ڈوری پر بیٹھ گیا۔ اس کے پیر کی جنبش سے ڈوری ہلی اور گھنٹیاں بجنا شروع ہوئیں اس کے ساتھ دارالامارہ' مدارس' شفاخانہ' جامعہ مسجد اور دارالقضا کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ جوہر صقلی اس حادثہ سے ملول ہو گیا۔ لیکن فاطمی خلیفہ معزلدین اللہ جو علم الافلاک اور نجوم کا ماہر تھا اس نے زائچہ دیکھ کر کہا کہ اس وقت آفتاب برج حمل میں تھا اور سلطان فلک مریخ تھا جو قاہر آسمان ہے لہٰذا اس شہر کا نام منصورہ کے بجائے قاہرہ رکھا جائے۔ جس جگہ اس وقت قاہرہ اور اس کے مضافات آباد ہیں وہاں پہلے سات شہر' عون' ام دنین' بابلونؔ' قصر الشمع' العسکر القطیع اور فسطاط آباد تھے۔ یہ سب شہر قاہرہ کی حدود میں شامل ہو گئے۔

قاہرہ کے عوام باوجود خوشحال ہونے کے مصر میں آئے دن وزیروں کی الٹ پلٹ اور لڑائی جھگڑوں سے سخت پریشان تھے۔ انہیں نہ تو ضرغام سے ہمدردی تھی اور نہ ملک شاور سے وہ سکون کے طلب گار تھے جو انہیں میسر نہ تھا۔ قلعہ بند ہونے کی وجہ سے شہر میں اشیائے خورد و نوش کی کمی ہو رہی تھی۔ شاہی خزانہ تیزی سے خالی ہو رہا تھا۔ فصیل شہر پر برابر حملے ہو رہے تھے اس لئے باہر سے کوئی مدد آنے کی امید نہ تھی۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کے لئے رقم نہ تھی۔ ضرغام سخت پریشان تھا۔ اس نے خلیفہ عاضد کے پاس کئی قاصد بھیجے تھے کہ اس کی مالی مدد کی جائے لیکن اس نے کسی قاصد کو باریابی کی اجازت نہ دی اور ضرغام کڑھ کڑھ کے رہ جاتا تھا۔

مصر کے امرائے برقیہ کے لئے ضرغام اور ملک شاور یکساں تھے۔ ضرغام مصیبت میں گرفتار ہوا تو انہوں نے ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ چند ہی دنوں میں خزانہ خالی ہو گیا۔ ضرغام کو رقم کی سخت ضرورت تھی۔ عوام سے زبردستی رقم حاصل کی جا سکتی تھی لیکن اسے خطرہ تھا کہ اگر عوام پر تشدد کیا گیا تو کہیں فوج نہ بگڑ جائے۔ فوج بھی

Marfat.com

آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ضرغام چونکہ وزیر اعظم تھا اس لئے وقف کی تمام آمدنی اس کے قبضے میں رہتی تھی۔ خزانہ خالی ہوا تو اس نے اوقاف کی رقم پر ہاتھ صاف کیا۔ اس سے عوام میں بے چینی پھیل گئی اور لوگ سرعام ضرغام کو برا بھلا کہنے لگے۔

وہ جو کہتے ہیں کہ دنیا جائے عبرت ہے تو یہ حال ضرغام کا تھا۔ کچھ دن پہلے اس کے نام کا دارالوزارت اور حریم خلافت میں ڈنکہ بجتا تھا لیکن اب اس کی ذات نشان عبرت بن گئی تھی۔ فوج میں برابر کمی ہوتی جا رہی تھی۔ ضرغام جدھر سے نکلتا لوگ اسے سلام کرنے کے بجائے اس کی طرف پیٹھ کر کے نکل جاتے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے ہمدردوں کی تعداد صرف پانچ سو سوار رہ گئی۔ اس تعداد میں فوج اور اس کے غلام دونوں ہی تھے۔ امرائے برقیہ میں سے ایک بھی دارالوزارت میں نہ رہ گیا تھا۔ سب نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ادھر ضرغام کا قاصد روز حریم خلافت پر دستک دیتا لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوتی۔ ضرغام نے کبھی یہ سوچا بھی ہو گا کہ وہ لوگ جو اس کے پسینے پر خون بہانے کو آمادہ رہتے تھے آج ان کی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔

آخر مصر کا وزیر اعظم ضرغام جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو اپنے تمام سواروں کو ساتھ لے کر خلیفہ عاضد کے محل (حریم خلافت) کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کی آمد کی اطلاع پا کر قصر خلافت کا دروازہ بند کر لیا گیا اور محل کے اس جھروکے میں پردہ ڈال دیا گیا جس میں بیٹھ کر خلیفہ عوام کو درشن دیا کرتا تھا۔ اس درشن یا دیدار کی رسم بھی عجیب گمراہ کن تھی۔ اس کا آغاز بغداد کے عباسی خلافت کے زمانہ سے ہوا تھا۔ خلیفہ کو اس قدر بلند مقام دیا گیا تھا کہ اس کے محل میں ایک جھروکہ بنایا جاتا تھا جس میں بیٹھ کر خلیفہ ہفتہ کے ایک دن عوام کو اپنا دیدار کراتا وہ بھی اس طرح کہ عوام کی قطار اس جھروکے کے سامنے سے گزرتی تھی جس میں خلیفہ کے بیٹھنے کا اعلان ہوتا تھا۔ جھروکہ اس قدر بلند ہوتا تھا کہ قطار میں گزرنے والے کی نظریں وہاں تک مشکل ہی سے پہنچ سکتی تھیں اور اگر وہاں کوئی بیٹھا بھی ہو تو اس کا چہرہ نظر آنا ناممکن سی بات تھی۔ اسی طرح جھروکہ کے نیچے ایک سیاہ کپڑا لٹکتا رہتا تھا جو خلیفہ کی آستین کا نشان تھا۔ نیچے سے گزرنے والے اس کپڑے کو اس اعتقاد سے بوسہ دیتے گویا وہ دست خلیفہ کو چوم رہے ہیں۔

پھر مصر میں فاطمی خلافت قائم ہوئی جو بغداد کی سنی خلافت کی متوازی شیعہ خلافت تھی۔ قاہرہ کی حریم خلافت میں بھی وہی تمام رسومات اور بدعتیں دہرائی گئیں جو بغداد میں رائج تھیں۔ یہ سلسلہ بغداد اور قاہرہ کی خلافتوں کے اختتام تک چلتا رہا۔

فطرت کی یہ بھی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ملک شاور کے تقریباً تمام رشتہ داروں کو

Marfat.com

اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ ملک شاور ان دنوں شامی لشکر کے سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ کی لشکر گاہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے کئی بار شیرکوہ سے درخواست کی کہ قلعہ پر یلغار کر کے قاہرہ پر قبضہ کر لیا جائے لیکن شیرکوہ اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس فوج کم تھی اور ابھی اسے مصر میں کئی معرکوں کا امکان تھا۔ مصر آنے والی فوج کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ اسد الدین شیرکوہ کو مصر کی فتح کے لئے صرف دو ہزار سوار دیئے گئے تھے لیکن یہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ دوسری جگہ درج ہے کہ سلطان نور الدین نے شیرکوہ کے ساتھ ترکمانوں کا ایک بڑا لشکر بھیجا تھا۔ تعداد کچھ بھی ہو مگر یہ طے ہے کہ شیرکوہ کے پاس اگر کوئی بڑا لشکر ہوتا تو وہ محاصرہ کو اس قدر طول نہ دیتا۔ شیرکوہ یہ بھی چاہتا تھا کہ مصر کا سب سے بڑا اور خوبصورت شہر تباہ نہ ہونے پائے۔ قاہرہ میں جامعہ سیدنا حسینؓ اور جامعہ سیدہ نفیسہ کی متبرک درگاہیں تھیں اور عام یلغار اگر کامیاب بھی ہو جائے ان مقابر کی بے حرمتی کو کوئی نہ روک سکے گا۔

اوقاف کی رقم صرف کرنے سے لوگ ضرغام کے بہت خلاف ہو گئے تھے اور امکان پیدا ہو گیا تھا کہ کسی وقت بغاوت پھوٹ پڑے اور عوام خود ہی شہرپناہ کے دروازے کھول دیں۔ شیرکوہ نے ان اطلاعات کی بنا پر محاصرہ نرم کر دیا تھا کہ اگر ضرغام قلعہ چھوڑ کر جانا چاہے تو چلا جائے اور قاہرہ پر شیرکوہ کا قبضہ ہو جائے۔

ادھر ضرغام اپنی بچی کھچی فوج جس کی مجموعی تعداد صرف پانچ سو رہ گئی تھی اسے لے کر حریم خلافت کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ فاطمی خلیفہ خوف کھا کر یا رحم کھا کر اس کی بات سنے گا اور حمایت پر آمادہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں ضرغام کے خوف کے بجائے خلیفہ عاضد کے لئے ایک نرم گوشہ تھا لیکن خلیفہ نے ضرغام کوئی جواب نہ دیا اور حریم خلافت کے دروازے ضرغام پر بند رہے۔ جب شام سے رات ہو گئی اور ضرغام نے دیکھا کہ اس کے وفاداروں کی تعداد گھٹ کر صرف تیس سوار رہ گئی تو وہ حریم خلافت کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا اور اس نے رقت بھری آواز میں کہا۔

"اے طلبین۔ عبیدمین اور فاطمی خلافت کے وارث اور رکھوالے۔ تو میری نہ سن بلکہ مصر کے ڈوبتے ہوئے تخت و تاج کی مدد کر اور اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے بچا لے۔ مجھے میرے مخبروں نے بتایا کہ سلطنت مصر پر حملہ بغداد کے سنی خلیفہ کے حکم کیا گیا ہے جو قاہرہ کے فاطمی خلیفہ کا دشمن ہے۔ اے محترم و مقدس خلیفہ تجھے مشہد سیدنا حسین اور مشہد سیدہ نفیسہ (حضرت امام حسین پرپوتی) اور مشہد سیدہ زینب (امام حسین کی بہن) کی قسم صرف ایک جھروکے میں بیٹھ کر مصر کے عوام سے صرف یہ کہہ دے کہ وہ میری مدد کریں۔

Marfat.com

اے فاطمیوں کے عظیم خلیفہ یاد رکھو اگر دارالوزارت سے مجھے نکلنا پڑا تو حریم خلافت میں بھی نہ رہ سکے گا۔"

ادھر ضرغام خلیفہ عاضد سے مدد کی التجائیں کر رہا تھا ادھر عوام کا وفد فسطاط میں ایک معاہدہ پر دستخط کر رہا تھا جس کی رو سے قلعہ شاہی لشکر کے حوالے کیا جانا تھا اور شاہی لشکر کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ وہ قلعہ میں داخل ہو کر کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان نہیں کرے گا۔ ضرغام کی آواز صدا الصحراء ثابت ہو رہی تھی۔ اس دفعہ کو جو اس نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تیس سواروں میں سے بھی دوچار اور کم ہو گئے۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی طرف آواز آئی:۔

"اے نادان۔ اقتدار کا خیال چھوڑ اور اپنی جان کی فکر کر کہ دشمن چڑھا چلا آ رہا ہے۔"

لیکن اقتدار کی خواہش اس کے پیر پکڑے ہوئی تھی۔ اسی وقت ضرغام کے کان میں شاہی لشکر کے قرنا اور ڈھول کی آواز آئی اور ضرغام نے مجبور ہو کر باب زویلہ کی طرف گھوڑا بڑھا دیا۔ اب اسے اپنی جان کی بھی فکر پڑ گئی۔ قلعہ کے محافظوں نے ضرغام کو دیکھا تو ادب سے سلام کیا۔

"دروازہ کھول دو۔۔۔۔" ضرغام نے اپنی کانپتی آواز میں گرج پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پہریدار نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ دشمن کے ڈھول اور قرنوں کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ضرغام گھوڑا بڑھا کر ایک محافظ کے سر پر پہنچ گیا۔ "دروازہ کھول ورنہ قتل ہو جائے گا۔"

محافظ دروازے کی طرف بھاگا۔ دوسرے محافظ نے اس کا ساتھ دیا اور باب زویلا کھل گیا۔ ضرغام کا گھوڑا ہوا جیسی تیزی سے باہر نکلا اور قلعہ کے باہر کی آبادی کو پار کر کے مضافات میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ جس علاقہ میں تھا وہاں کے لوگوں پر اس کے بے انتہا احسانات تھے اور وہاں کے لوگ اس کے حکم پر گردن کٹانے پر آمادہ رہتے تھے۔ لوگوں نے وزیر اعظم کو اپنے علاقہ میں دیکھا تو ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گرد عوام کا اژدہام ہو گیا۔ ضرغام کے ڈوبتے دل کو اس سے بڑی تقویت ملی اور اس نے اپنی تمام طاقت اپنی آواز میں سمیٹتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

"اے مضافات قاہرہ کے بہادر شہریو۔ مجھے دیکھو۔ مجھے پہچانو۔ میں تمہارا وزیر اعظم ہوں۔ سلطنت مصر کا وزارت ماب ہوں۔ میں نے ہمیشہ تم لوگوں کا خیال کیا۔ تم کو داد و بخش سے نوازا۔ تم نے بھی ہمیشہ میری وفاداری کا دم بھرا ہے۔ میرے ہمدردو۔ میرے

Marfat.com

وفادارو۔ اس وقت میں مصیبت میں ہوں۔ دشمن قلعہ کو گھیرے ہوئے ہے اور نمک حراموں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم میرے حق میں تلوار بلند کرو۔ میری وزارت کو بچاؤ۔ میں مال و دولت سے تمہارے گھر بھر دوں گا۔"

"پاگل ہے پاگل---" مجمع میں سے کسی نے آواز لگائی۔

"میری عزت کرو--- میں تمہارا وزیر اعظم ہوں۔" ضرغام نے بڑی رقت سے کہا۔

"تم نے ملک شاور کی کب عزت کی۔ وہ بھی وزیر اعظم تھے۔" مجمعے سے ایک اور آواز ابھری۔

"وہ غدار تھا---" ضرغام نے چیخ کر کہا۔

"تو اس سے بڑا غدار ہے۔" مجمع بے قابو ہوتا جا رہا تھا۔

ضرغام نے سمجھ لیا کہ اس کا وقت بگڑ گیا ہے اور ایسے میں اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے پھر ان لوگوں سے گلہ شکوہ بیکار ہے۔ اس لئے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ضرغام نے گھوڑ کو ایڑ دے کر نکل جانا چاہا لیکن ہجوم میں اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ضرغام کو گھوڑا نکالنے کا راستہ نہ مل رہا تھا۔ لوگ اس پر آوازیں کس رہے تھے اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ضرغام بوکھلا کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ دور پر مجمع کم معلوم ہوا اور اس نے گھوڑا اس طرف موڑ کے اسے اڑی دی۔ گھوڑا بہت دیر سے زچ ہو رہا تھا ضرغام اس کی لگامیں کھینچے ہوئے تھا۔ اب جو راسیں ڈھیلی ہوئیں تو گھوڑا تڑپ کے اچھلا اور سوار کو لے کر بے تحاشہ بھاگا۔ ضرغام کو جس جگہ مجمع کم محسوس ہوا تھا وہ دراصل کوڑا کرکٹ ڈالنے کا گڑھا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیل رہا تھا اس لئے ضرغام کو گڑھا اس وقت نظر آیا جب اس کا گھوڑا گڑھے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ ضرغام نے پوری طاقت سے لگامیں کھینچیں۔ گھوڑے کی گردن کھنچی تو وہ پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اس جھٹکے میں ضرغام کے ہاتھ سے لگامیں چھٹ گئیں اور پیر رکاب سے نکل گئے۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اچھل کر گڑھے کے دوسری طرف جا گرا۔

اس اچھل کود میں گھوڑا گڑھے میں جا گرا اور اس کی اگلی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔

دوسری طرف جب ضرغام زمین پر گرا تو اس کے ساتھ دوڑنے والے اور غلیظ گالیاں بکنے والے اس پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے ضرغام کا سر تن سے جدا کر کے نیزے پر چڑھایا اور دھڑ کو وہیں چھوڑ کے چیختے چلاتے قلعہ کی طرف چلے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ضرغام کے اس قتل پر مغرب کے مشہور مورخ لین پول نے بہت آنسو بہائے ہیں۔ وہ ضرغام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

Marfat.com

"ہجوم نے فوراً اس کا سر قلم کر دیا اور اسے خوشی سر بازار لئے لئے پھرے۔ اس کا جسم کتوں کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ایک بہادر اور دلیر سردار کا یہ درد ناک حشر ہوا۔ وہ مقبول صورت۔ شائستہ اطوار۔ عالی دماغ اور عالی ہمت وزیر تھا۔ وہ اپنے دور کا شہسوار اور بہترین تیر انداز تھا۔"

یہ ٹھیک کہ ضرغام ایک انتہائی خوفناک اور دلگداز انجام سے دوچار ہوا لیکن یہ حکومت کا خاصہ ہے۔ ایک مشہور قول ہے کہ تخت یا تختہ۔ ضرغام کی موت پر آنسو بہانا اس وقت جائز تھا جب ضرغام نے اپنے دور حکومت میں لوگوں کے لئے بھلائی کے کام کئے ہوتے۔ اس نے ملک شاور کے ساتھ بھی کوئی شریفانہ سلوک نہیں کیا تھا۔ اس نے خود خط بھیج کے ملک شاور کو صعیدہ سے قاہرہ بلوایا پھر جب وہ وزیر اعظم ہو گیا تو اس کی مخالفت شروع کر دی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ملک شاور کو قاہرہ چھوڑ کے دربدر ہونا پڑا اس کے بیٹے علی کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ دوسرے دو بیٹوں کا علم نہیں کہ وہ کدھر گئے۔

جس وقت قاہرہ کے عوامی وفد نے قلعہ کے باہر شامی فوج کے سپہ سالار کے خیمے میں دستخط کئے اسی وقت شیرکوہ نے صلاح الدین ایوبی کو حکم دیا۔

"صلاح الدین تمہیں قاہرہ میں جانا ہے اور لوگوں کو یقین دلانا ہے کہ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی ضمانت شیرکوہ نے دی ہے اس لئے انہیں بالکل مطمئن رہنا چاہئے۔ ہاں اگر کسی نے شرارت کی کوشش کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

صلاح الدین نے ادب سے جواب دیا۔ "سپہ سالار کے حکم کی پوری تعمیل ہو گی

صلاح الدین کی بات ختم ہوئی تھی کہ خیمے کے پہریدار نے اندر آکر عرض کیا۔ "مصر کے سابق وزیر اعظم ملک شاور ملاقات کی درخواست کر رہے ہیں۔"

شیرکوہ مسکرائے۔ "ملک شاور کو اب سابق وزیر اعظم نہ کہا جائے بلکہ ان کے پہلے لقب اور عہدے یعنی وزارت ماب کے الفاظ سے مخاطب کیا جائے۔ انہیں عزت سے اندر لایا جائے۔"

پہریدار باہر گیا اور فوراً ہی شاور کو لے کر اندر آگیا۔ ملک شاور بہت خوش تھا۔ اس کی آنکھیں ہنس رہی تھیں۔ "سپہ سالار معظم۔ آپ نے جس دلیری اور خلوص سے میری مدد کی ہے۔ میں اس کے لئے آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔"

شیرکوہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے فرش پر بیٹھا لیا۔ شیرکوہ کے خیمے میں صرف ایک دری بچھی تھی۔ اس پر ایک طرف شیرکوہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے شامی سلطان کے

Marfat.com

امرائے نوریہ سلیقے سے بیٹھے تھے۔ قلعہ قاہرہ سے آنے والے عوامی وفد نے بھی اسی خیمے میں شیرکوہ سے ملاقات کی تھی اور یہیں تمام معاملات طے ہوئے تھے۔

سپہ سالار نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ملک شاور۔ تمہیں شکرگزار اس مالک حقیقی کا ہونا چاہئے جو اپنے بندوں کو عزت اور ذلت دینے پر قادر ہے۔ اس کے بعد تم شکریہ اس سلطان عظیم کا ادا کرو جس نے تمہارے بگڑے ہوئے حالات میں تمہاری مدد کی اور آج تم اس قابل ہو کہ اپنے سابق عہدے کا پھر سے بار سنبھال سکو۔"

"بے شک۔ بے شک۔ میں خدا کا لاکھ شکر گزار ہوں۔ سلطان دمشق کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے لشکر بھیج کے مجھے مصر کی وزارت عظمیٰ کے قریب کر دیا۔" ملک شاور کے لہجے میں خلوص محسوس ہو رہا تھا۔

شیرکوہ کچھ کہنے والا تھا کہ ملک شاور پھر بول پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ سپہ سالار مجھے قاہرہ اوور دارالوزارت میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔"

شیرکوہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم نے اپنا کام مکمل کر دیا۔ تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔ ضرغام مارا جا چکا ہے اور اس کے دونوں بھائی ہماری قید میں ہیں۔ مصری وفد نے تمہاری حمایت کی ہے پھر بھی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالوزارت تک تم فوجی پہرے میں جاؤ۔ عوام میں تمہارے مخالف بھی ہو سکتے ہیں اس لئے احتیاط ضروری ہے۔"

ایک امیر نوریہ شرف الدین برغش نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ سپہ سالار کا خیال بالکل درست ہے۔ وزیر اعظم مصر کو صرف فوجی پہرے ہی میں نہ بھیجا جائے بلکہ دارالوزارت کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط فوجی دستہ ہر وقت قلعہ میں موجود رہنا چاہئے۔"

عین الدولہ باروقی نے ایک قدم اور بڑھایا۔ "سپہ سالار محترم۔ مصری عوام سے معاہدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمارے لشکر کو قلعہ کے باہر رہنے کے بجائے قلعہ کے اندر قیام کرنا چاہئے۔ کیونکہ کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔"

ملک شاور کے دل میں کیا تھا اس کا تو پتہ نہیں چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے شامی فوج کے قلعہ کے اندر رہنے کی شرط منظور ہیں۔ امیر فاروقی کے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا۔ "سپہ سالار جو چاہیں قدم اٹھا سکتے ہیں کیونکہ وہ فاتح ہیں اور میری حیثیت ابھی تک کچھ نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر فاتح لشکر کے دستے قلعہ کے اندر متعین کر دیئے گئے تو عوام کو یہی گمان ہو گا کہ میں نے مصر کو سلطان دمشق کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ وہ ہر وقت مجھ سے بدگمان رہیں گے۔ میں ان کا اعتماد اور تعاون حاصل نہ کر سکوں گا اور کسی وقت بھی ان کی غیظ و غضب کا شکار ہو سکتا ہوں۔"

Marfat.com

"ملک شاور۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔" شیرکوہ نے فوراً تردید کی "اگر تمہارا خیال ہے کہ لشکر کے قلعہ میں جانے سے بدگمانی اور غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے ہم فسطاط ہی میں مقیم رہیں گے۔ صرف صلاح الدین چند سواروں کے ساتھ دارالوزارت تک جائیں گے اور یہ اس وقت تک تمہارے محل میں رہیں گے جب تک تم ان کی ضرورت محسوس کرو گے۔ تم چاہو تو دارالوزارت میں داخل ہوتے ہی صلاح الدین اور محافظ سواروں کو واپس بھیج سکتے ہو۔"

"بہت بہت شکریہ سپہ سالار۔ آپ نے مجھے ایک بڑی الجھن سے نجات دلا دی۔ ملک شاور نے اچھے موڈ میں جواب دیا۔ "صلاح الدین اپنے سواروں کے ساتھ میرے محل میں رہیں گے اور اس وقت تک رہیں گے جب تک میں ان کی ضرورت محسوس کروں گا۔ میں نے ان کی بہادری کے بہت چرچے سنے ہیں۔ آپ کے لشکری کہتے ہیں کہ "فاتح بلبیس" کا لقب ان پر خوب سجتا ہے۔"

عین الدولہ باروقی پھر مطمئن نہ ہوا۔ "معزز سپہ سالار۔ اگر شامی لشکر کسی دلیل کی بنا پر جبکہ وہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی، قلعہ کے اندر قیام نہیں کر سکتی تو پھر وزیر اعظم مصر کے ساتھ معمر اور سمجھدار شخص کو جانا چاہئے تاکہ اگر کوئی شکل پیش آئی تو وہ اپنے تجربے کی تلوار سے اسے حل کر سکے۔"

"عین الدولہ" شیرکوہ نے تلخی سے کہا۔ "ہر موقعہ پر تلوار کی زبان استعمال نہیں کی جا سکتی جو شخص اپنی جان پہ کھیل کے دربار دمشق پہنچا تھا اس کے محل میں ہمارا کوئی بھی سردار بے خوف و خطرہ جا سکتا ہے۔ رہا یہ خیال کہ وہاں کوئی اونچ نیچ پڑ سکتی ہے تو اس کے لئے صلاح الدین بھی اسی تدبر سے کام لے گا جس طرح کوئی سرد و گرم چکیدہ سردار کام لے سکتا ہے۔"

عین الدولہ کو جیسے ضد پیدا ہو گئی تھی۔ "سپہ سالار۔ یہ ٹھیک ہے کہ صلاح الدین ایک سمجھدار جوان ہیں لیکن ان کے ساتھ کم از کم دو سو سوار قلعہ میں جانا چاہئیں۔"

"نہیں عین الدولہ۔ صلاح الدین جنگ کرنے نہیں جا رہے۔ وہ وزیر اعظم کو اسی گدی پر بٹھانے جا رہے ہیں" پھر شیرکوہ نے صلاح الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے ساتھ پچاس سوار لے جا سکتے ہو۔"

اس تلخ و ترش گفتگو میں سب لوگ ملک شاور کو بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ وہ بہت پیچ تاب کھا رہا تھا شیرکوہ کے خاموش ہوتے ہی اس نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ "معظم سپہ سالار۔ میں اپنے ساتھ اپنے اہل خانہ اور دوسرے ساتھیوں کو بھی لے جانا چاہتا

Marfat.com

ہوں۔"

"ملک شاور۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اب تم مصر کے خود مختار وزیر اعظم ہو۔ تم جو چاہے وہ کر سکتے ہو۔" شیرکوہ نے اس کا وقار بحال کرنے کے لئے نہایت نرم انداز اختیار کیا۔

ملک شاور نے دوبارہ شکریہ ادا کیا۔ "میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں سپہ سالار۔ وزارت کے حالات درست کرتے ہی میں آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔"

شیرکوہ نے بھی اس کی دلداری کرنا مناسب سمجھا۔ "پہلے تم اپنے حالات درست کر لو۔ اس کے بعد کچھ سوچنا۔ ابھی ایسی کوئی جلدی نہیں۔"

ملک شاور وہاں سے رخصت ہو کر اپنے خیمے پر گیا اور سب کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ صلاح الدین بھی سپہ سلار کے خیمے میں سے اٹھ کے اپنے آدمیوں میں پہنچا اور پچاس سوار منتخب کر کے انہیں تیار رہنے کا حکم دیا۔

ضرغام کے قتل کی خبر قاہرہ کے علاوہ دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ ضرغام میں یقیناً" کوئی ایسا عیب ضرور تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر تھے۔ شہر میں ضرغام کی موت کا جشن منایا جا رہا تھا اور ملک شاور کے نعرے لگ رہے تھے۔ اصل حالات سے سب واقف ہو گئے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سابق وزیر اعظم شامی لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ شامی لشکر کی بھی ان کے دل میں عزت و توقیر پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر شامی لشکر ملک شاور کی مدد نہ کرتا تو ضرغام سے انہیں نجات نہ مل سکتی تھی۔

اسی شب ملک شاور جو قاہرہ سے منہ چھپا کر بھاگا تھا وہ ہزاروں لاکھوں کے جلوس کے ساتھ دارالوزارت جا رہا تھا۔ اس کے آگے شامی لشکر کے پچاس سوار صلاح الدین کی کمان میں چل رہے تھے۔ ایک کھلی گاڑی میں ملک شاور۔ عامر غربی اور قاسم الحسین سوار تھے۔ خواتین دوسری بند گاڑی میں تھیں۔ خدا ہی عزت دیتا ہے اوور خدا ہی ذلت دیتا ہے۔ ملک شاور اس حدیث کا نمونہ اور مثال بنا ہوا تھا۔ جس قدر ذلت سے وہ قاہرہ سے نکالا گیا تھا۔ اس وقت اتنی ہی عزت سے اس کا جلوس دارالوزارت کی طرف جا رہا تھا۔

مشہور مقولہ ہے کہ قسمت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ضرغام کے مرنے سے ملک شاور کے ایسے دن بدلے کہ مصر کی وہ فوج جس نے اس کے بیٹے قتل کیا تھا اور ملک شاور کو ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا تھا وہی فوج اس وقت دارالوزارت کے سامنے صفیں باندھے اس کے استقبال کے لئے کھڑی تھی۔ مصر کا مجہول فاطمی خلیفہ جس نے ملک شاور کے فرار کے بعد قلمدان وزارت ضرغام کے حوالے کر دیا تھا اس کا حاجب خاص جو اس کے محل کا داروغہ تھا وہ بھی دارالوزارت کی سیڑھیوں پر دست بستہ وزیر اعظم کو مبارک باد دینے کھڑا

Marfat.com

تھا۔ دارالوزارت کے وہ تمام ملازمین جنہوں نے ملک شاور سے آنکھیں پھیر لی تھیں حاضری کے لئے موجود تھے لیکن خوف اور اپنے برے انجام سے کانپ رہے تھے۔

قصر وزارت کے سامنے جلوس پہنچا تو مصری فوج نے چاہا کہ وزیر اعظم کی گاڑی کو اپنی حفاظت میں لے کے محل کی سیڑھیوں تک پہنچائیں مگر صلاح الدین نے تلوار کھینچ کے سر سے بلند کر لی۔ اس کے فوجی دستے نے اس کی تقلید میں اپنی اپنی تلواریں بھی نکال لیں۔

مصری سپہ سالار گھوڑا بڑھا کر صلاح الدین کے قریب آیا۔ "فاتح سردار۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے وزیر اعظم کا استقبال کر سکیں۔"

"تم کون ہو۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا؟" صلاح الدین نے رعب دار آواز میں کہا۔

"میں مصری فوج کا سپہ سالار ہوں۔" مصری سپہ سالار نے گھٹی آواز میں جواب دیا۔

صلاح الدین نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ "اگر تم اپنے آپ کو مصری فوج کا سپہ سالار کہتے ہو تو غور سے سنو۔ مصری فوج کے دو سپہ سالار ناصر الدین ھمام اور فخر الدین ہمام شامی فوج کی قید میں ہیں۔ اگر تم تیسرے سالار ہو تو تمہاری فوج شکست کھا چکی ہے اور تم ایک شکست خوردہ لشکر سے تعلق رکھتے ہو۔ تم وزارت ماب کے غدار اور باغی ہو۔ جب تک تمہارے وزارت ماب تمہیں معاف نہیں کرتے اس وقت تک تمہیں کوئی عزت نہیں دی جا سکتی۔"

مصری سالار صلاح الدین کا منہ دیکھ کر رہ گیا اور چپ چاپ واپس ہو گیا۔

وزیر اعظم کی سواری قصر وزارت جس کا سرکاری نام دارالوزارت تھا۔ پر پہنچ چکی تھی۔ صلاح الدین کے اشارے پر اس کے سواروں نے گاڑی سے اوپر سیڑھیوں تک دونوں طرف قطاریں باندھ لی تھیں۔ سیڑھیوں کے نیچے صرف صلاح الدین وزیر اعظم کے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ ملک شاور گاڑی سے اترا۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ مصری فوج صفیں باندھے کھڑی تھی۔ ان کا سپہ سالار جسے صلاح الدین نے ڈانٹ کے بھگا دیا تھا تو تیزی سے وزیر اعظم کی طرف بڑھا۔ وزیر اعظم نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم کون ہو اور تم نے آگے بڑھنے کی جرات کس طرح کی۔؟"

سپہ سالار ٹھٹک کے کھڑا ہو گیا۔ "وزارت ماب میں آپ کا غلام مصری فوج کا سپہ سالار ہوں۔"

"سپہ سالار۔ مصری فوج کے۔" ملک شاور نے زہر خند کیا۔ پھر صالح الدین سے کہا "شامی سردار۔ میں اس شخص کو معزول کرتا ہوں۔ آپ اسے گرفتار کر لیجئے۔"

Marfat.com

صلاح الدین نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کے سالار کی کمر سے تلوار کھول لی اور اسے ایک طرف کھڑا کر دیا۔

ملک شاور سیڑھیاں چڑھنے لگا تو حریم خلافت کا حاجب سامنے آ گیا۔

ملک شاور نے پوچھا۔ "تمہارے خلیفہ کا کیا پیغام ہے ہے۔؟"

خلیفہ کے حاجب کو ناگوار گزرا ہو گا لیکن صلاح الدین کو بھی ملک شاور کا یہ انداز پسند نہ آیا۔ اس کے انداز میں رعونت اور غرور تھا۔

حاجب نے جواب دیا۔ "آقائے محترم۔ خلافت ماب نے حریم خلافت کو شرف بخشنے کا ارشاد فرمایا ہے۔"

"خلافت ماب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کیا جائے کہ خزانہ بالکل خالی ہے۔ جواہرات کی ایک تفصیل بھجوائی جائے تاکہ معمولات کو برقرار رکھا جا سکے ---" یہ کہتا ہوا ملک شاور اوپر چلا گیا۔ وہاں دارالوزارت کے تمام اہل کار موجود تھے۔ ملک شاور کے لئے ایک مرصع کرسی رکھی گئی تھیں۔ کرسی پر بیٹھ کے اس نے احکام جاری کئے۔

"خواب گاہ کے تمام سامان کو تبدیل کر دیا جائے۔"

"دونوں قدیم حاجب معزول کئے جاتے ہیں۔"

"مطبخ کی تمام اجناس کو ضائع کر دیا جائے ۔ مشروبات پھینک دیئے جائیں داروغہ مطبخ کو برخاست کیا جاتا ہے۔"

اس وقت ملک شاور کا ایک پرانا محافظ سامنے آیا اور اس نے جھک کے سلام کیا اور کہا۔ "وزارت ماب مجھے کچھ دیر پہلے قید سے چھوڑا گیا ہے۔"

"تم شاید ہمارے محافظ دستے میں تھے؟" ملک شاور نے اسے پہچان لیا۔

"جی وزارت ماب میں رخصت پر اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپس آیا تو نئی وزارت نے مجھے گرفتار کر کے قید کر دیا۔"

"داروغہ زنداں کو برخاست کیا جاتا ہے۔ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ تم آج سے ہمارے حاجب مقرر کئے جاتے ہو۔" یہ وزیر اعظم کے نئے احکامات تھے۔

وزیر اعظم اکڑتا ہوا ملازموں اور غلاموں کے ساتھ دارالوزارت کے اندر چلا گیا۔ اس کے قدم اس طرح اٹھ رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور سب کچھ پہلے ہی جیسا ہے۔ اس پر اقتدار کا ایسا نشہ سوار ہوا کہ وہ اپنے اہل خانہ کو بھی بھول گیا۔ صلاح الدین اس کی ہر بات کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب تھوڑی دیر تک ملک شاور باہر نہیں آیا تو اس نے دارالوزارت کے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ خواتین کو بند گاڑی سے اتروا کر اندر لے

Marfat.com

جائیں۔

صلاح الدین تو ملک شاور کے انداز اور طور طریقے دیکھ رہا تھا اور عامر غزلی صلاح الدین کے انداز دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کی عمر میں تقریباً برابر تھیں۔ صلاح الدین حکم دے چکا تو عامر غزلی اس کے پاس گیا۔

"شامی سردار۔ میرا نام عامر غزلی ہے میں وزیر اعظم ملک شاور کا برادر نسبتی ہوں۔" عامر غزلی نے اپنا تعارف کرایا۔

صلاح الدین نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "میں وزیر اعظم کے بھائی سے مل کے خوش ہوا ہوں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی ورنہ مجھے ذرا ذرا سی بات کے گھنٹوں وزیر اعظم کے حکم کا انتظار کرنا پڑتا۔"

عامر نے ملک شاور کی بے پروائی کو چھپانے کے لئے بات بنائی۔ "بھائی جان نے بڑے صدمات اٹھائے ہیں اس لئے ابھی تک ان کے ہوش ٹھکانے نہیں۔ آپ مجھے اپنا خادم سمجھئے اور جو ضرورت ہو بلاتکلف فرمایا کیجئے۔ میں فوراً تعمیل کروں گا۔"

"فی الحال آپ اتنی مہربانی کیجئے کہ میرے سواروں کے قیام کا بندوبست کرایئے۔ ہم کوئی علم نہیں کہا یہاں ہمیں کتنے روز ٹھہرنا پڑے گا۔" صلاح الدین نے بڑے مہذب طریقے سے اپنی فوری ضرورت بیان کر دی۔

عامر، صلاح الدین کو ایک کمرے میں لے گیا۔ "یہ شاہی مہمان خانہ ہے۔ اس مہمان خانہ کو قصر خلافت کے ساتھ ہونا چاہئے لیکن ہمارے خلیفہ ایک درویش صفت انسان ہیں دنیاوی معاملات میں وہ قطعی دخل نہیں دیتے۔ تمام کاروبار سلطنت کی ذمہ داری وزیر اعظم کے سپرد ہے۔ ملک یا باہر سے آنے والے ملاقاتیوں سے بھی خلیفہ معظم ملاقات نہیں فرماتے۔ وزیر اعظم ہی ان کی نیابت کرتے ہیں اس لئے ان کے قیام طعام کا انتظام بھی حریم خلافت کے بجائے دارالوزارت میں کیا جاتا ہے۔"

صلاح الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمیں معلوم ہے عامر۔ خلافت مآب سوائے تہواروں کے عام دنوں میں عوام کو دیدار بھی نہیں کراتے۔ کسی معاہدے پر دستخط بھی نہیں فرماتے۔ انہیں ایک معمولی غلام کو ملازم رکھنے یا برخاست کرنے کی فرصت نہیں۔ ان کے حکم سے نہ وزیر اعظم مقرر ہوتا ہے اور نہ معزول کیا جاتا ہے۔ آخر وہ خلیفہ ہیں انہیں ان معمولی معمولی کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عامر غزلی نے صلاح الدین پر وزیر اعظم کا رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے فاطمی خلافت کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ صلاح الدین نے فاطمی خلیفہ کی جن کمزوریوں کی

Marfat.com

طرف اشارہ کیا تھا وہی کمزوریاں بغداد کے عباسی خلیفاؤں میں بھی پائی جاتی تھیں۔ اس کا مطلب نہیں کہ عباسی خلیفہ ہمیشہ سے ہی ایسے کمزور تھے۔ دمشق کے امیہ اور بغداد کے عباسی خلیفاؤں نے اپنے اپنے دور عروج میں زمین کے قلابے ملا دیئے تھے۔ خاندان امیہ کا خلیفہ ولیدبن عبدالملک دنیائے اسلام کا وہ درخشاں ستارہ تھا جس کے دور خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی جیسی متنازعہ شخصیت عراق کا گورنر ہوئی اس گورنر کے چار غلام اسلام کے چار زبردست سپہ سالار ہوئے جنہوں نے شمال۔ جنوب۔ مشرق اور مغرب کو کھنگال ڈالا۔

حجاج بن یوسف جس کی گردن پر کئی ہزار جید علماء دین کی گردن زدنی کا الزام ہے۔ اسی حجاج بن یوسف کا ایک غلام محمد بن قاسم تھا جس نے سندھ کی سرزمین پر اسلام کی شمع روشن کی جس کی روشنی سے ملتان تک کا علاقہ جگمگا اٹھا۔ حجاج بن یوسف ہی کا دوسرا غلام قتیبہ بن مسلم باہلی تھا جو اسلام کا پرچم لئے چین کی سرحد تک پہنچ گیا تھا اور اسی حجاج بن یوسف کے دو غلاموں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو یہ اعزاز حاصل ہے انہوں نے شمالی افریقہ کا تمام علاقہ اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے روند کے رکھ دیا یہی نہیں بلکہ ایشیا سے نکل کے سرزمین یورپ پر قدم رکھا اور اسپین (ہسپانیہ) کے شہنشاہ راڈرک کو میدان جنگ میں شکست دے کر اسپین میں ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے آٹھ سو سال تک پورے یورپ کو دہلائے رکھا۔

اس طرح عباسی دور حکومت الف لیلیٰ کے شہزادے ہارون رشید۔ ماموں رشید اور خاندان برامکہ کے وزیروں کے حالات آج تک داستانوں کے عنوان بنے ہوئے ہیں لیکن جب انہوں نے راستی کا راستہ چھوڑا اور خدا اور رسول کو بھول کے غرور و تکبر میں گرفتار ہوئے تو چاہے وہ بغداد کے اموی اور عباسی ہوں یا مصر کے فاطمی خلیفہ سب قصر مزلت میں گر کے برباد ہو گئے۔

ملک شاور نے دارالوزارت پر قابض ہوتے ہی اپنے قدم مضبوط کرنا شروع کر دئے اس کے اردگرد وہی پرانے امیرو وزیر تھے جو اس کے پہلے دور میں اس کا دم بھرتے تھے اور ضرغام کی بغاوت کے وقت ملک شاور سے نظریں پھیر کر نئے وزیر اعظم کے وفادار ہو گئے اور اب جبکہ ضرغام مارا جا چکا تھا تو وہ بے غیرت ایک بار پھر ملک شاور کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ایسے امیرو وزیر ابن الوقت اور منافق کہلاتے تھے لیکن یہ اس قدر طاقتور ہوتے تھے کہ ہر حکمران انہیں اپنے ساتھ ملانے پر مجبور ہوتا تھا۔ ملک شاور کو امرائے برقیہ کا پھر سردار اعلیٰ منتخب کر لیا گیا تھا۔ خلیفہ عاضد نے اسے پہلے ہی دن مبارک باد کے ساتھ ساتھ حریم خلافت میں آنے کی دعوت دی تھی تاکہ تجدید تعلقات کی رسم ادا کی جا سکے۔

Marfat.com

ادھر صلاح الدین ایوبی اور عامر غربی میں گہری چھن رہی تھی۔ عامر غربی نے صلاح الدین ایوبی کو پا کر قاسم الحسین سے آنکھیں پھیرلی تھیں۔ قاسم الحسین اپنی پچھلی خدمات کا حوالہ دے کر ملک شاور سے مضافات میں ایک معمولی جاگیر حاصل کی تھی اور وہیں گیا تھا۔ صلاح الدین کے لئے عامر غربی کی دوستی غنیمت تھی۔ عامر اس کا ہم عمر اور مہذب جوان تھا۔ پھر یہ کہ وہ ملک شاور کا برادر نسبتی بھی تھا اور صلاح الدین روز اول ہی سے ملک شاور کے طور طریقوں سے مطمئن نہ تھا اور اسے کسی ایسی شخص کی تلاش تھی جو اسے ملک شاور کے پورے خاندانی پس منظر سے آگاہ کر سکے۔ صلاح الدین کو عامر غربی میں کچھ اور بھی خوبیاں نظر آئی تھیں جن کی وجہ سے صلاح الدین نے اس کا زیادہ خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین اور عامر غربی کے مراسم اس قدر گہرے ہو گئے تھے کہ عامر نے اپنی ذاتی معاملات میں صلاح الدین کو راز دار بنا لیا تھا۔ اس نے اپنے اور زرتاج کے تعلقات کی تفصیل سے صلاح الدین کو آگاہ کر دیا تھا صلاح الدین کو یہ خوشخبری بھی سنا دی تھی کہ اگلے مہینے اسکی اور زرتاج کی شادی ہو جائے گی ایک ہفتے کے بجائے دو ہفتے گزر گئے تو ایک دن صلاح الدین نے پوچھ ہی لیا۔

"عامر۔ تمہارے سہرے کے پھول کب کھلیں گے۔"

صلاح الدین نے مسکرا کے سوال کیا تھا لیکن عامر اس سوال سے افسردہ ہو گیا۔ صلاح الدین فکر مند ہوا۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "عامر۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے سوال سے تم افسردہ ہو گئے۔ یقیناً" کوئی بات ایسی ہے جو تم بتانا نہیں چاہتے۔ میں تم پر زور بھی نہیں دوں گا لیکن یہ ضرور ہے کہ اس سلسلے میں اگر میں تمہارے کام کر سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

صلاح الدین کی اس پرخلوص تسلی سے عامر کے آنسو اچھل پڑے۔ "شامی سردار۔ میری تقدیر ہی خراب ہے۔ میں نے بھائی جان کے ساتھ رہ کے اپنا مستقبل تباہ کر لیا۔ میری باجی نے زرتاج کو میرے لئے بہت پہلے مانگا تھا اور شاور بھائی جان نے منظور بھی کر لیا تھا لیکن جب وہ پہلی مرتبہ وزیر اعظم ہوئے تھے تو انہوں نے ہم لوگوں سے بالکل آنکھیں پھیرلی تھیں۔ یہاں تک کہ اپنی دو بیٹیوں اور بیوی کو انہوں نے ایک دن کے لئے بھی دارالوزارت نہیں بلوایا۔ میں سب کو لے کے صعیدہ سے قاہرہ پہنچا تو حکم ہوا کہ دارالوزارت میں خطرہ ہے ہمیں ایک امیر سعید السعدا کی حویلی پر قیام کا حکم دیا گیا پھر بھائی جان کے دن بگڑے اور بھائی جان کو ضرغام کے خوف سے بھاگ کر دمشق جانا پڑا۔ ہم پھر

Marfat.com

دربدر ہوئے۔ باجی اور بچیاں صعیدہ واپس ہو گئیں اور وہاں انتہائی مصائب کے دن گزارے۔ اب ہمارے دن پلٹے تو ایک بار پھر ہم سب اکٹھا ہوئے تو اب بھائی جان کا دماغ الٹ گیا ہے۔"

صلاح الدین کو عامر کی دکھ بھری کہانی سے افسوس ہوا۔ اس نے دریافت کیا۔ "تمہارے بھائی جان اب کہتے کیا ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں؟"

عامر نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔ "اصل بات کیا ہے اس کا صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکا اور نہ بھائی جان کھل کے بتاتے ہیں لیکن ایک ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ بھائی جان زرتاج کا رشتہ مجھ سے نہیں کرنا چاہتے۔"

"اچھا!" صلاح الدین کو تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔ "ان کے ارادہ بدلنے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"یہ بات بھی صاف نہیں ہو سکی۔" عامر نے بے بسی سے کہا۔ "شاید وہ کسی امیر برقیہ سے زرتاج کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"عامر۔ ایسی باتوں میں "شاید" پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔" صلاح الدین نے اسے سمجھایا۔ "تمہیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ تمہارے اس شبہ میں کہاں تک سچائی ہے۔ اس سلسلے میں تمہاری ہمشیرہ بہت مدد کر سکتی ہیں۔"

عامر نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ "یہ بات مجھے باجی ہی نے بتائی ہے۔ ان سے ان کی ایک کنیز نے کہا تھا وہ کنیز مردانے میں آتی جاتی ہے اس نے یہ بات بھائی جان کے ایک غلام سے سنی تھی۔"

صلاح الدین مسکرایا۔ "بھائی۔ تمہارے اس معاملے کا انکشاف سلسلہ در سلسلہ تک پہنچا ہوا ہے اس لئے قابل یقین نہیں۔ ابھی انتظار کرو اور دیکھو پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ یوں میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم مجھے ہر جائز تعاون کے لئے ہر وقت آمادہ پاؤ گے۔"

عامر کی سمجھ میں صلاح الدین کی یہ بات نہیں آئی۔ اس نے پوچھا۔ "شامی سردار۔ آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تعاون تو بے لاگ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شرط بھی نہیں ہوتی۔"

صلاح الدین نے وضاحت کی۔ "اسے یوں سمجھو کہ تم یا تمہارا کوئی ساتھی یہ سمجھے کہ قاہرہ میں اس کی زندگی خطرے میں ہے تو میں اسے اپنی پناہ میں لے کر فسطاط بھجوا سکتا ہوں۔ یہ میرا جائز تعاون ہو گا۔"

Marfat.com

عامر نے بے چینی سے پوچھا۔ "اگر میں کہوں کہ میری دوست زرتاج کی جان کو قا... میں خطرہ ہے تو کیا آپ اسے فسطاط بھجوا سکیں گے؟"

"انشاء اللہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔" صلاح الدین نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"اچھا اب فرمائیے کہ ناجائز تعاون سے آپ کی کیا مراد ہے؟" عامر نے سوال کیا۔

صلاح الدین نے اس کے اس سوال کی وضاحت اس طرح کی۔ "اگر خدانخواستہ تم زرتاج کو اغوا کر کے میرے پاس لے آؤ اور یہ چاہو کہ میں تم دونوں کو فوجی پہرے میں فسطاط بھجوا دوں تو ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ یہ ایک ناجائز تعاون ہو گا جس پر میں عمل نہیں کر سکتا۔ اغوا خواہ وہ میری محبوبہ کا ہی کیوں نہ ہو اسلام کی نظریں ایک بڑا گناہ اور اخلاقی جرم ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔ ایسے اخلاقی جرم کی کبھی کوشش نہیں کروں گا اور اگر مجبوراً ایسا قدم اٹھانا پڑا تو میں آپ کے پاس اس جرم کے داغ کے ساتھ نہیں آؤں گا۔" عامر اسے یقین دلا کر چلا گیا۔

ملک شاور کے دماغ میں کچھ عجیب خناس گھسا ہوا تھا۔ جب تک وہ مصیبت میں رہتا اس کا دماغ ٹھیک رہتا اور جہاں اسے تن آسانی ملتی تو اس کا دماغ عرش میں پہنچ جاتا۔ اسے دوبارہ وزارت کا عہدہ مل گیا تھا۔ مصر کی وزارت دراصل بادشاہت تھی۔ فاطمی خلیفہ کا تو صرف نام ہی تھا۔ اصل کرتا دھرتا وزیر اعظم ہی ہوتا تھا لیکن شاید وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد بھی اسے عقل نہ آئی تھی دارالوزارت میں بیٹھتے ہی اس کی عقل گھوم گئی اور وہ آپ کو فرعون وقت سمجھنے لگا۔ اس کے گرد پرانے دشمن دوست بن کے جمع ہو گئے تھے۔ کچھ وفادار امیر بھی تھے لیکن چراغ دوسروں ہی کا جلتا تھا اور وہ اسے غلط مشورے دے کے تباہ کرنے کی فکر میں تھے۔

اس کی بیوی بچے اور زرتاج اس کے ساتھ دارالوزارت آئے تھے لیکن شاید یہ دارالوزارت کے ساتھ یا قدم قدم پر غلاموں اور کنیزوں کے سلام تھے جس نے اس کا دماغ پھیر دیا تھا۔ بیوی اور دونوں بچیوں کو وہ قطعی بھول چکا تھا۔ دن بھر امرا میں گھرا رہتا۔ رات اتنی دیر سے اندر آتا کہ بچیاں انتظار کرتے کرتے سو گئی ہوتیں' غریب بیوی یا زرتاج دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی رہتیں۔ ملک شاور اور انہیں اسی طرح جاگتے پاتا لیکن ایک بار بھی اس نے بیوی کو جھوٹی تسلی بھی نہ دی تھی۔ صبح کو دیر سے اٹھتا اور بغیر کسی سے ملے یا بات کرے مردانے میں چلا جاتا۔

غریب بیوی نے ایک دو بار زرتاج اور عامر کا ذکر بھی کیا لیکن ملک شاور نے بیوی کو

Marfat.com

جھڑک دیا۔ "جلدی کیا ہے۔ زرتاج بوڑھی نہیں ہوئی جا رہی۔"

اب وہ کیا بات کرتی اور کیسے کہتی کہ زرتاج واقعی بوڑھی ہو رہی ہے۔ اس کی عمر تئیں چوبیس سال ہو گئی تھی اور وہ اس سہارے پر جوانی گزار رہی تھی کہ ایک دن اس کی شادی عامر سے ہو گی لیکن ملک شاور نے نہ خود کبھی اس کا ذکر کیا اور اگر اس کے سامنے بیوی نے ہمت کر کے بات شروع کی تو اسے وہی ٹکا سا جواب مل گیا۔

"جلدی کیا ہے۔ زرتاج بوڑھی تو نہیں ہوئی جا رہی ہے۔"

پھر اس دن تو حد ہی ہو گئی جب ملک شاور نے حکم دیا۔ "عامر سے کہہ دیا جائے کہ اس کا صلاح الدین سے ملنا جلنا ہمیں پسند نہیں۔"

بیوی سن پڑ کے رہ گئی۔ آخر اس نے گھما پھرا کے عامر سے کہہ دیا۔ وہ بے چارہ بھی چپ ہو کے رہ گیا۔ عامر نے ملک شاور کے حکم پر پورا عمل تو نہ کیا لیکن صلاح الدین کے پاس آنا جانا کم کر دیا۔ اس حکم کی وجہ جلد ہی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ کچھ دنوں بعد اسے معلوم ہوا کہ ملک شاور نے جن شرائط پر سلطان دمشق سے فوجی مدد حاصل کی تھی اس سے وہ پھر گیا ہے اور اب شامی سپہ سالار سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں ہے۔ عامر ایک سمجھدار اور دوست دار انسان تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ملک شاور نے جو قدم اٹھایا ہے اس سے شیرکوہ کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے لیکن دارالوزارت میں مقیم صلاح الدین اور اس کے پچاس سواروں کو کسی وقت بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بہنوئی کی رشتہ داری الگ چیز تھی لیکن اس وقت اس کی دوستی کا سوال تھا اس لئے اس نے صلاح الدین کو مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

"شامی سردار۔ میں ایک ضروری خبر دینے آیا ہوں۔" عامر ہانپتا ہانپتا آیا تھا۔ اس وقت بھی اس کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

صلاح الدین نے اطمینان سے جواب دیا۔ "عامر پہلے بیٹھ کے سانس درست کرو پھر کچھ کہنا۔"

عامر نے سانس لینے کے بجائے فوراً کہا۔ "شامی سردار۔ مجھے اجازت دیجئے۔ ایک بہت ضروری بات آپ کے گوش گزار کرنا ہے۔"

صلاح الدین کے سکون میں ذرا بھی فرق نہ پڑا ---- "تم بہت بے چین ہو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو"

"شامی سردار۔ وزیر اعظم میرے رشتہ دار ہیں لیکن وہ ہٹ دھرمی پر آمادہ ہیں۔ میں آپ اسی خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ وزیر اعظم اور ان کے امرا نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس زبانی عہد نامے کی ایک شرط بھی پوری نہیں کریں گے جو ان کے اور سلطان دمشق

Marfat.com

کے درمیان طے پایا تھا۔" عامر نے کہنے کے بعد صلاح الدین کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اس بات کا ردعمل صلاح الدین کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی اس لئے کہ صلاح الدین کا چہرہ پہلے جیسا سپاٹ تھا۔ صرف یہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسے صلاح الدین کچھ سوچ رہا تھا۔

"عامر تمہارا شکریہ لیکن یہ نہ سمجھو کہ شامی سپہ سالار اور میں ملک شاور کی طرف سے غافل ہیں۔" صلاح الدین نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔ "ہمارے سپہ سالار کو ملک شاور کی نیت پر اس وقت ہی شبہ ہو گیا تھا جب اس نے کہا تھا کہ اگر شامی لشکر قلعہ میں داخل ہوا تو عوام بگڑ جائیں گے حالانکہ عوامی معاہدہ میں صرف یہ شرط رکھی گئی تھی کہ شامی لشکر کو پابند کیا جائے کہ وہ قلعہ میں لوٹ مار سے پرہیز کریں۔"

"پھر آپ نے کیا سوچا شامی سردار۔" عامر کے انداز سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کس بارے میں عامر۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔" صلاح الدین نے ملائمت سے کہا۔

"شامی سردار۔ پریشان ہونے کی بات ہے۔ میں دس سال سے بھائی جان شاور کے ساتھ ہوں۔ وہ کبھی کسی کے اچھے دوست ثابت نہیں ہوئے" عامر کے دل میں بیٹھی ہوئی باتیں ایک ایک کر کے اوپر آ رہی تھیں۔ "بھائی جان کے قاہرہ میں بہترین دوست امیر سعید السعدا تھے۔ جب یہ پہلی مرتبہ قاہرہ میں آئے ہیں تو انہیں کے گھر ٹھہرے تھے۔ ہم سب کو انہوں نے جگہ دی تھی لیکن پچھلے انقلاب میں وہ تباہ ہو گئے۔ ان پر سب سے بڑا الزام بھائی جان کی دوستی کا تھا۔ خیر وہ تو ٹھکانے لگ گئے لیکن ان کے سگے چھوٹے بھائی جو قاہرہ سے کسی طرح بھاگے تھے۔ تین دن پہلے بھائی جان سے ملنے آئے۔ وہ بری حالت میں تھے۔ بھائی جان کو ان کی مدد کرنا چاہئے تھی لیکن یہ صاف ٹال گئے۔ کہہ دیا کہ ابھی حالات درست نہیں۔ ایک دو ماہ بعد آنا۔"

"بس رہنے دو عامر۔ انہوں نے مجھے بھی یہی جواب دیا ہے لیکن ذرا لیپ پوت کے۔۔۔" صلاح الدین یوں باتیں کر رہا تھا جیسے اسے کوئی فکر ہی نہیں۔ "ہمارے سپہ سالار نے ملک شاور کے پاس دوبارہ ہرکارہ بھیجا اور انہیں یاد دلایا کہ دمشق میں ہونے والے زبانی معاہدے کے تحت ملک شاور کو جنگ کے اخراجات ادا کرنے میں پھر وہ شرط پوری کرنی ہے جس کی رو سے شامی سلطان کو مصر کی آمدنی کا حصہ ملنا ہے۔ تمہیں پتہ ہے انہوں نے کیا جواب دیا۔ پہلی بار تو ہرکارے کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ انتظامات میں لگے ہیں اور رقم اکٹھا ہوتے ہی ادا کر دیں گے۔ دوسری بار جواب دیا کہ وہ بالکل کنگال ہیں۔

Marfat.com

مصری خزانہ میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ تم نے جو بات بتائی اس سے ہمارے شکوک کی تصدیق ہو گئی۔ ادھر سپہ سالار نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ملک شاور سے اس سلسلے میں گفتگو کر کے انہیں مطلع کروں۔"

"آپ نے گفتگو کی تھی ان سے؟۔" عامر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں عامر۔ میں کل رات ان سے ملا تھا۔ مجھے بھی انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی۔ تم نے اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا ورنہ شاید میں فریب کھا جاتا۔"

"پھر اب آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"کرنا کیا ہے۔ میں سپہ سالار کو صاف الفاظ میں مطلع کر دوں گا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔ انہیں کوئی اور صورت اختیار کرنا ہو گی۔" اس بات کے اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین' عامر غربی پر کس قدر اعتماد کرنے لگا تھا۔

"اور آپ اپنے لئے کیا کریں گے؟

"اپنے لئے۔ میں سمجھا نہیں۔؟" صلاح الدین نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میرا مطلب ہے کہ کیا اس طرح دشمن کے گھر میں رہنا آپ کے لئے مناسب ہو گا۔" عامر غربی نے بڑے واضح الفاظ میں اپنے بہنوائی وزیر اعظم مصر پر تنقید کی۔

"تمہیں ہماری اس قدر فکر کیوں ہے عامر۔ میدان جنگ میں کھڑے ہوئے سپاہی کو یہ نہیں سمجھایا جاتا کہ وہ ہوشیار ہو جائے کیونکہ وہ میدان جنگ میں کھڑا ہے۔" صلاح الدین نے مثال دے کے عامر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "جس وقت مجھے ملک شاور کے ساتھ قلعہ میں جانے کا حکم دیا گیا تھا میں نے اس وقت سے اپنے آپ کو میدان جنگ میں سمجھ لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ ملک شاور جیسے انسان کے ساتھ خود اس کے قلعہ میں صرف پچاس سواروں کے ساتھ داخل ہونا' میدان جنگ میں جانے سے کس طرح کم نہیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ صرف میں ہی میدان جنگ میں نہیں ہوں بلکہ میرے تمام ساتھی سوار بھی اپنے آپ کو ہر وقت میدان جنگ میں سمجھتے ہیں اور اسی طرح سے چوکنا رہتے ہیں۔"

"شامی سردار۔ آپ کس قدر تجربے کی باتیں کرتے ہیں۔" عامر کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ "میں نے سنا ہے کہ بلبیس کی جنگ آپ کی زندگی کی پہلی جنگ تھی جبکہ آپ کے رویئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ میں ایک منجھے ہوئے سردار کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔"

"میری بات چھوڑو عامر۔" صلاح الدین نے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ "تمہارا ایک بہت ہی خطرناک انسان سے سامنا ہے۔ تمہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک بات

Marfat.com

اور میں تم سے کہتا چلوں وہ یہ کہ اگر تمہارا اپنے بھائی جان کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے اور تم قاہرہ چھوڑنے پر آمادہ ہو تو میرے پاس آ جانا۔ میرے خیال ہے کہ سپہ گری کا جذبہ تم میں کارفرما ہو گا۔ تم ایک کامیاب انسان بن کے ہر جگہ اپنی زندگی گزار سکتے ہو۔"

عامر چونک کے چند لمحے صلاح الدین کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "شامی سردار۔ میری آرزو ہے کہ میں آپ کے قریب رہ کر اپنی زندگی کو سنوار سکوں لیکن یہ سب کچھ حالات پر منحصر ہے۔ بہرحال موقعہ ملنے پر میں آپ کی پیشکش سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔"

مگر زمانہ کسے چین لینے دیتا ہے۔ عامر غزنی کے رخصت ہونے کے بعد صلاح الدین کو سپہ سالار شیرکوہ کا خفیہ پیغام ملا کہ قلعہ چھوڑ کے فوراً لشکر گاہ میں پہنچ جاؤ۔ شیرکوہ کا لشکر اس وقت تک فسطاط میں ٹھہرا ہوا تھا۔ صلاح الدین نے خفیہ پیغام کو خفیہ انداز میں ہی اپنے سواروں تک پہنچایا اس کے سوار ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اپنے سردار کی طرف سے اشارہ ملتے ہی انہوں نے بڑی تیزی لیکن راز داری سے گھوڑوں پر زینیں کسیں اور اچک اچک کے گھوڑوں پر سوار ہو کے جو لگامیں اٹھائی ہیں تو پلک جھپکنے میں فصیل شہر سے باہر ہو چکے۔ صلاح الدین سب سے آخر میں صدر دروازے سے نکلا تھا۔

میدان میں تھوڑی دور چلنے کے بعد صلاح الدین نے گھوڑا روکا اور پلٹ کے صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ نصف سے زیادہ بند ہو چکا تھا اور باہر والے لوگ ایک دوسرے کو دھکے مارتے اندر گھسنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یہ صلاح الدین کی کمال کی پھرتی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بغیر تلوار نکالے شہر سے نکال لایا۔ اگر خدانخواستہ دروازہ بند ہو جاتا تو بھی صلاح الدین اور اس کے پچاس سواروں کو روکنا مشکل تھا کہ یہ سردار اور اس کے ماتحت سوار شامی لشکر کے منتخب اور آزمودہ سوار تھے۔ اس دستے کا ہر سوار کم از کم پانچ پانچ سواروں پر بھاری تھا جبکہ صدر دروازہ پر پہریداروں ک مجموعی تعداد دو سو سے بھی کم تھی جن میں چار پانچ شامی سپاہی بھی تھے جنہیں اپنے آدمیوں کی شناخت کے لئے وہاں مقرر کیا گیا تھا۔ صلاح الدین انہیں اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔

صلاح الدین کو گرفتار کرنے کا مصری منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ ملک شاور نے بڑی چالاکی سے شیرکوہ کو قاہرہ آنے سے روک دیا تھا۔ رہا صلاح الدین کا پچاس سواروں کے ساتھ دارالوزارت میں قیام کرنا تو یہ اس کے لئے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ دارالوزارت پر قبضہ ہوتے ہی ملک شاور نے ہاتھ پاؤں پھیلانا اور محسن سے آنکھیں پھیرنا شروع کر دی تھیں۔ پہلے اس نے جنگی اخراجات کی ادائیگی سے انکار کیا پھر شیرکوہ کو مصر سے نکالنے کے ڈول ڈالے۔ اس کی ان چالبازیوں سے شیرکوہ غافل نہ تھا لیکن وہ چاہتا کہ بغیر خونریزی کے

Marfat.com

اگر ملک شاور راہ راست پر آ جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ وہ معاہدہ کی شرائط پوری کئے بغیر واپس جانے کے لئے کسی صورت تیار نہ تھا۔ پہلے وہ ہفتہ میں ایک بار ملک شاور کو شرائط پوری کرنے کی یاد دہانی کراتا تھا پھر اس نے ملک شاور کے پاس روز ہرکارہ بھیجنا شروع کر دیا۔

ادھر ملک شاور کے جوں جوں وزارت پر قدم جمتے جا رہے تھے اس کا رویہ شیرکوہ سے سخت ہوتا جا رہا تھا پھر نوبت یہاں پہنچی کہ ملک شاور نے صاف الفاظ سے کہہ دیا کہ جنگی اخراجات کی ادائیگی کے لئے اسے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہو گا۔ یہ ایک طرح کا صاف انکار اور معاہدہ کا مذاق اڑانے کے برابر تھا۔ اب شیرکوہ کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ یا تو چپ چاپ خالی ہاتھ دمشق واپس چلا جائے یا پھر بروز شمشیر ملک شاور سے معاہدہ کی شرائط پوری کرائے۔ اس کے لئے اسے سب سے پہلے صلاح الدین اور اس کے پچاس سواروں کو قاہرہ سے واپس بلانا تھا۔ شیرکوہ کے ساتھ آنے والے امرائے نوریہ بھی اس پر یہی زور دے رہے تھے کہ ملک شاور سے کوئی رعایت نہ کی جائے۔ پس اس نے صلاح الدین کو خفیہ پیغام کے ذریعہ قاہرہ سے واپس بلایا۔

صلاح الدین کا قاہرہ سے بچ کے نکل جانا ہی دونوں طاقتوں میں لڑائی کا نقطہ آغاز تھا۔ شیرکوہ نے صلاح الدین کو قاہرہ سے واپس آنے کا خفیہ پیغام بھیج تو دیا تھا لیکن وہ بہت بے چین تھا۔ ملک شاور کا عہد و پیمان سے پھر جانے کا مطلب تھا کہ اس نے اپنی حفاظت کے پورے انتظام کر لئے ہیں اور وہ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ ایسی صورت میں صلاح الدین کا قاہرہ سے نکلنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ شیرکوہ کے ساتھ آنے والے امرائے نوریہ اس مسئلے پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ فقیہ عیسیٰ ہکاری' شہاب الدین محمود حارمی اور امیر قطب الدین کا خیال تھا کہ قاہرہ کے حالات انتہائی مخدوش ہو گئے اس لئے صلاح الدین کو بچانے کے لئے قاہرہ پر فوراً چڑھائی کر دینا چاہئے۔ امرا کے دوسرے گروہ نے خیال ظاہر کیا تھا کہ قاہرہ پر حملہ کرنے کے بجائے ہمیں صلاح الدین کے واپس آنے یا اس کے بارے میں کوئی اطلاع ملنے تک انتظار کرنا چاہئے۔ اس گروہ میں عین الدولہ باروقی بھی شامل تھا جو بظاہر تو دوسرے امرا کے ساتھ تھا لیکن چاہتا یہ تھا کہ صلاح الدین کو قاہرہ میں قتل کر دیا جائے۔ اسے ان چچا بھتیجے کے عروج سے سخت کوفت ہوتی تھی۔

امیر باروقی اپنے ان خیالات کو چھپانے کے بڑی منافقانہ گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ہم اپنے جوان عمر سردار صلاح الدین کے لئے اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ قاہرہ پر حملہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں لیکن یہ ایک بڑا نازک معاملہ ہے اگر ہمارے حملے سے پہلے

Marfat.com

ملک شاور قلعہ بند ہو گیا تو سردار صلاح الدین اور پچاس سواروں کی جانیں خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ ہمیں تحمل سے کام لینا چاہئے تاکہ ہماری جلد بازی بنے ہوئے کام کو بگاڑ کے رکھ دے۔"

فقیہہ عیسیٰ ہکاری اگرچہ سب سے زیادہ ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک تھے لیکن انہیں شیرکوہ اور صلاح الدین سے بے حد محبت تھی۔ صلاح الدین کو اپنا سگا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے وہ قاہرہ پر فوری حملہ کرنے کے حق میں دلیلیں دے رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے عین الدولہ باروقی کی اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ جلد بازی بنتے ہوئے کام کو بگاڑ دیتی ہے لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض معاملات ہم سے فوری اقدام کا تقاضہ کرتے ہیں اور اس میں ذرا سی تاخیر بھی نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ یہ بھی درست کہ بدلے ہوئے حالات میں قاہرہ پر حملہ شامی فوج کو مہنگا پڑے گا۔ اس لئے پورا قاہرہ بلکہ پورا مصر ہمارے مخالف ہو گا۔ ہم شاور کے لئے ریگستان کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں تک پہنچے تھے لیکن اسی نے ہماری مخالفت پر کمر باندھ لی تو ــــــ"

فقیہہ عیسیٰ ہکاری یہیں تک پہنچے تھے کہ ایک غلام دوڑتا ہوا اندر آیا اور زور سے چلایا۔ "آقا مبارک ہو۔ سردار صلاح الدین آ رہے ہیں۔"

یہ اطلاع اس قدر مسرت انگیز تھی کہ اسد الدین شیرکوہ ننگے پیر بھاگتے ہوئے خیمے سے باہر آ گئے۔ ان کے پیچھے تمام امرائے نوریہ تھے۔ صلاح الدین کو دیکھ کر شیرکوہ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو ہو گئے۔ صلاح الدین نے شیرکوہ اور تمام امرا کو خیمے کے باہر کھڑا دیکھ کر اپنا گھوڑا آہستہ کر لیا تھا۔ قریب آ کر وہ گھوڑے سے اترا اور دوڑ کر شیرکوہ سے لپٹ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ خیریت سے واپس آ گئے۔" شیرکوہ نے صلاح الدین کو سینے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ صلاح الدین ایک ایک کر کے ہر امیر سے بغلگیر ہوا۔ عین الدولہ باروقی نے اسے زیادہ دیر تک سینے سے لگائے اور الگ کرتے ہوئے۔ کہا "یہ مجلس تمہارے بارے میں سوچ بچار کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ میں نے یہی رائے دی تھی کہ قاہرہ پر فورا حملہ نہ کیا جائے کیونکہ تم وہاں تھے اور حملہ سے پہلے تمہاری واپسی ضروری تھی۔"

صلاح الدین نے مسکراتے ہوئے ادب سے جواب دیا۔ "آپ کا بہت شکریہ امیر آپ میرے چچا کے برابر ہیں۔ پھر اک دم صلاح الدین کو کچھ خیال آیا۔ اس نے امیر باروقی سے پوچھا۔ "محترم امیر۔ یہ فرمایئے سپہ سالار امیر شیرکوہ کا اس بارے میں کیا خیال تھا؟"

"سپہ سالار قاہرہ پر فوری حملے کے حق میں تھے۔" یہ کہہ کے امیر باروقی مسکرایا۔

Marfat.com

"تو پھر ان کا بھی خیال درست تھا۔ آخر وہ میرے چچا ہیں۔" صلاح الدین کے برجستہ جواب نے امیر باروقی کے منہ کا ذائقہ کرکرا کر دیا۔

سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ جواب تک پیروں سے ننگے کھڑے بڑی مسرت سے صلاح الدین کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دخل دیا۔ "اچھا اب محفل برخاست۔"

تمام امیر اپنے اپنے خیموں کی طرف روانہ ہوئے۔ شیرکوہ بھی اندر چلے گئے۔ صلاح الدین اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت شیرکوہ کا غلام اندر سے آیا --- "سپہ سالار۔ آپ کو یاد کر رہے۔"

صلاح الدین غلام کے ساتھ شیرکوہ کے خیمے میں پہنچ گیا۔

شیرکوہ نے اسے دیکھتے ہی کہا "بڑی خیر ہوئی صلاح الدین۔ اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو یہ امیر جو بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہے تھے سلطان سے یہی کہتے کہ شیرکوہ نے صلاح الدین کو بھیڑیوں کے بھٹ میں بھیج کر ہلاک کرا دیا۔"

"چچا جان یہ امرا آپ کے خلاف کیوں ہیں؟" صلاح الدین نے معصومیت سے پوچھا۔

شیرکوہ نے بغیر تکلف کہہ دیا۔ "اس میں ہر امیر مصر کا گورنر ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ ان لوگوں کو میری یا تمہاری جانوں کی کوئی فکر نہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ جب تک ہم تم زندہ ہیں یہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تمہارے مصر آنے پر جس انداز سے مخالف کی گئی اس سے ان کے ارادے ظاہر ہو گئے تھے۔"

"فرمایئے۔ میرے لئے کیا حکم ہے۔ ملک شاور سے تو جنگ ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ فی الحال تو وہ قلعہ بند ہو گیا ہے۔ میرے قلعے سے نکلتے ہی صدر دروازہ بند ہو گیا تھا اس کا مطلب ہے کہ اس احسان فراموش نے گفتگو کے تمام دروازے بھی بند کر دیئے ہیں۔"

صلاح الدین کی ناقص رائے میں جو بات آئی تھی وہ اس نے بے کم و کاست بیان کر دی۔

شیرکوہ کے چہرے کی سلوٹیں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ "تمہارے لئے تو میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا جب مجھے تمہارے واپس آنے کی خبر ملی تھی لیکن میں امرائے نوریہ کی موجودگی میں کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ شاور سے جنگ ناگزیر ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں کچھ اور انتظامات کرنا پڑیں گے۔"

"میں حاضر سپہ سالار معظم۔" صلاح الدین ذرا سا خم ہو کر کہا۔ "میں آپ حکم پر اپنی جان نچھاور کر سکتا ہوں۔ صرف حکم کی دیر ہے۔"

"تمہیں اسی وقت روانہ ہو کر بلبیس پر قبضہ کرنا ہے۔" سپہ سالار نے حکم دیا۔ "میں لشکر لے کر مصر کے مشرقی صوبہ پر قابض ہو جاؤں گا۔ فسطاط میں محض ایک دیکھ بھال کی

Marfat.com

چوکی رہ جائے گی۔ اس فارغ ہو کے ہم حالات کے پیش نظر اس احسان فراموش کے ساتھ جنگ کی حکمت عملی تیار کریں گے۔"

"میں کتنے سوار ساتھ لے جاؤں۔" صلاح الدین نے ہدایت چاہی۔

"تمہیں دو ڈھائی سو سواروں سے زیادہ نہیں دیئے جا سکتے۔ بلبیس کے محاذ پر مقامی طور کچھ زیادہ مداخلت نہ ہو گی ہمارے پاس بھی سوار بہت کم ہیں۔ کوشش کرنا کہ ایک سوار بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ جاؤ۔ فوراً سوار لے کر بلبیس روانہ ہو جاؤ۔ وقت بہت کم ہے۔" شیرکوہ اسے ہدایات دے کر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

صلاح الدین کچھ دیر شیرکوہ کے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر خاموشی سے خیمے سے نکل گیا۔

باہر پہنچ کے صلاح الدین نے سوار منتخب کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے پاس پچاس سوار پہلے ہی تھے جو صلاح الدین کے ساتھ قاہرہ میں رہ چکے تھے۔ اسے صرف پچاس سوار اور درکار تھے۔ سواروں کی یہ ذہنیت اور عادت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس سردار کی کمان میں جنگ کرنا پسند کرتے ہیں جو نڈر اور بہادر ہو۔ صلاح الدین کو بلبیس کی پہلی جنگ میں آزمایا جا چکا تھا۔ اب پھر بلبیس کا معرکہ تھا اس لئے ہر ایک خواہش تھی کہ وہ صلاح الدین کے ساتھ بلبیس جائے۔ صلاح الدین کو ان کے انتخاب میں زیادہ پریشانی نہ ہوئی اور دو گھنٹے کے اندر اندر وہ بلبیس جانے کے لئے سوار ہو رہا تھا۔

لیکن صلاح الدین کو ایک شب فسطاط میں اور ٹھہرنا پڑا۔ صلاح الدین کے شیرکوہ کے خیمے سے اٹھ کے آنے کے بعد سپہ سالار نے کچھ امرائے نوریہ کو طلب کر کے ان سے آئندہ اقدام پر گفتگو کی۔ یہ گفتگو طول کھینچ گئی۔ بعض امرا جان بوجھ کے ہر کام میں روڑا اٹکاتے تھے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ بلبیس اور مشرقی علاقہ پر ایک ساتھ قبضہ ہونا چاہئے تاکہ جس طرح شامی لشکر کی طاقت دو جگہ بٹ رہی ہے اسی طرح مصری لشکر کو بھی اپنی طاقت دو محاذوں پر تقسیم کرنا پڑے۔

صلاح الدین سوار ہو چکا تھا۔ وہ سپہ سالار کو رخصتی سلام کرنے حاضر ہوا تو شیرکوہ نے ایک امیر کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ اپنی روانگی ملتوی رکھے اور دوسرے حکم کا انتظار کرے۔ سپہ سالار نے انتظار کا حکم دیا تھا اس لئے صلاح الدین اور ساتھ جانے والے تمام سواروں نے پوری رات آنکھوں میں گزار دی پھر صبح کے وقت حکم ثانی موصول ہوا کہ فوج کے دونوں حصے ظہر کی نماز کے بعد لنگر اٹھائیں گے۔ صلاح الدین نے سواروں کو آرام کا حکم دیا اور خود بھی ایک خیمے میں جا کر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ اسے ٹھیک سے نیند تو نہ

Marfat.com

آئی لیکن وہ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا اس وقت جنگ کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے اس سے ممکن ہے کہ کوئی اور نیا حکم آ جائے۔ یوں بھی سردار بڑا ہو یا چھوٹا اسے ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے۔

صلاح الدین نیند اور بیداری کے درمیان ہچکولے لے رہا تھا کہ اسے ایک عجیب خواب دکھائی دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے سواروں کے درمیان قاہرہ کے دارالوزارت میں بیٹھا خوش گپیاں کر رہا ہے کہ عامر غربی بدحواسی کے عالم میں بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور صلاح الدین کو بتایا کہ اس کے بھائی جان ملک شاور نے قلعہ کا دروازہ بند کرا دیا ہے اور وہ سواروں کے بڑے دستے کے ساتھ اسے (صلاح الدین کو) گرفتار کرنے آ رہا ہے۔ صلاح الدین اس اطلاع سے پریشان ہو گیا۔ اس نے سواروں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور خود تلوار سنبھال کر باہر کی طرف لپکا۔

عامر غربی نے سچ کہا تھا۔ دارالوزارت کے باہر دور دور تک مصری سوار موجود تھے۔ صلاح الدین اور اس کے سوار اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صلاح الدین نے بسم اللہ کہہ کر اپنے سواروں کو بزن کا حکم دیا۔ شامی سوار اپنے سردار کا حکم پا کے شاہینوں کی طرف دشمن پر جھپٹ پڑے۔ صلاح الدین اپنے دستے کے آگے آگے تھا۔ اس کی نظر اپنے پہلو کی طرف پڑی تو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ عامر غربی اس کے بالکل قریب بڑھ بڑھ کے مصریوں پر حملہ کر رہا ہے اور صلاح الدین کی طرف بڑھنے والے سواروں کو اس کی پشت پر ڈھال بن کے روک رہا ہے ----

اسی وقت صلاح الدین کی آنکھ کھل گئی۔ اگرچہ یہ محض ایک خواب تھا لیکن صلاح الدین کے دل میں عامر غربی کی عزت دو چند ہو گئی اس نے فیصلہ کیا کہ اگر عامر غربی اسے کہیں مل گیا تو وہ اسے اپنی دوستی کا شرف ضرور بخشے گا۔ خواب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پورے کے پورے سچ ثابت ہوں۔ صلاح الدین کوئی اس قدر متقی اور تہجد گزار بھی نہ تھا کہ اس کے خواب سچ ہی ہوں۔ یہ ضرور تھا کہ صلاح الدین ایک سچا اور کھرا مسلمان تھا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ اس کے دل میں جہاد کے لئے سچی تڑپ تھی۔ جہاں تک اس کے اس خواب کا تعلق تھا تو اس میں اور حقیقت میں صرف تھوڑی سی مماثلت پائی جاتی تھی۔

عامر غربی ان دنوں بہت پریشان تھا۔ ملک شاور نے زرتاج کے معاملہ میں بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی بلکہ اب تو تقریباً یہ بات عام ہو گئی تھی کہ زرتاج کی شادی امرائے برقیہ میں سے ایک با اثر امیر سے طے پا گئی ہے اور یہ کہ ملک شاور اپنی سیاسی مصلحتوں پر

Marfat.com

بھانجی کو قربان کرنے پر تیار ہو گیا ہے۔ عامر کو یہ شبہ پہلے ہی تھا اور ملک شاور کے دل سے اپنی خیال کو ختم کرانے کی برابر کوششیں کر رہا تھا لیکن ملک شاور اس قدر خود غرض اور مفاد پرست انسان تھا کہ وہ کسی اور کے فائدے یا جذبات کو دیکھنے سمجھنے پر تیار ہی نہ تھا۔ جب دارالوزارت میں حالات بگڑے۔ ملک شاور نے شیرکوہ سے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا تو شیرکوہ نے عامر کو اپنے پاس آنے سے روک دیا کہ اس سے ملک شاور کے دل میں خوامخواہ غلط فہمی پیدا ہو گی جس شیرکوہ کو نہیں عامر کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

ان تمام خطرات اور حالات کے باوجود جب عامر کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ قلعہ کا دروازہ بند کر کے صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ تیار ہوا ہے تو وہ اسی وقت صلاح الدین کو اطلاع دینے کے لئے دوڑ پڑا تھا لیکن جب وہ دارالوزارت پہنچا اور اسے معلوم ہوا کہ صلاح الدین اور اس کے سوار اچانک یہاں سے چلے گئے ہیں تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ پھر جب ملک شاور کو یہ بتایا گیا کہ صلاح الدین کے اچانک دارالوزارت چھوڑ جانے کے بعد عامر غزلی اس سے ملنے پہنچا تھا تو اسی بات کو بہانہ بنا کر ملک شاور نے عامر کا داخلہ دارالوزارت میں بند کرا دیا۔ عامر اگرچہ ملک شاور کے اہل خانہ کے ساتھ ہی دارالوزارت آیا تھا۔ لیکن جب اس نے ملک شاور کا رویہ بدلا ہوا دیکھا تو خود ہی داراوازت میں رہنا چھوڑ دیا تھا وہ کبھی کبھی زرتاج کے پاس جایا کرتا لیکن اس کی ملاقات زرتاج سے کم ہی ہوتی تھی۔ ملک شاور نے اپنی بیوی کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ زرتاج کو عامر کے سامنے نہ ہونے دیا جائے لیکن شاور کی بیوی کو دونوں کی محبت کا حال اچھی طرح معلوم تھا اس لئے وہ کسی نہ کسی بہانے دونوں میں ملاقات کرا دیتی تھی۔ پھر جب سے اس کا جانا دارالوزارت میں بند کر دیا گیا تو اس کی زرتاج سے ملاقات ناممکن ہو گئی تھی۔

عامر کو صلاح الدین کا بہت سہارا تھا۔ اس نے صلاح الدین میں ایک اچھے اور سمجھدار دوست کی تمام خوبیاں محسوس کی تھیں مگر اب تو صلاح الدین سے ملاقات بھی مشکل تھی۔ قلعہ کے دروازے بند ہو چکے تھے اور اہل شہر شامی فوج کے حملے کے تصور سے لرز رہے تھے۔ عامر کو صلاح الدین کی طرف سے یہ بھی اشارہ ملا تھا کہ اگر وہ زرتاج کو کبھی لے کر اس کے پاس آیا تو اس کی پذیرائی اور آؤ بھگت اسی وقت کی جائے گی جب وہ یہ ثابت کر سکے گا کہ زرتاج واقعی اس کی بیوی بن چکی ہے۔ اس لئے وہ زرتاج کو حاصل کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ زرتاج کو چوری چھپے یا کسی فریب سے حاصل کرنے کے بعد وہ اسے کہاں لے جاتا قاہرہ اور پورے ملک کی سرزمین اس کی دشمن

Marfat.com

بن جاتی۔ صلاح الدین بھی اسے خوش آمدید کہنے سے انکار کر دیتا۔

ادھر شامی سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ نے مصر کے مشرقی صوبہ پر قبضہ جمایا اور ادھر صلاح الدین بلبیس پہنچا۔ بلبیس والوں کو قاہرہ کے صحیح حالات کا علم نہ تھا۔ انہیں اتنا ہی علم تھا کہ شامی فوج کی مدد سے ملک شاور نے قاہرہ پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا ہے۔ شامی سواروں کے دیکھ کر انہیں یہی گمان گزرا کہ یہ تو دوست ملک کے سوار ہیں۔ بلبیس کے سرکاری دستے پہلے ہی حملہ میں ختم ہو چکے تھے وہاں صرف محافظ سوار تھے۔ انہیں اگر معلوم بھی ہو جاتا کہ ملک شاور اور شامی سپہ سالار میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو بھی وہ صلاح الدین کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ صلاح الدین نے بڑی آسانی سے بلبیس پر قبضہ کر لیا اور محافظ سواروں کو غیر مسلح کر دیا گیا۔

ملک شاور نے سنا کہ اس کی طرف سے نا امید ہو کر شامی فوج نے مشرقی صوبہ اور بلبیس دبا لیا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے شیرکوہ کو کورا جواب دے کر قاہرہ کو کچھ دنوں کے لئے بچا تو لیا تھا لیکن وہ یہ بھول گیا کہ شیرکوہ بھی ایک جہاندیدہ سپہ سالار ہے اور اس طرح کی جنگی چالوں سے نمٹنا خوب جانتا ہے چنانچہ شیرکوہ نے مصری علاقہ اور بلبیس پر قبضہ کر کے ملک شاور کو اس کی احسان فراموشی کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ یہ بھی جتا دیا کہ وہ مصر کی سر زمین اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب جنگ کے اخراجات اور معاہدے کی شرائط پوری نہیں کی جاتیں۔ ملک شاور کو یہ بھی خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں شیرکوہ مصر سے تازہ دم فوج بھرتی کر کے قاہرہ کا پھر رخ نہ کرے۔ ان تمام باتوں کو سوچ کے اس نے بھی ضرغام والا حربہ استعمال کیا۔ مصر ہر سال شاہ یروشلم کو ایک معقول رقم خراج کے طور پر ادا کرتا تھا۔ اس کے بدلے میں ایک دیرینہ زبانی معاہدے کے تحت یروشلم اس بات کا پابند تھا کہ ایک تو وہ مصر کے انتظامی معاملات میں دخلل نہ دے دوسرے یہ کہ اگر مصر پر کوئی حملہ آور ہو تو وہ پوری طاقت سے مصر کی مدد کرے۔ اسی معاہدے کے حوالے سے ملک شاور نے ایمالرک شاہ یروشلم کے دربار میں ایک سفارت روانہ کی تاکہ یروشلم کی مدد سے مصریوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرے۔

حالات کس طرح کروٹ بدلتے ہیں اور تاریخ کس طور اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ شاہ یروشلم کے دربار میں آج اس ملک شاور نے مدد کی درخوست بھیجی تھی جس کے حملے کے خووف سے ضرغام نے اسی شاہ یروشلم سے بالکل اسی طرح کی درخواست کی تھی۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب داروغہ محلات ضرغام نے مصر کے امرائے برقیہ کی مدد سے ملک شاور کا تختہ الٹ دیا تھا اور ملک شاور بھاگ کے سلطان دمشق نور الدین محمد زنگی کے دربار میں

Marfat.com

شامی فوج کے لئے درخواست لے کر پہنچا تھا۔ ضرغام کو جب علم ہوا کہ ملک شاور شامی فوج لے کر مصر کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے فوراً اپنے بھائی ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام کو یروشلم روانہ کیا تاکہ وہ مصر پر شامی لشکر کے متوقع حملہ کے پیش نظر اپنی فوجیں مصر روانہ کریں۔

شاہ یروشلم یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ مصر پر سلطان دمشق کا قبضہ ہو یا اس کا اثر پیدا ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں یروشلم کو خراج کی وہ سالانہ رقم ملنا بند ہو جاتی جو ایک زمانہ سے انہیں مصری ادا کر رہے تھے دوسرے یہ کہ انہیں (یروشلم) کو یہ بھی خطرہ تھا کہ مصر کا دمشق کے زیر اثر ہونے کا مطلب تھا کہ یروشلم پر جنوب کی طرف سے بھی حملے کے امکانات پیدا ہو جائیں۔ اس لئے شاہ یروشلم نے ضرغام کی مدد کے لئے جلدی جلدی ایک فوج تیار کی تھی لیکن سلطان دمشق نور الدین زنگی اس سے زیادہ عقلمند اور جنگی چالوں میں ماہر تھا۔ اس نے ملک شاور سے مدد کا وعدہ کر لیا تھا لیکن مصر اور دمشق کے درمیان یروشلم کی سلطنت موجود تھی۔ ظاہر تھا کہ اگر ملک شاور کے ساتھ کوئی فوج مصر بھیجی جاتی تو اسے یروشلم کی سرحد کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا اور ہر وقت جنگ کا خطرہ سر پر سوار رہتا۔ اس لئے سلطان دمشق نے ایک طرف تو شیرکوہ کو ایک فوج دے کر مصر روانہ کیا اور خود ایک لشکر لے کر بڑی تیزی سے یروشلم کی شمالی سرحدوں کی طرف کوچ کیا۔

سلطان دمشق کے کوچ کرتے ہی یروشلم کے جاسوسوں نے شاہ یروشلم کو اطلاع پہنچائی کہ سلطان آندھی طوفان کی طرح یروشلم کی طرف آ رہا ہے۔ یہ وہی وقت تھا جب وزیر اعظم ضرغام کی سفارت یروشلم میں بیٹھی فوجی مدد کی درخواست کر رہی تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ سلطان اس کی طرف آ رہا ہے۔ اس خبر سے وہ بد حواس ہو گیا۔ اس نے مصر بھیجنے کے لئے دستوں کا انتخاب بھی کر لیا تھا لیکن اس خبر کے نتیجے نے اسے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنی شمالی سرحدوں کی طرف بھاگنا پڑا اور مصر سے آئی ہوئی سفارت ناکام واپس ہو گئی لیکن یہ سلطان کی محض ایک چال تھی۔ اس نے شاہ یروشلم کی توجہ اس کی شمالی سرحدوں کی طرف پھیر دیں اور اس کا سپہ سالار شیرکوہ ایک مختصر فوج کے ساتھ یروشلم کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ ریگستان پار کر کے بلبیس پہنچ گیا۔

سلطان دمشق کا یروشلم پر حملہ کرنے کا منصوبہ ہی نہ تھا۔ وہ تو شاہ یروشلم کو اپنی طرف مخاطب کر کے شیرکوہ کو بخیریت مصر پہنچانا چاہتا تھا جس میں وہ کامیاب ہو گیا اور یروشلم کی فوجیں شیرکوہ کا راستہ روکنے سے باز رہیں۔ جب یروشلم کی فوجیں سلطان کے مقابلہ پر پہنچ گئیں تو وہ لشکر کو ایک منزل پیچھے ہٹا لایا۔ یروشلم کے سر سے خطرہ تو ٹل گیا تھا

Marfat.com

لیکن سلطان کے سرحد سے صرف ایک منزل دور پر خیمہ زن ہونے سے وہ ایک مستقل خوف میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اب سلطان نے اپنی دوسری جنگی چال چلی اور خیمہ گاہ میں اسی طرح خیمے لگے چھوڑے کے اس نے اوپر کے شمالی علاقوں کا رخ کیا۔ یروشلم کے جاسوس یہی سمجھتے رہے کہ ان خیموں میں سلطان لشکر موجود ہے لیکن وہاں سوائے دو سو سواروں کے اور کوئی نہ تھا۔

سلطان نور الدین محمود زنگی نے یہ چال اپنے محترم والد عماد الدین زنگی والئی موصل سے سیکھی تھی یا یہ کہنا چاہئے کہ سلطان نے اس موقعہ پر اپنے والد کے ایک تجربے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ نیا رخ پڑھنے والے قاریوں کو یاد ہو گا کہ امیر عماد الدین نے "الرہا" فتح کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس نے اسے اپنے قریب ترین امراء سے بھی پوشیدہ رکھا تھا۔ عماد الدین جس وقت موصل سے چلا تھا اس نے مشہور کیا تھا کہ وہ مسلمان امیروں اور سرداروں کی سرکوبی کو جا رہا ہے۔ اس نے دھوکہ دینے کے لئے عمید کا محاصرہ بھی کر لیا تھا۔ الرہا کا شاہ جوسلین دوم' موصل کے امیر سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ وہ شدید گرمی کے باوجود الرہا کو خالی نہ چھوڑتا تھا لیکن جب اسے امیر زنگی عماد الدین کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان سرداروں سے الجھا ہوا ہے اور اس وقت عمید کے محاذ پر ہے تو اس کی عیاش طبیعت نے زور مارا اور وہ کچھ دستے فوج ساتھ لے کر ایک پر فضا مقام پر منتقل ہو گیا۔ اس طرح جب وہ بہار کا لطف اٹھا رہا تھا اس وقت عماد الدین زنگی نے بڑی خاموشی سے عمید کا محاصرہ اٹھایا اور منزلیں مارتا ہوا الرہا پہنچ گیا۔ الرہا کے شاہ جوسلیں دوم کو اس حملہ کی اس وقت خبر ملی جب عماد الدین زنگی الرہا کے شہریوں سے صلح کر کے الرہا کے قلعہ میں داخل ہو چکا تھا۔

بالکل اسی طرح سلطان نور الدین نے شاہ یروشلم کو ایک مستقل خوف میں مبتلا کر کے فلسطین کا رخ کا کیا وہاں اس نے گلبرٹ اور رابرٹ کو شکست دے کر حارم کا پورا علاقہ فتح کر لیا پھر اس عرصہ میں شیرکوہ نے بلبیس کے میدان میں ضرغام کے دونوں بھائیوں کو شکست دے کر انہیں گرفتار کر لیا تھا اور ضرغام کے قتل کے بعد ملک شاور دارالوزارت کا مالک بن چکا تھا پھر جب ملک شاور شیرکوہ کے ساتھ احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہو تمام وعدوں سے پھر گیا اور اس کے جواب میں شیرکوہ نے مصر کے مشرقی صوبہ اور صلاح الدین نے بلبیس پر قبضہ جما لیا تو ملک شاور کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے فوراً شاہ یروشلم سے مدد کی درخواست کی۔ شاہ یروشلم کو اس وقت اپنے شمالی علاقوں کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا تھا کیونکہ سلطان اس وقت گلبرٹ اور رابرٹ سے الجھا ہوا تھا۔ شاہ نے ملک شاور کی

Marfat.com

درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور وہی فوج جو وہ ملک شاور کے خلاف ضرغام کو دینا چاہتا تھا اسی فوج کو اس کے ملک شاور کی مدد کو بھیج دیا۔

صلاح الدین نے بلبیس پر قبضہ تو کر لیا تھا لیکن اب اسے شمال سے شاہ یروشلم اور جنوب سے مصری حملے کا خطرہ تھا۔ اسی طرح اسد الدین شیرکوہ جس نے مصر کے مشرقی صوبے پر قبضہ کیا تھا اسے بھی ہر طرف سے مصریوں کے یلغار کا خطرہ تھا۔ بلبیس پر قبضہ کے دوسرے ہی ہفتہ صلاح الدین کے جاسوسوں نے اسے مطلع کیا ملک شاور نے ایک سفارت کے ذریعہ شاہ یروشلم سے فوجی مدد طلب کی ہے اور عیسائی لشکر مصر روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہ خبر ایک بڑے خطرہ کی اطلاع تھی۔ صلاح الدین نے فوراً سپہ سالار لشکر اسد الدین شیرکوہ کو عیسائی لشکر کی متوقع آمد سے مطلع کیا۔ شیرکوہ نے فوراً اپنی حکمت عملی تبدیل کی جتنا لشکر بھی اس کے پاس تھا اسے جمع کر کے بلبیس روانہ ہو گیا۔

جاسوس نے صلاح الدین کو صحیح خبر دی تھی۔ یروشلم کا لشکر بڑی تیزی سے بلبیس کی طرف بڑھ رہا تھا دوسری طرف ملک شاور بھی قاہرہ کے قلعہ سے نکل کر بلبیس آ رہا تھا۔ عیسائیوں اور مصریوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان دمشق کا سپہ سالار شیرکوہ اپنی فوج کے ساتھ بلبیس پہنچ رہا ہے۔ صلاح الدین وہاں پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے یہی بہترین موقعہ اور وقت ہے کہ حملہ آوروں کی پوری طاقت کو بلبیس میں گھیر کے ختم کر دیا جائے لیکن شیرکوہ کو شکست دینا اتنا آسان نہ تھا جبکہ اس کے ساتھ صلاح الدین جیسا ایک جوان بھی تھا جس کی تلوار کے ساتھ ساتھ دماغ بھی تلوار جیسی تیزی سے کام کرتا تھا۔

شیرکوہ بلبیس پہنچا اور شام کا پورا لشکر ایک جگہ اکٹھا ہو گا اس کے ساتھ ہی شمال سے ایمالرک شاہ یروشلم اور جنوب سے ملک شاور وزیر اعظم مصر جنوب سے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ یہ صورت حال بہت مخدوش تھی۔ امرائے نوریہ پریشان تھے اور اسد الدین شیرکوہ فکر مند۔ صرف ایک صلاح الدین ایسا تھا جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اس پر فکر و تردد کا کوئی نشان نہ تھا بلکہ گہری سنجیدگی طاری تھی۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا اور ہر امیر اپنی عقل و سمجھ کے مطابق عیسائیوں اور مصریوں کے متحدہ لشکر سے جنگ و صلح کے بارے میں رائے دے رہے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حالات ایسے دگرگوں تھے جن میں جنگ کا تصور ہی نہ کیا جا سکتا تھا اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

"جنگ اور صرف جنگ اس کے علاوہ موجودہ حالات کا اور کوئی حل نہیں۔" شیرکوہ شیر کی طرح گرجا۔ "بغیر جنگ کے صلح کا تصور ہی غلط ہے۔ ہم بزدلی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔" شیرکوہ کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا لیکن نوری امرا پر خاموشی طاری تھی۔ شیرکوہ

Marfat.com

سے پہلے چار امیر اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے۔ سب نے زور دیا تھا کہ دو لشکروں سے جنگ کرنے کے بجائے ہمیں ریگستانی راستے سے دمشق واپس چلا جانا چاہئے لیکن شیرکوہ نے ان سب کی رائے رد کر دی تھی۔ صلاح الدین نے اس بحث میں اب تک حصہ نہ لیا تھا۔

تمام امرائے نوریہ صلاح الدین سے عمر میں بڑے تھے۔ صلاح الدین شاید انتظار کر رہا تھا کہ جب تمام امرا اپنی رائے کا اظہار کر سکیں تو وہ بھی بولے۔ لیکن ہر ایک پر خاموشی چھائی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ شیرکوہ کے جوشیلے اعلان نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔

صلاح الدین امرا کے گروہ سے ذرا ہٹ کے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ شیرکوہ کے اعلان پر کوئی بھی صادر کرنے پر آمادہ نہیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے بالکل قریب آ کے بیٹھ گیا۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ صلاح الدین ایک ایک امیر کے چہرے پر نظریں گاڑ کے ان کے دل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وقت شیرکوہ کی آواز دوبارہ ابھری۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ امرائے نوریہ کس طرف ہیں۔ آیا ان کی خاموشی نیم رضا کا اظہار کرتی ہے یا وہ خود اپنی رائے کے مطابق جنگ سے گریزاں ہیں۔ جن امرا نے اب تک اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا میں ان کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

امیروں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ کسی نے بولنے کی کوشش نہیں کی۔ شیرکوہ کا جوش ایک شدید غصے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی کنپٹی کی رگیں پھول گئیں۔ شاید اس نے بولنے کے لئے لمبی سانس لی تھی کہ صلاح الدین اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

"معزز سپہ سالار اور محترم امرائے نوریہ۔ آپ کی خاموشی آپ کی رضامندی کی دلیل ہے۔ میں بھی سپہ سالار کے اعلان سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔ جنگ میں فوج کی تعداد نہیں گنی جاتی بلکہ جوش و جذبہ اصل طاقت ہوتی ہے۔ ہم لڑیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک اس ریگستانی علاقہ کی زمین دشمن کے خون سے تر نہیں ہو جاتی۔"

"شاباش صلاح الدین شاباش۔ ہم نے جنگ کا فیصلہ کر لیا اور صلح کے خیال کو رد کر دیا۔" یہ کہہ کے شیرکوہ نے مجلس مشورت برخاست کر دیا اور صلاح الدین کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنی خیمہ میں آ گیا۔

"سپہ سالار محترم۔" صلاح الدین نے کہا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ امرائے نوریہ آپ کے ہر حکم اور اعلان کو رد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ آخر ایسا کب تک ہو گا۔ ان لوگوں کی لشکر میں موجودگی فائدے کے بجائے نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

شیرکوہ نے صلاح الدین کو ایک تجربہ کی بات بتائی۔ "صلاح الدین بیٹے۔ ایسی باتوں

Marfat.com

سے پریشان نہیں ہوا کرتے۔ دراصل شاہی نظام حکومت کا دستور یہی ہے کہ ہر وفادار کے ساتھ ایک بے وفا یا اس وفادار کا مخالف لگا دیا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو موافق اور مخالف سب طرح کی خبریں ملتی رہیں اور ان خبروں کی روشنی میں بادشاہ اپنے امرا کے درجے گھٹاتا اور بڑھاتا رہے۔ جس وقت امرائے نوریہ کا گروہ میرے ساتھ مصر بھیجا گیا تھا میں اس وقت سمجھ گیا کہ ان میں سے بعض تو میری حمایت کریں گے اور زیادہ میری ٹانگ کھینچیں گے۔ ان میں سے ہر ایک مصر کی گورنری کا خواہاں ہے اور مصر کے جیسے زرخیز ملک اور کمزور دفاعی معیار کو دیکھ کر کوئی امیر بھی یہاں کی گورنری کی خواہش کو دبا نہیں سکتا۔ ایک بات یاد رکھو۔ تمہارے ساتھی تمہیں کتنا ہی مفید مشورہ کیوں نہ دیں لیکن اس کو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک اس کے مضر اثرات پر اچھی طرح غور نہ کر لو۔ میں تمہیں مصر اسی وجہ سے لایا ہوں کہ تم امور جہانگیری اور جہانداری دونوں میں کامل ہو جاؤ۔"

صلاح الدین نے شکریہ ادا کیا۔ "میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں سپہ سالار محترم میں نے اس مختصر مدت اور غیر اہم جنگوں میں ہی بہت سی تجربے کی باتیں سیکھ لی ہیں۔ اگر میں مصر نہ آتا تو شاید میں ان تجربات کے حصول سے غافل رہتا۔ اب ایک بات میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری بات کو بچکانہ سمجھ کے ٹال نہ دیجئے گا بلکہ اس پر ذرا سنجیدگی سے غور فرمائیے گا۔"

"صلاح الدین نہ تم بچہ ہو اور نہ تمہاری باتیں بچکانہ ہوتی ہیں۔" شیرکوہ نے اعتراف کیا۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

صلاح الدین نے شیرکوہ سے کیا کہا اور دونوں میں دو گھنٹے سے زیادہ کس مسئلے پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کا اعلان نہ شیرکوہ کی طرف سے ہوا اور نہ صلاح الدین نے اس سلسلے میں کسی سے کچھ کہا۔ امرائے نوریہ کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ چچا بھتیجے میں کیا گفتگو ہوئی اور کیا اسکیم تیار ہوئی۔ کئی امیر خوامخواہ شیرکوہ کے کمرے میں گئے کہ شاید کوئی بات کھلے لیکن شیرکوہ نے جیسے اپنا منہ سی لیا تھا۔ وہ ہر ایک سے باتیں کرتا لیکن اپنی اور صلاح الدین کی گفتگو کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہ کرتا۔

اسی شب امرائے نوریہ نے دیکھا کہ پانچ لشکری اس میدان کے گرد خندق کھود رہے ہیں جس میدان میں شیرکوہ اور صلاح الدین کے لشکری خیمے لگائے ہوئے تھے۔ خندق کھودنے والے ان پانچ سو کے ساتھ مزید دو سو لشکری خندق سے نکلی ہوئی مٹی سے کچے ٹیلے اور مورچے بنا رہے ہیں۔ خندق رات بھر دوسرے دن بھر اور رات بھر کھودی جاتی رہی لیکن معلوم ہوا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا صلاح الدین اور شیرکوہ نے سمجھا تھا۔

Marfat.com

مزید پانچ سو لشکری اس کام میں شامل ہو گئے۔ اب تو امرائے نوریہ کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے سپہ سالار کے اس اقدام کو سراہنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دبے الفاظ میں شیرکوہ کو میدان چھوڑ کے فرار ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن اس مدافعانہ حکمت عملی کو دیکھ کر انہیں سپہ سالار کی فراست کا قائل ہونا پڑا۔

بڑی محنت' جاں سوزی مگر تیز رفتاری سے خندق کھودی جا رہی تھی۔ تیسرے دن سے ایسا ہوا کہ پورا لشکر خندق کھودنے پر لگ گیا۔ شیرکوہ نے پہریدار سواروں کو دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ انہیں حکم تھا کہ کسی کو اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ شیرکوہ چاہتا تھا کہ جب تک خندق تیار نہ ہو جائے اس وقت تک دشمن کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ پورے لشکر کے کام پر لگ جانے سے ہفتے میں خندق بن کے تیار ہو گئی۔ اس خندق کی گہرائی سولہ فیٹ کے قریب تھی۔ خندق کی مٹی سے اونچے اونچے ٹیلے بنائے گئے جس میں تیرانداز اس طرح بٹھائے گئے کہ وہ تو خندق کے قریب آنے والوں کو دیکھ سکتے تھے لیکن باہر والوں کو وہ نظر نہ آتے تھے۔ سولہ فیٹ گہری اور اس سے زیادہ چوڑی خندق پوری خیمہ گاہ کے گرد تیار ہوئی تو یوں معلوم ہوا جیسے میدان میں کچی مٹی اور ریت کا ایک قلعہ تیار ہو گیا۔ جس میں پورا شاہی لشکر بمعہ ساز و سامان کے آرام سے چھپ کے بیٹھ گیا ہے۔

خندق کی تیاری پر امرائے نوریہ مبارک باد دینے کے لئے سپہ سالار اسد الدین شیروہ کے خیمے پر اکٹھا ہوئے۔ سب سے پہلے قطب الدین نے شیر شاہ کو مبارک باد دی۔ "محترم سپہ سالار۔ جب میں نے سنا کہ شمال سے شاہ یروشلم اور جنوب کی طرف سے احسان ناشناس ملک شاور مصری فوج لے کر بلبیس کی سمت آ رہے تو ہمیں یہی بہتر معلوم ہوا کہ ہم اس متحدہ لشکر سے جنگ کرنے کے بجائے ریگستانی علاقہ سے دمشق واپس چلے جائیں لیکن شاباش ہے آپ کی ہمت کو کہ آپ نے اس ریگستان میں ہمارے لئے ریت اور مٹی کا ایک ایسا قلعہ بنا دیا جس کے ذریعہ کسی دشمن سے کئی ماہ تک مدافعتی جنگ کر سکتے ہیں۔"

امیر منتوب ہکاری اور امیر محمود حارمی نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

اب عین الدولہ باروقی کی باری تھی جو شیرکوہ کے ہر اقدام پر تنقید کیا کرتا تھا۔ اس نے اس حکمت عملی کی تعریف تو کی لیکن بیچ بیچ تنقید بھی کرتا گیا۔

عین الدولہ باروقی نے کہا۔ "سپہ سالار اعظم نے بے شک ایک ایسی حکمت عملی کا مظاہرہ کیا ہے جس کی ہر شخص تعریف کرے گا۔ ریت کا یہ قلعہ اگرچہ مضبوط اور آرامدہ نہیں لیکن موجودہ حالات میں ایک بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے۔ میں اس سلسلے میں اپنی ایک کمزوری کی طرف ضرور اشارہ کروں گا وہ یہ کہ ہمارے پاس اتنا سامان خورد و نوش نہیں

Marfat.com

کہ ہم تین چار ماہ سے زیادہ خندق بند ہو کر مدافعت کر سکیں۔ بہرحال سپہ سالار ا
حکمت عملی کے لئے قابل مبارک باد ہیں۔"

سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین برابر برابر کھڑے امرا کی تقریریں
خاموشی سے سن رہے تھے۔ ابھی قاضی عیسیٰ ہکاری اور شرف الدین برغش باقی تھے
انہوں نے گفتگو سے پرہیز کیا۔ جب ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی تو شیرکوہ گویا ہوا۔

"اے سلطان دمشق کے جاں نثارو اور میرے دوستو۔ ملک شاور نے ہمارے سات
سلوک کیا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات میں ہمارے لئے دو ہی را
تھے۔ پہلا راستہ تو یہ تھا کہ ہم ہوش و حواس کھو بیٹھتے اور جوش میں آ کے قاہرہ کے قلعہ
حملہ آور ہو جاتے لیکن اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہ نکلتا۔ دوسر
صورت یہ تھی کہ ہم جس مقصد کے لئے آئے تھے اسے ادھورا چھوڑ کے بزدلوں کی طر
منہ چھپائے دمشق واپس چلے جاتے۔ میں نے ان دونوں سے ہٹ کے تیسرا راستہ نکالا اور
مصر کے مشرقی صوبہ اور بلبیس پر قبضہ کر لیا۔ ملک شاور کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہ سکی
تھی کہ ہم اس کے اہم علاقوں پر قبضہ کریں گے۔ اس طرح ہماری حکمت عملی کامیاب ہوئی
لیکن اچانک یہ خبر ہوئی کہ ایمالرک شاہ یروشلم مصر کو بچانے آ رہا ہے۔ اس سے ملک
شاور کو بھی حوصلہ ہوا اور وہ بھی فوج اکٹھا کر کے ادھر بڑھ رہا ہے۔

شاہ یروشلم کے آنے کی خبر کا ہمیں یقین نہ تھا اس لئے کہ سلطان محترم نے خود
یروشلم کی طرف کوچ کیا تھا کہ شاہ کسی اور طرف توجہ نہ دے سکے لیکن ہمارے جاسوسوں
نے شاہ کے یروشلم سے کوچ کی تصدیق کر دی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اگر ہم دمشق
واپس جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو شاہ کا لشکر ہمیں ریگستان میں کسی نہ کسی جگہ روکے گا۔
اس لئے بجائے اس کے کہ کھلے ریگستان میں غیر محفوظ ہو کے ایمالرک سے مقابلہ کیا جائے
اس سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ بلبیس کے میدان میں خندق بنائے اور کچے مورچوں کی آڑ
لے کے شاہ کا مقابلہ کیا جائے۔ اس طرح ہم کم از کم نقصان کر کے یروشلم کی فوجوں کو
پریشان کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہو گا اس کا حال تو خدا ہی جانتا ہے لیکن ہمیں اس پاک بے نیاز
ذات سے نا امید نہ ہونا چاہئے۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ خندق کھود کے کچے
مورچے بنانے کا مشورہ صلاح الدین نے پیش کیا تھا جس کی تکمیل آپ لوگوں نے مل کے
کر دی۔ میں نے صلاح الدین سے دریافت کیا تھا کہ اس کے دماغ میں یہ حکمت عملی کیسے
آئی تو اس نے بتایا کہ اسے یہ خیال اسلام کے مشہور غزوہ احزاب سے پیدا ہوا تھا۔"

واضح رہے کہ غزوہ احزاب یا غزوہ خندق ۵ ہجری میں مدینہ میں ہوا تھا۔ مدینہ منورہ

Marfat.com

کے تین اطراف پہاڑیاں اور گھنے باغات اور ایک سمت خالی تھی۔ اسی طرف سے حملے کا امکان تھا۔ اس لئے حضور صلی وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کے ایک خندق کھودی تھی جو مسلمان کی فتح کا نشان بن گئی۔ خندق کھودنے کا مشورہ حضور کو مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا۔ حضرت سلمان کا تعلق ایران سے تھا اور ایران میں جنگ کے دوران خندق کھودنے کا رواج تھا۔ یہ کفار مکہ کا مدینہ پر آخری ح ملہ تھا۔ اس خندق نے ایک قدرتی رکاوٹ کا کام دیا پھر آخری شب ایسی سخت آندھی چلی کہ کفار مکہ کے خیمے اڑ گئے اور لشکر کفار کا سالار ابوسفیان منہ لپیٹ کر بھاگ گیا تھا۔

اس غیبی امداد (آندھی اور طوفان) کے متعلق اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں فرمایا:۔

اے ایمان والو۔ اپنے حق میں اللہ کی اس نعمت کا تصور کرو جبکہ تمہارے خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔ (القرآن)

(الاحزاب ۳۳-۹)

اور سرکار دو عالم نے اعلان فرمایا کہ

"اب قریش کی لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ اب آئندہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔"

اس طرح جب ایک طرف سے ایمالرک شاہ یروشلم اور دوسری طرف سے ملک شاور وزیر اعظم مصر بلبیس پہنچے تو انہوں نے شامی لشکر کو خندق کے اس پار ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور تودوں میں مورچہ بند پایا۔ خندق کے ساتھ ساتھ چاروں اطراف کچے مورچوں میں شامی تیرانداز چھپے بیٹھے تھے۔ شاہ ایمالرک میدان جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ گھوڑے خندق نہ چھلانگ لگا کر پار کر سکتے تھے نہ ان میں اتر سکتے تھے۔ پیدل اترنے کے لئے سپاہی کو سولہ فیٹ گہری خندق میں معہ اسلحے کے چھلانگ لگانا پڑتی۔

پہلے چند روز تو دونوں لشکروں کو صلاح مشورے اور سوچ بچار میں گزر گئے پھر انہوں نے دن کے بجائے رات کے اندھیرے میں خندق میں سیڑھیاں لگا کر اترنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش کو شامی تیراندازوں نے ناکام بنا دیا۔ اس میں ناکام ہو کر عیسائیوں (یروشلم کے فوجی) نے ان ٹیلوں پر تیروں کی بارش کی جہاں شامی تیرانداز چھپے بیٹھے تھے۔ اس سے شامیوں کو نقصان کے بجائے فائدہ پہنچا۔ عیسائیوں کے پھینکے ہوئے تیر کچے ٹیلوں میں چبھ کر رہ جاتے اور شامی فوجیوں کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچتا پھر رات کے وقت شامی دشمن کے پھینکے ہوئے تیروں کو تلاش کر کے اپنے کام میں لے آتے۔ اس میں بھی ناکام ہونے کے

Marfat.com

بعد دشمن نے محاصرہ سخت کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ خندق بند شامیوں کو شاید باہر کھانے پینے کا سامان ملتا ہے لیکن یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا۔ شیرکوہ تو سامان کے ذخیرہ کے ساتھ خندق بند ہوا تھا۔

خندق کا یہ مورچہ تین ماہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا۔ اس دوران شاہ یروشلم دنیا بھر کی ترکیبیں استعمال کر ڈالیں مگر نہ تو وہ شامی فوج کو خندق سے باہر نکال سکے نہ ان کا کوئی نقصان کر سکے برخلاف اس کے ہر ہفتے ان کے چھ آدمی ضائع ہو جاتے تھے۔ خندق یہ مورچہ بظاہر کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا لیکن یہ پتھر کے بنے ہوئے قلعہ سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔ دونوں فریق اگرچہ میدان میں اب تک ڈٹے ہوئے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ دونوں ہی اس اعصاب شکن جنگ سے گھبرا اٹھے تھے۔ شامی لشکر میں اگر سامان رسد ابھی ختم نہ ہوا تھا لیکن اگر محاصرہ اور زیادہ طول کھینچتا تو یہ سامان ختم ہو جاتا تھا کیوں شامیوں کو باہر سے کوئی مدد نہ مل رہی تھی اور نہ کوئی رابطہ کا ذریعہ ہی تھا۔

ملک شاور کی فوج اگرچہ برائے نام ہی فوج تھی اور اس کا میدان جنگ میں ہونا نہ ہونا برابر تھا لیکن وہ میدان چھوڑ کے قاہرہ واپس بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کا حلیف اور یروشلم سے بلبیس تک کی مسافت طے کر کے آنے والا ایمالرک اس کی غیر حاضری کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ ملک شاور کو قاہرہ کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ رات کو اکثر چونک پڑتا اور خیمہ سے نکل کے پاگلوں کی طرح میدان میں گھومتا رہتا۔ اسے ہر وقت اس بات کا دھڑا لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی اور امیر دارالوزارت پر قبضہ نہ کرے حالانکہ وہ تمام امرائے برقیہ کو اپنے ساتھ بلبیس کے میدان میں لے آیا تھا۔

شاہ یروشلم جو اس جنگ کا فریق نہیں بلکہ دوسرے فریق ک ا حلیف تھا اسے یہ گھبراہٹ تھی کہ اس کے مشرقی علاقہ میں گڑبڑ نہ ہو جائے سلطان نور الدین ان دنوں حارم کی فتح میں مصروف تھا لیکن وہاں سے کسی وقت بھی پلٹ سکتا تھا۔ آخر اسے اپنے علاقوں کی ایسی فکر دامن گیر ہوئی کہ اس نے ملک شاور پر صلح کے لئے زور دیا ملک شاور تو یہ چاہتا تھا کہ شامی لشکر جدھر سے آیا ہے ادھر ہی واپس ہو جائے اس لئے اس نے اسی شرط کے ساتھ اپنی منظوری دے دی۔ شاہ ایمالرک کی کوئی خاص شرط نہ تھی۔ شامی اگر واپس جاتے ہیں تو سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ اسے امید تھی کہ شامیوں کے جانے کے بعد وہ ملک شاور کو جو شرطیں پیش کرے گا اس پر مصر اور یروشلم کی صلح ہو جائے گی۔ اس لئے شاہ یروشلم نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا۔

آخر ایمالرک شاہ یروشلم نے اپنا قاصد شیرکوہ کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا کہ

Marfat.com

اگر شامی مصری سر زمین چھوڑ کے واپس دمشق چلے جائیں تو جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ ہمارک کا سفیر شیرکوہ کے پاس گیا۔ شیرکوہ نے سفیر کو روک کر اپنے امرا سے مشورہ کیا اور طے یہ پایا کہ اگر شاہ یروشلم' شامی لشکر کو دمشق جانے کا کوئی محفوظ راستہ دے دے تو شامی لشکر بلبیس سے واپس چلا جائے گا۔ اس سلسلے میں شامیوں کی طرف سے معاملات طے کرنے کے لئے "صلاح الدین" کو سفیر بنا کر شاہ یروشلم کے پاس بھیجا گیا۔

صلاح الدین یوسف ایوبی کے سلسلے میں ایک بات بڑی حیرت انگیز یہ ہے کہ ہمیں اس کے بچپن کے حالات کسی تاریخ میں نہیں ملتے۔ اس کی تاریخ اور مقام پیدائش کی پوری تفصیل ہے لیکن ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ شادی ابن مردان کا پوتا اور نجم الدین ایوب کا بیٹا تھا۔ شادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نہ تو عرب تھا اور نہ ترک بلکہ روادیہ قبیلے کا ایک کرد تھا۔ قبیلہ آرمینیا میں دادین کے قریب ادجان کان نامی گاؤں میں آباد تھا اور اسی جگہ شادی بن مردان پیدا ہوا۔ ایران اور ایشیائے کوچک کے درمیان کرد زمانہ قدیم سے اپنی سرکشی اور خانہ بدوش زندگی کے لئے مشہور اور یہ قوم آج تک اپنی جنگ جویانہ مہارت کی وجہ سے ایران اور ترکی کے لئے درد سر بنے ہوئے ہیں۔ کردوں میں تاخت و تاراج کے علاوہ کچھ خوبیاں بھی تھیں۔ کرد قبائل کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ان میں صلاح الدین ایوبی جیسا سپہ سالار۔ جنرل اور سلطان پیدا ہوا جس کی تلوار کی دھوم مشرق وسطیٰ سے لے کر یورپ اور برطانیہ تک بھی مچی تھی۔

شادی بن مروان کے کرد خاندان کو دادین کے معزز ترین خاندانوں میں سے بیان کیا گیا ہے پھر جب دادین پر زوال آیا تو شادی نے وہاں سے ہجرت کی۔ یہ شخص کثیر الاولاد بیان کیا گیا ہے۔ اس نے لوگوں سے سنا تھا کہ عراق کے شہر بغداد ایک ایسا شہر ہے جو نہ صرف یہ کہ عروس البلاد کہلاتا بلکہ وہاں کے خلیفہ کے دربار میں اہل فن کی قدر دانی ہوتی ہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ پس شادی بن مروان نے بغداد جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے لوگوں سے سنا تھا کہ اس کا ایک دوست بہروز جو دادین کا رہنے والا ہے وہ اس وقت بغداد کا شہر کوتوال تھا۔ شادی اپنے دو بیٹوں نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ کے ساتھ بہروز کے پاس پہنچا۔ بہروز نے دوستی کا حق ادا کیا اور شادی کے بڑے بیٹے نجم الدین ایوب کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنوا دیا۔

نجم الدین ایوب بڑا اہل حاکم ثابت ہوا۔ یہ لوگ تکریت میں آرام سے رہتے تھے کہ سلجوقی شہزادوں میں جانشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ اس وقت موصل کا حاکم عماد الدین زنگی تھا۔ اس نے جس شہزادے کی طرف داری کی اسے شکست ہو گئی۔ عماد الدین زنگی اپنے ایک

Marfat.com

دستے کے بعد قلعہ تکریت پر پہنچا۔ وہ دربار کے اس طرف تھا اور قلعہ کو حسرت بھری سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر اسے اس قلعہ میں پناہ مل جائے تو وہ تعقب کر والے دشمن سے محفوظ ہو جائے گا۔ اتفاق سے نجم الدین ایوب قلعہ کے ایک برج پر دریا کا نظارہ کر رہا تھا۔ ان نے چند سواروں کو دریا پار مغموم اور افسردہ دیکھا تو غبدم کر ان کا حال معلوم کرایا۔ عماد الدین زنگی نے بڑے درد بھرے انداز میں غلام سے شکست اور تعقب کا حال بیان کر کے پناہ کی درخواست کی۔ غلام بہت متاثر ہوا اور اس اپنے آقا کے سامنے اس سے بھی زیادہ رقت آمیز انداز میں عماد الدین زنگی کا حال بیان کیا۔

نجم الدین بڑا جہاندیدہ انسان تھا۔ اس نے کشتیاں بھیج کر عماد الدین اور اس کے ساتھیوں کو بلوا لیا۔ یہ لوگ کچھ دن نجم الدین ایوب کے مہمان رہے پھر حالات درست ہونے پر عماد الدین زنگی، موصل واپس چلا گیا اور نجم الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر کبھی وقت پڑے تو وہ موصل آ سکتا ہے۔ اس واقعہ کے چند ہی دنوں بعد بہروز نے نجم الدین ایوب کو قلعہ تکریت سے معزول کرا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہروز، عماد الدین زنگی کے خلاف تھا جس کی مدد نجم الدین ایوب نے کی تھی۔ نجم الدین کو حکم دیا گیا کہ وہ تکریت کو فوری طور پر چھوڑ دیں اور صبح کا سورج قلعہ کے باہر جا کر دیکھیں۔

۱۱۳۸ء کی وہ رات نجم الدین ایوب اور اس کے اہل خانہ کے لئے بڑی کربناک تھی۔ انہیں اس رات قلعہ تکریت چھوڑ کے کسی طرف نکل جانا تھا۔ ساتھ لے جانے والا سامان جلدی جلدی باندھا جا رہا تھا۔ ہر شخص افسردہ اور غمگیں تھا اور قلعہ تکریت چھوڑنے کے غم میں ہر آنکھ اشکبار تھی ایسے وقت میں ایک بچے کی آواز قلعہ میں ابھری۔ یہ آواز اور یہ چیخ ایک نوزائیدہ بچے کی تھی۔ اس چیخ کو یقیناً" بڑا منحوس خیال کیا ہو گا کیونکہ اس بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی نجم الدین ایوب کو قلعہ تکریت چھوڑ دینا پڑا لیکن یہ چیخ جس بچے کے منہ سے نکلی تھی اور جسے سب لوگ نحوست اور بدشگونی سمجھ رہے تھے وہی بچہ بڑا ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی ہوا جو فاتح بیت المقدس بنا اور سلطانوں کے سلطان کا لقب پایا۔

یہ تھی صلاح الدین کے بچپن کی داستان اس کا بچپن اور نوجوانی دونوں بغیر کسی اہم واقعہ کے گزر گئی۔ اس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں سوائے اس کے کہ جب سلطان نور الدین زنگی نے شیرکوہ کی سرکردگی میں مصر کے وزیر اعظم ملک شاور کو اس کی وزارت دلانے کے لئے مصر بھیجا اس وقت صلاح الدین کو شیرکوہ کے ساتھ کیا گیا جبکہ خود صلاح الدین اس مہم پر جانے کے لئے دل سے آمادہ نہ تھا۔

Marfat.com

پھر وہی خاموش طبیعت صلاح الدین جب مصر پہنچا تو اس کی خوابیدہ صلاحیتیں اک دم ایسے جاگ اٹھیں پہلی جنگ بلبیس نے اس کی شمشیر کے ایسے جوہر دکھائے کہ فاتح بلبیس کہلایا پھر دوسری بار وہ اس فوج کا سردار بنایا گیا جسے بلبیس پر دوبارہ قبضے کے لئے بھیجا گیا تھا اور اب وہی صلاح الدین ایوبی اپنے سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ کی وکالت کرنے شاہ یروشلم کے خیمے میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کے شاہ ایمالرک ایسا بد حواس ہوا کہ اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا۔ شاہ ایمالرک کے اس اضطراری فعل کو صلاح الدین کی عزت افزائی کہا جا سکتا تھا لیکن شاہ ایمالرک کی نظریں صلاح الدین کے چہرے پر جم کے رہ گئیں اور اس کی محویت اس وقت تک ختم نہیں ہوئی جب تک اس کے نائب نے اسے ہوشیار نہیں کیا۔

صلاح الدین کی مدد کے لئے دو آدمیوں کو ساتھ کیا گیا تھا۔ شیرکوہ امرائے نوریہ میں سے دو امیروں کو صلاح الدین کے ساتھ بھیجنا چاہتا تھا لیکن اس خیال سے کہ کہیں انہیں اس وفد کے صدر (ناظم) صلاح الدین پر اعتراض نہ ہو' ان کے بجائے صلاح الدین کے دستے کے دو آدمیوں کو اس کے ساتھ کیا گیا تھا۔

جب شاہ یروشلم کے نائب نے دیکھا کہ شاہ ایمالرک کی نظریں وفد کے نائب کے چہرے سے ہٹتی ہی نہیں تو اس بڑے ادب سے سرگوشیوں میں کہا۔ "عالیجاہ۔ شیرکوہ کی سفارت کو بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔"

شاہ یروشلم ایمالرک چونک پڑا اور سنبھل کے بولا --- "ہم سفارت کو خوش آمدید کہتے ہیں"

صلاح الدین نے جواب میں کہا۔ "میں اور سفارت کے دوسرے ارکان شاہ کی اس عزت افزائی کے شکر گزار ہیں۔"

شاہ کی نظریں ایک بار پھر صلاح الدین کے چہرے پر جم گئیں۔ "کیا نام تمہارا ہے جوان۔؟"

"صلاح الدین۔" صلاح الدین نے بتایا۔

شاہ ایمالرک نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

شاہ ایمالرک کے خیمے میں قیمتی مخملی فرش بچھا تھا۔ شاہ نے صلاح الدین کو ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس طرف عیسائی لشکر کے بڑے بڑے سردار بیٹھے تھے۔ صلاح الدین ان کے آگے بیٹھ گیا شاہ ایمالرک کے لئے فرش پر ایک زرنگار مسند لگائی گئی تھی۔ اس نے مسند پر جگہ سنبھال لی۔ صلاح الدین نے محسوس کیا کہ صرف شاہ ایمالرک کی سند ہی قیمتی

Marfat.com

نہیں تھی بلکہ اس کے امراء اور سرداروں سے لے کر غلام اور ہرکارے تک بیش قیمت کپڑوں میں ملبوس تھے۔

"اچھا تو تمہارا نام صلاح دین ہے۔" شاہ نے یوں کہا جیسے اس نے یہ نام پہلے بھی سنا ہو۔

"جی ہاں۔ میرا یہی نام ہے۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔

"تم اور تمہارا لشکر دمشق سے مصر کیوں آیا ہے؟" شاہ یروشلم نے عجب بے تکا سوال کیا۔

صلاح الدین نے ایک لمحہ سوچا پھر کہا۔ "اے شاہ یروشلم۔ میں اس سوال کے جواب دینے کا مجاز نہیں۔ مجھے صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

شاہ یروشلم اس کے جواب پر مسکرایا۔ "دیکھ صلاح الدین ایک بات یاد رکھو شاید تمہیں آئندہ زندگی میں اس سے فائدہ پہنچے۔ وہ بات یہ ہے کہ جب صلح کی بات چیت شروع ہو جائے اور فریقین کے درمیان سفارتیں آنے جانے لگیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ صلح ہو گئی ہے ہماری یہ بات چیت بھی اسی نتیجے پر ختم ہو گی اب ہمارا سوال محض اضافی ہے جس کا مطلب ہمیں اپنی معلومات میں اضافہ کرنا مقصود ہے۔"

صلاح نے متانت سے جواب دیا۔ "شاہ معظم۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ یہ کہ ہمارا لشکر دمشق سے آیا نہیں ہے بلکہ بلایا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے آپ کو یروشلم سے بلایا گیا ہے۔"

شاہ یروشلم صلاح الدین کی حاضر جوابی سن کے حیران رہ گیا۔ "تم نے ٹھیک کہا صلاح دین ہم وزیر اعظم مصر ملک شاور کی درخواست پر آئے ہیں۔"

شاہ معظم آپ نے اس اتفاق پر غور نہیں فرمایا کہ آپ بمعہ اپنے لشکر کے وزیر اعظم مصر ملک شاور کی درخواست پر بلبیس تشریف لائے ہیں جبکہ ہمارے سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ بھی معہ اپنے لشکر کے ملک شاور ہی کی درخواست پر آئے ہیں فرق یہ ہے کہ ہم سے درخواست کرتے وقت ملک شاور مصر کا معزول وزیر اعظم تھا اور جب ہماری مدد سے وہ وزیر اعظم کے مرتبہ پر فائز ہو گیا تو اس نے آپ سے درخواست کر کے یروشلم کا لشکر یہاں بلوا لیا۔"

شاہ یروشلم، صلاح الدین کی اس حاضر جوابی پر اور زیادہ حیران ہوا۔ صلاح الدین کا یہ جواب صرف حاضر جوابی ہی نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی ایک گہرا طنز تھا۔ شاہ یروشلم حیران نظروں سے صلاح الدین کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب

Marfat.com

صلاح الدین نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔ "ملک شاور کی عقل اور ذہانت کی داد دینا
ہے کہ اس نے دو مخالف بادشاہوں کو لڑانے کے لئے ان کے مرکز سے بلا کر ایک
سرے کے مقابل صف آرا کرا دیا ہے اور خود تماشائی بن کر یہ خونی تماشہ دیکھنے آیا
ہے۔"

شاہ یروشلم کے پیر کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ صلاح الدین کو پہلی نظر میں دیکھ کر
ہی چونک پڑا تھا۔ اسے صلاح الدین کے چہرے کے خد و خال یا آنکھوں کی چمک سے ہی
اندازہ لگا لیا تھا کہ شامیوں کی سفارت لے کے آنے والا یہ شخص ایک غیر معمولی شخصیت کا
مالک ہے اور اس کا ثبوت صلاح الدین کی گفتگو تھی شاہ یروشلم مبہوت ہو کے رہ گیا تھا۔

"بے شک صلا دین مستقبل کا ایک عظیم انسان ہو گا۔" شاہ یروشلم نے خود کلامی کے
انداز میں کہا۔

صلاح الدین نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "شاہ محترم۔ ملک شاور نے ہمارے
ساتھ جو احسان فراموشی اور بد عہدی کی ہے اس سے تو آپ واقف ہو گئے ہیں اب دیکھنا
یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ کس طرح کی بد عہدی کرتا ہے۔"

شاہ ایمارک ایسا لاجواب ہو گیا کہ اس نے اس موضوع پر گفتگو کی بجائے فوراً صلح
کے شرائط پر گفتگو شروع کر دی اوور نصف گھنٹے کے اندر معاہدہ طے پا گیا۔ دراصل یہ
معاہدہ ان شرائط پر ہوا جو شیرکوہ نے صلاح الدین کو سمجھا دی تھیں۔ معاہدہ کی پہلی شرط یہ
تھی کہ شامی فوجوں نے مصر کے جس قدر علاقہ پر قبضہ کیا ہے اس سے دست بردار ہو
جائے گا اور شامی فوجیں دمشق واپس ہو جائیں گی۔ دوسری شرط یہ تھی شاہ یروشلم اس
بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ شامی فوج کی واپسی میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہیں کرے گا اور
شامی فوج کی دمشق تک بحفاظت واپسی کا ذمہ دار ہے۔ اس کے علاوہ جتنی شرطیں تھیں
روایتی اور خانہ پری کرنے ے لئے تھیں۔ دراصل شاہ یروشلم پر صلاح الدین کا ایسا رعب
طاری ہو گیا تھا کہ وہ اس سے جلد سے جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس جگہ اس بات کی
وضاحت ضروری ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو تمام عیسائی اور اقوام یورپ صلاح الدین کے
بجائے "صلا دین" کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ یہی نام ان کی کتابوں اور تاریخوں میں
لکھا جاتا تھا۔ اس لئے شاہ یروشلم کی زبان سے بھی "صلا دین" کا لفظ ادا کرایا گیا ہے۔

"اس صلح نامہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ یروشلم اور اسد الدین شیرکوہ دونوں ہی
اس خندق بند جنگ کو ایک بیکار اور تھکا دینے والی جنگ سمجھ رہے تھے۔ تین ماہ سے زیادہ

Marfat.com

دنوں تک خندقوں میں چھپ کے جنگ کرنا کس قدر دشوار بات تھی۔ شامی فوج اور
کے سپہ سالار تعریف کے لائق ہیں کہ انہوں نے بڑا صبر اور تحمل کا اظہار کیا ورنہ اگر
ذرا بھی سستی ظاہر کرتے تو عیسائی اور مصری لشکر ان کا قیمہ بنا کر رکھ دیتے۔ شاہ یر
بھی اس جنگ سے تھک چکا تھا اسے معلوم ہو گیا تھا قلعہ حارم پر سلطان نور الدین زنگی
قبضہ ہو گیا ہے اور بانیاس کا قلعہ ایک طویل محاصرے کے بعد عیسائیوں کے ہاتھ سے
چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سلطان دمشق نے انطاکیہ کے شہزادے بوہیمانڈ۔ طرابلس کے کاؤنٹ
ریمنڈ اور ہیو آف لو سگنن اور دوسرے نائٹوں کو گرفتار کر لیا ہے اور انہیں اپنے ساتھ
حلب لے گیا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ شاہ یروشلم یہاں کی جنگ کو ختم کر کے فوری طور
اپنی مشرقی سرحد کی حفاظت کو جانا چاہتا تھا۔

شاہ یروشلم اور اسد الدین شیرکوہ کے اس معاہدے کا مصر کا وزیر اعظم بہت خلاف
تھا۔ اس نے شاہ یروشلم سے احتجاج بھی کیا تھا مگر اسے سختی سے جواب دیا گیا تھا۔ ملک
شاور نے یہ طے کیا تھا کہ وہ یروشلم کے لشکر کی مدد سے شیرکوہ اور اس کی فوج کا ایسا قتل
عام کرے گا کہ ایک لشکری بھی زندہ نہ رہ سکے تاکہ سلطان دمشق کو پھر کبھی مصر کی طرف
دیکھنے کی بھی جرات نہ ہو لیکن شاہ یروشلم نے شامی لشکر کی مصری علاقہ سے بحفاظت نکل
جانے کی ضمانت دے کر ملک شاور کے ارادے پر پانی پھیر دیا تھا۔

اسد الدین شیرکوہ کے لشکر میں موجود امرائے نوریہ بھی اس معاہدے سے مطمئن نہ
تھے۔ امیر عین الدولہ باروقی نے بڑے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ "اگر آپ زندگی سے بیزار ہیں
اور موت کو چپ چاپ گلے لگانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی مگر آپ ہم لوگوں کو جان بوجھ
کے موت کے منہ میں کیوں دے رہے ہیں۔"

اسد الدین شیرکوہ نے بھی اسے تحمل سے جواب دیا۔ "امیر باروقی۔ تم ایک بہادر
سردار ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم ایک خطرناک فیصلہ کیا ہے لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ
بھی تو نہ تھا۔ ہم سپاہی ہیں اور سپاہی ہمیشہ موت سے آنکھیں ملاتے ہیں۔ میں بھی تمہارے
ساتھ ہوں۔ جو گزرے گی ہم سب پر گزرے گی۔ پھر خوف زدہ ہونے یا ایک طے شدہ
فیصلے پر اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عین الدولہ باروقی بڑا ضدی امیر تھا۔ "مجھے موت کا کوئی خوف نہیں لیکن لشکروں کے
درمیان سے سہمے سہمے گزرنا کوئی عقلمندی نہیں اس سے بہتر ہے کہ ہم خندق سے نکل کر
دشمن کا مقابلہ کریں اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کریں۔"

اسد الدین شیرکوہ کو بھی کچھ غصہ آگیا۔ "میں نے یہ معاہدہ امرائے نوریہ کی اکثریت

Marfat.com

کی رضامندی سے کیا ہے۔ اسے صرف تمہارے اعتراض کی بنا پر نہیں توڑا جا سکتا۔"

عین الدولہ باروتی کسی صورت مان نہیں رہا تھا۔ "سپہ سالار۔ آپ نے اکثریت کی رائے درست انداز سے معلوم نہیں کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے ہر امیر سے الگ الگ گفتگو کر کے ان کی رائے معلوم کی تھی لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ ایسے اہم معاملہ کو تو بھری مجلس میں پیش ہونا چاہئے تھا تاکہ معلوم ہوتا کون کس طرح سوچتا ہے۔"

"امیر باروتی!" شیرکوہ زور سے دہاڑا۔ "ایک سپہ سالار کا فیصلہ ہے اور سپہ سالار کے فیصلہ کا احترام ہر لشکری پر فرض ہے خواہ وہ کوئی امیر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں اب کوئی گفتگو نہ ہو گی۔"

اسد الدین شیرکوہ کے غصے سے سب ہی واقف تھے۔ اسے بہت کم غصہ آتا تھا لیکن جب ایک بار سوار ہو جائے تو اسے سنبھالنا مشکل تھا کیونکہ وہ فوراً اپنے مخالف کو تلوار سے فیصلہ کرنے کی دعوت دے دیا کرتا تھا۔ اچھا ہوا کہ امیر عین الدولہ باروتی خاموش ہو گیا ورنہ نہ معلوم کیا ہنگامہ برپا ہوتا۔

عین الدولہ باروتی کے اعتراض میں صلاح الدین سے کدورت کے علاوہ کچھ وزن بھی تھا کیونکہ صلاح الدین اور شاہ یروشلم میں طے پا گیا تھا کہ شامی لشکر شاہ یروشلم کے لشکر اور ملک شاور کی فوج کے درمیان سے گزر کر دمشق جانے والے صحرائی راستے پر پہنچے گا۔ صلاح الدین نے یہ بات اس وجہ سے تسلیم کی تھی کہ اسے شاہ یروشلم نے بتا دیا تھا کہ ملک شاور کے ارادے نیک نہیں وہ شامی لشکر کو صحیح سلامت دمشق واپس نہیں جانے دے گا۔ ہاں اگر ایک طرف ملک شاور کا لشکر اور دوسری طرف یروشلم کا لشکر ہو گا۔ اس صورت میں اگر ملک شاور نے شامیوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش تو عیسائی لشکر اس کی نہ صرف مدافعت کرے گا بلکہ شامی لشکر کے ساتھ مل کر ملک شاور کو مار بھگائے گا۔

بہرحال شامی لشکر کی واپسی کا منظر بڑا اثر انگیز اور حیرت افزا تھا۔ دو مخالف لشکروں کے درمیان سے شامی لشکر کا تلواریں بلند کئے اور کمانیں چڑھائے گزرنا بڑے حوصلے کا کام تھا۔ شامی لشکر میں اس انداز سے گزرنے کا حوصلہ شامی لشکر میں اسد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین جیسا شمشیر زن ہی پیدا کر سکتا تھا۔ مغرب کی سمت یروشلم کا لشکر قطار باندھے کھڑا تھا اور مشرق کی طرف ملک شاور اپنے لشکر کی قطار ترتیب دئے کھڑا تھا اور درمیان سے شامی لشکر گزر رہا تھا۔ شامی لشکر کے آگے آگے صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار چل رہا تھا اور سب کے آخر میں اسد الدین شیرکوہ سپہ سالار اپنا بھاری تبر اٹھائے چل رہا تھا۔

شیرکوہ جب مصر کے وزیر اعظم ملک شاور کے سامنے سے گزرا تو ملک شاور نے مسکرا

Marfat.com

کر کہا۔ "شیرکوہ۔ اگر ہم بدعہدی کریں اور تم پر حملہ آور ہو جائیں تو کیا کرو گے؟"

شیرکوہ کے قدم ایک لمحے کے لئے رکے۔ اس نے اپنے بھاری تبر کو گردش دی اور پھنکارتے ہوئے جواب دیا۔ "ملک شاور حوصلہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔"

اور شیرکوہ تبر کو گردش دے کر آگے بڑھ گیا۔ ملک شاور آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔

Marfat.com

سلطان دمشق کا خواب

اسد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین ایوبی کی مصر سے واپسی کا منظر دیدنی تھا۔

ایمالرک شاہ یروشلم اور بدعہد ملک شاور وزیر اعظم مصر کے لشکر راستے کے دونوں قطار باندھے کھڑے تھے۔ درمیانی راستہ کی چوڑائی چالیس فیٹ سے زیادہ نہ تھی۔ وقت مقررہ پر اسد الدین شیرکوہ کا شامی لشکر خندق سے نکلنا شروع ہوا۔ سولہ فیٹ گہری خندق سے اوپر آنے کے لئے مٹی ڈال کے راستہ بنایا گیا تھا۔ مٹی ان کچے مورچوں کو توڑ کے حاصل کی گئی تھی جن میں شامی فوج گزشتہ تین ماہ سے زیادہ دنوں سے چھپے ہوئے شاہ یروشلم کی تربیت یافتہ اور ملک شاور کی بزدل فوج کے متواتر حملوں کو روک رہے تھے۔ پھر شاہ یروشلم نے صلح کی بات چیت شروع کی۔ شاہ کی طرح شیرکوہ بھی کسی باعزت سمجھوتے کی راہ دیکھ رہا تھا۔ دونوں فریق رضامند ہوں تو کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر صلح ہو ہی جاتی ہے۔

شاہ یروشلم کی شرط تھی کہ شامی لشکر مصر کے مقبوضہ علاقے سے دست بردار ہو کر دمشق واپس ہو جائے۔ شیرکوہ نے شرط لگائی کہ اگر شاہ یروشلم' شامی لشکر کی محفوظ واپسی کی ذمہ داری قبول کرے تو شامی لشکر مقبوضہ علاقے چھوڑ کے واپس چلا جائے گا۔ اس طرح نہ کوئی فاتح ثابت ہوتا تھا اور نہ کوئی مفتوح۔ اسی باعزت سمجھوتے کی بنیاد پر شامی لشکر خندق کے مورچے چھوڑ کے واپس جا رہا تھا۔

مصر پچھلے کئی ماہ سے حالت جنگ میں تھا۔ تمام دکانیں اور کاروبار بند تھے۔ بلبیس مصر میں داخلہ کا پہلا دروازہ تھا۔ اس اہم شہر کو صلاح الدین نے پہلے ہی حملہ میں فتح کر لیا تھا۔ تب سے اب تک اس پر شامیوں کا قبضہ تھا اور آج یہ قبضہ اٹھایا جا رہا تھا۔ مصری عوام سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ مسلسل جنگ کی وجہ سے وہ گھروں میں قید ہو کے رہ گئے تھے۔ پھر ایک دن افواہ اڑی کہ بلبیس کے محاذ پر جنگ کے بجائے امن کی گفتگو شروع ہو گئی

Marfat.com

ہے۔ عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ وزیر اعظم شاور کا برادر نسبتی عامر غزنی بھی صدق دل سے صلح کی دعا مانگا کرتا تھا۔ اس کا دارالوزارت میں بند تھا۔ ملک شاور نے ایک بڑے امیر سے زرتاج کی منگنی کر دی تھی زرتاج بے ماں اور بے باپ کی یتیم دلیر لڑکی تھی۔ وہ ملک شاور کی بہن کی بیٹی تھی او بلاشبہ ملک شاور نے زرتاج کو اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا۔ اس کا زرتاج پر بڑا حق تھا۔ شا اسی وجہ سے زرتاج نے اپنی محبت کا گلا گھونٹ کے ماموں کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

اگر ملک شاور نے زرتاج کو باپ کی شفقت دی تھی تو اس کی بیوی نے بھی زرتاج کو اپنی بیٹی ہی سمجھ کر پالا تھا۔ ملک شاور کی یہ دوسری شادی تھی۔ پہلی بیوی سے اس کے تین بیٹے علی کامل اور طے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا علی' ضرغام اور ملک شاور کے جھگڑے کی نذر ہو گیا تھا۔ اس بات کو عامر جانتا تھا لیکن اس نے اب تک اسے راز میں رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب ملک شاور کو کسی اور شخص کی زبانی اپنے بیٹے کے قتل ہونے کی خبر ملے گی تو وہ بھی اس کی تصدیق کر دے گا۔ کسی کا قول ہے کہ کسی کو کوئی اندوہناک خبر نہ سناؤ اور انتظار کرو کہ وہ خبر کسی اور کے ذریعے اس تک پہنچے۔ عامر بھی اسی انتظار میں تھا۔ ملک شاور نے جب دوسری شادی کی تو اسی کی بیوی کے ساتھ سسرال میں عامر بھی چلا آیا اور یہاں آ کر علی۔ کامل اور طے سے اس کی ایسی دوستی ہوئی کہ نہ اس نے اپنے گھر واپس جانے کی ضد کی اور نہ اس کے دوستوں علی۔ کامل اور طے نے اسے کبھی واپس جانے کا خیال آنے دیا۔

جب سے عامر کا دارالوزارت میں داخلہ بند ہوا تھا' وہ قاہرہ اور صعیدہ دونوں جگہ پردیسی سا بن گیا تھا۔ صعیدہ میں اس کا بچپن سے جوانی تک وقت گزرا تھا۔ قاہرہ وہ ملک شاور کے گھر والوں کے ساتھ آیا تھا لیکن جب سے ملک شاور کو وزارت ملی تھی اس وقت سے وہ اور اس کے گھر والے دربدر ہو گئے تھے۔ قاہرہ انہیں چھوڑنا پڑا۔ صعیدہ میں ان کی حویلی کو زمین کے برابر کر دیا گیا۔ پھر ملک شاور کو ہزاروں تکلیفیں اٹھانے کے بعد دوبارہ وزارت حاصل ہوئی۔ عامر اور گھر کے دوسرے افراد کا خیال تھا کہ ملک شاور کو سبق مل گیا ہے اب وہ انسان بن گیا ہو گا لیکن اس کا دماغ صحیح ہونے کے بجائے اور اونچا ہو گیا تھا۔ اسد الدین شیرکوہ اور اس کی فوج کی وجہ سے ملک شاور کو دوبارہ وزارت حاصل ہوئی تھی لیکن سب سے پہلے اس نے شیرکوہ سے بد عہدی اور احسان فراموشی کی۔ جتنے وعدے کیے تھے ان سے پھر گیا پھر شاہ یروشلم کو مدد پر بلا کر شاہی لشکر کا محاصرہ کر لیا لیکن جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ تین ماہ سے زیادہ محاصرے کے باوجود شیرکوہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور

Marfat.com

ر صلح کر کے اسے راستہ دینا پڑا۔
صلح کی بات چیت کی خبر عامر کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ صلح
وتے ہی وہ سردار صلاح الدین سے ملے گا اور ان کی فوج میں بھرتی ہو کر اپنی زندگی بنائے
۔ صلاح الدین نے اسے یہی سمجھایا تھا اور مدد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ پھر اک دن خبر اڑی کہ
لح ہو گئی۔ یہ سنتے ہی بس عامر بلبیس کی طرح چل پڑا۔ بلبیس پہنچا تو وہ بہت خوش تھا۔
ں نے صلح کے بارے میں سنا تھا لیکن اسے صلح اور معاہدہ کی تفصیل نہیں معلوم تھی۔
ں کا خیال تھا کہ دونوں لشکر اس وقت بھی میدان میں آمنے سامنے ڈٹے ہوں گے اور
ائی رک گئی ہو گی لیکن اسے بتایا گیا کہ صلح کے بعد شامی لشکر خندق کے مورچوں سے
ل کر دمشق روانہ ہو چکا ہے تو اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔
عامر قاہرہ واپس آ گیا۔ قاہرہ اور صعیدہ دو ہی مقامات اس کی تگ و دو کے مرکز تھے۔
ہرہ میں گھبراہٹ ہوتی تو صعیدہ چلا جاتا اور جب صعیدہ سے دل اکتا جاتا تو قاہرہ واپس آ
تا۔ جب تک صعیدہ میں قیام کے دوران وہ ملک شاور کی حویلی کے کھنڈرات میں دوسرے
یسرے دن ضرور جایا کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس خیال سے جاتا ہے کہ ایک دفعہ خیال
ے جاتا ہو کہ ایک دفعہ انہی کھنڈرات میں اس کی زرتاج سے ملاقات ہوئی تھی تو کیا عجب
یں دوبارہ زرتاج اسے مل جائے اور اس سے دو گھڑی باتیں کر کے اپنے دل کو سکون
ے۔ ایسے ہی ایک دفعہ صعیدہ کے قیام کے دوران اسے اس کوچوان کا خیال آیا جس کے
ھر زرتاج وغیرہ نے پناہ لی تھی۔ پوچھتے پوچھتے وہ اس احاطہ میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اسے
علوم ہوا کہ ملک شاور نے اس کوچوان کو رہائش کے لئے ایک پکی حویلی دی ہے۔
کوچوان عامر سے بڑے تپاک سے ملا۔ "غربی صاحب آپ کے بھائی جان نے تو میری
زیر بدل کے رکھ دی۔ میں نے ان کے لئے کوئی بڑا کام نہیں کیا تھا۔ بس ذرا مصیبت کے
نوں میں ان کے گھر والوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ اس کے صلہ میں انہوں نے حویلی
ا اور صعیدہ میں محصول کا داروغہ بنا دیا۔ خدا کا شکر ہے۔ نوکر چاکر خدمتگار سبھی کچھ
جود ہے ——"
کوچوان معلوم نہیں اور کیا کچھ کہتا رہا۔ وہ ملک شاور کی تعریف میں زمین آسمان کے
ابے ملا رہا تھا اور عامر سوچ رہا تھا کہ کیا یہ وہی ملک شاور ہے۔ اس میں اس قدر تبدیلی
یسے آ گئی۔ کوچوان نے بلاشبہ اس پر احسان کیا تھا لیکن شیرکوہ نے جو احسان کیا تھا اس کا
لہ تو ملک شاور عمر بھر دے ہی نہیں سکتا تھا لیکن بجائے صلہ دینے کے اس نے اپنے
سن اور اس کے لشکر کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ ملک شاور آج جو کچھ تھا

Marfat.com

وہ شیر کوہ کے طفیل میں تھا۔

کوچوان جو ملک شاور کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا اچانک اس کی نظر عامر غ
چہرے پر پڑی۔ عامر سر جھکائے اپنے خیالوں میں گم تھا۔ کوچوان نے ذرا اونچی آواز میں
"غربی صاحب۔ آپ میری بات سن رہے ہیں۔ کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟"

عامر چونک پڑا۔ "نہیں برادر۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہر شخص دو
شخص کے لئے اچھا نہیں ہوا کرتا۔"

کوچوان کے سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ "میں سمجھا نہیں عامر صاحب۔ آپ کا
طرف اشارہ ہے؟"

عامر غربی نے ذرا چڑ کے جواب دیا۔ "میں نے کسی طرف اشارہ نہیں کیا۔ میں
جان شاور کے لئے کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے دوسرا او
ایسا نہیں ہے جس سے انہوں نے ایسا سلوک کیا ہو۔"

کوچوان نے کئی بار عامر کو گھور کے دیکھا۔ "عامر صاحب۔ آپ ان کے بارے
کیوں سوچتے ہیں آخر وہ آپ کے بھائی جان ہیں۔؟"

"مجھے ان کے بھائی جان ہونے سے انکار نہیں۔" عامر کو آہستہ آہستہ غصہ چ
تھا۔ "تم نے ان کے اہل خانہ کو پناہ دی۔ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ انہوں
تمہارے احسان کے سلسلے میں جو کچھ کیا وہ میرے خیال میں کچھ زیادہ نہیں انہیں تمہا
ساتھ اس سے زیادہ سلوک کرنا چاہئے تھا۔"

کوچوان نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے ان سے کوئی شکوہ ہے اور نہ شکایت۔ انہوں
مجھ پر اتنے احسان کئے ہیں کہ میں عمر بھر ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔"

عامر نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں یہ
چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ تو انہوں نے یہ سلوک کیا اور اس کا اتنا بڑا صلہ دیا لیکن
شخص کے ساتھ کیا ہوا عہد انہوں نے توڑ دیا جو ان کے لئے اتنا بڑا شامی لشکر دمشق
لے کر مصر آیا تھا اور اسی لشکر نے ضرغام کو اس کے عہدے سے بے دخل نہ کر کے
جان کو ایک بار پھر وزیر اعظم بنایا تھا لیکن بھائی جان نے انہیں جنگی اخراجات کے لئے
دمڑی بھی نہیں دی اور الٹا ان کی فوج کو تباہ کرنے کے در پے ہوئے۔"

کوچوان نے معصومیت سے جواب دیا۔ "عامر صاحب یہ باتیں میری سمجھ میں
آتیں وزیر اعظم جیسے بھی ہوں مگر ہیں آپ کے رشتہ دار۔ آپ کو انہیں ایسا نہ کہنا چا
تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں میں غلط فہمی ہوئی ہو اسے مل کے دور کر لیجئے۔"

Marfat.com

عامر نے بے دلی سے کہا۔ "میں مل بھی تو نہیں سکتا ان سے۔ انہوں نے میرے اوپر پابندی لگا دی ہے۔"

"آپ ان سے ملنے نہ جائیے۔ بہن سے تو مل سکتے ہیں۔" کوچوان نے ہمدردانہ مشورہ دیا۔ "آپ بہن سے ملنے جائیں گے تو شاید ان سے بھی ملاقات ہو جائے پھر غلط فہمی دور کر لیجئے گا۔"

عامر نے اسے بتایا۔ "یہ نہیں ہو سکتا میرے بھائی۔ انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا ہے کہ میں دارالوزارت میں بالکل داخل نہ ہوں۔ پہرے کے سپاہیوں کو بھی حکم دیا ہے کہ مجھے اندر نہ آنے دیا جائے۔"

کوچوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی آپ کو دارلوزارت جانے کی ضرورت نہیں۔ پہلے بہن سے مل پھر دارلوزارت بھی چلے جائے گا۔"

عامر نے الجھتے ہوئے پھر وضاحت کی۔ "بھائی میں کہہ تو چکا ہوں کہ دارلوزارت میں میرا داخلہ بند ہے۔ جب تک دارلوزارت میں داخل نہیں ہوں گا بہن سے ملاقات کیسے ہو گی۔؟"

کوچوان نے بھی الجھتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ میری بات سمجھتے کیوں نہیں۔ وزیر اعظم دارلوزارت میں رہتے ہیں اور ان کے اہل خانہ حویلی میں مقیم ہیں۔ حویلی پر آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔ میں آپ کو ساتھ لے کر چلوں گا۔ حویلی کے تمام لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔"

عامر حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ وزیر اعظم دارلوزارت میں رہتے ہیں اور بیوی بچوں کو حویلی میں رکھا ہے۔"

"بالکل۔ آپ کو حیرت کیوں ہوئی۔" کوچوان نے جواب دیا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دارلوزارت میں کتنا خطرہ ہے۔ اس لئے انہوں نے بال بچوں کو اپنے سے الگ رکھا ہے۔"

عامر کی حیرت دور ہو گئی۔ "اب سمجھ میں آئی بات۔ اچھا یہ بتاؤ تم کب چل رہے ہو میرے ساتھ؟"

"جب کہیں چلنے کے لئے تیار ہوں۔۔۔" کوچوان نے فوراً جواب دیا۔

عامر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیں گے تو کیا ہو گا۔ میں کہہ دوں گا کہ آپ مجھ سے حویلی کا پتہ پوچھ رہے تھے۔ میں یہاں لے آیا۔"

"اچھا تو پھر آج سے تیسرے دن جمعہ کو نماز کے بعد روانہ ہوں گے۔ تم بھی اپنے

Marfat.com

ضروری کام کر لو۔ ممکن ہے کہ قاہرہ میں تمہیں بھی کئی دن لگ جائیں۔"

اب کوچوان کے حیرت زدہ ہونے کی باری تھی۔ "قاہرہ۔ آپ مجھے قاہرہ کیوں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟"

عامر مسکرا دیا ——— "ارے اتنی جلدی بھول گئے۔ ابھی تو کہا تھا کہ تم مجھے حویلی پر ساتھ لے کے چلو گے اور اب جاتے ہوئے گھبرا رہے ہو۔"

کوچوان اور حیران ہوا ——— "غربی صاحب۔ میں نے آپ کو اس حویلی پر پہنچانے کا ذمہ لیا تھا جس میں وزیر اعظم کے اہل خانہ رہتے ہیں مگر آپ مجھے قاہرہ چلنے کو کہہ رہے ہیں۔"

"ٹھہرو بھائی۔ اس میں کچھ گڑ بڑ ہے ——" عامر غربی سر کھجانے لگا۔ "اچھا یہ بتاؤ وہ حویلی کہاں ہے جس میں بھائی جان کے اہل خانہ رہتی تھیں۔"

کوچوان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ "غربی صاحب آپ مجھ سے صاف صاف باتیں کیجئے۔ آپ کی باتیں مجھے پاگل بنا رہی ہیں۔ میں نے آپ کو لے جانے کا وعدہ کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔"

"کہاں لے جانے کا وعدہ کیا ہے۔ کس جگہ لے جاؤ گے مجھے ———" عامر سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ گیا کوچوان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ "خدایا رحم کر۔ میں دوبارہ کہہ چکا ہوں کہ آپ کو اس حویلی پر لے جاؤں گا جہاں آج کل وزیر اعظم کے اہل خانہ قیام پذیر ہیں۔"

"خدا مجھ پر بھی رحم کرے بھائی ———" عامر کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آ رہا تھا۔ "بھائی میں بالکل سیدھی بات پوچھ رہا ہوں۔ تم بھی بالکل سیدھے سادے الفاظ میں بتاؤ وہ حویلی کس جگہ کس مقام اور کس شہر میں ہے؟"

"اس شہر میں۔ اسی شہر میں۔" کوچوان نے زور دے کر کہا۔ "آپ کو کہیں دور نہیں جانا پڑے گا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا راستہ ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اس کے ساتھ ہی عامر زور سے ہنسا۔ "تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ حویلی صعیدہ میں ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ حویلی قاہرہ کے کسی محلے میں ہے۔ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

دونوں ملک شاور کے اہل خانہ کی نئی اقامت گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

عامر نے چلتے ہوئے دریافت کیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ بھائی جان کے تین لڑکے ہیں؟"

Marfat.com

کوچوان نے رک کے کہا۔ "میں انہیں جانتا ہوں۔ بڑے کا نام علی۔ منجھلے کا نام کامل اور سب سے چھوٹے کا نام طے ہے۔ وہ قاہرہ میں رہتے ہیں۔" کوچوان پھر چلنے لگا۔

عامر نے چونک کے کوچوان کو دیکھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تینوں قاہرہ بھی رہتے ہیں؟"

"آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے۔" کوچوان نے جواب دیا۔ "کامل اور طے قاہرہ میں ہیں۔ علی کے بارے میں آپ کو علم ہی ہو گا؟"

"کیا علم ہو گا۔ علی کہاں ہیں؟" عامر نے جو سنا اور دیکھا تھا اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

کوچوان نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ میرا خیال تھا کہ آپ نے سن لیا ہو گا؟"

"تم بتاؤ۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔"

کوچوان نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔" بڑی جوان موت ہوئی ہے بے چارے کی۔ جب ضرغام نے بغاوت کی تھی اس وقت وزیر اعظم کے تینوں لڑکے دارلوزارت میں موجود تھے۔ ضرغام نے امرائے برقیہ کے ساتھ دارلوزارت پر اک دم یلغار کر دی۔ بس جس کا جدھر منہ اٹھا وہ بھاگ پڑا۔ وزیر اعظم اور دو لڑکے دارلوزارت سے نکلنے میں کامیاب ہوئے لیکن بیچارہ علی وہیں پھنس کے رہ گیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ بڑی بہادری سے لڑا اور کئی آدمیوں کو مار کے خود بھی باپ پر قربان ہو گیا۔ بیچارے کی لاش بھی نہیں مل سکی۔ کچھ آدمیوں نے ایک قبر کی نشاندہی کی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہی قبر ہے یا کوئی اور۔۔"

عامر بھی افسردہ ہو گیا تھا۔ اس سے بولا نہ گیا اور خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ اچانک کوچوان کے قدم رک گئے۔ عامر بھی رک گیا۔

کوچوان نے بتایا۔ "ہم اپنی منزل پہ آ گئے۔ وہ سامنے والی حویلی وزیر اعظم کے اہل خانہ کے استعمال میں ہے۔"

عامر نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ایک بڑی سی حویلی کے صدر دروازے پر کئی مسلح پہرہ دار کھڑے تھے۔

"یہاں تو پہرہ لگا ہے۔ کہیں مجھے روک نہ لیا جائے؟" عامر نے خدشہ ظاہر کیا۔

کوچوان مسکرایا۔ "واہ آپ کو کون روک سکتا ہے۔ حویلی کی مالکن آپ کی بہن ہیں پھر کس میں ہمت ہے کہ آپ کو روکے پھر میں بھی تو آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے سب جانتے ہیں۔"

Marfat.com

وہ دونوں صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ پہریداروں نے کوچوان کو پہچان لیا۔

"آیئے داروغہ صاحب۔" ایک پہریدار نے خوش دلی سے کہا۔

کوچوان نے عامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اندر اطلاع کرا دو کہ عامر تشریف لائے ہیں۔" پہریدار نے ٹھٹک کے عامر کو دیکھا پھر تیز قدموں سے اندر کی طرف چلا۔ عامر حویلی کے اونچے اونچے برجوں کو دیکھ رہا تھا۔ حویلی اگرچہ پرانی تھی لیکن نہایت شاندار بنی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد پہریدار اور ایک کنیز آتے دکھائی دیئے۔ کنیز کی نظریں ان دونوں پر لگی ہوئی تھیں۔

"آپ میں سے عامر غزلی کون ہیں؟" کنیز نے قریب پہنچ کے ادب سے دریافت کیا۔

کوچوان نے عامر کی طرف اشارہ کر دیا۔

کنیز نے عامر سے کہا۔ "آپ اندر تشریف لے چلئے۔ آقا زادیاں آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں۔"

عامر نے کوچوان کی طرف دیکھا۔ اس نے ہنس کے کہا۔ "آپ اندر جایئے۔ میں یہیں انتظار کروں گا۔"

پہریدار نے دخل دیا۔ "آپ مہمان خانے میں تشریف لے چلئے۔ میں نے کہہ دیا کہ داروغہ صاحب بھی ساتھ آئے ہیں۔ آپ کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم ہوا ہے۔"

عامر کنیز کے ساتھ ہو لیا۔ حویلی اندر سے بہت وسیع تھی۔ عامر اندر پہنچا ہی تھا کہ سامنے اس کی بہن اور دونوں بھانجیاں کھڑی دکھائی دیں۔ عامر کو آتا دیکھ کر بہن اور بھانجیاں دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔ بہن نے تو بھائی کو چمٹا لیا اور بھانجیاں عامر کی کمر سے چمٹ گئیں۔ بہن بے تحاشہ رو رہی تھی۔ عامر بھی آبدیدہ ہو گیا۔

ایک بھانجی نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "اب میں ماموں جان کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

دوسری بھانجی نے کہا۔ "امی جان نہ جانے کیوں رو رہی ہیں۔ ماموں جان کو دیکھ کے تو خوش ہونا چاہئے۔"

پہلی نے جواب دیا۔ "امی اس لئے رو رہی ہیں کہ کہیں ماموں جان پھر نہ چلے جائیں۔"

"واہ اب ماموں جان بھلا جا سکتے ہیں۔" دوسری نے کہا۔ "یہ جائیں گے تو میں ان کے پیروں سے لپٹ جاؤں گی۔"

Marfat.com

عامر بھانجیوں کی معصوم بچیوں کی معصوم باتوں سے بہت متاثر ہوا۔
بہن آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ "سن رہے ہو عامر۔ کیا کہہ رہی ہیں بھانجیاں؟"
عامر نے بھرائی آواز میں جواب دیا۔ "میرا اختیار ہو تو میں عمر بھر نہ جاؤں مگر ——
مر آگے نہ کہہ سکا۔ وہ بہن کو شرمندہ نہ کرنا چاہتا تھا۔
بہن نے خود ہی کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو عامر۔ مگر اب میں خاموش نہیں رہ سکتی۔
نہوں نے دو زندگیوں کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میں دیکھوں گی تمہیں کون۔ کیا کہتا
ہے؟"
عامر نے وقت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "ایسا نہ کہئے باجی۔ میں آپ کا گھر نہیں
باد کر سکتا۔ میرا کیا ہے۔ زندگی رہی تو اسی طرح کبھی کبھی آتا رہوں گا۔"
"صرف تمہاری ہی بات نہیں ہے عامر۔" بہن نے وضاحت کی۔ "زرتاج کی زندگی
بھی عذاب میں ہے۔" پھر اک دم چپ ہو کے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "ارے یہ زرتاج
ہاں ہے۔ لڑکیوں۔ لاؤ تو اسے بلا کے۔"
لڑکیاں زرتاج کو لانے کے لئے بھاگ پڑیں۔ ایک کمرہ دیکھا۔ دو کمرے دیکھے۔ ساری
یلی چھان ماری مگر زرتاج کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چھوٹی نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں
مجھ گئی باجی کہاں ہیں۔"
"کہاں ہیں۔ مجھے بھی بتاؤ؟۔" دوسری نے خوشامد کی۔
"اوپر چھت پر بیٹھی ہوں گی۔"
اور دونوں بھاگتی ہوئی اوپر پہنچ گئیں۔ زرتاج واقعی کوٹھے پر موجود تھی۔ دونوں ہنستی
وئی اس کے پاس گئیں پھر ایک نے ایک ہاتھ اور دوسری نے دوسرا ہاتھ تو پکڑا۔
"آپ یہاں چھپی بیٹھی ہیں اور امی آپ کو بلا رہی ہیں۔" بڑی نے کہا۔
چھوٹی کچھ زیادہ شوخ تھی۔ اس نے کہا۔ "ماموں جان بھی آپ کو بلا رہے ہیں۔ چلئے
—"
زرتاج نے مصنوعی غصہ سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ "ارے۔ رے۔ میرے ہاتھ تو
موڑو۔" بچیوں نے ہاتھ چھوڑ دیئے۔
زرتاج نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں اب کہو کیا بات ہے؟"
بڑی بچی نے منہ پھلا کے کہا۔ "آپ چلتی کیوں نہیں ہیں باجی۔ آپ کو بلانے کے
لئے امی نے مجھے بھیجا ہے"
چھوٹی بچی چیخ کے بولی۔ "اور مجھے ماموں جان نے بھیجا ہے کہ میں آپ کو کھینچ کے

Marfat.com

لے آؤں"

"میں نہیں جاؤں گی۔" زرتاج نے انکار کیا لیکن چہرے پھوٹتی مسرت کو نہ چھپا
بڑی نے فوراً کہا۔ "آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ دل میں تو خوش ہیں آپ ــــ"
چھوٹی کیوں خاموش رہتی۔ "خوش کیوں نہیں ہوں گی۔ ماموں جان جو آگئے ہیں
"میں نہیں جانتی تمہارے ماموں کو ـــــ" زرتاج اٹھلائی۔

"روز تو ان کی باتیں کرتی تھیں۔ اب وہ آئے ہیں تو ان کے پاس چلتی ہی نہیں
بڑی نے منہ بنا کے کہا۔

چھوٹی روہانسی ہو گئی۔ "آپ ماموں کو یاد کر کے روتی بھی تھیں۔ چلے نا۔ مجھے رونا آ رہا ہے۔"

"میری گڑیا ـــ" زرتاج نے چھوٹی کو کھینچ کے سینے سے لگا لیا۔ "مروت میں چل رہی ہوں۔"

زرتاج دونوں کو ساتھ لئے باہر آئی۔ دل و دماغ میں خیالوں کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ بچیاں خوش تھیں کہ وہ زرتاج کو لانے میں کامیاب ہوئیں۔ پھر نہ جانے زرتاج چلتے چلتے کیا ہوا کہ رک کے کھڑی ہو گئی۔ بچیوں سے ہاتھ چھڑا لئے اور کڑک کے بولی۔ میں کیوں جاؤں۔ تمہارے ماموں کے پیروں میں کیا مہندی لگی ہے۔ وہ نہیں آ سکتے میرے پاس۔"

بچیاں ہکا بکا زرتاج کا منہ دیکھ کر رہ گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہنستی بولتی زرتاج کو اک دم تاؤ آ گیا۔ وہ بیچاری کیا جانیں کہ حسن کیا ہوتا ہے اور "غرور حسن" کسے کہتے ہیں۔ عامر کی محبت نے اسے چلنے پر مجبور تو کر دیا تھا لیکن فوراً ہی غرور حسن سامنے آ کے کھڑا ہو گیا۔ تو خود کیوں جا رہی ہے۔ یہ حسن کی توہین ہے۔ عشق کو آواز دے کر کہ وہ خود چل کے تیرے پاس آئے۔

بچیوں کو خالی آتے دیکھ کر عامر کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کی بہن کا چہرہ بھی اتر گیا۔ عامر کے دل نے صدا لگائی۔ تو بے مروت ہے۔ تو نے محبت نہیں نبھائی اور اتنے دن محبوب کی خیر و خبر سے غافل رہا۔ محبوب کا غصہ اور بے گانگی بجا اور درست ہے۔

چھوٹی بچی نے قریب روتے ہوئے بتایا۔ "باجی نہیں آئیں۔ وہ کہتی ہیں تمہارے ماموں جان کے پیروں میں مہندی لگی ہے وہ نہیں آ سکتے مجھے بلانے۔"

عامر کی بہن کو تو ہنسی آ گئی لیکن عامر کا حال اور غیر ہو گیا۔ اس نے امداد طلب نظروں سے بہن کو دیکھا۔ بہن کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "مجھے کیا دیکھ رہے ہو۔ ٹھیک تو کہہ رہی

Marfat.com

ہے۔ کتنے دکھ دیئے ہیں تم نے اسے کڑھ کڑھ کے مر رہی ہے۔ اب آئے ہو تو دور بیٹھے انتظار کر رہے ہو کہ وہ آئے اور تمہاری خوشامد کرے۔ کس قدر خود غرض ہوتے ہیں یہ مرد لوگ۔"

عامر نے گھگیائے انداز میں کہا۔ "باجی آپ تو جانتی ہیں۔ میں کس قدر مجبور تھا۔ میں کیا کرتا بھائی جان نے میرا داخلہ بند کر دیا تھا۔"

"تمہارا داخلہ بند ہوا تو تم منہ چھپا کے بیٹھ گئے۔ کتنے بزدل ہو عامر۔" بہن نے کھلے الفاظ میں زرتاج کی حمایت شروع کر دی۔

زرتاج کمرے سے نکل کے ایسی جگہ آ کے کھڑی ہو گئی تھی جہاں سے وہ دونوں کی گفتگو سن سکتی تھی۔ جب بہن نے عامر کو پھٹکارا تو وہ دل میں خوش ہوئی۔ جو باتیں اور شکوے شکایت وہ کرنا چاہتی تھی اس کی طرف سے عامر کی بہن نے کر دیئے تھے۔ حسن مغرور کو تسکین ہو گئی تھی اور اب وہ عامر کی مزید توہین برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس نے چاہا کہ خود ہی ان کے سامنے چلی جائے کہ عامر کی بہن کی آواز ابھری۔

"بیٹھے کیا ہو۔ جاؤ پوچھو جا کے اس جنم جلی کا حال۔"

عامر کھل اٹھا اور نظریں جھکائے اندر کی طرف چلا۔

بڑی بچی نے اسے ٹوکا۔ "ماموں جان آپ آج پہلی مرتبہ ہمارے گھر آئے ہیں۔ آپ کو ان کا کمرہ تو معلوم ہی نہیں ہے پھر کیسے جائیں گے باجی کے پاس؟"

چھوٹی بچی نے کھڑے ہوتے ہوئے لقمہ دیا۔ "میں جاؤں گی ماموں کو لے کے۔"

بڑی بچی بھی کھڑی ہو گئی۔ "میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔"

اب جس طرح ان دونوں نے دائیں بائیں ہاتھ پکڑ کے زرتاج کو لانے کی کوشش کی تھی بالکل اسی طرح عامر کے ہاتھ پکڑ لئے اور ہاتھوں کو جھٹکا دیتی اور ہلاتی ہوئی چلیں۔ ان کی ماں نے سوچا کہ لڑکیاں اگر وہاں جا کے ٹھہر گئیں تو بیچارہ عامر اپنے دل کی بات بھی نہ کر سکے گا۔

ماں نے لڑکیوں کو تاکید کی۔ "دیکھو بچیوں ساتھ جو جا رہی ہو لیکن ماموں کو زرتاج کے پاس چھوڑ کے فوراً واپس آ جانا۔ تمہارے ملا جی پڑھانے آنے والے ہیں۔"

چھوٹی بچی رک کے کھڑی ہو گئی۔ اس نے ساتھ سب کو رکنا پڑا۔ "امی جان۔ ملا جی تو رات کو آتے ہیں۔ اس وقت کیوں آنے لگے وہ؟"

ماں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "چل جا۔ باتیں نہیں بناتے۔ جلدی سے پہنچا کے آ جانا۔"

بچیاں ماموں کو لے کے پھر چلنے لگیں۔

Marfat.com

زرتاج جو کمرے سے نکل کے ایک ستون کی آڑ میں آ کے کھڑی ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو آتا دیکھ کے وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بچیاں زرتاج کے کمرے کے باہر آ کر ٹھہر گئیں۔

چھوٹی نے کہا۔ "ماموں جان اندر چلئے۔ یہی کمرہ ہے زرتاج باجی کا۔"

بڑی نے چھوٹی کو حکم دیا۔ "اندر جا کے دیکھو۔ زرتاج باجی ہیں بھی یا نہیں ہیں"

چھوٹی نے منہ بنایا۔ "ہوں گی کیوں نہیں۔ ابھی تو ہم انہیں چھوڑ کے گئے ہیں۔"

بس باتیں بنانا جانتی ہے۔" بڑی عامر کا ہاتھ جھٹک کر اندر گئی۔

زرتاج سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ "میں کیا کروں جو لے آئی ہو؟" زرتاج نے نخرے سے کہا۔

بڑی اس سے زیادہ نخرلی تھی۔ ٹھنک کے بولی۔ "ٹھیک ہے۔ آپ کو نہیں ملنا ہے تو میں ماموں کا واپس لئے جاتی ہوں۔"

"نہیں نہیں ایسا نہ کرنا۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچیں گے۔" زرتاج گھبرا گئی۔

"پھر میں کیا کروں۔۔۔" بچی نے زرتاج کو چھیڑا۔

"تم۔۔۔ تم یہ کرو۔۔۔ انہیں لے آؤ اندر۔۔۔" زرتاج نے اٹک اٹک کے کہا۔

بڑی نے منہ گھما کر وہیں کھڑے کھڑے آواز لگائی۔ "ماموں جان آ جایئے اندر۔ ممانی جان نے اجازت دے۔۔۔"

زرتاج نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا غضب کرتی ہو۔ کسی نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔"

بڑی نے منہ بنا کے کہا۔۔۔ "سنتا ہے تو سن لے۔۔۔ میں نہیں ڈرتی کسی سے۔۔۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ پر کہوں گی کہ ایک دن میری پیاری باجی زرتاج میری ممانی بن جائیں گی۔"

"ہائے اللہ۔ چپ بھی ہو جا۔" زرتاج بے بسی سے بولی۔ "تمہارے ابو تک خبر پہنچی تو ہم دونوں کو سولی پر چڑھا دیں گے۔"

اس وقت چھوٹی عامر ماموں کا ہاتھ پکڑے اندر آ گئی۔ زرتاج سنبھل کے بیٹھ گئی۔

"ماموں جان کو بھی بیٹھنے کو کہہ دیجئے باجی زرتاج۔" بڑی نے شوخی سے کہا۔

"ابھی تھوڑی بولیں گی۔ ہمارے جانے کے بعد خوب باتیں کریں گی۔" چھوٹی نے بڑی کا ہاتھ پکڑا دونوں باہر چلی گئیں۔

Marfat.com

"مہمانوں کی طرح کیوں کھڑے ہو۔ بیٹھ جاؤ نا۔۔۔" زرتاج نے گفتگو کا آغاز کر دیا۔
عامر نے ٹھنڈی سانس لی ۔۔۔ "اب تو مہمان ہی ہو گیا ہوں میں خدا بھلا کرے کوچوان کا جو مجھے یہاں تک لے آیا ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم دارالوزارت میں ہو گی وہاں کا داخلہ مجھ پر بند ہے۔"
زرتاج بھی غمگین ہو گئی۔ "میں تو خیر پردے میں بیٹھنے والی ٹھہری لیکن تم تو مجبور نہیں تھے عامر۔ تم نے کیوں کوشش نہیں کی؟"
عامر کا گلا رندھ گیا۔ بھرائی آواز میں بولا۔ "میں نے سب کوشش کر ڈالی۔ لوگوں میں بیچ میں ڈالا۔ مگر بھائی جان کے دماغ میں تو وہ بوڑھا امیر گھسا ہوا تھا۔ انہوں نے صاف کہدیا کہ میری بھانجی کی شادی اونچے گھرانے اور ذی عزت امیر کے ساتھ ہو گی۔۔۔"
"وہ بوڑھا کھوسٹ تو اب مر گیا ہے۔ پھر کوشش کرو۔ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔" زرتاج نے اسے راستہ دکھایا۔
"میں باجی سے بات کروں گا۔ اگر انہوں نے ساتھ دینے کو کہا تو میں قاہرہ جا کر کوشش کروں گا۔ بھائی جان نے کہا تو میں فوج میں بھی نوکری کر لوں گا۔" عامر غربی نے بھی اپنا دل کھول کے رکھ دیا۔ "پتہ نہیں قسمت میں کیا لکھا ہے۔ جس طرف دیکھتا ہوں تاریکی ہی نظر آتی ہے۔"
زرتاج کے دماغ میں ایک اور ترکیب آئی۔ "ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم کسی اور ملک چلے جاؤ اور وہاں بہت نام پیدا کرو اور خوب دولت کماؤ پھر تو تمہارے بھائی جان مان جائیں گے۔"
"مگر ایسا نہ ہو کہ میں پردیس جاؤں اور بھائی جان تمہیں کسی اور امیر کے سر منڈھ دیں۔" عامر نے خدشہ کا اظہار کیا۔ "پھر تو میں دونوں طرف سے گیا۔ نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔"
ایسا نہیں ہو گا۔ عامر مجھ پر اعتماد رکھو۔۔۔" زرتاج نے سمجھایا۔ "پچھلے ہفتہ تمہاری بھائی جان صعیدہ کے دورے پر آئے تھے۔ باجی نے شاید بات چھیڑی تھی۔"
عامر بے چین ہو گیا۔ "پھر کیا جواب دیا بھائی جان نے؟۔"
زرتاج نے قابو سا نہ انداز میں کہا ۔۔۔ "جواب تو نہیں دیا لیکن باجی بہت پر امید ہیں۔ کہہ رہی تھیں اس دفعہ وہ آئے تو کھل کے بات کروں گی۔"
"دل چاہتا ہے کہ تمام رسم و رواج توڑ کے اور تمہیں لے کے کسی طرف نکل جاؤں ۔۔۔۔"

Marfat.com

"ہرگز نہیں عامر ـــ" زرتاج نے سختی سے تردید کی۔ "میں نے پہلے بھی انکار کیا اور اب بھی انکار ہے۔ مرے ہوئے ماں باپ کو بدنام کرنے سے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں اپنی جان دے دوں۔"

"پھر تم مجھے بزدلی کا طعنہ کیوں دیتی ہو؟" عامر نے احتجاج کیا۔

زرتاج کو غموں نے چڑچڑا کر دیا تھا۔ اس جھنجلاہٹ میں اس نے کہا "تم بزدل اس لئے ہو کہ اپنا حق نہیں مانگتے۔"

"حق ـ کس کا حق۔" عامر نے تعجب سے زرتاج کو دیکھا۔ "میرا ان پر کوئی حق نہیں۔ میں ان کے گھر میں پلا ہوں۔ انہوں نے مجھے باپ کا پیار دیا ہے۔ حق ان کا مجھ پر ہے۔"

"چلو یونہی سہی۔ وہ باپ ہیں تو تم ان کے بیٹے ہو۔" زرتاج نے ایک غلطی پر زور دیا۔ "بیٹے بھی تو باپ سے ضد کرتے ہیں۔ ان سے مانگتے ہیں پھر ایسی صورت میں جب انہوں نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا کہ "زرتاج" صرف اور صرف عامر کے لئے ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو تنبیہہ کر دی تھی کہ کوئی خبردار زرتاج کی خواہش نہ کرے۔ جب میں تمہارے لئے مخصوص کر دی گئی تھی تو پھر تم نے اپنا حق کیوں طلب نہیں کیا اور چپ چاپ راستے سے ہٹ گئے۔ منہ چھپا گئے۔"

عامر نے جواب دیا۔ "زرتاج اس طرح نہ کہو۔ ٹھیک ہے کہ تم میرے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں لیکن تم ان کی بہن کی بیٹی ہو۔ تمہارے مستقبل کے وہ ذمہ دار ہیں۔ تمہارے لئے انہیں مجھ سے بہتر رشتہ دکھائی دیا تو انہوں نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اب میں ان سے لڑ تو نہیں سکتا تھا۔ مجھے چپ ہونا پڑا۔"

"پھر دکھ کاہے کا ہے۔ کیوں آئے ہو یہاں۔ چھوڑ دو مجھے میری قسمت پر۔" اور زرتاج رونے لگی۔

عامر کا بھی دل بھر آیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ زرتاج کو کس طرح خاموش کرے۔ اسی وقت باہر کچھ کھٹکا ہوا اور زرتاج نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔ عامر کی بہن دروازہ کھول کے اندر آ گئی تھیں۔ انہوں نے زرتاج کی آنکھیں دیکھیں تو سمجھ گئیں کہ یہ رو رہی تھی۔

"زرتاج۔ رو رو کے کیوں اپنی جان ہلکان کرتی ہو۔" بہن نے تسلی دی۔ "اللہ مسبب الاسباب ہے۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی اور ہاں عامر کوئی اچھی نئی نوکری کر لو تاکہ تمہارا گھر بسایا جا سکے۔"

Marfat.com

"مجھے ملازمت سے کب انکار ہے۔" عامر نے جواب دیا۔ "بھائی جان وزیر اعظم ہیں۔ مجھے جہاں چاہیں لگا سکتے ہیں۔ جب بھائی جان یہاں تھے۔ میں کام کر رہا تھا۔ مجھے رسالدار بنوا دیا تھا انہوں نے مگر قاہرہ پہنچ کے مجھے کام کرنے روک دیا۔ کہتے تھے کہ امیر زادے ملازمت نہیں کیا کرتے۔"

"ان کی باتیں تو بس یونہی ہوا کرتی ہیں۔" بہن نے جواب دیا۔ "تم کہیں ملازمت کر لو تو میں زرتاج کا تم سے نکاح کر کے تمہارے ساتھ بھیج دوں گی۔ وہ بگڑیں گے تو میں سنبھال لوں گی۔"

عامر خوش ہو گیا۔ زرتاج کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ لیکن یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب عامر خوشی خوشی حویلی سے نکلا تو سامنے سے سواروں کا ایک دستہ آ رہا تھا۔ عامر دیکھنے کے لئے حویلی کے دروازے پر رک کے کھڑا ہو گیا۔ سوار اسی حویلی کے دروازے پر آ کے رک گئے۔ ان کے پیچھے ایک بند گاڑی تھی۔ گاڑی عین دروازے کے آگے آ کے رک گئی۔ ایک سپاہی جو کوچوان کے برابر بیٹھا تھا۔ اتر کر نیچے آیا اور اس نے گاڑی کا بند دروازہ کھول دیا۔ عامر جو پہلے ہی حیران ہو رہا تھا یہ دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر رد پڑ گئے کہ گاڑی سے نکلنے والا اس کا بہنوئی ملک شاور وزیر اعظم مصر تھا۔

ملک شاور کی سیدھی نظر عامر پر پڑی اور عامر نے فوراً ادب سے اسے سلام کیا۔

ملک شاور اس کے برابر آیا۔ وہ عامر کو گھور رہا تھا۔ "تم --- تم یہاں کیوں آئے۔

ملک شاور غرایا --- "تمہیں منع کیا گیا تھا کہ اس طرف کا رخ نہ کرنا۔ دور ہو نظروں کے سامنے سے--"

عامر کے لئے یہی بہتر تھا کہ وہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ وہ بھاگ پڑا۔ پلٹ کے دیکھنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

شیرکوہ بلبیس سے بخیر و خوبی نکل آیا لیکن ابھی خطرہ یہ تھا کہ ریگستان میں کہیں یروشلم کی عیسائی فوجیں شیرکوہ کا رستہ نہ روکیں کیونکہ شامی لشکر کو سلطنت یروشلم کی سرحد کے ساتھ ساتھ سفر کرنا تھا اور بعض جگہ دمشق واپسی کا راستہ عیسائی سرحد سے بالکل مل گیا تھا۔ شیرکوہ نے متوقع حملے سے لشکر کو آگاہ کر دیا تھا اور ہر لشکری تیز رفتاری مگر ہوشیاری سے سفر کر رہا تھا۔ مزید احتیاط کے لئے شیرکوہ نے ایک ہراول دستہ لشکر کے آگے بھیج دیا تھا تاکہ خطرے کی بو پاتے ہی اسے خبر کی جائے اور دشمن کو اس وقت تک روکا جائے جب تک اصل لشکر وہاں نہیں پہنچتا۔ یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں جو جہاندیدہ سپہ سالار شیرکوہ نے دمشق کے واپسی سفر میں اختیار کیں مگر یروشلم کے لشکر میں اب اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ

Marfat.com

واپس ہونے والوں کو پھر للکار کے ایک نیا میدان جنگ کھولئے۔ اس طرح شیرکوہ بغیر کسی پریشانی کے بخیریت دمشق واپس پہنچ گیا۔

دمشق میں پہلے ہراول دستہ داخل ہوا جس کا سردار صلاح الدین ایوبی تھا۔ شیرکوہ نے صلاح الدین کو سمجھا دیا تھا کہ وہ سلطان سے کم سے کم گفتگو کرے اور اس کے پہنچنے کا انتظار کرے۔ دمشق کے شہریوں اور بعض ارکان حکومت نے صلاح الدین کا ملے جلے جذبات سے استقبال کیا۔ بعض کا خیال تھا کہ شامی لشکر مصر سے شکست کھا کر واپس ہوا ہے لیکن سنجیدہ طبقہ جس نے اس مسئلہ پر توجہ سے غور کیا تھا وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اگرچہ ملک شاور کی احسان فراموشی سے شامی لشکر گھیرے میں آ گیا تھا لیکن یہ سپہ سالار شیرکوہ کی حکمت عملی اور صلاح الدین کو دلیری تھی کہ وہ لشکر کو صحیح و سلامت دشمن کی سرزمین سے واپس لے آئے تھے۔

پھر جب شیرکوہ بھی وہاں پہنچ گیا اور بھرے دربار میں سلطان نے شیرکوہ کو قاہرہ کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا تو شیرکوہ نے مختصر مگر جامع انداز میں اپنی مہم کا اس طرح نقشہ کھینچا کہ اس کے دشمن بھی قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ شیرکوہ نے بیان کیا۔

"اے سلطان عالی مقام۔ مصر سے شامی لشکر کی واپسی بظاہر شکست کے مترادف معلوم ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے اگر مجھے مجرم سمجھا جائے تو میں حضور عالی میں پیش ہوں اور حکم کا منتظر لیکن مصر کے حالات ہمارے اندازوں سے بالکل مختلف ہے۔ ملک شاور نے وزارت پر فائز ہونے کے بعد ایسا رخ بدلا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے فوری طور پر شاہ یروشلم کا تعاون حاصل کیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ مصر پہنچ گیا۔ اب صورت حال یہ ہو گئی کہ میرے پاس صرف اتنا لشکر تھا جس سے مجھے ضرغام کا مقابلہ کرنا تھا لیکن اس وقت شامی لشکر کے خلاف یروشلم اور مصر کا لشکر آ گیا۔ پھر میں نے خندق کی حکمت عملی اختیار کی اور تمام لشکر کو خندق کے اندر کچے مورچوں میں محفوظ کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے یہ کچے مورچے قلعہ کی صورت اختیار کر گئے اور متحدہ لشکر ساڑھے تین ماہ کوشش کے باوجود ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ پھر ہم ایک باعزت سمجھوتے کے تحت اپنے طور سے لشکر کو بچا لائے۔ عالیجاہ۔ مصری حالات کا ایک ہلکا خاکہ میں نے جناب عالی میں پیش کیا لیکن یہ بیان اس وقت تک مکمل نہیں جب تک میں یہ عرض نہ کروں کہ مصر کے لوگ انتہائی بزدل مگر فتنہ پرور ہیں۔ وہ شاہ یروشلم کو خراج دیتے ہیں اگر اس کا علاج نہیں کیا گیا تو مصر پر یروشلم کا قبضہ ہو جائے گا اور سلطنت دمشق کو ایک زیادہ طاقتور دشمن کا سر توڑنے کے لئے میدان میں نکلنا ہو گا۔"

Marfat.com

"شاباش شیرکوہ۔" سلطان نور الدین زنگی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "اپنے گھرے ہوئے لشکر کو دشمن سے بغیر کسی نقصان کے بچا لانا شکست نہیں بلکہ فتح کے برابر ہے۔ تم اس سلسلے میں کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

"عالیجاہ نے میرے اقدام کو پسند خاطر فرما کر بندہ پروری کا اظہار کیا ہے۔ اے شاہوں کے شاہ آپ اپنے جاں نثاروں کی اسی طرح حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ محاذ مصر کے سلسلے میں ایک معمولی سی بات یہ عرض کرنا ہے کہ حضور عالی نے امیرزادہ صلاح الدین ایوبی کو اس غلام کے ساتھ کیا تھا۔ اس جوان نے ثابت کر دیا کہ حضور کا یہ اضافہ غلط نہ تھا بلکہ اس جوان سے مستقبل میں امید بھی باندھی جا سکتی ہے۔" شیرکوہ نے بڑی احتیاط سے صلاح الدین کی سفارش کی۔

"تم نے درست کہا شیرکوہ۔" سلطان نے بھی صلاحیت کا اعتراف کیا۔ "ہمیں دوسروں نے بھی ایسا ہی بتایا ہے۔ مصر کی مہم کے سلسلے میں ہم تمہیں کوئی انعام تو نہیں دیتے لیکن یہ ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ تمہاری کیا خواہش ہے تاکہ ہم کسی خاص موقعہ پر اس کی تکمیل کر سکیں۔"

شیرکوہ نے سر کو خم کر کے کہا۔ "سلطان معظم نے اتنا دیا ہے کہ اب کسی مزید انعام کی خواہش نہیں ہاں یہ خواہش ضرور ہے کہ جب بھی مصر پر لشکر کشی کا ارادہ ہو تو اس غلام کو ضرور یاد رکھا جائے تاکہ میں مطلب پرست ملک شاور کو مناسب سزا دے سکوں اور مصر کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ دمشق کے خزانے میں بھیج سکوں۔"

بعض مورخین کا خیال ہے کہ شیرکوہ کو مصر کی گورنری کی زبردست خواہش تھی لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے دل میں ملک شاور سے انتقام کا جذبہ ضرور کلبلا رہا تھا اور وہ اس کی تکمیل کے لئے وقت کا منتظر تھا۔

سلطان نے اتنی گفتگو کے بعد دربار برخاست کر دیا۔ شیرکوہ کے وہ امیر جو اس کے خلاف زہر اگلنا چاہتے تھے ان کے ارمان دل میں ہی رہ گئے۔ شیرکوہ ایک ایسا سپہ سالار تھا جس پر موجود سلطان کے والد امیر عماد الدین زنگی بھی ہمیشہ اعتماد کرتے رہے اور ابھی تو سلطان نور الدین زنگی کی سلطانی شروع ہوئی تھی۔ اسے ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔ پھر وہ شیرکوہ کو کیوں ذلیل کرتا۔ شیرکوہ نے اگرچہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کی کچھ زیادہ تعریف نہ کی تھی لیکن شیرکوہ کے ساتھ جانے والے دوسرے امرائے نوریہ نے صلاح الدین کی دل بھر کی تعریف کی تھی اور نور الدین زنگی کو اندازہ ہو گیا تھا بوڑھے جنرل شیرکوہ کا صحیح جانشیں اس کا بھتیجا صلاح الدین ہی ہو گا۔

Marfat.com

سلطان نور الدین کو مصر کی مہم کے ناکام ہونے (اگر واقعی ناکامی ہوتی) کا کچھ زیادہ صدمہ اس وجہ سے نہ ہوا کہ اس نے سلطنت یروشلم کے شمال کی عیسائی ریاستوں کو اچھی طرح پامال کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ جس وقت شیرکوہ' مصر میں الجھا ہوا تھا اس وقت خود سلطان نور الدین زنگی فلسطین میں بڑے معرکے سرکر رہا تھا۔ سلطان نے گلبرٹ ڈی لیسی اور رابرٹ مینسی کو شکست دے کر حارم پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ قلعہ بانیاس کا محاصرہ کر کے حاکم قلعہ و الٹر چیزنی کو قلعہ حوالے کرنے پر مجبور کر دیا تھا سلطان ان فتوحات میں انطاکیہ کے شہزادے بوہینڈ۔ طرابلس کے کاونٹ ریمنڈ اور ہیو آف لو سگنان اور دوسرے نائٹوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ یہ فتوحات اور کامیابیاں مصر کے تھوڑے سے نقصان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھیں۔ سلطان نے بھی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ حالات درست ہوتے ہی وہ مصر کی طرف لشکر بھیجے گا تاکہ مصر کا علاقہ یروشلم کے ہاتھوں میں تباہ نہ ہو۔

اتابکان موصل یعنی امیر عماد الدین زنگی پھر ان کے بیٹے نور الدین محمود زنگی نے صلیبوں کو جتنی شکستیں دی ہیں ان کی وجہ سے تاریخ اسلام اور تاریخ یورپ ان مجاہدین اسلام کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ اتابکان یا اتابکہ جمع ہے اتابک کی جس کے معنی اتالیق کے ہوتے ہیں۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ عماد الدین زنگی سلجوقی شہزادوں کا اتالیق مقرر ہوا تھا اس لئے یہ خاندان اس نام سے مشہور ہوا۔ سلجوقیوں کے زوال کے بعد مسلمانوں کی تمام طاقت موصل میں جمع ہو گئی تھی۔ موصل عماد الدین کا دارالسلطنت تھا۔ اس امیر کی قدردانی اور سخاوت نے تمام اعلیٰ قسم کے سرداروں' شہسواروں اور شمشیر زنوں کو موصل میں اکٹھا کر دیا تھا۔ اس مجاہد نے عیسائی شہنشاہ جان کامنی نس کو سامان جنگ چھوڑ کے میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر "الرہا" کو عماد الدین زنگی نے فتح کیا جو شمال میں عیسائیوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا۔ اس عظیم فتح پر تمام عالم اسلام نے خوشی منائی تھی اور امیر موصل کو مبارک باد کے پیغامات بھیجے تھے۔

اسی عماد الدین کا بیٹا اور اس خاندان کا سب سے عظیم امیر جس نے سلطان کا لقب اختیار تھا وہ نور الدین محمود زنگی تھا جس کے دربار سے اسد الدین شیرکوہ۔ نجم الدین ایوب اور صلاح الدین ایوبی وابستہ تھے۔ شمالی فلسطین کی تمام عیسائی ریاستیں ایک ایک کر کے نور الدین کے قبضے میں آ رہی تھیں۔ اس وقت صرف یروشلم کی واحد عیسائی سلطنت تھی جو نور الدین زنگی کے مقابلہ پر کھڑی تھی۔ وہ بھی محض اس وجہ سے کہ اسے پورے دول یورپ کے عیسائی بادشاہوں کا تعاون اور اشیر باد حاصل تھا۔ عیسائی میدان جنگ میں شکست

Marfat.com

کھانے کے بعد کسی ایسی تدبیر کی فکر میں تھے جس سے مسلمانوں کو نیچا دکھایا جا سکے مگر ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو رہی تھی۔

سلطان نور الدین زنگی بھی عیسائیوں کے ارادوں اور چالبازیوں سے غافل نہ تھا۔ اس کے جاسوس ہر طرف پھیلے تھے اور تمام عیسائی ممالک کی خبریں اسے ملتی رہتی تھیں۔ انہیں دنوں ایک شب جب سلطان نماز عشاء کے بعد سونے کے لئے لیٹا تو اس کی طبیعت کچھ بے چین سی تھی۔ عادل بادشاہ عام طور سے فکر مند اور بے چین رہتے ہیں لیکن سلطان کی بے چینی کو مختلف تھی۔ اس کی خود سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ دل پر اس قدر بوجھ کیوں ہے۔ وہ کبھی اٹھتا، کبھی بیٹھتا اور کبھی ٹہلنے لگتا۔ جب بے چینی حد سے بڑھی تو اس نے سونے کی موگری سے سونے ہی کے ایک چھوٹے طباق پر چوٹ ماری۔ سلطان کے بستر کے برابر سونے کا ایک طباق چاندی کی زنجیر سے بندھا ہوا چھت سے لٹکتا رہتا تھا اور ایک اسٹول پر سونے کی موگری رکھی رہتی تھی۔ جب سے سلطان کے والد عماد الدین زنگی کو سوتے میں قتل کیا گیا تھا اس وقت سے سلطان نور الدین اگر محل میں ہوتا تو اپنے کمرے کو اندر سے بند کر کے سوتا تھا۔ پہرے کے سپاہی کمرے کے گرد پہرہ دیتے تھے۔ اگر سلطان کو رات کسی وقت کسی غلام یا کنیز کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ موگری سے طباق پر چوٹ مارتا تھا جس سے گھنٹہ بجنے جیسی آواز پیدا ہوتی اور پہرہ دینے والے غلام سمجھ جاتے تھے کہ سلطان نے انہیں طلب کیا ہے وہ فوراً دروازے پر دستک دے کر اپنی موجودگی کا اعلان کرتے تھے۔

آواز بلند ہوتے ہی پہرے پر جو ایک محافظ نے دروازے پر دستک دی۔ سلطان نے دروازہ پہلے ہی کھول دیا تھا۔ دستک کی آواز سن کے سلطان نے بھاری آواز میں کہا۔ ”اندر آ جاؤ۔۔۔“

محافظ نے اندر آ کر مجرا پیش کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

سلطان نے ارشاد فرمایا۔ ”ہماری طبیعت مکدر ہے۔ وزیر جمال الدین موصلی کو اطلاع دی جائے۔“

محافظ سلام کر کے باہر چلا گیا اور سلطان نے ٹہلنا شروع کر دیا۔ سلطان اپنی طبیعت بہت سنبھالتا لیکن اس پر عجب طرح کی گھبراہٹ اور وحشت سوار تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کہیں کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے یا حادثہ ہوا ہے جس کی اطلاع بس آنے ہی والی ہے۔

ادھر شاہی ہرکارہ وزیر جمال الدین موصلی کی حویلی پر پہنچا۔ وزیر کو اس وقت جگا کر سلطان کا حکم سنایا گیا۔ بیچارے مولانا جمال الدین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے پریشان

Marfat.com

ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اے بھائی خیریت تو ہے۔ سلطان کے مزاج کیسے ہیں؟"

ہرکارہ خود گھبرایا ہوا تھا۔ "مجھے کچھ پتا نہیں سرکار۔ مجھ سے تو یہ بتایا گیا ہے کہ مزاج شاہانہ مکدر ہے۔ آپ کو فوراً یاد فرمایا ہے۔"

رات نصف کے قریب گزر چکی تھی۔ مولانا نے منہ پر ایک چھینٹا مارا۔ جلدی جلدی کپڑے پہنے اور آ کے شاہی سواری پر بیٹھ گئے۔ ہرکارہ سواری ساتھ لے کے آیا تھا۔ سواری محل پر پہنچی تو وہاں ہر ایک گھبرایا ہوا تھا۔ مولانا نے ایک غلام سے سرگوشیوں میں پوچھا۔ "عالیجاہ کے مزاج کیسے ہیں؟"

غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "کچھ پتا نہیں چلتا صاحب۔ بس ٹہل رہے ہیں ایک لمحے کو نہیں بیٹھے۔ خدا معلوم کیا قصہ ہے۔ کس فکر نے جہاں پناہ کی نیند اڑا دی ہے۔"

وزیر جمال الدین موصلی سہمے سہمے شاہی خوابگاہ میں داخل ہوئے اور دروازے کے پاس ہی کھڑے ہو گئے۔ سلطان نور الدین ٹہل رہا تھا۔ آہٹ پا کر ٹھہرا۔ مولانا پر نظر پڑی تو فوراً کہا۔ "مولانا خدا کے لئے کوئی سورت پڑھو۔ دم کرو۔ ہمارا دل پہلو سے نکلا جاتا ہے۔ کسی طرح چین نہیں ملتا۔ خدا معلوم ہم سے کون گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہے کہ جس کی سزا ہمیں غیب سے مل رہی ہے۔"

وزیر پہلے اپنی سلامتی کے لئے آیتیں پڑھ رہے تھے۔ سلطان کے کہنے پر انہوں نے کئی آیتیں پڑھ کر سلطان پر دم کیں۔ پانی پڑھ کر پلایا۔ آخر کلام اللہ نے اثر دکھایا اور سلطان کا دل کچھ ٹھہرا۔ سلطان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وزیر نے اپنی سلامتی کا اللہ کا شکر ادا کیا۔ سلطان نے اپنی پوری کیفیت سے مولانا کو آگاہ کیا۔ انہوں نے کچھ اور پڑھ کے پورے کمرے میں پھونکیں ماریں اور سلطان کو اچھی طرح مطمئن کرنے کی کوشش ایک گھنٹے کے مسلسل کوشش کے بعد سلطان کی طبیعت کچھ بحال ہوئی اور اس نے مولانا کو رخصت کی اجازت دی۔

آدھی رات کو ایک وزیر کے طلب کئے جانے سے تمام محلات شاہی میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ سلطان کے تمام عزیز و اقارب جو دمشق میں موجود تھے وہ سب محل کے باہر جمع ہو گئے تھے لیکن سلطان نے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دی تھی پھر جب مولانا رخصت ہوئے تو سلطان نے ان سب کو بھی باہر ہی سے رخصت کرا دیا۔

سلطان کی طبیعت بہت کچھ بحال ہو گئی تھی صرف ایک بوجھ یا ایک نامعلوم خوف اس پر اب بھی طاری تھا۔ اس نے اسے وہم سے تعبیر کیا اور تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ کلام

Marfat.com

میں بڑی تاثیر ہوئی ہے۔ مولانا نے اس پر قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ پھونکی تھیں۔ اس سے سلطان کو سکون ملا تھا اور نیند آنا شروع ہو گئی تھی۔ پھر نہ جانے اس کی پلکیں کب جھپکیں کہ اس کے سامنے ایک جاں فزا اور روح افزا منظر تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بزرگ جن کے چہرے سے نور ٹپک رہا ہے وہ سلطان کو دیکھ رہے ہیں۔ سلطان کو اس جلیل قدر ہستی کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ اس کے دل سے ایک آواز اٹھی کہ اے دمشق کے سلطان دیکھتا نہیں کہ تیرے سامنے سلطان دو عالم اور تاجدار مدینہ جلوہ گر ہیں۔ آگے بڑھ اور اپنی آنکھیں ان کے پیروں سے مل کے قلب کو نور سے منور کرے۔

سلطان نور الدین زنگی اپنے دل کے اس انکشاف پر لرزہ براندام ہو گیا۔ اس پر حضور پر نور صلی وسلم کا ایسا رعب طاری ہوا کہ زبان گنگ ہو گئی اور ہاتھ پیروں کی طاقت جیسے سلب ہو گئی۔ اس نے نیچی نظروں سے ایک بار پھر حضورؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھنے کی کوشش کی۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ "دیدار محمدؐ" کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ہے۔ دنیا کا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو بشارت رسولؐ کا طالب نہ ہو۔ حضور کے خد و خال اور سراپا کا نقشہ تاریخوں اور کتب سیرت میں بیان کیا گیا ہے لیکن ہر عقیدت مند اس کتابی سراپا کو اپنے تصور میں ترتیب دے وہ صورت بنا لیتا ہے جو اسے سب سے زیادہ عزیز ہے اور جس کے دیدار کی اسے تمنا ہے اس لئے جن خوش نصیبوں کو خواب میں دیدار نبی کی دولت عطا ہوتی ہے انہیں اپنے محبوب' دنیا کے محبوب اور خلاق عالم کے محبوب کو پہچاننے میں ذرا بھی وقت نہیں ہوتی۔ اس کا دل' دماغ حتی کہ رویاں رویاں آواز دیتا ہے "یہی ہیں وہ جن کی تیری آنکھوں کو تلاش تھی۔ سلطان نور الدین زنگی بھی عاشق رسولؐ تھا۔ عشق رسولؐ اسے اپنے والد عماد الدین زنگی کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس لئے جب حضورؐ اس کے خواب میں نظر آئے تو اس کا دل فوراً پکار اٹھا: "نگاہ روبرو سرکار دوعالمؐ تشریف لائے ہیں۔

سلطان کی نظر میں یثرب کے چاند تک پہنچی تھیں کہ ادھر سے ایک سمت اشارہ ہوا۔ نور الدین نے فوراً اس سمت نظریں گھما دیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ دو عمر رسیدہ انسان جو مشکل و شبہات سے مغربی مالک کے معلوم ہوتے ہیں مگر اس وقت مشرقی بلکہ اسلامی لباس میں کھڑے ہیں۔ ان کے چہروں پر داڑھیاں ہیں مگر چہرے بے رونق ہیں۔

اسی وقت نبی پاکؐ کی آواز نور الدین کے کانوں میں گونجی جیسے حضورؐ فرما رہے ہوں۔

"دیکھتے ہو نور الدین مجھے یہ دو کتے پریشان کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اس بارے میں مضطرب ہیں کہ حضورؐ اس غلام سے کیا چاہتے ہیں جبکہ خواب میں کوئی واضح اشارہ نہیں کیا گیا۔" سلطان نے بے چینی سے کہا۔

"شاہا۔ خانہ زاد کو اس علم خاص میں کو درک نہیں۔" مولانا جمال الدین نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ ہاں میں ابھی شہر اور مضافات میں ڈھنڈورہ پٹوائے دیتا ہوں کہ جو شخص سلطان معظم کے خواب کی صحیح تعبیر بتائے گا اسے دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا۔"

"ہاں۔ یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ تعبیر بھی ایک علم ہے اور اس پر ہر شخص کو دسترس نہیں ہوتی۔" سلطان نے مولانا کے منصوبہ کی تائید کی۔ "کیا عجب کہ اس طرح کوئی ایسا شخص آ جائے تو ہمیں فکر و تردد سے نجات دلائے۔"

شہر اور دیہات میں فوراً اعلان کر دیا گیا۔ سلطان اپنے بے چین دل و دماغ کے ساتھ دربار میں جا بیٹھا۔ دانشور اور تعبیر گو آتے رہے۔ انہیں پہلے وزیر علامہ جلال الدین موصلی کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ مولانا اس کے سامنے سلطان کا خواب بیان کرتے پھر تعبیر پوچھتے اگر اس کی تعبیر میں کچھ بھی وزن نظر آتا تو مولانا اسے دربار میں پیش کرتے ورنہ خود ہی رخصت کر دیتے۔ اس طرح شام تک صرف چار آدمیوں نے خود کو مولانا کے سامنے پیش کیا اور خواب سن کر اپنی عقل کے مطابق تعبیر بیان کی لیکن مولانا کو صرف ایک شخص کچھ تھوڑا سا قائل کر سکا۔ مولانا نے تین کو واپس کر دیا اور اس شخص کو دربار میں پیش کر دیا۔ سلطان نے تعبیر سنی مگر وہ مطمئن نہ ہو سکا۔

دن ان باتوں میں گزرا۔ مسجدوں میں حکم شاہی کے تحت درود و سلام کی محفلیں منعقد ہوئی۔ غربا میں صدقہ اور خیرات تقسیم کی گئی۔ رات ہوئی تو سلطان نے تسبیح سنبھالی اور درود پڑھنے بیٹھ گیا۔ درود پڑھنے سے اس کے تقویت ملی اور اس کے دماغ کو سکون ملا۔ دو دن سے سلطان کا کھانا پینا رائے نام رہ گیا تھا۔ عشاء کے بعد سلطان کچھ دن تسبیح پڑھتا رہا پھر سونے کی کوشش کی۔ ذہن کی پریشانی کم ہو گئی تھی۔ نیند کا جھونکا آیا اور سلطان تکیہ پر سر رکھ کر سو گیا۔

سلطان خواب کی آغوش میں پہنچا تھا کہ پھر وہی منظر نظروں کے سامنے تھا۔ حضور صلی وسلم کی زلفیں بکھری تھیں اور چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ سلطان نے چاہا کہ آنکھوں سے پائے مبارک بوسہ ۔۔ اسی وقت حضور نے اس طرف اشارہ کیا جہاں وہی دو منحوس صورت کھڑے تھے۔ حضورؐ نے اشارہ کے ساتھ ہی فرمایا۔

"دیکھتے ہو نور الدین ۔ یہ دو کتے مجھے ستا رہے ہیں"

سلطان نور الدین پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ چیخ مار کے اٹھ بیٹھا۔ پھر بلا نیند کیسے

Marfat.com

اور تم بے خبر سو رہے ہو۔"

یہ الفاظ کانوں میں پڑتے ہی سلطان نور الدین خواب سے چونک پڑا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا اور تمام جسم کانپ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کے چاروں طرف دیکھا لیکن نہ وہ دونوں فرنگی صورت بوڑھے تھے اور نہ حضورؐ کا نوری پیکر' سلطان اپنے بستر پر پڑا تھا۔ اس کی خوابگاہ کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ تھیں۔ نہ کوئی چیز کم ہوئی تھی اور نہ بڑھی تھی۔ ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کا پورا کمرہ ایک عجیب سی خوشگوار خوشبو سے مہک رہا تھا۔ یہ مہک مشک وغیرہ سے زیادہ مسحور کن اور شام جاں کو معطر کر رہی تھی۔

بہت دیر بعد نور الدین کے ہاتھ پیر اور دل و دماغ قابو میں آئے۔ اس نے ان دو بوڑھوں کو اپنے تصور میں کھینچا پھر حضورؐ صلی و سلم کے الفاظ پر غور کیا۔ اس نے عقل نے صرف یہیں تک کام کیا کہ حضورؐ کو ان دو مغربی صورت والے بوڑھوں سے تکلیف پہنچی ہے مگر وہ بوڑھے کون ہیں جن کی طرف حضورؐ نے اشارہ کیا ہے۔ حضور نے ان لوگوں کے بارے میں جس نفرت کا اظہار کیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی مسلمان خواہ اس کا کوئی مسلک ہو وہ سرکار دو عالمؐ کی مخالفت اور نفرت کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ وہ یقیناً" عیسائی یا یہودی ہوں گے۔

سلطان کو رات بھر نیند نہ آئی اور وہ تکئے کے سہارا بیٹھا درود پڑھتا رہا۔ درود کے ورد سے اس کے دل کو بہت تقویت ملی۔ اس نے یہ سلسلہ صبح تک جاری رکھا اور سویرا ہوتے ہی اس نے وزیر جمال الدین موصلی کو پھر بلا بھیجا۔ وہ بیچارے ہانپتے ہانپتے محل پہنچے اور آداب بجا لائے۔ سلطان نے بڑے ادب سے دو زانو ہو کر وزیر کو حضورؐ کی بشارت کے تمام حالات بڑی تفصیل کے ساتھ سنائے اور پوچھا۔

تم نے دیکھا جمال الدین ہم رات میں اس قدر کیوں بے چین تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اس ذات پاک کی روح بے چین ہو تو ہم عاشقان رسولؐ کو نیند کس طرح آ سکتی ہے۔ ہم نے تمہیں تمام باتیں بے کم و کاست بتا دیں۔ اب تم اس کی تعبیر بیان کر دینا پھر کس دانشور یا تعبیر بیان کرنے والے کو بلاؤ تاکہ حضورؐ کے اشارے اور حکم کا مطلب سمجھا جا سکے۔"

مولانا جمال الدین موصلی نے ادب سے عرض کیا۔ "جہاں پناہ سب سے پہلے تو میں حضورؐ اعلیٰ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ سرکار دو عالمؐ کے دیدار سے عالم خواب میں فیض یاب ہوئے ----"

"بے شک بے شک یہ مقام شکر ہے۔ یہ مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا لیکن ہم

Marfat.com

آتی۔ درود و سلام پڑھتے پڑھتے سویرا ہو گیا۔ فجر کی نماز جامعہ دمشق میں جا کے پڑھی۔ اک خلقت ٹوٹ پڑی۔ سلطان کی بے چینی کل ہی سے گھر گھر ہو رہا تھا۔ آج جو سلطان محل سے قدم نکالا اور مسجد میں آیا تو لوگ بے چین ہو کے دوڑ پڑے۔ فجر کی نماز عیدین نماز معلوم ہوتی تھی۔ نماز کے بعد دعا میں رقت طاری ہوئی۔ داڑھی اور دامن تک آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ لوگ تھے کہ اپنے سلطان کو دیکھتے اور دھاڑیں مارنے کے رونے لگتے۔ عورتوں میں میلاد کی محفلیں سج گئیں۔ سب کی زبان پر یہی چرچا تھا کہ پتہ نہیں وہ دو فرنگی کون ہیں جو سرور کائنات نے سلطان کو دکھائے ہیں اور سلطان کا اس وقت کھانا پینا بند اور چین و آرام رخصت ہو گیا ہے۔

سلطان محل واپس پہنچے تو پورا محل عزیز و اقارب سے بھرا پڑا تھا۔ حفاظ اور قاری عورتیں قرآن کھولے اور پارے پکڑے بیٹھی تھیں۔ تلاوت کی آواز پر شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کا شبہ ہوتا تھا۔ سلطان نے آتے ہی حکم دیا کہ صدقے اور خیرات کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیے جائیں۔ لنگر جاری کئے جائیں۔ یتیموں اور بیواؤں کو اتنا دیا جائے کہ انہیں عمر بھر کسی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش آئے۔ ادھر سے فارغ ہوئے سلطان نے مصلے سنبھالا اور سجدے میں گر گیا۔ پہلے اللہ سے سکون قلب اور اس مسئلہ کا حل مانگا پھر مولائے کائنات کے آگے ہاتھ پھیلائے کہ

> "اے شاہ و گدا کے سرتاج۔ اے یثرب کے مکیں۔ اے وجہ تخلیق عالم۔ دکھیاروں اور بے سہاروں کے ملجاو ماوی۔ کچھ فرما۔ کچھ بتا۔ وہ دونوں مردود کون ہیں جو آپؐ کو ستانے کی گستاخی کر رہے ہیں۔ میں نے ان کی صورت دیکھی مگر پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔ کوئی حوالہ دیا۔ سوتے جاگتے میں اللہ کر مجھے راستہ دکھا۔ میں کدھر جاؤں اور ان دونوں کو کس طرح پکڑوں۔ اے بھٹکوں کو راہ دکھانے والے میری بھی رہنمائی کر۔"

مصلے چھوڑا تو علما اور فضلاء کی محفل جمائی۔ سب ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔ حکم ہوا کہ سرائے کے تمام مسافروں کو شاہی مطبخ سے کھانا بھیجا جائے۔ مدینہ سے آنے والے مسافروں اور سوداگروں سے مسجد نبوی اور روضہ اقدس کے حالات معلوم کئے جائیں۔ دل کہتا ہے کہ ضرور کوئی بات جب ہی حضورؐ اقدس کے چہرہ مبارکؐ پر تکدر اور فکر کی لکیریں نظر آتی ہیں۔ اکابرین اور عمائدین سلطنت مسافر خانوں میں پہنچے اور مسافروں سے دیار حبیبؐ کی باتیں دریافت کیں۔ معلوم ہوا کہ عروس البلاد مدینہ حسب سابق علم و ہنر اور ذکر

Marfat.com

و فکر کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مسجد نبوی اور دیگر تمام مساجد میں لوگ جوق در جوق شریک ہوتے ہیں۔ شاہ و گدا روضہ اقدس پر سر جھکانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔ مدینوں کے دل منور اور آنکھیں روشن ہیں۔ کسی سے کوئی پریشان کی بات سننے میں نہ آئی۔ اکابرین نے جو سنا تھا۔ حضورؐ شاہ عرض کر دیا۔ مگر سلطان کے دل کو اطمینان کہا۔ جی میں یہی سمائی تھی کہ سرور کائناتؐ کو ضرور کوئی پریشان کر رہا ہے ورنہ نور الدین زنگی کو اس طرح خواب نہ آئے اور اسے آگاہ نہ کیا جاتا۔

رات ہوئی تو سلطان پر پھر ہیبت طاری ہوئی۔ اس کا دل ٹھکانے نہ تھا کہ حضورؐ دو راتوں میں بشارت دیتے رہے پھر وہ ان کے اشاروں اور احکامات کو نہ سمجھ سکا۔ صدقہ۔ خیرات۔ ذکر و فکر سب کر کے دیکھ لیا مگر ذہن منتشر اور دل پریشان تھا۔ آج رات تو اس سے لقمہ بھی نہ اٹھایا گیا شاہی محلات میں بھی کسی نے لقمہ نہ توڑا شہر والوں کو معلوم ہوا کہ شاہ دمشق کے گلے میں نوالہ نہیں اتر رہا تو انہوں نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے بچوں نے بھی کھانا چھوڑ دیا۔

یہ تیسری رات تھی اور سلطان اپنی جگہ بوکھلائے اور شرمندہ شرمندہ۔ یہ سوچ کے کہ اگر حضورؐ سرکار دو عالم آج پھر خواب میں تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ

"اے نور الدین دیکھتا ہے یہ دو کتے مجھے ستا رہے ہیں"

تو میں ان سے کیسے آنکھیں ملا سکوں گا۔ مجھے اقتدار حاصل ہے۔ ایک اشارہ پر ہزاروں گردنیں تن سے جدا ہو سکتی ہیں لیکن ان دو جملوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس راز سے کوئی بھی پردہ نہیں اٹھا سکا۔ لعنت ہے مجھ پر اور اس سلطانی پر۔ جس کی نظر کرم سے اس مقام پر پہنچا ہوں ان کے ستانے والوں کو۔ ان دو کتوں کو کوئی سزا نہیں دے سکتا۔

سلطان کو شام ہی سے تمام امرائے نوریہ' اسد الدین شیرکوہ' صلاح الدین اور فقیہ ہکاری وغیرہ نے گھیر لیا تھا اور اعلان کر دیا تھا وہ سلطان کے قریب رہ کر تمام رات درود اور افکار میں گزاریں گے۔ نہ خود سوئیں گے اور نہ سونے دیں گے۔ سلطان نے ان کے جذبہ کے قدر کرتے ہوئے انہیں اجازت دے دی تھی کہ وہ رات جس وقت تک چاہیں شاہی خوابگاہ میں سلطان کے پاس رہ سکتے ہیں۔ سلطان نے خود کھانا نہیں کھایا تھا لیکن امرائے نوریہ کے لئے رات کا کھانا چنا گیا۔ سب امرائے افکار اور درود میں مصروف تھے انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ سلطان نے ان کے لئے کھانا لگوا دیا ہے؟ جب امراء کو اطلاع دی گئی تو وہ کا بکا رہ گئے۔

سلطان سامنے مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھے تسبیح گھما رہے تھے۔ تمام امرا ان کے پاس

Marfat.com

پہنچے اور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے تسبیح روک کر امرا کی طرف دیکھا۔
شیرکوہ نے ایک قدم بڑھ کر عرض کیا۔ "عالیجاہ۔ بندگان دولت کو معلوم ہوا کہ سلطان نے تین دن سے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا پھر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ خادماں تخت کے کیوں تیار کرایا گیا۔"

"تخت و تاج کے چاند تارو۔۔" سلطان نے کمال نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہماری طبیعت کھانے کی طرف اس وجہ سے راغب نہ ہو سکی کہ ہم سرور کائنات اور سرور کونین سے شرمندہ ہیں۔ وہ دو راتوں سے ان دو بد ذاتوں کو دکھا رہے ہیں جو ان کی تکلیف کے باعث ہیں مگر ہم سلطان ہوتے ہوئے بھی اب تک ان کم بختوں تک نہیں پہنچ سکے۔ اس میں کسی خوف یا پریشانی کو دخل نہیں ہم۔ چاہتے ہیں تم کھانا تناول کرو کیونکہ کوئی علم نہیں کہ تم کس وقت یہاں سے واپس جا سکو گے۔"

"ہم گھر واپس نہیں جائیں گے عالیجاہ۔۔" شیرکوہ نے بڑے استقلال سے کہا۔ "ہم تمام رات حضور کے قریب رہیں گے تاکہ آپ کو تنہائی کا ایک لمحہ کے لئے بھی احساس نہ ہو سکے۔"

"نہیں شیرکوہ۔" سلطان نورالدین کا لہجہ بہت عاجزانہ ہو گیا۔ "یہ ہمارا اور ہمارے آقا کا معاملہ ہے۔ ہم ان سے شرمندہ تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن منہ نہیں چھپا سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ذات والا صفات آج بھی ہمیں اپنے دیدار سے سرفراز فرمائی گئی۔ اس لئے خیال رہے کہ جب ہم پر نیند غالب ہو تو تم لوگ ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو چلے جانا۔"

سلطان یہ کہہ کر پھر وظیفہ میں مصروف ہو گیا۔ نصف شب کے قریب اس پر نیند نے غلبہ کیا۔ وہ فوراً مسہری سے اترا اور جا نماز بچھا کے پھر درود و سلام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ نیند کو دور کرنے کے لئے جا نماز پر آیا تھا لیکن نیند تھی کہ اس کا جیسے تعقب کر رہی تھی۔ وہ بار بار سر کو جھٹکتا۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتا مگر نیند دور ہونے کے بجائے اس پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔ سلطان نور الدین کو کیا معلوم تھا کہ وہ جس نیند کو بھگا رہا ہے وہ تو قدرت کی طرف سے اس پر نازل کی جا رہی ہے تاکہ اس کام کی تکمیل کی صورت پیدا ہو جو اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔

امراء' مشائخ اور علماء جو شریک محفل تھے وہ ذکر و فکر کر رہے تھے اور سلطان کی حالت کو بھی دیکھ رہے تھے۔ سلطان نے کئی بار غنودگی کے عالم میں سر جا نماز پر رکھا پھر چونک کے سیدھا ہوا۔ آخر اسے نیند کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور جا نماز ہی پر لیٹ کے سو گیا۔ حاضرین نے اشاروں میں باتیں کیں اور ایک ایک کر کے وہاں سے

Marfat.com

رخصت ہو گئے۔ باہر نکل کے انہیں معلوم ہوا کہ پورا شہر جاگ رہا ہے اور وہ اپنے سلطان کی فکر اور پریشانی میں برابر کا شریک ہے۔

ادھر سلطان کی آنکھ لگے تھوڑی دیر گزری تھی کہ خواب میں سرور کائناتؐ پھر تشریف لائے اور دوسری طرف کھڑے دو لانبی ڈاڑھی والے فرنگیوں کی طرف اشارہ کر کے جیسے گویا ہوئے۔

"دیکھتے ہو نور الدین ۔ مجھے یہ دونوں کتے ستا رہے ہیں"

سلطان نور الدین زنگی چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے موگری اٹھا کر طباق پر ماری جس کی آواز پورے محل میں گونج اٹھی۔ غلام اور کنیزیں پہلے ہی سے جاگ رہی تھیں۔ وہ سب خوابگاہ کے باہر جمع ہو گئے۔ سلطان نور الدین کی کنیز خاص خوابگاہ میں داخل ہوئی اور ہاتھ باندھ کے کھڑی ہو گئی۔ سلطان ہاتھ اٹھائے آنکھیں بند کئے کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ دعا ختم ہوئی۔ منہ پر ہاتھ پھیرے پھر۔

"لبیک ۔ لبیک ۔ لبیک"

کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

کنیز کا سر پاس ادب سے اور جھک گیا۔

سلطان نور الدین زنگی نے ایک عجب عالم سرمستی میں حکم دیا۔ "علامہ جمال الدین موصلی کو اطلاع دی جائے کہ وہ بیس سواروں کے ساتھ تیار ہو کے آ جائیں۔ نماز فجر کے بعد ہم مدینتہ النبی دیار حبیب روانہ ہوں گے۔"

کنیز آداب بجالا کر باہر چلی گئی۔ سلطان نے مشرقی دریچہ کھول کے باہر کی طرف دیکھا۔ صبح صادق کے آثار نمودار تھے۔ سلطان نے پھر کنیز کو بلایا۔

"ہم فجر کی نماز مسجد میں ادا کریں گے۔"

اذان کے فوراً بعد سلطان مسجد چلے گئے۔ مسجد میں معمول سے زیادہ نمازیوں کی تعداد تھی۔ سلطان نے نماز کے بعد خشوع و خضوع سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ اسے نبی کریمؐ کی خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔ محل واپس آئے تو اطلاع ملی کہ علامہ جمال الدین موصلی در دولت پر حاضر ہیں۔ شاہی بیگمات کو اطلاع ہو گئی تھی کہ سلطان مدینتہ النبی تشریف لئے جا رہے ہیں۔ وہ سب رخصت کرنے کے لئے جمع تھیں۔ جب سے سلطان نے مدینہ جانے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے دل کو ایک عجب طرح کا اطمینان حاصل ہوا تھا۔ سلطان نے لباس تبدیل کیا۔ شاہی محل کی تمام بیگمات اور عزیزوں سے ملے پھر قرآن کے سائے میں محل سے نکلے۔ گھوڑا تیار تھا۔ بسم اللہ کہہ کے رکاب میں پیر ڈالا پھر جو گھوڑا اڑایا ہے تو سورج نکلتے

Marfat.com

نکلتے شہر سے کئی فرسنگ دور نکل گئے تھے۔ امراء۔ وزرا اور شہر والوں کو سلطان کی مدینہ روانگی کی خبران کے جانے کے بعد ملی۔

ایک روایت کے مطابق اس مبارک سفر میں امیر الامرا اسد الدین شیرکوہ اور صلاح الدین ایوبی بھی سلطان کے ہمرکاب تھے بعض کتابوں میں اس کی تردید ملتی ہے کیونکہ سلطان نور الدین زنگی کو اپنے امرا میں سب سے زیادہ اسد الدین شیرکوہ پر اعتماد تھا۔ اس لئے اس نے شیرکوہ کو دمشق میں اپنے نائب کے طور پر چھوڑا تھا۔

سلطان کے دل میں پنکھے لگے تھے۔ وہ گھوڑا اڑائے چلا جا رہا تھا۔ آتش شوق سینے میں سلگ رہی تھی اور اس کے پیر مہمیز پر تھے۔ گھوڑے کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ سلطان منزلہ دو منزلہ کرتا مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ منزل پر صرف گھوڑے تبدیل کئے جاتے۔ وہ چہرے سے گرد صاف کرنے میں بھی وقت ضائع نہ کرتا۔ یہاں تک سلطان خیبر پہنچ گیا۔ وہی خیبر جو اوائل اسلام میں یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ اور مرکز تھا۔ یہ قلعہ ناقابل تسخیر کہا جاتا تھا لیکن نبی کریمؐ نے محاصرہ کے دوران ایک صبح پرچم اسلام حضرت علی کرم اللہ وجہ' کے حوالے کیا۔ پھر شیر خدا گھوڑا اڑاتا بڑھا۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔ قلعہ کی دیوار میں پتھر کی تھیں اور اس میں لوہے کے قبضوں میں جڑا دروازہ بھی پتھر ہی کا تھا علی مرتضیٰ نے قبضوں کی دراز میں انگلیاں ڈال کر دروازے پر ہاتھ جمایا اور اللہ اکبر کہہ کر گھوڑے کو مہمیز کیا۔ یہ حکم خداوندی تھا اور شیر خدا کی طاقت تھی کہ وہ وزنی پتھر مع قبضوں کے دیوار سے الگ ہو کے حضرت علی کے ہاتھ میں آگیا اور مسلمانوں کا قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ مل گیا۔ رسولؐ کریمؐ نے اس موقع پر حضرت علی کو "شیر خدا" کا خطاب عطا کیا تھا۔

علامہ جمال الدین موصلی اگرچہ وزیر تھے اور ان کا شمار مقتدر عمائدین سلطنت میں ہوتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ایک بہترین سوار بھی تھے۔ انہوں نے جن سواروں کا ساتھ چلنے کے لئے انتخاب کیا تھا وہ ایک سے ایک اچھا سوار تھا لیکن جب انہیں سلطان نور الدین کے ساتھ چلنا پڑا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ سلطان یوں گھوڑا اڑاتا چل رہا تھا جیسے وہ اسی گھوڑے سے آج ہی مدینہ منورہ پہنچ جائے گا۔ علامہ لاکھ اپنا گھوڑا بڑھائے کہ اگر سلطان کے برابر نہیں تو کم از کم ان کے قریب تو رہیں لیکن سلطان کا یہ عالم تھا کہ جب منزل سے دوسرا گھوڑا لے کر رکاب میں پیر ڈالتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ہوا کا ایک جھونکا سن سے ادھر سے آیا اور ادھر نکل گیا۔ اس طرح علامہ اور ان کے ساتھ سوار کسی منزل پر بھی سلطان کے گھوڑے سے گھوڑا ملا کر نہ چل سکے۔ ہر منزل پر پہنچ کے سلطان کو ان

Marfat.com

کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا۔

ایک اندازے کے مطابق دمشق اور مدینہ منورہ کا ایک تیز رفتار گھوڑے پر کم از کم چوبیس دن کا فاصلہ تھا یہ سلطان نور الدین زنگی کا روضہ نبیؐ کے دیدار کا شوق تھا کہ اس نے یہ فاصلہ صرف سولہ دن میں طے کر لیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ لباس پر گرد کی تہیں جمی تھیں۔ بال میں اٹے۔ چہرے جیسے بھبوت ملی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں روضہ رسولؐ پر جانا کچھ مناسب نہ تھا لیکن شوق دید اور تجسس اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ گھوڑے جبل مبلغ کے قریب نفس ذکیہ کے آستانہ پر چھوڑے اور اسی عالم میں داخل ہو کر روضہ رسولؐ کی جالیوں کو بوسہ دیا۔

دم کے دم میں پورے مدینہ میں خبر پھیل گئی کہ سواروں کا ایک دستہ کہیں دور دراز ملک سے سفر کر کے دیار حبیب پر جبہ سائی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ مسجد نبوی متولی شیخ الحرم کو معلوم ہوا تو فوراً حاضر ہوئے۔ انہیں پہلے ہی کسی نے بتا دیا تھا کہ دور دراز کے یہ مسافر کوئی معمولی حیثیت کے آدمی نہیں بلکہ اس گروہ زائرین میں سلطان وقت نور الدین زنگی بہ نفس نفیس موجود ہے۔ شیخ الحرم تشریف لائے جانے والوں نے ایک دوسرے کا تعارف کرایا۔ سلطان نے کھڑے ہو کر شیخ الحرم کو خوش آمدید کہا۔ شیخ الحرم نے اپنے سلطان کو پھر ان کے آدمیوں کو ایک ایک کر کے گلے لگایا۔ سلطان اپنی بے چینی چھپا نہ سکا۔ اس نے ادب سے سوال کیا۔ "محترم شیخ الحرم فرمایئے روضہ محبوبؐ خدا اور مسجد نبوی میں کوئی ایسا واقعہ تو پیش نہیں آیا جس سے مسلمانان عالم کو تکلیف پہنچی ہو؟۔"

شیخ الحرم نے حیران نظروں سے سلطان کو دیکھا۔ "اعلیٰ حضرت۔ روضہ اقدس پر صبح سے شام تک زائرین اور مشتاقین کا ہجوم رہتا ہے۔ طالب آتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔ یہی حال مسجد نبوی کا ہے ہزاروں میل سے لوگ اس مسجد مبارک میں صرف ایک سجدے کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور نور ایمانی سے دل کو منور کرتے ہیں۔"

اس وقت تک باہر کا مجمع ہو گیا تھا جس نے سنا کہ سلطان دمشق نور الدین زنگی مزار اقدس پر حاضری کو آیا ہے وہی کام چھوڑ کے روضہ کی طرف بھاگ پڑا۔ مجمع بڑھا تو شیخ الحرم نے عرض کیا کہ اہل شہر سلطان سے ملاقات کے مشتاق ہیں۔ سلطان کا دل و دماغ کو کسی اور طرف لگا تھا ایک خلش تھی۔ ایک درد تھا جو اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس نے شیخ الحرم کے ذریعہ اہل شہر کو پیغام دیا کہ سلطان ابھی مدینتہ النبی میں کئی روز قیام کریں گے اور کسی مناسب موقعہ پر ان کی آرزو پوری کریں گے۔

سلطان دمشق نور الدین زنگی کے مدینہ آنے کی خبر حاکم شہر تک پہنچی تو وہ فوراً روضہ

Marfat.com

رسولؐ کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان اس وقت شیخ الحرم کے حجرے میں تشریف فرما تے حاکم شہر وہیں پہنچ گیا۔ شیخ الحرم نے حاکم شہر کو سلطان سے ملایا۔

حاکم شہر نے ادب سے شکوہ کیا۔ "جلدی تھی آپ نے خادم مدینہ کو کم از کم حکم بھیج دیا ہوتا کہ عالیجاہ کا ارادہ مدینۃ النبی کی زیارت کو آنے کا ہے تاکہ آپ کا شایان شان استقبال کیا جاتا۔"

حجرے میں اس وقت شیخ الحرم کے علاوہ کچھ اور آدمی سلطان کی سلامی کو حاضر ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہوئے سلطان نے شیخ الحرم سے کہا۔ "ہم تخلیہ میں حاکم شہر سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

شیخ الحرم سلطان کا مطلب سمجھ گئے انہوں نے سرگوشیوں میں لوگوں سے باہر جانے کی درخواست کی سب لوگ باہر چلے گئے تو شیخ الحرم بن جانے لگے۔ سلطان نے انہیں روکا۔

"آپ تشریف رکھیے۔ آپ کی موجودگی ضروری ہے۔"

شیخ الحرم دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ وہ واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ شیخ الحرم حاکم شہر اور مقدمہ موصلی کے علاوہ حجرے میں اب کوئی اور نہ رہ گیا تھا۔

سلطان نے شیخ الحرم کو مخاطب کیا۔ "اگر تھوڑی دیر کوئی حجرے میں نہ آئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شیخ الحرم اپنی جگہ اٹھے اور باہر چلے گئے۔

کچھ دیر کے بعد شیخ الحرم واپس آ کے بولے۔ "عالیجاہ گفتگو فرمائیے۔ کوئی شخص مخل نہیں ہو گا۔"

سلطان نے حاکم شہر کی طرف دیکھا۔ "ہم اپنے آنے کی اطلاع کس طرح دیتے۔ ہم خود معلوم نہیں تھا کہ بارگاہ عالی میں ہمیں فوراً حاضری کا حکم ہو گا۔" سلطان نے ایک لمحہ رک کر درد میں ڈوبی آواز میں کہا --- "ہم زخمی ہیں حاکم شہر۔ دل و دماغ صحیح طور کام نہیں کر رہے۔ ایک ٹیس سی سینے میں اٹھتی ہے۔ تین راتیں ہم نے مسلسل ایک ہی خواب دیکھا اور ہر بار تاجدار حرمؐ نے ہمیں سرزنش کی لیکن ہم خواب کی تعبیر تک نہ پہنچ سکے۔ دمشق کے تمام دانشور اور علما و فضلا خواب کی تعبیر سے قاصر رہے۔ تب ہم خود ہی روضہ مبارکؐ پر حاضر ہو گئے کہ شاید یہاں ہماری رہنمائی کی جائے اور ہم اس فرض کو ادا کر سکیں جس کی طرف خواب میں بار بار اشارہ کیا گیا تھا۔"

شیخ الحرم اور حاکم شہر دونوں کو وہ خواب سننے کا اشتیاق ہوا جس کی تعبیر کے لئے وقت

Marfat.com

کا سب سے بڑا سلطان اور مجاہد' دمشق سے مدینہ تک افتاں اور خیزاں آیا ہے۔ حاکم شہر نے ادب سے عرض کیا۔ "اے عالی مقام سلطان اگرچہ ہماری عقلیں دمشق کے دانشوروں سے زیادہ تیز نہیں لیکن آپ کے خواب کا تعلق مزار اقدس میں یا صاحب مزار سرکار مدینہؐ سے معلوم ہوتا ہے اس لئے ہم ناقص عقل والوں کو اپنے خواب میں شریک فرمایئے شاید اس زمین کی برکت سے عقدہ حل ہو جائے اور آپ کا اضطراب ختم ہو۔"

سلطان نے خواب دہرانا شروع کیا۔ "یہ خواب مجھے متواتر تین راتیں نظر آیا اور اس کے نظر آنے کا وقت اندازاً" نصف شب کے بعد کا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں سرکار دو عالمؐ کے سامنے کھڑا ہوں اور حضورؐ پاک ایک طرف اشارہ کر کے جیسے فرما رہے ہوں۔

"دیکھ نور الدین مجھے یہ دو کتے ستا رہے ہیں۔"

میں نے نظریں گھمائیں۔ دونوں فرنگی اسی جگہ تسبیح ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ میں چیخ مار کے اٹھ بیٹھا اور صبح تک درود پڑھتا رہا مگر چین کسی صورت نہ آ رہا تھا۔ صبح کو پھر خیرات اور صدقات کا بازار گرم ہوا۔ میں نے خواب کی تعبیر بتانے والے کو منہ مانگے انعام کا اعلان کرا دیا تھا۔ ادھر خیرات تقسیم ہوتی رہی اور ادھر مختلف دانشور اور نجومی خواب کی تعبیر بیان کرتے رہے لیکن کوئی مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ دن تمام ہوا اور رات آئی تو جیسے میرے سر پر پہاڑ آ گیا۔ اہل خانہ اور محلات شاہی کی تمام بیگمات درود و سلام میں مشغول دعا مانگ رہی تھیں لیکن میں تھا کہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اسی طرح درود پڑھتے نصف شب گزری اور نہ جانے کب مجھ پر غنودگی طاری ہوئی اور میں سو گیا۔ پھر نظروں کے سامنے وہی خواب تھا۔ حضورؐ ان دونوں فرنگیوں کی طرف اطارہ کر کے جیسے فرما رہے تھے۔

"دیکھتے ہو نور الدین ۔ مجھے یہ دونوں ستا رہے ہیں۔"

یہ حضور صلی وسلم کی تیسری سرزنش تھی۔ مجھ پر دہشت طاری ہوئی اور میں گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر یہی عقل میں آیا کہ روضہ رسولؐ پر حاضری دوں اور وہاں سے رہنمائی حاصل کروں۔ اسی لئے صرف بیس سواروں کے ساتھ ہم مدینہ چل پڑے۔ ہمارا خیال کہ مسجد نبوی یا حرم مبارک میں ضرور کچھ لوگ بے ادبی کر رہے جس سے حضورؐ اقدس کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔"

حاکم شہر اور شیخ الحرم سر جھکائے غور سے سلطان کی باتیں سن رہے تھے۔ شیخ الحرم نے سلطان کو مطمئن کر دیا تھا کہ مسجد نبوی یا روضہ اقدس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں اور نہ کوئی ایسی بے چینی پائی جاتی ہے جس سے کسی گڑ بڑ کا امکان ہو سکے۔

Marfat.com

حاکم شہر نے بھی کچھ اسی قسم کا جواب دیا۔ "اے عالی مقام سلطان۔ شہر مدینہ کی ذمہ داری میرے سپرد ہے۔ میرے کارندے مسجد نبوی اور روضہ مبارک کے گرد رات دن چکر لگاتے اور مشکوک لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ شہر کے تمام راستوں پر پہرہ ہے اور ہر آنے والے پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ کسی پر ذرا بھی شبہ ہوتا ہے تو اس سے اچھی طرح پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود حضورؐ کا متواتر تین راتیں آپ کے خواب میں آنا اور تشویش کا اظہار کرنا ضرور کوئی معنی رکھتا ہے۔ ہمارے انتظامات میں ضرور کوئی ایسا نقص ہے جو سرور کائنات کی روح مبارک کی بے آرامی کا سبب بنا ہوا ہے۔"

"ہمارا بھی بالکل یہی خیال ہے۔" سلطان نے تائید کی ـــــ "ہمارا تو یہ بھی خیال ہے کہ ہمیں مدینہ محض اس وجہ سے بھیجا گیا ہے کہ ہم خود اس امر کی تحقیق کریں کہ کہیں دشمنانان اسلام کوئی جال تو نہیں بن رہے ہیں۔"

"عالیجاہ۔ ایک بات میرے دماغ میں آئی ہے" حاکم شہر چونک کے بولا۔

سلطان کو تو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی خواہش تھی۔ وہ اور زیادہ مشتاق ہو گیا۔ "کیا بات تمہارے ذہن میں آئی ہے۔ جلدی بتاؤ۔"

"جہاں پناہ۔ کیا آپ ان دونوں فرنگیوں کو شناخت فرمالیں گے جن کی طرف حضور صلی وسلم نے خواب میں آپ متوجہ کیا تھا۔" حاکم شہر نے سوال کیا۔

اور سلطان نے فوراً جواب دیا "حاکم شہر فرنگیوں کی وہ شکلیں ہماری نظروں میں ہیں ان مردودوں کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ ان کی تلاش میں ہی ہم یہاں آتے ہیں۔"

شہر کو توال نے کہا "عالیجاہ اگر وہ دونوں اس شہر میں موجود ہیں پھر تو آپ کی نظروں سے نہیں بچ سکتے۔"

سلطان نے حیرانی سے دریافت کیا "مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ اتنے بڑے شہر کے تمام لوگوں کو تم ہمارے سامنے کیسے پیش کرو گے اور ہم انہیں کیسے تلاش کر سکیں گے۔"

"عالیجاہ۔ آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" حاکم شہر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں ابھی پورے شہر میں اعلان کرائے دیتا ہوں کہ حضرت والد شاہ سلطان دمشق نور الدین زنگی آج بعد نماز ظہر اہل شہر کو دیدار عام دیں گے۔ اس لئے ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ مسجد نبوی کے سامنے سے ایک ایک کر کے گزرے اور سلطان کے دیدار سے مستفیض ہو۔"

سلطان نے شبہ ظاہر کیا۔ "اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہر شخص مسجد کے سامنے سے گزرے گا ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی دیدار کے لئے نہ آئیں اور کہیں چھپ کے بیٹھ جائیں۔"

Marfat.com

"عالیجاہ۔ اطمینان رکھئے وہ اگر مدینہ میں موجود ہیں تو انہیں یہاں آنا ہو گا۔" حاکم شہر نے بڑے اطمینان سے کہا" میں حاکم شہر ہوں عالیجاہ میرے آدمی ہر محلے میں پھیل جائیں گے اور دیکھیں گے کہ کوئی کسی گھر میں باقی نہ رہ جائے۔ مزید احتیاط کے لئے ہر محلے کے ناظم کو عالیجاہ۔ کے برابر بٹھا دیا جائے گا جو اس بات پر نظر رکھے گا کہ محلے کا کوئی شخص یہاں آنے سے باقی نہ رہے۔"

سلطان نے حاکم شہر کے اس خیال کی تائید کی۔ یہ ٹھیک ہے تمہارے اس انتظام سے شہر کے تمام لوگ ہماری نظر سے گزر جائیں گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ موصل کے امیر عمادالدین زنگی نے اسلام کا پرچم اٹھا کر صلیبوں کو ایسی مار ماری تھی کہ ایشیا سے یورپ تک زلزلہ آگیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے جب امیر عماد الدین زنگی کو اس کے غلاموں نے سوتے میں شہید کر دیا تو عیسائی بستیوں میں گھی کے چراغ جلے۔ انطاکیہ۔ طرابلس۔ یروشلم اور یورپ کے تمام ملکوں میں خوشیاں منائی گئیں۔ عیسائی شاعروں نے امیر مرحوم کی ہجو لکھیں اور خوب خوب اس مرد مجاہد کا مذاق اڑایا۔ مگر ان کی تمام خوشیاں اس وقت ختم ہو گئیں جب عمادالدین زنگی کا بیٹا نور الدین زنگی اور زیادہ زور و شور اور طنطنے کے ساتھ عیسائیوں کے خلاف صف آرا ہوا اور اس نے عیسائیوں کو متواتر شکستیں دیں۔

پھر جب نور الدین زنگی نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور نئی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو عیسائیوں نے ایک خفیہ مجلس میں یہ طے کیا کہ اگر مسلمانوں کے نبیؐ کا جسد پاک مدینہ کے روضہ سے نکال کر اسے برباد کر دیا جائے تو مسلمانوں کا جوش و جذبہ ختم ہو جائے گا اور وہ میدان جنگ میں اتنی بہادری سے نہ لڑ سکیں گے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے نبیؐ نے جو حیات بعد الموت کو اسلام کا خیر بتایا ہے وہ عقیدہ بھی کمزور پڑ جائے گا۔ اس خفیہ مجلس میں یورپ وہ تمام بادشاہ امیر اور نائٹ شریک ہوئے جو مسلمانوں سے کسی نہ کسی میدان میں شکست کھا چکے تھے۔

میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے مکاری اور چالبازی کا جال بچھایا۔ ان کی مجلس نے دو ایسے عیسائیوں کا انتخاب کیا جو عمر رسید ہونے کے ساتھ ساتھ عربوں کی شباہت کے تھے۔ ان کی سفید داڑھیوں پر بزرگی کا شبہ ہوتا تھا۔ عربی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا اور اسلامی تاریخ' فقہ اور عرب تمدن سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں مغربی حاجیوں کا لباس پہنایا گیا اور بہت سازو سامان اور نقد رقم دے کر مدینہ بھیجا گیا۔ یہ دونوں پیر فرتوت حاجیوں کے لباس میں مسجد نبوی پہنچے اور مسلمانوں کی عبادت و ریاضت میں

Marfat.com

مصروف ہو گئے۔ ظاہری اطوار سے وہ نہایت متقی اور پرہیز گار دکھائی دیتے تھے عبادت بھی اس قدر انہماک سے کرتے کہ لوگ آہستہ آہستہ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔

کچھ دن انہوں نے یہی ڈھونگ رچائے رکھاعبادت سے فارغ ہوتے تو بقیع' قبا اور دوسری زیارت گاہوں میں پہنچ جاتے اور اپنی مشکیں بھر بھر کے لوگوں کو پانی پلاتے۔ اپنی عبادت اور ریاضت کا اثر ڈالنے کے علاوہ وہ مساکین اور خادمان حرم کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے اور چونکہ انہوں نے اس مدد کا کسی سے کوئی صلہ طلب نہ کیا تھا یا ان سے جائز ناجائز کام لیا تھا۔ اس لئے ان کے تمام کام ان کی ریاضت اور دینداری کے کھاتے میں پڑتے رہے۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ حرم اور مسجد نبوی کے معتمدین میں شامل ہو گئے۔

اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے حرم نبوی کے جنوبی سمت دیوار کے ساتھ ہی ایک مکان کرایہ پر حاصل کر لیا اور اب ان دونوں نے اپنے فاسد اور شیطانی ارادوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ ان بدذاتوں کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اپنے کرایہ کے گھر کے اندر سے دیوار کے نیچے سے ہو کر ایک سرنگ بنائیں جو حضور صلی و سلم کے روضہ تک پہنچے وہ دن بھر تو مشکیں بھر بھر کے زیارت گاہوں پر آنے والوں کو پانی پلاتے اور اپنی دیانتداری کا سکہ جماتے اور رات ہوتے ہی سرنگ کھودنا شروع کر دیتے۔ سرنگ سے جو مٹی نکلتی اسے رات ہی میں مشکوں میں بھر لیتے اور صبح کے دھندلکے میں بقیع میں جا کر پھینک آتے پھر مشک میں پانی بھرتے اور زیارت گاہوں کا رخ کرتے وہ بقیع قبا اور احد تک پانی پلاتے پھرتے۔ ان کی اس مشقت اور ریاضت کو دیکھ کے لوگ ان کی تعریف کرتے تو وہ دونوں مسکیں صورت بنا کر کہتے۔

"ہم دونوں اپنے دور دراز ملکوں سے محض اس وجہ سے یہاں آئے ہیں کہ جوار رسول' میں رہ کر عبادت و ریاضت اور اطاعت الٰہی میں زندگی بسر کریں۔"

مدینہ کے لوگ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ زہد و تقوی کے یہ پیکر فرشتہ صورت بوڑھے جو تمام دن مشکیں بھرتے زیارت گاہوں میں پیاسے زاہرین کی پیاس بجھاتے اور رات بھر عبادت الٰہی میں بسر کرتے ہیں ان کے دل میں بھی شیطان بھرا ہوا ہے مدینہ والوں کو اس کی خبری نہ تھی کہ یہ غیر ملکی دونوں بوڑھے دراصل شیطان کے چیلے ہیں اور ان کی عبادت و ریاضت اور مشکوں میں پانی بھر بھر کے زائرین کو پانی پلانے کا عمل محض ایک فریب ہے یہ تو حضور' کے جسد خاکی کو منتقل کرنے کے لئے رات بھر سرنگ کھودنے میں لگے رہتے ہیں۔ مدینہ والوں کا تو ان پر روز بروز اعتبار بڑھتا جا رہا تھا اور وہ انہیں فرشتوں سے تشبیہ دینے لگے تھے۔

Marfat.com

مدینہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ آسمان پر خدا اور مدینہ میں حضورؐ کی روح اس خوفناک اور روح فرسا منظر کو دیکھ رہے تھے۔ مدینہ والوں کو تو کچھ پتہ نہ چلا مگر حضورؐ نے سلطان دمشق محمد نور الدین زنگی کو بشارت دے کر اسے اس قدر بے چین کیا کہ وہ صرف بیس سواروں کے ساتھ منزل' دو منزل اور سہ منزل کرتا مدینہ پہنچ گیا۔

اب ہم پھر اپنی اصل کہانی کی طرف واپس آتے ہیں۔ سلطان نورالدین زنگی نے حاکم شہر کی رائے سے اتفاق کیا۔ ادھر شہر میں اعلان ہوا اور ادھر مسجد نبوی کے ایک جھروکے میں سلطان کو بٹھا دیا گیا۔ سلطان کے شوق دید میں مدینہ کی پوری آبادی مسجد نبوی کے سامنے جمع ہو کے اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔ حاکم شہر نے پہلے ہی حکم جاری کر دیا تھا کہ لوگوں کو قطار میں کھڑا کیا جائے اور انہیں باری باری جھروکے کے سامنے سے گزارا جائے اس طرح اہل شہر سلطان کا دیدار کرتے ایک طرف آتے اور جھروکے پر نظر ڈالتے دوسری طرف نکل جاتے۔ سلطان کو پورا وقت مہیا کیا گیا تھا تاکہ وہ ہر گزرنے والے کے خدو خال اچھی طرح دیکھ سکے۔

حاکم شہر نے باہر ہی یہ انتظام کر دیا تھا کہ ہر محلے میں رہنے والوں کی فہرست موجود رہے اور جس محلّہ کا جو آدمی دیدار کے لئے آگے بڑھتا اس کا نام فہرست سے کاٹ دیا جاتا یہ سلسلہ شام تک جاری رہا لیکن سلطان کو وہ دو کتے نظر نہ آئے جن کی نشان دہی حضور صلی وسلم نے کی تھی۔ دیکھنے والوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور حاکم شہر جو باہر کے انتظام پر باہر تھا وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

سلطان نے حاکم شہر کے سوال کرنے سے پہلے ہی بڑے تاسف سے کہا"افسوس کا مقام ہے وہ دونوں مردود ہیں نظر نہیں آئے اور تمہاری ایک اہم تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔"

حاکم شہر شرمندہ ہو رہا تھا "عالیجاہ ۔ اس سے بہتر تو کوئی اور تدبیر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میرا خیال ہے شاید وہ دونوں مطلوبہ اشخاص مدینہ میں مقیم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ باہر سے آکر کوئی حرکت کرتے ہوں پھر واپس چلے جاتے ہوں۔"

سلطان کسی فکر میں تھا۔ سر اٹھا کے بولا"کیا تمہیں یقین ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ ہمارے سامنے سے گزرا ہے۔"

"یقین یہی ہے عالیجاہ ۔" حاکم شہر نے کہا"میں احتیاط کے طور پر شمار کنندہ مقرر کئے تھے وہ ابھی فہرستیں پیش کریں گے۔ ان فہرستوں سے معلوم ہو جائے گا کہ کس محلے کا کون شخص یہاں نہیں پہنچ سکا اور اس کے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟"

اسی وقت ایک شخص تمام فہرستیں لے کر حاضر ہوا۔ حاکم شہر نے ہر محلے کی فہرست کو

Marfat.com

شروع سے آخر تک ملاحظہ کیا۔ تمام فہرستیں مکمل تھیں ہر آدمی کے نام کے سامنے نشان تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دیدار کے لئے حاضر ہوا تھا۔ صرف ایک فہرست ایسی تھی جس میں دو آدمیوں کے سامنے کوئی نشان نہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دو آدمیوں دیدار کے لئے حاضر نہیں ہوئے تھے حاکم شہر نے یہ فہرست الگ رکھ لی اور باقی فہرستیں ایک ایک کر کے سلطان کے سامنے پیش کرنا شروع کیں۔

"ملاحظہ فرمایئے سلطان معظم ۔" حاکم شہر نے ایک فہرست سلطان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ اس فہرست کے ہر آدمی کے نام کے سامنے نشان لگا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس محلے کے تمام آدمی دیدار کے لئے آئے تھے۔

سلطان نے فہرست اپنے ہاتھ میں لے کے جلدی جلدی اس پر نظر ڈالی۔ تمام ناموں کے سامنے نشان لگا تھا۔ اس طرح دوسری تیسری یہاں تک کہ تمام فہرستیں سلطان کے ملاحظہ سے گزریں۔ان سب پر ناموں کے سامنے نشان لگے تھے۔ سلطان نے یہ محسوس کیا تھا کہ حاکم شہر نے ایک فہرست نکال کے الگ رکھ لی تھی۔ وہ فہرست سلطان کی نظر میں تھی۔

"شاید ایک فہرست ابھی دیکھنے سے رہ گئی ہے ۔"سلطان نے جیسے حاکم شہر کو یاد دہانی کرائی "جی عالی جاہ۔ آپ نے بالکل درست فرمایا" حاکم شہر نے ادب سے کہا اس فہرست میں دو آدمیوں کی غیر حاضری ہے میں نے فہرست کو اس لئے الگ رکھ لیا تھا کہ ان دونوں غیر حاضروں کی میں اپنے قلم سے حاضری لگاؤں گا کیونکہ نہ صرف میں بلکہ ان کی بزرگی زہد و تقوی اور عبادت وریاضت کا پورا مدینہ شاہد ہے یہ دونوں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کے اپنی اپنی مشکیں سنبھالتے ہیں اور بقیع اور قبا کی طرف نکل جاتے ہیں ان مشکوں میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ اللہ والے ان مقامات پر آنے والے زائرین کو پانی پلاتے ہیں وقت ملتا ہے تو پھر مزارات پر جاروب کشی کرتے ہیں اس طرح ان کا سارا دن گزر جاتا ہے پھر یہ شام کو واپس آتے ہیں مغرب اور عشاء کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کے اپنے گھر کو واپس جاتے ہیں۔

"حاکم شہر۔"سلطان نے شاہانہ انداز میں کہا۔ تمہاری اس طویل تمہید سے ہم یہ نتیجہ نکالا کہ دو ہستیاں جو تمہارے خیال میں بہت زیادہ قابل احترام اور بزرگ ہیں یہ ہمارے دیدار کو نہیں آئیں ہم نے نصف دن جھروکے میں بیٹھ کے لوگوں کے چہرے دیکھے اور انہیں اپنا چہرہ دکھایا کیا مدینہ کے کسی شخص نے انہیں نہیں جتایا کہ سلطان دمشق جھروکہ میں بیٹھا دیدار عام دے رہا ہے ایسے بے نیاز انسانوں کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں انہیں اس وقت بے عذر حاضر کیا جائے خبردار اس حکم کی قطعی خلاف ورزی نہ ہو اگر وہ دونوں

Marfat.com

اشخاص کسی طرح مدینہ سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے تم ذمہ دار ہو گے۔
یہ کہہ کے سلطان نے حاکم شہر کی طرف سے منہ گھما لیا جس کا مطلب تھا کہ اسے مزید بولنے کی ضرورت نہیں اور یہ کہ وہ حکم کی تعمیل کے روانہ ہو جائے۔
حاکم شہر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ اپنی کارگزاری پر خوش ہو رہا تھا لیکن اب وہ خود مصیبت میں پھنس گیا تھا اس کے ساتھ جتنے سپاہی اور ہرکارے تھے انہیں لے کر اس نے وہ گھر گھیر لیا جس میں دونوں بظاہر بزرگ اور بہ باطن شیطان رہا کرتے تھے ان کا گھر تو مسجد نبوی کی دیوار کے برابر ہی دوسری جانب تھا۔ گھر گھیرنے کے بعد حاکم شہر نے گھر کے اندر قدم رکھا۔ ان دونوں کو گھر میں دیکھ کے حاکم شہر کی جان میں جان آئی۔ اس کے ساتھ ہی اس پر دونوں بزرگوں کی عبادت ریاضت کا رعب طاری ہو گیا۔
"ان میں سے ایک نے حاکم شہر کو اندر آتے دیکھ کر کہا رہے نصیب حاکم شہر ہم غریبوں کے گھر تشریف لائے۔"
دوسرے نے فوراً ایک پرانی سی چٹائی بچھا دی۔ "تشریف رکھیئے اس گھر میں سوائے اس چٹائی کے اور کوئی چیز لیٹنے بیٹھنے کے لئے نہیں ہے جب رات کو عبادت کرتے کرتے نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو ہم دونوں اس چٹائی پر سکون قلب کے ساتھ آڑے ترچھے لیٹ جاتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں مسجد نبوی کے ساتھ لیٹنے کی عزت عطا فرمائی۔"

حاکم وقت کا دل ان کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا تھا اس نے عاجزی سے کہا" آج آپ شاید اپنے کام میں بہت معروف رہے کل سے سلطان دمشق نور الدین زنگی یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اہل شہر کے اصرار پر آج انہوں نے مسجد نبوی کے جھروکے سے لوگوں کو دیدار کرایا تھا آپ مجھے نظر نہیں آئے تھے اس لئے میں آپ کی خریت دریافت کرنے حاضر ہوا ہوں۔"
سلطان دمشق کا نام سنتے ہی انہیں بخار چڑھ گیا تھا۔ ایک نے لڑکھڑاتے لہجے میں پوچھا"سلطان کب واپس جائیں گے۔"
"آپ شاید سلطان کا دیدار کرنا چاہتے ہیں۔ حاکم شہر باوجود ان سے مرعوب ہونے کے اپنا فرض نہ بھولا تھا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلئے سلطان بھی آپ جیسی بزرگ ہستیوں سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔"
"ہماری بوڑھی ہڈیوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو حاکم شہر۔" دوسرے نے دخل دیا۔" ہم تو عام مسلمانوں کے خادم ہیں بادشاہوں سے ہم نہیں ملنا چاہتے تم کوئی بہانہ کر دینا۔"

Marfat.com

"آپ ٹھیک فرما رہے ہیں ۔" حاکم شہر نے نرمی سے کہا۔ "لیکن اس وقت تو آپ تکلیف کرنا ہی پڑے گی سلطان ملاقات کے لئے بے چین ہیں۔"

دونوں نے دیکھا کہ اب بغیر جائے اور کوئی چارہ نہیں اس لئے بے جھجک ان کے ساتھ ہو لئے انہیں امید تھی کہ اگر سلطان نے کوئی غلط بات کی تو پورا شہر مدینہ ان کا ساتھ دے گا۔ چند لمحوں میں حاکم شہر دونوں کو لے کر مسجد نبوی میں پہنچ گیا اس وقت مغرب کی نماز ہو چکی تھی اور لوگ نماز پڑھ کے اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ مسجد کے صدر دروازے پر ایک قندیل نما شمع جل رہی تھی جسے تیز روشنی پھیل رہی تھی۔ سلطان کی نظریں دروازے پر لگی تھیں جیسے یہ دونوں حاکم شہر کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے سلطان گھبرا کے کھڑا ہو گیا اور خود اس جگہ پہنچ گیا جہاں حاکم شہر اور وہ دونوں آکے کھڑے ہوئے تھے۔

سلطان نے حاکم شہر کو اشارہ سے قریب بلایا اور سرگوشیوں میں کہا "ان دونوں کو سخت پہرے میں رکھا جائے اور ہمیں ان کے گھر لے جایا جائے ۔"

حاکم شہر نے فورا تعمیل کیا۔ دونوں بوڑھوں کو ساتھ لے کر نکلا اور ایک مکان میں پہنچ کے ایک کمرے کو اچھی طرح دیکھا بھالا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ دونوں اس کمرے میں نکل بھاگیں جب اسے ہر طرح اطمینان ہو گیا تو مکان کے دروازے پر آیا جہاں دونوں بوڑھوں کو سپاہیوں کے پہرے میں کھڑا کر گیا تھا پتہ نہیں بوڑھوں کو کچھ شبہ ہوا تھا کہ نہیں لیکن ان کے چہروں سے کچھ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا۔

حاکم شہر نے مہذب طریقے سے کہا "آپ اس مکان میں تشریف رکھئے سلطان کچھ مصروف ہو گئے ہیں فارغ ہوتے ہی آپ سے ملاقات کریں گے۔"

ان میں سے ایک نے جواب دیا "اگر اجازت ہو تو میرا اپنا گھر بند کر آئیں پھر یہاں اطمینان سے بیٹھ کر سلطان کی طلبی کا انتظار کریں ۔"

"آپ دونوں متقی پرہیز گار لوگ ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے مکان میں کوئی ایسی قیمتی چیز ہے جسے چور اٹھالے جائیں گے ۔" حاکم شہر نے ذرا تلخ لہجے میں کہا "آپ کو شائد علم نہیں کہ یہ نبیؐ کا شہر ہے اور یہاں چور گھروں میں نہیں گھسا کرتے۔"

دوسرے بوڑھے نے فورا بات سنبھالی "ہمارے گھر میں قیمتی چیز کیا ہو سکتی ہے مہربان چور بھی یقیناً اس سرزمین پر نہیں ہوتے یونہی خیال ہوا کہ کوئی لفنگا اندر گھس کے مصلی وغیرہ ناپاک نہ کر دے اسی لئے میرے ساتھی نے کہا تھا۔"

حاکم شہر نے اسے کوئی جواب نہ دیا اس نے ساتھیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ ان دونوں کو کسی صورت میں بھی کمرے سے نہ نکلنے دیں ورنہ سلطان دمشق سب کو سولی پر

Marfat.com

پڑھا دے گا انہیں ہدایات دینے کے بعد حاکم شہر واپس ہوا سپاہیوں نے کمرے کے گرد مناسب جگہوں پر اپنا اپنا اشارہ کر کے فرمایا تھا۔

"نور الدین دیکھنا نہیں مجھے یہ دو کتے ستا رہے ہیں۔"

حاکم شہر کو سلطان نے پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا اس نے کہا "عالیجاہ ہمارے دشمن بھی کس قدر خطرناک ہیں کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ ان فرشتہ صورت بوڑھوں کے دل میں شیطان گھسا ہوا ہے"۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ مکان دور ہی کتنا تھا۔ صرف ایک دیوار بیچ میں تھی مکان کھلا ہوا تھا۔ یہ دونوں چار سپاہیوں کے ساتھ مکان کے اندر گئے پرانا بنا ہوا مکان مگر بہت صاف ستھرا تھا۔ صرف دو کمرے تھے۔ ایک کمرے میں چٹائی بچھی تھی اور دوسرے کمرے ایک کوئی قہوہ بنانے اور کھانا پکانے کے معمولی برتن تھے صحن میں مٹی کے دو لوٹے (ھنیاں) رکھے تھے کھانے کے برتن بھی مٹی ہی کے تھے سلطان نے دونوں کمروں اور صحن نے چار چکر لگائے دیواروں کو ہاتھ سے ٹھوک ٹھوک کے دیکھا مگر شبہ کی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ صحن بھی صاف شفاف پڑا تھا اور کمرے بھی کافی دیر ہو گئی مگر انہیں کچھ نظر نہ آیا سلطان پریشان ہونے لگا۔ صورت تو ان دونوں کی بالکل وہی تھی مگر ان سے بے ادبی کا کون سا فعل سرزد ہو رہا تھا۔ یہ عقدہ کسی طرح نہ کھلتا تھا۔

جس میں کھانا وغیرہ پکایا جاتا تھا وہاں ایک طرف مٹی کے برتن اور چار اینٹیں رکھی تھیں۔ اینٹیں تلے اوپر رکھنے کے بجائے برابر بچھا کہ چوکا سا بنایا گیا تھا سلطان ہر چیز مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے حاکم شہر کو اینٹیں اٹھانے کا اشارہ کیا حاکم وقت نے تعمیل حکم میں جلدی سے دو اینٹیں اوپر اٹھائیں لیکن گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے ایک اینٹ فرش پر گری اس کے گرنے سے ہلکے دھماکے کی آواز پیدا ہوئی جسے سن کر سلطان چونک پڑا۔ اس نے زمین پر زور سے پیر مارا تو "دھم" کی آواز آئی۔

"فرش نیچے سے خالی ہے۔" بے ساختہ سلطان کے منہ سے نکلا۔

حاکم شہر اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

سلطان نے خود جھک کر باقی دونوں اینٹوں کو اٹھایا اور فرش اور دیوار کے کونے کو انگلیوں سے ٹٹولا سلطان کی انگلی ایک کڑے سے ٹکرائی۔ اس نے کڑا کھینچا تو فرش کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ ہٹ کے الگ ہو گیا سلطان نے حاکم شہر کے ہاتھ سے شمع لے کر خالی جگہ میں دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ ایک سرنگ ہے سلطان نے حکم دیا کہ دو سپاہیوں کو اندر بلایا جائے وہ اپنے ساتھ بڑی بڑی شمعیں بھی لائیں سپاہی شمعیں لے کر حاضر ہوئے

Marfat.com

سلطان نے انہیں سرنگ میں اترنے کا حکم دیا۔

دونوں سپاہی شمعیں ہاتھ میں لئے بسم اللہ کہہ کر سرنگ میں اتر گئے" سلطان سرنگ جھکا اندر جھانک رہا تھا اور حاکم شہر منہ کھولے کھڑا تھا تھوڑی دیر بعد دونوں سپاہی واپس گئے ۔"

ایک نے عرض "عالیجاہ۔ سرنگ بالکل نئی کھدی ہے فرش کی زمین اب تک نم ہے۔ دوسرے نے مزید تفصیل بتائی" سلطان معظم سرنگ کی لمبائی دس فیٹ کے قریب چوڑائی اونچائی اتنی ہے دو آدمی برابر چل سکتے ہیں سرنگ ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کھودی جائے گی ۔"

سلطان سب کو لے کے مسجد نبوی میں شیخ الحرم کے حجرے پر آیا اور حکم دیا کہ بوڑھوں کو حاضر کیا جائے حاکم شہر انہیں لینے گیا پہریداروں نے بتایا کہ بوڑھوں نے انہیں بہت لالچ دیا اور کئی قیمتی ہیرے بھی پیش کئے مگر انہوں نے اسے کمرے سے نہیں نکلنے دیا بوڑھوں کو کمرے سے نکال کے ان کے ہاتھ باندھے گئے اور اسی طرح وہ سلطان نور الدین زنگی کے سامنے پیش کئے گئے۔

سلطان نے غصہ ضبط کرتے ہوئے فرمایا"سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہ سرنگ کیوں کھود رہے تھے ۔" دونوں پر لرزہ طاری تھا وہ دونوں گھٹنوں کے بل جھک گئے اور گڑ گڑائے" اے سلطان دوراں ہمیں معاف کر دیئے ہماری حکومت نے ہمیں یہاں اس لئے بھیجا تھا کہ ہم رسولؐ عربی کی لاش مبارک کو یہاں سے نکال کر روم لے جائیں تاکہ مسلمانوں کا عقیدہ حیات بعد الممات غلط ثابت ہو جائے اور ان کا جوش و جذبہ سرد پڑ جائے۔"

کہتے ہیں یہ خبر مدینہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس نے سنا انگشت بدندان رہ گیا انہیں بڑی مشکل سے یقین آیا کہ وہ نورانی چہرے والے عابد و زاہد مکار اور شیطان کے چیلے ہیں ہر ایک انہیں دیکھنے کے لئے مسجد نبوی کی طرف دوڑے دم کے دم میں ہزاروں کا مجمع ہو گیا انہیں جو دیکھتا لعنت بھیجتا عوام مطالبہ کر رہے تھے کہ ان دونوں کو ان کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ انہیں اذیت دے دے کر ختم کریں۔

آخر سلطان نے حکم دیا"دونوں مردودوں کو حجرہ شریف کی دیوار کی دوسری طرف جہاں تک یہ سرنگ کھود چکے ہیں وہاں انہیں قتل کیا جائے۔"

سپاہی انہیں پکڑ کے دیوار کی دوسری طرف لے گئے اور تقریباً مدینہ کی تمام آبادی کی موجودگی میں ان ناہنجاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

Marfat.com

سلطان نے خود بھی ان کے قتل کا منظر دیکھا پھر اس نے سجدہ شکر ادا کیا کہ اس نے اس نیک کام کے اسے منتخب کیا حضور صلی وسم کی سلطان نور الدین زنگی پر بڑی کرم نوازی تھی انہوں نے مدینہ سے ہزاروں میل دور کے ایک مسلم سلطان کو اس نیک کام کے بلوایا اور اس کے ہاتھوں یہ کام انجام پایا ورنہ حضورؐ اگر چاہتے تو وہ مدینہ کے کسی عام آدمی کو بشارت دے ان شیطانوں کو کیفر کردار تک پہنچوا سکتے تھے۔

اس واقعہ سے سلطان کے ذہن میں یہ بات بھی آئی کہ ہو سکتا کہ کسی عیسائی یا یہودی سلطنت کو پھر یہ حرکت کرنے کا خیال آئے اس کی پیش بندی کے لئے سلطان نے حجرہ شریف کی دیواروں کو ہر طرف سے کھودا کر اس میں سیسہ پلوا دیا تاکہ آئندہ کوئی اس بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ یہ سیسہ پلائی دیوار آج بھی روضہ اقدس میں موجود ہے سلطان کو حضور مقبول صلی وسلم کے حکم کے تعمیل میں سرخروئی حاصل ہوئی تھی اس لئے اس نے غربا و مساکین میں خیرات تقسیم کرائی اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا دمشق واپس آ گیا۔

اقتدار کی ہوس نے ملک شاور کو اپنے اہل خانہ سے تقریبا بیگانہ کر دیا تھا پچھلے دنوں جب وہ صعیدہ آیا تھا جب اس کا سامنا عامر غربی سے ہو گیا تھا اس وقت بھی وہ گھر والوں سے ملنے نہیں آیا تھا بلکہ اس کا ارادہ صعیدہ میں ایک زبردست قسم کی فوجی چھاؤنی بنانے کا تھا۔ اس سلسلے میں وہ موقعہ دیکھنے اور ضروری انتظامات کے لئے آیا عامر غربی سے اچانک ملاقات سے اس کا دماغ ایسا اٹھا کہ وہ بیوی بچوں کے پاس چند گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھہر سکا اور فوجی چھاؤنی کا خیال ترک کر کے اسی شب قاہرہ واپس چلا گیا اسکی بیوی کو یہ تو ضرور احساس تھا اس کا شوہر بے انتہا مصروف شخص ہے لیکن بحیثیت بیوی کے ملک شاور پر اس کا بھی کچھ حق تھا اتنے دنوں کے بعد ملک شاور یہاں آیا تھا تو کم از کم ایک شب تو اپنے بیوی بچوں میں گزارتا بلکہ اس نے جو چند گھنٹے حویلی میں گزارے بھی تو بالکل اسی طرح جیسے اسے باندھ کے رکھا گیا ہو۔

ہوس اقتدار کی ہو یا کسی اور چیز کی یہ انسانی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ ملک شاور بھی اس ہوس میں مبتلا ہو کر ہر ایک کو بھول گیا تھا۔ اس نے بعض ایسے سرداروں اور امیروں کو بڑی پوشیدگی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جنہوں نے اس کی وزارت کے لئے بڑے بڑے کام کئے تھے اسی طرح اس کے خاندان کے تمام لوگ ایک ایک کر کے اسے چھوڑ گئے اس کا کوئی عزیز جب کسی اور شہر سے قاہرہ آتا تو اس کی خواہش ہوتی وہ اپنے رشتہ دار ملک شاور سے بھی ملاقات کرے لیکن ملک شاور نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کے کسی بھی عزیز کو دارالوزارت میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ بیوی بچوں کو اس نے

Marfat.com

دارالوزارت میں رہنے کی اجازت ہی نہ دی تھی بلکہ اپنے سے دور ایک حویلی انہیں رہنے کے لئے دلائی تھی۔ اس کا ایک بیٹا وزارت کی جنگ میں مارا چکا تھا ملک شاور نے اس بیٹے کو کبھی یاد نہیں کیا اس کا اثر اس کے باقی دو بیٹوں پر پڑا انہوں نے باپ کی بد مزاجی اور عزیزوں سے بیگانگی دیکھ کر دارالوزارت میں رہنا چھوڑ دیا اور نہ معلوم کدھر گئے تھے عامر غربی کو اگرچہ اس نے بچپن سے پالا تھا لیکن اب سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے عامر کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔

عامر نے سوچ لیا کہ زر تاج کا حاصل کرنا اب جوئے شیر لانے سے کم نہ ہیں اور اس کے لئے اسے مردوں کی طرح جینا اور کچھ کر کے دکھانا ہے صعیدہ سے وہ قاہرہ گیا پھر وہاں سے اسکندریہ پہنچا اسے کسی جگہ سکون نہ مل رہا تھا۔ زر تاج کو بھلانے کی وہ جتنی کوشش کرتا اتنی ہی شدت سے اس کی یاد ستاتی تھی اسکندریہ بھی اس نے چھوڑ دیا اور بلبیس گیا بلبیس سے فسطاط جانے کی سوچ رہا تھا کہ اسے ایک پرانا دوست قاسم الحسن مل گیا وہ قاسم الحسین جو کبھی ملک شاور کے محافظ دستے میں تھا اور جب ملک شاور قاہرہ سے بھاگ کر دمشق گیا تھا تو عامر غربی اور اس کی ملاقات ہوتی تھی۔

دونوں دوست ایک دوسرے سے مل کے بہت خوش ہوئے لیکن دونوں کے حالات ابتر تھے قاسم الحسین کچھ ایسے برے حالوں تھا کہ عامر غربی کو پوچھنا ہی پڑا "خدا خیر کرے میرے دوست پر کیا گزری میرا خیال تھا کہ ملک شاور نے دوبارہ وزیر اعظم ہونے کے بعد تمہیں اپنے عہدے پر بحال کر دیا ہو گا بلکہ کوئی اور بلند مقام بھی دیا ہو گا لیکن اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہاری حالت پہلے سے بھی خراب ہو رہی ہے۔"

قاسم الحسین نے ایک ٹھنڈی سانس لی" یہ سب قسمت کا کھیل ہے عامر صاحب میں نے اپنے ملک شاور کے لئے کتنی دعائیں مانگیں کس کس آستانہ پر ناک نہیں رگڑی لیکن قسمت بری ہو تو اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں میں تو خیر غیر تھا ملک شاور نے جو کچھ میرے ساتھ کیا سو کیا لیکن عامر صاحب تم تو ان کے اپنے تھے کیا انہوں نے تم کو بھی نہیں پوچھا۔؟"

"دوست تم اسے قسمت کا کھیل کہتے ہو لیکن اس سے قسمت کا کوئی دخل نہیں۔" عامر غربی نے تردید کی۔"سوال یہ نہیں کہ تم غیر تھے اور میں رشتہ دار اصل بات تو یہ ہے کہ ملک شاور انتہائی خود غرض انسان ہے وہ اپنی غرض کا بندہ ہے مطلب پڑے تو جوتوں میں بیٹھ جائے اور جب مطلب نکل جائے تو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکتا ہے۔"

"عامر صاحب تم نے ٹھیک کہا۔" قاسم الحسین نے غمگین آواز میں جواب دیا۔"

Marfat.com

مشہور ہے کہ مصیبت انسان کو عقل سکھاتی ہے اور ٹھوکر کھانے کے بعد انسان سنبھل جاتا ہے لیکن ملک شاور کے بارے میں یہ تمام قول غلط ثابت ہو گئے۔ جب شامی فوجوں کی مدد سے ان کا قبضہ قاہرہ پر ہوگیا اور وہ دارالوزارت پہنچ گئے تو میں بھی مبارک باد دینے کے لئے دارالوزارت گیا یقین کرنا عامر صاحب کسی نے مجھے دارالوزارت میں گھسنے ہی نہیں دیا۔ لطف کی بات یہ کہ پہرے پر وہی سپاہی لگے تھے جو ان کے زوال کے وقت پہرہ دے رہے تھے اور جن کے متعلق عام خیال تھا کہ انہوں نے ملک شاور سے غداری کی تھی اور دارالوزارت کی ایک ایک بات ضیرغام کو پہنچاتے تھے۔"

"گھبراؤ نہیں قاسم۔" عامر غربی دلپوری طرح ملک شاور کا مخالف ہو گیا تھا۔"تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ملک شاور نے اپنی مصیبت سے کوئی سبق نہیں لیا دوستوں ہمدردوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر دشمنوں سے ناتا جوڑا ہے یہی دشمن ایک دن پھر اس کے اقتدار کا بیڑہ غرق کریں گے تم دیکھ لینا کہ آج نہیں تو کل مصر میں پھر انقلاب آئے گا۔ ملک شاور نے شیر کوہ کے ساتھ جس بدعہدی کا مظاہرہ کیا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اسے بھول جائے گا وہ سلطان دمشق نور الدین زنگی کا سپہ سالار ہے ملک شاور نے سلطان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مدد کے بدلے میں تمام جنگی اخراجات برداشت کرے گا اور مصر کی ایک تہائی آمدنی بطور خراج دمشق کو ادا کیا کرے گا۔"

"پھر تو یہ سمجھو کہ مصر پر مصیبت آنے ہی والی ہے۔" قاسم الحسین نے سر ہلایا "بادشاہ اپنے نفع نقصان کو کبھی نہیں بھولتے وہ تو ایک ایک پائی کا حساب لیں گے شامی سپہ سالار یہاں سے خالی ہاتھ واپس گیا تو اس سے بھی باز پرس کی ہو گی۔"

عامر نے اسے سمجھایا "سلطان نے واقعات و حالات سنے ضرور ہوں گے لیکن جب انہیں بتایا گیا ہو گا کہ شامی فوجیں جس کی مدد کے لئے مصر گئی تھیں۔ اس نے وزارت پر فائز ہوتے ہی نہ صرف یہ کہ آنکھیں پھیر لیں بلکہ شاہ یروشلم کو بلا کے شامی فوجوں کو محاصرے میں لے لیا۔ وہ تو شامی لشکر کے سپہ سالار اور فوجیوں کی شجاعت تھی کہ وہ تقریباً چار ماہ تک خندقوں میں مورچہ بند رہے اور مصری اور یروشلم کے مشترکہ لشکر ان بال بھی بیکا نہیں کر سکے۔"

قاسم الحسین نے بات کو مختصر کیا "عامر صاحب۔ اب ان گزری باتوں پر لعنت بھیجو۔ آئندہ کیا کرنے کا ارادہ ہے۔"

عامر نے جواب دیا۔ "میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں مردوں کی طرح زندہ رہوں گا۔ بہنوئی کے ساتھ رہ کر میں نے اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگا لیا مرد کے بچے آگے بڑھتے اور میدان

Marfat.com

جنگ میں داد شجاعت دیتے ہیں لیکن میں گھر میں گھسا رہا اور ہر کام کے لئے ملک شاور کا منہ دیکھتا رہا جس کا نتیجہ دیکھ لیا میرا ارادہ ہے کہ میں دمشق چلا جاؤں۔"

"دمشق (خیریت تو ہے وہاں کیا کرو گے؟"۔" قاسم الحسین نے چونک کے بات کاٹی

"میں دمشق میں شاہی فوج میں ملازم ہو جاؤں گا۔" عامر نے بتایا۔

قاسم الحسین نے اندیشہ ظاہر کیا "اگر سلطان دمشق کو معلوم ہو گیا کہ تم اس کے وزیر مصر ملک شاور کے برادر نسبتی ہو جس نے تاج دمشق سے بد عہدی کی ہے تو کیا وہ تمہیں سولی پر نہ چڑھا دے گا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو گا۔" عامر غزنی نے جواب دیا۔ "شاہی سپہ سالار کے سگے بھتیجے صلاح الدین سے میری دوستی ہو گئی تھی میں نے انہیں اپنی داستان غم سنائی تھی۔ انہوں نے خود کہا تھا کہ مرد کی زندگی گزارو اگر چاہو تو دمشق آ جاؤ وہاں تمہیں اچھی ملازمت مل سکتی ہے۔"

"تو پھر فیصلہ ہو گیا عامر صاحب" قاسم الحسین جلدی سے بولا "دونوں دمشق چلتے ہیں وہاں ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

ایک سے بھلے دو عامر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے قاسم الحسین کے خیال کی تائید بھی کی اور تعریف بھی دونوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

Marfat.com

دوسری یلغار

قاسم الحسین اور عامر غربی' بلبیس سے کیا نکلے کہ سر منڈواتے ہی اولے پڑ گئے۔

شمال میں جانے کے لئے بلبیس سے دو راستے نکلتے تھے۔ ایک وہ سیدھا راستہ جو یروشلم ہوتا ہوا دمشق جاتا تھا۔ تجارتی راستہ بھی یہی تھا اور قافلے ادھر ہی سے دمشق جاتے تھے لیکن قاسم الحسین کو الٹی سوجھی۔ اس نے اعلان کردیا۔

"ہم ریگستانی علاقے پار کر کے دمشق جائیں گے"۔

عامر غربی نے وجہ پوچھی تو بڑے جوش سے جواب دیا۔ "عیسائی کافر بچے ہیں' ان کے علاقے سے نہیں جائیں گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ عیسائی مشرک ہیں۔ کافر ہیں"۔ عامر نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ لیکن ریگستانی علاقے سے قافلے نہیں جاتے۔ وہاں ریت کے طوفان اٹھتے ہیں۔ راستہ بھول گئے تو کوئی بتانے والا نہ ہوگا۔ ریت کے جھکڑیوں میں دب کر مرجاؤ گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ مرجائیں گے لیکن کافر کا احسان نہیں لیں گے۔" قاسم الحسین ایسا اڑا کہ زمین ٹلا۔ زماں ٹلا۔ نہ ٹلا گل محمد۔

قاسم الحسین بڑا اڑیل سوار تھا۔ یوں بھی سپاہی کسی بات پر اڑ جائے تو کم از کم اس وقت تو وہ کسی کی نہیں مانتا۔ عامر غربی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی چلنے کا وقت آیا تو عامر غربی نے محبت سے سمجھایا۔ قاسم بھائی ایک قافلہ یروشلم ہوتا ہوا دمشق جا رہا ہے"۔

Marfat.com

قاسم نے بھویں چڑھا کر کہا۔ "جاتا ہے تو جانے دو۔ میں کیا کروں۔؟"

عامر اور نرم ہو گیا۔ "کیوں نہ ہم اس قافلہ میں شامل ہو جائیں آرام سے پہنچ جائیں گے دمشق"

قاسم قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "دمشق جانے کا فیصلہ رات کو ہو چکا ہے مرد اپنی زبان سے نہیں پھرا کرتے۔"

عامر غربی جل گیا۔ "مرد بات نہیں بدلتے لیکن بے وقوف کو اپنی بات ضرور بدلنی پڑتی ہے۔ سیدھے راستے پر چلنا ہے تو چلو ورنہ۔۔۔۔۔۔"

"ورنہ کیا کرو گے؟" قاسم الحسین کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔

عامر مسکرا دیا۔۔۔۔۔ "ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا"۔

"ہونہہ۔ تو یہ بات ہے۔ تم مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر رہے ہو"

"میں درخواست کر رہا ہوں قاسم بھائی"۔

"اگر میں درخواست منظور نہ کروں تو۔۔۔۔۔"

عامر ہنس دیا۔۔۔۔ "بحث ختم ہو گئی۔ تم اپنا ارادہ بدل نہیں سکتے اور میں بلا وجہ موت کو دعوت نہیں دے سکتا۔ ہمارے راستے الگ الگ ہو گئے۔ تم ریگستان کے راستے سے آنا میں یروشلم ہوتا دمشق پہنچ رہا ہوں۔"

"عامر صاحب" ۔۔۔۔۔۔ قاسم الحسن نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "میں تمہارے ساتھ بھی چل سکتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ جانے میں مجھے سبکی محسوس ہو گی کیونکہ مجھے تمہاری خاطر اپنی بات بدلنا پڑے گی۔"

"نادان قاسم الحسن" عامر غربی چڑ گیا تمہاری ناکامی کی وجہ تو یہ ہے کہ تم انتہائی ضدی اور اڑیل ہو اور ظاہر ہے ایسے آدمیوں کی زندگی ناکام رہتی ہے۔"

"اور تم کیوں ناکام ہو عامر صاحب۔ "قاسم الحسین نے فوراً بدلہ لیا۔

"یہ بات بھی سوچنے کی ہے" عامر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہم دونوں کی زندگیاں ناکام ہیں۔ پھر لطف یہ کہ ہم دونوں ہی ایک شخص کو الزام دیتے ہیں جو میرا برادر نسبتی اور تمہارا آقا ہے تمہاری ناکامی کی وجہ تمہاری ضدی طبیعت ہے لیکن مجھ میں بظاہر یہ عادت یا کمی یا برائی نہیں۔ میں دشمن سے بھی سمجھوتہ کر لیتا ہوں"۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو عامر صاحب"۔ قاسم الحسین نے بھرپور طنز کیا۔ "دشمنوں سے سمجھوتہ کر لیتے ہو لیکن ایک ذرا سی بات پر میرا ساتھ چھوڑنے پر تیار ہو گئے"۔

عامر بوکھلا گیا قاسم الحسین نے اس وقت ایسی گرفت کی تھی کہ عامر لاجواب ہو کر

Marfat.com

گیا۔

قاسم الحسین نے اسے پریشان دیکھا تو لگی میں اور لگائی۔ "میں ضدی اور اڑیل سہی وزیر اعظم مصر نے اسی وجہ سے مجھے منہ نہیں لگایا۔ ان کا بیٹا کامل مجھے مل بھی گیا تھا مگر میں نے اسے اپنی ضد کی وجہ سے کھو دیا اب میں تمہیں نہیں کھو سکتا۔ تم کیسے ہی سہی لیکن مجھ سے بہتر ہو۔ چلو میں تمہارے ساتھ یروشلم کے راستے دمشق چلتا ہوں۔ اب مجھے ضدی مت کہنا"۔

عامر کے پاس کوئی جواب ہی نہ تھا۔ اس نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا۔ "قاسم مجھے افسوس ہے کہ میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ایک مہم جو انسان ہو اور مصائب سے لڑنا چاہتے ہو۔ میں بھی تن آسانی پسند نہیں کرتا۔ اب ہم تم دونوں ریگستان کے راستے سے چلیں گے"۔

قاسم الحسن کھل اٹھا۔ "سچ --- کیا تم مشکل راستے سے چلو گے؟"۔

"بالکل چلیں گے---" عامر نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ "اس راستے پر ہمیں کارواں کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی کارواں ادھر سے جاتا ہے اس لئے ہم آج اور اسی وقت اپنے سفر پر رروانہ ہوں گے"۔

قاسم الحسن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے خود کو ریگستانی سفر کا کوئی تجربہ نہ تھا لیکن اس نے یہ ضرور سن رکھا تھا کہ ریگستانی علاقے میں سفر کرنے والے لوگ رات بھر سفر کرتے ہیں اور دن ہوتے ہی کسی سایہ دار جگہ میں آرام کرتے ہیں۔ عامر یا قاسم کو کوئی خاص انتظام تو کرنا ہی نہ تھا۔ وہ دن بھر معلومات حاصل کرتے رہے اور وہ تمام سامان خرید لیا جو لوگوں نے بتایا۔

شام ہوتے ہی دونوں گھوڑوں پر سامان بار کر کے ایک انتہائی خطرناک سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ ریگستانی علاقہ بالکل سنسان ہو گا لیکن ایسا نہ تھا وہ چار گھنٹے مسلسل سفر کرتے رہے۔ اس دوران انہیں آنے جانے والے کئی سوار ملے۔ کوئی باقاعدہ قافلہ تو نہیں ملا لیکن اکا دکا راہ گیر ملتے رہے دو گھنٹے مزید سفر کے بعد وہ ایک چھوٹے سے نخلستان میں پہنچ گئے۔ وہاں کئی جھونپڑیاں پڑی تھیں اور لوگ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ یہ بھی گھوڑے کھول کر نخلستانی سرائے کے مالک کے پاس جا بیٹھے۔

عامر نے قاسم الحسین کو سمجھا دیا کہ وہ کم از کم گفتگو کرے بلکہ ہو سکے تو بالکل نہ بولے۔ سب لوگ سرائے کے مالک کو گھیرے ہوئے تھے اور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے ان کی عادتوں سے عامر نے اندازہ لگایا کہ اس نخلستان سے آگے کا راستہ بہت پر خطر ہے ایک

Marfat.com

"تو اس پر آمد و رفت بہت کم ہے دوسرے ڈاکو بھی پریشان کرتے ہیں اور اکیلے دوکیلے کو چھوڑتے ہی نہیں۔ عامر کے لئے یہ بات پریشان کن تھی۔ لیکن قاسم کو شاید یہ بات پسند نہ آئی۔ وہ اک دم بول پڑا۔

"کیا ڈاکو گروہ کی صورت میں حملہ کرتے ہیں؟"

سب لوگ سہمے بیٹھے تھے قاسم الحسین کی بات پر سب نے گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔

ایک مسافر نے جواب دیا۔ "اس دفعہ تو میں خیریت سے آگیا ہوں لیکن پچھلی مرتبہ تین آدمیوں نے مجھے گھیر لیا تھا اور جو کچھ پاس تھا سب چھین لیا۔

"تین ڈاکو"! قاسم الحسین نے عجب انداز سے سر ہلایا۔ کسی نے تین ڈاکوؤں سے زیادہ بھی ایک ساتھ دیکھے ہیں"۔

"ہاں تین سے زیادہ بھی دیکھے گئے ہیں۔" یہ جواب سرائے کے مالک کا تھا۔ ایک بار ڈاکوؤں نے اس نخلستان پر حملہ کیا تھا اس وقت ان کی تعداد آٹھ تھی انہوں نے نخلستان گھیر لیا اور سب کو حکم دیا کہ اپنا سب مال و متاع چپ چاپ حوالے کردیں۔ سرائے میں بارہ آدمی مقیم تھے ان میں سے چھ کے قریب شہسوار اور شمشیر زن تھے وہ دوڑ دوڑ کے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تلواریں کھینچ کر کھڑے ہوگئے تمام ڈاکو سمٹ کر ایک جگہ ہوگئے اور پھر ان پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن وہ ایسے شمشیر زن تھے کہ انہوں نے آٹھوں ڈاکوؤں کو مار بھگایا چار ڈاکو تو زخمی ہوگئے تھے۔"

قاسم الحسین نے ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ " میرا یہی مطلب تھا اگر ان کے نیچے اچھی نسل کا گھوڑا ہو اور خود تلوار چلانا جانتا ہو تو دو چار سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے"۔

قاسم کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آئی اور دم کے دم میں سب لوگوں کو گھیر لیا گیا۔ قاسم الحسین نے عامر غربی کو اشارہ کیا اور پھر دونوں ایک ساتھ تیزی سے اٹھے اور دوڑ کے گھوڑوں پر سوار ہوگئے گھوڑوں پر کوئی ساز نہ تھا اور یہ دونوں ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے تھے۔ قاسم نے ایک عجیب طرح کا نعرہ مارا اور ڈاکوؤں پر جا پڑا۔ عامر غربی نے فورا اپنا گھوڑا قاسم کے گھوڑے کے پیچھے کرلیا اور اسی طرح اس کی پیٹھ سے پیٹھ ملا کر خود بھی ڈاکوؤں پر حملہ آور ہوا ڈاکوؤں کو ایسی امید بالکل نہ تھی۔ ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا پھر انہیں ہوش اس وقت آیا جب انہیں مار پڑنا شروع ہوئی اور کئی ڈاکو زخمی ہوگئے۔

اس مختصر وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے مسافروں میں سے چار آدمی اور تیار

Marfat.com

ہو کر ان دونوں سے آملے۔ اب مقابلہ چھ اور آٹھ کا تھا۔ ڈاکوؤں کی کل تعداد آٹھ تھی اور مسافر چھ ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ دو ایک اور بھی تیار ہو رہے تھے ڈاکو پہلے ہی گھبرا گئے تھے اب جو ان کا مقابلہ پر چھ سوار آگئے تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھاگم بھاگ میں قاسم الحسین نے ایک ڈاکو کو ایسا زخمی کیا کہ وہ زین سے لٹک گیا اور قاسم الحسن نے ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کی راسیں پکڑ لیں۔ اس طرح سات ڈاکو تو بھاگ گئے اور آٹھواں پکڑا گیا۔

قاسم الحسین نے فوراً اپنا فیصلہ صادر کردیا۔ "اس سے پوچھا جائے کہ ڈاکوؤں کا گروہ کا مسکن کہاں ہے۔ اگر ڈاکوؤں کی تعداد صرف آٹھ (جو اب سات رہ گئی ہے) تو ڈاکوؤں کے مسکن پر حملہ کر کے سب کا خاتمہ کردیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔"

عامر نے اس فیصلے میں ترمیم کی۔ "اس وقت ڈاکوؤں کے مسکن پر حملہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہمیں ریگستانی راستوں کا پتہ نہیں اور ہم راستہ بھول سکتے ہیں۔"

قاسم نے اس کا علاج یہ نکلا۔ "ہم اس زخمی ڈاکو کو اپنے ساتھ لے چلیں گے یہ ہماری رہنمائی کرے گا۔"

عامر نے مخالفت کی "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ رہنما ہمیں کسی ایسی جگہ پہنچا دے جہاں سے ہم واپس نہ آسکیں۔ دشمن پر کسی صورت اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

بہت بحث و مباحثہ ہوا مگر کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا۔ نخلستان کی سرائے کا مالک اس ہنگامے سے بہت گھبرا گیا تھا۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا۔ "آپ لوگوں نے ڈاکوؤں سے ہنگامہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ آپ مسافر ہیں اور ایک ایک کر کے چلے جائیں گے۔ ڈاکو مجھ سے بدلہ لیں گے میں کدھر جاؤں گا۔؟

قاسم نے فوراً جواب دیا۔ "تم ہمارے ساتھ چلو ہم دمشق جا رہے ہیں۔

دمشق کے نام پر کچھ لوگوں نے چونک کے قاسم الحسین کی طرف دیکھا عامر غربی کو اس کی بے وقوفی پر بہت غصہ آیا اس نے قاسم کو سمجھا دیا کہ وہ دمشق کا نام کسی سے نہ لے کیونکہ مصری اور یروشلم کے عیسائی دونوں ہی دمشق کے مسلمانوں سلطان کے خلاف تھے اور یہ علاقہ ابھی مصریوں اور عیسائیوں کی پہنچ سے کچھ دور بھی نہ تھا۔

عامر نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔ "نخلستانی بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈاکو بدلہ لینے کے لئے آج کل میں حملہ کردیں اس صورت میں نخلستان تباہ ہوجائے گا۔"

نخلستانی خوش ہوگیا۔ "یہ بات ہے انصاف کی۔ ہمیں ایک ہو کر سب کے بارے میں سوچنا چاہئے۔"

Marfat.com

عامر نے تائید کر دی۔ "ٹھیک کہا تم نے اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

نخلستانی لجاجت سے بولا "میری درخواست ہے کہ آپ لوگ کم از کم دو راتیں اس نخلستان میں ضرور گزاریں۔ ڈاکوؤں کو حملہ کرنا ہوگا تو وہ ان راتوں میں حملہ کردیں گے ورنہ پھر وہ ادھر کا کبھی رخ نہ کریں گے۔"

کسی کے بولنے سے پہلے عامر نے فیصلہ کردیا۔ ٹھیک ہے ہم دو راتیں یہاں گزاریں گے اور رات دن چوکس رہیں گے۔ اگر ڈاکوؤں نے پندرہ بیس کے گروہ سے بھی حملہ کیا تو ہم سنبھال لیں گے۔"

نخلستانی بڑا دل والا تھا اس نے اعلان کردیا کہ دو دن تک تمام مہمان اس کے مہمان رہیں گے اور ان سے قیام و طعام کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ عامر جلد سے جلد دمشق پہنچنا چاہتا تھا لیکن ڈاکوؤں کی گڑبڑ اور قاسم الحسین کی حماقت نے دو دن کے لئے اور اس نخلستان میں رہنے پر مجبور کردیا تھا لوگوں سے باتیں کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ نخلستان حکومت کے ماتحت نہ تھا لیکن یروشلم کے عیسائی ریاست کی سرحد سب سے زیادہ قریب پڑتی تھی اس لئے اس پر زیادہ اثر عیسائیوں کا تھا۔ نخلستان کی سرائے کا مالک اور زیادہ لوگ بھی عیسائی تھے اور شاہ ایمرک کو اپنا بادشاہ کہتے تھے۔

صبح کو ایک شگوفہ اور کھلا۔ دن چڑھتے ہی نخلستان کو یروشلم کے فوجی سواروں نے گھیر لیا۔ فوجی نے سرائے کے مالک کو پکڑ کر اپنے سردار کے سامنے پیش کردیا۔

سردار نے ڈپٹ کے پوچھا۔ "تمہارا تعلق کس مذہب سے ہے؟"

اس نے بے دھڑک جواب دیا "میں خداوند یسوع مسیح کا پرستار ہوں"

سردار نے دوسرا سوال کیا۔ "نخلستان میں کل کتنے عیسائی ہیں۔"

اس کا جواب بھی اس نے بے تکلف دیا۔ "ہم سب عیسائی ہیں۔ یہاں دوسرے مذہب کا کوئی نہیں"۔

سرائے کے مالک نے سب کو عیسائی بیان کیا تھا حالانکہ اس میں قاسم الحسن اور عامر غزنی دو مسلمان بھی تھے عامر کے خیال کے مطابق وہاں کچھ اور بھی مسلمان تھے لیکن ان سب کو عیسائی ظاہر کیا گیا تھا۔ ایسا کیوں کی گیا یہ بات عامر اور قاسم الحسن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی شاید سرائے کے مالک نے اپنی اسی میں جان بچتی محسوس کی ہو کہ سب کو عیسائی ظاہر کر کے ہی اس کی بھلائی تھی۔

فوجی سردار کسی سوچ میں الجھ گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے دریافت کیا۔ "کیا یہاں کہیں قریب مسلمانوں کا کوئی فوجی دستہ ٹھہرا ہوا ہے"۔

Marfat.com

"بالکل نہیں جناب " سرائے کے مالک نے انکار میں سر ہلا دیا۔ دور دور تک کوئی اور نخلستان نہیں اگر کوئی فوجی دستہ ہوتا تو اسی نخلستان میں آتا۔"

"پھر ہمارے سپاہیوں کی جنگ کن لوگوں سے ہوئی ہے"۔ سردار نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"جنگ ہوئی۔ کب جنگ ہوئی۔ سرائے کے مالک نے اس سے الٹا سوال کر دیا۔

سردار پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ کل ہمارے سوار سرحد کی گشت پر تھے کہ ان کی مڈبھیڑ مسلمان سواروں سے ہو گئی بڑی سخت جنگ ہوئی ہمارا ایک آدمی بھی مارا گیا۔ ہمارے آدمیوں نے بتایا ہے کہ لڑائی نخلستان پر ہوئی تھی۔"

سرائے کے تمام مسافر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ عامر غربی کی سمجھ میں ساری بات آگئی تھی لیکن وہ پہلے تصدیق کرنا چاہتا تھا اس نے سردار سے پوچھا۔ "آپ کے آٹھ سوار تو نہیں تھے"۔

"بالکل ـــــ بالکل آٹھ ہی سوار تھے تم نے انہیں دیکھا تھا کیا؟" سردار بے چین ہو گیا۔

عامر نے ان سنی کر دی "ان آٹھ میں سے چار زخمی ہو گئے تھے۔"

"ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے سردار نے تائید کی۔

عامر نے اور زور دے کر کہا کہ اور آپ کے آدمی اپنے ایک زخمی کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔؟"

سردار بگڑ گیا۔ کیا بک رہے ہو تم انہوں نے مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا۔ لیکن دشمن تعداد میں بہت زیادہ تھا اس لئے انہیں واپس جانا پڑا وہ اپنے ساتھی کی لاش اٹھا نہیں سکتے تھے"۔

"معزز سردار ـــــ "عامر نے ذرا حوصلے سے کہا۔ وہ لاش نہیں چھوڑ گئے تھے بلکہ ان کا ساتھی زندہ ہے اور اس جگہ موجود ہے"۔

"کیا ـــــ کیا کہہ رہے ہو تم۔ ذرا صاف بتاؤ۔ سردار گھبرا گیا۔

قاسم الحسین ہی کیا باقی تمام لوگ بھی اصل معاملہ سمجھ گئے تھے اور دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ عامر نے سرائے کے مالک سے کہا "تم سردار کو کل کے واقعات سنا دو پھر ان کے اس فوجی سے بھی ملوا دینا جسے چھوڑ کر اس کے ساتھی بھاگ گئے تھے۔

سرائے کے مالک نے بتانا شروع کیا۔ "سردار صاحب کل اچانک آٹھ ڈاکوؤں نے نخلستان پر حملہ کر کے حکم دیا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ان کے حوالے کر دیں۔ اس

Marfat.com

طرح کے ڈاکوؤں کے حملے اکثر ہوا کرتے ہیں اور ڈاکو مسافروں کو لوٹتے رہتے ہیں کل جب حملہ ہوا تو ہمارے دو مسافر تلواریں کھینچ کر مقابلے پر کھڑے ہوگئے ان کی دیکھادیکھی چار مسافر اور بھی تیار ہوگئے پھر کیا تھا۔ تھوڑی دیر تلوار چلی اور ڈاکو ایک زخمی چھوڑ کے بھاگ گئے ۔ اس زخمی کو ہم نے پکڑ رکھا ہے اب آپ دیکھئے کہ وہ ڈاکو ہے یا آپ کے لشکر کا فوجی ۔"

اسی وقت عامر اس زخمی کو پکڑ لایا۔ زخمی اپنے سردار کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ "یہ رہا آپ کا گشت کرنے والا لشکری اور ہم پر حملہ کرنے والے ڈاکو آپ اس سے پوچھئے۔ "

سردار نے اس سے ڈانٹ کے پوچھا۔ "سچ سچ بتا۔ تم لوگوں نے کل ڈاکو بن کر نخلستان پر حملہ کیا تھا؟"

"مجھے معاف کردو سردار ۔" زخمی گڑگڑایا ۔ ہمارے گروہ کا سردار ہمیں جو حکم دیتا تھا وہ ہم کرتے تھے اگر ہم اس کا حکم نہ مانتے تو وہ ہمیں قتل کردیتا۔ "

"ڈوب مرو بے شرمو۔" سردار غصے سے بولا۔ " تمہیں سرحد پر حفاظت پر لگایا گیا تھا اور تم نے یہاں ڈاکے ڈالنے شروع کردیئے ہیں۔ تمہیں اپنی قوم اور ملک کا خیال بھی نہ آیا ایک طرف تو دمشق کے سلطان نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے دوسری طرف تم اپنا فرض ادا کرنے کی بجائے اپنی ہی سرحد پر لوٹ مار کر رہے ہو"۔

سردار نے زخمی کو اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔ وہ اس قدر شرمندہ تھا کہ اس کی نظریں اوپر نہ اٹھ رہی تھی۔ اس نے سر جھکائے جھکائے سرائے کے مالک سے کہا۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں ۔ ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی اور تمہیں ان تمام ڈکیتیوں کا معاوضہ ادا کیا جائے گا جو اس نخلستان میں یا اسے علاقہ میں ہوئی ہیں"۔

"شاہ یروشلم زندہ باد"۔ سرائے کے مالک نے نعرہ لگایا ہم سب شاہ کی رعایا ہیں اور اس کی درازی عمر کی ہمیشہ دعا مانگتے ہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ نخلستان کسی راستہ پر واقع نہیں اور بہت کم مسافر اس طرف سے گزرتے ہیں پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا اور آنے جانے والے مسافروں نے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن ادھر چار چھ مہینے سے برابر ڈاکہ کی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ ہم سب کا خیال تھا کہ ڈاکوؤں کا کوئی خطرناک گروہ اس علاقے میں تمام کارروائیاں کر رہا ہے مگر معلوم ہوا کہ یہ تو اپنے ملک اور مذہب کے نمک حرام لوگ ہیں۔

سردار انہیں تسلیاں دے کر واپس چلا گیا۔ نخلستان والے اور وہاں ٹھہرے ہوئے "مسافروں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر قاسم الحسین اور عامر غزنی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا سرائے کا مالک تو ایسا مہربان ہوا کہ اس نے اپنے لڑکے کو قاسم

Marfat.com

الحسین اور عامر غربی کے ساتھ کردیا اور اسے تاکید کی کہ وہ کم از کم دو منزلوں تک انہیں بحفاظت پہنچا دے۔ لڑکا سعادت مند تھا اس باپ کے حکم کی تعمیل کی اور اگلی دو منزلوں تک ان کی رہنمائی کی پھر واپس چلا گیا۔

قاسم الحسین کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ اس نے ریگستانی راستہ اختیار کر کے غلطی کی ہے کیونکہ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے راستہ ویران ہوتا جارہا تھا دو منزلوں بعد انہیں جس سرائے میں چھوڑا گیا وہاں سوائے ان دونوں کے تیسرا مسافر نہ تھا۔ سرائے کی دیکھ بھال کرنے والے ایک بڑے میاں اور بڑی بی تھیں۔ سرائے کی ویرانی دیکھ کر عامر غربی کو اپنے دوست قاسم الحسین کی حماقت پر بڑا افسوس ہوا۔

"تم اداس ہو۔ ہونا بھی چاہئے۔" قاسم الحسین نے خود بات شروع کی۔ نہ میں ضد کر کے تمہیں اس راستے لاتا نہ آج تمہیں افسوس کرنا پڑتا۔ اس سرائے کے چاروں طرف کس قدر ویرانی ہے رات کا یہ عالم ہے تو دن میں کیا حال ہوگا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ اس سرائے میں سوائے ان دو بوڑھی ہستیوں کے کوئی کتا بلی تک نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ نہ یہاں کھانا ہے اور نہ پانی۔

اس وقت سرائے کا بوڑھا کھانستا ہوا ان کی کوٹھری میں آگیا۔ اس نے آتے ہی بڑبڑانا شروع کردیا۔ تم پر کیا قیامت ٹوٹی کہ تم یہاں آگئے سوائے ان خالی کوٹھریوں کے میں تمہاری اور کوئی خدمت نہیں کر سکتا خود ہم دونوں کے پینے کے لئے صرف دو روز کا اور پانی ہے اس کے بعد ہم صرف اتنے دن زندہ رہ سکیں گے جب تک بغیر پانی کے زندہ رہا جاسکتا ہے۔

عامر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بابا فکر نہ کرو ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس کئی ہفتوں کا پانی ہے تمہارے لئے بھی ہم کچھ پانی چھوڑ جائیں گے۔

"عامر صاحب۔ قاسم الحسین نے دخل دیا۔ بابا سے پوچھو کہ یہاں سے کسی قریب ترین آبادی کا فاصلہ کتنا ہے اور اسے کونسا راستہ جاتا ہے۔"

سرائے کے بابا نے قاسم کی بات سن لی تھی اس نے پوچھا۔ "میرے بیٹو پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس جرم میں اس ریگستانہ میں دھکیلا گیا ہے؟"

عامر نے قاسم کو اشارہ کر کے روکا اور خود جواب دیا بابا ہم مجرم ہیں اور نہ ہمیں کوئی سزا ملی ہے۔ یہ ہماری مہم جو طبیعت کی سزا ہمیں مل رہی تھی۔ بس ایک دن ہم دونوں کو سوجھی کہ ریگستان کے راستے سے حلب پہنچا جائے۔ وہاں میرے ساتھی کے رشتہ دار رہتے ہیں۔ ان کے پاس ہم لوگ جارہے ہیں۔"

Marfat.com

خمیدہ کر بابا نے جواب دیا"۔ حلب جانے کی بات نہ کرو بیٹا بغیر کسی رہبر کے
پہنچنا بالکل ناممکن ہے ہاں سے یروشلم کے شاہ کی سرحد قریب ہے یوں سمجھ لو کہ یہ
بھی اس کی سرحد میں ہے صرف صرف چند گھنٹوں میں سرحدی آبادی تک پہنچ سکتے ہو
سامنے کے کھجور کے درخت سے بائیں طرف مڑ جاؤ اور سیدھے چلتے چلے جاؤ بس
آبادی میں ہوگئے وہاں جرائیل نام کا ایک آدمی ملے گا اس سے کہنا کہ تمہارے بھائی
اسماعیل نے کہا ہے کہ پانی ختم ہو رہا ہے فوراً کوئی انتظام کرو اور اگر ممکن ہوسکے تو
دونوں کو واپس بلانے کی کوشش کرو۔ اس خوفناک ریگستان کا یہ نخلستان بھی کسی حکومت کی
ملکیت نہ تھا یروشلم کی حکومت کی سرحد قریب ہونے کی وجہ سے اسے یروشلم کا حصہ سمجھا
جاتا تھا مگر یہ ایک ایسا ویران اور دور افتادہ نخلستان تھا جس میں کوئی آباد ہونے کو تیار نہ تھا
اور ایک زمانے سے یونہی ویران پڑا تھا۔ ادھر جب سے شامی فوجیوں نے شیرکوہ کی سرکردگی
میں مصر جانے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا تھا تب سے اس کی کچھ اہمیت بڑھی تھی اور ایک
نیم فوجی کو جاسوسی کے لئے یہاں مقرر کیا گیا تھا یہ بوڑھا جوڑا پچھلے دو مہینے سے اس
ریگستان میں مقیم تھا لیکن جاسوسی تو الگ ہی اسے رات دن اپنے پانی ختم ہونے کی فکر لاحق
تھی اور ہر آنے جانے والے سے پانی کا رونا رویا کرتا تھا۔

عامر اور قاسم الحسین نے طے کیا کہ جب حلب پہنچنا ممکن نہیں تو کیوں نہ عیسائی
علاقہ میں پہنچ کر سیدھا راستہ اختیار کر کے دمشق پہنچا جائے۔ چنانچہ عامر نے پانی کی ایک
چھاگل بوڑھے کے حوالے کی اور دونوں سوار ہو کے عیسائی سرحد کی طرف روانہ ہوگئے صبح
ہونے سے پہلے پہلے وہ سرحدی آبادی میں پہنچ گئے یہاں مشکل یہ پیش آئی کہ جیسے دو
اجنبیوں کے آبادی میں آنے کی خبر پھیلی. سرحدی چوکی کے پہریداروں کا ایک آدمی انہیں
بلانے آپہنچا۔ یہ اس وقت نخلستان والے بابا کے رشتے دار کے گھر پر پہنچ چکے تھے اچھا ہوا
کہ انہوں نے گفتگو شروع نہ کی تھی ورنہ اور مشکل ہوجاتی۔

"تم لوگ کون ہو اور کدھر سے آئے ہو؟" سرحدی چوکی کے ہرکارے نے اس سے
رعب سے پوچھا۔ جیسے وہ کسی چور سے مخاطب ہو۔

قاسم الحسین نے جواب دینے میں پہل کرنی چاہی لیکن عامر نے اسے اشارہ سے
روک دیا اور خود مسکین صورت بنا کر بولا۔ "بھائی ہم خانماں برباد ہیں راستہ بھول کر ادھر
آگئے ہیں تمہیں ہماری مدد کرنا چاہئے"۔

"ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے۔ بشرطیکہ تم یہ ثابت کردو کہ جاسوس نہیں ہو۔ آج
کل سلطان دمشق کے جاسوس ریگستان میں چکر لگاتے پھرتے ہیں ہمیں انہیں گرفتار کرنے کا

Marfat.com

مقرر کیا گیا ہے۔ ہرکارہ بہت سیدھا معلوم ہوتا تھا اس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو نہ بتانا چاہئے تھا۔

عامر نے اس کی گفتگو سے فائدہ اٹھایا۔ "بھائی۔ بالکل شبہ نہ کرو۔ بھلا جاسوس اس طرح مارے مارے پھرتے ہیں ہم تو ایک قافلے کے ساتھ حلب جا رہے تھے کہ نخلستان کے قریب ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا جدھر جس کا منہ اٹھا ادھر بھاگ گیا ساماں لٹ گیا بہت سے مارے گئے بھلا ہو نخلستان کے بابا اسمٰعیل کا جس نے ہمیں سہارا دیا اور صحیح راستہ بتا کر اپنے بھائی جبریل کے پاس بھیجا۔

"اچھا اچھا تمہیں اسمٰعیل نے بھیجا ہے۔" ہرکارہ اتنا خوش ہوا جیسے اس نے قلعہ فتح کرلیا ہو۔ بس اب یقین ہوگیا کہ تم جاسوس نہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہم تمہاری مدد کریں گے تمہارے سامان کے بدلے دوسرا سامان خرید دیں گے چلو دیر کرنے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

سویرا ہوگیا تھا قاسم کا بھوک کی وجہ سے کلیجہ کھرچ رہا تھا رات بھی انہوں نے روکھا سوکھا کھا کر گزاری تھی ہرکارے نے اپنے کہنے کے مطابق حاکم کے سامنے ان دونوں کی سفارش کی۔ اس نے ان کا مقدمہ خود پیش کیا "صاحب یہ دونوں بھلے مانس اس بدنصیب قافلے سے تعلق رکھتے ہیں جسے ڈاکوؤں نے نخلستان کے قریب حملہ کر کے لوٹ لیا۔ ان دونوں نے بھاگ کر جان بچائی اور اب آپ کے پاس فریاد لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

ان کی فریاد سنی جائے اور ان کے لٹے ہوئے سامان کا معاوضہ دیا جائے۔

ان کا حاکم جو سرحدی علاقہ کا سردار تھا اور شاید رات بھر ڈیوٹی کرنے کے بعد گھر واپس جانے کی جلدی میں تھا۔ اس نے ان لوگوں کو آتا دیکھ کر پہلے تو منہ بنایا تھا لیکن جب ہرکارنے نے فریادیوں کا پورا مقدمہ خود ہی پیش کر کے فیصلے کی طرف بھی واضح اشارہ کردیا تو حاکم نے فوراً لکھ دیا کہ جو کچھ اس طرح تھا۔

سلطنت یروشلم کی سرحد کے قریب نخلستان میں دو مسافروں کو ڈاکوؤں نے لوٹا اور انہیں مار پیٹ کے بھگا دیا۔ مسافروں نے سرحدی چوکی پر فریاد کی۔ ان کے لٹے ہوئے سامان کے برابر معاوضہ ادا کیا گیا اور انہیں حلب جانے کے لئے سفر خرچ دیا جائے۔ دستخط حاکم۔

نہ کوئی گواہ نہ کوئی شہادت خود ہی مقدمہ پیش ہوا اور خود ہی فیصلہ ہوگیا۔ اسے کہتے ہیں ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے عامر اور قاسم الحسن نے سامان کا معاوضہ اور سفر خرچ وصول کیا اور حلب جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہولئے انہیں جانا تو دمشق

Marfat.com

تھا لیکن ایک بار وہ حلب کا نام لے چکے تھے اس لئے اسی منزل کو برقرار رکھا ورنہ و
کے نام پر امکان تھا کہ سرحدی بھڑک نہ جائیں اور کہیں معاوضہ اور سفر خرچ دونوں ہی
بند ہوجائیں۔ قافلہ کے ساتھ انہیں حلب پہنچنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی اب قاسم الحسین
معلوم ہوا کہ آبادی کے راستے اور ریگستانی راستے میں کیا فرق ہے۔ اس نے توبہ کرلی
اب وہ ریگستانی راستے سے سفر کرنے کا کبھی نام بھی نہ لے گا۔

ان دنوں حلب میں بڑی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ سلطان دمشق نور الدین محمود زنگی بیمار ہو کر دمشق سے حلب آیا ہوا تھا حلب ہی وہ علاقہ ہے جہاں بزرگ امیر عماد الدین زنگی کی شہادت کے بعد نور الدین زنگی نے اپنی الگ امارت کا اعلان کیا تھا امیر عماد الدین کا صدر مقام موصل تھا اور زنگی خاندان اتابکان موصل کے نام سے پہلے ہی مشہور تھا۔ امیر کی شہادت کے وقت اس کا بڑا بیٹا سیف الدین غازی موصل میں اپنی امارت کا پہلے ہی اعلان کرچکا تھا اس لئے نور الدین محمود زنگی جس کے ساتھ موصل کا پورا لشکر اور تمام بڑے بڑے سردار تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ موصل سے ٹکرانے کے بجائے حلب میں امارت کا اعلان کیا جائے۔ اس طرح زنگی علاقہ دونوں بھائیوں میں جنگ ہونے کی بجائے آپس میں بہت میل ملاپ رہا تھا پھر جب نور الدین زنگی کا قبضہ دمشق پر ہوا تو وہ اپنا دار السلطنت حلب سے دمشق لے آیا۔

سلطان کو حلب سے بہت محبت تھی۔ وہ اکثر سکون قلب کی خاطر یا بیماری کے زمانے میں حلب چلا جایا کرتا تھا۔ نور الدین نے حلب میں ایک محل تعمیر کروایا تھا جس کا نام "آئینہ خانہ" تھا مشہور ہے کہ اس کی تعمیر میں اسی فیصد سامان شیشہ کا استعمال ہوا تھا تمام در و دیوار یہاں تک کہ اس کی چھتیں بھی شیشے کی بنی ہوئی تھیں۔ اس محل پر جب سورج کی شعاعیں پڑتی تو رنگ برنگی کرنوں کا انعکاس ہوتا تھا اور پورا محل کوئی ملکوتی تعمیر معلوم ہوتی تھی سلطان کے قیام کی وجہ سے تمام امیر و وزیر عمائدین سلطنت حلب میں موجود تھے۔ عامر کو صرف صلاح الدین سے ملنا تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اس کی امیدوں کا مرکز صرف صلاح الدین ایوبی تھا لیکن وائے ناکامی کہ اسے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ صلاح الدین اور شامی سپہ سالار شیر کوہ کو سلطان نے دمشق میں قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نور الدین زنگی کو اپنے سپہ سالار اور شیر کوہ کے علاوہ صلاح الدین پر بھی پورا اعتماد تھا۔

عامر کو یہاں آکر صلاح الدین اور اس کے خاندان کے بارے میں تمام حالات معلوم ہوئے اس نے مصر کے دار الوزارت کے ٹھاٹ بھاٹ تو دیکھے تھے تو یہاں آکر اسے اس

Marfat.com

دور کے سب سے بڑے سلطان کا محل دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ حلب اگرچہ اس وقت دار السلطنت نہ تھا پھر بھی یہ ایک بڑا اور خوبصورت شہر تھا۔ عامر اور قاسم الحسین کو حلب بہت پسند آیا۔ قاسم الحسین کا ارادہ ہوا کہ اس خوبصورت شہر میں ہمیشہ کے لئے رہ جائے اسے یہاں کی ایک اور بات بھی پسند آئی وہ یہ کہ سلطان دمشق کے جو فوجی دستے حلب میں تعینات تھے ان میں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے لوگ بھی موجود تھے مصر اور یروشلم کے اگرچہ گہرے تعلقات تھے لیکن مصری لشکر میں ایک بھی عیسائی نہ تھا اس طرح یروشلم کی فوجی مسلمانوں سے یکسر خالی تھی یہی ادا قاسم الحسین کو بہت پسند آئی تھی لیکن جب اس نے اس کا ذکر عامر غربی سے کیا تو اس نے قاسم کو ڈانٹ دیا۔

"تم بڑے مطلبی ہو قاسم" عامر نے غصہ سے کہا۔ وہاں سے دمشق آنے کے لئے بے چین ہوئے جاتے تھے اور حلب دیکھا تو یہیں ڈیرے جمانے کی فکر کرنے لگے۔"

قاسم نے اپنی مدافعت میں جواب دیا۔ "عامر صاحب میرے نہ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے جہاں شام ہوئی وہیں پڑ رہے اور سویرا ہوا تو جدھر منہ اٹھا چل پڑے۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی گلیاں اور محلے اچھے پھر مردوں کو دیکھو تو پریزاد اور عورتیں حوریں معلوم ہوتی ہیں۔ دنیا کی جنت کا خطاب شاید اس شہر کو کیا گیا ہے تم غلط کہہ رہے ہو قاسم۔ عامر نے جواب دیا دنیا کی جنت دمشق کو کہا جاتا تھا اسے دیکھو تو آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو عامر صاحب۔ جیسے تم نے سارا دمشق گھوما ہے یا پھر تمہارا وہاں گھر ہے۔ قاسم الحسین نے برا سا منہ بنایا۔

"پھر تم ٹھہر جاؤ یہیں۔ عامر نے فراخدلی سے کہا۔ میں دمشق جاؤں گا میرا مستقبل وہیں سنور سکتا ہے۔

نہیں، نہیں چلوں گا تو میں بھی دمشق ہی۔ قاسم الحسین فوراً پلٹ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ حلب مجھے پسند آگیا ہے مگر دمشق پھر دمشق ہے اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی شہر نہیں کر سکتا۔"

"واہ رے قاسم بھائی۔۔۔۔۔" عامر مسکرایا "اب تک حلب کی تعریف تھی پھر دمشق کی تعریفیں شروع کر دیں۔ آخر تمہارا کوئی اور دین ایمان بھی ہے"۔

"عامر صاحب سچ تو یہ ہے کہ میرا دین و ایمان تو تم ہے۔ قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ تم دن کہو تو دن اور رات کہو تو رات۔

"واہ یہ کیا بات ہوئی؟" عامر نے اسے قائل کیا جو لوگ کسی کے پیچھے چلتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے"۔

Marfat.com

"جی عامر صاحب" قاسم الحسین نے سعادت مندی دکھائی۔ میں نے ایک بار اپنے دل کے کہنے پر عمل کیا تھا اور صحیح راستے کے بجائے ریگستان کا راستہ اختیار کیا تھا اس کا انجام دیکھ لیا۔ اب تو وہی کروں گا جو تم کہو گے۔

عامر کو اس کی سادہ لوحی پر خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی لیکن اس نے کہا "کچھ نہیں۔"

سلطان نور الدین زنگی صحت یاب ہوگیا۔ اس کے امیر و وزیر امید لگائے بیٹھے تھے کہ سلطان غسل صحت کا جشن دمشق جا کر منائے گا لیکن سلطان نے اعلان کردیا کہ چونکہ حلب کی ہواؤں اور فضاؤں نے اسے صحت یاب کیا ہے۔ اس لئے حلب ہی کو یہ حق ہے کہ اس کے کوچہ و بازار اور در و بام اس کی صحت یابی کا لطف اٹھائیں۔ امیروں اور وزیروں کا دل تو اس فیصلہ سے ضرور دکھا ہوگا لیکن اہل حلب نے اپنے انصاف پسند سلطان کے فیصلے پر عش عش کر اٹھے۔ سلطان چونکہ کافی عرصہ سے حلب میں مقیم تھا اس کے ساتھ اس کے خاندان کے تمام لوگ بھی وہیں آگئے تھے لیکن امیروں اور وزیروں کے اہل و عیال دمشق میں تھے وہ مجبوراً سلطان کے ساتھ حلب میں پڑے ہوئے تھے۔ سلطان کے پیش نظر ان کی مجبوریاں بھی تھیں اس لئے اس نے اعلان کردیا کہ جو لوگ دمشق واپس جانا چاہتے ہیں وہ جاسکتے ہیں اس کے ساتھ ہی اس نے اعلان بھی کہا کہ حلب میں تو "جشن صحت" اس لئے ہوگا کہ اس نے سلطان کی بیماری کا کرب برداشت کیا ہے۔ لیکن دمشق پہنچ کر وہاں بھی اسی طرح کا ایک جشن ہوگا۔ تاکہ اس میں وہ لوگ بھی شریک ہوسکیں۔ جو اپنی حکومتی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے دمشق میں مقیم رہے تھے اور حلب کے جشن میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔

عامر اور قاسم الحسین کو حلب یا دمشق کے جشن سے کوئی مطلب نہ تھا وہ تو صلاح الدین سے ملنے اور اپنی قسمت سنوارنے آئے تھے اور صلاح الدین ان دنوں دمشق میں تھا اکا بیدار مغز اور کہنہ مشق شیر کوہ جس نے مصر میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا اور مصر یروشلم کے متحدہ لشکر بھی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکا تھا وہ شیر کوہ بھی دمشق میں تھا۔ عامر اور قاسم الحسین نے اپنی پریشانیوں کے باوجود حلب کی خوب سیر کی پھر وہاں سے دمشق کا رخ کیا حلب سے دمشق جانے والی سڑک خوب چلتی تھی اس پر رات دن قافلے رواں دواں رہتے تھے نہ ڈر نہ خوف نہ چور چکار اور نہ جھگڑے فساد کا خطرہ۔ وہ بڑی آسانی اور اطمینان سے دمشق پہنچ گئے۔

جس طرح آج کل دنیا کے ممالک کی تقدیر کے فیصلے واشنگٹن اور ماسکو میں ہوتے ہیں

Marfat.com

طرح تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یورپ اور ایشیاء کے چند شہر ایسے تھے جن کے ابروئے سیاست پر اگر شکن پڑ جائے تو تاریخ میں زلزلہ آ جاتا تھا۔ یورپ کا سب سے اہم شہر روم روما تھا اور ایشیائے ممالک میں قسطنطنیہ' دمشق اور بغداد تھے۔ ان شہروں کی تاریخ اپنے عروج و زوال کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ یوں تو دمشق کو زمانہ قدیم ہی سے ایک اہم شہر اور دارالسلطنت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ سلطنت روما کے شہر یار قیصر جولیاں نے دمشق کو "چشم مشرق" کا خطاب دیا تھا۔ اہل یونان نے جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مشہور تھے انہوں نے اس شہر کو "سب سے حسین شہر" کے نام نامی سے پکارا تھا عربوں نے اس شہر کو "عروس کائنات" کی خلعت عطا کی تھی اور کچھ عرب حکومتیں اسے "باغ عالم" کا لقب بھی دیتی ہیں۔

عامر اور قاسم الحسین اس باغ عالم میں داخل ہوئے تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے مصر کے اہرام۔ ابوالہول کا عظیم الشان بت اور پانچ ہزار سالہ تاریخ و تہذیب کے آثار دیکھے تھے۔ بلاشبہ قاہرہ کے دامن میں پھیلے ہوئے یہ آثار اپنی مثال آپ ہیں لیکن دمشق کی عمارات کی خوبصورتی دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ دمشق کے اندرونی شہر پناہ میں سیاہ اور زرد رنگ کے مثلث۔ مکعب اور مدور پتھر اس طرح جڑے ہوئے تھے جیسے کالے مخمل پر پکھراج ٹانک دیئے گئے ہوں۔ یہ لوگ شہر میں باب الفتح سے داخل ہوئے تھے۔ اندر لوگوں کا اس قدر ہجوم اور سیلاب تھا کہ یہ دونوں تنکوں کی طرح بہتے دکھائی دیتے تھے اس ہجوم میں طالب علم تھے جو علم کی تشنگی بجھانے آئے تھے۔ شمشیر زن اور تیر انداز تھے جو اپنے فن کی داد زنگی سلطان سے وصول کرنے آئے تھے کہ اس دربار میں شجاعت کا تاج پہنچانے جاتے تھے۔ اس بازار میں سیاح بھی دکھائی دے رہے تھے۔ جو اس عہد کے سب سے بڑی تاریخی شہر کو سلام پیش کرنے آئے تھے۔

غرض دمشق ایک حیرت انگیز شہر تھا۔ دمشق اور بغداد کے لئے مشہور تھا کہ جس نے بھی ان شہروں میں سے کسی ایک کا پانی پیا تو بس وہیں کا ہو گیا۔ وہ عمر بھر وہاں سے جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ یہاں کے بازاروں میں گھومتے پھرتے اور خرید و فروخت کرتے دکھائی دیتے تھے بڑی بڑی سرائیں اور وسیع و عریض حمام ہر چیز سستی' دکانیں سامان سے بھری ہوئی۔ پورے چار دن عامر اور قاسم نے شہر اور اس کی گلیاں گھومنے میں گزار دیئے۔ آخر عامر غربی اس آوارہ گردی سے تنگ آ گیا۔

"کل میں تمہارے ساتھ گھومنے نہیں جاؤں گا"۔

قاسم الحسین کو عامر کی سنجیدگی پر ہنسی آ گئی اس نے ایک زور کا قہقہ لگایا "عامر

Marfat.com

صاحب تم عجب بوڑھی روح کے مالک ہو۔ یہ شہر نہیں جنت ہے جس طرح دیکھو غلماں کے پرے کے پرے۔ حسن کے تو دریا بہتے ہیں یہاں۔

عامر کو اس نے ہنسنے پر اور غصہ آیا "پیٹ خالی ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا ہفتہ بھر ہو کو آیا اور ہم نے صلاح الدین کے بارے میں کوئی معلومات نہیں حاصل کیں۔"

قاسم الحسین پھر بھی سنجیدہ نہ ہوا۔ عامر صاحب اپنی زندگی ہم نے دمشق سے وابستہ کر دی ہے تو پھر جلدی کیا۔ یہیں جینا اور یہیں مرنا ہے بہت کچھ پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں باقی رہ گیا ہے وہ بھی معلوم کرلیں گے۔

"یہ بات نہیں قاسم" عامر نے اسے سمجھانا شروع کیا۔ ہم نے اب تک صلاح الدین کے خاندانی حالات معلوم کئے ہیں لیکن اصل چیز اس کے روزانہ کے معمولات کا پتہ لگانا ہے۔ تاکہ ہم یہ طے کرسکیں کہ اس سے کہاں اور کس وقت ملا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے پہلے یہی کرتے ہیں پھر اور کچھ کریں گے"۔ قاسم الحسین نے سر ہلایا۔

"نہیں اور کچھ نہیں کرنا قاسم۔ عامر غزلی اکتا گیا۔ "صلاح الدین کا پتہ لگا کے اس سے ملنا اور فوجی ملازمت حاصل کرنا ہے"۔

"اور اگر صلاح الدین نے انکار کردیا تو ------ قاسم الحسین نے الٹا سوال کیا"۔

"یہ دنیا امید پر قائم ہے قاسم"۔ عامر نے جواب دیا۔ اور ہم اس دنیا کا ایک حصہ ہیں اگر ہر شخص یہی سوچنے لگے تو پھر اس دنیا کے کام ہوچکے۔

قاسم نے سوچا کہ اس قسم کی بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جیت آخر عامر کی ہی ہوگی پھر کیوں نہ خاموش رہا جائے۔ عامر اسے چھوڑ کر خود نکلا۔ صلاح الدین اگرچہ اس وقت تک زیادہ مشہور نہیں ہوا تھا۔ پھر اس کے باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیر کوہ کو پورا دمشق جانتا تھا نجم الدین دمشق شہر کا اس وقت بھی گورنر تھا لوگ صلاح الدین کو نہ بھی جانتے ہوں تو بھی گورنر کے بیٹے کو کون نہیں جانتا تھا۔ عامر پوچھتا ہوا نجم الدین ایوب کی حویلی پر پہنچ گیا صلاح الدین چونکہ ان رئیس زادوں میں شامل تھا جنہیں نور الدین زنگی کے حکم کے تحت خاص تربیت دی جاتی تھی ایسے تمام امیر زادوں رئیس زادوں اور وزیر زادوں کی رہائش بھی ایک الگ محل میں تھی۔ جو سلطانی محل کے قریب تھا وہ ہفتہ میں صرف ایک بار گھر والوں سے ملنے آتا تھا۔

یہ بھی اتفاق تھا کہ اس دن صلاح الدین باپ سے ملنے حویلی پر آیا ہوا تھا اور ماں سے مل کر واپس جا رہا تھا کہ اس کی نظر عامر غزلی پر پڑی اور صلاح الدین نے اسے فوراً پہچان لیا۔ عامر حویلی کے گیٹ پر پہریداروں سے الجھ رہا تھا کہ صلاح الدین کا گھوڑا اس کے سر پر

Marfat.com

پہنچ گیا گیٹ کے پہریداروں نے صلاح الدین کو سلام کیا اور عامر اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اگر میرا خیال غلط نہیں تو تم عامر غربی ہو؟" صلاح الدین مسکرا رہا تھا۔

"اور آپ یقیناً؟ امیر زادے صلاح الدین فاتح بلبیس ہیں۔" عامر نے بڑی مسرت سے کہا۔

صلاح الدین گھوڑے سے اتر پڑا گھوڑا پہریدار کے حوالے کیا اور عامر کا ہاتھ پکڑے حویلی کے مہمان خانہ پہنچ گیا۔ وہ دونوں جا کے بیٹھے ہی تھے کہ ایک کنیز دو غلاموں کے سر پر خوان رکھائے مہمان خانہ میں آئی اور ان کے قریب میز پر قسم قسم کے خشک میوے چن دیئے غلاموں نے فوراً ٹھنڈا مشروب گلاسوں میں انڈیل کر میز کے ایک طرف رکھ دیا۔

"تمہیں دمشق میں دیکھ کر تعجب ضرور ہوا تھا لیکن پہچاننے میں ذرا دقت نہ ہوئی۔" صلاح الدین نے کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یہاں آؤ گے"۔

عامر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "امیر زادے۔ جب اپنی وطن کی زمین تنگ ہوجائے تو عقلمندوں نے کہا ہے کہ سفر کرنا چاہئے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے حالات اب تک تبدیل نہیں ہوئے۔" صلاح الدین نے افسردگی سے کہا۔

"عامر نے جواب دیا۔ "آپ نے ٹھیک فرمایا۔ اب تو بھائی جان نے صاف جواب دے دیا ہے۔ اگر میں قاہرہ نہ چھوڑتا تو شاید اب تک------"

صلاح الدین اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ "عامر اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں۔ واپس آ کے تفصیل سے بات ہوگی میں ملازم سے کہے دیتا ہوں تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

عامر نے فوراً کہا۔ "لیکن امیر زادے میں اکیلا نہیں ہوں۔ ایک دوست بھی میرے ساتھ آیا ہے میں اکیلا ہوتا تو یہاں رہنے میں کوئی مذائقہ نہ تھا۔"

صلاح الدین نے ایک لحہ سوچا پھر کہا۔ "ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم دونوں کا اپنے دوست کے یہاں رہنے کا انتظام کردوں گا پھر کچھ اور سوچیں گے۔"

امیر زادے ہم صرف آپ کی امید پر یہاں آئے ہیں"۔ عامر جلدی سے بولا۔ "ہمارے رہنے کے لئے تو آپ کوئی مستقل بندوبست کر دیجئے۔"

وہ بھی ہوجائے گا عامر----۔ "صلاح الدین ایوبی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ تم یہاں عزت کی زندگی گزارو گے۔ دمشق کا سلطان اہل نظر ہے اور اس کی نظر ہمیشہ تلوار کی چمک پر رہتی ہے دور دور سے شمشیر زن یہاں آکر اپنا اصل مقام پاتے ہیں۔

Marfat.com

"میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں امیر زادے۔" عامر نے لجالت سے کہا "
نے ایک بار کہا تھا کہ مرد بن کے جینا سیکھو۔ اگر ہمیں آپ اپنے یا شاہی لشکر جس
مناسب سمجھیں کسی جگہ لگا دیں۔ آگے ہماری کوشش اور تقدیر۔

"ٹھیک ہے چلو میرے ساتھ۔" پھر صلاح الدین ایوبی اک دم رک کر بولا۔ "تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟"

"وہ میں سرائے میں چھوڑ آیا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں میں تمہارے لئے گھوڑا منگواتا ہوں۔"

صلاح الدین نے ملازم سے ایک گھوڑا لانے کو کہا۔ اس وقت ایک خوبصورت جوان گھوڑے پر سوار وہاں آیا۔

"ارے تم کیسے آگئے ہو ظفر۔ صلاح الدین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ میں تمہارے پاس جا رہا تھا۔"

ظفر ادب کے ساتھ صلاح الدین سے بغلگیر ہوا اور پھر بولا۔ "امیر زادے کو اس غریب کی یاد کیسے آگئی"

"بس یونہی ---- صلاح الدین مسکرایا۔ "میرے دو دوست باہر سے آئے ہیں۔ یہ کچھ دن تمہارے پاس رہیں گے۔ میں ان کا انتظام بہت جلد کردوں گا۔"

ظفر نے عامر کو دیکھا۔ "مگر یہ تو ایک ہیں دوسرے کہاں ہیں"۔

عامر نے فوراً جواب دیا۔ دوسرے سرائے میں ہیں میں انہیں ساتھ لے آؤں گا۔

"خوب خوب' ظفر نے کہا۔ یہ بہت حاضر جواب معلوم ہوتے ہیں اور بے تکلف بھی ہیں"۔

اچھا ظفر تم انہیں ساتھ لے جاؤ میں شام کو آؤں گا۔

صلاح الدین سوار ہو کر چلا گیا۔ عامر کے لئے بھی گھوڑا آ گیا۔

"میں آپ کے ساتھ چلوں۔ یا پہلے سرائے سے اپنے ساتھی کو لے لوں۔ عامر نے کہا۔

" آپ کے ساتھی کے پاس سامان کتنا ہے۔" ظفر نے پوچھا۔

"سامان بس اللہ ہی اللہ ہے۔ عامر نے ہنس کر کہا۔ ہم مسافر ہیں امیر زادے۔ مسافر سامان ساتھ لے کر نہیں چلا کرتے۔

دوسری ملاقات میں عامر غربی نے اپنے مفصل حالات سے صلاح الدین کو آگاہ کیا۔ صلاح الدین پہلے بھی اس کے حالات پر افسوس کررہا تھا۔ اسوقت بھی اس نے اظہار

Marfat.com

افسوس کیا۔ عامر مجھے افسوس کے ساتھ اس بات کی خوشی بھی ہے کہ آخر تم نے جھوٹے سہاروں پر تکیہ کرنا چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھ پیروں کو حرکت دے کر مصر سے یہاں پہنچے ہو"۔

امیر زادے یہ آخری جگہ تھی جہاں سے میں نے امید باندھی تھی۔" عامر نے بڑے جذبات سے کہا اگر خدانخواستہ آپ نے بھی مجھے ٹھکرا دیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری امید نہیں توڑیں گے۔ اور مجھے اور قاسم الحسین کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

قاسم الحسین کے نام پر صلاح الدین نے ذرا سکوت سے کہا۔ "کیا تمہیں قاسم الحسین پر پورا پورا اعتماد ہے صورت شکل سے تمہارا دوست جلد باز اور بے وقوف نظر آتا ہے۔

امیر زادے کا اندازہ غلط نہیں۔ عامر نے تائید کی لیکن قاسم الحسین بہادر' وفادار اور قابل اعتماد ہے۔ وہ حکم پر کٹ مرنے والا آدمی ہے"۔

"بس بس اتنا کافی ہے"۔ صلاح الدین نے بات مختصر کی۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مصر کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ ملک شاور نے چچا شیر کوہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ اسے بھلایا نہیں جاسکتا مصر کے نام پر یہ شامی سپہ سالار آج بھی چونک پڑتا ہے وہ ملک شاور کو کسی صورت معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتے۔"

"مجھے اس کا اندازہ ہے امیر زادے"۔ عامر نے جواب دیا خود ملک شاور کو بھی اس بات کا اندازہ ہے کہ اس نے شیر کوہ سے بگاڑ کر اچھا نہیں کیا لیکن امیر زادے آپ حالات کا بھی اندازہ کیجئے مصر سے قریب ترین مضبوط حکومت یروشلم کی ہے۔ دمشق اس کے مقابلہ میں بہت دور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے یروشلم کو آپ پر اس لئے فوقیت دی کہ یروشلم کا اور اس کا ہر وقت کا آمنا سامنا تھا۔ اس کے علاوہ مصر کی آمدنی کا پہلا حصہ دمشق کو دینا نہیں چاہتا تھا اس وجہ سے ان نے عہد شکنی کی اور یروشلم کی مدد سے آپ کو گھیرنے کے کوشش کی۔ اس کے خیال میں اس کی نہایت کامیاب حکمت عملی تھی لیکن اسے اس بات کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ کہ شامی لشکر چار ماہ تک خندق میں چھپ کر یروشلم اور مصر کے متحدہ لشکر کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ وہ ناکام تو شامی لشکر کی بہادری اور الوالعزمی کی وجہ سے ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے عامر تم ایک سمجھ دار انسان ہو"۔ صلاح الدین نے اس کی تعریف کی۔ میں تم دونوں کو سپاہی کی حیثیت سے لشکر میں بھرتی کرا رہا ہوں۔ اب یہ تمہاری اپنی قابلیت ہے کہ تم ترقی کرو۔ شامی لشکر میں بہادری اور شجاعت ہی ترقی کی سفارش اور ضمانت ہیں۔ تمہارے لئے خیمہ گاہ میں انتظام کردیا جائے گا۔ جس وقت بھی تمہیں کوئی

Marfat.com

تکلیف ہو تو مجھ سے مل سکتے ہو۔ ہاں ایک بات کا اور خیال رکھنا۔ جہاں تک ہو سکے آپ کو ملک شاور کا رشتہ دار نہ جتانا۔ مصر کے اس احسان فراموش کو شامی بالکل پسند کرتے۔

عامر غزنی اور قاسم الحسین جس امید کو سینے سے لگائے دمشق پہنچے تھے ان کی وہ امید بر آئی تھی ان کے دن پھر گئے تھے انہیں مشاہرہ بھی ملتا تھا لیکن انہیں پیسے کی ضرورت نہ تھی تمام اشیاء انہیں سرکاری کی طرف سے مہیا کی جاتی تھیں۔ عامر نے اپنی "جان آرزو" کا خیال دل سے کچھ دن کے لئے دور کر دیا تھا کیونکہ ایک تو خوامخواہ اتنی دور کا سفر اختیار نہ کر سکتا تھا دوسرے قاہرہ اور صعید پہنچ کے اسے کب امید تھی کہ اس کی اور زرتاج کی ملاقات ہو سکتی ہے۔ اب تو اس کی یہی خواہش تھی کہ مصر پر دوسری بار لشکر کشی ہو اور وہ قاہرہ میں فاتحانہ داخل ہو کر اپنی محبوبہ کو ملک شاور کے ظالمانہ ہاتھوں سے نکال سکے۔

مصر کے پہلے معرکہ میں کسے فتح اور کسے شکست ہوئی اس کا فیصلہ آج تک مورخ نہیں کر سکے۔ یورپ کے متعصب مورخوں نے حسب عادت یروشلم کے بادشاہ ایمالرک کو فاتح اور اسد الدین شیر کوہ کو مفتوح قرار دیا ہے لیکن جب اس جنگ کی تشریح کی جائے تو اس سے کچھ اور ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک طائرانہ نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے وزیر اعظم ملک شاور سعیدی نے اپنے ہی دروغہ محلات فرغام کے ہاتھوں شکست کھائی اور مدد حاصل کرنے سلطان دمشق نور الدین زنگی کے دربار میں ایک سائل کی حیثیت سے پہنچا۔ ملک شاور کے ساتھ سعدی کا لفظ اس وجہ سے لگا تھا کہ وہ ایام جوانی میں شاعری کرتا تھا اور اس نے سعدی تخلص اختیار کیا تھا مگر وہ صرف نام ہی کا شاعر ثابت ہوا۔ اس نے اس صنف میں (اگر وہ واقعی شاعر تھا) کوئی ترقی نہیں کی بلکہ شاعری کی بجائے احسان فراموشی اور بد عہدی میں نام پایا۔

سلطان دمشق نور الدین محمود زنگی نے شاور پر ترس کھا کر یا اس لالچ کی وجہ سے کہ شاور نے اس فوجی مدد کے ذریعہ مصر کا وزارت کا دوبارہ مقام پانے کے بعد مصر کی ۱/۳ آمدنی یا ۱/۳ حصہ علاقہ دمشق کو دینے کا عہد کیا تھا۔ بہرحال ملک شاور کو فوجی مدد حاصل ہوئی اور وہ دمشق کے سپہ سالار اور اسد الدین شیر کوہ کے دو ہزار یا اس سے بھی کم سواروں کے ساتھ دمشق سے مصر پہنچا۔ اسد الدین شیر کوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین کی اہلیت اور شمشیر زنی کے طفیل فرغام کو شکست ہوئی اور ملک شاور پھر سے مصر کی وزارت پر فائز ہو گیا۔ ملک شاور کا مقصد وزارت حاصل کرنا اور دمشقی لشکر کا مقصد اسے وزارت دلانا تھا یہ دونوں مقصد پورے ہو گئے اس صورت میں اگر کہا جائے کہ اسد الدین شیر کوہ

Marfat.com

نے فتح حاصل کی تو کچھ غلط نہ ہو گا لیکن یہ مسئلہ یہیں پر ختم نہ ہوا بلکہ مصری وزارت پر فائز ہونے کے بعد ملک شاور نے اپنے محسن اور اسد الدین شیر کوہ سے بالکل آنکھیں پھر لیں جنگی اخراجات اور مصر کا ۳/۱ علاقہ تو الگ رہا۔ ملک شاور نے شیر کوہ کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ مصری حدود سے باہر نہیں نکلے گا تو اسے بزور شمشیر نکال کر باہر کیا جائے گا۔

شیر کوہ مصر میں ایک فاتح کی حیثیت میں داخل ہوا تھا یہ اور بات ہے کہ ملک شاور نے اپنے خبیث ارادوں کی تکمیل کے لئے شیر کوہ کے لشکر کو قلعہ سے باہر ہی ٹھہرایا تھا اور وہ اس کا لشکر کھلے میدان میں بالکل غیر محفوظ پڑا تھا لیکن وہ ملک شاور کی بد عہدی اور احسان فراموشی کو برداشت نہ کر سکا۔ اور فوراً اپنا لشکر سمیٹ کے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ واضح رہے کہ شیر کوہ کے ساتھ دو ہزار سے بھی کم سواروں کا لشکر تھا اس نے ایک حصہ صلاح الدین کے حوالہ کیا کہ وہ بلبیس پہنچ کر اس پر قبضہ کرلے۔ شیر کوہ باقی لشکر لے کر مصر کے مشرقی حصہ میں پہنچا اور اس نے بیشتر حصہ پر قبضہ کرلیا۔

ملک شاور پہلے ہی اپنا بندوبست کر چکا تھا اس نے یروشلم کے بادشاہ ایمالرک کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا شیر کوہ کو پھر ہمت نہ ہارا اور تمام لشکر کو یکجا کر کے بلبیس میں خندق کھود کر خندق بند جنگ شروع کردی ملک شاور کا خیال تھا کہ مصری اور یروشلم کا لشکر مل کر شیر کوہ کے خندق بند لشکر کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیں گے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ تین ماہ سے زیادہ تک شیر کوہ خندق بند جنگ لڑتا رہا اور ملک شاور اور یروشلم کے لشکر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ مگر شاہ یروشلم کی طرف سے صلح کی تحریک ہوئی۔ در اصل شاہ ایمالرک اس جنگ سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا س کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے طویل عرصہ میں وہ شیر کوہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا تھا دوسرے یہ کہ اس کے شمالی علاقہ خطرے میں پڑ گئے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ جب سلطان نور الدین زنگی نے مصر لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس بات کو پوشیدہ رکھا اور یہ خبر پھیلا دی کہ وہ یروشلم پر حملہ کرنے جا رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر کوہ کی سرکردگی میں مصر جانے والا لشکر بغیر کسی جنگ کے بخیر و خوبی بلبیس پہنچ گیا۔ سلطان دمشق کا مقصد اپنے لشکر کو حفاظت کے ساتھ مصر پہنچانا تھا۔ پس جب اسے اطلاع ملی کہ شاہی لشکر مصر پہنچ گیا ہے تو وہ اپنا لشکر یروشلم کے سامنے سے پیچھے ہٹا لایا۔ اس طرح اس نے شاہ یروشلم کو اس کی اپنی حدود میں پابند کردیا اور خود حارم پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس مشہور قلعہ کا نصف حصہ پہلے ہی فتح ہو چکا تھا۔ لیکن سلطان نے تاوان لے کر اس کا قبضہ چھوڑ دیا تھا۔ اس دفعہ اس نے حارم پر پورا قبضہ کرکے اسے تاج

Marfat.com

دمشق میں شامل کر لیا۔

یروشلم کے شاہ کو حارم کے قلعہ پر نور الدین زنگی کے قبضہ کی خبر اس وقت ملی ج
اس نے مصری فوج کے ساتھ اسد الدین شیر کوہ کی خندق بند فوجوں کا محاصرہ شروع کیا
اس اطلاع سے وہ سخت پریشان ہوا۔ اسے پہلے اطلاع دی گئی تھی کہ سلطان نور الدین
یروشلم کی سرحدوں سے ہٹ کر دمشق واپس چلا گیا ہے۔ اگر اسے پہلے معلوم ہو جاتا
سلطان نور الدین زنگی نے یروشلم سے ہٹ کے شمال کے اہم عیسائی قلعوں کو نشانہ بنا
شروع کر دیا ہے تو شاید وہ ملک شاور کی مدد کو مصر روانہ نہ ہوتا۔

شاہ یروشلم ایمارک جلد سے جلد بلبیس سے فارغ ہو کر فلسطین (یروشلم) واپس جانا چاہتا تھا کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہوا تھا کہ سلطان پھر کہیں یروشلم کا رخ نہ کرے۔ اس نے شامیوں پر حملے تیز کر دیئے لیکن اسد الدین شیر کوہ نے خندق کا مدافعتی حصار اس طرح قائم کیا تھا کہ یروشلم اور مصر کے مشترکہ لشکر اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ اور محاصرے کو تین ماہ گزر گئے تھے کھلے میدان میں خندق کی قلعہ بندی کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ بہرحال شیر کوہ دشمنوں میں گھرا ہوا تھا تین ماہ سے زیادہ دنوں تک خندق کے مورچوں میں ڈٹا رہا یہاں تک کہ شاہ ایمارک اول کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سلطان نور الدین زنگی نے قلعہ حارم پر قبضہ کرنے کے بعد بانیاس کا محاصرہ کر لیا ہے اور ہفتے عشرے میں بناباس پر بھی سلطان کا قبضہ ہو جائے گا۔ یہ خبر ایمارک پر بجلی بن کر گری اور اس نے فوراً خندق کی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے شامی لشکر کے سپہ سالار شیر کوہ سے صلح کی بات چیت شروع کی اور بغیر کچھ لئے دیئے صلح کر کے واپس یروشلم چلا گیا اور اس صلح نامہ کے تحت شیر کوہ بھی مصر چھوڑ کر دمشق واپس چلا گیا۔

مصر کی یہ جنگ جو ملک شاور کی بدعہدی کی وجہ سے شروع ہوئی تھی وہ صلح پر ختم ہو گئی۔ بظاہر اس کا فائدہ مصر کو پہنچا کیونکہ ملک شاور کو جنگی اخراجات اور حصہ ۱/۳ دمشق کے حوالے نہ کرنا پڑا اور شیر کوہ کو خالی ہاتھ دمشق جانا پڑا ظاہر ہے اس کا کتنا ملال شیر کوہ کو نہ ہوا ہو گا اور اسے ملک شاور پر کس قدر غصہ آیا ہو گا۔ واپس آنے کے بعد شیر کوہ کی زبان پر بس ایک ہی کلمہ تھا اور وہ تھا۔۔۔

"مصر پر دوسرا حملہ"۔

"شیر کوہ نے سلطان دمشق نور الدین زنگی کے حضور عرض کیا۔ عالیجاہ مصری قوم انتہائی بزدل ہے۔"

دوسرے موقعہ پر اس نے کہا۔ "مصر کی زمین زرخیز ہے اور ہر طرف غلہ کی فراوانی

Marfat.com

ہے۔

تیسری دفعہ اس نے ایک اہم بات کی۔ مصر کی دفاعی حالت اس قدر خراب ہے کہ وہ دوسروں کو اس پر حملہ کی دعوت دیتی ہے۔ مصر جو یروشلم کو سالانہ خراج ادا کرتا ہے ایک دن یروشلم کا غلام بن جائے گا۔ خلافت ماب (بغداد کا عباسی خلیفہ) کی خواہش ہے مصر عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بہتر ہے کہ اسے سلطنت دمشق میں شامل کرلیا جائے۔

سلطان دمشق نور الدین زنگی بڑا ذہین اور بیدار مغز حکمران تھا وہ شیر کوہ کی دلی خواہش بھی جانتا تھا اور مصر کی اندرونی حالت سے بھی باخبر تھا۔ مصر پر پہلے حملے کو دوسرا سال ہو رہا تھا۔ لیکن مصر کے حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ ملک شاور اور شاہ یروشلم ایمالرک میں محبت کی پینگیں بڑھ رہی تھیں اور سلطان کو بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اگر یروشلم اور مصر کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کی گئی تو ملک شاور اور ایک دن شاہ یروشلم کی گود میں جا بیٹھے گا۔

ایک دن سلطان نے دربار خاص میں کہا ۔ ”ہمیں خبریں مل رہی ہیں کہ بد عہد ملک شاور اپنے ملک مصر کا سودا شاہ ایمالرک سے کر رہا ہے۔ ؟“

سلطان کاانداز استفہامیہ تھا۔ اس لئے کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ جواب دے۔ سب کی نظریں اسد الدین شیر کوہ کی طرف اٹھیں کیونکہ وہ ہمیشہ مصر پر حملہ کی بات کرتا تھا بات بھی ٹھیک تھی شیر کوہ کے دل میں ملک شاور کی بدعہدی کا داغ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سلطان کو مختلف طریقوں سے مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دینے کی کوشش کی تھی لیکن سلطان ہر بار خاموش رہتا تھا۔ اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ مصر پر پہلے حملے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا اس وجہ سے اس نے مصر کا خیال شاید چھوڑ دیا ہے۔ آج اچانک سلطان کی زبان سے مصر کا نام سن کر وہ چونکا۔ اس نے ادھرادھر نظر دوڑائی تو سب کو اپنی طرف ہی دیکھتے پایا۔

آخر شیر کوہ نے ایک بار پھر ہمت کی۔ عالی جاہ مصر کا کمزور دفاع شاہ ایمالرک کیا ہر ایک کو اس پر حملے کی دعوت دیتا ہے۔ جس ملک کی باگ دوڑ وزیر کے ہاتھ میں ہو اس ملک کی فوج کبھی بہادر نہیں ہوسکتی۔ فاطمی خلیفہ کو تو انہوں نے حریم خلافت میں قید کر کے رکھا ہے۔

”خلیفہ کی کمزوری ہی در اصل حکومت مصر کی کمزوری ہے۔ سلطان نے دوسرے انداز میں شیر کوہ کی بات کی تائید کی۔ پھراس بارے میں وابستگان تخت و تاج کا کیا مشورہ ہے۔

امیر شرف الدین برغش جو اپنی وفاداری کی بنا پر سلطان کو بہت عزیز تھا اس نے

Marfat.com

ادب سے کہا۔ "جان نثاران سلطان مشورہ کیا دے سکیں گے۔ عالی جاہ ان کے لئے صادر فرمائیں۔ وہ اس پر عمل پیرا ہوں گے۔"

"ہونہہ" سلطان ایک لمبی سانس لے کر سوچ میں ڈوب گیا کچھ وقفہ کے بعد سر اٹھا کر بولا۔ "اگرچہ لشکر کے لئے بہت سے خطرات ہیں مصری ہوشیار بھی ہوچکے ہیں۔ شاہ یروشلم کو حارم اور بانیاس کا غم گھلائے دے رہا ہے وہ بھی ہمارے لشکر کو بغیر ٹوکے ریگستان میں نہیں نکلنے دے گا لیکن یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ مصر کی مسلمان سلطنت ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائیوں کے حوالے ہوجائے اور ہم چپ چاپ تماشائی بنے دیکھتے ہیں۔

شیر کوہ کو کچھ اور حوصلہ ہوا۔ عالی جاہ ملک شاور نے بد عہدی کر کے حضور شاہ میں گستاخی کی ہے اسے اس گستاخی کی سزا ملنی چاہئے۔

"اس کا انتظام اس وقت ہوگا جب ہمارا لشکر وہاں پہنچے گا۔" سلطان نے فرمایا سوال یہ ہے کہ اس دفعہ وہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے کہ شاہی لشکر بغیر کسی مزاحمت کے مصر پہنچ جائے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے لشکر مصر پہنچنے سے پہلے یروشلم کے فوجیوں سے الجھے اور ہمارے مقصد کے حصول میں دشواری پیدا ہوجائے۔

"عالی جاہ ـــ شاہی لشکر پہلے بھی یروشلم کی سرحد کے ساتھ ساتھ نہایت ہوشیاری اور خاموشی سے ریگستان پار کر کے بلبیس پہنچ گیا تھا وہی راستہ پھر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ شیر کوہ نے سلطان کو پہلا ہی راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔

"وہ راستہ ٹھیک ہے لیکن یروشلم کا شاہ ایمالرک ہوشیار ہوچکا ہے اس نے ریگستان میں ضرور چوکیاں قائم کی ہوں گی۔" سلطان کو ریگستان میں عیسائیوں سے مڈبھیڑ ہونے کا خطرہ بار بار ستا رہا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مصر پہنچنے سے پہلے شاہی لشکر کے راستے میں کوئی گڑبڑ پیدا ہو۔

اس دربار میں کوئی فیصلہ تو نہ ہوا لیکن یہ بات سامنے آگئی کہ سلطان نور الدین زنگی نے مصر کی پہلی مہم کو نہیں بھلایا اور وہ تمام خطرات کے باوجود کسی وقت بھی مصر کی طرف لشکر بھیجنے کا حکم دے سکتا ہے۔ شیر کوہ نے دربار سے آنے کے بعد صلاح الدین کو طلب کیا۔ صلاح الدین اگر تمہیں مصری محاذ پر جانے کا ایک بار پھر حکم دیا جائے تو کیا تم پھر منہ بناؤ گے۔ اور اپنے انکار میں دلیلیں دو گے۔

"چچا جان ـــ" صلاح الدین نے جوابدیا۔ "میں مصر جانے سے پہلے نہ انکار کیا تھا اور نہ اب انکار کروں گا یوں بھی سلطان کا حکم صرف حکم ہوتا ہے اسے ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ مصر میں جان کھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

Marfat.com

شیر کوہ نے صلاح الدین کو سبق دیتے ہوئے کہا۔ یاد رکھو صلاح الدین فوج کشی کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار صرف سلطان ہوتا ہے میں نے تمہارا عندیہ اس لئے معلوم کیا کہ کہیں تم پھر پس و پیش میں نہ گرفتار ہو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ دمشق سے مصر تک کا سفر مشکل ہی نہیں بلکہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن سلطان کی نظروں اور دربار میں صرف وہ امیر اور شہسوار جگہ پاتے ہیں جو سلطان کا اشارہ پاتے ہی رکاب میں پاؤں ڈال دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ اب تم سمجھدار ہو اور تم ایک تلخ تجربے سے بھی گزر چکے ہو۔ اس لئے موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں راستہ تو دکھا سکتا ہوں لیکن تمہیں بھروسہ صرف اپنی شمشیر پر ہونا چاہئے۔ یہ ضرور یاد رکھو کہ مصر میں ہمیں کتنے ہی مصائب برداشت کرنا پڑیں۔ لیکن ہمارا اور تمہارا مستقبل اسی مصر ہی سے بنے گا۔

صلاح الدین نے تجربہ کار چچا کی تمام نصیحتیں اور تجربے کی باتیں گرہ میں باندھ لیں۔ پھر عامر غربی کو بلا بھیجا اور عامر اور قاسم الحسین اگرچہ بڑے آرام میں تھے دونوں سپاہی سے سوار اور پھر رسالدار ہو گئے تھے اس میں صلاح الدین کی نظر کرم ضرور شامل تھی لیکن ایک عرصہ میں نہ تو صلاح الدین نے انہیں بلایا تھا اور نہ عامر خود اس سے ملنے گیا تھا۔ اس بلاوے پر اس کے دل سے آواز اٹھی کہ ضرور کوئی خوشخبری ہے چونکہ صلاح الدین نے صرف عامر غربی کو بلایا تھا اس لئے وہ قاسم الحسین کو اطمینان دلا کر صلاح الدین سے ملنے چلا۔

صلاح الدین نے عامر کو دیکھتے ہی کہا، "کیسے ہو عامر ہم یاد نہیں آتے تمہیں؟"

"امیر زادے۔ آپ کو تو میری ہر سانس دعا دیتی ہے۔" عامر نے اظہار تشکر کے جذبہ سے کہا۔ آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن آپ کی مصروفیت کا خیال کر کے خاموش رہتا ہوں۔ پھر آپ نے جس راستہ پر لگا دیا ہے۔ اس میں اب تک کوئی وقت پیش ہی نہیں آئی۔"

"تمہارا دوست قاسم کیسا ہے"۔

"بالکل ٹھیک ہے آپ کو دعائیں دیتا ہے"۔ عامر نے خوشدلی سے جواب دیا۔ "امیر زادے آپ نے ہم دونوں کو کار زار حیات میں مصروف کر کے بڑا ثواب کمایا ہے ورنہ ہماری زندگی یونہی بیکار گزرتی رہتی ہے۔

"میرا ارادہ تمہارے ملک جانے کا ہو رہا ہے۔ ---" صلاح الدین نے اک دم کہا تو عامر چونک گیا۔"

عامر نے حیران نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔ آپ مصر جا رہے ہیں؟"

Marfat.com

"ہاں بھئی مصر۔ کیا مصر تمہارا ملک نہیں ۔ ؟" صلاح الدین مسکرا رہا تھا۔

عامر نے گہری سانس لی ۔ "چھوٹے دیس کا رشتہ ہی کیا۔ آپ نے میرے دل میں نوازی کا ایسا بیج بویا کہ میں ماضی بھول گیا ہوں۔ آپ کے سامنے مصر کا نام لیتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے"۔

صلاح الدین نے ملائمت سے جواب دیا۔ "عامر اگرچہ مصر سے ہماری بہت سی یادیں وابستہ ہیں لیکن یہ دنیا ہے اس میں اکثر تلخیوں میں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ ملک شاور نے ہمارے ساتھ تو اچھا سلوک نہیں کیا اس لئے ہمیں وقتی شرمندگی اٹھانا پڑی لیکن مصر سلطان دمشق اور عیسائی دنیا کی سیاست کا ایک ایسا مہرہ ہے جس کے لئے نہ جانے کتنی چالیں چلی گئی ہیں اور مستقبل میں ابھی پتہ نہیں کتنی اور چلیں جائیں گی ممکن ہے کہ اس وقت تک ہم تم اور ملک شاور زندہ نہ رہیں۔ یہ قوم کی زندگیوں کی چالیں ہیں اور قوموں کی زندگی میں انسان کیا صدیوں کی کوئی صنفت نہیں ہوتی"۔

عامر بڑی غور سے صلاح الدین کی باتیں سن رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں خاک بھی نہ آ رہا تھا کہ قوموں کی زندگی اور انسانی زندگی میں کیا نسبت اور تعلق ہو سکتا ہے۔ صلاح الدین نے رک رک کے عامر کو غور سے دیکھا۔

"تم شاید ہماری گفتگو سے الجھن محسوس کر رہے ہو عامر؟"

"یہ بات نہیں امیر زادے"۔ عامر نے سنبھل کے کہا۔ "در اصل میری عقل میں نہ تو اتنی رسائی ہے ۔ اور نہ ایسی طاقت پرواز کہ وہ آپ کی عالمانہ گفتگو کا مطلب سمجھ سکے۔"

"اس طول طویل تمہید کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک بار پھر مصر کا رخ کر رہے ہیں صلاح الدین نے ایک بڑے منصوبہ کو صرف چند الفاظ میں بیان کردیا۔

عامر کا ذہن مصر کی طرف آتے آتے رہ گیا تھا لیکن درمیان میں صلاح الدین نے کچھ فلسفیانہ قسم کی باتیں شروع کردی تھیں۔ اب صلاح الدین نے مصر کے بارے میں اچانک انکشاف کر کے اسے حیرت میں ڈال دیا امیر زادے میرے کانوں نے سنا ہے کہ آپ پھر مصر تشریف لے جا رہے ہیں۔"

"تم نے درست سنا ہے عامر غریب" صلاح الدین نے تصدیق کردی"۔ میں اسی مصر جا رہا ہوں جہاں تم پیدا ہوئے بڑھے پلے اور جوان ہوئے وہی مصر جہاں ہم تم پہلی بار ملے تھے اور وہی مصر جہاں تم نے اپنے بد عہد برادر نسبتی کے ہاتھوں ذلت اٹھائی تھی اب تو تمہیں یقین آیا کہ ہم واقعی مصر جا رہے ہیں۔

Marfat.com

"یقین تو مجھے آگیا تھا امیر زادے"۔ عامر نے جواب دیا" لیکن میرے یقین پر حیرت کا غلاف چڑھ گیا تھا جو اب اتر چکا ہے"۔

"بس اتنا ہی یا کچھ اور بھی کہنا ہے؟" صلاح الدین نے اسے ایک معنی خیز سوال کیا۔

"میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ امیر زادے۔ عامر نے غمگین لہجے میں جواب دیا۔ "اگر آپ تفریحاً" تشریف لے جا رہے ہیں تو خدا آپ کو یہ سفر مبارک کرے اور آپ خیریت سے واپس تشریف لائیے اور اگر آپ مصر پر فوج کشی کر رہے ہیں تو میں آپ کی فتح کی دعا کروں گا"۔

"تمہارا دل مصر جانے کو نہیں چاہتا"۔ صلاح الدین نے ایک اور الجھا ہوا سوال کیا۔

"جی کیوں نہیں شہزادے۔" عامر نے فوراً جواب دیا۔ لیکن یہ کہہ کر میں غداری کا الزام نہیں لینا چاہتا مجھے مصر نے کچھ نہیں دیا۔ جو کچھ ملا وہ میں نے دمشق میں پایا۔ میں مصر ضرور جانا چاہتا ہوں لیکن ایک فاتح سپاہی کی حیثیت سے۔ مجھے اب بھائی جان ملک شاور سے بھیک نہیں مانگنا بلکہ اسے حکم دینا ہے۔ میں زرتاج سے بھی ملنا چاہتا ہوں لیکن رات کے وقت چھپ کے نہیں بلکہ علی الاعلان اس وقت جب صعید پر شامی فوجوں کا قبضہ ہوگا"۔

"شاباش عامر۔ ہم تمہاری دعاؤں اور آرزوؤں میں شریک ہیں"۔ صلاح الدین نے بڑی مسرت سے کہا۔ "تم انشاء اللہ مصر میں داخل ہوگے ایک فاتح کی طرح اور صعید میں گردن بلند کر کے جاؤ گے۔"

"آمین امیر زادے"۔ عامر کی زبان سے ایک دم نکل گیا۔ " خدا آپ کی زبان مبارک کرے"۔

"مصر جانے کے لئے خود کو تیار کرلو۔" صلاح الدین نے آخر اسے مژدہ سنا ہی دیا۔ مگر ابھی یہ بات پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے دوست قاسم الحسین کو اپنا راز دار بنا سکتے ہو لیکن اسے بھی تاکید کردینا کہ زبان بند رکھے۔

عامر کی رگ رگ خوشی سے پھڑک رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس نوید کا کس طرح شکریہ ادا کرے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صلاح الدین نے اسے رخصت کردیا۔ "میں نے تمہیں اسی لئے بلوایا تھا۔ اب تم جاسکتے ہو"۔

عامر واپس ہوا۔ اس طرح جیسے بھاگ رہا ہو۔ بیرک کے لوگوں نے دیکھا تو کانا پھوسی

Marfat.com

شروع کردی ایک سے نہ رہا گیا اس نے کہہ ہی دیا۔ "یہ پردیسی بھی عجیب طرح کے ہیں دیکھو تو بھلا اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔ پانی تو نہیں برس رہا"۔

دوسرے نے عامر کی حمایت کی۔ "کچھ بھی ہو لیکن یہ دونوں ہیں بہت نیک نہ کسی کی اچھائی میں نہ برائی میں اپنے کام سے کام۔ امیر زادے صلاح الدین نے انہیں اس نیکی کی وجہ سے ملازمت دلائی ہے ورنہ کیا شامی لشکر کے لئے شامیوں کی کمی ہے"۔

شامی لشکر میں اکثریت شامیوں کی تھی۔ غیر شامیوں کو لشکری پردیسی کہتے تھے لیکن ان سے نفرت نہ کرتے تھے بلکہ اگر ان پر مصیبت آتی یا کوئی بیمار ہو جاتا تو اپنوں سے زیادہ پردیسیوں کی خدمت کی جاتی تھی۔ عامر غربی اور قاسم الحسین نے خود کو الگ تھلگ رکھا تھا۔ دونوں دوست اکٹھا رہتے تھے اور خالی اوقات میں خوب باتیں کرتے تھے۔ قاسم الحسین نے عامر کو اس طرح بھاگ کے آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اسے کوئی بڑی اچھی خبر ملی ہے۔ پردیسیوں کے لئے اچھی خبر یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں اپنے دیس کی کوئی اطلاع ملے یا وہاں سے کوئی شخص ملنے آیا ہو۔ یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ان کے لئے نعمت سے کم نہ تھیں۔

بیرک کی جس کوٹھری میں عامر اور قاسم الحسین رہتے تھے ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ اس طرح ہر کوٹھری یا کمرہ چار آدمیوں کو دیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ رہنے والے دونوں لشکری اگرچہ مقامی تھے لیکن بڑی خاموش طبیعت کے۔ وہ آپس میں بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ اس وقت اتفاق سے وہ دونوں کہیں گئے ہوئے تھے۔ قاسم الحسین نے عامر کو دور سے آتا دیکھ لیا تھا۔ کوٹھری میں داخل ہونے سے پہلے عامر نے اپنے بازو پھیلا دیئے تھے۔ قاسم الحسین نے اس کی تقلید میں خود بھی بازو پھیلائے تھے۔ عامر اندر آ کر ہنستا ہوا قاسم الحسین سے اس زور سے لپٹا کہ قاسم الحسین کو اپنا توازن برقرار رکھنے میں دقت پیش آئی۔

"ہوش میں آؤ عامر۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت خوش ہو۔ مجھے بھی جلدی سے اپنی خوشی میں شامل کرو۔" قاسم الحسین نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

عامر کی سانس پھول رہی تھی۔ اس نے سانس پر قابو پانے کی کوشش کی۔ خوشی سے میری سانس پیٹ میں نہیں سماتی۔ ذرا دم لے لو۔ پھر بتاؤں"۔

قاسم الحسین الگ ہو کے کھڑا ہو گیا۔ "اچھا پہلے ٹھیک سے دم لے لو"۔

عامر نے بڑی مشکل سے سانس پر قابو پایا"۔ اچھا یہ بتاؤ قاسم تمہیں قاہرہ یاد آ

۴۲۸

Marfat.com

"ہائے کیا نام لیا ہے عامر صاحب"۔ قاسم الحسین بے چین ہوگیا۔" یہ بڑا شہر ہے یہاں بڑا آرام اور سکون ہے لیکن بھائی وطن پھر وطن ہے۔ قاہرہ کو میں خواب میں دیکھتا ہوں تو چونک پڑتا ہوں۔"

"تو پھر خوش ہو جاؤ"۔ عامر نے اسے چھیڑا۔

"کیوں خوش کیوں ہو جاؤں۔ کیا قاہرہ اٹھ کر یہاں آجائے گا۔ قاسم الحسین کے لہجے میں اداسی تھی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے قاسم"۔ عامر نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اور یہ بھی ہو سکتا ہے ہم قاہرہ جائیں"۔

"قاسم نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا"۔ عامر صاحب مذاق نہ کرو۔ سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ ہم قاہرہ جا رہے ہیں"۔ عامر نے بتایا لیکن یہ بات دل میں ہی رکھنا ہے"۔

"دل ہی میں رکھوں گا لیکن کچھ اور تو بتاؤ۔ تم جا رہے ہو یا ـــــ"

"ہم کا مطلب ہے میں اور تم دونوں"۔

"کس لئے جا رہے ہیں کب جا رہے ہیں کیوں جا رہے ہیں۔ قاسم الحسین بہت بے چین ہوگیا۔

عامر نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ مصر پر حملہ ہو رہا ہے"۔

"تو یوں کہو"۔ قاسم الحسین نے سر ہلایا۔ لیکن کیا پتہ میں بھیجا جائے یا نہ بھیجا جائے۔

"بھیجا جائے گا قاسم"۔ مجھے امیر زادے صلاح الدین نے بتایا ہے۔" عامر نے انکشاف کیا۔

قاسم نے فوراً ہاتھ اٹھا دیئے۔ "خدا سلامت رکھے امیر زادے صلاح الدین کو"۔

"آمین ۔ تمہاری زبان مبارک"۔ عامر نے تائید کی ۔ "امیر زادے نے کہہ دیا کہ وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے"۔

سلطان نور الدین زنگی کا طریقہ یہ تھا کہ عام طور پر وہ خود جہاد یا بڑی بڑی جنگوں کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ جہاں وہ خود کسی وجہ سے نہ جاتا وہ اپنے سپہ سالار یا کسی دوسرے سردار کی کمان دے کر بھیجتا تو پھر اس وقت تک اس کمان کو تبدیل نہ کرتا جب وہ مہم کامیاب نہ ہو جاتی ۔ مصر پر ایک بار لشکر کشی ہو چکی تھی لیکن اس میں وزیر اعظم مصر

Marfat.com

ملک شاور کی بدعہدی کی وجہ سے وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی سلطان کو امید تھی دور دراز ملک پر فوج کشی میں اسے نقصان بھی ہوا تھا لیکن یہ جنگ اور مہم ایسی نہ تھی جسے ادھورا چھوڑ دیا جائے۔ اس کا سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ تو اٹھتے بیٹھتے مصر پر دوبارہ حملہ کا مشورہ دیا کرتا تھا لیکن متحمل مزاج سلطان اس کی باتیں صبر سے سن لیا کرتا تھا لیکن فیصلہ چونکہ اسے کرنا تھا اس لئے وہ مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر جب اس نے فیصلہ کرلیا کہ مصر کو یروشلم کے عیسائی شاہ ایمارک کے ظالم ہاتھوں سے بچانا ہے تو اب وہ دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دوسرے حملے کے لئے بھی شیر کوہ ہی کو منتخب کیا یہی نہیں بلکہ اس نے حکم دیا کہ امرائے نوریہ کے جو امیر پہلی لشکر کشی کے وقت شیر کوہ کے ساتھ مصر گئے تھے وہی امراء اس بار بھی لشکر کے ساتھ جائیں گے۔ پس امرائے نوریہ کو مطلع کردیا گیا کہ وہ خود کو ہمہ وقت سفر کے لئے تیار رکھیں تاکہ صرف دو گھنٹے کے نوٹس پر وہ روانہ ہو سکیں۔ جن امراء کو مطلع کیا گیا ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ امیر عین الدولہ یاروقی

۲۔ امیر قلب الدین فیال

۳۔ سیف الدین شنوب ہکاری

۴۔ شہاب الدین محمود حارمی

دوسری طرف اسد الدین شیر کوہ کو حکم ہوا کہ وہ اپنی مرضی کے دو ہزار سوار منتخب کرلے۔ سلطان نے یہ بھی حکم دیا کہ مزید تجربہ حاصل کرنے کے لئے نجم الدین ایوب کا بیٹا صلاح الدین بھی شیر کوہ کے ساتھ مصر کی مہم پر جائے گا۔ صلاح الدین نے پہلے کی طرح اس دفعہ بھی مصر جانے میں پس و پیش کیا لیکن سلطان کے حکم پر اسے جانا پڑا۔ صلاح الدین کو جنگ کا چسکہ تو پڑ گیا تھا لیکن شاید یہ دمشق کی محبت تھی جو اسے اس شہر سے نہ نکلنے دیتی تھی یا پھر وہ مصر کے ریگستانی سفر سے گھبراتا تھا۔

سفر کی تیاریاں بہت خاموشی سے کی گئیں۔ سوائے امرائے نوریہ کے اور کسی کو علم نہ تھا کہ لشکر تیار کیوں ہو رہا ہے۔ اس راز داری کے باوجود سلطان نے حکم دیا کہ اس دفعہ مصر کے لئے پہلے راستے کے بجائے وادی الغالدں کے راستے سے سفر کیا جائے۔ یہ راستہ اگرچہ عیسائی علاقے سے دور دور تھا اور عیسائیوں سے کسی قسم کی مڈبھیڑ کا امکان نہ تھا لیکن یہ راستہ بالکل ریگستان کے درمیان سے نکلتا تھا جہاں اکثر گرد و غبار کے طوفان اٹھا کرتے تھے مگر سلطان کا حکم تو ماننا ہی تھا چنانچہ ایک شب جب آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی، اسد الدین شیر کوہ تمام امرائے نوریہ، صلاح الدین، دو ہزار سواروں اور اسلحہ اور دوسرے

Marfat.com

...ن کی گاڑیوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ صبح تک سفر بڑی آسانی سے جاری رہا ...ن سویرا ہوتے ہی سورج کی آتشیں کرنوں نے جسم میں چبھنا شروع کردیا جس جگہ یہ ...وگ پہنچ چکے تھے وہاں سے ریگستان شروع ہوتا تھا شیرکوہ نے مجبوراً قیام کا حکم دیا اور یہ ...ی قافلہ ایک چھوٹے سے نخلستان کے پاس ٹھہر گیا۔

ابھی نخلستان شروع نہ ہوا تھا لیکن سورج چڑھتے ہی گرد و غبار کے جھکڑ چلنا شروع ہوگئے اور ان لوگوں کو نخلستان میں گھس کر پناہ لینا پڑی۔ اوپر چلچلاتی ہوئی دھوپ' نیچے ریت کے اڑتے ہوئے' پہاڑ۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ریت کے ٹیلے ہوا کے دوش پر سفر کر رہے ہیں۔ ہوا ایک تیز تھپڑا آیا اور اپنے ساتھ تو ریت کا ایک ٹیلا لایا جس سے نخلستان کے سامنے ایک دیوار سی اٹھ گئی لیکن چند ہی لمحوں بعد طوفان ہوا کے جھکڑ نے اس ٹیلے کو اٹھا کر نہ جانے کدھر پھینک دیا۔ یہ منظر خطرناک ہونے کے باوجود دلچسپ بھی ...ا اور لشکری تمام دن یہ منظر دیکھتے رہے۔

خدا خدا کر کے رات ہوئی۔ ہر طرف ایسا سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کوئی آبادی نہیں۔ لشکر نے خیمے ڈیرے اکھاڑ دیئے اور آگے بڑھا۔ وہ رات بھر بڑے سکون سے سفر کرتے رہے اور صبح ہوتے ہی کسی معقول جگہ ٹھہر گئے اس طرح وہ ایک ہفتہ سفر کرتے رہے۔

اس راستہ کے دو رہنما ان کے ساتھ دمشق سے کیئے گئے تھے۔ ایک تو وہ راستہ بتاتے تھے دوسری یہ لوگ دن میں جس جگہ ٹھہرے وہاں سے آگے کے راستے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔ چونکہ یہ صرف رات کے وقت سفر کرتے تھے ۔ اس لئے راستہ بہت آہستہ آہستہ طے ہو رہا تھا۔ پھر آٹھویں شب انہیں ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ وہ نصف شب تک سفر کر چکے تھے کہ رہنماؤں کو احساس ہوا کہ وہ غلط راستے پر آگئے ہیں۔

اس احساس کے ساتھ ہی سفر ملتوی کر دیا گیا۔ دونوں رہنما دو چار لشکریوں کو ساتھ لے کر راستہ تلاش کرنے نکلے۔ ریگستان میں نہ راستے کا نشان ہوتا ہے اور نہ منزل کا پتہ۔ قافلے محض رہنما کے حافظے اور ذہن کے مطابق سفر کرتے ہیں ۔ دونوں رہنما نصف شب سے صبح تک راستہ تلاش کرتے رہے لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور اب سویرا ہو رہا تھا اور دن کو ریگستان کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کے تصور ہی سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ جب رہنماؤں نے اپنی بے بسی کا اظہار کردیا اور شیرکوہ کے سامنے مجرم بن کے حاضر ہوگئے تو لشکریوں کے چہرے دھواں دھواں ہوگئے۔ بیچ ریگستان میں پورا دن گزارنا ناممکن معلوم ہو رہا تھا شیرکوہ نے رہنماؤں سے گفتگو کر کے یہ اطمینان کرلیا کہ وہی بے خطا ہیں اور وہ واقعی غلط راستے پر آگئے ہیں تو اس نے انہیں معاف کردیا اور سواروں کو حکم دیا کہ

Marfat.com

خیموں کو ہوا کے رخ پر ا-ستادہ کر دیا جائے لشکریوں کو علم ہوا کہ وہ خیموں میں اس وقت تک قیام کریں۔ جب تک وہ آندھی اور طوفان سے اکھڑ نہیں جاتے۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں کا سہارا لیں اور ان کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لپٹ جائیں۔

لشکریوں کو خیمے استادہ کرتے کرتے سورج چڑھ آیا تھا اور گرد اڑنا شروع ہوگئی تھی شیر کوہ ہر خیمے پر جا کر فردا" فرادا" ہر لشکری کو تسلی دے رہا تھا کہ گرد کے اس طوفان کو دشمن کی فوج سمجھا جائے اور اس کا مقابلہ ہمت اور جرات سے کیا جائے۔ جو زمین پر گر جائے وہ اٹھنے کی کوشش نہ کرے اور کسی بھاری چیز کا سہارا تلاش کرے شیر کوہ آدھے خیموں تک بھی نہ پہنچ سکا تھا ریگستان کی طوفانی ہواؤں اور تیز جھکڑوں نے انہیں آ لیا۔ خیمے اکھڑنا شروع ہوئے اور اس کے اندر کے لشکر باہر نکل کر خیموں سے چمٹ گئے کچھ گھوڑوں کی گردن سے لٹک گئے۔ گھوڑے طوفان کی بو پا کر ہوا کے دوسرے رخ کو گھوم کر کھڑے ہوگئے تھے ان کے پیر ریت میں دھنس گئے تھے ہر ایک زبان پر کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات تھیں۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ زمین ریت ان کے پیر جلائے دے رہی تھی اور ریت کانوں ناکوں میں گھس رہی تھی لشکر نے منہ پر چادریں باندھ لیں تھی اور ریت کے اس طوفان کے سامنے سینہ سپر تھے شیر کوہ' صلاح الدین ا اور امرائے نوریہ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے زنجیر کی مانند ادھر ادھر گردش کر رہے تھے اور پکار پکار کر لشکریوں کو تسلیاں دے رہے تھے ہر طرف سے کلمہ پڑھنے اور آذان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

یہ طوفان تھا کہ ایک قیامت آفتاب مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا مگر اس کی تیزی کم ہو رہی تھی۔ لشکریوں کے کپڑے تار تار ہوگئے تھے۔ پانی کے مشکیزوں میں اگرچہ پانی تھا لیکن وہ گرمی کی شدت سے کھول رہا تھا۔ چہرے ایسے ہوگئے تھے جیسے ان پر کسی نے بھبھوت مل دیا ہو۔ بے زبان جانور خود اپنے کو اور اپنے اوپر جھکے ہوئے لشکریوں کو سنبھالتے ہوئے بڑی مضبوطی سے ریتلی زمین پر قدم جمائے کھڑے تھے خدا خدا کر کے سورج غروب ہونے کو آیا تو تیز جھکڑ چلنا بند ہوئے اور اوپر سے چھنتی ریت میں کمی ہوئی۔ رات شروع ہوتے ہی ہر طرف سکون طاری ہوگیا اور آسمان پر چاند چمکنے لگا لشکریوں نے جلدی جلدی منہ پر بندھے ڈھاٹے کھولے اور کپڑے سے منہ' کان ' ناک اور بال صاف کئے۔

شیر کوہ اور صلاح الدین طوفان کی شدت کم ہوتے ہی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ریت کے میدان میں دور دور تک پھیلے سامان اور لشکریوں کو اٹھوا رہے تھے بہت سے سوار ہوا کے رخ پر بھیجے گئے تھے کہ وہ لشکر سے بچھڑ جانے والوں کو ڈھونڈ کے لائیں مزید دو گھنٹوں میں بکھرا ہوا سامان اور لشکریوں کو واپس پہنچا دیا گیا تھا۔ سامان کے بارے میں تو کچھ زیادہ علم نہ ہوسکا لیکن چار لشکری اور بارہ گھوڑے کم ہوگئے تھے۔ طوفان جانے انہیں کدھر اڑا

Marfat.com

لے گیا تھا۔ شیر کوہ نے ان کی تلاش میں مزید سوار روانہ کیے مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اب شیر کوہ کو پھر منزل کی فکر ہوئی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر رات میں کسی محفوظ مقام تک نہ پہنچ سکے تو دن میں پھر ایسے ہی طوفان سے دو چار ہونا پڑے گا۔

خدا اپنے بندوں کے امتحان لیتا ہے۔ اور نیک بندوں کا کچھ زیادہ ہی اطمینان لیتا ہے۔ یہ لشکر تمام دن جس عذاب میں مبتلا رہا تھا وہ ایک سخت تھا۔ شاید خدا نے انہیں امتحان میں کامیاب پایا تھا۔ اس لئے فوراً ہی ان کے نجات کی صورت پیدا کر دی۔ یہ لوگ سامان بار کر کے کسی طرف بڑھنے والے تھے انہیں درست سمت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اندازہ سے چلنے والے تھے کہ چھ سات سوار گھوڑے بھگاتے ان کے پاس آئے۔ انہوں نے گھوڑے روکے اور پوچھا کہ اس قافلے کا سردار کون ہے۔ سب نے شیر کوہ کی طرف اشارہ کردیا۔ ان میں سے ایک آدمی شیر کوہ کے پاس پہنچا اور اس نے بڑے ادب سے اسے اسلام علیکم کہا۔

شیر کوہ نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا۔

"شاید آپ مسلم سپہ سالار شیر کوہ ہیں؟" آنے والے نے ادب سے دریافت کیا۔

"آپ نے درست فرمایا' میں ہی شیر کوہ ہوں مگر ــــــــــ"

"آپ فکر مند نہ ہوئیے میں آپ کو بتاتا ہوں آنے والے نے شیر کوہ کو اور دوسرے لوگوں کی حیرت کم کرنے کے لئے کہا۔ آپ کے کچھ لوگ لشکر سے بچھڑ کے ہوا کے رخ پر قلابازیں کھاتے ہمارے نخلستان تک پہنچ گئے۔ ہم نے ریت کے اس طوفانی سمندر میں اتر کے انہیں بچا لیا لیکن ابھی وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہیں اس لئے ہم انہیں نخلستان میں چھوڑ کے آپ لوگوں کو لینے آئے ہیں۔

شیر کوہ کو ذرا الجھن محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً سوال کیا۔ مگر آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم لوگ اس جگہ ہیں جبکہ ہم نے آپ کو مدد کے لئے آواز بھی نہیں دی؟"۔

"آپ نے درست فرمایا امیر لشکر۔" آنے والے نے کہا۔ "اس وقت آپ نے ہمیں آواز نہیں دی لیکن ہم تمام لوگ آپ لوگوں اذانیں سنتے رہے ہیں ہم نے ان اذانوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ لوگ کس جگہ ہوسکتے ہیں۔ طوفان تھمتے ہی ہم آپ کی طرف چل پڑے لیکن راستے میں آپ کے بچھڑے ہوئے ساتھی ریت میں دبے ہوئے مل گئے۔ ان کی حالت بہت خستہ ہو رہی تھی اس لئے ہم نے پہلے انہیں نخلستان میں پہنچایا اور پھر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

سب نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اس نے ان کی مصیبت ختم کی۔ ان کے ساتھی بھی مل گئے اور اب وہ سکون کی جگہ پہنچ جائیں گے۔ شیر کوہ نے اس سے پوچھا۔

Marfat.com

آپ کا نخلستان یہاں سے کتنی دور ہے"۔

بالکل قریب ہے سپہ سالار۔ آنے والے نے جواب دیا۔ "لیکن آپ کا راستہ غلط تھا اگر آپ کا رہنما صحیح راستے پر چلتا تو آپ ہمارے ہی نخلستان پہنچے ہوتے"۔

شیر کوہ کو صبح کی فکر تھی۔ اس نے دریافت کیا کیا یہاں کوئی ایسا رہبر ہوگا جو ہمیں بلبیس تک پہنچا دے میں کسی بغیر رہبر کے آگے بڑھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے۔ سب انتظام ہوجائے گا"۔ آنے والے نے تسلی دی۔

شیر کوہ نے فوراً سامان بار کرنے کے حکم دیا۔ کچھ لوگ زخمی ہوئے تھے ان کی مرہم پٹی کروی گئی تھی۔ جلدی جلدی سامان لادا گیا۔ اور طوفان کا مارا ہوا یہ لشکر جلدی ہی ایک نخلستان میں پہنچ گیا جو اس ریگستان میں جنت سے کم نہ تھا۔ ریگستان والوں نے شیر کوہ کو بتایا کہ ریگستان کے اس حصہ میں اس قدر زبردست قسم کے طوفان نہیں اٹھا کرتے۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ آنے والے اس قدر شدید آندھی اور طوفان آیا۔ لشکر تمام دن طوفان سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا۔ اس نے میدان سے سامان سمیٹ کے بار کرایا اور یہاں پہنچ کے اسے کھولا اور خیمے لگائے لیکن ان میں اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فوری طور پر سفر جاری رکھ سکیں شیر کوہ نے لشکریوں کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لئے اس نے اعلان کرا دیا کہ آج کی رات اور کل کا پورا دن لشکر نخلستان میں مکمل آرام کرے گا۔ اور کل شام کو آگے روانگی ہوگی لشکر والے یہی چاہتے تھے۔ کھانا تیار ہوا اور کھانا کھا کر وہ ایسے گھوڑے بیچ کے سوئے کہ دوسرے دن صبح بہت دھوپ چڑھے ان کی آنکھ کھلی۔

اسد الدین شیر کوہ اور ان کے بڑے بھائی نجم الدین ایوب نماز روزے کا سختی سے پابند تھے۔ جس گھر کے بزرگ شائر اسلام کے پابند ہوں ان کی اولاد بھی اسی راستے پر چلتی ہے۔ بس صلاح الدین اور اس کے تمام بھائی اور بھتیجے وغیرہ بھی نماز روزے کی پابندی کرتے تھے جہاد تو جیسے ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ موصل میں آنے کے بعد جہاد کے جوہر اس خاندان میں کھلے تھے کیونکہ موصل کا امیر عماد الدین زنگی بڑا مجاہد تھا اور اس نے دشمنانِ اسلام سے تمام عمر جہاد کیا تھا۔ اب اس کا بیٹا سلطان نورالدین زنگی جہاد کے معاملے میں اس سے دو قدم آگے ہی تھا۔ زنگی خاندان کے لئے یہ بات مشہور ہے کہ اس خاندان نے اس وقت عروج حاصل کیا جب مسلم سلجوقی خاندان کی بادشاہی ختم ہو رہی تھی۔ اور خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی اچھا رہنما اور مجاہد نہ ملا تو بحر روم کی ساحلی پٹی پر تمام مسلم ریاستیں ایک ایک کر کے عیسائیوں کے قبضے میں چلی جائیں گی لیکن امیر نور الدین زنگی نے اسلامی بادشاہت کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا اور نہ صرف تمام مخالف عیسائی ریاستوں کو

Marfat.com

منہ توڑ جواب دیا بلکہ باز سنٹینی عیسائی شہنشاہ قسطنطنیہ کو میدان جنگ میں ایسا زچ کیا کہ اسے رات کے اندھیرے میں تمام معیاری سامان جنگ میدان میں چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔

نور الدین زنگی بھی اسی باپ کا بیٹا تھا۔ اس نے حکومت سنبھالتے ہی عیسائیوں کو تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے الرہا پر جو سیلین کے حملے کو نہ صرف روکا تھا بلکہ اس کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا تھا پھر مصر پر پہلی فوج کشی کے دوران نور الدین زنگی نے قلعہ حارم اور بانیاس پر قبضہ کر کے دشمن سے اپنا لوہا منوا لیا تھا اور اب اس کی توجہ ایک بار پھر مصراور وہاں کے بد عہد وزیر اعظم ملک شاور کی طرف تھی۔

اسد الدین شیر کوہ نے نخلستان میں اس رات صرف دو گھنٹے آرام کیا اور فجر کی آذان کے ساتھ ہی اٹھ بیٹھا۔ اس نے تمام سرداروں کو بھی جگا دیا۔ اگرچہ آج دن میں انہیں آرام کرنا تھا۔ کہ گذشتہ دن کے طوفان سے لشکریوں کو جو تھکن ہوگئی ہے وہ دور ہوجائے لیکن اس نے حکم دیا کہ لشکری اور محض آرام کرنے میں دن نہ گزاریں۔ لیکن آہستہ آہستہ روانگی کی بھی تیاری کرتے رہیں تاکہ سورج کی تپش کم ہوتے ہی وہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوجائیں۔ شیر کوہ نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اس قدر مہیب طوفان سے اس کا لشکر بچ گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کاش کل طوفان نہ آیا ہوتا تو آج وہ مصر سے ایک منزل اور قریب ہوگیا ہوتا۔

اس مختصر نخلستان میں ایک سو آدمیوں سے بھی کم رہتے تھے مگر یہ سب ریگستانی طوفانوں کی وجہ سے عیسائیوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ تھے۔ نخلستان کے بزرگ ناظم نے شاہی لشکر کو ایک مختصراور محفوظ راستے سے مصر پہنچانے کے لئے چار رہبر مقرر کر دیئے تھے۔ جب نخلستان والوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لشکر سلطان دمشق نور الدین زنگی محمود زنگی کے دربار سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اور زیادہ مہمان نواز ہوگئے کیونکہ نور الدین زنگی نے دمشق سے مدینہ النبی پہنچ کے یہ بدطینت عیسائیوں کو مزار مبارک کو نقصان پہنچانے سے جس طرح روکا اور سزا دی تھی اس کا تمام عالم اسلام میں شہرہ ہوا تھا اور ہر مسلمان سلطان دمشق کو اپنا رہنما سمجھتا تھا۔

شیر کوہ کو روانگی کی بہت جلدی تھی ایک پورا دن یعنی ایک منزل کی مسافت طوفان کی نذر ہوگئی تھی شام کے وقت ابھی سورج غروب بھی نہ ہوا تھا اور شیر کوہ نے روانگی کا حکم دیا تھا۔ آج کا دن کل کی بہ نسبت بہت کم گرم تھا۔ ریت کے جھکڑ بھی نہیں چلے تھے نخلستان کے لوگوں نے انہیں فی امان اللہ کہا۔ شیر کوہ نے نخلستان کے بزرگ کے ہاتھ چومے تو وہاں کے لوگوں نے باری باری شیر کوہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ مغرب کی نماز ادا کرتے ہی لشکر چل پڑا۔ اب ان کے کئی رہنما تھے اس لئے ان کے راستہ بھولنے کا سوال

Marfat.com

ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ رہبر جو دمشق سے ساتھ آئے تھے اور یہاں آ کر راستہ بھول گئے تھے انہیں شیر کوہ نے معاف کر دیا تھا کیونکہ اس فعل میں ان کا کوئی مقصد نہ تھا بلکہ وہ واقعی رستے سے بھٹک گئے تھے جس کا انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا تھا اور خود کو سزا کے لئے پیش کر دیا تھا۔

تمام رات کے سفر کے بعد صبح کے وقت وہ ایک ایسے ہی چھوٹے نخلستان میں پہنچے۔ ساتھ آنے والوں کو اس نخلستان والوں کو شیر کوہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ان غریبوں کے پاس کھانے پینے کا اتنا سامان تو نہ تھا کہ وہ لشکر کی ضیافت کا بندوبست کرسکتے پھر بھی جو دال دلیا ہوسکتا تھا اس کے پیش کرنے میں انہوں نے پس و پیش نہ کیا۔ دن بھر کے آرام کے بعد پھر سفر شروع ہوا اس طرح چار دن کے سفر کے بعد رہبروں نے بتایا کہ وہ مصری حدود میں داخل ہو چکے ہیں ۔ جس جگہ یہ لوگ مصری علاقہ میں داخل ہوئے اس کے بارے میں رہبروں نے بتایا کہ وہاں سے بلبیس کا شہر انکے دائیں ہاتھ پر تقریباً" دس میل دور تھا۔ شیر کوہ نے بلبیس جانے کے بجائے سیدھے جنوب کی طرف چلنا شروع کردیا۔ اس طرح وہ قاہرہ کو بھی اپنی دائیں جانب مغرب میں چھوڑتا ہوا چالیس میل جنوب تک پہنچ گیا۔ دریائے نیل یہاں سے گھومتا تھا۔

شیر کوہ نے مصر میں داخل ہوتے ہی یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ بلبیس کے راستے قاہرہ نہیں جائیں گے بلکہ قاہرہ کے جنوب میں کافی دور پہنچ کر دریائے نیل عبور کرکے مغربی کنارے پر پہنچ جائے گا۔ اپنے اسی منصوبہ کے مطابق شیر کوہ قاہرہ سے چالیس میل جنوب میں پہنچ گیا اور وہاں سے بے خوف و خطر اپنے لشکر کو نیل پار کر کے مغربی کنارے پر پہنچا دیا۔ اس وقت تک مصری حکومت اور ان کے وزیر اعظم ملک شاور کو بالکل علم نہ ہوسکا کہ دشمن کا لشکر قاہرہ سے چالیس میل جنوب تک پہنچ چکا ہے۔ ملک شاور سے زیادہ تو یروشلم کا بادشاہ ایمالرک زیادہ ہوشیار اور باخبر تھا۔ یروشلم کے سرحد کے ساتھ ساتھ ریگستان میں پھیلے ہوئے جاسوس ہر آنے جانے والے کی خبریں یروشلم پہنچا رہے تھے۔

یروشلم کے عیسائی جاسوس شیر کوہ کی گزر گاہوں تک تو نہیں پہنچ سکے مگر ان کی ایک گشتی گارڈ کو جنوب سے آنے والے ایک تجارتی قافلے میں یہ اطلاع دی کہ ایک غیر عیسائی لشکر بڑی تیزی سے جنوب کی سمت دن رات سفر کر رہا ہے۔ اس اہم خبر کی تصدیق بلبیس یا قاہرہ کی طرف سے تو نہ ہو سکی۔ لیکن ہوشیار شاہ ایمالرک پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اسی وقت مصر کی طرف چل پڑا۔ یروشلم کے شاہ ایمالرک کا خیال تھا کہ اگر یہ لشکر کسی دشمن کا ہے تو وہ سلطان دمشق یا اس کا کوئی کارندہ ہوسکتا ہے چونکہ پچھلی مرتبہ شیر کوہ بلبیس سے ہوتا ہوا قاہرہ پہنچا تھا اس لئے شاہ ایمالرک اپنا لشکر لے کر سیدھا بلبیس کی

Marfat.com

طرف چلا کہ اگر دشمن ابھی بلیس میں ہے تو اسے وہیں للکارے اور اگر بلیس سے قاہرہ کی طرف کوچ کرگیا ہے تو اس کے پیچھے قاہرہ پہنچ جائے مگر وائے ناکامی کہ جب وہ بلیس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ گزشتہ دو ہفتے سے بلیس کے راستے کوئی لشکر مصر میں داخل ہی نہیں ہوا۔

یہ صورت حال ایمالرک شاہ یروشلم کے لئے بہت پریشان کن تھی۔ اس نے بلیس میں ٹھہر کے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ چونکہ اب تک کسی دشمن کے مصر میں داخل ہونے کی خبر کسی سمت سے نہ ملی تھی اس لئے پہلے یہی خیال کیا گیا کہ جاسوسوں کی یہ اطلاع غلط ہے کہ کوئی لشکر شمال سے جنوب کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی لشکر کا مصر میں داخل ہو کر کہیں چھپ جانا ناممکن تھا۔ آخر شاہ ایمالرک نے یہ طے کیا کہ جب تک اس خبر کی پوری طرح تصدیق نہ کرلی جائے اس وقت تک یروشلم واپس جانا کوئی عقلمندی نہیں اور اس کی تصدیق قاہرہ پہنچ کر ہی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ شاہ یروشلم نے اپنے لشکر کا رخ قاہرہ کی طرف کردیا۔

یروشلم کے لشکر نے ابھی قاہرہ کی طرف حرکت کی تھی کہ جنوبی مصر کے طرف سے چار تیز رفتار سوار شاہ یروشلم کے لشکر میں گھبرائے ہوئے پہنچے اور انہوں نے شاہ سے فوراً ملاقات کی درخواست کی۔ شاہ کا لشکر تو کوچ کر چکا تھا لیکن خود شاہ بلیس میں ٹھہرا ہوا یروشلم سے آئے ہوئے چند سرداروں سے گفتگو میں مصروف تھا۔

شاہ یروشلم نے جنوبی مصر سے آنے والوں کو فوراً حاضری کی اجازت دے دی۔ آنے والوں نے اپنے پاس سے ایک کو نمائندہ بنا کر شاہ یروشلم کے پاس بھیج دی۔ یہ نمائندہ مسلمان تھا اس نے شاہ ایمالرک کے سامنے پیش ہو کر سلام کیا اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کہو سوار تم ہم سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" شاہ ایمالرک نے نرمی سے پوچھا۔

نمائندہ نے ادب سے جواب دیا۔ اے شاہ ہم چار بھائی ہیں اور مشترکہ طور پر جنوب میں تجارت کرتے ہیں دو دن پہلے ہم اپنے کاروبار کے سلسلے میں دریائے نیل پر گئے ہوئے تھے وہاں ہم نے ایک لشکر کو کشتیوں کے ذریعے دریا پار کر کے مغربی کنارے پر اترتے دیکھا۔

شاہ ایمالرک نے چونک کر پوچھا۔ ---- "وہ مصری لشکر تھا یا کوئی"----

"وہ مصری لشکر نہیں تھا شاہ معظم۔ نمائندے نے جواب دیا "وہ سب شامی سپاہی تھے اور بڑی احتیاط سے دریا پار کر رہے تھے۔"

"تم نے کیسے پہچانا کہ وہ شامی لشکر ہے؟" شاہ ایمالرک نے اپنی مزید تسلی کے لئے

Marfat.com

پوچھا۔

"میں شامیوں کو پہچانتا ہوں عالی جاہ۔" نمائندے نے بڑے استقلال سے کہا۔ "دو سال پہلے جب شامی ہمارے ملک میں آئے تھے تو ہم چاروں بھائی تجارت کے سلسلے میں بلبیس گئے ہوئے تھے وہاں ہم نے انہیں دیکھا ہے۔ ہم ان کے سردار شیر کوہ کو بھی پہچانتے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے شیر کوہ کو گھوڑے پر سوار مشرقی کنارے پر کھڑے دیکھا ہے وہ لشکر کے پار اترنے کے انتظامات دیکھ رہا تھا۔ اسی سے ہمیں شبہ ہوا کہ دشمن ہمارے ملک میں داخل ہوگیا ہے ہم اس بارے میں سوچ رہے تھے کہ اس کی اطلاع کسے دی جائے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ بلبیس آئے ہوئے ہیں پس ہم فوراً آپ کی طرف آگئے یقین کیجئے کہ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ میں آپ کو فوراً اس جگہ تک لے جاسکتا ہوں۔ جہاں میں نے شامیوں کو دریا پار کرتے دیکھا ہے"۔

ایمالرک نے اتنی اہم اطلاع دینے پر اس کے ساتھیوں کو قید کردیا وہ اسے اپنے ساتھ لے کر دریائے نیل کے کنارے جنوب کی طرف چلا۔ ادھر شیر کوہ لشکر کو مغربی کنارے کے بعد کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کی سمت روانہ ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور اس نے چند سواروں کو آگے کی طرف بھیج دیا تھا کہ وہ حالات کا جائزہ لیں ایسے ہی جائزہ گروہ کے سواروں نے دریا کی دوسری طرف ایک بڑا لشکر شمال سے جنوب کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے فوراً گھوڑے گھمائے اور شامی لشکر میں واپس آگئے۔

"سپہ سالارا۔ ایک لشکر دریا کے دوسری جانب شمال سے جنوب کی طرف حرکت کر رہا ہے۔" ایک سوار نے شیر کوہ کے سامنے پہنچ کے انکشاف کیا۔

شیر کوہ نے دریافت کیا۔ لشکر کتنی دور ہے یہاں سے ؟"

"تقریباً" پندرہ میل ہوگا۔" سوار نے اندازے سے بتایا؟"

"ان کی تعداد کتنی ہے"۔ شیر کوہ نے پورا اطمینان کرنے کے لئے دریافت کیا۔

"سپہ سالارا اعظم"۔ سوار سوچتے ہوئے بولا۔ میرا اندازہ ہے کہ آٹھ دس ہزار کے درمیان لشکر ہوگا"۔

شیر کوہ گھوڑے سے اترا خیمے کے سامنے بیٹھا تھا اس نے صلاح الدین اور امیر برغش کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور فوراً قریب کھڑے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اب تینوں گھوڑے سے گھوڑا ملائے تیزی سے شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شام ہوتی جا رہی تھی اس لئے انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کردی دو ڈھائی گھنٹے شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد انہیں دوسرے کنارے پر دشمن کا لشکر سامنے سے گزرے تو وہ اس کی تعداد کا صحیح اندازہ کرسکیں۔

Marfat.com

"یہ لشکر کس کا ہوسکتا ہے صلاح الدین؟" شیر کوہ نے صلاح الدین کی طرف دیکھا جس کی نظریں آنے والے لشکر پر لگی ہوئی تھیں۔

"سوائے ایمالرک کے اور کون ہوسکتا ہے امیر چچا۔" صلاح الدین نے بغیر نظر ہٹائے جواب دیا۔

"ملک شاور بھی تو ہوسکتا ہے"

"ملک شاور میں اتنی جرات نہیں کہ وہ قاہرہ چھوڑ کر ہمارے تعاقب میں آئے صلاح الدین نے اتنے وثوق سے کہا کہ شیر کوہ حیران رہ گیا۔

"مگر ہم نے وادی العزالدان کا راستہ اختیار کیا تھا اس کی خبر ایمالرک کو کیسے ہوئی۔ "شیر کوہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔" اگر اسے اطلاع ہوئی تھی تو وہ ہمیں بلبیس میں روکتا ہمیں چالیس میل جنوب تک کو پہنچنے دیتا؟"

"آپ کی بات قابل غور ہے امیر چچا؟" صلاح الدین نے سنبھل کر کہا۔ ہم نے بلبیس میں قدم نہیں رکھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایمالرک کو ہمارے آنے کے اطلاع دیر سے ملی ہو اور وہ بلبیس دیر میں پہنچا ہو۔ وہاں ایمالرک کو ہمارے آنے اور جنوب کی طرف روانگی کی اطلاع مل سکتی ہے"۔

"اس بات کا بھی امکان ہے"۔ شیر کوہ نے جواب دیا پھر دریا کے دوسری طرف اشارہ کیا۔ "دیکھو لشکر رک گیا ہے یہاں پڑاؤ کرنا چاہتے ہیں"۔

"امیر چچا۔" صلاح الدین نے استقلال سے کہا۔ یہ تو ظاہر ہوگیا کہ یہ لشکر ایمالرک کا ہے لیکن اگر ایمالرک اس جگہ پڑاؤ کرتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اس کی حکمت عملی غلط ہے۔

"وضاحت کرو صلاح الدین۔ تم نے یہ بات کس بنا پر کی ہے۔" شیر کوہ نے اس کی گرفت کی۔

"امیر چچا۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔ "ہم نے دریائے نیل کو اطفیح (اطفح) کے قریب سے پار کیا ہے۔ اصولاً" ایمالرک کو اطفیح تک جانا چاہئے تاکہ اسے معلوم ہوسکے کہ ہم نے دریا پار کر کے کس طرف کا رخ کیا ہے۔ اگر اس نے یہاں پڑاؤ کیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمیں جان بوجھ کے موقعہ دے رہا ہے کہ ہم اس سے اور زیادہ دور ہوجائیں اگر اس نے یہ سوچا ہے تو میرے خیال میں اس کی یہ سوچ غلط ہے اسے جلد سے جلد ہمارے سامنے پہنچ کر ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

"شاباش صلاح الدین شاباش۔ شیر کوہ نے بھتیجے کی فراست کی تعریف کی۔

Marfat.com

امیر یرغش نے اس کی تائید میں کہا۔ سپہ سالار صلاح الدین نے یہ ثابت کردیا کہ امیر سلطان الدین شیر کوہ کا بھتیجا اور امیر نجم الدین ایوب کا بیٹا ہے"۔ "ہونہہ شیر کوہ نے ہنکاری بھری۔ سلطان نے صلاح الدین کو اپنی نگرانی میں تربیت دلائی ہے۔ اور صلاح الدین نے اس تربیت سے پورا فائدہ اٹھایا ہے"۔

اس وقت صلاح الدین کی نظر اچانک دریا کے دوسری طرف پڑی۔ امیر چچا ایمالرک کے لشکر نے پھر چلنا شروع کردیا ہے"۔

شیر کوہ اور امیر یرغش نے بھی ادھر دیکھا شیر کوہ نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے ہمیں اپنے لشکر میں جلد پہنچنا چاہئے۔ ادھر والے ہمیں پہچان تو نہیں سکتے پھر بھی ہمیں آگے پیچھے چلنا چاہئے۔"

پہلے صلاح الدین روانہ ہوا اور پھر امیر یرغش اور آخر میں شیر کوہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ وہ آگے پیچھے چل رہے تھے اس لئے دوسرے کنارے سے ان کو پہچانے جانے کا کوئی امکان نہ تھا یہ لوگ دوسری طرف متحرک لشکر کو آسانی سے دیکھ رہے تھے تھوڑی ہی دیر بعد اندھیرا اتنا پھیل گیا کہ دوسرے کنارے پر سوائے متحرک سایوں کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ پھر ان لوگوں کو محسوس ہوا جیسے لشکر رک گیا ہے۔ شمعیں اور مشعلیں روشن ہوگئیں اور خیمے نصب ہونے لگے ہیں۔ اب یہ تینوں پھر اکٹھا ہوگئے تھے اور انہوں نے گھوڑے تیز بھگانے شروع کر دیئے تھے۔

خیمہ گاہ پہنچ کے شیر کوہ نے امرائے نوریہ کو طلب کیا اور انہیں خود ہی بتانا شروع کیا۔ "اے سلطان دمشق کے وفاداروں۔ ہم ایک نیک مقصد لے کے دمشق سے مصر آئے ہیں ہم نے اگر ریگستان میں طوفان کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن اس تکلیف کا ہمیں یہ صلہ ملا کہ ہم مصری حدود میں داخل ہو کر اس وقت چالیس میل جنوب تک پہنچ گئے اس وقت میں سوائے طوفان کے بلائے ناگہانی کے مصری یا یروشلم کی فوجیں ہماری مزاحم نہیں ہوئیں۔ ہمیں جس لشکر کی اطلاع دی گئی ہے۔ وہ شاہ ایمالرک شاہ یروشلم کا ہے کسی ذریعہ سے ہمارے آنے کی خبر مل گئی اور وہ ہمارا راستہ روکنے کے لئے فوراً مصر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ہم سے بہت قریب ہے لیکن اس قربت کے باوجود وہ ہم سے بہت دور ہے اس لئے کہ ایک تو ابھی تک اسے ہمارے لشکر کی خیمہ گاہ کا پتہ نہیں دوسرے وہ دریا کے دوسرے کنارے پر ہے ظاہر ہے کہ ہم سے مقابلہ کرنے کے لئے اسے دریا پار کرنا ہوگا۔ اور وہی وقت اسے تباہ کر۔۔۔ کا ہوگا۔ دشمن کی تعداد زیادہ سے زیادہ دس ہزار ہے یہ علم نہیں کہ یہ پورا لشکر یروشلم کا ہے یا اس میں مصری بھی شامل ہیں۔ اب آپ کا کیا مشورہ ہے آیا یہ بہتر ہے کہ ہم قاہرہ سے پہلے کہیں ٹھہر کے دشمن کے دریا پر کرنے کا

Marfat.com

اختیار کریں یا یونہی بڑھتے ہوئے قاہرہ کے مغربی حصہ میں پہنچ جائیں وہاں دشمن سے فیصلہ کن جنگ کریں۔

شیر کوہ کے تقریر کے دوران بالکل سناٹا چھایا رہا۔ جب شیر کوہ خاموش ہوا تو عین الدولہ باروقی جو شیر کوہ کا اندرونی طور پر مخالف تھا بولا ۔ "سالار محترم۔ ہم اس وقت چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں آپ دشمن کے لشکر کا اندازہ دس ہزار کر رہے ہیں ممکن ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ ہو ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جنگ قاہرہ سے جتنی قریب ہو اتنا ہی زیادہ فائدہ دشمن کو پہنچے گا کیونکہ اسے کمک مل سکتی ہے اور ہماری تعداد میں ایک فرد کا اضافہ بھی ممکن نہیں۔ بہرحال آپ جو فیصلہ کریں ہم اس پر عمل پیرا ہوں گے۔

امیر برغس جو شیر کوہ کے ساتھ گیا تھا اسے عین الدین کی بے تکی باتیں بڑی ناگوار گذریں اس نے کہا۔ "سپہ سالار ہمیں آپ کی فوجی بصیرت پر کامل اعتماد ہے اس لئے آپ مناسب سمجھیں وہ فیصلہ کیجئے۔ ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے"۔

شیر کوہ بھی دل ہی دل میں عین الدولہ کی اعتراض پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا

"ہم رات کو اس جگہ میں پڑاؤ کریں گے ۔ دشمن ہم سے زیادہ دور نہیں اس لئے ہمیں پوری طرح ہوشیار رہنا ہوگا اگر دشمن کو ہماری موجودگی کی رات میں خبر ہوگئی اور اس نے دریا پار کر کے شب خون مارنے کی کوشش کی تو ہم اسے منہ توڑ جواب دیں گے اگر رات خیریت سے گزر گئی تو صبح کو ہم دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ قاہرہ کی طرف روانہ ہوں گے ظاہر ہے دشمن مشرقی کنارے پر ہے ہمیں دیکھ کے یا تو وہ دریا پار کر کے حملہ آور ہوگا یا پھر ہمارے ساتھ ساتھ دوسرے کنارے پر چلنا شروع کردے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا اس کا فیصلہ وقت پر کیا جائے گا"۔

شیر کوہ نے سخت چوکی پہرے کا انتظام کر کے محفل برخاست کردی۔

پتہ نہیں کہ شاہ ایمالرک کو شامی لشکر کے پڑاؤ کی جگہ کا رات کو علم ہوا کہ نہیں اس لئے رات میں کوئی شب خوں نہیں مارا گیا شیر کوہ نے ایسا انتظام کردیا تھا کہ اگر شاہ ایمالرک کی طرف سے شب خون مارا جاتا تو خود شاہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ رات سکون سے گزری اگرچہ شب خون کا ہر وقت خطرہ لگا رہا۔ پھر جب سویرا ہوا تو شیر کوہ کو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شاہ یروشلم دریا کے دوسرے کنارے دور اپنے لشکر کے موجود ہے۔ اسے رات میں دوبارہ یہ اطلاع دی گئی تھی کہ دوسرے کنارے پر کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے لیکن

Marfat.com

شیر کوہ نے پہرہ اور زیادہ سخت کردیا اور شب خون کی مدافعت میں اضافہ کر دیا۔ رات جنگ کرنا کوئی عقل مندی نہ تھی۔ رات کے وقت یا تو شب خون مارا جاتا تھا یا اس مدافعت کی کوشش کی جاتی تھی جس کا انتظام شیر کوہ کر چکا تھا۔

شیر کوہ نے عیسائی لشکر دیکھتے ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ خود دریا پار نہیں کرے گا اور اگر دشمن دریا پار کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کی سخت مدافعت کی جائے گی شیر کوہ یہ بھی چاہتا تھا کہ شاہ ایمالرک نے جنگ دار السلطنت قاہرہ کے قریب ہونی چاہئے تاکہ اگر مصری لشکر اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے تو ہوجائے۔ اسے اس صورت میں یہ فائدہ نظر آ رہا تھا کہ ایک ہی جنگ میں فیصلہ ہوجائے اور اسے بار بار جنگ نہ کرنے پڑے گی۔ غالباً شیر کوہ کو یہ اعتماد تھا نہ وہ مصر اور یروشلم کے متحدہ لشکر کو اپنے صرف دو ہزار سواروں سے شکست دینے میں کامیاب ہوجائے گا۔

شیر کوہ کا لشکر تقریباً" ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔ دشمن کو مخالف کناڑے پر دیکھ کر شامی لشکر تیار ہو کر حکم کا منتظر ہوا لیکن نہ ادھر سے کوئی حکم دیا گیا اور نہ ادھر سے دریا پار کرنے کی کوشش کی گئی شیر کوہ نے اپنے مختصر لشکر کو اس انداز سے پھیلا دیا تھا کہ وہ بہت زیادہ دکھائی دیتے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ شاہ یروشلم نے دریا پار کر کے حملہ کرنے کی کوشش نہ کی تقریباً" دو گھنٹے تک دونوں جانب سکوت طاری رہا پھر اچانک شیر کوہ نے شمال کی جانب لشکر کو چلنے کا اشارہ کیا۔ شاید شیر کوہ جلدی سے جلد قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ شامی لشکر کو شمال کی جانب بڑھتے دیکھ کر مخالف کنارے پر شاہ ایمالرک نے بھی اپنے لشکر کو قاہرہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ کیفیت یہ تھی کہ دریا کے مشرقی کناڑے پر یروشلم کا لشکر اور مغربی کنارے پر شامی لشکر ایک ہی رفتار سے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مصر کا دار السلطنت قاہرہ ' دریائے نیل کے دونوں جانب آباد ہے اس شہر کے درمیان سے دریا بہتا ہے۔ مشرقی حصے میں دار الوزارت اور' حریم خلافت اور قلعہ ہے' مغربی حصہ میں اہم مقام جیزہ ہے جس کے قریب دنیا کا عجوبہ ابوالہوال کا بت اور کئی مشہور اہرام ہیں اس طرح جب دونوں طرف کے لشکر بڑھتے بڑھتے قاہرہ پہنچے تو شاہ ایمالرک مشرقی قاہرہ میں اور اسد الدین شیر کوہ مغربی قاہرہ میں تھا دونوں لشکروں کے درمیان دریائے نیل لہریں مار رہا تھا شیر کوہ نے جیزہ کو مرکز بنا کر مغربی حصہ پر دور دور تک قبضہ کرلیا۔ دوسری طرف ایمالرک شاہ یروشلم نے فسطاط (فسطاس) میں اپنا لشکر اتارا۔ فسطاط وہی مقام ہے۔ جسے فاتح مصر اور جناب امیر معاویہ نے آباد کیا تھا۔ یہ مقام پہلے ایک چھوٹا شہر تھا پر جب قاہرہ آباد ہوا تو فسطاط اور دوسرے سات شہر

Marfat.com

میں داخل ہوگئے۔ اسد الدین شیر کوہ جب پہلی مرتبہ مصر آیا تھا تو اس نے فسطاط میں
... کیا تھا۔

ملک شاور وزیر اعظم مصر اور مصر کے دوسرے عمائدین سلطنت کی بے خبری کا یہ عالم
... کہ پہلے شامی لشکر مصری حدود میں داخل ہو کر اطفیح جو چالیس میل جنوب میں تھا پہنچ گیا
اور ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی پھر شاہ ایمالرک، یروشلم سے مصر پہنچ گیا۔ اس کی
... انہیں خبر نہ ہوئی پھر جب شامی اور یروشلم کا لشکر قاہرہ میں دریا کے مخالف سمتوں میں
... دوسرے کے سامنے صف آرا ہوگئے تو اسے خبر ملی کے قلعہ کے باہر دریا کے کنارے
... لشکر جنگ کے لئے تیار ہیں۔ وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ اسے خبر ملی کہ دریا
کے مشرقی کنارے پر ایمالرک شاہ یروشلم کا لشکر صفیں جمائے موجود ہے ملک شاور کی باچھیں
... گئیں۔ وہ چند اراکین سلطنت کے ساتھ بھاگم بھاگ شاہ ایمالرک کے پاس پہنچا۔

شاہ ایمالرک اسے دیکھ کے آگ بگولہ ہوگیا آئیے تشریف لائیے مصر کے وزارت
... ہم نے سنا تھا کہ مصر کا فاطمی خلیفہ کاروبار سلطنت سے اس قدر غافل ہے کہ اگر مصر
... کوئی چڑھائی کردے اور مصر کو شکست بھی ہوجائے تب بھی اسے اس وقت تک خبر نہ
... جب تک دشمن کے سپاہی حریم خلافت کے پردوں میں آگ نہ لگا دیں لیکن معلوم ہوا
کہ مصر کے وزیر اعظم اس سے بھی زیادہ نیند کے مارے ہیں کہ دشمن کا لشکر ان کی
سرحدوں میں چالیس میل دور تک گھس گیا۔ پھر ان کا حلیف مصر کے دشمن تلاش کرتا ہوا
... پہنچا اور اب اس کا تعاقب کرتا ہوا قاہرہ تک آگیا لیکن وزیر اعظم اور ان کے اراکین
دولت اب تک سوئے ہوئے ہیں۔

ملک شاور گھگیانے لگا۔ "شاہ محترم مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ دشمن ہمارے ملک میں گھس
آیا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ مصر اپنے دشمن سے تنہا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہم
نے آپ کو بلانے کے لئے سفارت بھیجی ہے۔"

"وزیر اعظم۔ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ شاہ کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔ اگر سفارت بھیجی تو
اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم آرام سے دارالوزارت میں بیٹھے رہو اور دشمن تمہارے
ملک کا تہ و بالا کرتا ہے۔"

"غلطی ہوگئی ہے شاہ معظم"۔ ملک شاور نے فوراً معذرت کرلی۔ آپ جانتے ہیں کہ
انسان نسیاں کا پتلا ہے اس سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے اب میرے لئے کیا حکم ہے"۔

"شامی لشکر کی کمان اس وقت بھی شامی سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ کے ہاتھ ہے"۔
... نے فکر مندی کا اظہار کیا"۔ ہم انتظار کرتے رہے کہ شیر کوہ دریا پار کر کے ہم پر حملہ

Marfat.com

کرے گا لیکن وہ اطمینان سے یہاں تک اس طرح لشکر لئے آیا ہے جیسے اس نے ہمیں ہی نہیں ہے یا پھر ہماری مطلق پروا نہیں کرتا۔ اس نے مغربی کنارے پر دور دراز تک جما لیا۔"

"شیر کوہ کے پاس اب کتنا لشکر ہے؟" ملک شاور گھبرا گیا۔

"شاید پہلے جتنا شاہ یروشلم نے جواب دیا"۔ ظاہر ہے کہ اتنی دور سے چل کے ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اسے کہیں سے بھی مدد نہ مل سکے گی یہ اس بات کی علامت کہ اس دفعہ اس کے پاس زیادہ اچھا لشکر ہے اور وہ ہمیں کافی پریشان کرے گا۔"

"پھر آپ نے کیا طے کیا ہے شاہ معظم۔ اب واقعی شاور کو بھی پسینہ آنے لگا تھا۔

"ہم زیادہ دن تک انتظار نہیں کرسکتے۔ وزیر اعظم۔ شاہ نے جواب دیا جس قدر ہوگی مغربی قاہرہ میں اس کے قدم اتنی مضبوطی سے جمتے جائیں گے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔

ملک شاور کو ہمت نہ پڑی وہ شاہ یروشلم سے پوچھ سکے کہ آخر وہ کیا قدم اٹھانا چاہتا ہے۔ دونوں طرف دیر تک خاموشی طاری رہی ملک شاور کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا ایمالرک شاہ یروشلم کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ شیر کوہ کے خلاف کوئی قدم اٹھائے یا اس کی طرف سے دریا پار کرنے کا انتظار کرے۔ شیر کوہ نے اپنے لشکر کو شمال اور جنوب میں دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ جنگ میں نہیں بلکہ کسی ضیافت میں آیا ہوا ہے۔ بہت دیر ہوگئی تو ملک شاور بے چین ہوگیا۔

"شاہ معظم" اس نے بڑے ادب سے کہا اگر اجازت ہو تو میں مصری لشکر لے آؤں آپ جہاں مناسب سمجھیں اسے لگادیں"۔

"مصری لشکر!" شاہ نے سر اٹھا کر زہر خند کہا۔ "کیا مصر اور کیا مصری لشکر دونوں میں سے کوئی قابل اعتماد نہیں"۔

ملک شاور اس گہرے طنزیا اظہار حقیقت پر جل بھن کے رہ گیا مگر جواب کیا دیتا۔ شامی لشکر دریا کے دوسرے کنارے اس کی موت بنا کھڑا تھا۔ آخری بڑی لجالت سے بولا۔ "شاہ مجھ پر اور مصری لشکر پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ انہیں مجھ سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی"۔

"وزیر اعظم ——" شاہ ایمالرک چیخ پڑا ایسا وعدہ مت کرو جس پر تم کاربند نہیں رہ سکتے۔ آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا جہالت کے سوا اور کچھ نہیں"۔

"شاہ معظم مجھے قابل اعتماد حلیف پائیں گے۔" ملک شاور نے شاہ کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

Marfat.com

"تم تھالی کا بینگن ہو وزیر اعظم ۔" شاہ نے کھری بات کہہ دی۔ ہماری اور شیر کوہ کی
جنگ میں جو فاتح ہوگا مصراور اس کا وزیر اعظم اس کی چاپلوسی کرے گا۔"

"میں شاہ کو۔۔۔۔۔۔۔"

ملک شاور نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن شاہ ایمالرک نے اسے روک دیا۔ زیادہ
باتیں بنانے کی کوشش نہ کرو۔ جاؤ اور اپنے لشکر لے آؤ۔ نکال لو دل کے ارمان"۔

ملک شاور اپنا سا منہ لے کر چلا گیا۔

شاہ ایمالرک نے آخر پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا وہ دشمن کو زیادہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا
اس نے حکم دیا کہ دریا کو کم از کم چار جگہ سے بیک وقت عبور کیا جائے۔ ہر جگہ سے سو
کشتیاں اور چار چار سو سوار گھوڑے تیراتے کشتیوں کے دائیں بائیں چلیں ۔ ہر کشتی میں
سامان حرب کے علاوہ پچیس پچیس تیر انداز سوار کئے گئے اس حکم پر بڑی خاموشی سے عمل
شروع ہوا۔ کشتیوں کو سواروں اور سپاہیوں کی آڑ میں دریا کے کنارے پہنچایا گیا اور ایسے
مقامات پر رکھا گیا کہ ایک اشارے پر تمام کشتیاں دریا میں ڈال دی جائیں اور ایک لمحہ
ضائع کئے بغیر وہ دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چلنا شروع کردیں۔

منصوبہ بڑا زبردست تھا لیکن شامی لشکر بھی چوکس تھا۔ دریا کے مغربی کنارے پر یوں تو
خیمے ہی خیمے لگے دکھائی دیتے تھے لیکن ان خیموں میں تین خیمے دوسروں سے بڑے تھے۔ یہ
خیمے لشکر کے دائیں بائیں اور درمیان میں نصب تھے۔ دائیں خیمے کی پشت پر شیر کوہ اپنے
چند سواروں کے ساتھ چوبیس گھنٹے دریا پر نظریں جمائے کھڑا رہتا تھا۔ اسی حالت میں وہ نماز
پڑھتا کھانا کھاتا اور سوتا بھی تھا۔ درمیان کے خیمے میں تمام امرائے نوریہ کا ڈیرہ لگا اور یہ
لوگ بھی خیمے کی پشت پر اور دریا کے دوسری طرف نظریں جمائے بیٹھے تھے بائیں جانب یعنی
شمالی سمت صلاح الدین کے حوالے کی گئی اور وہ بھی دشمن کی طرف شست باندھ کر خیمے
کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔

دریا پار مصری فوجیں بھی پہنچ گئی تھیں اور دریا کو عبور کرنے کے تقریباً" تمام انتظامات
مکمل کر لئے گئے تھے کہ معاً" صلاح الدین کو دریا کی دوسری طرف کچھ غیر معمولی حرکت
محسوس ہوئی در اصل اس کی نظر ایک بڑی کشتی پر پڑتی تھی جو گھوڑ سواروں کی آڑ میں دریا
کے کنارے لائی جا رہی تھی۔ اس کشتی پر عیسائی لشکر کے دریا عبور کرنے کے بعد شاہ
اعظم کو دوسری طرف جا کے اپنے لشکر کی کمان کرنی تھی۔ صلاح الدین خطرہ محسوس کرتے
ہی گھوڑا بڑھا کر جنوب کی طرف اپنے چچا شیر کوہ کی طرف چلا تا کہ انہیں خطرہ سے آگاہ
کرے۔ درمیان میں پہنچنے پر اس نے آواز لگائی۔ کہ دشمن دریا میں کشتیاں ڈالنا چاہتا ہے

Marfat.com

امرائے نوریہ نے سنا تو انہوں نے فوراً تیز اندازوں کو ہوشیار کیا تیر انداز جو کنارے کچھ دور مٹی کے ٹیلوں اور سامان کی گاڑیوں کی آڑ کے بیٹھے تھے وہ فوراً حرکت میں اور انہوں نے سامان آگے کھسکا کر دوسری جگہ آڑ پکڑ کر کمانیں چڑھا لیں اور اشا انتظار کرنے لگے۔

صلاح الدین نے شیرکوہ کے پاس پہنچ کر آواز دی۔ امیر چچا ہوشیار دشمن شاید کشت دریا میں ڈالنا چاہتا ہے"۔

شیرکوہ کو بھی اسی قسم کا شبہ ہوا تھا اور وہ دریا پار نظریں جمائے تھا۔ صلاح الدین آواز سن کے خیمے کے سامنے آگیا۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے صلاح الدین تم فوراً اپنی چلے جاؤ اور تیر اندازوں کو تیار رہنے کا حکم دو"۔

صلاح الدین نے آواز سنتے ہی گھوڑا گھما لیا اور دم کے دم میں اپنی جگہ پر پہنچ گ جگہ چھوڑتے وقت وہ اپنے نائب سے کہہ گیا تھا کہ تیر اندازوں کو دریا کے بالکل کنا پہنچا دو۔ چنانچہ جب وہ واپس پہنچا تو اس کے تیر انداز اگلے مورچے پر پہنچ چکے تھے۔

ایمالرک شاہ یروشلم نے اپنے منصوبہ کے تحت کشتیوں اور گھوڑوں پر دریا عبور کر اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہیں ایک سو کشتیاں جن میں ہر ایک پر پچیس تیر انداز سوار تھے سولہ سو گھڑ سوار پلک جھپکتے میں دریائے نیل کی لہروں سے کھیلنے لگے۔ سو کشتیاں آگے او اور ان کے جلو میں سوار بڑی تیزی سے دریا کے درمیانی تیز دھار کے قریب پہنچ کوشش کر رہے تھے۔ دوسری سمت میں شامی تیر انداز دریا میں بہنے والی کشتیوں ا سواروں کو اپنی زد پر آنے کا انتظار کر رہے تھے بیچ دھارے میں پہنچ کے کشتیوں کی ر سست پڑ گئی اور ان کی اور گھوڑوں کی ترتیب بھی بگڑ گئی اور یہی وقت تھا کہ دوسری طر سے شامی تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ کشتیوں سے بھی تیرو جواب تیر سے دیا جا رہا تھا لیکن کشتیاں تیز لہروں کی وجہ سے ڈگمگا رہی تھیں اور اندازوں کے نشانے خطا ہو رہے تھے۔

اس طرح یروشلم کے لشکر جو مصریوں کا حلیف تھا اور شامی لشکر جو مصر کو یہ والوں سے بچانے اور ملک شاور کی بد عہدی کا سبق دینے آیا تھا جنگ کا آغاز ہوا ایمالر شاہ یروشلم کا لشکر دریا پار کر کے شاہوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں تھا جبکہ شامی انداز کشتیوں اور عیسائی لشکر کو تاک تاک کے نشانہ بنا رہے تھے دونوں طرف تیروں ایسی بارش ہو رہی تھیں کہ سوائے تیروں کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

شاہ یروشلم نے سوچا تھا کہ شامی فوج جس کی تعداد مشکل سے دو ہزار ہوگی وہ

Marfat.com

عبور کرنے کی کوشش کو ناکام نہیں بنا سکے گی۔ لیکن تیر اندازوں نے ایسے تاک تاک کے تیر مارے کہ کشتی کے تیر انداز اور تیرتے ہوئے گھوڑے اور سوار آگے بڑھنے سے قاصر ہوگئے۔ اس وقت بیچ دھارے میں تھے مگر آگے بڑھتے تو تیروں کی بارش پیچھے ہٹتے تو تیز دھارا انہیں بہا کر لے جارہا تھا۔ اس طرح تقریباً دو سو سوار تیروں سے زخمی ہو کر گھوڑوں پر توازن برقرار نہ رکھ سکے اور نیل میں غرق ہوگئے۔ بیس کے قریب کشتیوں کا بھی یہی حال ہوا اور وہ الٹ کے نیل میں ڈوب گئیں۔ شاہ یروشلم نے اپنے لشکر کی بربادی دیکھی تو فوراً واپسی کا بگل بجا دیا۔ کشتیوں اور گھوڑے مصیبت میں گرفتار تھے واپسی کا بگل سن کر ان کی جان میں جان آئی اور وہ منہ گھما کر اپنے ساحل کی طرف واپس ہوگئے۔

اسے جنگ تو نہیں ہاں ایک جھڑپ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ شاہ یروشلم نے شیر کوہ کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے دریا پار کرنے کی کوشش کی ہو۔ یا پھر وہ شیر کوہ کے مختصر لشکر کی صحیح طاقت کا اندازہ نہ لگا سکا ہو اور ملک شاور وزیر مصر کے بہکانے میں آ گیا جو شاہ پر بار بار زور دے رہا تھا کہ شیر کوہ کو مزید وقت دینے کی بجائے اسے فوراً ختم کر دیا جائے۔ بہرحال کچھ بھی سہی شاہ یروشلم کو دریا پار کرنے کا بڑا تلخ تجربہ ہوا اور اس بہت سے تیر انداز اور گھڑ سوار اس کوشش میں کام آئے۔ دوسری طرف شیر کوہ اور اس کے لشکر کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ اس قدر نڈر ہوگئے تھے کہ کھلے عام دریائے نیل میں نہاتے تھے۔

دوسرے دن شیر کوہ نے اچانک کوچ کا حکم دیا اور خیمے اکھاڑ دیئے جانے لگے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شکار کے لئے نکلا تھا اور جب ایک جگہ شکار کھیلنے سے جی بھر گیا تو اور آگے بڑھ گیا اس کے لشکر کا رخ شمال کی جانب ہی تھا اسے روانہ ہوتے دیکھ کر شاہ یروشلم نے بھی لشکر کو شمال کی جانب چلنے کا حکم دیا۔ یہ عجیب منظر تھا دو مخالف لشکر ایک دریا کے دو مخالف کناروں پر ایک ساتھ ایک ہی سمت میں اس طرح چل رہے تھے جیسے دو دوست کسی بات پر خفا ہو کر ایک دوسرے سے فاصلہ دے کر ایک ہی سمت روانہ ہوجائیں۔ شام ہوئی تو دونوں لشکر کناروں پر ایک ساتھ رک گئے انہوں نے وہیں پڑاؤ ڈالا اور خیمے لگا دیئے۔

شیر کوہ کے لشکر کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے انہیں شب خون مارے جانے کا قطعی احتمال نہ تھا انہوں نے پہرے پر سوار مقرر بھی کر دیئے تھے لیکن انہیں اس قدر اطمینان تھا کہ ان کی اسی چوکسی میں کمی آگئی تھی جس کا وہ اب تک مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ میدان جنگ میں ذرا سی غفلت بھی بڑا رنگ دکھاتی ہے یہاں بھی یہی ہوا۔ جس جگہ یہ دونوں لشکر

Marfat.com

خیمہ زن تھے ان سے شمال کی طرف تقریباً" تین چار میل دور دریائے نیل کے درمیا
ایک ٹاپو تھا جس کی وجہ سے دریا دو شاخوں میں تقسیم ہوگیا تھا اس طرح دریا کی چوڑائی
کی وجہ سے نصف رہ گئی تھی یعنی نصف ٹاپو کے ایک طرف اور نصف ٹاپو کے دوسری
طرف۔ ایمالرک شاہ یروشلم کو اس بات کا علم تھا یا پھر اسے ملک شاور نے بتا دیا تھا شاہ
نے اس ٹاپو سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوگیا۔

شاہ یروشلم نے بڑی خاموشی سے رات کے اندھیرے میں اپنا لشکر دریا میں ٹاپو کی جگہ پہنچایا پھر اس لشکر کو کشتیوں پر سوار کر کے پہلے ٹاپو پر اتار اور پھر ایک کشتی پر کچھ لوگوں کو دوسرے کنارے پر بھیج کر وہاں کا حال معلوم کیا شاہ کے جو سپاہی دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے تھے انہوں نے واپس آ کر شاہ کو خبر دی کہ دریا کے دوسری جانب بالکل سناٹا ہے اور ان کے ٹاپو پر آنے کی دشمن کو قطعی خبر نہیں ہے۔ پس شاہ نے کشتیوں کے ذریعے دھڑا دھڑ اپنا لشکر جو ٹاپو پر پہلے ہی پہنچ چکا تھا دوسرے کنارے پہنچانا شروع کردیا۔ اس کام میں اگرچہ پوری رات صرف ہوگئی اور سویرا ہوگیا لیکن دن نکلتے نکلتے یروشلم کا پورا کا پورا لشکر دریا کی دوسری جانب یعنی اس طرح جہاں شیر کوہ کا لشکر پہلے موجود تھا پہنچ چکا تھا۔

شیر کوہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یروشلم کا لشکر انہیں استادہ خیموں کا دھوکہ دے کر ایک ٹاپو کے ذریعہ رات کے اندھیرے میں چار میل شمال میں دریا پار کر چکا ہے۔ تو وہ حیران اور ششدر رہ گیا۔ وقت ایسا تھا کہ وہ کسی سے پوچھ گچھ یا الزام بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اسے وہ اپنی ہی غلطی سمجھتا تھا کیونکہ جب دشمن تعقب میں موجود ہو تو پڑاؤ ڈالنے سے پہلے چار چار چھ چھ میل تک نہ صرف دیکھ بھال کی جاتی تھی بلکہ خطرے کی چوکیاں بھی قائم کردی جاتی تھیں جو اس جگہ نہیں کیا گیا تھا اور دریائے نیل کو ایک قدرتی سرحد اور رکاوٹ سمجھ کر شیر کوہ اور اس کا لشکر مطمئن ہوگیا تھا شیر کوہ کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ دشمن کے لشکر کی نفری اس کے سواروں سے چار گنا سے بھی زیادہ ہے پھر شاہ یروشلم کی پشت پر پوری مصر کی حکومت اور اس کا برا بھلا لشکر بھی ہے مگر اس کی اسے کوئی پرواہ نہ تھی اسے اپنے سے تین چار گنا مضبوط لشکر سے لڑنے میں ہی لطف آتا تھا لیکن اسے بعض امرایہ نوریہ کی طرف سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ رسد کی کمی اور دشمن کی فوج کی کثرت کا بہانہ لے کر میدان جنگ میں کوئی غلط اقدام نہ اٹھائیں۔ اس لئے اس نے لشکر کو صف بندی کا حکم دے کر فوراً امیر نوریہ کو اپنے خیمے میں مشورت کے لئے طلب کیا۔

اسد الدین شیر کوہ لقب تھا۔ شیر کوہ کے معنی پہاڑ کے شیر کے ہوتے ہیں اس عظیم الجثہ انسان کا مکمل سراپا یا پھر کسی وقت بیان ہوگا یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ لقب کا

Marfat.com

شیر نہیں تھا بلکہ اپنی جسامت' کردار اور گفتار پر بات میں شیروں جیسے انداز اختیار کرتا تھا۔ اسے اپنی اور اپنے لشکر کی غفلت پر غصہ تھا جس نے دشمن کو دریا پار کرا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یروشلم کے لشکر پر بھی سخت تاؤ تھا۔ میدان جنگ میں اس کی یہی حالت ہوتی تھی جہاں اس نے دشمن کو اپنے مقابلہ صف آرا دیکھا اور اس کا دماغ الٹ گیا۔

اس وقت بھی شیر کوہ دہاڑا۔ " بزدل دشمن آپ کے سامنے ہے اگرچہ ان کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے لیکن مسلمان لڑتے وقت لشکر کی نفری پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اللہ سے لو لگا کر' سر سے کفن باندھ کر اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر میدان کارزار میں کود پڑتا ہے۔ مسلمان اگر کامیاب ہوا تو غازی اور اگر جنگ میں کام آیا تو شہادت کے درجے پر فائز ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید ہوجاتا ہے۔ آپ نے مصر پر پہلی یلغار میں بھی یروشلم اور مصر کے مشترکہ لشکر کو شکست دی تھی اور آج بھی اسی مشترکہ لشکر کا سامنا ہے اپنے حوصلے بلند رکھیئے نعرۂ تکبیر بلند کر کے دشمن پر جا پڑیں اور اسے گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیں۔ میں نے آپ کے سامنے یہاں جنگ کی حالت بیان کردی اور اپنا ارادہ بھی کھل کے بیان کردیا اگر کسی کو کچھ کہنا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے تاکہ بعد میں یہ نہ کہا جائے کہ اس کا مشورہ طلب نہیں کیا گیا۔ ہے"

شیر کوہ خاموش ہوا تو عین الدولہ باروقی جو شیر کوہ اور صلاح الدین کی ہر بات کی مخالفت کرتا تھا وہ کھڑا ہوگیا۔ اس نے تمام امرائے نوریہ کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولا۔ " معزز وابستگان تخت و تاج دمشق۔ ہم دمشق سے مصر آئے ہیں صرف اس لئے کہ مصریوں سے لڑ کے ان کا دماغ درست کریں پچھلے معرکہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر بیکار ہے اس وقت ہمیں اپنے طاقتور دشمن اور اپنی حالت کا اندازہ لگانا ہے۔ معزز سپہ سالار نے خود فرمایا ہے کہ دشمن کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے یروشلم کے علاوہ مصری لشکر بھی ہمارے سامنے صف آراء ہے وہ جیسا بھی ہے لیکن کہا تو لشکر ہی جائے گا ہم اپنے مرکز سے اس قدر دور ہیں کہ ہمیں وہاں سے کمک نہیں مل سکتی ہمارے درمیان یعنی ہمارے اور سلطان دمشق کے درمیان یروشلم کی عظیم مملکت اور حکومت حائل ہے سامان رسد کی یہ حالت ہے کہ ہمیں کچھ دن بعد فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑے گا ان حالات میں کم از کم میرے خیال میں دو ملکوں کے مشترکہ لشکر سے وہ بھی دیار غیر میں جنگ کرنا سانپ کے بل میں انگلی ڈالنے کے مترادف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم جنگ کے بجائے شاہ یروشلم سے صلح کرلیں۔ اور اس جنگ کو مستقبل پر اٹھا رکھیں۔"

امیر شرف الدین برغش امرائے نوریہ میں سب سے زیادہ منچلا اور جوشیلا تھا اسے

Marfat.com

عین الدولہ کی بزدلانہ باتوں پر بہت غصہ آیا اس نے کہا۔ "جو شخص قتل و گرفتاری سے ڈرتا ہو اسے سلاطین کی ملازمت نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ کاشتکار بننا چاہئے اور گھر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھنا چاہئے۔ اگر تم لوگ کامیابی حاصل کئے بغیر واپس گئے تو سلطان کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اسی دن کے لئے اس نے تمہیں بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں۔ سلطان کو حق ہوگا کہ وہ یہ جاگیریں تم سے چھین لے مسلمانوں کا مال تو لیتے ہو اور ان کے دشمنوں کے مقابلے سے منہ موڑتے ہو اور مصر جیسے ملک کو کافروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہتے ہو۔"

صلاح الدین جیسے امیر برغش کے خاموش ہونے کا منتظر تھا اس کے بیٹھتے ہی صلاح الدین تڑپ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہم مجاہد کبیر سلطان نور الدین محمود زنگی کے خادم ہیں غلام ہیں۔ لشکری ہیں۔ ہم نے میدان جنگ سے منہ موڑنا نہ سنا ہے اور نہ ہی دیکھا ہے قسم ہے رب کعبہ کی اگر پورا شاہی لشکر میدان چھوڑ کر چلا جائے تو بھی صلاح الدین دشمن سے لڑے گا اور اس وقت تک لڑتا رہے گا جب تک میرا ہاتھ قبضہ شمشیر پر جمنے کے قابل رہے گا۔ ہم نے سر سے کفن تو اسی وقت باندھ لیا تھا جب ہم دمشق سے روانہ ہوئے تھے اب دیکھنا یہ ہے کہ کس میں جذبہ شہادت زیادہ ہے اور موت کو پہلے کون گلے لگاتا ہے۔"

امیر برغش کی تقریر پھر صلاح الدین کے شعلہ بار جملے۔ امرائے نوریہ میں جیسے آگ بھڑک اٹھی۔ ہر طرف "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ میدان جنگ میں قلب لشکر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس لئے عام طور پر قلب میں بادشاہ یا سپہ سالار رہتا ہے۔ اس جنگ میں جو کہ مصر کے صوبہ امینا کے مقام البابان پر لڑی گئی اس کا قلب صلاح الدین کو دیا گیا۔ خود شیر کوہ میمنہ پر رہا اور میسرہ پر امرائے نوریہ میں سے دو امیر مقرر کئے گئے اگلے وقتوں میں جب تیر، تلوار اور نیزے وغیرہ کی جنگ ہوتی تھی تو میدان جنگ میں دونوں طرف کے لشکر مندرجہ ذیل طریقے پر صف بندی کرتے تھے۔

۱۔ میمنہ۔ اسے فوج کا دایاں بازو یا یمین بھی کہا جاتا تھا۔

۲۔ میسرہ۔ درمیانی لشکر کے بائیں بازو کو پکارتے تھے اسے یسار بھی کہتے تھے۔

۳۔ قلب۔ درمیانی لشکر کو قلب فوج کہتے تھے اس حصے میں بادشاہ اور سپہ سالار رہا کرتا تھا۔

مندرجہ بالا ترتیب سے اسد الدین شیر کوہ نے اپنے لشکر کو صف آراء کیا اس نے تمام سامان کو قلب فوج کے پیچھے رکھا جس کی کمان صلاح الدین کے ہاتھ میں تھی۔ بالکل اسی ترتیب سے ایمالرک شاہ یروشلم نے نے اپنے لشکر کی صفیں ترتیب دیں۔ اس نے مصری فوج کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ شاہ ایمالرک چونکہ خود قلب فوج میں تھا اس لئے اس نے وزیر اعظم

Marfat.com

مظفر سے کہا وہ وہ مصری لشکر کو لے کر اس کے پیچھے رہے۔

دونوں طرف لشکر ترتیب پا چکے تھے اب دونوں طرف کے سپاہی اور سالار اپنے اپنے لشکروں پر آخری نظر ڈالنے کے لئے صفوں کے سامنے گھوڑے بھگاتے پھر رہے تھے کہ معاً صلاح الدین کی نظر ایک سوار پر پڑی وہ گھوڑا گھما کر اس کے قریب آیا سوار نے پاس ادب سے اپنا سر اور جھکا دیا۔

"عامر غربی"۔ صلاح الدین نے اسے آواز دی۔

"جی امیر زادے سردار۔" عامر غربی نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ مصر کا کون سا علاقہ ہے؟"۔ صلاح الدین نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں امیر زادے" عامر غربی نے جواب دیا۔ "اس سرزمین اور یہاں کی آب و ہوا نے اس غلام کے بچپن سے جوانی تک کے تمام لحات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر امیر زادے اس علاقہ کا نام معلوم کرنا چاہیں تو میں عرض کروں؟"

"ہمیں معلوم ہے عامر غربی۔" صلاح الدین اور زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔" یہ صعید مصر کا علاقہ ہے تمہارا بچپن یہیں گزرا ہے اور جوانی کی دھڑکنیں یہاں کے چپے چپے نے اُن ہوں گی"۔

صلاح الدین آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ عامر غربی بھی جذباتی ہو گیا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ بول سکا۔

صلاح الدین نے گھوڑا موڑا۔ "اگر حکم خداوندی ہوا اور قسمت نے یاوری کی تو آج شام کو تم یہاں کی فضاؤں، ہواؤں اور مکینوں سے گلے ملتے ہو گے"۔

اسی وقت نقارے پر چوٹ پڑی اور جنگی بگل بجنے لگا۔

Marfat.com

زرتاج مصری

دودنوں طرف سے طبل جنگ ایک ساتھ بجے۔
ادھر اسد الدین شیر کوہ کے اشارے پر جنگی نقارے پر چوٹ پڑی اس کے ساتھ ہی یروشلم کے شاہ ایمالرک کا اشارہ ہوا تو جنگی نقارہ چیخ اٹھا۔ طبلوں اور نقاروں کا ایک ایسا شور ہوا کہ میدان جنگ گونج اٹھا اور زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ اسد الدین شیر کوہ نے اپنے میمنہ اور میسرہ کو احکام جاری کئے تھے کہ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر دشمن کے لشکر میں گھس جائیں لیکن فوج کا قلب جس میں صلاح الدین موجود تھا۔ اسے حکم دیا گیا کہ اس کی رفتار ست رہے اور جب وہ دشمن کا قلب آگے بڑھ کر اس سے مل جائے تو صلاح الدین اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لائے تاکہ دشمن کو یہ خیال پیدا ہوجائے قلب لشکر کمزور ہے۔ اس صورت میں دشمن کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ صلاح الدین پسپا ہو کر وہاں تک واپس آجائے جہاں لشکر کا سامان اکٹھا کر کے رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد صلاح الدین کو۔
"پلٹ کے جھپٹنے کا"
حکم تھا۔

پلٹ کے جھپٹنا اور جھپٹ کر پلٹنا۔ میدان جنگ کی ایک حکمت عملی تھی۔ اس پر تیموری لشکر، ترکمان اور آخر میں مغلوں نے عمل کر کے فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس حکمت عملی سے لشکریوں اور خصوصاً سواروں میں زیادہ پھرتی پیدا ہوجاتی تھی۔ امیر لشکر اسلام اسد الدین شیر کوہ نے صلاح الدین سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے قلب لشکر جس کا وہ حاکم تھا

Marfat.com

اسے آگے نہیں بڑھنے دے گا بلکہ میمنہ اور میسرہ کے آگے بڑھ جانے کے باوجود قلب اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑا رہے گا۔ اور جب مخالف قلب کا لشکر بڑھتے بڑھتے ان تک پہنچ جائے تو صلاح الدین اپنے لشکریوں کو صرف مدافعتی جنگ کا حکم دے گا میدان جنگ میں اگر مدافعتی جنگ کی صورت اختیار کی جائے تو مخالف لشکر سمجھتا ہے کہ سامنے والا شکست کھا رہا ہے اور وہ فوراً اپنا حملہ تیز کردیتا ہے لیکن بعض تجربہ کار سپہ سالار مدافعتی جنگ کا اظہار کر کے دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کردیتے ہیں اور جب ان پر دشمن کا حملہ تیز ہوجاتا ہے تو وہ تھوڑا پسپا ہو کر ایک دم پلٹ کر جوابی حملہ کر کے دشمن کو بدحواس کردیتے ہیں یہی حکمت عملی صلاح الدین کے دستوں نے جنگ الباباں میں اختیار کی۔ اس جنگ کو "پلٹ کر جھپٹنا اور جھپٹ کر پلٹنا" کا نام دیا جاتا تھا۔

الباباں کا میدان جس کے ایک طرف دور دور تک ریگستان پھیلا ہوا تھا اور دوسری طرف نخلستان کی ہریالی تھی ایک عجیب چوٹ پڑتے ہی شاہ یروشلم نے اپنے لشکر کے تینوں حصوں (میمنہ۔ میسرہ۔ اور قلب) کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ہر سوار تین طرح کے اسلحہ سے لیس ہوتا تھا۔ تیر کمان' نیزہ' اور شمشیر' جب تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے دور رہتے اس وقت تک ترکش اور کمان کا استعمال ہوتا تھا۔ سوار گھوڑا بھگاتا ہوا کمان میں تیر جوڑ جوڑ کر آگے کی طرف پھینکتا تھا کہ سامنے سے آنے والے دشمن کی پیش قدمی کو روکا جاسکے۔ پھر جب دونوں لشکر قریب ہوجاتے اور تیر چلانا مشکل ہوجاتا تو وہ کمانیں دوش پر لٹکا کر نیزے سنبھالتے اور انہیں تاک کر دشمن پر مارتے یا پھینک کر ان کو نشانہ بناتے تھے۔

اس جنگ میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی۔ یروشلم کا لشکر تیر برساتا ہوا شامی لشکر کی طرف چلا۔ لیکن شامی لشکر کی طرف سے صرف میمنہ اور میسرہ نے پیش قدمی کی اور قلب لشکر نے صرف برائے نام پیش قدمی کی۔ شامی لشکر کے میمنہ پر شیرکوہ تھا۔ اس نے ایک سو سوار اپنے سے جدا کردیئے اور انہیں رتیلے تودوں میں چھپ جانے کا حکم دیا۔ اتنے ہی سوار میسرہ سے نکل کر ٹیلوں میں چھپ گئے اسلامی لشکر کا میمنہ اور میسرہ ہوا جیسی تیزی سے گھوڑے اڑاتا۔ تیر اور پھر نیزے گھماتا دشمن کے میسرہ اور میمنہ پر جا پڑا۔ قریب ہونے کی وجہ سے تیر اور نیزے بیکار ہوگئے تھے اور دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں تھیں اور ایک دوسرے کے خون سے غسل کرنے لگی تھیں۔ سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور زخموں کی چیخ و پکار سے میدان جنگ میدان حشر بنا ہوا تھا۔

یروشلم کا میمنہ شامی میسرے اور یروشلم کا میسرہ شامی میمنہ سے بھڑ گیا تھا اور زبردست

Marfat.com

شمشیر زنی ہو رہی تھی لیکن شامی لشکر کا قلب فوج جو صلاح الدین کی زیر کمان تھا وہ صرف تھوڑا سا آگے بڑھ کر رک گیا تھا اسے رکتا دیکھ کر شاہ یروشلم نے قلب کو کچھ کمک بھیج اور حکم دیا کہ شامی قلب کو پیچھے دھکیل دیا جائے۔ یروشلم کے سواروں نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ شامی قلب نے پسپائی کا اظہار کیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ شاہ یروشلم کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا اس نے قلب پر اور دباؤ بڑھا دیا ادھر شامی لشکر کا قلب صلاح الدین کی سرکردگی میں برابر پسپا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اسد الدین شیر کوہ کا رابطہ صلاح الدین اور دوسرے امرائے نوریہ سے قائم تھا۔ جب شیر کوہ نے دیکھا کہ صلاح الدین کافی پیچھے ہٹ گیا ہے تو اس نے تلوار سے بھی اشارہ کیااور رابطہ کے سوار کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اب پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر کے نلئے جم کے لڑو پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھو۔ صلاح الدین نے حکم پہنچتے ہی اس کی تعمیل شروع کردی۔ صلاح الدین نے اپنا گھوڑا اس طرح روک لیا جیسے زمین نے اس کے گھوڑے کے قدم پکڑ لئے ہوں۔ اس کے دستوں کو بھی اشارہ مل گیا تھا۔ پسپا ہوتے ہوئے دستے ایک دم رک کے کھڑے ہوگئے۔ دیوار بن گئے لوہے کی دیوار جس سے ٹکرانا موت کو آواز دینا تھا۔

شیر کوہ کا دوسرا حکم ان تیر اندازدستوں تک پہنچا جو دائیں بائیں کی پہاڑیوں کے پیچھے اس لئے پوشیدہ کئے گئے تھے کہ حکم پاتے ہی نکل پڑیں اور یروشلم کے آگے بڑھتے ہوئے قلب اور مصری فوج جو شاہ نے سب سے پیچھے رکھی تھی ان کے درمیان میں آکر مصریوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرنا شروع کردیں۔ چنانچہ شیر کوہ کا حکم پاتے ہی قلب کے بیچ میں آگئی۔ اس سے مصری فوج اور عیسائی لشکر کا رابطہ ختم ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی تیر اندازوں نے مصریوں کو تاک تاک کر تیروں کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔ مصری تو اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ بوکھلائے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ شامی فوج عیسائی لشکر کے پیچھے کس طرح پہنچ گئی ہے جبکہ میمنہ میسرہ اور قلب تینوں جنگ میں مصروف ہیں یہ بات ان کی سمجھ میں تو آگئی مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اور مصری فوج اس بلائے ناگہانی یا بلائے آسمانی سے گھبرا کر بھاگنے لگی تھی۔ آخر کچھ ہی دیر بعد مصری میدان چھوڑ بھاگے۔

شیر کوہ نے میمنہ اور میسرہ پہلے ہی آگے بڑھا دیا تھا۔ اور وہ یروشلم کے میسرہ اور میمنہ سے بھڑا ہوا جنگ کر رہا تھا۔ رہا قلب کا معاملہ تو صلاح الدین نے پہلے تو کچھ دیر جم کے جنگ کی پھر اللہ اکبر کا نعرہ مار کر جوابی حملہ کردیا۔ حملہ اور صلاح الدین کا۔ اس روکنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ یروشلم کا قلب پہلے ہی مشکل سے اپنی جگہ ٹھہرا

Marfat.com

ہوا تھا۔ جوابی حملے نے ان کے اوسان خطا کردیئے اور انہوں نے پسپا ہونا شروع کیا۔ یروشلم کے قلب کے سالار کو شاید یہ گمان تھا کہ وہ پسپا ہو کر پیچھے کھڑی ہوئی مصری فوج سے مل جائیں گے۔ اور ان کی مدد سے شامی قلب کے جوابی حملے کو روک لیں گے۔ ان بے چاروں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ مصری فوج اپنے روایتی انداز میں پہلے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ چکی ہے۔

یروشلم کا قلب فوج جب پسپا ہوتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں وہ مصری فوج کو چھوڑ کر آیا تھا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں میدان صاف ہے اور مصریوں کی جگہ شامی تیر انداز نیم دائرے میں کمانیں سنبھالے کھڑے ہیں۔ ابھی ان کی حیرت ختم نہ ہوئی تھی کہ شامیوں نے تیر برسانے شروع کردیئے یروشلم کا قلب دونوں طرف سے پھنس کے رہ گیا اس کے سامنے صلاح الدین اور کے پرجوش دستے تھے جو برابر انہیں دھکیل رہے تھے اور پشت پر شامی تیر انداز تھے جو تیروں کی بوچھاڑ لگائے ہوئے تھے انہیں کچھ نہ سوجھتا تھا کہ کس سے مقابلہ کریں اور کس سے خود کو بچائیں۔ آخر وہ بھی اس قدر گھبرائے کہ میدان سے منہ موڑ کر جدھر منہ اٹھائے بھاگ نکلے۔ شامی لشکر کے میمنہ اور میسرہ نے بھی یروشلم کے لشکر کو بھی پیچھے دھکیل دیا تھا اور ان کے قدم جم نہ رہے تھے اور جو انہوں نے قلب فوج کے بھاگنے کا منظر دیکھا تو حواس باختہ ہوگئے اور شاہ ایمالرک کی چیخ پکار اور حکم و درخواست کے باوجود سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ شامی لشکر نے فتح و نصرت کا نعرہ بلند کیا۔ اور اسد الدین شیر کوہ اور صلاح الدین گھوڑوں سے کود کر اپنے خالق حقیقی کے حضور میں سجدہ ریز ہوگئے ان کی تقلید میں امرائے نوریہ اور دوسرے سرداروں نے بھی سجدہ شکر پیش کیا۔

اس عظم الشان فتح کا امرائے نوریہ تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔ سوائے امیر برغش، شیر کوہ اور صلاح الدین ایوبی کے اور سب کے دل بجھے اور چہرے پھیکے پڑ گئے تھے امرائے نوریہ کے یہ تین اشخاص تھے جو ہمہ وقت فتح کی دعا کرتے رہتے تھے اور اللہ جل شانہ ان کی دعائیں سنتا اور شرف قبولیت بخشتا تھا۔ اب ذرا جنگ البابان کے مخالف لشکروں کا عددی اور سامان حرب کا موازنہ کیا جائے تو ایک عجیب طرح کا نقشہ سامنے آتا ہے عرب مورخین نے تو یروشلم اور شامی لشکر کی آویزش کے اول دل ہی سے شامی لشکر کی تعداد کا صحیح تخمینہ دیا ہے لیکن متعصب انگریز اور دوسرے یورپی مورخ ہر موقعہ پر نہ صرف ڈنڈی مارتے تھے بلکہ سفید جھوٹ بولنے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔

شامی لشکر جس وقت دمشق سے مصر کی طرف چلا تھا۔ تو عرب مورخین نے اس کی تعداد ایک ہزار اور دو ہزار کے درمیان بتائی تھی یہ تعداد سواروں کی تھی کیونکہ طویل سفر

Marfat.com

بھی عام طور پر سوار ہی روانہ کئے جاتے تھے پھر مصر پر یلغار کے دونوں موقعوں پر شامی لشکر نے خود کو پوشیدہ رکھا تھا کہ راستے میں یروشلم کے لشکریوں سے مڈ بھیڑ نہ ہوجائے اور پورا لشکر بچا کر مصر پہنچ جائیں اس لئے پیدل لشکر کے ساتھ دبلے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا سوائے ان لوگوں کے جو سامان رسد و حرب کی گاڑیوں کے ساتھ ہوں گے برخلاف اس کے شاہ یروشلم جب یروشلم سے نکلا تھا تو اسے زعم تھا کہ وہ مصر کی حملہ آور فوج کو روکنے اور انہیں شکست دینے جا رہا ہے اس اعتبار سے اس نے عیسائی لشکر ساتھ لیا ہوگا۔ جبکہ مصر کے پہلے معرکہ میں اسے تلخ تجربہ ہوچکا تھا اور وہ تین ماہ سے زیادہ عرصہ میں شامیوں کو خندق سے نکالنے میں بھی کامیاب نہ ہوسکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اس بار بھی پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ہوگی۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی غور کے قابل ہے کہ جنگ البابان میں ایمارک شاہ یروشلم نے ملک شاور اور اس کی فوج کو حصہ نہیں لینے دیا تھا۔ بلکہ انہیں لشکر کے آخری حصے میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ اس قدر مضبوط اور زیادہ لشکر تھا کہ اسے ملک شاور کے مصری لشکر کی قطعی پرواہ نہ تھی۔

برخلاف اسکے مغربی مورخ ولیم آف ٹائر اس سلسلے میں جو جھوٹ کے پہاڑ اٹھاتے ہیں اسے ملاحظہ کیا جائے تو ولیم ٹائر کے الفاظ کے مطابق لاطینی فوج میں (یروشلم کا لشکر) صرف تین سو چوہتر نائٹ اور تھوڑے سے پیدل تھے جن کی تعداد کا (ولیم آف ٹائر کو) صحیح اندازہ نہیں اور ایک دستہ مصریوں کا تھا جو بجائے مدد کے ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔

مسلمانوں کی فوج کے بارے میں کہتا ہے کہ اس میں نو ہزار آدمی زرہیں پہنے یعنی آہن پوش تھے۔ تین ہزار تیر انداز اور کم از کم دس ہزار عرب تھے۔ جو تیروں سے مسلح تھے۔ اس کے بارے میں صرف یہی لکھا جاسکتا ہے کہ شاہ یروشلم اپنے تین سو چوہتر نائٹوں اور کچھ پیدلوں کے ساتھ دریائے نیل کی سیر کو آیا تھا۔ اور شیر کوہ اپنے ساتھ بائیس ہزار کا لشکر لے کے آیا تھا اس کے باوجود جب عیسائیوں کو شکست ہوئی تو اس کے لشکر میں اتنی سکت نہ رہ گئی تھی کہ وہ بھاگتے دشمن کا تعاقب کرتا۔ ایسے جھوٹے مورخوں کے بارے میں کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر مغربی مورخ اسٹینلے مین پول نے جو کتاب 'تاریخ' یا افسانہ تراشا ہے اس کے قابل مترجم نے لین پول کو ایک دیانت دار مورخ لکھا ہے۔ اگر انہیں پول کی تعریف ہی منظور تھی تو انہیں یہ لکھنا چاہئے تھا کہ اسٹینلے مین پول ایک ایسا مغربی مصنف اور مولف ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اعلیٰ قسم کی انشاء پردازی کا

Marfat.com

ہمارا لیا ہے اور جو بات دوسروں نے مسلمانوں کے خلاف صاف الفاظ میں کہی ہے اسی بات کو مین پول افسانوی انداز میں بیان کرجاتا ہے۔ ورنہ اس نے صلاح الدین اور مسلمانوں کے خلاف ہر صفحے اور ہر پیراگراف میں ایسے چبھتے ہوئے جملے کہے ہیں جسے پڑھ کر ایک مسلمان دردمند دل تڑپ کر رہ جاتا ہے ایسا ہی انشا پردازی چین کے شہنشاہ قبلائی کے بارے میں مارکو پولو کے توسط سے کی گئی ہے۔ یلغار تاتار میں احمد ایرانی جو ایک مسلمان تھا اور جسے قبلائی خان کے دربار میں وزارت کا درجہ حاصل تھا اس کے خلاف اس قدر زہر اگلا گیا ہے کہ خدا کی پناہ۔

شیر کوہ نے بھی اپنے لشکر کو بھاگنے والوں کے تعقب سے روک دیا تھا پھر بھی گرفتا ہونے والوں میں کئی بڑے سردار بھی شامل تھے۔ الباباں کی فتح سے امرائے نوریہ کے ان امیروں کے منہ پھر گئے تھے۔ جو یروشلم کے لشکر کی تعداد کے پیش نظر شیر کوہ کو صلح کا مشورہ دے رہے تھے۔ وہ کھسیانے کھسیانے شیر کوہ کے سامنے آئے اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ شیر کوہ واقعی پہاڑوں کا شیر تھا وہ جس قدر شجاع اور بہادر تھا اس قدر اپنے احباب اور امراء کی غلطیوں کو بھی نظرانداز کردیا کرتا تھا۔ اس نے جس انداز سے اس جنگ میں بہادری دکھانے والوں کی جرات اور ہمیت کو سراہا تھا۔ اسی طرح اس نے اپنے مخالف امراء سے ایک لفظ بھی ایسا نہ کہا جس سے وہ خجل اور شرمندہ ہوتے بلکہ اس نے ان کی شجاعت کی دل کھول کر تعریف کی تھی شیر کوہ نے کامیابی حاصل کرتے ہی فتح کی نوید دمشق بھجوا دی تھی۔ یہ تو خبر فتح و نصرت کی اطلاع تھی شیر کوہ کو سلطان کی طرف سے حکم تھا کہ وہ مصر میں قیام کے دوران ہر روز کی مکمل رپورٹ دمشق بھیجا کرے۔ چنانچہ سلطان دمشق اپنے لشکر، سپہ سالار اور امرئے نوریہ کے تمام کمال و حالات سے اتنی دور بیٹھا بھی آگاہ رہتا تھا۔ شیر کوہ نے یہ احتیاط برتی تھی کہ اس نے اپنے مخالف امراء کے بارے میں سلطان کو ان کی تعریف کے علاوہ اور کچھ نہ لکھا تھا۔

الباباں کی فتح سے تقریبا" نصف مصر فتح ہوگیا تھا۔ اس وقت شیر کوہ کا قبضہ دریائے نیل کے تمام مغربی علاقے پر تھا۔ شیر کوہ اور اس کے سرداروں نے یروشلم کے لشکر کے میدان چھوڑتے ہی انفرادی طور پر سجدۂ شکر ادا کئے تھے۔ پھر مغرب کے بعد اجتماعی طور پر سجدۂ شکر ادا کیا گیا۔ شیر کوہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کی شجاعت سے بھی بہت خوش تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ صلاح الدین کو کوئی بھاری انعام دے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امرائے نوریہ میں جو امیر شیر کوہ کے مخالف تھے وہی صلاح الدین کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے اس نے صلاح الدین کو کوئی انعام دینے کا خیال ملتوی کردیا تھا۔ اور اس سے صلاح

Marfat.com

الدین کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ صلاح الدین نے انعام کی خواہش کے بجائے شیر کوہ کا شکریہ ادا کیا۔

"سپہ سالار اور امیر چچا" صلاح الدین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "مجھے حالات کا اچھی طرح احساس نہیں۔ اس وقت مجھے آپ کی حوصلہ افزائی کے سوا اور کسی انعام کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایک تو کسی چیز کی ضرورت نہیں اگر ضرورت پڑی تو بھی آپ سے بے تکلف مانگ لوں گا"۔ صلاح الدین، اتنا کہہ کر چچا کے پاس سے اٹھ آیا تھا۔

صلاح الدین خیمے پر واپس آیا تو اسے باہر ہی عامر غزلی اور قاسم الحسین کو کھڑے دکھائی دیئے۔ انہوں نے مشترکہ طور پر صلاح الدین کو السلام علیکم کیا۔

"کس لئے آئے ہو عامر"؟ صلاح الدین نے مسکرا کے پوچھا۔ حالانکہ وہ ان کے آنے کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"نصرت کی مبارک باد دینے حاضر ہوئے ہیں ہم دونوں" عامر نے ادب سے جھک کر کہا۔

"میں بھی مبارک باد پیش کرنے حاضر ہوا ہوں"۔ قاسم الحسین سے سوچا کہ عامر نے مبارک باد دی ہے تو وہ کیوں پیچھے رہے۔

"تمہیں مبارک باد پیش کرنے کی ضرورت کیوں آئی"۔

قاسم الحسین نے جواب دیا۔ " اس وقت آپ کے حضور صرف مبارک باد ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ امیر۔ عامر غزلی نے بھی تو مبارکباد پیش کی تھی ۔" میں نے بھی پیش کر دی۔

"مجھے تمہاری بات بری نہیں لگی قاسم۔" صلاح الدین نے اسے سمجھایا۔ میرا مطلب تھا کہ عامر غزلی نے اپنی اور تمہاری دونوں کی مبارک باد دی تھی۔ پھر تمہیں دوبارہ مبارک باد دینے کی کیا ضرورت تھی"۔

قاسم الحسین نے گھور کر عامر غزلی کی طرف دیکھا پھر معذرت پیش کی۔ "امیر محترم میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

صلاح الدین کو اس سادہ لوح سپاہی کی بات بہت پسند آئی۔ قاسم الحسین اور عامر غزلی دونوں کہنے کو تو مصری تھے لیکن کس قدر سادہ اور نیک تھے۔ انہوں نے مصریوں کے مخالف سلطان کے لشکر میں ملازمت کی تھی محض اس وجہ سے کہ سلطان کا سپہ سالار شیر کوہ اور بھتیجا صلاح الدین دونوں ہی شجاعت اور انسانیت کے پیکر تھے قاسم الحسین اور عامر غزلی نے وزیراعظم مصر ملک شاور کی بہت خدمت کی تھی لیکن اس نے اقتدار حاصل کرتے ہی

Marfat.com

بھی دونوں کی طرف سے آنکھیں پھرلی تھیں اور صلاح الدین نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تھا کہ جب وہ ملک شاور کے دھتکارے ہوئے مصر سے دمشق پہنچے تھے تو انہیں شامی لشکر میں ملازمت دلائی تھی۔ دشمن ملک کے لوگوں کو لشکر میں بہت چھان پھٹک کے بعد ملازمت دی جاتی ہے لیکن صلاح الدین نے ان کی بات پر اعتبار کیا تھا اور انہوں نے اس اعتبار کو برقرار بھی رکھا تھا۔

شاید اسی وجہ سے صلاح الدین کا رویہ ان کے ساتھ بہت دوستانہ تھا۔

آخر صلاح الدین نے ان کے دل کی بات کہہ دی ۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ صعید مصر کے علاقہ کا ہے تم دونوں کا تعلق اسی علاقے سے ہے اور تمہاری یادیں یہیں سے وابستہ ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد تمہیں صعید مصر کی سیر کی اجازت دوں گا اور اگر تم خواہش کرو گے تو تمہیں یہیں رہنے کی اجازت بھی دے دوں گا۔"

"امیر زادے ۔ ہم آپ کا کس طرح سے شکریہ ادا کریں۔ عامر نے جوابدیا۔ "یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ آپ ہماری ایک دیرینہ خواہش پوری کر رہے ہیں۔

صلاح الدین مسکرایا۔ "عامر۔ تمہارے بارے میں تو مجھے علم ہے کہ تمہارا بچپن یہیں گزرا ہے اور تمہاری محبت بھی شاید یہیں موجود ہے لیکن قاسم الحسین کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ علم نہیں بہرحال اگر قاسم تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یہ علاقہ ابھی ہمارے لئے دشمن کا علاقہ ہے۔ اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے اگر چاہو تو اپنے ساتھ کچھ سوار لے سکتے ہو۔"

"اس کی ضرورت نہیں امیر زادے"۔ قاسم الحسین جلدی سے بولا۔ میرے محلے کا بچہ بچہ مجھے جانتا پہچانتا ہے تمام جوان میرے دوست ہیں"۔

"قاسم ٹھیک کہہ رہا ہے امیر زادے" عامر نے تائید کی ۔ سواروں کے ساتھ جانے میں لوگوں میں دہشت پھیل سکتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ لوگ پوشیدہ ہوجائیں جن سے ہم ملنا چاہتے ہیں"۔

"خیر تمہاری مرضی —— "صلاح الدین نے جواب دیا سپہ سالار نے حکم دے دیا ہے کہ کوئی لشکر قریب کی کسی آبادی میں داخل نہ ہو صرف تم دو کو آبادی میں جانے کی اجازت دی جارہی ہے۔ اگر رات میں کہیں قیام کا ارادہ ہو تو تمہارا انتظار نہ کیا جائے لیکن صبح ہوتے ہی واپس آجانا۔ پتہ نہیں کل کس طرح روانگی کا حکم ہوجائے"۔

"آپ بے فکر رہئے امیر زادے"۔ عامر غربی بولا۔ اگر ہم رات میں رہ گئے تو صبح سورج نکلنے سے پہلے واپس آجائیں گے"۔

Marfat.com

شامی فوج کے سپہ سالارا اور اسد الدین شیر کوہ نے اپنے لشکر کو سختی سے منع کردیا کہ غیر فوجی آبادی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے بلکہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اس قسم کا اعلان اس نے قرب و جوار کی تمام آبادیوں میں کرا دیا تھا کہ شامی لشکر کسی قسم کی لوٹ مار نہیں کرے گا۔ اس لئے بازار کھلے رکھے جائیں اور ضروریات زندگی کی اشیا فروخت کی جائیں تا کہ شہریوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے لیکن دودھ کا جلا ماٹھا پھونک کے پیتا ہے۔ قاہرہ میں آئے دن حکومت گروہوں میں جھگڑے فساد ہوا کرتے تھے۔ ان فسادات سے شہریوں کا کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا لیکن نزلہ انہی بے چاروں پر گرتا تھا۔ ادھر فساد شروع ہوئے ادھر بازار اور آبادیوں میں لوٹ مار شروع ہوگئی۔ لوگ ڈرے ہوئے تھے اس لئے فاتح لشکر کی طرف سے اعلان کے باوجود بازاروں میں بہت کم دکانیں کھولی گئی تھیں۔ دکاندار ڈرے سہمے بیٹھے تھے۔ شہریوں کو بازار جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی حالانکہ تمام بازار بند ہونے کی وجہ سے انہیں بہت سی مختلف چیزیں خریدنا تھیں مگر ان پر خوف طاری تھا انہیں شامی لشکر کی طرف سے تو اطمینان تھا لیکن زیادہ خطرہ انہیں مصر کے بھگوڑے لشکریوں کی طرف سے تھا جو ایسے موقعوں پر بلا بن کر بازاروں اور آدمیوں پر نازل ہوتے اور ہاتھ لگتا وہ لے بھاگتے۔

صعید میں پچھلے دو سال میں کچھ زیادہ تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا۔ قاسم الحسین اور عامر غربی میں طے پایا تھا کہ وہ پہلے ملک شاور کی اس حویلی پر جائیں گے جہاں شاور نے اپنے بیوی بچوں کو رکھ چھوڑا تھا۔ ان سے ملنے کے بعد وہ قاسم الحسین کے دوستوں کے پاس جائیں گے۔ قاسم الحسین نے کئی جگہ دل لگا یا مگر اس کا کوئی اپنا گھر بار نہ تھا اور اتنی زندگی اس نے ادھر ادھر ہی گزار دی تھی عامر غربی اور قاسم الحسین اس محلے میں داخل ہوئے جس کے بڑے بازاروں میں ملک شاور کی حویلی تھی ان کے بازار میں داخل ہوتے ہی بھگدڑ مچ گئی۔ پہلے ہی دکانیں بہت کم کھلی تھیں دو فوجی سواروں کو داخل ہوتے دیکھ کر کیا گاہک اور کیا دکاندار ہر ایک سراسیمہ ہو کر بھاگنے لگے۔ مکانوں کے دروازے بند ہوگئے اور پورے محلے میں سناٹا چھا گیا تھا۔

قاسم الحسین نے سرگوشی کی۔ دیکھا عامر۔ فاتح لشکر کا کس قدر رعب ہوتا ہے ہم صرف دو سوار ہیں وہ بھی شامی نہیں بلکہ مصری اور خالص مصری مگر پورے بازار اور محلے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ہر طرف قبرستان جیسا سناٹا چھا گیا ہے۔ کیا رعب ہے ہم دونوں کا؟"

"ہمارا نہیں یہ رعب در اصل شامی لشکر کا ہے"۔ عامر نے جواب دیا۔ عام دنوں میں

Marfat.com

الزم تم یہاں آتے تو کوئی منہ بھی نہ لگاتا۔"

"عامر صاحب۔ تم منہ لگانے کو کہتے ہو۔ میری تو ایک مرتبہ پٹائی بھی ہوگئی تھی۔ قاسم الحسین نے منہ بنا کے کہا۔ " میں نے نئی نئی مصری فوج میں ملازمت کی تھی تم تو جانتے ہی ہو کہ فوجی کیا کیا شان ہوتی ہے وہ زمین پر قدم نہیں رکھتا میں فوجی کے نشہ میں اکڑتا ہوا ایک محلے میں نکل گیا میرا خیال تھا کہ سب لوگ نہیں تو دو چار مجھے جھک کر سلام کریں گے لیکن کسی نے مجھ پر توجہ نہ دی۔ ان پر رعب ڈالنے کے لئے میں ایک دکاندار سے الجھ پڑا اور اپنے فوجی ہونے کا بانگ دہل اعلان کردیا۔ بس عامر صاحب پھر دیکھنے کا منظر تھا لوگ "غدار ہے" نمک حرام ہے کہ نعرے لگاتے مجھ پر پل پڑے اور مار مار کے میرا بھرکس نکال دیا اس دن سے میں نے توبہ کی کہ مصری فوجی ہونے کا کبھی اعلان نہیں کروں گا۔ بڑی مشکل سے میں جان بچا کر بھاگا تھا"۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہوا ہوگا"۔ عامر نے تائید کردی۔ مگر اس میں شہریوں کا کیا قصور روز ہی وزارت کے لئے تلوار چلا کرتی ہے اور پستے ہیں بے چارے عوام مخالف اور موافق دونوں طرح کے فوجی دستے شہروں میں پھیل جاتے ہیں اور ایسی لوٹ مار کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ ان سے کہو کہ تم تو تمہارے بھائی ہو کیوں لوٹ مار کر رہے ہوں۔ تو جواب ملتا ہے کہ چھ ماہ سے اور کسی کو سال بھر سے تنخواہ نہیں ملی وہ اپنی تنخواہ وصول کرتے ہیں اور شہریوں کا جنازہ نکل جاتا ہے"۔

عامر غربی کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ سامنے وزیر اعظم مصر ملک شاور کی حویلی تھی ملک شاور خود تو دار الوزارت میں رہتا تھا اور بیوی بچوں اور دوسرے متعلقین کو اپنی پرانی حویلی کے پاس ایک نئی حویلی میں رکھا تھا اس کی پہلی حویلی اس وقت عوام نے لوٹ مار کر تباہ کر دی تھی جب ملک شاور اپنے دشمن دراوغہ محلات ضرغام سے شکست کھا کر دمشق بھاگ گیا تھا لوگ ملک شاور سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھے اس لئے کہ اس پر مصیبت آئی تو بہت کم لوگوں نے نمک حلالی کی دوسروں نے تو اس کی حویلی کی کھڑکیاں اور دروازے تک اکھاڑ پھینکے تھے پھر جب ملک شاور نے شامی لشکر کی مدد سے قاہرہ پر دوبارہ قبضہ جما لیا اور قلمدان وزارت پر پھر اس کا ہاتھ مضبوط ہوا تو اس نے اپنے اہل خانہ کے لئے ایک عمدہ قسم کی حویلی صعید میں اسی جگہ بنوا دی تھی جہاں وہ خود پہلے رہا کرتا تھا۔

عامر غربی اس حویلی کو خوب پہچانتا تھا ۔ پچھلی مرتبہ اس کی ملاقات اسی حویلی میں زرتاج سے ہوئی تھی۔ عامر نے زرتاج کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن زرتاج نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے گھر سے دلہن بن کے رخصت ہوگی بھاگ

Marfat.com

سکے نہیں جائے گی۔ عامر غربی کا اس بار کوئی ایسا ارادہ نہ تھا وہ صرف زرتاج سے ملنا چاہتا تھا اس کو وہ غنیمت سمجھتا تھا۔ اگر ملک شاور کو شکست نہ ہوئی ہوتی تو وہ اس محلے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا ملک شاور نے نہ صرف زرتاج کی اس سے شادی سے انکار کیا تھا بلکہ حویلی کے ملازمین کو حکم دے دیا تھا کہ اگر آئندہ عامر غربی اس حویلی میں قدم بھی رکھتا تو اسے قتل کردیا جائے۔

قاسم الحسین نے اسے ٹوکا۔ عامر تلوار نکال لو۔ شاید پہریدار تمہیں اندر داخل نہ ہونے دیں"۔

عامر بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ میں زرتاج سے ضرور ملوں گا۔ خواہ اب مجھے اپنی بہن کو بیوہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

واضح رہے کہ عامر غربی ملک شاور کا سالہ تھا وہ پہلے ملک شاور کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا۔ زرتاج ملک شاور کی بہن کی لڑکی تھی جس کے ماں باپ بچپن میں اللہ کو پیارے ہوگئے تھے ملک شاور نے ترس کھا کر زرتاج کو اپنے بچوں کے ساتھ اور بچوں ہی کی طرح پالا تھا ملک شاور اس قدر مغرور اور بددماغ تھا کہ اس کی اپنے عزیزوں سے نہ بنتی تھی اس کے تین لڑکے علی نطے اور کامل تھے انہیں باپ سے محبت تو تھی لیکن وہ باپ کے ساتھ نہ رہتے تھے ماں کے انتقال کے بعد وہ باپ سے الگ ہوگئے تھے پھر ملک شاور نے عامر غربی کی بہن سے دوسری شادی کی تھی جس کے بطن سے دو بچیاں تھیں جو جوان ہو رہی تھیں۔ ملک شاور کا بڑا بیٹا علی اس وقت مارا گیا تھا جب ضرغام نے ملک شاور کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس وقت علی دار الوزارت میں تھا۔ ملک شاور کو جان بچا کر نکل گیا تھا لیکن علی دشمنوں کے ہاتھ پڑ گیا جسے انہوں نے قتل کردیا۔

عامر غربی اور قاسم الحسین بڑے اطمینان سے آگے بڑھ رہے تھے اور محلے کے لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کی درازوں سے انہیں جھانک کے دیکھ رہے تھے۔ یہ گلی کافی چوڑی تھی اور کنارے کنارے لگے کھمبوں پر فانوس نما شمعیں روشن تھیں۔ ملک شاور کی حویلی کا صدر دروازہ بند تھا اور دو پہریدار باہر کی طرف دروازے پر اس طرح سر جھکائے کھڑے تھے جس طرح شیر کے آنے سے جنگل کے دوسرے جانور دم سادھ لیتے ہیں۔ یہ دونوں قریب پہنچے تو پہریداروں نے انہیں بڑے ادب سے سلام کیا بالکل اس طرح جیسے وہ ملک شاور کی آمد پر اسے سلام کرتے تھے۔ عامر نے قاسم الحسین کو سمجھا دیا تھا۔ کہ پہریداروں سے وہ گفتگو کرے تاکہ وہ پہچانا نہ جاسکے۔ اور جب حویلی والوں کے سامنے ایک دم پہنچے تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں۔

Marfat.com

قاسم الحسین نے بڑے رعب سے کہا۔ "یہ حویلی کس کی ہے"۔

"جی----- جی ---- وہ-----" پہریدار کی حلق میں آواز اٹک گئی۔ وہ سر سے پیر تک کانپ رہا تھا۔

"جی جی کیا۔ ٹھیک ہے بتاؤ ورنہ ابھی قتل کر دیئے جاؤ گے؟" قاسم الحسین نے اسے ڈانٹا۔

"جی وہ وزیر اعظم ----" پہریدار آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

قاسم الحسین نے اور رعب دکھایا"۔ اچھا تو یہ حویلی ملک شاور کی ہے جو اپنے آپ کو وزیر اعظم کہلواتا ہے ہم ابھی پوچھتے ہیں اس سے"۔

"جی وہ گھر میں نہیں ہیں۔ دوسرے پہریدار نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"جان کی خیر چاہتے ہو تو سچ سچ بتاؤ۔ ملک شاور گھر میں ہے کہ نہیں"۔ قاسم گھوڑے سے اتر گیا اور اس نے ایک پہریدار کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔

"جی میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اس نے جلدی سے حویلی کا بیرونی دروازہ کھول دیا۔

عامر نے گھوڑا چھوڑدیا تھا دونوں حویلی کے احاطہ میں داخل ہوگئے۔

"گھر کے اندر کون کون ہے"۔ قاسم نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ اپنی دو بچیوں کے ساتھ ہیں اور وزیر اعظم کی بھانجی ہیں۔ اس نے سچ سچ بتا دیا۔

"ملک شاور کے لڑکے کہاں ہیں؟" قاسم نے پوچھا۔

"وہ یہاں نہیں ہوتے جی"۔ اس نے جواب دیا۔

"دیکھو۔ ہم اندر جارہے ہیں اگر گھر میں ان لوگوں کے سوا کوئی اور نکل آیا تو تمہاری خیر نہیں۔

قاسم الحسین بے دھڑک اندر کی طرف چلا۔

"ٹھہرو۔"عامر نے اسے روکا۔ "تمہیں اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں پیغام بھیجتا ہوں۔"

پھر اس نے اس پہریدار کو حکم دیا۔ "وزیر اعظم کی بیگم کو اطلاع دے دو کہ ان کا بھائی ملنے آیا ہے"۔

پہریدار حکم سن کر تیزی سے اندر کی طرف چلا۔ وہ دو ہی قدم چلا تھا کہ حکم کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے"۔ ان کا بھائی ملنے آیا ہے۔ پہریدار ٹھٹک کے کھڑا ہوگیا۔

Marfat.com

وزیر اعظم کی بیگم کا ایک ہی بھائی تھا اور اسے پہریدار جانتا اور پہچانتا تھا اس نے احتیاطاً پلٹ کر عامر کی طرف دیکھا۔

عامر نے اسے ڈانٹ دیا۔ "دیکھ کیا رہا ہے۔" جاتا کیوں نہیں۔

اور پہریدار کے پیروں میں جیسے پنکھ لگ گئے وہ تقریباً" بھاگنے لگا۔

حویلی کے اندر والوں کو دو فوجیوں کے آنے کی اسی وقت خبر ہوگئی تھی جب عامر غازی اور قاسم الحسین صدر دروازے پر پہنچے تھے۔ ان کا خوف سے برا حال ہو رہا تھا۔ گمان یہی تھا کہ فاتح فوج کے سوار ملک شاور کے بیوی بچے گرفتار کرنے آئے ہوں گے۔ اس خوف کے ساتھ ساتھ انہیں تھوڑا تعجب بھی تھا کہ وزیر اعظم مصر کے اہل خانہ کو گرفتار کرنے صرف دو سوار آئے تھے جبکہ یہ بھی امکان تھا کہ شاید ملک شاور بھی اپنے گھر میں چھپا بیٹھا ہو اور اچانک نکل کر حملہ کردے۔

زرتاج کچھ زیادہ ہی پریشان ہوگئی تھی۔ یہ حویلی اس کے لئے قید خانہ سے کم نہ تھی اس کے آنے جانے پر اگرچہ کوئی پابندی نہ تھی لیکن یہ قید اس کی خود ساختہ تھی وہ حویلی چھوڑ کے کسی جگہ جاسکتی تھی لیکن پرانے رسم و رواج اور خاندانی شرافت نے اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال رکھی تھیں۔

زرتاج نے انہیں تسلی دی تھی۔ آپ بالکل پریشان نہ ہو۔ ممانی وہ لوگ ماموں جان کی تلاش میں آئے ہوں گے جب انہیں معلوم ہوگا کہ وہ یہاں نہیں ہیں تو خود ہی واپس چلے جائیں گے۔

اس کی ممانی نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ تلاشی لینے زنان خانے میں بھی آسکتے ہیں؟"۔

"ٹھیک ہے ایسا ممکن ہے زرتاج نے جواب دیا۔ وہ تلاشی لیں گے تو انہیں یہاں سے کوئی نہیں ملے گا"۔ اب یہ تو ممکن ہے کہ وہ ماموں جان کے بجائے ہم سب کو پکڑلیں آخر یہ لشکر سلطان دمشق نورالدین زنگی کا ہے جس نے صرف ایک خواب دیکھ کر دمشق سے مدینہ تک کا سفر اختیار کیا تھا اور رسالت مآب ؐ کے مزار کو نقصان پہنچانے کے بعد قصد کرنے والوں کو قرار واقعی سزادی تھی"۔

پھر بیگم شاور نے ایک کنیز کو جھڑکا۔ یہاں کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ باہر جا کے دیکھتی نہیں کہ کون آیا ہے۔" کیا چاہتا ہے۔

"بیگم صاحبہ---- کنیز حکم سن کر لرز اٹھی۔ میں نے جھانک کے دیکھا تھا دو سوار پہریداروں کو ڈانٹ رہے تھے۔

بیگم شاور اور زیادہ خوفزدہ ہوگئی۔

Marfat.com

اسی وقت ایک کنیز بھاگتی ہوئی بیگم شاور کے پاس پہنچی سب کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔ بیگم شاور کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کنیز سے سوال کرتیں۔ کنیز نے خود ہی سانس سنبھالی پھر کہا۔

"بیگم جی۔ ایک پہریدار باہر سے پیغام لایا ہے کہ آپ کے بھائی آپ سے ملنے آئے ہیں۔

"میرے بھائی"۔ بیگم نے آنکھیں پھاڑ کے زرتاج کو دیکھا۔ زرتاج اس انکشاف پر خود بھی پریشان تھی لیکن اس کے ہوش و حواس درست تھے۔ اس نے کنیز سے دریافت کیا۔ کیا نام بتایا ہے انہوں نے؟"

"یہ تو پہریدار نے نہیں بتایا۔ "کنیز انگلیاں چٹخانے لگی"۔ کہیں تو پوچھ آؤ جا کے"۔

"ہاں ہاں۔ پوچھ کے آ جلدی سے"۔ بیگم شاور جلدی سے بولیں۔

"ٹھہرو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

زرتاج تیز تیز قدموں سے آگے چلنے لگی۔ کنیز اس سے دو قدم پیچھے تھی۔ دروازے کے پاس رک کے اس نے پوچھا۔ وہ کہاں کھڑے ہیں؟"۔

"برآمدے کے اس طرف سیڑھیوں کے نیچے۔ "کنیز نے جواب دے کر چاہا کہ دروازہ کھول دے لیکن زرتاج نے اسے روک دیا۔"

"ابھی دروازہ مت کھولو۔ پہلے مجھے جھانک کر دیکھنے دو"۔

زرتاج نے دروازہ کھول کے احتیاط سے جھانکا۔ سیڑھیوں کے نیچے دو آدمی کھڑے تھے ایک کا منہ بالکل اس دروازہ کی طرف تھا اور اس کے چہرے پر برآمدے میں جلتے ہوئے فانوسوں کی تیز روشنی پڑ رہی تھی زرتاج نے دھڑکتے دل سے اسے دیکھا اور مسرت اور سرمستی کی ایک لہر اس پر سے گزر گئی۔ وہ اسی عالم میں پلٹ کر اندر کی طرف بھاگی۔ کنیز ہونق بنی کھڑی تھی اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ زرتاج کو کیا ہوگیا ہے۔ یہ کنیز اس حویلی میں نئی تھی۔ صرف وہی نہیں حویلی کے بیشتر غلام اور کنیزیں نئی تھیں۔ ملک شاور ہر چھ ماہ بعد حویلی کی کنیزوں اور غلاموں کو تبدیل کردیا کرتا تھا۔ اس لئے کنیز زرتاج کی مسرت اور شادمانی کی وجہ نہیں سمجھ سکی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کدھر جائے باہر جا کے اسے بیگم صاحبہ کا جواب دینا تھا لیکن ابھی اسے جواب نہیں ملا تھا کچھ سوچتی ہوئی وہ بھی بیگم ملک شاور کی طرف واپس ہوگئی۔

زرتاج بے تحاشہ بھاگتی ہوئی۔ بیگم ملک شاور کے پاس پہنچی۔ وہ زرتاج کو بھاگ کر آتا دیکھ کے کچھ پریشان سی ہوگئی تھیں۔ قریب پہنچ کے زرتاج نے دونوں بازو کھولے اور

Marfat.com

بیگم ملک شاور سے لپٹ گئی۔

"وہ وہ باجی آگئے وہ۔۔۔" مسرت کی وجہ سے زرتاج کے منہ سے صحیح طور پر الفاظ نکل رہے تھے۔

"دیوانی ہوگئی ہے کیا۔ اری کون آ گئے ہیں زرتاج"۔ بیگم ملک شاور نے اسے زور لگا کر اپنے سے الگ کیا۔

"وہی باجی۔۔۔۔ آپ کے بھائی۔۔۔۔۔ عامر بھائی۔۔۔۔ " زرتاج نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

"کہاں ہے کدھر ہے عامر؟"۔

عامر کی بہن دروازے کی طرف بھاگی۔ اب زرتاج اس کے پیچھے تھی واپس آتی ہوئی کنیز انہیں راستے میں ملی۔ وہ بھی ان دونوں کی بدحواسی دیکھ کر چپ چاپ ساتھ ہولی۔

بیگم شاور نے جھانک کے دیکھا۔ عامر اسے صاف نظر آ رہا تھا۔

وہ عامر عامر کہتی ہوئی باہر کی طرف بھاگی۔

عامر کے کانوں میں بہن کی آواز پڑی تو وہ قاسم الحسین کو وہیں چھوڑ کے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

بہن بھائی برآمدے میں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ بہن ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھیں۔ عامر کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ زرتاج کے دل میں اس وقت جذبات کا پورا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ اس کی نظریں عامر پر جم کر رہ گئی تھیں۔ بیرونی حصہ کے ملازم جو پہرے پر تھے بیگم شاور کو دیکھ کر ایک طرف چلے گئے تھے۔ وہ دونوں لپٹے ہوئے آنسو بہا رہے تھے کسی اور میں ہمت نہ تھی کہ وہ انہیں علیحدہ کرتا۔

قاسم الحسین دور کھڑا کنکھیوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ منظر طول کھینچتا جارہا تھا۔ قاسم الحسین نے دخل دیا۔ "عامر صاحب"۔

عامر نے چونک کر بہن کو چھوڑ دیا بہن کے ہاتھ بھی ڈھیلے پڑ گئے۔

"اندر چلو عامر"۔ بہن نے کہا۔

عامر کی نظریں زرتاج کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

اس نے چونک کے بہن کر دیکھا۔ "جی ابھی چلتا ہوں۔ میرے ساتھ ایک دوست ہیں"۔ انہیں مہمان خانے میں پہنچا دوں"۔

"تم فکر نہ کرو عامر۔ کنیز انہیں اندر پہنچادے گی۔ " بیگم شاور نے عامر کو جواب دے کر کنیز کو دیکھا۔ کنیز تیزی سے عامر کے دوست کی طرف بڑھی۔

Marfat.com

عامر اور اس کی بہن اندر جا رہے تھے زرتاج اس وقت بھی ان کے پیچھے تھی اس کی آنکھیں اشک مسرت سے چھلکی پڑتی تھیں۔ پچھلی رات اس نے عامر کو کوئی بار دیکھا تھا اور ہر بار عامر اسے اپنے قریب محسوس ہوا تھا۔ اس کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی تھی اور اس عطر بیز ہوا نے اس کے مشام جاں کو معطر کر دیا تھا اس نے ایسے ہی خوشبو دار خواب بھی دیکھے تھے جیسے وہ عامر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کسی چمن کی رشوں پر چل رہی ہے۔ چشمے کے کنارے بیٹھی ہو یا پھر خیالوں کی ہوا کے دوش پر اڑ رہی ہو۔

"عامر"۔ اس کے ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔ اور قدموں میں کچھ تیزی آ گئی۔

بیگم شاور عامر کی یوں بلائیں لے رہی تھیں۔ جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔ بیچ بیچ اس کا ماتھا چومتی جاتی تھیں۔ تم اتنے دن کہاں رہے ہو عامر میری آنکھیں تمہیں ہر وقت ڈھونڈتی رہتی تھیں"۔

زرتاج کو محسوس ہوا کہ جیسے بیگم شاور نے اس کے دل کی ترجمانی کی ہو۔ اس نے گھبرا کر عامر کو دیکھا اور اس طرح دیکھا جیسے اسے آنکھوں کے ذریعے دل میں اتارنا چاہتی ہو۔

"باجی خانماں برباد کا کیا ٹھکانہ" جہاں رات ہوئی وہاں پڑ رہے۔ عامر کی آواز میں بڑا درد تھا دکھ تھا برسوں کی تکلیفیں تھیں۔

بہن تڑپ اٹھی۔ اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گی تم میرے پاس رہو وزیر اعظم سے میں تمہارے لئے لڑوں گی۔ جھگڑا کروں گی اور اگر وہ نہ مانے تو بچوں کو ساتھ لے کر تمہارے پاس چلی جاؤں گی۔

زرتاج کی سسکی نکل گئی بہن اپنے بھائی کے لئے شوہر کا گھر چھوڑنے پر آمادہ تھی لیکن وہ اپنے پیار۔ اپنے پیارے کے لئے اتنا بھی نہ کر پائی تھی کہ خاندانی روایات اور شرافت اس کے قدم پکڑ لیتی تھیں۔

"باجی تمہاری محبت ہی مجھے اس دروازے پر بار بار کھینچ لاتی ہے"۔ عامر نے نظریں گھما کر زرتاج کو دیکھا گویا یہ بات وہ زرتاج ہی سے کہہ رہا ہو۔ بھائی جان نے مجھے بہت ذلیل کیا لیکن میں ان سے اس ذلت کا بدلہ نہیں لے سکتا۔ تم جو درمیان میں ہو۔

عامر نے ایک بار پھر زرتاج کو دیکھا۔

"اور اگر زرتاج بھی میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو جائے۔ پھر تو انکار نہیں کرو گے"۔ بہن کی زبان سے جیسے پھسل پڑا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ باجی"۔ زرتاج نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میں تمہیں بھی نہیں

Marfat.com

جانے دوں گی"۔

"اچھا تم دونوں باتیں کرو۔ میں تمہارے کھانے کا انتظام کر کے آتی ہوں۔

بیگم شاور ان دونوں کا گفتگو کا موقع دے کر ایک طرف چلی گئی اور اپنی ان دو بچیوں کو بھی راستہ ہیں میں روک کر واپس لے گئیں جو اپنے ماموں سے ملنے ادھر آ رہی تھیں۔

"میں نے تمہارا جواب سن لیا ہے زرتاج"۔ عامر نے بہن کے جانے کے بعد بڑے کرب سے کہا۔ وقت تمہارے اندر ذرا بھی تبدیلی نہ پیدا کرسکا۔

"میں مجبور ہوں عامر۔" زرتاج نے نظریں جھکا لیں۔

"یہ جواب کسی اور طرح بھی دیا جاسکتا تھا۔ عامر نے زرتاج کو ملتجی نظروں سے دیکھا۔

"عامر" زرتاج نے مضبوط لہجہ میں جواب دیا۔ "مجھ سے روایتی محبوباؤں جیسے جواب کی توقع نہ رکھو۔ بے شک میں بھی جھلملاتے خواب دیکھتی ہوں آرزوؤں اور تمناؤں کے جھونک لیتی ہوں مگر جب حقیقت کی دنیا میں واپس آتی ہوں تو زرتاج اور صرف زرتاج ہو کر رہ جاتی ہوں خدا کے لئے مجھ سے وہ مت مانگو جو میں نہ دے سکتی ہوں۔"

اس کا مطلب ہے کہ میں تمہاری طرف سے نا امید ہوں جاؤں۔؟ عامر نے دکھے دل سے کہا۔

"یہ سوال تو مجھے تم سے کرنا چاہئے۔" زرتاج نے مستقل مزاجی سے جواب دیا۔ امیدیں تو میں نے تم سے باندھ رکھی ہیں۔ تم مرد ہو جب چاہے مجھے ٹھکرا سکتے ہو لیکن میں نے دل میں جو صورت اتاری ہے اسے کھرچ کر نہیں پھینک سکتی۔"

"زرتاج تم روز بروز مشکل ہوتی جا رہی ہو۔" عامر کے لہجے میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو گئی۔ "آخر میں تمہاری باتوں کا کیا مطلب نکالوں؟"

"میں بالکل صاف الفاظ میں کہہ رہی ہوں کہ میں گوالے کے گھر کی گائے نہیں کہ گوالا جدھر چاہے اسے ہانک دے۔" زرتاج کی باتوں کی تصدیق اس کا صاف اور ستھرا لہجہ کر رہا تھا۔ "تم مجھے قبول کرو یا نہ کرو لیکن میں تمہاری ہو چکی ہوں۔ میں آئینہ صورت نہیں جس میں ہر تصویر اتر آئے۔ ماموں جان مجھے اپنی مرضی پر چلانے سے قاصر رہے ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اگر تم مجھے نہ مل سکے تو میں تمام عمر اسی امید پر زندہ رہوں گی۔ اگر میں ماموں جان کے سامنے زبان کھول سکتی ہوں تو تم سے بھی کہہ سکتی ہوں کہ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو عاشق کی ایک آواز پر خاندان کی ناموس سے آنکھیں بند کر کے پکے آم کی طرح عاشق کی آغوش میں گر جاتی ہیں۔"

Marfat.com

"ٹھیک ہے زرتاج۔" عامر اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ "تم نے میرے لئے اپنی دنیا ویران کی ہے تو میں بھی سوائے تمہارے کسی اور سے اپنی دنیا آباد نہیں کروں گا۔"

عامر کی بہن اس کے لئے دسترخوان سجائے بیٹھی تھی۔ اسے عامر کے چہرے پر اطمینان نظر آیا تو بولی۔ "چلو۔ تم دونوں میں میل ہو گیا۔ میں تو یہی سوچ سوچ کے ہول کھاتی رہتی تھی۔"

عامر اور زرتاج آگے پیچھے ہی آئے تھے۔ عامر کی بہن کی بات زرتاج کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔ عامر نے زرتاج کی طرف گھوم کے دیکھتے ہوئے کہا۔ "باجی ہم دونوں میں معاہدہ ہو گیا ہے کہ ہم اچھے حالات کا انتظار کریں گے۔"

"اچھے حالات سے تمہاری کیا مراد ہے۔" اس کی باجی بھڑک اٹھی۔

"یہی کہ بھائی جان بھی ہمارے رشتے کی منظوری دے دیں پھر ہم شادی کریں گے۔" عامر مسکرا دیا۔

"تو پھر ہو چکی یہ شادی۔ قیامت کا انتظار کرنا پڑے گا تم دونوں کو۔" وہ چڑ چڑا رہی تھیں

"باجی۔ مجھ پر تو روز ایک قیامت گزرتی ہے۔ جہاں اتنی گزر چکیں وہاں ایک اور سہی۔" عامر ہنسنے لگا۔ اس کی باجی نے برا سا منہ بنایا۔ "تم ہنسی سمجھ رہے ہو لیکن تمہارے بھائی جان کو میں جانتی ہوں۔ جو وہ کہہ دیں پتھر کی لکیر بن جاتا ہے۔ تم میرا کہنا مانو اور ______"

عامر اور زرتاج دونوں نے باجی کی طرف کان لگا دئے لیکن باجی نے بات پوری نہ کی۔

"آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔" عامر کو پوچھنا ہی پڑا۔

"میں تو کہتی ہوں کہ قاضی کو بلاؤ اور دو بول پڑھوا لو۔" باجی اک دم نرم پڑ گئیں۔

"اور بھائی جان کا کیا بنے گا؟" عامر نے دریافت کیا۔

"وہ بک جھک کے بیٹھ رہیں گے اور کیا کر سکتے ہیں۔" باجی بڑی بے پروائی سے بولیں۔

"نہیں باجی۔" عامر نے نفی میں سر ہلایا--- "میری خانہ آبادی اور تمہاری خانہ بربادی۔ میں یہ برداشت کرنے پر آمادہ نہیں۔ کیوں زرتاج تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں کچھ نہیں کہتی۔" زرتاج نے خود کو الگ رکھا۔ "میرے لئے بھائی جان اور باجی دونوں کا کہنا ماننا فرض ہے۔ اگر دونوں راضی رہیں تو پھر کیا کہنا۔"

Marfat.com

اس طرح بات ایک بار پھر گول ہو گئی۔

زرتاج اور عامر بھی کھانے میں شامل ہو گئے۔ عامر نے کھاتے کھاتے ایک دم ہاتھ کھینچ لیا۔ "ارے غضب ہو گیا باجی۔ وہ غریب کیا سوچتا ہو گا۔"

"کس غریب کا اس ورود سے ذکر ہو رہا ہے میرے بھیا؟" باجی نے عامر کو چھیڑا۔

میں نے آپ سے کہا تھا نا۔ میرے ساتھ ایک دوست ہے۔ وہ ---- وہ ----"

"دوست کی فکر چھوڑو تم۔" باجی نے بات کاٹی۔ "تمہارا دوست میرے مہمان خانہ میں تھا۔ میں نے اسے کھانا بھجوا دیا ہے اور دو کنیزیں' ایک غلام اس کی خدمت پر مامور ہیں۔"

عامر کی باچھیں کھل گئیں ---- "تم کتنی اچھی ہو باجی۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ تم کہاں رہتے ہو۔ کیا کر رہے ہو؟" باجی نے کھانے کے دوران سوال کیا۔

"میں اس دنیا میں رہتا ہوں اور محنت کر کے روٹی کھاتا ہوں۔" عامر نے شوخی سے جواب دیا۔

"کیا محنت کرتے ہو۔ یہی تو پوچھ رہی ہوں۔" باجی نے وضاحت چاہی۔

"تلوار چلاتا ہوں۔ دشمنوں کو مارتا ہوں۔" عامر نے ہنسی میں ٹالنا چاہا۔

"ہونہہ۔ تو فوج میں نوکری کر لی ہے؟"

"کیا فوجی نوکری بری ہوتی ہے۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ نوکری کس فوج میں کی ہے۔ اپنی فوج میں یا عیسائی لشکر میں۔" باجی نے کرید شروع کر دی عامر کے حلق میں نوالہ اٹکنے لگا۔ اس نے پھر بھی ٹالنا چاہا۔ "اپنی فوج میں نوکری کے لئے جاتا تو لوگ پہچان لیتے اور بات بھائی جان تک پہنچتی۔ اگر وہ قتل کا حکم نہ دیتے تو قید تو ضرور کرا دیتے۔"

اس کی باجی ہنس دی۔ "وہ اتنے برے تو نہیں۔ زبان کے ذرا سخت ہیں۔ تمہیں دیکھتے تو خوش ہو جاتے۔ خیر ملازمت عیسائیوں کی بھی بری نہیں۔ وہاں مشاہرہ تو اچھا ملتا ہو گا۔؟"

"میں نے کب کہا کہ میں عیسائی لشکر میں نوکر ہوں۔" عامر نے نفرت سے کہا۔ "شاہ یروشلم بڑا بد ذات ہے۔ ایک طرف وہ ہم سے خراج وصول کرتا ہے دوسری طرف مصر کو سلطان دمشق سے لڑاتا ہے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔" اس کی باجی نے تاسف سے کہا۔ "ہم نے شاہی لشکر کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ اگر ہم نے ان سے دوستی رکھی ہوتی تو آج وہ اس طرح حملہ کر

Marfat.com

کے بربادی نہ مچاتے۔"

"یہ باتیں بھائی جان کو سمجھائی ہوتیں باجی۔" عامر جھلا گیا۔ "بھائی جان کی بد عہدی نے مصر کو یہ دن دکھایا"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" اس کی باجی نے بیدلی سے کہا۔ "ہاں بتاؤ نا۔ تم نے کس کی ملازمت کی ہے؟"

"مجھے گھر سے نکال تو نہیں دو گی؟۔" عامر نے پیش بندی کرنا چاہی۔

"کیوں ۔ نکال دوں گی۔ میں مصر کی وزیر اعظم نہیں تمہاری بہن ہوں۔" بہن نے محبت سے کہا۔

"دل تھام لو پر سنو۔" پھر عامر نے زرتاج کی طرف دیکھا۔ "تم بھی سن لو زرتاج۔ میں سلطان دمشق نورالدین محمود زنگی کا نمک خوار ہوں اور شامی فوجوں کے ساتھ مصر فتح کرنے آیا ہوں۔"

اس کی باجی اور زرتاج کی آنکھیں پھیل گئیں اور منہ کھل گیا۔

"سچ۔ کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو عامر۔" زرتاج خود کو سنبھالتے ہوئے بولی

"اگر شامی لشکر کا فوجی نہ ہوتا تو اس حویلی تک کیسے پہنچتا۔" عامر نے فخریہ کہا۔ "مصری اور عیسائی شکست کھا کر بھاگ چکے ہیں۔ یہ تمام علاقہ شامی فوجوں کے قبضہ میں ہے۔ ان محلوں اور بازاروں میں صرف وہی آزادی سے گھوم سکتے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا تم نے عامر۔" زرتاج نے پر جوش لہجہ میں کہا۔

عامر نے زرتاج کو بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ "زرتاج تمہاری اس تصدیق نے میرے حوصلوں کو تقویت دی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم سلطان دمشق کو عام مصریوں کی نظر سے دیکھتی ہو گی اور میری ملازمت پر ناک منہ چڑھاؤ گی۔"

"جب اپنے سیارانہ دیں تو غیروں کا منہ دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" زرتاج نے اس کے اقدام کی مزید تائید کی۔ "بھائی جان نے اپنے یا پرائے کسی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو ہمارے ساتھ لوگ محض انسانیت کے ناتے سے سلوک کرتے ہیں ورنہ وہ بھائی جان کے حوالے سے تو ہم سے بات بھی نہ کریں۔"

عامر کی بہن اداس ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "ہمیں چھوڑ کے اب کہاں جاؤ گے بھیا۔"

بہن کی آواز رندھی جا رہی تھی۔ عامر بھی جذباتی ہو گیا۔ "باجی جس خدا نے تمہاری تلب تک حفاظت کی ہے وہی اب بھی تمہاری دست گیری کرے گا۔ میں سلطان کا نوکر

Marfat.com

ہوں۔ نہ تمہارے ساتھ ٹھہر سکتا ہوں اور نہ تمہیں ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں کہیں سکون سے بیٹھوں گا تمہیں اپنے پاس بلا لوں گا۔ میرے آگے پیچھے اور کون ہے؟"

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ عامر ہاتھ دھو کے جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

بڑی بہن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "خدا تمہارا حافظ و ناصر ہے عامر۔"

زرتاج کی آنکھوں سے دو موتی ٹپک کے زمین میں جذب ہو گئے۔ یہی اس کا رخصتی سلام تھا۔

عامر نے دونوں بھانجیوں کو دعا دی اور بہن کو سلام کر کے باہر نکل گیا۔ قاسم الحسن اس کا منتظر تھا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ اہل محلہ اب تک پریشان تھے کہ یہ دو سوار کون تھے جو آندھی طوفان کی طرح آئے۔ کچھ دیر مغرور اور بے فیض ملک شاور کی حویلی میں قیام کیا پھر نہایت خاموشی سے رخصت ہو گئے۔

☆

ایمارک۔شاہ یروشلم کو ایسی فاش شکست کی امید نہ تھی۔ اس نے اپنے خیال کے مطابق شامی فوج کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ قاہرہ کا مشرقی حصہ اس کے پاس تھا۔ شمال میں ریگستان کے اس پار اسکندریہ کا بندر گاہ تھا جس پر مصریوں کا قبضہ تھا اور سطح سمندر پر اس کے جہاز تیر رہے تھے۔ مغرب کی سمت دور دور تک ریگستانی علاقہ تھا جس میں گم ہونا موت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔

شیر کوہ یہ باتیں جانتا تھا لیکن وہ بالکل ہراساں نہ تھا۔ ایسے بگڑے حالات ہی میں اس کے اصل جوہر کھلتے تھے۔ لیکن سوائے دو ایک امرائے نوریہ کے اور کوئی اس کی عقل رسا کو نہ پہنچتا تھا۔ اسی وجہ سے تقریباً تمام امرا نے البابان میں جنگ کرنے کے بجائے شیر کوہ کو فرار یا صلح کا مشورہ دیا تھا لیکن صلاح الدین۔ امیر برغش اور فقیہ عیسیٰ بکاری کی کوششوں سے امراء کو قابو میں رکھا گیا اور آخر کار شیر کوہ نے وہ شاندار کامیابی حاصل کی جسے دیکھ کر دشمن بھی دنگ رہ گیا۔

عام خیال تھا کہ البابان کی عظیم فتح کے بعد شیر کوہ دریا پار کر کے قاہرہ کے میدان میں ایک بار پھر اپنے متحدہ دشمن کو للکارے گا اور اگر دشمن مقابلہ پر آیا تو قاہرہ اور اس کے ساتھ پورے مصر کی فتح شیر کوہ کے قدم چومے گی لیکن شیر کوہ نے جیسے قاہرہ کو ذہن سے اتار دیا اور قاہرہ کا رخ کرنے کے بجائے ریگستانی علاقہ پار کر کے اسکندریہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ ممکن ہے کہ اس دفعہ شیر کوہ کی حکمت عملی یہ ہو کہ وہ دشمن کو اس کے مرکز

Marfat.com

سے نکال کر خود اپنے اوپر حملہ آور کرانا چاہتا ہو تاکہ دشمن کو فوری مدد اور کمک نہ مل سکے اور شیر کوہ ایک ہی وار میں اس کا بھرکس نکال دے۔

شیر کوہ کو اسکندریہ کی طرف سے حملہ کی توقع تھی لیکن جب اسکندریہ سے باہر کوئی نہیں آیا تو اس نے آگے بڑھ کے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اسکندریہ پر جس آسانی سے قبضہ ہوا اس کا شیر کوہ کو خیال ہی نہ تھا۔ قاہرہ کے بعد اسکندریہ ہی مصر کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ جہاں اگر دشمن مقابلہ کرتا تو اسے سمندری راستے سے کسی بھی عیسائی ملک سے مدد حاصل ہو سکتی تھی۔ الباباں کی جنگ بڑی سخت تھی۔ شیر کوہ مزید فتوحات سے پہلے لشکر کو کچھ آرام بھی دینا چاہتا تھا۔ وہ ایک ہفتہ تک اسکندریہ میں بیٹھا حالات کا اندازہ کرتا رہا۔ اسکندریہ پر شیر کوہ کے قبضے کے ساتھ ہی یروشلم کی عیسائی بحریہ نے اسکندریہ کے ساحلی علاقوں کو اپنی زد میں لے لیا۔ شیر کوہ کو بحری مدد حاصل نہ تھی اس لئے اس نے ساحلی علاقہ خالی کرا لیا اور عیسائیوں کے ساحل پر اترنے کا انتظار کرنے لگا۔

دراصل الباباں کی شکست نے مصریوں اور عیسائیوں دونوں ہی کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور شیر کوہ ان کے لئے ہوا بن گیا تھا۔ درمیانہ قد اور اور بھاری جسم کے شیر کوہ کو وہ واقعی جنگل کا شیر سمجھنے لگے تھے اور کھلے میدان میں اس سے مقابلہ کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ادھر قاہرہ میں شاہ ایمالرک کا بچا کھچا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ مصریوں کی تازہ دم فوجوں کی مدد بھی اسے حاصل ہو گئی تھی۔ یروشلم سے بھی قاہرہ کے لئے کمک روانہ ہو چکی تھی اس کے باوجود شاہ ایمالرک' قاہرہ سے نہیں نکل رہا تھا اور جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ شیر کوہ خود حملہ آور نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے اس نے قاہرہ میں اکٹھا ہوتے لشکر کی طرف سے نظریں بالکل ہی پھیر لی تھیں۔

اس سوچ بچار اور کشمکش میں آئندہ دو ہفتے اور گزر گئے۔ شیر کوہ اپنے لشکر کے ساتھ اسکندریہ میں جما بیٹھا تھا اور ایمالرک شاہ یروشلم قاہرہ میں دھڑا دھڑ لشکر اکٹھا کر رہا تھا۔ ملک شاور جو اپنی فوج کے ساتھ الباباں کے میدان سے بھاگ گیا تھا اور اس کا یہی بھاگنا شیر کوہ کی فتح کا شاخسانہ بن گیا تھا۔ وہی ملک شاور اس وقت شاہ یروشلم کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ مصری خزانہ شاہ یروشلم کے پورے اخراجات برداشت کر رہا تھا۔ ملک شاور نے شاہ کو اور بھی بہت سے سبز باغ دکھاتے اور وعدے کر ڈالے تھے لیکن شاہ یروشلم کو اس کے وعدوں کا قطعی اعتبار نہ تھا۔

شاہ نے بڑے صاف الفاظ میں کہا۔ "وزیر اعظم۔ آپ کوئی وعدہ نہ کیجئے اس لئے کہ آپ کا وعدہ اور عہدو پیمان صرف وقتی ہوتے ہیں جو حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔"

Marfat.com

ملک شادر گڑگڑایا۔ "شاہ محترم۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں لیکن اس وقت مصر کی قسمت آپ کے ہاتھ میں ہے چاہے بنائیے چاہے بگاڑ دیجئے لیکن یہ خیال رکھئے کہ اگر مصر پر شامیوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر آپ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہوں گے۔ ایک پاٹ دمشق ہو گا اور دوسرا پاٹ قاہرہ اور یروشلم اس کے درمیان پس کر رہ جائے گا۔"

شاہ جانتا تھا کہ ملک شادر ٹھیک کہہ رہا ہے اور یہی بات سوچ کر وہ اس قدر تیزی سے یروشلم چھوڑ کے مصر آگیا تھا۔ لیکن اس نے دل میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ "وزیر اعظم نہیں یروشلم کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یروشلم کی پشت پر پورا براعظم یورپ موجود ہے۔ اگر یروشلم پر کسی وقت آنچ آئی تو پورا یورپ فلسطین میں اتر آئے گا۔ ہمیں تو صرف تمہاری وزارت کی فکر ہے۔ باوجود تمہاری مسلسل غلطیوں کے ہم نہیں چاہتے کہ دارالوزارت پر کسی اور کا قبضہ ہو اور تم پھر کسی دربار میں مدد حاصل کرنے کے لئے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو۔"

"اس دفعہ میرا وعدہ اور معاہدہ بالکل پکا ہو گا۔" ملک شادر نے زور دے کے کہا۔ "آپ جس طرح کی چاہیں ضمانت حاصل کر سکتے ہیں لیکن کسی طرح ان کمبختوں کو یہاں سے نکال باہر کیجئے۔"

"ان کے نکلنے کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔" شاہ نے اسے تسلی دی۔ "معاہدہ بھی ہو گا اور ضمانت بھی حاصل کی جائے گی۔ ضمانت ایسی ہو گی کہ تم اس سے انکار ہی نہ کر سکو گے۔"

ملک شادر کو صرف یہ فکر تھی کہ کسی طرح شامی لشکر یہاں سے نکل جائے۔ اس لئے وہ ہر بات پر سرہلاتا اور ہاں ہاں کرتا رہا۔ "آپ جیسے فرمائیں گے ایسے ہی ہو گا شاہ محترم میں آپ کی کسی شرط سے سرتابی نہ کروں گا۔ اگر آپ کو میری طرف سے اطمینان ہو گیا تو براہ کرم فوراً اسکندریہ کی طرف کوچ فرمایئے۔ شیر کوہ کے قدم اسکندریہ میں نہیں جمنا چاہئیں ورنہ پھر اسے اکھاڑنا مشکل ہو جائے گا۔"

ایمالرک چڑ گیا۔ "ملک شادر میں نے کئی بار کہا ہے کہ مجھے حکم دینے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے شیر کوہ کے خلاف قدم اٹھانا ہے۔ وہ قدم کیا ہو گا اس سے تمہیں کوئی علاقہ نہیں۔ تم نے اپنے تصور میں شیر کوہ کو جس سطح پر بٹھا رکھا ہے وہ اس سے بہت بلند ہے۔ شیر کوہ کو البابان میں شکست نہیں دی جا سکی جب وہ بالکل کھلے میدان میں تھا اب تو وہ اسکندریہ پر قابض ہے اور اگر وہ قلعہ بند ہو جائے تو کئی سال تک مدافعتی جنگ جاری رکھ سکتا ہے۔"

Marfat.com

"الباباں کی جنگ تو میرے بزدل فوجیوں کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئی۔" ملک شادر نے فوراً شکست کی ذمہ داری قبول کر لی۔"

"شکست بہر صورت شکست ہے۔" شاہ نے غصے سے کہا۔ "تم شکست کی ذمہ داری قبول کر کے مجھے خوش کرنا چاہتے ہو۔ وزیر اعظم تم بہت نادان ہو۔ شیر کوہ وہ شیر ہے جو پنجرے میں بھی شیر ہے اور میدان اور جنگل تو اس کے اپنے ہی ٹھکانے ہیں۔"

ملک شادر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ ایمالرک کو طیش بھی نہیں دلانا چاہتا تھا اسے خطرہ تھا کہ کہیں ایمالرک ناراض ہو کر یروشلم واپس نہیں چلا جائے۔ وہ اپنی مرضی سے آیا تھا تو اپنی مرضی سے واپس بھی جا سکتا تھا۔ ملک شادر نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

شاید یہ ملک شادر کی خوش قسمتی تھی کہ دو ہی دن بعد اسکندریہ کے ایک جاسوس کی رپورٹ موصول ہوئی۔

"شیر کوہ، اسکندریہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کے حوالے کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف گیا ہے تاکہ شامی لشکر کے لئے سامان رسد اور نقد رقم حاصل کر لے۔ شاہ محترم اسکندریہ پر حملہ کے بارے میں غور فرما سکتے ہیں۔"

ایمالرک شاہ یروشلم اس اطلاع سے بہت مسرور ہوا۔ جس وقت جاسوس کا یہ پرچہ شاہ ایمالرک کو دیا گیا۔ ملک شادر وہاں موجود تھا۔ اسے صرف یہ معلوم ہوا تھا کہ اسکندریہ سے کوئی اہم خبر آنے والی ہے۔ شاہ یروشلم نے اس اندھیرے میں نہیں رکھا اور صاف صاف بتا دیا کہ اسکندریہ کے جاسوس نے شیر کوہ کے ایک لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہونے کی خبر دی ہے۔

ملک شادر کا اس اطلاع سے دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہا لیکن جب اس کی نظر شاہ ایمالرک کے سنجیدہ چہرے پر پڑی تو ہونٹوں پر آئے ہوئے الفاظ کو وہ نگل گیا اور شاہ کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ شاہ بہت دیر تک فکر میں ڈوبا رہا۔ کبھی وہ آسمان کی طرف دیکھتا کبھی ایک مقام پر نظریں جما کر کھڑا ہو جاتا تو کبھی تیز قدموں سے ٹہلنے لگتا۔ جاسوس کے آنے کی خبر سن کر شاہ کے کئی بڑے بڑے سردار اس کے پاس آ گئے تھے مگر ہر ایک خاموش کھڑا شاہ کے بولنے کا منتظر تھا۔

دیر بعد شاہ نے نظریں اٹھا کر سرداروں کو دیکھا۔ "لشکر کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ ہم کل اسکندریہ روانہ ہو رہے ہیں۔"

یروشلم کے سرداران فوج بھی اس حکم سے خوش ہو گئے۔ الباباں میں کسی وجہ سے

Marfat.com

کبھی شکست ہوئی ہو لیکن تمام سردار اسے اپنا جرم سمجھتے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کوئی موقع آئے تو بدنامی کے اس داغ کو وہ اپنے خون سے دھو ڈالنا چاہتے تھے۔

دوسرے دن شاہ یروشلم' قاہرہ چھوڑ کے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اسکندریہ جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ سوائے ملک شاور کے مصر کا ایک فوجی بھی نہیں لیا تھا۔ البابان کے میدان میں وہ مصریوں کی بزدلی دیکھ چکا تھا اس لئے وہ مزید خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ مصری فوج ساتھ نہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاہ یروشلم کے اپنے ملک سے تازہ دم لشکری آ گئے تھے۔ اسکندریہ کا پورا انتظام اور انصرام صلاح الدین کے سپرد تھا۔ یہ اس کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ دمشق دور۔ شیر کوہ جنوب میں معروف اسکندریہ کے سمندر (بحیرہ روم) میں نصرانی بیڑہ (عیسائی بیڑہ) گردش کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

صلاح الدین نے شیر کوہ کے روانہ ہوتے ہی اسکندریہ کو مضبوط کرنا شروع کر دیا تھا۔ شیر کوہ اس کے پاس صرف ایک ہزار سوار چھوڑ گیا تھا۔ مصریوں کو بھرتی کر کے نیا لشکر بھی تیار نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ مصری ناقابل اعتبار تھے اور ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قاسم الحسین دریائے نیل پار کر کے قاہرہ اپنے دوستوں سے ملنے گیا ہوا تھا۔ اس نے جو عیسائی لشکر کی اسکندریہ کی طرف روانہ ہونے کی خبر سنی تو اچک کے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایسی باگیں اٹھائیں کہ اسکندریہ پہنچ کے دم لیا۔ اس نے پہلے عامر سے مشورہ کیا پھر دونوں سیدھے امیر زادے صلاح الدین کے پاس پہنچے۔ صلاح الدین کی حیثیت اس وقت قلعہ دار اسکندریہ اور سالار فوج کی تھی لیکن جب عامر نے اطلاع بھیجی کہ وہ قاہرہ سے ملنے والی ایک خبر لے کر حاضر ہونا چاہتے ہیں تو اسے فوراً اندر بلوا لیا گیا۔

عامر اور قاسم الحسین نے امیر زادے صلاح الدین کو ادب سے سلام کیا۔ پھر عامر کے اشارہ پر قاسم الحسین نے عرض کیا۔ "اے امیر زادے اور سالار افواج شام میں ابھی بھاگم بھاگ قاہرہ سے یہاں پہنچا ہوں۔ میں نے قاہرہ میں سنا کہ شاہ یروشلم اپنے پورے لشکر کے ساتھ اسکندریہ روانہ ہو چکا ہے۔ مجھے یقین نہ آیا اور سوار ہو کے اسکندریہ کے راستے پر چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عیسائی لشکر میرے سامنے تھا۔ جب تصدیق ہو گئی کہ عیسائی لشکر کی منزل اسکندریہ ہے تو میں نے راستہ کاٹا اور دوسرے راستے سے امیر زادے تک پہنچا ہوں۔ میں نے ——————"

"ٹھہرو قاسم۔" امیر زادہ صلاح الدین اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ "باقی باتیں بعد میں کریں گے پہلے اسکندریہ کے دفاع کا انتظام ضروری ہے۔"

صلاح الدین نے اس وقت اپنے تمام ماتحت سرداروں کو بلوایا اور انہیں حکم دیا۔

Marfat.com

اسکندریہ میں داخلہ کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ برجیوں اور فصیل پر تیر انداز مقرر کئے جائیں اور آبادی میں اعلان کیا جائے کہ ظالم عیسائی اسکندریہ پر قبضہ کے لئے آ رہے ہیں۔ شامی فوج نے قلعہ بند ہو کے مورچے سنبھال لئے ہیں۔ شہری آبادی اپنے مکانوں کے اندر رہے اور کسی قسم کی بد نظمی نہ پیدا ہونے دے۔"

اسکندریہ کی آبادی مختلف قوموں اور نسلوں پر مشتمل تھی۔ اسکندریہ بندرگاہ تھا اور تجارت کا ایک بہت بڑا مرکز۔ زیادہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور جنگ و جدل کو پسند نہ کرتے تھے۔ اسکندریہ پر شیر کوہ کے حملے کے وقت بھی انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی تھی اور چپ چاپ اسکندریہ پر قبضہ کرا دیا تھا۔ اس وقت بھی انہوں نے وہی روش اختیار کی اور صلاح الدین کو یقین دلایا کہ شہر میں کسی قسم کی گڑ بڑ نہ ہو گی۔"

شہریوں کی طرف سے مطمئن ہو کے صلاح الدین فوجی انتظام میں لگ گیا۔ عامر اور قاسم الحسین نے اسے مصروف دیکھا تو خود ہی اٹھ کے چلے آتے۔ صلاح الدین اور شامی لشکر اگرچہ اسکندریہ والوں کے لئے اجنبی تھے لیکن شہری شامی لشکر اور اس کے سالار کا نظم و ضبط دیکھ کے ایسے مطمئن تھے کہ اپنے اپنے گھروں میں جا کے بیٹھ گئے اور محلہ کمیٹیوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ اسکندریہ پر قابض شامی فوجوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا جائے۔

شاہ یروشلم پورے لشکر کے ساتھ اسکندریہ پہنچا۔ اسے معلوم تھا کہ شامیوں کے پاس فوج کم ہے اور جو کچھ تھی اس میں سے بھی نصف فوج شیر کوہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایسی صورت میں اسکندریہ اس کا قبضہ ہو جانا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ اسکندریہ پہنچتے ہی اس نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر اور بندرگاہ کے گرد تین طرف فصیلیں اور چوتھی سمت سمندر تھا۔ سمندر میں نصرانیوں (عیسائیوں) کا بیڑہ تھا۔ شاہ یروشلم ایمالرک نے بحری بیڑے کو اطلاع دی کہ وہ اسکندریہ کے ساحل پر فوج اتارنے کی کوشش کرے۔ اس نے خود منجنیق برداروں کو حکم دیا کہ شہر پر پتھر برسائیں۔

شاہ یروشلم نے پوری تیاری کر کے محصور صلاح الدین پر ایک زبردست حملے کا آغاز کیا۔ جس وقت نصرانی بحری بیڑے کی کشتیاں جن پر لشکری سوار تھے' اسکندریہ کے ساحل کی طرف چلیں تو ساحل کے قریب مورچوں میں چھپے ہوئے تیر انداز ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے پوزیشن سنبھالی اور نصرانی کشتیوں کے ساحل تک پہنچنے کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی نصرانی لشکری کشتیوں سے اتر کے ساحل کی سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آنے لگے کہ ان پر تیروں کی ایک باڑھ پڑی پھر تیر فضا سے بارش کی طرح برسنے لگے۔ نصرانی بحری سپاہی اس اچانک حملے سے گھبرا کے اپنی کشتیوں کی طرف واپس بھاگے۔ اس وقت شامی تیر اندازوں نے

Marfat.com

اپنے مورچوں سے نکل کر ان پر تیر برسانا شروع کر دیئے اور وہ پچاس ساٹھ لاشیں اور زخمی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

خشکی کی طرف سے حملہ کا بھی کچھ اس طرح کا انجام ہوا۔ نصرانی فوج نے منجنیقوں سے جو پتھر پھینکے ان کی مار ایک خاص فاصلے تک تھی۔ صلاح الدین نے پتھروں کی زد میں آنے والے علاقوں کو خالی کرا کر وہاں کی آبادی کو محفوظ جگہ پر بھیج دیا۔ اب منجنیقوں کی گراریاں چیخیں اور پتھر ہواؤں میں تیرتے ہوئے شہر میں آ کر گرتے جن سے جانی نقصان تو برائے نام ہی ہوتا ہاں عمارتوں کے کنگرے ٹوٹنے اور چھتیں بیٹھنے لگیں۔ لوگ خود ہی ان حملوں کے عادی ہو گئے وہ کسی ایسی جگہ نہ جاتے جہاں منجنیق سے پتھر آنے کا امکان ہوں۔

صلاح الدین بڑی استقامت اور پامردی سے بحری اور بری دونوں حملے روک رہا تھا۔ ایک۔ دو چار پھر پورا ہفتہ گزر گیا اور صلاح الدین کی طرف سے کسی کمزوری کا اظہار نہ ہوا۔ اسکندریہ کے شہری پورے خلوص سے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ شاہ یروشلم کا یہ خیال غلط ہو گیا کہ وہ دو دن میں اسکندریہ پر قابض ہو جائے گا۔ دو دن کے بجائے دو مہینے گزر گئے مگر اب تک روز اول تھا۔ یہ ضرور تھا کہ شہریوں میں کچھ بے چینی پیدا ہو چلی تھی۔ شہریوں کو نہ تو جنگ سے سروکار تھا اور نہ کسی کی فتح و شکست سے دلچسپی تھی۔ تاجر پیشہ ہونے کی وجہ سے وہ جلد سے جلد صلح کے خواہش مند تھے۔ صلاح الدین کا ساتھ وہ صرف اس وجہ سے دے رہے تھے کہ اس کا رویہ شہریوں کے ساتھ بھلے مانسوں جیسا تھا جب کہ وہ نصرانیوں کے ظالمانہ رویے کا کئی بار تجربہ کر چکے تھے۔

محاصرہ کو تیسرا مہینہ چل رہا تھا۔ شاہ یروشلم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا لیکن نہ تو اس کے بحری دستے ساحل پر اتر پائے تھے اور نہ شہر کی فصیل کسی جگہ سے ٹوٹی کہ نصرانی شہر میں داخل ہو سکتے۔ صلاح الدین نے بڑے صبر و تحمل اور اعلیٰ درجے کی حکمت عملی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن شہری آبادی خصوصاً تاجر پیشہ لوگ بہت پریشان تھے اور ہر دم ادھم مچایا کرتے تھے۔ پھر صلاح الدین نے ایک دن شہر کے تمام محلوں کے سربراہوں کا اجلاس بلایا۔

"اے اسکندریہ کے غیور شہریو ـــــ" صلاح الدین نے متانت سے کہا "اسکندریہ کے محاصرے کو تیسرا مہینہ ہو رہا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آپ میں سے بعض لوگ محاصرہ کی سختیوں سے گھبرا اٹھے ہیں لیکن آپ کو بھی اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ ہم آپ کا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی مختصر فوج اور مشکل حالات کے باوجود ہم نے اسکندریہ پر اب تک کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ روز کسی نہ کسی محلہ میں جلسہ ہوتا ہے اور ہمیں صلح کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ

Marfat.com

بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ شامی لشکر کسی صورت میں عیسائیوں سے صلح نہیں کرے گا اور نہ اسکندریہ چھوڑ کے بھاگے گا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ مسلمان لشکر میں صلح کے اختیارات صرف سپہ سالار کو ہوتے ہیں اور ہمارے سپہ سالار اس وقت یہاں موجود نہیں۔"

ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی۔ "میں اسکندریہ میں مقیم شامی لشکر کے سالار صلاح الدین سے تمام اہالیان شہر کی طرف درخواست کرتا ہوں کہ آپ سپہ سالار کو اسکندریہ پر شاہ ایمالرک کے حملے اور محاصرے کی اطلاع بھجوائیں تاکہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں واپس آ کر ہماری مدد کریں۔"

صلاح الدین نے فوراً جواب دیا۔ "آپ کی درخواست سے پہلے ہی ہم نے سپہ سالار کے پاس قاصد روانہ کر دیئے ہیں اور رہ بہت جلد اسکندریہ پہنچنے والے ہیں۔"

دوسرے نے سوال کیا۔ "سپہ سالار کب تک واپس آ جائیں گے۔؟"

"بہت جلد ——" صلاح الدین نے جواب دیا۔

"سالار کا یہ جواب ناکافی ہے۔ ہمیں صحیح دن تاریخ معلوم ہونا چاہئے؟" اس نے دوسرا سوال کر دیا۔

صلاح الدین چڑ گیا —— "ہم اتنے روز سے قلعہ میں محصور ہیں۔ اس لئے صحیح دن تاریخ نہیں بتایا جا سکتا۔ بہرحال وہ بہت جلد پہنچنے والے ہیں۔"

کسی تیسرے نے ایک نیا شوشہ چھوڑا —— "اسکندریہ میں راشن پانی کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس سلسلے میں سالار کیا قدم اٹھا رہے ہیں۔؟"

"یہ غلط ہے۔ اسکندریہ میں کم از کم چھ ماہ کی رسد موجود ہے۔" صلاح الدین کو غصہ آ گیا۔ "محاصرے کے وقت ہمیں بتایا گیا تھا کہ شہر میں رسد کی کوئی کمی نہیں۔ یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر محاصرہ ایک سال تک بھی جاری رہا تو شہر والوں کو کوئی شکوہ نہ ہو گا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر رسد کی کمی کی شکایت کی گئی تو ہم مجبور ہو کر گھر گھر تلاشی لیں گے اور کسی گھر میں ذخیرہ کیا گیا تو مالک مکان کو سخت سزا دی جائے گی۔ ایک بات کا اور خیال رہے وہ یہ کہ اگر اہل شہر نے ہمارے ساتھ تعاون میں کسی طرح کی کمی کی تو ہم اسکندریہ کو نصرانی لشکر کے حوالے کر کے ایک طرف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اسکندریہ کا جو حشر ہو گا اسے آپ لوگ جانتے ہی ہوں گے۔ عیسائی لشکر کے مظالم سے کون واقف نہیں۔ ہمارے اسکندریہ سے نکلتے ہی یہ شہر خاک و مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔ یہاں ایسا قتل عام جس کی زد میں بوڑھے۔ عورتیں اور بچے بھی آ جائیں گے۔"

Marfat.com

اہل شہر خوفزدہ ہو گئے۔ صلاح الدین نے غلط نہیں کہا تھا۔ یروشلم کا لشکر جس شہر پر بھی قبضہ کرتا تھا اس کا نقشہ بگاڑ کے رکھ دیتا تھا۔ سب سے پہلے بلا تمیز اور تخصیص قتل عام ہوتا اس کے بعد اہل شہر کا تمام سامان لشکری آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ برخلاف اس کے مسلمان شامی لشکر قاہرہ۔ بلبیس اور اب اسکندریہ فتح کر چکا تھا لیکن شہری آبادی کا نہ تو کوئی شخص گرفتار ہوا اور نہ قتل کیا گیا۔

صلاح الدین اس طرح نرمی گرمی سے وقت گزار رہا تھا۔ اس نے خشکی اور سمندری راستے سے کئی قاصد جنوب کی طرف بھیجے تھے لیکن اسے اب تک شیر کوہ کا کوئی پیغام نہیں ملا تھا۔ اس سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ یروشلم کے لشکر نے خشکی اور سمندر پر محاصرہ سخت کر دیا ہے اور صلاح الدین کے قاصد گرفتار ہو کر قتل ہو جاتے ہیں۔ صلاح الدین کا یہ خیال بڑی حد تک درست تھا۔ اس لئے کہ صلاح الدین کے بھیجے ہوئے پہلے چار قاصد شیر کوہ تک نہیں پہنچ سکے تھے لیکن بعد کے تمام قاصد اس تک پہنچے تھے اور وہ بڑی تیزی سے کام سمیٹ کر قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ بھی شیر کوہ کی ایک جنگی چال تھی۔ اس کے پاس صلاح الدین کا قاصد پہنچا اور گڑگڑا کے کہا۔

"اے سپہ سالار۔ اسکندریہ کے سالار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے حضور عرض کروں کہ یروشلم کے نصرانی بادشاہ ایمالرک نے اسکندریہ کو گھیر لیا ہے۔ اس کا محاصرہ اس قدر سخت ہے کہ خشکی یا سمندر کی طرف سے آمد و رفت تقریباً بند ہو گئی ہے۔ آپ کے پاس آٹھواں قاصد روانہ کیا جا رہا ہے تاکہ آپ کو اس محاصرے سے آگاہ کرے۔ اسکندریہ کے ساحل پر یروشلم کا بحری بیڑہ گشت کر رہا ہے۔ بیڑے کے سپاہیوں نے ایک مرتبہ ساحل پر اتر کر آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن شامی تیر اندازوں نے ان کی کوشش ناکام بنا دی۔ محاصرے ڈھائی ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ شہریوں میں کچھ بے چینی پیدا ہوئی تھی لیکن انہیں نرمی گرمی سے سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک یروشلم کے لشکر کے حملے کا تعلق ہے اسے سنبھال لیا گیا ہے۔ جب تک صلاح الدین اور اس کی حوصلہ مند فوج قلعہ میں موجود ہے دشمن اس پر قبضہ تو ایک طرف رہا فصیل تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ یقیناً بہت مصروف ہوں گے اور اس سے زیادہ اہم کام انجام دے رہے ہوں گے۔ پھر بھی مجھے یعنی سالار صلاح الدین کو امید ہے کہ آپ اپنی پہلی فرصت میں اسکندریہ پر توجہ دیں گے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

قاصد کو جہاں تک یاد تھا اس نے صلاح الدین کا پیغام اس کے چچا سپہ سالار امیر اسد الدین شیر کوہ کو پہنچا دیا۔ پیغام سے قطعی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ صلاح الدین پریشان یا بہت پریشان ہے۔ شیر کوہ کچھ دیر صلاح الدین کے پیغام پر غور کرتا رہا پھر اس نے قاصد سے

Marfat.com

ال کیا۔

"تم اسکندریہ سے کب چلے تھے اور تم تک یہاں تک آنے کا کون سا راستہ اختیار کیا۔؟"

قاصد شیر کوہ کے اس سوال سے گھبرا گیا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "سپہ سالار۔ مجھے اسکندریہ سے چلے ہوئے تقریباً بارہ دن ہو چکے ہیں۔ اسکندریہ کے ساحل کے قریب عیسائیوں کو جاسوس کشتیاں تیرتی رہتی ہیں اور کسی دوسری کشتی کو سمندر میں گھسنے دیتیں۔ میں رات کے اندھیرے میں بحیرہ روم میں اترا تھا اور ساحل کے ساتھ ساتھ صبح تک تیرتا رہا تھا۔ پھر میں خشکی پر آ گیا۔ دشمن کی کشتیاں بہت پیچھے چھوٹ چکی تھیں۔ میں نے کھلے بازار سے گھوڑا خریدا اور جنوب کی طرف چل پڑا۔ اس طرح میں بارہویں دن آپ کے پاس پہنچا ہوں۔"

"ہونہہ ----" شیر کوہ نے لمبی سانس لی۔ "اسکندریہ میں سامان رسد کا کتنا ذخیرہ باقی ہے۔ لوگ بھوکوں تو نہیں مر رہے۔"

"جی --- جی --- جی -------" قاصد گڑ بڑا کے رہ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ --؟" شیر کوہ نے اسے تسلی دی۔

"سپہ سالار۔ میری جان کی ذمہ داری لی جائے تو کچھ عرض کروں --" قاصد انگلیاں چٹخارنے لگا۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری طرف کوئی انگلی بھی نہ اٹھا سکے گا ---" شیر کوہ نے ذمہ داری قبول کر لی۔

"سپہ سالار بہادر ---" قاصد نے سنبھل کر کہا۔ "سالار صلاح الدین نے مجھے تاکید کی تھی کہ اگر آپ کسی محاصرے میں مصروف ہوں یا اہم کام سرانجام دے رہے ہوں تو مختصر پیغام دیا جائے اور اسکندریہ کی کوئی ایسی بات نہ بتائی جائے جس سے آپ پریشان ہو جائیں۔"

"وہی بات ہم جاننا چاہتے ہیں قاصد؟" شیر کوہ نے زور دے کے کہا۔

"بدذات شہری طرح طرح کے بہانے بنا کے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سپہ سالار پر زور دے رہے ہیں کہ شاہ ایمارک سے صلح کر لی جائے کیونکہ شہر میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی ہو گئی ہے۔"

"اس کا کیا تدارک کیا ہے صلاح الدین نے؟" شیر کوہ فکر مند ہو گیا۔

قاصد نے جواب دیا۔ "سالار نے اعلان کر دیا ہے کہ اگر کسی نے غلہ کا ذخیرہ کیا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

Marfat.com

"ٹھیک۔" شیر کوہ کو جیسے اطمینان ہو گیا۔ "تمہارے خیال میں کیا غلہ کا قحط پڑ گیا اسکندریہ میں؟"

"بالکل نہیں سپہ سالار۔" قاصد نے انکار کیا۔ "سالار کے اس اعلان سے پہلے کہ ذخیرہ اندوز کو سخت سزا دی جائے گی صرف دو روز غلہ مہنگا ہوا تھا لیکن اعلان ہوتے ہی تمام غلہ بازار میں آگیا۔ دراصل اسکندریہ میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ وہ زیادہ تر تجارت کرتے ہیں۔ انہیں نہ جنگ سے دلچسپی ہے اور نہ کسی کی فتح و شکست سے کوئی سروکار وہ ہر صورت میں امن چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ سالار کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ آپ اسکندریہ میں موجود نہیں۔ جواں عمر صلاح الدین زیادہ دن تک مدافعت نہ کر سکے گا اور شاہ یروشلم کا اسکندریہ پر قبضہ ہو جائے گا مگر ہمارے سالار نے ان کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔"

"مگر اسکندریہ کی حالت اب مخدوش ہے۔" شیر کوہ نے خود کلامی کی لیکن اس کی آواز قاصد تک پہنچ گئی۔

قاصد نے جواب دیا۔ "سپہ سالار بالکل درست فرماتے ہیں۔ پتھر پر اگر مسلسل پانی گرتا رہے تو اس میں لکیر پڑ جاتی ہے۔ شاہ یروشلم کو روز تازہ دم کمک ملتی جا رہی ہے اور قلعہ کی فوج رات بھر جاگتی ہے۔ ان کے پاس پہرہ بدلنے کے لئے بھی آدمی نہیں۔ آخر وہ کہاں تک مقابلہ کریں گے۔"

"تم جس راستے سے آئے ہو اس طرف سے واپس جاؤ۔" شیر کوہ نے قاصد کو حکم دیا۔ "صلاح الدین سے کہنا کہ وہ اعلان کرا دے کہ اسدالدین شیر کوہ اسکندریہ کی طرف چل چکا ہے۔ دشمن اپنا انتظام کر لیں۔

قاصد نے گھوڑا بدلا۔ کپڑے تبدیل کئے پھر کھانا کھا کر ایک گھنٹہ آرام اور اسکندریہ روانہ ہو گیا۔ شاہ ایمالرک نے محاصرہ اس قدر سخت کیا تھا کہ کسی کو قلعہ سے باہر آنے یا اندر جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قاصد کو قلعہ سے نکلنے داخل ہونے اور سفری راستوں کا اچھی طرح علم ہو گیا تھا۔ وہ بڑی برق رفتاری سے واپس ہوا اور رات دن سفر کرتا ہوا اسکندریہ پہنچ گیا۔ صلاح الدین بڑی استقامت سے مدافعت کر رہا تھا۔ باہر سے حملوں کو روکنے کے علاوہ اسے شہریوں کو بھی قابو میں رکھنا پڑ رہا تھا۔ یہ شہری مختلف الخیال لوگوں کے اکھڑ اور بدماغ گروہ تھے۔ تاجروں نے شہر کے غنڈوں کو بھڑکا دیا تھا جو روز کسی نہ کسی محلے میں ادھم مچائے رکھتے تھے۔ صلاح الدین نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک طوفانی دستہ بنا دیا تھا جس کے لئے حکم تھا کہ جس جگہ جھگڑا ہو وہاں کے سرکردہ لوگوں کو پکڑ کے ان سے فساد پھیلانے والوں کے نام دریافت کریں پھر فسادیوں کو گرفتار کر کے ایک دو کو

Marfat.com

سولی پر چڑھا دیں۔ اس تدبیر سے بدمعاشوں نے سر اٹھانا چھوڑ دیا اور وہ دبک کے بیٹھ گئے۔

صلاح الدین نے اعلان کرایا کہ شامی لشکر کے سپہ سالار اسدالدین شیر کوہ اسکندریہ پہنچنے والے ہیں پھر یروشلم کے لشکر پر دو طرف سے حملہ ہو گا۔ شاہ ایمالرک اس اعلان سے گھبرا گیا۔ اسکندریہ کے محاصرہ کو ستر دن ہو چکے تھے لیکن محصورین میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی تھی۔ ابھی شیر کوہ کی آمد کے اعلان سے نصرانی لشکر لرز رہا تھا کہ جاسوسوں نے شاہ ایمالرک کو اطلاع دی۔

"شاہ عالی مقام - بزدل شیر کوہ نے برکتہ الجشہ پر پہنچ کر قاہرہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔"

شاہ ایمالرک کے ہاتھوں کے طوطے رٹ گئے۔ "کہیں یہ افواہ تو نہیں ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے؟"

"شاہوں کے دربار میں غلام جھوٹ نہیں بول سکتے۔" جاسوس نے بڑے استقلال سے کہا۔ "یہ خبر شنید نہیں بلکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

شاہ نے سرداروں کو مشورے کے لئے طلب کیا اور سر جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔

شاہ ایمالرک اور خود مصریوں کے لئے قاہرہ کی اہمیت اسکندریہ سے کہیں زیادہ تھی۔ قاہرہ ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب پورا مصر نکل جانا تھا کیونکہ قاہرہ صرف دارالسلطنت ہی نہیں بلکہ ملک کا سب سے امیر اور اہم شہر تھا۔ وہاں دارالوزارت جہاں مصر کا وزیر اعظم جو طاقت کے اعتبار سے خلیفہ سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ وہیں صریم خلافت تھی جہاں مصر کا فاطمی خلیفہ القاضد رہتا تھا جو امور سلطنت میں تو کوئی دخل نہ رکھتا تھا لیکن ایک مذہبی ہستی تھی ایسی ہستی جس کی عزت و وقار تمام مصریوں کو عزیز تھی۔

سوال یہ تھا کہ قاہرہ کو کس طرح بچایا جائے۔ ایمالرک تو فلسطین سے یہ سوچ کے چلا تھا کہ اس دفعہ وہ شامی فوجوں کو مصر سے نکال کے ملک شادر سے ایک ایسا معاہدہ کرے گا جس کی رو سے مصری حکومت میں یروشلم کا پورا عمل دخل ہو اور کوئی بیرونی طاقت پھر مصر پر حملے کی جرات نہ کر سکے لیکن وہ پہلی ہی جنگ (جنگ الباباں) میں شکست کھا گیا تھا۔ اس کے شکست کے بعد اس نے اسکندریہ کو خالی دیکھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اسکندریہ کو ایک ہفتہ کے اندر ہتھیار ڈال دینا چاہئے تھے لیکن پچھتر (۷۵) دن گزر جانے کے بعد بھی وہ محصور فوج کا کچھ نہ بگاڑ سکا تھا۔ اس نے مجلس شورت تو بلالی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ فیصلہ خود اس کی اپنی ذات کو کرنا ہو گا۔

"مصریوں کی بزدلی کی وجہ سے ہمیں الباباں میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔" شاہ ایمالرک دبے لہجے میں بول رہا تھا۔ "اس وقت شیر کوہ جنوب میں گیا ہوا ہے۔ اسکندریہ کو خالی سمجھ کر ہم نے اس پر قبضہ کی کوشش کی لیکن اسکندریہ کے باشندوں نے اب تک ہم سے

Marfat.com

تعاون کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے اور اس وجہ سے شاہی فوجیں قلعہ پر قبضہ کیے بیٹھی ہیں بحیرہ روم کی طرف سے ہم نے اسکندریہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں بھی یہی صورت حال رہی۔ اگر شہر والے ذرا بھی ہم سے تعاون کرتے تو شاہی فوج مدافعت نہ کر سکتی اور ہم قلعہ پر قابض ہو جاتے۔"

ایک سردار جو زیادہ پر جوش اور بے صبر تھا نے کہا۔ "شاہ معظم۔ آپ پرانی باتوں کا ذکر فرما رہے ہیں اور ہمارے دل قاہرہ پر شاہی لشکر کے قبضے سے خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ اسکندریہ کو جہنم میں جھو نکیے اور قاہرہ کو کسی صورت میں بچانے کی کوشش فرمائیے۔"

"ہم اپنے پرجوش سرداروں کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔" شاہ کو سردار کا لہجہ اگرچہ ناگوار گزرا تھا لیکن اس نے مصلحتاً اس کی تعریف کی۔ "ٹھیک ہے اسکندریہ کی ہمیں نہ ضرورت ہے اور اس کی کوئی اہمیت ہے۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ قاہرہ کو شیر کوہ کے محاصرے سے کس طرح آزاد کرایا جائے۔ قاہرہ اس کے مقابلے کی زیادہ دن تاب نہیں لا سکتا۔ شیر کوہ کسی وقت قاہرہ پر قابض ہو سکتا ہے اگر قسمت نے ایسا دن دکھایا تو پھر شیر کوہ کو قاہرہ سے بے دخل کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔"

"آپ اسکندریہ دے کر قاہرہ شیر کوہ سے لے لیجئے۔" ایک اور سردار نے رائے دی۔

"اسکندریہ سے قاہرہ کا تبادلہ ہمارے لئے واقعی بڑا سستا سودا ہو گا۔" شاہ ایمالرک نے جواب دیا۔ "لیکن شیر کوہ ایک تو ایسا سستا سودا قبول نہیں کرے گا پھر اسکندریہ ہمارے پاس ہے کب کہ ہم اس کا سودا کریں۔ اسکندریہ پر شیر کوہ کا بھتیجا صلاح الدین قابض ہے۔ قاہرہ سے شیر کوہ کو نکالنے کے لئے ہمیں بہت کچھ کھونا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں قاہرہ کے صلہ میں شیر کوہ کو ایک بھاری رقم پیش کرنا پڑے ----"

"اگر ایسا ہو سکتا ہے تو یہ رقم ملک شاور سے وصول کی جا سکتی ہے" یروشلم کے ایک سردار نے تائید کی۔ ملک شاور اس وقت قاہرہ میں محصور ہے وہ ہر قیمت پر اپنی گلو خلاصی پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"آخر طے ہوا کہ شیر کوہ سے قاہرہ کا محاصرہ اٹھانے کے لئے گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ پیش بندی کے طور پر شاہ ایمالرک نے اسکندریہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور وہاں سے بہت پیچھے ہٹ آیا۔ پھر ایک امن وفد شیر کوہ کے پاس گفتگو کے لئے بھیجا گیا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن شاہ ایمالرک سے کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ شیر کوہ سے گفتگو کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے تمہیں البابان میں شکست دی ہے تو آگے بڑھ کے اس پر قاہرہ میں حملہ کرو۔ اس نے قاہرہ کا محاصرہ کیا ہے جب جنگ شروع ہو گی تو مصری فوج قلعہ سے نکل کر تمہاری مدد کرے گی

Marfat.com

لیکن الباباں کی شکست نے شاہ ایمالرک کو اس قدر بددل کر دیا تھا کہ اب وہ مزید کسی جنگ کے لئے تیار نہ تھا اور چاہتا تھا کہ شیر کوہ سے صلح ہو جائے تو اس کی عزت سے بچ جائے گی۔ اسکندریہ سے وہ پہلے ہی ناامید ہو چکا تھا اور محاصرہ اٹھانے کے بہانے ڈھونڈھ رہا تھا۔

شیر کوہ نے جس مقصد کے لئے قاہرہ کا محاصرہ کیا تھا وہ تو آپ ہی آپ پورا ہو گیا۔ ایمالرک کو اسکندریہ چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ شاہ ایمالرک نے جو سفارت' شیر کوہ کے پاس بھیجی تھی اس میں مصر کے دو مقتدر ہستیوں کو شامل کیا تھا۔ ھمفری آف ٹورون اس سفارت کا ناظم اعلیٰ تھا۔ سفارت سفید پھریرے اڑاتی آتی تھی اس لئے اسے احترام سے شیر کوہ کے خیمے میں پہنچایا گیا۔ شیر کوہ فرش خاکی پر بڑے اطمینان سے پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اسی حالت میں اس کے سردار دائیں بائیں براجمان تھے۔

ھمفری خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے شیر کوہ سلام کیا۔ شیر کوہ کا قد اگرچہ زیادہ لانبا نہ تھا لیکن اپنے مضبوط ہاتھ پیر اور چوڑے سینے کی وجہ سے وہ تمام سرداروں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ شیر کوہ نے ھمفری کو اپنے سامنے ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ھمفری نے دیکھا کہ زمین پر کوئی فرش نہیں ہے اور خود شیر کوہ جو کہ شامی لشکر کا سپہ سالار ہے وہ بھی زمین پر بیٹھا ہے اس لئے ھمفری آف ٹورون اشارہ پاتے ہی بڑی بے تکلفی سے فرش خاکی پر بیٹھ گیا۔

"بہت خوب ——" شیر کوہ نے متانت سے اعتراف کیا —— "نصرانی سردار نے فرش خاکی پر بیٹھ کے شامی سپہ سالار کی عزت افزائی کی ہے۔ میں بہت خوش ہوا۔ سفارت کے رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی مصالحت کے ارادے سے آتی ہے۔"

ھمفری آف ٹورون شامیوں کے مزاج سے واقف تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ "سپہ سالار معظم جب آپ فرش خاکی پر تشریف رکھتے ہیں تو پھر یروشلم کے ایک معمولی سردار کی کیا حیثیت ہے کہ وہ زمین پر بیٹھنے سے انکار کرے۔ مرنے کے بعد یوں بھی سب کو اسی مٹی میں جانا ہے اس لئے اس سے گریز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"سبحان اللہ" شیر کوہ نے اس کی تعریف کی۔ "میں تمہارے خیالات سے بہت خوش ہوں۔ اب بتاؤ تمہارے بادشاہ کے مزاج کیسے ہیں؟"

"شاہ ایمالرک بالکل بخیریت ہیں اور انہوں نے آپ کی مزاج پرسی کا مجھے حکم دیا ہے۔" ھمفری نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"شاہ ایمالرک ہم سے کیا چاہتے ہیں؟" شیر کوہ نے سیدھا سا سوال کیا۔

ھمفری نے بھی سیدھے سوال کا سیدھا ہی جواب دیا۔ "شاہ ایمالرک مزید خونریزی

Marfat.com

نہیں چاہتے۔ ان کی خواہش ہے کہ آپ مصر کی سرزمین خالی کر دیں۔ اس کے لئے آپ شرط پیش کریں گے اس پر غور کیا جائے گا۔"

"بلا وجہ کی خونریزی میں بھی پسند نہیں کرتا۔۔۔" شیرکوہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مصر کے اس خوبصورت شہر قاہرہ کو میں برباد کرنا نہیں چاہتا۔ اس میں مسلمانوں کے ایک عقیدے کے ماننے والوں کے محترم خلیفہ کا عمل ہے۔ مساجد ہیں۔ درگاہیں اور مکاتب ہیں اگر آج میں منجنیقوں کو سنگباری کا حکم دے دوں تو آئندہ چوبیس گھنٹے شہر کا حلیہ بگڑ جائے۔ اس لئے میں نے اب تک ایک ہلکا سا محاصرہ کیا ہے۔ میں نے شہریوں کی ضرورت کا خورد و نوش کا سامان اندر لے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ باہر سے آنے والے زائرین کو بھی قاہرہ کے اندر جانے کی اجازت ہے۔"

"یہ سپہ سالار کی فراخ دلی اور کمال انسانیت کا ثبوت ہے۔" ہمفری نے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "آپ کے اس سلوک کا مصر کے وزیر اعظم' مصر کے خلیفہ اور قاہرہ کے شہریوں کو شکر گزار ہونا چاہئے۔"

"اور کیا شاہ ایمالرک کو ہمارے اس سلوک کے لئے ہمارا شکر گزار نہیں ہونا چاہئے؟" شیرکوہ نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "شاہ یروشلم' مصر سے سالانہ خراج وصول کرتے ہیں۔ جس کے صلے میں ان کا فرض ہے کہ وہ قاہرہ اور دوسرے تمام بڑے بڑے شہروں کی حفاظت کریں۔ لیکن تمہارے شاہ نے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ فلسطین سے چل کے وہ مصر اس لئے آئے تھے کہ اپنے زیر کفالت ملک مصر کو شامی لشکر سے بچائیں لیکن وہ البابان میں شکست کھانے کے بعد اپنا فرض بھول گئے۔ پھر انہیں یہ فرض اس وقت یاد آیا جب ہم اسکندریہ سے دور تھے۔ انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ اس لئے کیا تھا کہ وہاں شیرکوہ نہیں موجود تھا۔ مگر پچھتر دنوں کے محاصرے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ شیرکوہ' اسکندریہ میں نہ ہوتے ہوئے بھی وہاں موجود ہے۔ صرف اسکندریہ نہیں بلکہ پورے مصر میں جہاں شاہ یروشلم جائیں گے شیرکوہ کو موجود پائیں گے۔ انہوں نے قاہرہ کو محض اس لئے خالی چھوڑا تھا کہ انہیں شیرکوہ کی طاقت کا اندازہ نہ تھا۔ وہ اسکندریہ کو فتح کر کے یہ دکھانا چاہتے تھے کہ مصر میں ان کے اقتدار کا طوطی بولتا ہے مگر وہ انجام سے بے خبر تھے۔"

ہمفری آف ٹارزن نے دیکھا کہ شیرکوہ کو طیش آ گیا۔ اس لئے اس نے فوراً جواب دینے کے بجائے ذرا توقف کیا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ شیرکوہ کا مزاج ٹھنڈا ہو چکا ہے تو اس نے کہا "سپہ سالار معظم ہمارے شاہ نے اسکندریہ کا محاصرہ اٹھا کے صلح کی ابتدا کر دی ہے۔ انہیں امید ہے کہ آپ بھی اس جذبہ کا اظہار فرمائیں گے۔"

Marfat.com

"سردار تمہارا نام کیا ہے؟ ----" شیر کوہ نے اک دم سوال کیا۔

"مجھے ہمفری آف ٹورون کہتے ہیں سپہ سالار معظم۔" ہمفری نے انکسار کا اظہار کیا۔

"سردار ہمفری۔ تمہارے شاہ کو خواہش ہے کہ قاہرہ کا محاصرہ ختم کر کے دمشق واپس چلے جائیں۔ لیکن کیوں۔ ہمارے اتنے طویل سفر کا مقصد تو پورا ہی نہیں ہوا پھر ہم کیوں واپس جائیں؟؟"

"آپ کے آنے کا مقصد کیا تھا سپہ سالار ---" ہمفری نے ادب سے دریافت کیا۔

شیر کوہ نے بے دلی سے جواب دیا--- "مجھے ملک شاور پر بہت غصہ تھا۔ میں اسے سزا دینا چاہتا تھا لیکن وہ مقابلے پر آیا ہی نہیں۔ اس نے ہم سے مصر کی کل آمدنی کا ۳/۱ حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے ہم دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔"

"سپہ سالار---" ہمفری نے ہمت کر کے کہا --- "آپ کو یقیناً تاوان جنگ ملنا چاہئے۔ آپ فرمایئے مصر خالی کرنے کے لئے آپ کو کس قدر تاوان ادا کیا جائے؟"

"ہمفری ---" شیر کوہ نے کہا --- "ہم اپنی مرضی کا تاوان خود بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں تک مصر سے واپسی کا سوال ہے اس پر ہم صرف اس وقت تیار ہوں گے جب شاہ یروشلم کا پورا نصرانی لشکر مصر خالی کرے گا۔ مصر کو نصرانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کے ہم واپس نہیں جا سکتے۔"

ہمفری نے وضاحت کی۔ "سپہ سالار محترم ۔ مصر خالی کرنے کا مطلب یہی ہے کہ شامی لشکر اور یروشلم کا لشکر دونوں بیک وقت مصر کا علاقہ چھوڑیں گے۔"

"اس خیال پر غور کیا جا سکتا ہے ہمفری۔" شیر کوہ نے اس کی تائید کی۔ "لیکن اس کے لئے شاہ ایمالرک کی منظوری انتہائی ضروری ہے۔"

"میں ہمفری آف ٹورون' شاہ المالرک کی زبان سے بول رہا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ یروشلم کے لشکر کا ایک سپاہی بھی مصر کی زمین پر دکھائی نہیں دے گا بشرطیکہ شامی لشکر نے دمشق واپسی کا اعلان کر دیا۔"

"میں ہمفری کی بات کا اعتبار کرتا ہوں۔" سپہ سالار نے تسلیم کر لیا۔

"اب صرف تاوان کی رقم کا تعین اور قیدیوں کے تبادلہ کا مسئلہ باقی رہ گیا۔" ہمفری نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سپہ سالار! آپ رقم کا تعین فرمایئے؟"

"ایک لاکھ دینار سرخ۔" شیر کوہ نے بے تکلف کہہ دیا

Marfat.com

"ہمسفری درخواست کرتا ہے کہ اس رقم میں کمی کی جائے۔' ہمسفری نے بارگی
شروع کی۔

واضح رہے کہ دینار سرخ سے مراد طلائی دینار تھی سونے کے سکے ہیں۔

"ہمسفری!" سپہ سالار نے متانت سے جواب دیا۔ "مجھے علم تھا کہ تم رقم سے کمی کی درخواست کرو گے یقین کرو کہ میں نے رقم کا تعین کرتے وقت تمہاری درخواست کا پہلے خیال رکھا تھا۔ شاہ یروشلم کے لئے لاکھ طلائی سکے کچھ وقعت نہیں رکھتے۔"

"خیر ـــ یہ ایسی بات نہیں جس کے لئے تکرار کی جائے۔ میں شاہ کو کسی نہ کسی طرح رضا مند کر ہی لوں گا۔ ہمسفری کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "میرا خیال ہے کہ صلح شرائط طے ہو گئیں۔ میں سپہ سالار کو ایک لاکھ درہم بطور تاوان جنگ دلانے کی کوشش کروں گا۔ دونوں لشکر اپنے آپ مستقر کی طرف روانہ ہو جائیں مجھے اس لئے پہلے قیدیوں کا تبادلہ ہو جائے گا۔ آپ مصر اور یروشلم کے لشکر کی تمام قیدیوں کو واپس کر دیں یہی عمل شاہ یروشلم دہرائیں گے بلکہ بیک وقت قیدی بھی رہا کئے جائیں گے رہائی کے وقت قیدیوں کی تعداد سے کوئی بحث نہ ہو گی۔ جتنے قیدی آپ کے پاس ہیں آپ رہا کر دیں گے اور جس تعداد میں شاہ کے پاس قیدی ہیں وہ فوراً رہا فرمائیں گے۔ اس کے بعد شاہ اور یروشلم کے لشکر واپس ہوں گے۔ آپ قاہرہ کا محاصرہ چھوڑ دیں گے اور اپنے صلاح الدین کو حکم دیں گے کہ وہ اسکندریہ چھوڑ کے آپ کے پاس واپس آ جائیں گے۔

شیر کوہ کچھ فکر مند ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہمسفری۔ میرے خیال میں اسکندریہ کا نام اس صلح نامہ کے سلسلہ میں کسی وقت نہیں آیا؟"

"محترم و معظم سپہ سالار ـــ" ہمسفری ادب سے بولا ـــ "میں نے قاہرہ کا نام لیا ہے اس لئے کہ آپ اس کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں لیکن اسکندریہ کا محاصرہ ہم نے ختم کر دیا ہے اس لئے اسکندریہ بھی مصر کے اور دوسرے شہروں کے مانند ہے اس کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ آپ ملک مصر کے ہر خطے بلکہ چپے چپے کو مصریوں کے صوابدید پر چھوڑ دیں گے۔ شاید میں نے وضاحت کر دی۔ آپ اس لئے مطمئن ہو گئے ہوں گے۔؟"

صلح کے اس معاہدے کی شرائط سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ایمالرک کی یہ خواہش تھی کہ شیر کوہ کو مصر سے ہر شرط پر بے دخل کر دیا جائے۔ عیسائی مورخوں نے شاہ ایمالرک کی طرف سے ایک لاکھ دینار بطور تاوان شیر کوہ کو ادا کرنے کا ذکر اپنی تاریخ میں ایک سرے سے غائب کر دیا۔ دوسری طرف عرب مورخوں نے اس تاوان پر بہت بغلیں بجائی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ شیر کوہ کی فتح اور شاہ ایمالرک کی شکست کے کے مترادف ہے لیکن جو کچھ

Marfat.com

طے پایا اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دونوں فریق صلح پر آمادہ تھے۔ اگر شاہ ایمالرک البابان کی غیر متوقع شکست سے دل برداشتہ ہو گیا تھا اور اب دوسری مرتبہ شیر کوہ کے مقابلے سے کترا رہا تھا۔ اس کا حل سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ فوراً صلح کر لی جائے تا کہ شیرہ کوہ واپس چلا جائے۔ شاہ ایمالرک کے مصر چھوڑنے کی شرط بالکل غلط تھی اور شیر کوہ نے یہ شرط دل کو تسلی دینے کے لئے رکھی تھی۔ اسے سلطان دمشق نے ہزاروں میل دور صرف اس لئے تو نہیں بھیجا تھا کہ وہ اپنے لشکر کے سواروں کو سفر۔ آندھی طوفان اور جنگ البابان میں ضائع کر کے ایک لاکھ جرمانہ وصول کر کے واپس آ جائے۔ بہر صورت شیر کوہ دوسری مرتبہ بھی اس مقصد کو حاصل نہ کر سکا جس کا تصور سلطان نور الدین زندگی یا اس کے امرا کے دل و دماغ میں تھا۔

ھمفری آف ٹورون صلح کی خوشخبری لے کر نصرانی خیمہ گاہ میں واپس گیا۔ یروشلم اور اس کے لشکر میں جان سی پڑ گئی۔ نصرانی لشکر شیر کوہ کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ گو کہ اس گریز کا مظاہرہ نہیں ہوا تھا لیکن ایک اچھا سالار لشکر اپنے لشکریوں کے دل میں اچھی طرح جھانک سکتا ہے۔ نصرانیوں کے لشکر کا سپہ سالار خود شاہ ایمالرک تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ شیر کوہ سے مقابلہ کرنا شکست کے مترادف ہے اس لئے اس نے ھمفری کو صلح کے معاہدہ کا ناظم بنا کر بھیجا تھا اور ھمفری نے اپنی چرب زبانی یا شیر کوہ کے اپنے لشکر کے حالات کے تحت معاہدہ طے کر لیا تھا۔ شاہ نے ان شرائط اور شرائط کے تحت جب ھمفری کو دوبارہ سپہ سالار شیر کوہ کے پاس بھیجا تو ھمفری کے ساتھ سفر چند شامی قیدی تھے اور ایک لاکھ دینار سرخ کی تھیلیاں تھیں۔

صلح نامہ پر شاہ ایمالرک کی طرف سے ھمفری آف ٹورون نے دستخط کئے اور شامی لشکر کی طرف سے شیر کوہ نے دستخط ثبت کئے۔ شیر کوہ نے فوراً قاصد بھیج کر صلاح الدین کو اپنے پاس بلوایا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ جس وقت صلاح الدین اسکندریہ سے واپس ہونے لگا تو اسکندریہ کی بلا تمیز نسل و رنگ و ملت پر آنکھیں رو رہی تھی۔ ان میں وہ لوگ شامل تھے جو شروع میں صلاح الدین کو پسند نہ کرتے تھے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ اسکندریہ کا محاصرہ ایک معاہدہ کے ذریعہ ختم کیا گیا ہے جس پر شاہ یروشلم کے خاص سردار ھمفری آف ٹیورون نے دستخط کئے ہیں تو صلاح الدین کے مطیع ہو گئے۔ اسکندریہ میں افواہ گردش کر رہی تھی کہ نصرانی لشکر نے مصر چھوڑ دینے کا عہد کیا ہے لیکن شامیوں کے واپس جاتے ہی نصرانی لشکر واپس آ کر قاہرہ اور اسکندریہ پر قبضہ کر لے گا اور شامیوں کو ایک لاکھ کی ادا کی ہوئی رقم کو اصل معہ سود اسکندریہ اور قاہرہ کے تاجروں سے وصول کرے گا۔

Marfat.com

بد عہد وزیر اعظم مصر ملک شادر کی صلح کی اس بات چیت سے بالکل الگ رکھا گیا۔ جیسے مصر کا مالک ملک شادر نہیں بلکہ شاہ ایمالرک تھا۔ شیر کوہ کو اس کی صورت سے نفرت تھی۔ اس نے ملک شادر کا ایک بار بھی نام نہیں لیا۔ شیر کوہ نے معاہدہ کیا۔ رقم وصول کی اور مصر کی سرزمین سے معہ اپنے لشکر کے نکل گیا۔ اس نے یہ بھی اصرار نہیں کیا کہ پہلے یروشلم کا لشکر مصر چھوڑے پھر وہ واپس جائے گا۔ اس کے خیال میں یہ اصرار ایک بچگانہ ضد تھی۔ مصر اور یروشلم کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں۔ بحر روم میں ان کا بیڑہ گردش کر رہا تھا اگر شیر کوہ اصرار کر کے نصرانیوں کو پہلے مصر چھوڑنے پر آمادہ کرتا تو بھی شاہ کو کوئی فرق نہ پڑتا تو وہ اپنا لشکر بلبیس لے جاتا پھر شیر کوہ کے دمشق واپس ہوتے ہی وہ بھی مصر واپس آ جاتا۔

شیر کوہ دمشق واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ شاہ یروشلم نے ملک شادر کو بلا کر اسے ڈانٹ پلائی۔

"بزدل مصر کے بزدل وزیر اعظم۔" شاہ ایمالرک نے اسے لتے لینے شروع کر دیئے۔ "تم اس قابل نہیں کہ اس معزز عہدے پر برقرار رکھے جاؤ۔ تم نے شیر کوہ سے بد عہدی کر کے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ہماری بزدلی اور بد عہدی کو مد نظر رکھتے ہوئے مصر پر زور پڑا اور نہ تمہارا لشکر ہم تمہاری جگہ کسی اور قابل اعتماد آدمی کو وزیر اعظم بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے تمہیں خلافت ماب سے اجازت حاصل کرنی ہو گی۔"

وزیر اعظم کی جان ہی نکل گئی۔ اوپر کا دم اوپر اور نیچے کا نیچے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گھگیا کر بولا ---" شاہ عالی مقام آپ نے اب تک میری سرپرستی فرمائی ہے تو اب میرے سر سے دست شفقت کیوں کھینچ رہے ہو۔ میں نے آپ سے بھی سرتابی نہیں کی۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں بہت سے عیب ہیں لیکن استاد یا باپ نالائق اولاد کو چھوڑا نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح کرتا ہے۔ آپ میرے استاد بھی ہیں اور باپ بھی ہیں۔ اپنے سایہ سے مجھے الگ نہ کیجئے۔ مجھے سزا دینا ہے تو ضرور دیجئے لیکن اپنی شفقت سے محروم نہ کیجئے۔"

شاہ ایمالرک نے یوں سر جھکایا جیسے وہ کسی گہری فکر میں ہو حالانکہ ملک شادر کو مرعوب کرنے کے لئے وہ ڈرامہ کر رہا تھا۔ بد عہد وزیر اعظم مصر اس کے آگے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"وزیر اعظم ملک شادر۔ ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" شاہ ایمالرک نے یوں کہا جیسے (میرے منہ میں خاک) اس پر وحی نازل ہوئی ہو۔

"ارشاد شاہ معظم۔ میں گوش بر آواز ہوں"۔ ملک شادر نے بڑے عجز سے کہا۔

Marfat.com

"ہماری کچھ فوجیں مصر میں رہیں گی"۔ شاہ نے اپنی آواز میں گرج پیدا کرلی۔

"سبحان اللہ ۔ بڑا نیک خیال ہے۔ قاہرہ والے یروشلم کے لشکریوں کا خیر مقدم کریں گے۔ شہر میں سکون پیدا ہوجائے گا اور کسی کو وزیر اعظم مصر کے خلاف زبان کھولنے کی جرات نہ ہوگی۔ " ملک شاور نے نصرانیوں کو قاہرہ پر قبضہ دیا۔

شاہ یروشلم کا دوسرا ارشاد ہوا۔ "شہر پناہ کے تمام دروازوں پر ہمارے فوجیوں کا پہرہ ہوگا تاکہ سلطان دمشق کا لشکر شہر میں داخل نہ ہوسکے۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے"۔ بے غیرت ملک شاور نے جواب دیا۔ آپ کے فوجیوں کے پہرے سے قاہرہ میں کسی دور بدیسی ملک کا لشکر داخل ہی نہ ہوسکے گا۔ آپ ہمارے ملک کے کس قدر ہمدرد ہیں شاہ معظم"۔

"ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ شہر قاہرہ میں ہمارا ایک مشیر (شحنہ) رہے گا جس کے ماتحت شہر اور شہر پناہ کے درواروں کے فوج ہوگی۔ یہ مشیر وزیر اعظم مصر اور اگر ضرورت پیش آئی تو خلافت ماب کو اہم کاموں میں مشورہ دے گا"۔

ملک شاور کو صرف اپنی وزارت بچانے کی فکر تھی۔ اس نے اس بات کی بھی تائید کردی۔ "بالکل ٹھیک شاہ معظم۔ مجھے ہر قدم پر مشورے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مشیر شہر میں ہوگا تو مجھے یروشلم کو سفارت نہیں بھیجنا پڑے گی"۔

"آخری بات یہ ہے" شاہ نے رک کر ملک شاور کو دیکھا۔

ملک شاور آخری بات ہونے سے پہلے ہی اس کی تائید کرنے والا تھا کہ اک دم سنبھل گیا۔ شاہ محترم آخری بات کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

شاہ نے پورے جلال سے کہا۔ "ہمارے معاہدے کی آخری شرط ہے کہ مصر اب تک صرف پچاس ہزار دینار سالانہ خراج دیتا تھا لیکن اب اسے ایک لاکھ دینار سالانہ ادا کرنا ہوں گے"۔

"وزیر اعظم مصر اس شرط کو رد کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ شاہ محترم نے شامی سالار کو پچاس ہزار دینار سرخ بطور تاوان جنگ ادا کئے ہیں اس لئے انہیں ایک لاکھ دینار سالانہ بطور خراج وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ معاہدہ کون سا تھا جس کا ذکر آپ نے فرمایا"۔

"یہ اس معاہدے کی شرائط ہیں جو شامی لشکر کے واپس جانے کے بعد سلطنت مصر سے کیا جائے گا"۔ شاہ یروشلم نے وزیر اعظم مصر کے بجائے سلطنت مصر کہہ کر ملک شاور کے ہوش اڑا دیئے۔

Marfat.com

لیکن ملک شاور نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ "شاہ مختار ہیں۔ خواہ آج معاہدہ کیجئے یا شیر کوہ کے جانے پر کیجئے۔ میں دستخط کرنے پر ہر وقت تیار ہوں۔"

"ملک شاور کان کھول کر سنو"۔ شاہ یروشلم کا لہجہ انتہائی سخت اور تحقیر آمیز تھا۔ یہ معاہدہ شاہ یروشلم اور وزیر اعظم مصر کے درمیان نہیں ہوگا بلکہ اس پر شاہ ایمالرک اور خلیفہ سلطنت مصر کے دستخط ہوں گے۔"

"مگر۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔" ملک شاور کچھ کہنے والا تھا کہ شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم چپ رہو۔ جو ہم نے کہا وہی ہوگا"۔ یہ کہہ کر شاہ نے ملک شاور کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

جس کا مطلب تھا کہ وہ اس سلسلے میں مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

وزیر اعظم منہ لٹکائے واپس ہوگیا۔

شیر کوہ نے ماہ ذ-عقد ۸۶۲ میں مصر چھوڑ دیا۔ اس کی واپسی کے وقت بلبیس میں شاہ یروشلم سے ایک طویل ملاقات ہوئی جس میں شاہ کی سفارش پر ملک شاور کو شریک ہونے کی اجازت ملی۔ ملاقات اگرچہ دیر تک جاری رہی۔ لیکن ملک شاور کو بولنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ ایک بار اس نے بولنے کی کوشش کی تھی کہ شیر کوہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور شاہ یروشلم سے کہا۔

"اے شاہ عالی مقام مصر کے طوطے ملک شاور کا خاص خیال رکھئے گا۔ یہ بولتا خوب ہے مگر اس کی آنکھیں ہمیشہ ماتھے پر ہوتی ہیں۔ یہ شخص بد عہدی کا نمونہ اور ملک و قوم سے غداری کا پیکر ہے۔ اگر آپ اس سے ہوشیار رہیں گے تو بہتوں کا بھلا ہوگا ورنہ یہ مار آستین کسی نہ کسی کو ضرور ڈس لے گا۔"

اس کے آگے ملک شاور کیا بول سکتا تھا۔ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا مگر بے غیرت تھا اس لئے تمام وقت دوسروں لوگوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔

ادھر تو شامی لشکر مصر سے رخصت ہو رہا تھا اور دوسری طرف عامر غربی صعید پہنچا ہوا تھا۔ اس نے گذشتہ شب صلاح الدین سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان تمنا سے آخری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اور صلاح الدین نے ہنس کے اسے اجازت دی تھی۔

"عامر۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ میری طرف سے کسی کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ پھر یہ تو دل کا معاملہ ہے اور ایک پاکباز انسان کا دل تو کعبہ ہوتا ہے اسے توڑنے کی جرات کون کر سکتا ہے۔"

Marfat.com

اور عامر نے جواب دیا تھا " میرے سالار آقا میں اگر آپ کی لشکر کی واپسی کی تقریب میں شریک نہ ہوسکا تو آپ معاف کردیجئے گا۔"

"عامر تمہیں میری طرف سے اجازت ہے کہ اگر تم چاہو تو مصر میں مقیم ہوسکتے ہو۔ تمہارے اوپر کسی قسم کی پابندی نہیں"۔

عامر رات کو ہی صعید پہنچ گیا تھا لیکن وہ اس آخری موقع پر ملک شاور سے کوئی جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ملک شاور قاہرہ میں ہے اور قاہرہ ہی میں رہے گا لیکن وہ دوسرے دن دس بجے صبح تک پوشیدہ رہا کیونکہ شامی لشکر کی واپسی کا یہی وقت مقرر ہوا تھا عامر یہ سوچتے ہوئے ملک شاور کی حویلی میں طرف چلا کہ ملک شاور اس وقت قاہرہ میں شامی فوجوں کو رخصت کررہا ہوگا اور اس کے صعید آنے کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے۔ عامر کا اندازہ صحیح تھا ملک شاور اس وقت بلبیس کے میدان میں شیرکوہ کی فوجوں کی واپسی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ مسرت کی انگلیاں اسے گدگدا رہی تھیں۔ شامی فوجوں کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ مصر کا وزیر اعظم کا عہدہ تیسری بار ضرور حاصل کرلے گا۔ رہا شاہ یروشلم کے اس معاہدہ کا معاملہ جس کا شاہ نے اپنی گفتگو میں ذکر کیا تھا اس طرف سے وہ بالکل مطمئن تھا اول کو وہ معاہدہ کو ٹالنے کی کوشش کرے گا تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے وہ کہہ سکتا تھا کہ خلافت ماب کی طبیعت ناساز ہے اس لئے معاہدے کی تصدیق نہیں ہوسکتی اور اگر شاہ ضد پکڑے گا تو وہ قاہرہ کے اندر اور دروازوں پر مقرر کی جانے والی نصرانی فوج کا ایسا صفایا کرے گا کہ شاہ یروشلم دنگ رہ جائے گا۔

عامر غزنی نے ملک شاور کی حویلی پر پہنچ کے گھوڑا روکا اور دروازے پر پہریداروں کے علاوہ اندر برآمدے میں غلاموں نے بھی اسے دیکھا پہریدار عامر کو پہچانتے تھے انہوں نے ایک دو باتیں کر کے اس کے لئے دروازہ کھول دیا لیکن برآمدے کے غلام عامر کو نہیں پہچانتے تھے ان میں سے ایک نے بھاگ کے زنانخانے کی کنیز کو اطلاع دی کہ ایک لشکری صدر دروازے پر آیا ہے اور پہریداروں سے دروازہ کھولنے کے لئے تکرار کر رہا ہے۔ حویلی میں سوائے عورتوں یا بچیوں کے کوئی مرد نہ تھا۔ ملک شاور کی بیوی کو تو پنکھے لگ گئے وہ گھبرا کے باہر کی طرف بھاگیں۔ زرتاج اور بچیاں باجماعت دعائیں مانگنے لگیں۔

ذرا دیر بعد بچیوں کی ماں عامر کا ہاتھ پکڑے ہنستی ہوئی اندر آئیں۔ بچیاں خوش ہوگئی زرتاج نے جلدی سے سر پر آنچل کھینچ لیا لیکن دل تھا کہ مسرت سے پہلو سے نکلا جا رہا تھا۔ بچیوں کی ماں کہتی ہوئی آ رہی تھیں۔ "لو بھئی زرتاج کی مراد پوری ہوئی یہ کل سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ کاش عامر واپسی سے پہلے ایک بار پھر ملنے آجائے"۔

زرتاج شرما کے کمرے میں گھس گئی۔ بچیوں نے عامر ماموں کو گھیر لیا۔

Marfat.com

بچیوں کی ماں نے دریافت کیا۔ "آج تو لشکر کی روانگی کا اعلان ہوا تھا کیا روانگی ہو گئی۔

"نہیں باجی۔ لشکر کی روانگی تو اس وقت تک شروع ہو چکی ہو گی۔" عامر نے ہوئے کہا۔ "میں شاہی لشکر چھوڑ کے تمہارے پاس آیا ہوں"۔

"کیا ہمیشہ کے لئے ؟" بہن نے بڑے پیار اور امیدوں سے پوچھا۔

"نہیں باجی۔ عامر نے مسکراتے ہوئے انکار کیا۔ "میں اپنے سالار صلاح الدین سے اجازت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں"۔

باجی کا چہرہ اتر گیا ۔ "صرف ذرا سی دیر کو آئے ہو ابھی آئے ہو اور ابھی چلے جاؤ گے۔ بہن کی باتوں میں بڑا دکھ تھا۔

"میں واپس جاؤں گا مگر اس وقت جب تم اجازت دو گی" ۔ عامر نے بات بہن پر ڈال دی۔

"نہیں نہیں عامر۔ میں تمہیں روکوں گی نہیں۔" بہن خوفزدہ ہو گئی "میں نہیں چاہتی کہ تمہارا اور ان کا آمنا سامنا ہو"۔

عامر نے اسے تسلی دی ۔ "باجی گھبراؤ نہیں بھائی جان اس وقت شاہی لشکر کو رخصت کر رہے ہیں ان کے فوری طور پر صعید آنے کا بھی کوئی امکان نہیں۔ میں نے اس وقت کا انتخاب اسی وجہ سے کیا تھا کہ میرا اور بھائی جان کا سامنا نہ ہو۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ میں شاہی لشکر کے پہلی منزل پر پہنچنے سے پہلے اس میں شامل ہو جاؤں گا"۔

"ایسی جلدی کیا ہے۔ زرتاج سے بھی تو دو باتیں کر لو۔" بہن مسکرا کے ایک طرف چلی گئی اور عامر اس کمرے کی طرف چلا جس میں اس نے زرتاج کو جاتے دیکھا تھا۔

"میں پھر جا رہا ہوں زرتاج"۔ عامر کی آواز بھرا گئی۔

"تم آتے ہی جانے کے لئے ہو"۔ زرتاج کی آواز بھی رندھی ہوئی تھی۔ "میں پھر بھی تمہاری شکر گذار ہوں کہ تم نے چلتے وقت مجھے یاد رکھا۔

"زرتاج ایسی ہی یادوں کے سہارے تو میں زندگی گزار رہا ہوں۔" عامر کا لہجہ درد انگیز تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں تمہیں نہیں پا سکتا پھر بھی تمہیں دیکھنے کے لئے دل بے چین ہو جاتا ہے کاش ہم ایک ہو سکتے۔"

زرتاج تڑپ اٹھی ۔ "عامر تم مرد ہو اتنی جلدی حوصلہ ہار گئے"؟

"حوصلے کی بات نہیں ہے زرتاج"۔ عامر نے سسکی سی بھری۔ "لیکن جب آس و امید ہی ٹوٹ جائے تو پھر انسان کیا کرے؟"

"ایسا مت کہو عامر"۔ زرتاج آج کچھ جذباتی ہو رہی تھی۔ امید ہی تو دنیائے رنگ و بو کی بنیاد ہے زندگی امید ہی کا ہاتھ پکڑ کر چلتی ہے-----"

Marfat.com

اسی وقت عامر کی بہن ہنستی ہوئی اک دم اندر آگئی۔ دونوں بھونچکے رہ گئے۔

"میرے ساتھ چلو تم دونوں"۔ بہن نے حکم دیا۔

"کہاں ـــــ" دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

"چپ چاپ میرے پیچھے آؤ"۔ بہن نے دوسرا حکم جاری کیا اور پلٹ کر کمرے سے نکلنے لگیں۔ عامر اور زرتاج سحرزدہ سے ان کے پیچھے چلنے لگے۔

باجی صحن پار کر کے مردانہ مہمان خانہ میں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے پیچھے ہی عامر پھر زرتاج مہمان خانہ میں آگئی۔ وہاں ایک عمر رسیدہ بزرگ بیٹھے تھے انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا پھر نیچے کرلیں۔

"آپ اس لڑکی سے سوال کیجئے۔" بہن نے ان بزرگ سے کہا۔

"خاتون۔ سوالات آپ کرتی رہئے۔ میں ان کے جوابات ذہن میں رکھتا رہوں گا"۔ بزرگ نے بغیر سر اٹھائے جواب دیا۔

"کیوں لڑکی تمہیں اس لڑکے سے محبت ہے؟ بہن نے زرتاج سے ڈپٹ کے پوچھا"۔

"زرتاج گھبرا گئی۔ شرما گئی۔ وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔

"بولو بولو زرتاج بولو۔ یہ تمہاری موت زندگی کا سوال ہے"۔ بہن نے زرتاج کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"باجی آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" زرتاج نے بہت جبر کر کے جواب دیا۔

"یہ پھر بتاؤں گی ۔ پہلے تم جواب دو تمہیں عامر سے محبت ہے؟" بہن نے سوال دہرایا۔

"ہاں ہے۔۔۔" زرتاج شرم سے کٹی جا رہی تھی۔

پھر بہن نے عامر سے سوال کیا۔ "لڑکے تمہیں زرتاج سے محبت ہے"۔

"ہے اور ہمیشہ رہے گی۔۔۔۔" عامر نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اعتراف کرلیا۔

"تم عامر سے شادی کرنا چاہتی ہو؟" یہ سوال زرتاج سے کیا گیا۔

زرتاج نے کنکھیوں سے عامر کو دیکھا۔ "ہاں"۔

بہن نے بھائی سے پوچھا۔ تم زرتاج سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"بالکل شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت شادی کے لئے تیار ہوں"۔ عامر نے بڑی بے باکی سے جواب دیا۔

"قاضی صاحب عقد شروع کیجئے۔ عامر غزنی ولد محمد صالح اور زرتاج بیگم بنت دلاور حسین ۔" بہن نے ان بزرگ سے کہا جو دراصل صعید کے قاضی محترم تھے۔

قاضی صاحب اپنی پشت کی طرف گھوم کے آواز دی۔" کیا گواہان نے لڑکی اور لڑکے کا ایجاب و قبول سن لیا ہے؟"

Marfat.com

"جی ہاں با ہوش و حواس سن لیا ہے"۔ قاضی کی پشت پر جو چھوٹا کمرہ تھا اس سے آواز آئی۔

"عقد پڑھنے کی اجازت ہے" قاضی نے پھر آواز لگائی۔

"بسم اللہ کیجئے"۔ دوسرے کمرے سے آواز آئی۔

قاضی نے ایک جھرجھری لے کر عامر غربی ولد محمد صالح اور زرتاج بیگم بنت دلاور حسین کا نکاح پڑھانا شروع کردیا۔ زرتاج اور عامر اگرچہ دل میں خوش تھے لیکن دونوں ہی اس غلط فہمی میں تھے کہ وہ کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہے ہیں اس لئے انہوں نے کسی سے بھی نہ پوچھا کہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور کس کے اشارے پر ہو رہا ہے۔

نکاح کے بعد قاضی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ برابر کے کمرے سے گواہان بھی وارد ہو کر قاضی صاحب کی دعا میں شامل ہوگئے عامر نے سب کو دعا مانگتے دیکھا تو جلدی سے خود بھی دعا کے لئے ہاتھ بلند کردیئے۔ زرتاج نے گھور کر عامر کو دیکھا۔ عامر کی سمجھ میں آیا کہ شاید زرتاج اس سے دعا مانگنے کی اجازت چاہتی ہے۔ عامر نے آنکھوں کے اشارے سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ہاتھ تھوڑے اور بلند کردیئے۔ پھر زرتاج کو دیکھ کے مسکرایا۔ زرتاج نے شوہر کے اشارے کی زبان سمجھ لی تھی اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اور دعا مانگنے والوں میں شامل ہوگئی۔

دعا ختم ہوئی تو بیگم ملک شاور نے کنیز کو اشارہ کیا وہ دوڑ کے ایک خوان لے آئی بیگم نے خون پوش ہٹایا خوان میں چھوارے اور ایک طرح کے نقل بھرے تھے۔ مختصر سے حاضرین میں یہ نقل اور چھوارے تقسیم کیئے گئے۔ پھر بیگم نے قاضی صاحب کو پانچ دینار اور گواہاں کو دو دو دینار عطا کر کے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے جانے کے بعد زرتاج اور عامر کو ہوش آیا۔

"باجی یہ سب کیا ہوا؟" زرتاج نے پوچھا۔

"نکاح ہوا اور کیا ہوا؟" بیگم نے جواب دیا۔

"کس کا نکاح ہوا۔ کس سے ہوا۔؟" زرتاج نے بوکھلا کے بیگم کو دیکھنے لگی۔

"عقد ہوا زرتاج بیگم بنت دلاور حسین کا عامر غربی ولد محمد صالح کے ساتھ بعوض مبلغ پانچ سو دینار سرخ"۔ بیگم ملک شاور بتا رہی تھیں اور مسرت سے ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

"باجی اس طرح کہیں نکاح پڑھایا جاتا ہے" زرتاج نے منہ بنا کر اعتراض کیا۔

"پھر کس طرح پڑھایا جاتا ہے"۔ بیگم نے دریافت کیا۔

"نہ کوئی مائیوں بیٹھا۔ نہ سانچک۔ نہ مہندی یہ کیسی چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہے؟"

Marfat.com

زرتاج منہ بنا رہی تھی لیکن دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

"ایسے وقت میں ایسا ہی ہوتا ہے میری بنو"۔ بیگم نے ہنس کے کہا۔ اب تم زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ دلہنیں بحث نہیں کیا کرتیں۔ چلو سسرال جانے کی تیاری کرو۔

"سسرال۔ سسرال کہاں ہے"۔ زرتاج بوکھلا رہی تھی۔

عامر غزنی ان سے کچھ دور بیٹھا اس خوبصورت حادثہ پر خوش ہو رہا تھا۔

اس کی بہن زرتاج کو کمرے میں لے گئی۔ عامر بڑی دلچسپی سے اپنی بہن اور زرتاج کو دیکھ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد اس کی بہن ایک نوجوان کے ساتھ واپس آئیں۔ عامر نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ لڑکا کون ہے باجی؟" عامر نے حیرانی سے دیکھا۔

بہن نے ہنس کے جواب دیا۔ "اس لڑکے کا آج اور ابھی نکاح ہوا ہے"۔

"کس سے نکاح ہوا ہے اس کا؟" عامر اور زیادہ حیران ہوا۔

"اس کا نکاح عامر غزنی ولد محمد صالح سے ہوا ہے"۔ اور اس کی بہن نے لڑکے کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔

"اچھا—— تو یہ——" اور عامر ہنسنے لگا۔

"تو یہ کون ہے ؟"۔ بہن نے چھیڑا۔

"یہ ہیں زرتاج بنت دلاور حسین"۔

عامر کے پاس گھوڑا موجود تھا۔ زرتاج جو ایک نوجوان کے روپ میں لائی گئی تھی اس کے لئے عامر کی بہن نے گھوڑے کا انتظام کر دیا تھا۔ عامر کی دونوں بھانجیاں مسکرا مسکرا کے ماموں اور ممانی کو دیکھ رہی تھیں۔

پھر زرتاج کی بہن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عامر دلہن کو اپنے ساتھ لے جاؤ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اب تم اپنا فرض ادا کرو مصر میں تم دونوں کا رہنا مناسب نہیں اس لئے جلد سے جلد اس کی حدود سے نکل جاؤ"۔

زرتاج اور عامر بہن سے آخری بار ملے پھر دونوں بچیوں کو گلے لگایا۔ عامر نے زرتاج کو سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کیا۔ پھر بچشم نم خود بھی سوار ہوا۔

عامر اور زرتاج کے گھوڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور حویلی کے بالا خانہ پر عامر کی بہن اور بھانجیاں کھڑی ان دونوں کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔

Marfat.com

فسطاط کی آتش زدگی

اقتدار بھی کیا بری شے ہے۔ کم ظرف کو اقتدار حاصل ہو تو وہ مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے کم ظرفی کے درجے سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ خلاقِ عالم کو غرور قطعی پسند نہیں اور مغرور کبھی پھولتا پھلتا نہیں اور اگر خوش بختی کی وجہ سے وہ کسی مقام پر پہنچ گیا ہے تو وہاں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا اور اس کا غرور آخر اسے لے ڈوبتا ہے۔ مصر کے وزیرِ اعظم ملک شاور کی خوش نصیبی تھی کہ خدا نے اسے سنبھلنے کے کئی موقعے دیئے مگر اس نے اپنے حالات سنبھالنے اور غرور سے توبہ کرنے کے بجائے اپنے تکبر میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

پہلی بار جب اسے اقتدار حاصل ہوا تو وہ صعیدہ کے چھوٹے سے صوبے کا گورنر تھا۔ شاہی محلات کے داروغہ ضرغام کی کوشش سے اسے مصر کے وزیرِ اعظم کا اعلیٰ ترین عہدہ حاصل ہوا مگر وہ سدا کا مغرور تھا۔ دارالوزارت پر قابض ہوتے ہی اس نے اپنے محسن ضرغام کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور اسے نکالنے کا در پے ہوا۔ وہ امرا جنہوں نے اسے وزیرِ اعظم بننے میں مدد دی تھی ان کی معزولی اور پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضرغام نے امرا سے رابطہ قائم کیا اور ملک شاور کے خلاف ایسا زبردست محاذ قائم کیا کہ ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد اسے قاہرہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس جھڑپ میں اس کا سب سے بڑا بیٹا علی کام آیا۔

اس عظیم نقصان کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ ملک شاور اپنی غلطیوں سے توبہ کرتا۔ غرور اور گھمنڈ کا لبادہ اتار پھینکتا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ملک شاور نے دمشق پہنچ کر سلطان مشرق نور الدین زنگی کے دربار میں فریاد کی اور اپنی خود غرضی چھپاتے ہوئے سلطان کو یہ یاد کرانے کی کوشش کی کہ مصر پر شاہ یروشلم کا اثر و رسوخ بڑھ گیا ہے اور داروغہ محلات ضرغام نے نصرانیوں ہی کی مدد سے اسے مصر سے بے دخل کیا ہے۔ سلطان

Marfat.com

کی کچھ اپنی بھی مصلحتیں تھیں۔ اس نے کچھ دن انتظار کے بعد ملک شاور کے ساتھ ترکمانوں کا ایک لشکر مصر بھیج دیا۔ شرط یہ ٹھہری کہ اگر ملک شاور پھر وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہو گیا تو سلطنت مصر کا ۱/۳ حصہ سلطنت دمشق کو دیدے گا اور جنگ کے اخراجات بھی ادا کرے گا۔

شامی فوج کا سپہ سالار بوڑھا امیر شیرکوہ تھا۔ اس نے سرحدی شہر بلبیس میں ضرغام کی مصری فوج کو شکست دے کر ملک شاور کا دارالوزارت پر قبضہ کرا دیا۔ اب یہ وقت ایفائے وعدہ کا تھا لیکن ملک شاور نے شیرکوہ کے احسان کا صلہ دینے کے بجائے اسے اور شامی لشکر کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ شیرکوہ نے اس کے بدلے تیور دیکھے تو نہایت خاموشی سے اپنا لشکر بچا کر دمشق واپس ہو گیا۔ ملک شاور نے اس کے ساتھ جس بد عہدی اور احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا تھا وہ بات شیرکوہ کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ دوسرے ہی سال اس نے سلطان کو ایک بار پھر مصر پر فوج کشی کے لئے آمادہ کر لیا۔ اس بار وہ اور زیادہ خاموشی سے مصر میں داخل ہوا اور سیدھا جنوب میں پہنچا۔ اس وقت شاہ یروشلم اور ملک شاور کی آنکھ کھلی جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ایمالرک شاہ یروشلم، مصر کو شیرکوہ سے بچانے کے لئے فوراً مصر پہنچ گیا۔ اسے ملک شاور سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مصر کو وہ اس لئے بچانا چاہتا تھا کہ اس میں خود اس کا مفاد مضمر تھا۔ یروشلم کے شمال میں سلطان دمشق نور الدین زنگی کی فوجیں ہر دم اس کی شمالی سرحد پر دستک دیتی رہتی تھیں اگر شاہ یروشلم کے اثر سے مصر نکل جاتا اور اس پر شیرکوہ کا قبضہ ہو جاتا تو یروشلم شمال کے علاوہ جنوب میں بھی ایک نیا محاذ کھولنا پڑتا۔

شیرکوہ اس وقت پریشان ہو گیا جب ایمالرک اور ملک شاور نے اسے گھیرے میں لینا چاہا۔ دمشق کے بعض امرائے نوریہ، شیرکوہ کو جنگ سے گریز کا مشورہ دے رہے تھے مگر یہ مرد مجاہد جس کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہو چکی تھی البابان کے میدان میں خم ٹھونک کر مصر و یروشلم کے متحدہ لشکر کے سامنے ڈٹ گیا۔ مسلم عقیدہ کے مطابق خدا عزت دیتا ہے اور خدا ہی ذلت دیتا ہے۔ خدا کو شیرکوہ پسند تھا۔ اس نے اسے البابان کے میدان میں ایک عظیم فتح سے نوازا۔ ایمالرک اور ملک شاور میدان چھوڑ بھاگے۔ شیرکوہ نے آگے بڑھ کر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں اپنے بھتیجے جواں عمر صلاح الدین ایوبی کو چھوڑا اور خود جنوبی مصر کی فتوحات پر روانہ ہو گیا۔

شاہ ایمالرک نے شیرکوہ کی اسکندریہ سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اپنی اور مصر کی پوری فوجوں کے ساتھ اسکندریہ پہنچ کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس کا

Marfat.com

خیال تھا کہ اسکندریہ کی مصری آبادی اس کا ساتھ دے گی اور وہ بہت جلد اسکندریہ پر قبضہ کرے گا لیکن اسکندریہ کے گورنر صلاح الدین ایوبی نے اس کا یہ خیال باطل کر دیا۔ اس نے ایک طرف تو مدافعانہ جنگ شروع کی اور دوسری طرف اسکندریہ والوں کو مختلف تدبیروں سے اپنے قابو میں رکھا۔ صلاح الدین کے لئے یہ محاصرہ بڑا سخت امتحان تھا لیکن اس نے ایسے عزم و حوصلے کا اظہار کیا کہ ایمالرک کئی ماہ تک اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ ادھر جب شیرکوہ کو اسکندریہ کے محاصرہ کی اطلاع ملی تو وہ اسکندریہ واپس ہونے کے بجائے سیدھا قاہرہ پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

شیرکوہ کی یہ حکمت عملی بڑی کامیاب رہی۔ ایمالرک نے قاہرہ کو شیرکوہ سے بچانے کے لئے صلح کی بات چیت شروع کر دی اور ایک لاکھ دینار سرخ کے بدلے شیرکوہ کو مصر چھوڑنے کی پیشکش کی۔ شیرکوہ نے اس رقم کو غنیمت جانا۔ اس نے صلاح الدین کو اسکندریہ چھوڑنے کا حکم دیا اور چچا بھتیجے ایک بار پھر حصہ مال غنیمت، نقد رقم اور فوجوں کے قاہرہ سے روانہ ہو گئے۔ یہ تھا وہ مختصر حال جو مصر میں شاہ یروشلم اور سلطان نور الدین زنگی کے سپہ سالار شیرکوہ کے درمیان پیش آیا۔

سلطان کو اگرچہ مصر پر دوسری یلغار سے بہت زیادہ فائدہ حاصل نہ ہوا لیکن اس سے ایمالرک شاہ یروشلم کی آنکھیں کھل گئیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ سلطانی لشکر کے لئے دمشق سے مصر پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں اور اگر اس نے سلطانی لشکر کو روکنے کے لئے کوئی مستقل انتظام نہ کیا تو پھر مصر سے اس کا اثر ختم بھی ہو سکتا تھا اور وہ شمالی اور جنوب دونوں طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں اس کا اثر ختم بھی ہو سکتا تھا اور وہ شمال اور جنوب دونوں طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں آ سکتا تھا۔ اس کے خیال میں مصری معاملات اور حالات کے خاتمہ کے دو ہی طریقے تھے۔ ایک تو وہ جس کا حوالہ اس نے ملک شاور کو دیا تھا یعنی مصر پر اس طرح اثر انداز ہوا جائے کہ وہاں کا اقتدار شاہ یروشلم کے ہاتھ میں آ جائے۔ دوسرا طریقہ جو زیادہ مشکل تھا تھا وہ یہ تھا کہ پہلے شمال میں دمشق پر حملہ کر کے سلطان کی طاقت کو اس قدر پارہ پارہ کر دیا جائے کہ وہ مصر کی طرف نظر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے لیکن انسان کا سوچا نہیں بلکہ ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

شیرکوہ نے اس دفعہ مصر سے واپسی کا ایک اور راستہ اختیار کیا تھا۔ اسے ایمالرک پر اعتماد نہ تھا اور اس کی واپسی میں روڑا اٹکایا جا سکتا تھا اس لئے اس نے اپنا واپسی کا سفر ایک نئے راستے سے شروع کیا۔ اس طرح شیرکوہ اپنی منزل بغیر کسی حادثہ کے پار کر گیا لیکن اس کے عقب میں آنے والے راستہ بھول کر کسی اور طرف نکل گئے۔ جس وقت شامی

Marfat.com

لشکر مصر سے روانہ ہوا' عامر غربی اور قاسم الحسین دونوں ہی لشکر سے غائب تھے۔ عامر غربی کے متعلق تو صلاح الدین ایوبی کو علم تھا کہ وہ ملک شاور کی حویلی پر اپنی بہن سے ملاقات کرنے گیا ہے۔ بہن سے ملاقات کا تو خیر ایک بہانہ ہی تھا وہ دراصل زرتاج مصری سے ملنے گیا تھا۔ اس کی زرتاج سے یہ ملاقات بڑی کامیاب رہی کیونکہ اس کی بہن (ملک شاور کی بیوی) نے عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے زرتاج اور عامر غربی کا فوراً عقد کرا دیا اور اسی وقت زرتاج کو ایک نوخیز جوان کے روپ میں عامر غربی کے ساتھ کر دیا۔

عامر غربی نے اپنے سالار صلاح الدین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی بہن سے مل کے شامی فوج کی پہلی منزل کے پڑاؤ پر پہنچ جائے گا۔ صلاح الدین نے اگرچہ اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ چاہے تو مصر میں سکونت اختیار کر سکتا ہے لیکن عامر غربی نے قاہرہ کے بجائے دمشق میں بتایا زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لئے وہ زرتاج کو لے کر شامی فوج کی طرف چلا اور بغیر کسی پریشانی کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں شامی لشکر کو پہلا پڑاؤ کرنا تھا لیکن وہاں شامی لشکر کا کہیں دور دور پتہ نہ تھا۔ عامر غربی کو اس صورت حال نے پریشان کر دیا۔ وہ اکیلا ہوتا تو بھی زیادہ پریشانی نہ ہوتی لیکن ایک نازک بدن کا ساتھ جس کی دوشیزگی کی خوشبو نے اسے تمام راستہ مست و بے خود رکھا تھا۔ زرتاج اگرچہ ایک لڑکے کے روپ میں تھی لیکن عامر غربی کا دل مطمئن نہ تھا اور اسے ہر لحظ اپنے اور زرتاج کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

شام گھرتی جا رہی تھی اور ادھر کو رات گزارنے کی فکر تھی۔ سامنے وہ سرائے دکھائی دے رہی تھی جہاں اسے رات کے لئے جگہ مل سکتی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ عیسائی علاقہ نہ ہونے کے باوجود راستے کی تمام سرائیں یروشلم کے زیر اثر تھیں اور ان کے مالک عیسائی ہوتے تھے۔

"بڑی غلطی ہوئی زرتاج۔" عامر غربی نے گھوڑا روک کے کہا۔ "شامی لشکر کی پہلی منزل اس سرائے کے اردگرد ہونا تھی لیکن وہ ادھر نہیں آیا اس کا مطلب ہے کہ شامی لشکر کسی اور راستے سے گیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے زرتاج؟۔"

زرتاج اسے مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔ "عامر پہلی بات تو یہ کہ میرا نام زرتاج نہیں بلکہ یاسر ہے اور دمشق تک مجھے اسی نام سے سفر کرنا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم صحیح کہہ رہے ہو یا سر۔" عامر نے جواب دیا۔ "غلطی مجھ سے ہوئی۔ آئندہ میں احتیاط کروں گا۔"

"صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔" زرتاج (یاسر) اب بھی مسکرا رہی تھی۔ "میرا

Marfat.com

مقصد تمہاری غلطی کی نشاندہی کرنا بھی نہیں تھا۔ دراصل مجھے گھبراہٹ اور پریشانی پر ہنسی رہی ہے۔"

"ہنسی - ارے یہ ہنسنے کا موقعہ ہے۔" عامر نے پریشان نظروں سے یاسر کو دیکھا۔ "یہ عیسائیوں کی سرائے ہے۔ ایک تو تم اپنے اصلی روپ میں نہیں دوسرے یہ کہ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ اگر میں تنہا ہوتا تو ــــــــ" عامر کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر تنہا ہوتے تو کیا کرتے؟" یاسر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تنہا ہوتا تو میں فوراً عیسائی بن جاتا۔" عامر نے جواب دیا۔

"اگر عامر عیسائی بن سکتے ہیں تو یاسر کیوں عیسائی نہیں بن سکتا۔" یاسر نے کہا۔ "میری کئی عیسائی لڑکیوں سے دوستی ہیں۔ آپ اطمینان رکھئے مجھے کوئی نہیں پہچان پائے گا۔ عیسائیوں کے مذہب اور ان کے طور طریقوں سے میں پوری طرح واقف ہوں۔"

"ماشاء اللہ۔ کیا کہتے ہیں تمہارے۔" عامر گھوڑے سے اتر پڑا۔ "یہ فیصلہ ہو گیا کہ ہم دونوں عیسائی ہیں۔ اب میرا نام کیا ہے اور تمہارا کیا نام ہو گا؟"

"تمہارا نام ہومز اور میرا نام گومز۔" یاسر نے برجستہ جواب دیا۔ "تم بڑے بھائی ہومز اور میں چھوٹا بھائی گومز۔"

"تمہارے جوہر تو اب کھل رہے ہیں" عامر نے تحسین بھری نظروں سے زرتاج کو دیکھا۔ "پہلے زرتاج پھر یاسر اور اب گومز۔ کیا کہتے ہیں تمہارے۔ میں کس قدر خوش سمت ہوں کہ مجھے تمہارا جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔"

دونوں گھوڑے سے اترے باتیں کرتے ہوئے سرائے پہنچ گئے۔ عامر اک دم ٹھٹک کے کھڑا ہو گیا۔ زرتاج بھی رک گئی۔ سرائے کے دروازے کے بالکل سامنے ایک شخص ایک خوبصورت لڑکی سے ہنس ہنس کے باتیں کر رہا تھا۔

عامر نے سرگوشیوں میں کہا ــــــ "زرتاج یہ شخص جو لڑکی سے باتیں کر رہا ہے میرا دوست قاسم الحسین ہے مگر یہ لڑکی ــــــ؟"

"لڑکی عیسائی معلوم ہوتی ہے ہومز ــــــ" گومز نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "کیا پتہ ان کا بھی کوئی ایسا ہی چکر ہو۔ آپ انہیں آواز نہ دیجئے گا اگر انہوں نے پہچان لیا تو وہ خود آپ کو بلائیں گے۔"

جب یہ قاسم الحسین کے قریب سے گزرے تو اس کی نظر اک دم ان دونوں پر پڑی۔ قاسم الحسین گھبرا کر کھڑا ہو گیا مگر کچھ سوچ کر فوراً بیٹھ گیا۔

"انہوں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔" گومز نے آہستہ سے کہا۔ "اب وہ خود آپ کی

Marfat.com

طرف آئیں گے۔"

سرائے میں دس بارہ عورتیں اور پندرہ بیس مرد پہلے سے موجود تھے۔ سرائے کا مالک ایک ادھیڑ عمر کا تنہا آدمی تھا۔ وہ بڑھ کے عامر کے پاس آیا۔

"آپ کتنے دن قیام کریں گے آقا۔؟" سرائے والے نے بڑے سلیقے سے پوچھا۔

"شاید دو دن۔" عامر نے جواب دیا۔ "ہمارے کچھ آدمی آنے والے ہیں اگر دو دن میں نہ آئے تو ہم چلے جائیں گے۔"

"آقا یہ آپ کے؟۔" سرائے والے نے مشکوک نظروں سے زرتاج کو دیکھا۔

عامر نے فوراً اس کا شک دور کیا۔ "یہ میرا چھوٹا بھائی گومز ہے۔ ہم طرابلس جا رہے ہیں۔ ریمانڈ شاہ طرابلس کے محل کے ساتھ جو گرجا ہے اس میں میرا ماموں لارڈ پادری ہے۔"

"اچھا اچھا۔ آپ مقدس پادری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔" سرائے والا عقیدت سے سر جھکا کر بولا۔ "براہ کرم آپ اپنے ہاتھ آگے بڑھایئے میں ان پاک ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔"

عامر نے بے خوف اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور سرائے والے نے بھی بے تکلف اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

"خداوند یسوع مسیح کی تم پر برکتیں نازل ہوں۔" عامر نے دعا دی۔ "میں اگرچہ خود پادری نہیں ہوں لیکن تمہاری عقیدت نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔"

"آپ میرے ساتھ چلئے۔ میں آپ کو مسافروں سے ملاؤں گا۔ وہ یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوں گے کہ ہمارے درمیان ایک لارڈ پادری موجود ہیں۔"

سرائے والے نے اتنے اعتماد سے کہا کہ عامر انکار نہ کر سکا حالانکہ وہ دل میں گھبرا رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ راز کھل گیا تو جان بچنا مشکل ہو جائے گی۔ زرتاج اس سے زیادہ پریشان تھی لیکن اسے عامر کی جرات پر بڑا تعجب ہو رہا تھا۔ عامر نے خود کو ایک پادری کا عزیز اس لئے ظاہر کیا تھا کہ سرائے والا اس کے لئے کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ اس کے علاوہ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ قاسم الحسین نے بھی عیسائی کا چولا اوڑھ لیا ہے۔ عامر عیسائیوں کے طور طریقوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ مصر میں اسکندریہ کے علاوہ اہرہ اور صعیدہ وغیرہ میں بھی عیسائی موجود تھے اور بعض شہروں میں تو ان کے پورے پورے محلے آباد تھے۔

ہومز اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ سرائے والا آگے اور ہومز سر جھکائے ان کے پیچھے چلنے لگا۔

Marfat.com

گومز بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

"ان سے ملیے یہ ہیں یروشلم کے سب سے بڑے رئیس مسٹر۔۔۔۔" سرائے والا ان کا نام بھول گیا۔

"جیرالڈ۔۔۔" تاجر نے اپنا نام بتا کر سرائے والے کو شرمندگی سے بچا لیا۔

"جی ہاں مسٹر جیرالڈر" سرائے والے نے پھر بات شروع کی۔ پھر ہومز کا تعارف کرایا۔

"یہ ہیں طرابلس کے لارڈ پادری کے عزیز مسٹر ہومز۔"

سرائے والا رکا اور ہومز نے فوراً بات آگے بڑھائی۔ "اور میرے ساتھ یہ میرا چھوٹا بھائی گومز ہے۔ ہم دونوں طرابلس جا رہے ہیں۔"

سرائے والے کو جیسے کچھ یاد آ گیا اس نے کہا۔ "ہاں میرے مسافر دوستو۔ آپ سے مسٹر ہومز اور مسٹر گومز سے تعارف کرانے کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ یہ دونوں بھائی لارڈ پادری نہیں لیکن ہیں تو لارڈ پادری کے عزیز دار۔ ہمارے دوران ان کی موجودگی باعث برکت ہے۔ اس لئے کہ اس دور دراز کی معمولی سی سرائے آج تک کوئی لارڈ پادری کیا پادری تک نہیں۔آیا۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ آپ ان دونوں بھائیوں کی عزت کریں اور بڑے بھائی ہومز کے ہاتھوں کو ضرور بوسہ دیں۔"

"ضرور ضرور۔" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ "لارڈ پادری کا عزیز دار بھی ہمارے لئے مقدس ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ایک ایک نے مسٹر ہومز کے پاس آ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ جب قاسم الحسین جو عیسائیوں کے لباس میں تھا ہومز کے ہاتھوں کو بوسہ دینے جھکا تو ہومز نے سرگوشی کی۔ "میں تمہیں پہچان گیا ہوں قاسم۔"

"تم نے کمال کر دیا عامر۔" قاسم نے سرگوشی کا جواب سرگوشی میں دیا۔

ہاتھوں کو بوسہ دینے کے بعد قاسم نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ "اے مقدس لارڈ پادری کے مقدس عزیز دار مسٹر ہومز۔ میں اور میری بیوی کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ہم بھی طرابلس جا رہے ہیں۔ میری بیوی طرابلس کی رہنے والی ہے اور میں پہلی دفعہ وہاں جا رہا ہوں۔ مسٹر ہومز آپ براہ کرام اپنا دست مبارک میرے اور میری بیوی کے سر پر رکھ دیجئے۔"

"تم دونوں پر یسوع مسیح کی برکت ہو۔۔۔" مسٹر ہومز نے ایک ہاتھ قاسم اور دوسرا ہاتھ اس کی بیوی کے سر پر رکھ دیا۔ "کیا نام ہے اس بیٹی کا؟" ہومز نے شرارت سے پوچھا۔

Marfat.com

"اس کا نام مریم اور آپ کے اس غلام کا نام ٹامسن ہے۔" قاسم نے جھلا کے کہا۔

مسٹر ہومز نے ایک اور چٹکی لی۔ اس نے سرائے والے سے کہا۔ "بھائی۔ مجھے اور میرے بھائی گومز کو مسٹر ٹامسن کے کمرے میں جگہ دیدو تو بہت مہربانی ہو گی۔"

"کیوں نہیں لارڈ پادری۔ پوری سرائے آپ کی ہے۔" سرائے والے بڑی مسرت سے کہا۔ "مسٹر ٹامسن کی کوٹھری چھوٹی ہے۔ میں آپ سب کے لئے ایک بڑی کوٹھری خالی کرائے دیتا ہوں۔"

ہومز' گومز اور ٹامسن' مریم چاروں کو ایک بڑی کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ رات کے کھانے کے بعد جب ہر طرف سناٹا ہو گیا تو قاسم الحسین نے اٹھ کے کوٹھری کی اندر سے زنجیر چڑھا لی۔

"عامر بھائی آپ نے کمال کر دیا۔؟" قاسم الحسین نے مسکرا کے کہا۔

"کمال میں نے کیا کہ تم مسٹر ٹامسن یہ مس مریم کہاں کی ہیں؟" عامر نے پوچھا

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ 'تمہارے بھائی ——؟" قاسم الحسین کی آنکھوں میں شرارت بھر گئی تھی۔

"یہ زرتاج ہے۔ ملک شاور کی بھانجی ——"

قاسم الحسین نے اس کی بات کاٹی "بس بس سمجھ گیا میں کیا شادی کر لی تم نے؟"

"بالکل۔" عامر نے یقین دلایا۔ "میں نے شادی کی ہے لیکن نہایت سادگی سے۔"

قاسم الحسین نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اپنا بھی یہی حال ہے عامر بھائی۔ ہم دونوں کی ایک زمانے سے شناسائی بلکہ دوستی تھی۔ میں نے مریم کی ماں کو یقین دلا دیا تھا کہ میں ٹامسن ہوں۔ وہ بیچاری تو مان گئی تھی مگر مریم کے پاپا کسی طور میرے ساتھ شادی پر آمادہ نہ تھے۔ آخر ایک دن ہم دونوں چپکے سے گرجا چلے گئے اور پادری کو سب حال بتا کے شادی کر لی۔"

"یہ واقعہ کہاں کا ہے؟" عامر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہماری شادی اسکندریہ میں ہوئی تھی۔" قاسم الحسین نے بتایا۔

"مریم کو معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو۔؟" عامر نے دریافت کیا۔

"مریم کو میں نے آغاز ہی میں اپنا حسب نسب بتا دیا تھا۔ یہ بڑی وفادار لڑکی ہے۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ شادی یہ صرف مجھ سے کرے گی۔ مجھے اس کی وفاداری پر فخر ہے۔"

قاسم الحسین نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

عامر نے ہلکے سے طنز کیا ——— "قاسم۔ تم نے مریم کا مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔؟"

Marfat.com

"ٹھیک ہے۔ قاسم بھائی مجھے الزام دے سکتے ہو۔" قاسم نے دکھ بھرے لہجے میں "دراصل مجھے یہ یقین ہی نہ تھا کہ میں مریم کو کبھی حاصل کر سکوں گا۔ یہی بے چینی پریشانی مجھے جگہ جگہ لئے لئے پھرتی تھی۔ لوگ مجھے پاگل کہنے لگے تھے۔ مگر واہ ری مریم اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس دفعہ اسکندریہ میں سامنا ہوا تو اس نے خود شادی پر زور اور اس طرح ہماری شادی ہو گئی۔"

"تم میری داستان بھی سننا چاہو گے؟" عامر نے ہنس کے کہا۔

"ضرور سنیں گے۔ مریم یہ باتیں سن کے بہت خوش ہو گی۔" قاسم الحسین نے جواب دیا۔

"پہلے مریم اور زرتاج کا آپس میں تعارف ہونا چاہئے پھر دوسری باتیں ہوں گی۔" عامر نے مشورہ پیش کیا۔

زرتاج اور مریم کا تعارف کیا ہونا تھا۔ دونوں ذہین خواتین تھیں۔ انھوں نے عامر اور قاسم کی باتوں سے کچھ اندازہ کر لیا تھا۔ وہ ایک ہی کشتی پر سوار تھیں اس لئے ایک دوسرے کو سمجھنے میں انہیں ذرا دیر بھی نہ لگی اور وہ اس طرح گھل مل گئیں جیسے سگی بہنیں ہوں یا پرانی سہیلیاں۔ وہ ایک دوسرے سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے لگیں۔

عامر اور قاسم کی اس اتفاقیہ ملاقات سے دونوں کو خوشی ہوئی تھی لیکن اب سوال یہ تھا کہ دمشق کس طرح پہنچا جائے۔ وہ عیسائیوں کا روپ دھارے ہوئے تھے لیکن سوائے مریم کے اور کوئی عسائی نہ تھا۔ مریم نے قاسم کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دیا تھا اور اب وہ ایک مسلمان خاتون تھی۔ انہیں پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ قاسم یا عامر کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ کسی اور راستے سے دمشق کا سفر جاری رکھ سکیں۔ دونوں کی حالت ایک جیسی تھی۔ عامر کی طرح قاسم الحسین کا بھی یہی خیال تھا کہ شامی فوجیں اس راستے سے دمشق واپس جائیں گی اور ان کی پہلی منزل یہی سرائے ہو گی لیکن شیرکوہ نے اپنے لشکر کو کسی آئندہ خطرے سے بچانے کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا تھا اور جس وقت عامر اور قاسم الحسین اس سرائے کی طرف آ رہے تھے' اسد الدین شیرکوہ اپنے لشکر کو ایک نئی منزل کی طرف لئے جا رہا تھا۔

شیرکوہ جس وقت مصر سے دمشق واپس ہو رہا تھا تو اس سے ایک تاجر نے ملاقات کی تھی۔ تاجر نے شیرکوہ کو بتایا تھا کہ وہ دمش کا ایک اوسط درجہ کا تاجر ہے اور ہر سال تجارت کے سلسلے میں مصر آیا کرتا ہے لیکن پچھلے دو سال پہلے جب وہ مصر آیا تو اس کی واپسی کے راستے بند ہو گئے اور عیسائیوں نے دور دور تک اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ چونکہ وہ

Marfat.com

دمشق اور مصر کے درمیان تمام ممکنہ راستوں سے واقف ہے۔ اس نے شیرکوہ کو پیش کش کی کہ وہ دمشق جانے کے ایک ایسے راستے کی رہبری کر سکتا ہے جس پر نہ تو عیسائیوں سے مڈ بھیڑ کا خطرہ ہے اور نہ طوفان یا پانی کی کمیابی پریشان کرے گی۔ اس کے صلہ میں اس نے شیرکوہ سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ دمشق لیتا چلے کیونکہ پچھلے دو سال سے وہ اپنے بیوی بچوں سے دور ہے۔ اس طرح شیرکوہ نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا تھا جو اس سرائے سے نہ گزرتا تھا۔

عامر۔ قاسم۔ زرتاج اور مریم کو باتیں کرتے نصف شب سے زیادہ گزر گئی تھی۔ زرتاج اور مریم کو ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں لیکن عامر اور قاسم الحسین بڑی سنجیدگی سے آئندہ کا پروگرام طے کرنے میں مصروف تھے۔ سرائے کے مالک کی کوٹھری کا دروازہ ان کے سامنے ہی تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ سرائے کا مالک چراغ ہاتھ میں لئے اپنی کوٹھری سے نکلا اور آہستہ قدم اٹھاتا اور ادھر ادھر محتاج نظریں ڈالتا آگے کی طرف آ رہا ہے۔ عامر نے دونوں خواتین کو سرگوشیوں میں سمجھا دیا کہ وہ آنکھیں بند کر لیں اور اگر وہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آواز بھی دے تو وہ خود کو سوتا ہوا ہی ظاہر کریں۔

قاسم نے سرگوشی کی۔ "پریشان ہونے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مالک سرائے ہر رات ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ چراغ لے کے پوری سرائے کا چکر لگاتا ہے پھر جا کے کوٹھری میں سوتا ہے۔"

عامر کے کان قاسم کی باتوں پر لگے تھے مگر آنکھیں سرائے کے مالک کو دیکھ رہی تھیں۔ قاسم خاموش ہوا تو عامر نے کہا۔ "تمہاری بات بھی درست ہو سکتی ہے لیکن اس کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی احتیاط سے کچھ اور ہی شبہ ہوتا ہے۔"

"کیا شبہ ہوتا ہے۔ عامر بھائی تم ہر بات پر شبہ کرتے ہو۔" قاسم نے ناگوار انداز میں جواب دیا۔

"اس وقت چپ ہو جاؤ---" عامر نے اسے ٹوکا مارا --- "وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔ بعد میں باتیں کریں گے۔"

قاسم اپنی جگہ سکڑ گیا۔ سرائے کا مالک آہستہ قدم اٹھاتا ان کے پاس آیا۔ چراغ نیچا کر کے پہلے مریم اور زرتاج کا چہرہ دیکھا پھر عامر اور قاسم پر نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

عامر نے اس کے جانے کے بعد کہا۔ "قاسم کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی پر اسرار شخصیت ہے۔"

قاسم "ہوں" کر کے رہ گیا۔ اس کے خیال میں کسی پر شبہ کرنا پھر اس کے پیچھے لگ

Marfat.com

جانا ایسا تھا جیسے انسان ہوا کے پیچھے لاٹھی لے کر بھاگے۔

عامر نے اسے پھر چھیڑا۔ "تم نے دیکھا کہ سب لوگ تو باہر سو رہے ہیں اور چراغ جلائے کوٹھری کے اندر بیٹھا ہے۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔"

قاسم نے کروٹ بدل لی جیسے اسے ایسی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

سرائے کے تمام لوگ بے خبر سو رہے تھے عامر کی آنکھوں سے نیند جیسے کوسوں دور تھی۔ اس کی نظریں سرائے والے کا تعقب کر رہی تھی۔ سرائے والے ایک دو جگہ اور ٹھہر کے لوگوں کے چہرے دیکھے پھر اپنی کوٹھری پر پہنچا۔ روشن چراغ اب تک اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے کوٹھری سے باہر کھڑے ہو کے بڑے غور سے چاروں طرف دیکھا پھر چراغ لئے تھے کوٹھری میں چلا گیا اور دروازہ اندر سے بند ہو گیا۔

عامر کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا۔ سرائے کے مالک کی کوٹھری کا دروازہ بند ہوتے ہی وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ کوٹھری کی طرف سرکنا شروع کیا۔ وہاں پہنچ کے عامر نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ دروازہ بند ہے یا کھلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ عامر نے دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی سرگوشیوں میں باتیں کر رہا ہو۔ عامر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سرائے والا ضرور کوئی خاص آدمی ہے جھکا وہ اس قدر احتیاط سے باہر نکلا پھر لوگوں کے چہرے پڑھ کر کوٹھری میں واپس چلا گیا تھا۔

کوٹھر کے اوپر کوئی روشن دان نہ تھا نہ دروازوں میں کوئی دراز تھی کہ وہ اندر جھانک سکے۔ صرف فرش کے برابر دروازہ کچھ اوپر اٹھا تھا اور روشنی کی ہلکی سی ایک لکیر باہر آ رہی تھی۔ عامر نے فرش پر لیٹ کے اندر دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر جب وہ فرش سے اٹھ رہا تھا تو روشنی کی ایک کرن اس کی آنکھ سے ٹکرائی۔ وہ چونک پڑا اور آخر اس نے اس روشنی کا مخرج تلاش کر لیا۔ فرش سے ذرا اونچے دروازے کا ایک تختہ شکستہ تھا اور اس میں ایک باریک سوراخ تھا۔ عامر نے اپنی آنکھ اس سوراخ سے لگا دی۔ اب اندر کا پورا منظر اس کے سامنے تھا۔

عامر نے دھڑکتے دل مگر بڑی جرات سے دروازے کی دراز سے آنکھ لگائی تھی لیکن اور نظر پڑتے ہی اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس پر ایک بے خودی اور وجد سا طاری ہوا اور وہ اسی عالم نے درگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا۔ سجدہ شکر سے فارغ ہو کر اس نے ایک آنکھ پھر دراز سے لگا دی۔ وہ عیسائی سرائے والا جو عامر کو لارڈ پادری کا عزیز دار سمجھ کے اس کا تعارف وہ سرے لوگوں سے اس لئے کرا رہا تھا کہ اس کی سرائے میں

Marfat.com

پادری خاندان کا ایک فرد آ گیا تھا لیکن باہر سے پادری دکھائی دینے والا یہ سرائے کا مالک اصل میں اندر سے ایک سچا مسلمان تھا اور اس وقت وہ خدا کے ذوالجلال کی بارگاہ میں دست و دعا بلند کئے تھا اور اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے مندرجہ ذیل الفاظ ادا ہو رہے تھے---

"اے بارک تعالیٰ۔ تو عالم الغیب ہے۔ میں ایک بندہ ناچیز ہوں۔ تو میری کمزوریوں سے واقف ہے۔ دن بھر میں خود کو عیسائی ظاہر کرتا ہوں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو اور میں اس سرائے میں اس وقت تک موجود رہوں جب تک بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوتا۔ اس بھیس میں دن بھر میں تیری عبادت سے بظاہر غافل رہتا ہوں لیکن تو دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں عبادت کے لئے کس قدر بے چین رہتا ہوں۔ پھر جب رات بھیگتی ہے اور سب عالم خواب میں پہنچ جاتے ہیں تو میں تیرے حضور آتا ہوں۔ تو مالک و مختار ہے۔ میری کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف فرما اور مجھے اس مشکل فرض کی ادائیگی میں حوصلہ اور استقامت عطا فرما۔"

سرائے کے مالک نے ادھر دعا ختم کر کے منہ پر ہاتھ پھیرا اور ادھر عامر نے بے چین ہو کر دروازے پر دستک دی۔ سرائے کا مالک گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے چراغ گل کر دیا۔ اندر اندھیرا ہوا تو عامر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ اس کی اس اضطراری حرکت کا سرائے کے مالک پر کیا اثر ہوا ہو گا۔ وہ یہی سمجھا ہو گا کہ کسی دشمن پر اس کا راز کھل گیا ہے اور اب گرفتار کر کے اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ جس دم دروازے پر دستک ہوئی سرائے کے مالک کا آدھا دم تو اسی وقت نکل گیا۔ اس نے بجلی کی طرح لپک کر چراغ گل کیا اور ایک طرف سمٹ کے پڑ گیا۔ اسے یہ یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت آ پہنچا ہے اور کوئی دم میں دروازہ ٹوٹے گا اور مسلمان ہونے کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے گا۔

وہ علاقہ جس میں یہ سرائے واقع تھی' شاہ یروشلم کے زیر اثر تھا اور اس نے قرب و جوار میں اعلان کرا دیا تھا کہ اگر کسی نے کسی مسلمان کو اپنے گھر میں دکان یا سرائے میں پناہ دی تو اس مسلمان کے ساتھ ساتھ پناہ دینے والے کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ سرائے کا مالک اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا اور باہر کھڑا عامر کو اپنی غلطی پر افسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دیر

Marfat.com

مسلمان تھا مگر لڑکی نے اس سے شادی کے لئے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے۔ پہلے وہ عیسائی تھی۔"

"بہت خوب پھر تو میاں بیوی میں بڑی محبت ہو گی؟" علی احمد نے دلچسپی سے پوچھا۔

"صرف محبت ہی نہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔" عامر غزنی نے بتایا۔ "بھائی علی احمد تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں؟"

"ضرور بتاؤ بشرطیکہ مجھ پر اعتبار ہو۔" علی احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا چھوٹا بھائی جس کا نام میں نے گومز بتایا تھا وہ دراصل گومز نہیں ہے۔" عامر نے بتایا

علی احمد نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ گومز نہیں بلکہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔"

"وہ میرا بھائی بھی نہیں ہے۔۔۔" عامر نے زور دے کر انکار کیا۔

"پھر کون ہے وہ؟" علی احمد نے گھبرا کے پوچھا۔

"وہ میری بیوی ہے۔ اس کا نام زرتاج ہے۔" عامر نے انکشاف کیا۔

"اچھا یہ بات ہے۔" علی احمد خوش ہو گیا۔ "تو وہ اپنی بھابھی ہیں مگر بھابھی کیوں وہ تو اپنی بیٹی ہے۔ کیا نام بتایا تم نے؟"

"زرتاج۔" عامر نے دوبارہ نام بتایا۔

مزید گفتگو کے لئے دوسرا دن مقرر ہوا اور عامر واپس اپنی کوٹھری چلا گیا۔ وہاں سب لوگ پریشان بیٹھے تھے۔ زرتاج کو طرح طرح کے وسوسے ستا رہے تھے۔ مریم اور قاسم الحسین اسے تسلی دے رہے تھے۔ عامر کو دیکھ کے سب کی جان میں جان آئی۔

"عامر بھائی۔ تم سب کو چھوڑ کے کہاں چلے گئے تھے۔" قاسم بھائی نے فوراً سوال کیا۔

عامر نے بڑی مسرت سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ سرائے والا کوئی پہنچا ہوا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" قاسم نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہ ایک سچا مسلمان ہے اور ہمارا ہمدرد۔" عامر نے سب کو بتایا۔ "اس کا نام علی احمد ہے اور سلطان دمشق کی طرف سے اس ویرانے میں عسائیوں کی جاسوسی پر مقرر کیا گیا ہے۔"

اس کفرستان میں جہاں دور دور تک مسلمانوں کا پتہ نہیں۔" عامر نے اس کی تعریف کی۔ "بیچارہ عیسائی بنا آنے جانے والوں کی خدمت کرتا ہے اور اس طرح اپنے فرض کی ادائیگی کر رہا ہے۔"

Marfat.com

سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

عامر نے مزید انکشاف کیا۔ "مجھ سے ایک بار میرے آقا صلاح الدین نے بتایا تھا کہ شامی فوجیں مصر سے دوبارہ واپس ہوئی ہیں لیکن ہر مرتبہ جگہ جگہ شامی جاسوس مقرر کئے گئے تھے۔ علی احمد بھی ان میں سے ایک ہے۔"

"چلو یہ اچھا ہوا کہ ایک ساتھی مل گیا۔ اب تو ہم لوگ آسانی سے دمشق پہنچ جائیں گے۔" قاسم الحسین نے فوراً اپنے مطلب کی بات سوچی اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ کچھ دن کسی آرام کی جگہ رہنا چاہتا تھا۔ نئی شادی عامر کی بھی ہوئی تھی لیکن وہ اپنے علاوہ دوسروں کے بارے میں بھی سوچتا تھا۔ اسے اپنی بہن اور دو بھانجیوں کی بھی فکر تھی جن پر پتہ نہیں کیا گزری ہو گی ملک شاور کو جب معلوم ہو گا کہ زرتاج شادی کر کے عامر کے ساتھ چلی گئی ہے تو نہ جانے وہ کیا قیامت برپا کرے گا۔

عامر زرتاج کو لے کر جلد از جلد صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا چنانچہ اس نے علی احمد سے اپنے اور قاسم الحسین کے تمام حالات بے کم و کاست بیان کر دیئے۔ علی احمد کو یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ عامر اور قاسم الحسین شامی لشکر میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ عامر نے علی احمد سے یہ ملاقات تنہائی میں کی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عامر نے قاسم الحسین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا بلکہ عامر نے یہ قدم احتیاط کے طور پر اٹھایا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم الحسین بہت منہ پھٹ اور منہ زور ہے۔ کہیں وہ کسی بات پر علی احمد سے نہ الجھ پڑے اور اسے ایک مفید ہمدرد سے ہاتھ دھونا پڑھا۔

علی احمد نے بڑی مسرت سے کہا۔ "عامر تمہاری ملاقات میرے لئے خدا کی رحمت سے کم نہیں۔ مجھے ان علاقہ میں اس لئے چھوڑا گیا ہے تاکہ میں قاہرہ میں رونما ہونے والے واقعات سے دربار دمشق کو آگاہ کرتا رہوں۔ میں تمہیں دمشق جانے کا ایک سیدھا اور محفوظ راستہ بتاؤں گا۔ اس کے صلہ میں تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔"

عامر نے جواب دیا۔ "میں تمہارا کام دل و جاں سے کروں گا مگر کسی صلہ میں نہیں۔" دمشق کا راستہ بتا کر مجھ پر تم جو احسان کرو گے اس کا بھی قرض دار ہو گا۔"

"اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی۔" علی احمد مسکرایا۔ "اب یہ بتاؤ۔ تمہیں دمشق کب جانا ہے؟"

"جس در جلد ممکن ہو سکے۔" عامر نے جواب دیا۔ "میں نے آقا صلاح الدین سے وعدہ کیا تھا کہ پہلی منزل پر میں ان سے آملوں گا لیکن مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی۔ اب میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے جس قدر جلد بھجوا سکو اتنا ہی زیادہ احسان ہو گا۔"

Marfat.com

"احسان کا نام لے کر مجھے شرمندہ نہ کرو عامر۔" علی احمد نے بڑے خلوص سے کہا۔
"آج رات تم روانگی کے لئے تیار رہنا۔ میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ ایک منزل تک جائے گا وہاں سے راستہ بالکل سیدھا ہے اور تمہیں دمشق پہنچنے میں کوئی پریشانی نہ ہو گی۔"
"ٹھیک ہے میں تیار رہوں گا۔" عامر فوراً آمادہ ہو گیا۔
"کیا تم اکیلے جاؤ گے باقی لوگ یہیں رہیں گے؟۔" علی احمد نے حیرت کا اظہار کیا۔
"نہیں بھائی۔ ہم سب ساتھ ہی جائیں گے۔" عامر نے جواب دیا۔ "اس وقت میں قاسم کو اپنے ساتھ اس لئے نہیں لایا تھا کہ وہ بہت زیادہ باتونی ہے اور اسے بات کرنے کا بھی ڈھنگ نہیں۔"
"میں کسی کی بات کا برا نہیں مانا کرتا۔" علی احمد نے ہنس کے کہا۔ "پھر قاسم تو اپنا ہے۔ اپنا دوست ۔ ہم مسلک اور ہم مذہب۔"
عامر نے قاسم کو روانگی کی اطلاع دی وہ تو ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔ سب نے چپکے ہی چپکے شام تک تیاری کر لی۔ ان کی روانگی کا وقت نصف شب کے بعد مقرر ہوا تھا لیکن علی احمد روانگی سے ایک گھنٹہ قبل عامر کے پاس آ گیا۔
"حیرت کی ضرور نہیں۔" علی احمد نے اسے تسلی دی۔ "میں دراصل تمہیں وہ کام بتانے آیا ہوں جس کا ذکر میں نے کیا تھا۔"
"ضرور ----- ضرور ---- کہو میں گوش بر آواز ہوں ---" عامر سنبھل کے بیٹھ گیا۔
علی احمد نے کہنا شروع کیا۔ "دراصل شاہی قاصد دمشق سے ایک ماہ بعد آئے گا لیکن مصر کے حالات اس قدر تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں جن سے سپہ سالار شیرکوہ اور سلطان معظم کا آگاہ ہونا ضروری ہے۔"
"مصر کے حالات تبدیل ہو رہے ہیں!" عامر نے حیرانی سے علی احمد کو دیکھا۔ "مصر کے حالات کا چشم دید گواہ میں ہوں۔ میں سیدھا صعیدہ سے یہاں آ رہا ہوں۔ میں نے مصر کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ سپہ سالار شیرکوہ اور شاہ یروشلم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے شاہ یروشلم اور شامی فوجوں نے مصر خالی کر دیا۔"
عامر کے اس تبصرے کے دوران علی احمد مسکراتا رہا۔ عامر خاموش ہوا تو اس نے کہا۔
"عامر میں بحث نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ میرے اور تمہارے فرائض الگ الگ ہیں۔ تمہارا تعلق شامی لشکر سے ہے اور میرا تعلق ایک ایسے حساس محکمہ سے ہے جس کی اطلاع

Marfat.com

پر لشکر حرکت کرتے ہیں۔ بہرحال میں نہیں جو اطلاع فراہم کر رہا ہو تم اسے بجنسہ سپہ سالار افواج شام تک پہنچا دیا۔"

عامر اب تک اسے ایک معمولی سرائے والا سمجھتا تھا لیکن اس کے اس مدلل جواب سے عامر کا دماغ ٹھکانے آ گیا اور اس پر علی احمد کا ایسا رعب پڑا کہ وہ گھگیانے لگا۔ "ٹھیک میں پیغام دمشق پہنچتے ہی پہنچا دوں گا۔"

"سپہ سالار اعظم سے عرض کیجئے گا کہ ان کے خادم علی احمد کو یہ خبر ملی کہ شاہ یروشلم نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ مصر میں رکھا ہے اور اب وہ حکومت مصر سے ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کرانے کی کوشش میں ہے جس سے مصر پر یروشلم کا پورا اقتدار قائم ہو جائے گا اور مصر کے عوام' افواج' وزیر اعظم اور فاطمی خلیفہ سب کے سب ایمالرک شاہ یروشلم کے ماتحت ہو جائیں گے۔"

عامر اس خبر سے بد حواس ہو گیا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ مصر پر ایک بار یروشلم کا قبضہ ہو گیا تو پھر وہ یہ قبضہ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔"

"عامر---" علی احمد نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "ہمارا یا تمہارا یہ منصب نہیں کہ حکومت کے اہم معاملات پر تبصرہ کریں ہمیں صرف اپنے فرائض سے کام رکھنا چاہئے۔ تم یہ بھی سوچ رہے ہو گے کہ میری یہ اطلاع غلط ہے لیکن یہ بات بھی غلط ہے اس لئے کہ تمہارا تعلق لشکر سے ہے۔ تم میدان جنگ اسلحہ اور فتح و شکست کے بارے میں تو سوچ سکتے ہو لیکن یہ ہرگز نہ سمجھ سکو گے کہ دشمن ملک کی خبریں کس طرح حاصل کی جاتی ہیں اور انہیں کس تیزی سے اپنے ملک تک پہنچایا جاتا ہے۔ سپہ سالار نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ہر ماہ دمشق سے قاصد بھیج کر مجھ سے مصر کے پورے ماہ کی خبریں منگایا کریں گے لیکن اس وقت مصر کے حالات جس تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں ان سے سپہ سالار کا باخبر ہونا بہت ضروری ہے۔ میرے پاس اگرچہ دمشق بھیجنے کے لئے ایک آدمی موجود ہے لیکن تم بھی میرے لئے اتنے ہی قابل اعتماد ہو جتنا کہ وہ ہے اس لئے میں اسے اپنے پاس رکھ کے تم سے یہ کام لے رہا ہوں۔"

عامر نے اس سے اور کوئی سوال نہ کیا۔ اسے علم ہو گیا کہ وہ لوگ جنہیں ہم جاسوس کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ دراصل کس قدر ذہین اور معاملہ فہم ہوتے ہیں۔ علی احمد نے چاروں کے لئے گھوڑوں کا انتظام کر دیا تھا۔ نصف شب کے بعد عامر زرتاج اور قاسم مریم سرائے سے نکلے سرائے کے چھوٹے دروازے کے باہر علی احمد موجود تھا ان کے ساتھ جانے کے لئے ایک آدمی اور گھوڑے تیار تھے۔ عامر اور قاسم اپنے دوست علی احمد سے

Marfat.com

گئے لے اور دیر سے نکلنے والے چاند کی روشنی میں اپنے اگلے سفر پر روانہ ہوئے۔

یروشلم کے شاہ ایمالرک اور شامی سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کی بنیادی شرط یہ تھی کہ یروشلم اور شام کی افواج مصر کو خالی کر کے اپنے اپنے ملکوں کو واپس ہو جائیں گی۔ اس شرط پر شیرکوہ نے عمل کیا اور اپنی فوج کو مصر سے صحیح سلامت نکال لے گیا لیکن شاہ یروشلم نے اپنی فوجوں کو مصر سے نکالنے کے عمل کو تعطل میں ڈال دیا۔ یروشلم کی عیسائی فوجیں۔ قاہرہ اور فسطاط موجود تھیں اور شیرکوہ کی واپسی کے بعد بھی موجود رہیں۔ انہیں مصر سے نکالنے یا معاہدہ کی شرط پر عمل کرانے کی کس میں ہمت تھی۔ یہ معاہدہ شیرکوہ اور شاہ ایمالرک کے درمیان ہوا تھا۔ شاور کو اس معاہدے میں فریق نہیں بنایا گیا تھا اس لئے وہ اعتراض کیسے کرتا اور اس کی طاقت ہی کیا تھی کہ اعتراض کر سکتا۔

شاور یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ شامی اور یروشلم کی فوجوں کی واپسی کے بعد حسب سابق پھر اس کا طوطی بولنے لگا لیکن اس کا یہ خیال خام ثابت ہوا اور اس کے سنہرے خواب بکھر کر رہ گئے۔ شامی فوجیں مصر خالی کر کے جا چکی تھیں لیکن شاہ یروشلم نے قاہرہ و فسطاط سے اپنی فوجوں کی واپسی کا کوئی حکم نہ دیا تھا۔ شاور اس صورت حال سے سخت پریشان تھا۔ ایک شام اس نے اپنے سرداروں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ اس کی اپنی یہ رائے تھی کہ شاہ یروشلم سے ملاقات کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ عیسائی فوجیں مصری علاقہ کب خالی کریں گی۔ اس کی اس رائے کی اس کے سرداروں نے شدید مخالفت کی۔

ایک سردار نے جو مصری افواج میں کلیدی منصب پر تھا، شاور سے براہ راست سوال کیا۔ "کیا وزارت مآب اس بات کی وضاحت فرمائیں گے کہ عیسائی فوج کو مصر میں کس نے بلایا تھا؟"

"ہم نے نہیں بلایا۔" شاور نے تلخی سے جواب دیا۔

"جس وقت عیسائی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں اس وقت کیا مصری فوجوں نے انہیں روکا تھا؟"

سوال کرنے والے سردار کا لہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔

"نہیں روکا تھا۔" شاور تلخ لہجے میں بولا۔ —— "تم نہیں سمجھتے کہ ان پرانی باتوں کا اس وقت کیوں ذکر کیا جا رہا ہے۔ عیسائی فوجوں کی واپسی کا ان سے کیا تعلق ہے۔"

Marfat.com

"اس کا بحث تعلق ہے وزارت مآب ـــــ" سردار نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "جب عیسائی فوجیں اپنی مرضی سے مصر میں آئیں اور ان کے داخلے کے وقت کوئی مزاحمت نہیں کی گئی تو پھر اس وقت شاہ ایمالرک سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ مصر سے اپنی فوج فوراً نکال لے کہاں کا انصاف ہے کیا عیسائی فوجوں نے شامیوں کو مصر خالی کرنے پر مجبور نہیں کیا؟"

"یہاں اس وقت یہ سوال نہیں کہ عیسائی فوجیں کیوں اور کس حالت میں مصر میں داخل ہوئیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ عیسائی فوجیں ہماری سرزمین سے کب واپس جائیں گی۔" ملک شاور وزیر اعظم مصر کو سردار کی بات پر غصہ آگیا۔ "مجھے صرف اس بات کا جواب دیا جائے کہ کیا میں شاہ ایمالرک سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ اپنی فوج مصری سرزمین سے فوراً نکال لے جائے اور اگر وہ انکار کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

پہلے سردار نے تو جواب نہ دیا لیکن ایک اور سردار کھڑا ہو گیا۔ "وزارت مآب ہماری وفاداریاں مصری تخت و تاج سے وابستہ ہیں' لیکن ہمیں اپنی طاقت کا بھی اندازہ رکھنا چاہئے ہمارا حال تو یہ ہے کہ شامی فوجیں مصر میں داخل ہو کر جنوبی مصر تک پہنچ گئیں اور دارالوزارت کو اس کی اطلاع تک نہ ہوئی۔ اس طرح عیسائی فوجیں دندناتی ہوئی مصر میں آ گئیں۔ ان سے کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہیں اور انہیں ایک آزاد سلطنت میں داخل ہونے کی کیسے جرأت ہوئی جب حکومت کا یہ حال ہو تو یہ سوچنا کہ عیسائی فوجوں نے اگر مصر سے واپس جانے سے انکار کر دیا تو ہم کیا کریں گے ایسی باتیں ـــــــ"

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک غلام نے حاضر ہو کر شاہ ایمالرک کے قاصد کے آنے کی اطلاع دی۔

ملک شاور نے بڑی تمکنت سے کہا۔ "قاصد سے کہہ دو کہ ہم ایک اہم موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ فارغ ہوتے ہی اسے طلب کیا جائے گا۔"

سرداروں کو اس کی یہ تمکنت جو غرور کی حدوں تک پہنچا ہوا تھا' بالکل پسند نہ آئی۔ ایک سردار نے فوراً دخل دیا۔ "میں وزارت مآب سے درخواست کرتا ہوں کہ مصلحت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ شاہ یروشلم کی طاقت بھی ہم سے بڑی ہے اور ہمیں اس کی ضرورت بھی ہے۔ قاصد کو طلب کر کے پہلے شاہ کا پیغام سنا جائے۔ ہماری گفتگو تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔"

ملک شاور کو سردار کا دخل در معقولات پسند تو نہ آیا لیکن مصلحت نے اسے مجبور کر

Marfat.com

دیا۔ "شاہ نے یقیناً ہمیں اس لئے بلاوا بھیجا ہے کہ ہم اس سے عیسائی لشکر کی واپسی کے پروگرام پر بات چیت کریں۔ اگرچہ یہ کوئی زیادہ اہم بات نہیں لیکن ہم اپنے سرداروں کی درخواست قبول کرتے ہوئے قاصد کو حاضری کی اجازت دیتے ہیں۔"

یہ کہہ کے اس نے غلام کی طرف دیکھا۔ غلام اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ سلام کر کے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد غلام قاصد کو لئے پھر آیا۔ قاصد نے وزیر اعظم کو جھک کے سلام کیا۔ ملک شاور نے اسے پہچان لیا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار شاہ کا پیغام لے کر آ چکا تھا۔

"بیان کرو قاصد —— شاہ کے مزاج بخیر ہیں۔" ملک شاور نے بڑی شان سے کہا۔

قاصد نے جواب دیا۔ "شاہ معظم بالکل خیریت سے ہیں۔ انہوں نے پیغام دیا ہے کہ مصر کے وزیر اعظم اسی وقت ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں۔"

ملک شاور نے اپنی شان برقرار رکھنے کے لئے تھوڑا توقف کیا جیسے کچھ سوچ رہا ہو پھر بولا —— "شاہ کے پیغام کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ ہم ابھی ان کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں۔"

"محترم وزیر اعظم ——" قاصد نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاہ کا حکم ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر واپس جاؤں۔ اگر میں تنہا واپس گیا تو یہ بات شاہ کے مزاج کو مکدر کر دیئے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ طیش میں آ جائیں۔ میں ان کے طیش سے بہت خوف کھاتا ہوں وزیر اعظم ——"

وزارت ماب ملک شاور کا مصر پر ان دو یلغاروں کے دوران جو حال ہوا وہ تو اس کا دل ہی جانتا ہو گا لیکن اس کی جھوٹی شان و شوکت اور دبدبے میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ شامی سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ ہو یا یروشلم کا بادشاہ ایمالرک' جب بھی ملک شاور ان سے ملنے جاتا تو اپنی پوری شان برقرار رکھنے کی کوشش کرتا۔ اس کی سواری بادشاہوں کی طرح جلوس کی صورت میں نکلتی۔ حکم ہوتے ہی اس کے کوچ کا انتظام کیا گیا۔ ملک شاور کو خلیفہ عاضد نے کئی خلعتیں عطا کی تھیں ملک شاور خاص خاص موقعوں پر یہ خلعتیں پہنا کرتا تھا۔ اس نے ایک بھاری خلعت زیب تن کی۔ ایک مرصع و مسجع گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کے دونوں طرف مسلح دستے چل رہے تھے۔ آگے آگے جھنڈے نقارنے اور بوق دقرنا ایک عجیب شان سے اس کی سواری دارالوزات سے نکلی۔ لوگ اس جلوس کو عقیدت کے بجائے نفرت سے دیکھتے۔

اس دھوم دھڑکے سے ملک شاور کی سواری قاہرہ کے باہر اس میدان میں پہنچی جہاں

Marfat.com

شاہ ایمالرک اپنا لشکر لئے پڑاؤ کئے ہوا تھا۔ شاہ ایمالرک اور اس کے سرداروں کو ملک شاور کے جھوٹے وقار کا یہ مظاہرہ بالکل پسند نہ آیا۔ عیسائی سرداروں کے منہ بن گئے اور تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ شاہ ایمالرک کا دربار ایک بلند و بالا خیمے کے باہر قالینوں کے فرش پر لگا ہوا تھا۔ شاہ کے محافظ دستے نے ملک شاور کا جلوس خیمے سے کافی دور روک دیا اور ملک شاور سے درخواست کی کہ وہ گھوڑے سے اتر کر شاہ ایمالرک کے پاس جائے۔ ملک شاور کو یہ درخواست جو دراصل حکم کا درجہ رکھتا تھا بہت ناگوار گزری مگر وہ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ محافظ دستے کے سردار کو فوراً قتل کرا دے مگر وہ کسے حکم دیتا اور اس کا حکم کون مانتا۔ اس کے ساتھ آنے والے سواروں کو پہلے روک کر انہیں غیر مسلح کر دیا گیا تھا۔

شاہ ایمالرک نے ملک شاور کی اتنی عزت افزائی ضرور کی کہ اس کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ملک شاور کے بیٹھنے کے لئے ایک کرسی لگا کر رکھ دی گئی۔

ملک شاور نے شاہ کے قریب پہنچ کر ذرا سا خم ہو کے اسے سلام کیا۔ شاہ نے جواب دینے کی بجائے بڑی بے اعتنائی سے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ملک شاور ٹھیک سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ شاہ یروشلم کی گرجدار آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی۔ "ملک شاور۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت تم کس کے سامنے ہو؟"

"جی شاہ معظم ۔" ملک شاور نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ "مجھے معلوم ہے کہ میں اس وقت شاہ یروشلم کے سامنے موجود ہوں۔"

"اور تم کون ہو ملک شاور؟" شاہ نے دوسرا سوال کر کے اسے بوکھلا دیا۔

"جی۔ میں۔ میں مصر کا مرد آہن' وزارت ماب ملک شاور ہوں۔" ملک شاور نے ہکلا کر جواب دیا۔

"تم کس پر رعب ڈالنا چاہتے ہو؟"

"کسی پر نہیں۔ میں نے کسی پر رعب ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔" ملک شاور لجاجت سے بولا۔

"پھر یہ ڈھول تاشے پیٹتے کیوں آئے ہو؟" شاہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"یہ شان و شوکت اور طنطنہ تو وزیراعظم مصر کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔" ملک شاور نے فخر سے کہا۔

"خبردار۔ اب ہمارے سامنے اس طرح ناچتے گاتے ہرگز نہ آنا۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو۔" شاہ نے رعب دکھایا۔

Marfat.com

"باندھ لیا شاہ معظم۔ آئندہ احتیاط ہوگی۔" ملک شاور نے جزبز ہو کر جواب دیا۔

شاہ ایمارک نے چہرے پر سنجیدگی پیدا کی۔ "ہم نے کچھ دن پہلے تم سے ایک معاہدے کا ذکر کیا تھا۔ تمہیں یاد ہے؟"

"خوب یاد ہے شاہ عالی مقام۔" ملک شاور نے اقبال کیا۔

"معاہدہ کی کیا شرائط تھیں؟" شاہ نے اس طرح پوچھا جیسے شرطیں ملک شاور نے پیش کی ہوں۔

ملک شاور نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "شاہ نے چار شرطوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔"

"شرطیں بیان کی جائیں؟" شاہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

ملک شاور نے چند لمحے سوچا پر بولا ــــ "عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔"

"دوسری شرط؟" شاہ نے ملک شاور کو گھور کر دیکھا۔

"سلطنت یروشلم کی طرف سے ایک سیاسی ناظم قاہرہ میں رہے گا۔" ملک شاور کا گلا خشک ہو رہا تھا۔

"تیسری شرط بیان کی جائے۔" شاہ نے شاہانہ سطوت سے کہا۔

ملک شاور نے ذہن پر زور دے کر کہا۔ "تیسر شرط یہ تھی کہ شہرپناہ کے دروازوں پر یروشلم کے لشکری پہرہ دیں گے تاکہ دمشق کے سلطان کا لشکر قاہرہ میں داخل نہ ہوسکے۔"

"چوتھی اور آخری شرط بھی بیان کردو ملک شاور ــ۔" شاہ کی آنکھوں میں شرارت کھیل رہی تھی آخری شرط کچھ یوں تھی کہ اس کارکردگی کے صلہ میں حکومت مصر ایک لاکھ دینار سالانہ حکومت یروشلم کو ادا کیا کرے گی۔" ملک شاور کو پسینہ آگیا تھا۔

"شاباش ملک شاور ــ۔" شاہ یروشلم ہنس دیا۔ "تم میں اور کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن تمہاری یاداشت بہت مضبوط ہے اگر یہ معاہدہ تکمیل کو پہنچ گیا تو ہم تمہاری وزارت پر غور کریں گے ورنہ تمہاری وزارت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔"

ملک شاور کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"شاہ معظم" ملک شاور کے حلق میں الفاظ اٹک رہے تھے۔ "میں نے اس معاہدہ کو پہلے بھی تسلیم کیا تھا اور اس وقت بھی اسے تسلیم کرتا ہوں۔"

"تمہارے تسلیم یا انکار کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔" شاہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "یاد رکھو یہ معاہدہ تم سے نہیں ہوگا۔"

جی ــ۔ میں سمجھا نہیں شاہ معظم؟" ملک شاور کا پورا وجود ہل کے رہ گیا۔

Marfat.com

نہیں سمجھے تو سمجھ لو کہ یہ معاہدہ ہمارے اور تمہارے خلیفہ کے درمیان طے پائے گا۔ تم اس میں فریق نہیں بن سکتے اس لئے کہ تم انتہائی ناقابل اعتماد اور احسان فراموش آدمی ہو۔۶" شاہ نے صاف الفاظ میں ملک شاور کی حقیقت بیان کردی۔

"مگر میں ـــــ میرا کیا بنے گا اے شاہ یروشلم۔" ملک شاور بدحواس ہوگیا۔

"گھبراؤ نہیں ملک شاور۔ ہم تمہیں بالکل نظرانداز نہیں کریں گے۔" شاہ نے ملک شاور کو ایک جھٹکا دے کر فوراً تسلی دی۔ "تم اپنے خلیفہ کے سامنے اس معاہدے کی ضرورت اور اہمیت بیان کرو گے پھر اگر خلیفہ نے اس معاہدے کو منظور کرلیا تو ہم وزارت عظمٰی کے عہدے پر تمہیں پھر سے فائز کریں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ بالکل شاہ معظم۔ میں معاہدے کو خلیفہ محترم سے بھی تسلیم کرا دوں گا۔" ملک شاور نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری وزارت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔" شاہ نے ہنس کے اس کی وزارت کی ضمانت دیدی۔

حریم خلافت میں صرف چیدہ چیدہ اور وہ بھی کبھی کبھی عمائدین اور اکابرین سلطنت بازیابی کی اجازت پاتے تھے۔ کسی غیر ملکی کا قصر خلافت میں داخلے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن شاہ ایمارک نے اپنی طرف سے سفارت کے لئے ہیوف آف قباریہ اور ٹمپلر جیوفری فلچر کو نامزد کیا اور ملک شاور کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں عیسائیوں کو خلیفہ کے سامنے پیش کر کے معاہدہ پر ان کی منظوری حاصل کرے۔ کسی غیر ملکی کا قصر خلافت میں داخلہ ایک عجیب سی بات تھی لیکن اس پر ملک شاور کی وزارت کا دارومدار تھا اس لئے اس نے خلیفہ کی خوشامد درآمد کر کے اجازت حاصل کرلی۔

تاریخ مقررہ پر دونوں عیسائی نائٹ وزیراعظم مصر ملک شاور کی رہنمائی میں تمام مشرقی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے محل میں داخل ہوئے پھر دروازوں اور برآمدوں سے گزر کر وہ ایک وسیع صحن میں پہنچے۔ اس جگہ شمشیرزن سوڈانی پہرہ داروں نے انہیں سلامی دی۔ اس صحن کے اردگرد سنگ مرمر کے ستونوں پر محرابیں لگی ہوئی تھیں۔ چوبیں چھتیں سونے سے مرصع اور مختلف رنگوں سے مزین تھیں۔ فرش پر پچی کاری کا کام تھا۔ ہیو اور جیوفری دونوں نائٹ تھے انہوں نے یہ شان و شوکت اور آرائش و زیبائش کہاں دیکھی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتے اور محو حرکت رہ جاتے تھے۔ انہیں یہاں سنگ مرمر کے فوارے اور قسم قسم کے رنگ برنگے پرندے دکھائی دیئے۔ ایسے پرندوں کا مغربی ممالک میں نام تک نہ ہوتا تھا۔

Marfat.com

ایک نفیس اور خوشنما ہال میں انواع و اقسام کے پرندے دکھائی دیے جنہیں مصور کا دست جادو اثر ہی بنا سکتا تھا یا پھر کسی شاعر کا تصور اختراع کر سکتا تھا یا اسے پھر اس کا تصور کیا جا سکتا اور عالم خواب میں ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس ہال میں ایسے ایسے نوادر سجے ہوئے تھے جو صرف مشرق اور جنوب ہی میں پیدا ہوتے تھے اور مغرب ان سے یکسر محروم تھا۔ پھر وہ بہت سی بھل بھلیوں سے گزر کر اس ہال میں پہنچے جہاں تخت شاہی تھا۔ خدام اور حاشیہ بردار زرق برق لباس میں ادب سے کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کے خلیفہ کی شان و شوکت کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

یہاں وزیراعظم ملک شاور نے اپنی کمر سے تین بار تلوار کھولی اور زین تک جھک کے آداب بجا لایا۔ اس وقت سونے اور موتیوں سے مرصع چلمن یکایک ہٹ گئی اور ایک خالص سونے کے تخت پر شاہانہ لباس زیب تن کئے فاطمی خلیفہ العاضد جلوہ افروز نظر آیا۔ وزیر اعظم نے بصد ادب و احترام دونوں عیسائی سرداروں کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا۔

"امیر المومنین۔ ہیو آف بعاریہ اور ٹمپلر جیوفری فلچر ہمارے حلیف ایمالرک شاہ یروشلم کی سفارت کی حیثیت سے دربار عالی میں حاضر ہوئے ہیں۔" ملک شاور دبی آواز میں ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہا تھا۔ "شاہ ایمالرک نے شامی لشکر کے خلاف دو مرتبہ ہماری مدد کی ہے اور انہیں مصر چھوڑنے پر مجبور کیا ہے چونکہ مصر کو اب بھی سلطان دمشق کی فوج کشی کا خطرہ ہے اس لئے وہ اس معاہدے کے تحت ہمارے ہمیشہ کے لئے دوست اور حلیف بننا چاہتے ہیں۔"

اس کے بعد ملک شاور نے معاہدے کی تفصیلات بیان یں۔ خلیفہ سر جھکائے سنتا رہا کسی کی وقت ایک نظر ملک شاور یا ہیو اور ہیوفری پر ڈال لیا کرتا تھا۔ فاطمی خلیفہ کا نام عبد اللہ بن یوسف بن حافظ الدین اللہ اور لقب عاضد الدین اللہ تھا۔ وہ گندمی رنگ کا ایک خوبصورت نوجوان تھا اور بچپن سے نکل کے جوانی میں پہلا قدم رکھ رہا تھا۔ مسلسل بیماری کی وجہ سے اس کا خوبصورت چہرہ مضمحل ہو رہا تھا پھر بھی اس میں ایک شاہانہ وقار جھلکتا تھا۔

ملک شاور کی عاجزانہ گزارش اور معاہدہ کی تفصیل سننے کے بعد خلیفہ نے پورے شاہانہ وقار کے ساتھ فرمایا۔ "ہم اپنے حلیف اور دوست ے معاہدے کی توثیق کرتے ہیں۔"

ہیو آف تبدیہ نے اس کے جواب میں کہا۔ "ہم دونوں ایمالرک شاہ یروشلم کی طرف سے قابل احترام خلیفہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ خلیفہ محترم اظہار

Marfat.com

وفاداری کے ثبوت میں اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھائیں گے۔" اس کے ساتھ ہی سرہیو اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

فاطمی دربار میں یہ ایک بڑی گستاخی تھی کہ کوئی شخص اس سے مصافحہ کی درخواست کرے۔ درباریوں کے چہرے متغیر اور ملک شاور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے درباریوں کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو ڈرا کہ کوئی دم میں پورا معاملہ درہم برہم ہو جائے گا اور کیا پتہ کہ ان سفیروں کا کیا حشر ہو۔ اس وقت خلیفہ نے کمال متانت اور بردباری کا ثبوت دیا اوور اپنا دایاں ہاتھ سرہیو کی طرف بڑھا دیا۔

سرہیو نے خوش ہو کر خلیفہ سے ہاتھ ملانا چاہا مگر جب اس کی نظر خلیفہ کے ہاتھ پر پڑی تو اس نے اپنا آگے بڑھا ہوا ہاتھ ذرا سا پیچھے کھینچ لیا۔ خلیفہ کے ہاتھوں پر دستانے چڑھے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر سرہیو چونکا تھا۔ آخر اس نے اس کا اظہار کر ہی دیا۔

"عالی مقام خلیفہ محترم۔ شاہوں اور خلیفاؤں کی نیک نیتی اور صداقت بے لاگ ہوا کرتی ہے ان کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتا۔ یہ باریک دستانہ خلیفہ محترم کی صداقت میں کیوں حائل ہو رہا ہے؟"

درباریوں کی تیوریاں ایک بار پھر چڑھ گئیں اور یوں معلوم ہوا جیسے اب کچھ ہو جائے گا لیکن خلیفہ نے اس موقعہ پر بھی تدبر کا ثبوت دیا۔ اس نے ایک زہر خند کے ساتھ دستانہ اتارا اور ہاتھ سرہیو کی طرف بڑھایا۔ سرہیو نے بڑے ادب سے خلیفہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ سے دبایا۔ خلیفہ نے ایک بار پھر عہد نامہ کی توثیق کا زبان سے اعلان کیا۔ مغربی مورخ اسٹیلے لین پول نے اس جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفہ نے قسم کھا کر عہد نامہ کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ یہ بات محل نظر ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوا اس کا ذمہ دار ملک شاور تھا جسے سوائے اپنے مفاد کے اور کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ اس معاہدہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ملک شاور اور اس کے حواریوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مصر پر عیسائیوں کا قبضہ تو منظور کرتے تھے لیکن انہیں مصر پر سلطان بغداد کا قبضہ کسی صورت گوارہ نہ تھا۔

ضمیر فروش ملک شاور کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن وہ دل میں خوش تھا کہ معاہدہ کی توثیق ہو گئی اور اس کے اس عمل سے اس کی وزارت ایک بار پھر بچ گئی لیکن فاطمی خلیفہ کے چہرے پر اضطرابی کیفیت تھی۔ وہ معاہدے کی منظوری اور توثیق کے بعد بھی مطمئن نظر نہ آتا تھا اور اس کے چہرے کی پیلی رنگت کی تہہ میں ایک طرح کا کرب کروٹیں لے رہا تھا۔ فاطمی خلیفہ کا کرب اور اضطراب بجا تھا۔ عیسائی بادشاہ نے ان سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ قاہرہ میں نصرانی لشکر کا قیام شہرپناہ کے دروازوں پر نصرانی پہرہ' قاہرہ میں بھی نصرانی مشیر کی

Marfat.com

موجودگی اور پھر اسے حسن کارکردگی کا نام دے کر مصر کی قسمت میں ایک لاکھ دینار سرخ کا خراج لکھا جانا ایسا نہ تھا جس کی کسک خلیفہ نے نہ محسوس کی ہو۔ اس معاہدہ کے عام ہوتے ہی عوام اور خواص میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ پھر لطف یہ کہ نصرانی سردار اس معاہدے کو کوئی وقعت نہ دے رہے تھے۔

نصرانی لشکر میں بے چینی کے آثار پیدا ہوئے تو شاہ ایمالرک بہت پریشان ہوا۔ بعض سرکردہ نائٹ کھلم کھلا اس معاہدے کی مخالفت کر رہے تھے۔ شاہ یروشلم نے مجبور ہو کے ایک اعلیٰ درجہ کی مجلس شورت منعقد کی جس میں مصر میں تغیرات نصرانی فوجوں کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ سردار اور نائٹ چہرے اور زبان سے بڑے بر افروختہ معلوم ہوتے تھے۔ شاہ ایمالرک نے انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا۔ "مصر پر ہم پوری طرح قابض ہو چکے ہیں۔ قاہرہ میں ہمارا سیاسی مشیر موجود ہے' شہر کے دروازوں پر ہمارے لشکریوں کا پہرہ ہے۔ قاہرہ کے اندر اور باہر ہماری فوج پھیلی ہوئی ہے۔ اس قبضے کے بعد ہمارا دوسرا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی شمالی سرحدوں کو مضبوط کریں۔ دمشق سے ہماری سرحدوں کو شدید خطرہ ہے۔ نور الدین کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس کے تدارک کے لئے ہمیں اس سے فیصلہ کن جنگ کرنا ہو گی۔"

ایک سردار جس کے تیور کچھ زیادہ ہی بگڑے تھے اس نے بے دھڑک کہا۔ "شاہ کو شمالی سرحدوں کی فکر ہے اور میں جنوب میں خطرے کے بادل اڈتے دیکھ رہا ہوں۔ نئے معاہدے میں سب باتیں تو موجود ہیں لیکن اس غدار وزیر اعظم کا کوئی تدارک نہیں کیا گیا جو ہمیشہ دہری چال چلتا ہے۔ ایک طرف تو وہ ہمیں بیوقوف بناتا ہے اور دوسری طرف دمشق کے سلطان سے ساز باز کرتا ہے۔"

شاہ ایمالرک کو اس کا اکھڑ لہجہ بہت ناگوار گزرا۔ اس نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے وفادار ایک بیوقوف آدمی سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں۔ ملک شاور کو صرف خود کو وزیر اعظم مصر کہلانے کا شوق ہے اور وہ قاہرہ کی دارالوزارت میں رہنے کا خواہشمند ہے۔ اس کے تمام اختیارات سلب کئے جا چکے ہیں۔ مصر پر ہمارا مکمل قبضہ ہے پھر مصریوں کو خوامخواہ چھیڑنا کہاں کی عقلمندی ہے؟۔"

سرہیو نے درباریوں کے بگڑے تیور دیکھے تو فوراً دخل دیا۔ "شاہ یروشلم جو فرما رہے ہیں وہ بھی درست ہے لیکن سردار ان فوج مصر کی طرف سے جو غیر یقینی کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں اس پر بھی توجہ دینی چاہئے۔ میرا خیال ہے شاہ یروشلم اور وفادار سردار دونوں ہی مصر پر مکمل قبضہ چاہتے ہیں تاکہ آئندہ کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس کی ایک بہترین

Marfat.com

صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ملک شاور کو وزارت سے معزول کر دیا جائے۔"

ایک نائٹ نے بھرپور لہجے میں کہا۔ "سرہیو نے درست فرمایا۔ مصر کے لئے ہم نے بہت خون دیا ہے۔ مصر دراصل ہمارے لئے ایک ناسور بن گیا ہے جس کا فوری خاتمہ بہت ضروری ہے۔"

شاہ ایمالرک کو شائد غصہ آگیا اس نے تیز آواز میں کہا۔ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مصر پر قبضے سے کیا مراد ہے۔ قاہرہ اور فسطاط میں ہماری فوج موجود ہے۔ شہر پناہ پر ہمارا قبضہ ہے۔ ہمارے سیاسی مشیر سے مشورے کے بغیر ملک شاور ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔ قبضہ اور کس چیز کو کہتے ہیں۔ ہر چیز پر تو ہمارا قبضہ ہے۔"

سرہیو نے پھر دخل دیا۔ اس نے سرداروں اور نائٹوں کی باتیں سن رکھی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر شاہ یروشلم نے نائٹوں کی بات نہ مانی تو حالات دگرگوں ہو سکتے ہیں۔

"شاہ محترم۔" سرہیو نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "ہمارے بہادر سرداروں اور نائٹوں نے مصر کے لئے بہت خون بہایا ہے اس لئے وہ مصر پر مکمل قبضے کے خواہشمند ہیں۔ ایسا قبضہ جس میں مصر کے کسی شخص کا کوئی دخل نہ ہو۔"

"اگر سرداروں کی یہی خواہش ہے تو پوری کر دی جائے گی۔" شاہ ایمالرک نے غصے سے جواب دیا لیکن خاموش دریا کی لہروں میں تلاطم پیدا کرنے سے الٹا اثر بھی ہو سکتا ہے۔"

ایک نائٹ سے اس کا صاف الفاظ میں جواب دیا ــــــ "شاہ محترم نے ہمیشہ تلوار کے زور پر حکومت کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ مصر پر بھی طاقت کے زور پر بھرپور حملہ کر کے قبضہ کیا جائے اور تلوار کی زبان سے مصریوں کو بتایا جائے کہ وہ شاہ یروشلم کے غلام ہیں اور انہیں غلاموں کی طرح رہنا ہو گا۔"

شاہ یروشلم کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے لشکریوں کی ضد کو تسلیم کرے اور پرامن مصریوں کو ایک آفت ناگہانی سے دوچار کر دے۔ یروشلم میں ہونے والا یہ فیصلہ شیرکوہ اور شاہ یروشلم کے درمیان ہونے والے معاہدے کے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا۔ اس دوران میں نصرانیوں نے مصریوں پر خوب مشق ستم کی تھی۔ شہر پناہ کے دروازوں پر نصرانیوں کا قبضہ تھا۔ وہ ہر آنے جانے والے کی تلاشی لیتے اور اسے اس قدر پریشان کرتے کہ وہ پہرہ داروں کو رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا۔ اس سے ایک طرف تو رشوت کا بازار گرم ہوا اور دوسری طرف قاہرہ میں مقیم نصرانی لشکریوں نے شہر میں لوٹ مچا دی۔ وہ جس دکان سے جو چیز چاہتے اپنے باپ کا مال سمجھ اٹھا لے جاتے۔ نصرانیوں کی اس

Marfat.com

لوٹ مار سے مصری چند ہی دنوں میں تنگ آ گئے۔ دارالوزارت پر ہر دم فریادیوں کا ہجوم اکٹھا رہتا۔ ملک شاور کے علاوہ اس لوٹ مار اور ظلم کی داستانیں فاطمی خلیفہ تک پہنچ گئی تھیں۔ اسے عوام سے اگرچہ کوئی ہمدردی یا واسطہ نہ تھا لیکن اس دفعہ اس نے اسرائیلوں اور مصریوں کے معاہدے کی توثیق اور تصدیق کی تھی اس لئے وہ ظلم و زیادتی کا ذمہ دار خود کو سمجھتا تھا۔ اس نے ملک شاور کو مصر خلافت میں طلب کر کے سخت باز پرس کی۔ ملک شاور مصر میں نصرانی سیاسی مشیر کے پاس گیا اور وہاں بہت رویا گایا لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

اب ملک شاور کی بھی آنکھیں کھلیں۔ اس نے وزارت تو بچا لی تھی لیکن پورا مصر اس کے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ جگہ جگہ لوٹ مار اور دنگا فساد ہو رہا تھا۔ مصری عوام بغاوت پر آمادہ ہو رہے تھے اور انہوں نے اسرائیلی فوجیوں پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ یہی وہ وقت تھا نصرانی نائٹوں اور سرداروں نے مصر پر پورے تسلط کا مطالبہ کیا اور شاہ یروشلم کو ان کے اس مطالبہ پر گھٹنے ٹیکنا پڑے۔

ایک افواہ یہ بھی گردش کر رہی تھی کہ ملک شاور نے دمشق سے رابطہ قائم کر لیا ہے اور بہت جلد شامی لشکر مصر کی جانب روانہ ہونے والا ہے۔ جب اس سلسلے میں ملک شاور سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ صاف انکار کر گیا حالانکہ اس نے شیرکوہ کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی اور شامی فوج کو مصر آنے کی دعوت دی تھی لیکن شیرکوہ نے سلطان دمشق کے حکم کے مطابق ملک شاور کی کوئی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ایک بیان کے مطابق فاطمی خلیفہ عاضد نے بھی ایک خط کے ذریعہ سلطان سے مدد کی درخواست کی تھی لیکن سلطان اس درخواست کو ٹال گیا تھا۔

مصر پر نصرانی قبضہ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ شاہ یروشلم بھی اس بات پر راضی ہو گیا کہ اس روز روز کی لڑائیوں سے یہی بہتر ہے کہ لڑائی کی جڑ یعنی مصر کی حکومت کا ہی خاتمہ کر دیا جائے اور اس وسیع اور زرخیز خطہ ارض کو سلطنت یروشلم میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ مصر پر یروشلم کے قبضے سے ممکن ہے سلطان دمشق کو طیش آئے اور وہ مصر کو بچانے کے لئے لشکر بھیجے۔ اس کے لئے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مصر پر اس قدر زبردست حملہ کرے اور ایسی تباہی مچائے کہ لوگ خوف و دہشت سے کانپ اٹھیں اور وہ دمشق کی طرف دیکھنے کی بجائے یروشلم کے شاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔

ملک شاور جو اس تمام تباہی اور بربادی کا ذمہ دار تھا وہ اس وقت بھی دوغلی چالیں چل

Marfat.com

رہا تھا۔ ایک طرف تو اس کا رابطہ شاہ ایمالرک سے قائم تھا دوسری طرف اس کے قاصدوں کا دمشق تک تانتا بندھا تھا۔ وہ شیر کوہ اور سلطان دمشق کو برابر یہی پیغام بھیج رہا تھا کہ اگر مصر کی فوجی مدد نہیں کی گئی تو نصرانیوں کا مصر پر قبضہ ہو جائے گا لیکن ملک شاور نے مصر پر دو حملوں کے دوران اپنا اعتبار کھو دیا تھا اس لئے شیر کوہ اور سلطان دمشق نے ملک شاور کی فریادوں کی طرف بالکل کان بند کر لئے تھے۔ بلاشبہ ملک شاور کی فریاد میں حقیقت موجود تھی لیکن وہ دمشق کے سپہ سالار اور سلطان کی نظروں میں اس قدر بے اعتماد اور غیر ذمہ دار ہو چکا تھا کہ کوئی بھی اس کی بات پر کان دھرنے پر آمادہ نہ تھا۔

پھر ۳ نومبر ۱۱۶۸ء کو وہ لاوا پھٹ گیا جو اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ شاہ ایمالرک تو مصر کی تباہی کے درپے تھا ہی لیکن اس کے سردار اور نائٹ اس سے زیادہ شدت پسند تھے۔ شاہ ایمالرک نے مصر میں اس قدر زبردست حملہ کیا جس کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کی فوجیں بلبیس میں داخل ہوئیں اس لئے نہیں کہ انہیں بلبیس پر قبضہ کرنا ہے بلکہ اس ارادے سے کہ وہ بلبیس کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیں گی۔ نصرانیوں نے بلبیس میں داخل ہوتے ہی نہ صرف لوٹ مار بلکہ قتل عام شروع کر دیا۔ اس حملے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لوگ کسی حد تک مطمئن تھے کہ اچانک ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ بلبیس میں قتل عام کی یہ صورت تھی کہ حملہ آور نصرانیوں نے بچے' بوڑھے' بیمار' عورتوں اور مردوں کو بلا تفریق قتل کرنا شروع کر دیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں اور سروں کو ڈھیر لگ گئے۔ بلبیس کی آبادی بدحواس ہو کر جدھر جس کا منہ اٹھا ادھر بھاگ پڑی۔ ماں سے بیٹی چھٹ گئی اور باپ چھوٹے بچوں کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

بلبیس کے قتل عام کی اطلاع قاہرہ اور دوسرے شہروں میں پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ بلبیس پر حملہ بالکل غیر متوقع اور بغیر کسی جواز کے تھا۔ بلبیس سے بہت کم لوگ بھاگ سکے۔ باقی سب کے سب تہ تیغ ہو گئے۔ بچوں' عورتوں' بوڑھوں اور بیماروں سے تو ایک بھی نہ بچ سکا۔ نصرانیوں کے اس بے جواز قتل عام کا مصریوں پر بڑا سخت ردعمل ہوا۔ مصریوں کی نظریں اب تک یروشلم کی طرف اٹھتی تھیں لیکن اب تمام نظریں دمشق پر لگی گئیں۔ لوگ گلیوں اور بازاروں میں چیختے پھرتے کہ شیر کوہ کو بلاؤ۔ ان ظالموں اور قاتلوں سے وہی ہمیں نجات دلا سکتا ہے۔ لیکن دمشق بہت دور تھا پھر مصریوں کے وزیراعظم نے شیر کوہ اور سلطان دمشق کے ساتھ کونسا اچھا سلوک کیا تھا کہ انہیں مصریوں سے ہمدردی ہوتی۔

بلبیس کے قتل عام کی خبر مہینوں ہفتوں کے بجائے دنوں میں دمشق پہنچ گئی۔ ہر دل غم

Marfat.com

میں ڈوب گیا اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔ دربار دمشق میں ہر روز "بلبیس" کا ذکر ہوتا اور لوگ سسکیاں اور آہیں بھرتے۔ سلطان دمشق اپنے درباریوں کے جذبات میں شریک تھا لیکن مصریوں نے اس کے لشکر کے ساتھ جو سلوک ایک بار نہیں دو بار کیا تھا ان کا وہ سلوک اس کے ارادوں میں مزاحم ہو رہا تھا اور وہ کوئی فیصلہ نہ کرپا رہا تھا۔

مصر کے حالات بگڑتے جا رہے تھے۔ بلبیس کے قتل عام نے مصریوں کو عقل دیدی تھی۔ مصری فوجیں بڑے جوش و جذبہ سے دفاعی جنگ کی تیاریاں کررہی تھیں۔ بلبیس پر نصرانیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور اب نصرانی لشکر قاہرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ملک شاور نے اگرچہ قاہرہ کا دفاع مضبوط کرلیا تھا مگر اب بھی اپنے مفاد کی فکر میں تھا۔ اس نے شاہ یروشلم کے پاس صلح کے لئے ایک سفارت بھیجا۔ اس سفارت میں جلیس بن عبدالقوی اور شیخ موفق کاسب سروی شامل تھے۔ ادھر ملک شاور اور شاہ ایمارک میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی ادھر فسطاط کی آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا۔

فسطاط کا پرانا شہر جو تین سو سال تک مصر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا اور اس وقت قاہرہ کی گنجان آبادی کی ایک نواحی بستی تھی۔ ملک شاور کی دفاعی حکمت عملی کے تحت اسی کے حکم سے ۱۲ نومبر ۱۱۶۸ء کو نذر آتش کر دیا گیا تاکہ نصرانیوں کو پناہ نہ مل سکے۔ اس آتش زنی کے لئے نفت (لفظ - تیل) کے بیس ہزار پیپے اور دس ہزار مشعلیں استعمال کی گئیں۔ اس سے ایسی آگ بھڑکی جو چون ۵۴ دن تک جلتی رہی۔ اس آگ نے ایسی قیامت توڑی کہ قاہرہ کے جنوبی بیابان میں ریت کے تودوں کے نیچے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں میں اس کے سیاہ نشانات آج بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ آتش زدگی کا یہ واقعہ بلبیس کے قتل عام کے صرف نو دن بعد پیش آیا جس نے اس گنجان آبادی کو بلبیس ہی جیسے قتل عام کی تباہ کاریوں سے دوچار کردیا۔ لوگ بھاگ بھاگ کے قاہرہ پہنچ رہے اور پورا قاہرہ دور دور تک دھوئیں کے بادلوں میں لپٹا ہوا تھا۔

ملک شاور اور شاہ یروشلم میں صلح کی بات چیت چل رہی تھی۔ ملک شاور نے اس گفتگو میں خلیفہ کو بھی شامل کرنا چاہا اور خلیفہ کو سمجھانے کے لئے قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی کو خلافت ماب روانہ کیا اور خلیفہ سے ان الفاظ میں درخواست کی:۔

"عیسائیوں کو جزیہ اور خراج دینا اس سے
بہتر ہے کہ ترکوں (شاہوں) کا تسلط اور عمل دخل
ان شہروں پر ہو۔"

فاطمی خلیفہ نے ملک شاور کی اس غیرذمہ دارانہ درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔

Marfat.com

فسطاط کے دھوئیں نے قاہرہ کے شہریوں کو تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ نصرانی فوجیں قاہرہ کے قریب پہنچ چکی تھیں اس دھوئیں سے پریشان ہو کر کچھ پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ ملک شاور نے دس لاکھ اشرفیوں کے عوض شاہ یروشلم کو اس بات پر رضامند کرلیا کہ قاہرہ پر حملہ نہیں کرے گا۔ اس خطیر رقم میں سے ملک شاور نے پانچ لاکھ اشرفیاں شاہ ادا کردیں اور باقی کا وعدہ کیا لیکن شاہ یروشلم نے ملک شاور کو مطلع کردیا کہ نصرانی لشکر اس وقت تک قاہرہ سے واپس نہیں جائے گا جب تک اسے پوری رقم ادا نہیں کی جاتی۔ اس طرح پانچ لاکھ اشرفیاں ادا کرنے کے بعد بھی نصرانی لشکر قاہرہ کے قریب ٹھہرا ہوا باقی پانچ لاکھ اشرفیوں کی ادائیگی کا انتظار کر رہا تھا۔

فسطاط کے بارے میں ایک بات کام انحصار بہت ضروری ہے۔ اس شہر کی وجہ تسمیہ کسی قسط میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے اسے دوبارہ اس لئے تحریر کیا جا رہا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا اعادہ ہو سکے حضرت عمر کے عہد خلافت میں جب مسلم مصر اور سپہ سالار عمرو بن عاص فتح بابلون کے بعد اسکندریہ پر فوج کشی کے لئے روانہ ہونے لگے اور خیمے ڈیرے اکھاڑے جانے لگے تو ایک خیمے میں دیکھا کہ کبوتر نے انڈے دیئے ہیں۔ خیمے کے فراش نے اس کی اطلاع سپہ سالار لشکر اسلام کو پہنچائی۔ فاتح مصر نے فرمایا کہ خیمے کو اسی طرح رہنے دو۔ اسکندریہ سے واپس آنے کے بعد کچھ فیصلہ کیا جائے گا۔ عمرو بن عاص جب اسکندریہ فتح کر کے واپس آئے تو انڈوں میں سے بچے نکل آئے تھے۔ سپہ سالار کی اس واقعہ کی تفصیل خلیفہ دوم حضرت عمر کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمر نے اس کے جواب میں عمرو بن عاص کو حکم دیا کہ اس مقام پر ایک نیا شہر آباد کیا جائے جس کا نام فسطاط ہو کیونکہ عربی میں فسطاط کے معنی خیمہ ہوتے ہیں۔ عمرو بن عاص نے خلیفہ کے حکم کے مطابق وہاں شہر آباد کیا اور اس کا نام فسطاط رکھا گیا۔ عین اس مقام پر جہاں پر خیمہ نصب تھا وہاں ایک وسیع مسجد تعمیر کی گئی جو مسجد عمر کہلائی۔

فسطاط کی آتشزدگی نے جامعہ عمر کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ پھر جب اس قدیم اور متبرک شہر کی تباہی کی خبر سلطان دمشق نورالدین زنگی کے دربار میں پہنچی تو اسے اور اس کے درباریوں کو اس سے سخت صدمہ پہنچا جبکہ اس شہر کو اس شخص نے جلانے کا حکم دیا تھا جو خود کو مصر کا مسلمان وزیراعظیم کہلواتا تھا۔ خلیفہ عاضد نے اب تک ملکی معاملات میں کھل کے یا دل سے کبھی نہ تو دلچسپی لی تھی اور نہ توجہ دی تھی لیکن اسے محسوس ہوا یا اسے یاد کروایا گیا کہ ملک شاور صرف اپنے ذاتی مفاد کا بندہ ہے اور مصر کو نصرانیوں کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے اگر اسے فوری طور پر نصرانیوں سے پے بہ پے معاہدوں سے نہ روکا گیا

Marfat.com

یروشلم کی فوج پورے مصر پر قابض ہو جائے گی۔

فاطمی خلیفہ کے تمام کام دو اشخاص انجام دیتے تھے۔ ان میں ایک استاد جوہر تھے جن کے ذریعہ خلیفہ امرا' وزراء کو خفیہ پیغام بھیجتے تھے۔ دوسرا شخص جس پر خلیفہ پورا اعتماد کرتے تھے۔ وہ تھا بلیس بن عبدالقوی داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ تھا۔ ایک دن خلیفہ نے ان دونوں کو تخلیہ میں طلب کیا۔

خلیفہ نے بڑے اضطراب کے عالم میں کہا۔ "تم دونوں ہماری وفاداری کا دم بھرتے ہو لیکن ملک شاور کو اس کی حرکتوں سے نہیں روک سکتے؟"

استاد جوہر جو بڑا گرگ باراں دیدہ تھا' نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ "امیرالمومنین۔ ملک شاور کا علاج بس ایک ہی ہے۔"

"کیا۔ جلد بتاؤ؟۔" خلیفہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

استاد جوہر نے جواب دیا ---- "علاج یہ ہے کہ میں شمشیر بکف دارالوزارت میں داخل ہوں اور لڑتا بھڑتا ملک شاور تک پہنچ کے اس کا سر قلم کر دوں۔"

"مگر کیا دارالوزارت میں جہاں ملک شاور کے مسلح پہریدار چپہ چپہ پر گھومتے رہتے ہیں' تم شمشیر لے کر داخل ہو سکو گے پہریدار تمہیں اندر جانے دیں گے۔ خلیفہ نے اس سے سوال کیا۔

"یہی تو مشکل ہے امیر المومنین----" استاد جوہر نے کہا۔ "دارالوزارت ہی میں اس کے گرد پہرہ نہیں رہتا بلکہ جب وہ دارالوزارت سے باہر جاتا ہے تو بھی مسلح پہریدار اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں امیرالمومنین کے حکم کے تحت اپنا سر تو کٹا سکتا ہوں لیکن ملک شاور تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"پھر اس کا کیا علاج کیا جائے۔ اسے کون ٹھیک کر سکتا ہے؟" خلیفہ نے بے بسی کا اظہار کیا۔

"ملک شاور کا دماغ سوائے شامی سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ کے اور کوئی دوسرا ٹھیک نہیں کر سکتا----" یہ جواب بلیس بن عبدالقوی نے دیا۔

"اس نیک بندے کے ساتھ ملک شاور نے ایسی احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا ہے کہ وہ تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔" خلیفہ نے بتایا۔ "ہم نے ایک پیغام شیرکوہ کو بھیجا تھا لیکن اس نے جواب تک دینا گوارہ نہیں کیا۔"

"امیرالمومنین اگر مناسب خیال فرمائیں تو ایک سفارت سلطان دمشق کے پاس بھیج سکتے ہیں۔ امید ہے کہ سلطان آپ کو کوئی امید افزا جواب ضرور دوے گا۔" بلیس بن

Marfat.com

عبدالقوی نے ایک نئی بات کی طرف اشارہ کیا۔

خلیفہ عاضد دراصل خود بھی انہی خطوط پر غور کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ سلطان دمشق کو براہ راست پیغام بھیجے اور اس سے مدد طلب کرے تو شاید سلطان انکار نہ کر سکے۔اب جو قاضی القضا؟ جلیس بن عبدالقوی کی طرف سے تحریک ہوئی تو اس نے فوراً کہا۔

"بہت معقول خیال ہے۔" خلیفہ نے تائید کی۔ "اس وقت تک دمشق جو اطلاعات مختلف لوگوں نے حریم خلافت کے نام پر بھیجی گئیں وہ سب بالواسطہ تھیں۔ ہم نے سلطان دمشق کو براہ راست کوئی نامہ ارسال نہیں کیا۔ مصر کو نصرانیوں اور ملک شاور کی غداریوں سے بچایا جا سکتا ہے تو ہمیں سلطان دمشق سے مدد مانگنی پڑے گی۔ ہم ان سے درخواست ضرور کریں گے۔ ملک شاور نے ہمیں نصرانیوں کے معمولی سرداروں کے سامنے جھکا دیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دمشق کے سلطان سے جو اس وقت دنیا کا سب سے طاقتور سلطان ہے کیوں درخواست نہیں کرتے۔"

جلیس بن عبدالقوی کو خلیفہ کی تائید حاصل ہوئی تو اس ایک قدم اور بڑھایا۔ "امیر المومنین نے اس غلام کی بات پر توجہ فرمائی اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔ اگر امیر المومنین مناسب خیال فرمائیں تو اس سفارت پر جانے کے لئے میں خود آمادہ ہوں۔ امید ہے کہ مجھے اس خدمت پر مامور کر کے مزید شکر گزاری کا موقعہ دیا جائے گا۔"

"ہم قاضی القضاۃ کی درخواست قبول کرتے ہیں۔" پھر خلیفہ نے استاد جوہر کی طرف دیکھا۔

"استاد جوہر کو یہ کام سونپا جاتا ہے کہ وہ آج شام تک اس موضوع پر جس کے متعلق ہم نے ابھی گفتگو کی ہے۔ ندیم خاص سے سلطان دمشق کے نام ایک نامہ اپنی موجودگی تیار کرا کے ہمیں پیش کریں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دمشق آج ہی سفارت روانہ کر دی جائے۔"

"حکم کی بسرو چشم تعمیل ہو گی امیر المومنین۔" استاد جوہر نے رکوع تک جھک کے جواب دیا۔

"اس کام میں تاخیر ہماری تکلیف کا باعث ہو گی۔" اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے اشارہ کیا اور اس کے اور حاضرین کے درمیان تنا ہوا زر نگار پردہ گرا دیا گیا۔

خلیفہ عام طور سے امرا اور وزراء سے پردے کے پیچھے سے گفتگو کرتا تھا۔ سوائے مخصوص موقعوں اور بعض خاص اشخاص کے جب اس کے اور مخاطب کے درمیان کوئی پردہ

Marfat.com

نہ حائل ہوتا تھا۔ استاد جوہر نے بڑی تیزی دکھائی۔ نامہ لکھ کر تیار ہوا پھر اس میں ضروری ترمیم کی گئی۔ آخر نامہ درست ہو کے خلیفہ عاضد کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے نامہ کئی بار پڑھا پھر اس پر مہر خلافت ثبت کی اور بلیس بن عبدالقوی کے حوالہ کرنے سے پہلے خلیفہ نے خط کے آخر میں چند سطریں اپنے قلم خاص سے لکھیں رات گئے بلیس بن عبدالقوی اپنے اعتماد کے پانچ سواروں کے ساتھ پھر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے انہیں کچھ ہدایات دیں جن میں اہم ہدایت یہ تھی یہ نامہ کسی صورت میں ملک شاور کے آدمیوں کے ہاتھ میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ نامہ میں ملک شاور کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ پھر اسی رات یہ چھ سوار ایک محفوظ راستہ سے دمشق روانہ ہوئے۔

بلبیس پر نصرانی قبضہ اور فسطاط کی آتش زدگی پر دمشق والوں کے دل رو رہے تھے۔ قاضی القضاۃ کو اپنی کارکردگی دکھانے کا یہ پہلا موقعہ ملا تھا۔ وہ قطع منازل کرتا ہوا رات کے وقت دمشق میں داخل ہوا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ رات سرائے میں گزارے پھر صبح کو دربار پہنچے لیکن اس نے یہ خیال رد کر دیا اور لوگوں سے شیرکوہ کا پتہ پوچھتا ہوا سیدھا اس کے محل پر پہنچ گیا۔ شیرکوہ اور شاہ دمشق کے سرداروں کا سردار تھا۔ اس کا محل بڑا شاندار تھا اور پہرے پر درجنوں مسلح سوار موجود تھے۔

بلیس بن عبدالقوی نے ایک پہریدار کو مخاطب کر کے بڑی بے خوفی سے کہا۔ "سپہ سالار افواج دمشق کو مطلع کر دو کہ قاہرہ سے مصر کا قاضی القضاۃ بلیس بن عبدالقوی آیا ہے اور اسی وقت سپہ سالار سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔"

قاضی القضاۃ کا نام سن کر پہریدار گھبرا گیا۔ اس نے فوراً جھک کے قاضی شہر کو سلام کیا پھر بغیر کوئی سوال کئے اندر کی طرف بھاگا قاضی القضاۃ اور اس کے ساتھی سپہ سالار نے محل کے صدر دروازہ پر کھڑے اس شاندار محل کو تحسین کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ذرا دیر گزری تھی کہ بوڑھا سپہ سالار شیرکوہ ننگے سر اور ننگے پیر بھاگتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

"خوش آمدید۔ خوش آمدید---" شیرکوہ نے قاضی القضاۃ سے کہا جس کا گھوڑا سب سے آگے کھڑا تھا--- "قاضی القضاۃ مصر نے اس گنہاہ گار کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر جو عزت بخشی ہے اس کا میں شکر گزار ہوں۔ آپ کا آنا مبارک ہو تشریف لائیے---"

"خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے اور تمہیں عمر خضر عطا فرمائے---" یہ کہتا ہوا قاضی القضاۃ اور اس کے ساتھی گھوڑے سے اترے۔

Marfat.com

قاضی القضاۃ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شیرکوہ نے فوراً اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ قاضی محترم نے شیرکوہ کو گلے سے لگا کر اسے اور دعا دی۔

"اندر تشریف لے چلئے حضور ---" شیرکوہ نے بڑے ادب سے کہا۔

شیرکوہ کی رہنمائی میں سب لوگ مہمان خانہ میں پہنچے۔ شیرکوہ نے کہا۔ "اتنے طویل سفر میں آپ کو یقیناً" بہت زحمت ہوئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ یہ زیادہ بہتر ہو گا آپ لوگ اس وقت کھانا تناول فرما کر آرام کیجئے۔ صبح کو انشاء اللہ ہو گی۔"

"نہیں شیرکوہ----" قاضی محترم نے بڑی محبت سے کہا۔ "ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور کام زیادہ ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ میں اپنے آنے کا مدعا تم سے بیان کر دوں تاکہ ہمیں کل سلطان کے دربار میں پیش کر دیا جائے۔ مصر کے حالات بہت دگر گوں ہیں اور عالی مقام خلیفہ محترم نے اپنا ذاتی خط دے کر ہمیں دمشق بھیجا ہے۔ سپہ سالار کی سمجھ میں ہماری آمد کا مقصد آ گیا ہو گا۔"

"درست فرمایا محترم قاضی القضاۃ نے---" شیرکوہ نے جواب دیا۔ "مصر کے حالات سے ہم لوگ خود بھی بہت پریشان ہیں۔ اعلیٰ حضرت سلطان روزانہ مصر کی خبریں سب سے پہلے سنتے ہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ کھانا کھائیے میں کھانے کے دوران آپ سے گفتگو کرتا رہوں گا---"

شیرکوہ کے اس پر خلوص رویئے سے قاضی القضاۃ جلیس بن عبدالقوی کو بہت امید بندھی۔ کھانے کے دوران بھی دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ شیرکوہ نے قاضی سے وعدہ کیا کہ وہ کل ہی انہیں سلطان کے حضور میں پیش کر دے گا اور جب سلطان اپنے سرداروں کا مشورہ طلب کرے گا تو شیرکوہ قاضی کی پوری پوری تائید کرے گا۔

قاضی القضاۃ رات بھر بہت بے چین رہا۔ شیرکوہ نے ہرچند اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا لیکن یہ شاہی دربار کا مسئلہ تھا اور دربار بھی کس کا۔ سلطان دوران کا جس کے سامنے یورپ اور وسط ایشیا کا کوئی بادشاہ سر اٹھانے کی مجال نہ رکھتا تھا۔

شاہی محلات خواہ مصر کے ہوں یا دمشق کے وہاں کی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ قاضی اور شیرکوہ نے بڑی احتیاط سے گفتگو کی تھی مگر شیرکوہ کے محل کی کنزیں اور غلام بات لے اڑے پھر جب صبح ہوئی تو تمام شاہی محلات میں یہ خبر پہنچ گئی کہ سلطان مصر کا قاضی فاطمی خلیفہ کا کوئی خاص پیغام لے کے دمشق آیا ہے۔ سب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خلیفہ کا پیغام لانے والا کوئی معمولی شخصیت کا مالک نہیں بلکہ مصر کا قاضی القضاۃ جلیس بن عبدالقوی ہے۔

Marfat.com

صبح کو شیرکوہ نے اپنے تمام کام منسوخ کر دیئے اور قاضی القضاۃ کو ساتھ لے کر سیدھا قصر سلطانی پہنچ گیا۔ شیرکوہ نے سلطان کے حاجب کو بتایا کہ سلطان محترم کو اطلاع دی جائے کہ فاطمی خلیفہ العاضد کا ایک پیغام لے کر مصری قاضی القضاۃ تشریف لائے ہیں اور فوری باریابی کے خواہشمند ہیں۔ سلطان دمشق نے اطلاع پاتے ہی شیرکوہ اور قاضی القضاۃ کو اپنی خواب گاہ میں طلب کر لیا۔

قصر سلطانی کی آن بان اور شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی لیکن قاضی القضاۃ کا ایک تو ذہن پریشان تھا اور وہ جلد سے جلد سلطان کا سامنا کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ قصر کی آرائش کی طرف توجہ نہ دے سکا دوسری بات یہ تھی کہ قاضی القضاۃ کی نظروں میں مصر کا قصر خلافت تھا اس لئے بھی وہ قصر کی پہریداروں اور پیچ در پیچ کمروں پر طائرانہ نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور آخر خوابگاہ سلطانی پر پہنچ گیا۔ سلطان کی خوابگاہ پر دوہرا اور تہرا پہرہ لگا تھا۔ یہ احتیاط سلطان نے خود برتی تھی کیونکہ سلطان نور الدین زنگی کے والد محترم امیر عماد الدین زنگی کو غلاموں نے سوتے میں قتل کر دیا تھا۔ قصر سلطانی ہو یا میدان جنگ' سلطان کے گرد سخت پہرہ رہتا تھا۔ شیرکوہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اسے دقت نہ ہوئی اور وہ دونوں بہت جلد سلطان کے سامنے پہنچ گئے۔ شیرکوہ اور قاضی القضا؟ نے ایک ساتھ سلطان کو کورنش پیش کیا۔

سلطان نور الدین زنگی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "قاضی القضاۃ مصر کا آنا مبارک۔ ہم معزز مہمان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے آنے کا مقصد بیان کریں۔"

قاضی القضاۃ نے اندر کی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اسے بلند کرتے ہوئے کہا۔ "اے شاہ دوراں اور دمشق کے عظیم سلطان۔ اس لفافے میں اس بے کسی کے آنسو بند ہیں جسے دنیا فاطمی خلیفہ العاصد کے نام سے یاد کرتی ہے کہنے کو وہ فاطمی خلیفہ ہے لیکن غدار اور احسان فراموش ملک شاور نے اس معصوم ہستی کو قصر خلافت کی دیواروں میں اس طرح قید کر رکھا ہے کہ وہ پھڑ پھڑا بھی نہیں سکتا۔ فسطاط کا گنجان شہر جل رہا ہے مگر خلیفہ اس کی آگ نہیں بجھا سکتا ہے۔ شہروں میں لوٹ مار مچی ہے مگر خلیفہ لوٹنے والوں کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ مفاد پرست ملک شاور' مصری صوبوں کا سودا کر رہا ہے لیکن خلیفہ زبان سے اف بھی نہیں کر سکتا۔"

قاضی جلیس بن عبدالقوی کی جذباتی باتوں نے سلطان کو بہت متاثر کیا۔ اس نے غلام کو اشارہ کیا اور غلام نے آگے بڑھ کر قاضی کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔

Marfat.com

"خط کھول کے پیش کیا جائے۔" سلطان نے حکم دیا۔

غلام نے لفافہ چاک کیا تو اس میں سے ایک لپٹا ہوا کاغذ نکلا ساتھ ہی بڑے لفافہ سے ایک چھوٹا سا بند لفافہ فرش مخمل پر گرا۔ غلام نے جلدی سے جھک کر چھوٹے لفافہ کو فوراً" اٹھا لیا۔ پھر اس نے لپٹا ہوا کاغذ سلطان کو دے دیا۔ یہ خلیفہ کا سلطان کے نام خط تھا۔ سلطان نے خط تو لے لیا لیکن چھوٹا بند لفافہ اب تک غلام کے ہاتھ میں تھا اور گھبرایا ہوا کبھی سلطان کو اور کبھی قاضی کو دیکھ رہا تھا۔

"اس چھوٹے بند لفافے میں کیا ہے؟" سلطان کو خود بھی اس لفافے کے بارے میں تجسس تھا اس لئے اس نے قاضی سے سوال کیا۔

"عالم پناہ۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ اس چھوٹے لفافے میں کیا ہے۔" قاضی اس عجیب و غریب صورت حال سے پریشان ہو گیا تھا۔ "مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس بڑے لفافے کے اندر کوئی چھوٹا لفافہ بھی موجود ہے۔ امیر المومنین نے بڑا لفافہ میرے حوالے کیا تھا جسے میں نے اسی طرح حضور عالی میں پیش کر دیا۔"

سلطان نے ایک لحہ سوچا پھر غلام کو حکم دیا۔ "چھوٹے لفافہ کو کھول کے دیکھا جائے کہ اس میں کیا ہے۔"

غلام گھبرایا ہوا تو تھا ہی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے چھوٹا لفافہ چاک کیا تو زنانہ بالوں کے دو گچھے جنہیں ریشم کے دھاگے سے باندھا گیا تھا لفافہ سے پھسل کر فرش پر گرے۔ غلام نے پہلے ہی طرح جھک کے بالوں کی بندھی ہوئی لٹوں کو فرش سے اٹھایا اور ہاتھ بلند کر دیا۔ سب کی نظریں بالوں کے گچھوں پر جم کے رہ گئیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی خاتون کی زلفوں کو تراش کے ریشم کے دھاگے سے باندھا گیا ہے۔

سلطان نے جلدی جلدی خط پڑھا جب وہ آخری سطروں پر پہنچا تو اس نے خط سے نظریں ہٹا کر غلام کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جس میں اب تک ملائم بال دبے ہوئے جھلک رہے تھے۔ سلطان ختم کرنے کے بعد کچھ ایسا گھبرایا کہ چھپرکھٹ سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔

"شیرکوہ ہمیں بتاؤ روز حشر ہم خلاق عالم کو کیا جواب دیں گے۔۔۔" سلطان کا تمام بدن پسینے سے تر ہو گیا تھا۔

کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سلطان کے کہنے کا کیا مقصد ہے۔ خلیفہ نے وحشت زدہ انداز میں قاضی سے سوال کیا۔ "اے قاضی اے بزرگ کیا تمہیں معلوم ہے کہ فاطمی خلیفہ نے ہمیں کیا لکھا ہے؟"

Marfat.com

"نہیں ظلِ سبحانی۔" قاضی نے انکار میں سر ہلایا۔ "خلیفہ محترم نے یہ نامہ استاد جوہر سے لکھوایا تھا۔ میں نے نامہ تو نہیں پڑھا لیکن یہ اندازہ ضرور ہے کہ خلیفہ محترم نے مصر اور اہالیان مصر پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس سے سلطان عالم کو مطلع فرمایا ہو گا۔۔۔"

"تمہیں قاضی نہیں۔ خط کا اختتام اس طرح نہیں ہوا۔" سلطان نے بڑی بے چینی کے عالم میں کہا۔ "خلیفہ محترم نے قیامت سے پہلے ہی ہمیں قیامت کے سنگین کٹھرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ سنو قاضی شہر اور توبہ کرو لشکر اسلام کے سپہ سالار۔ خلیفہ نے خط کے آخر میں اپنے قلم خاص سے لکھا ہے۔

> "اے سلطان دمشق اور اے فرزند دلبند۔ اس عریضہ کے ساتھ اپنی حرم کی زلفوں کی تراشیدہ لٹیں بھی ایک چھوٹے لفافہ میں بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اگر تم نے لشکر اسلام کے ساتھ فوراً مصر کوچ نہ کیا تو نصرانیوں کے ہاتھ خواتین خانہ کے سر کی چادروں تک پہنچ جائیں گے پھر کیا ہو گا اس کا علم ہمیں نہیں لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ روز حشر ہمارا ہاتھ ہو گا اور تمہارا دامن۔ پھر داور حشر جو بھی انصاف کرے ۔۔۔۔"

فاطمی خلیفہ کے یہ جملے نہ کوئی طنز تھا اور نہ دھمکی بلکہ یہ ایک ایسے دکھی دل سے نکلی ہوئی درخواست تھی جو سلطان کے دل میں اترتی چلی گئی۔ سلطان تو سلطان تھا اگر یہ باتیں ایک عام مسلمان سے بھی کہی جاتیں تو وہ بھی تلوار کھینچ کر مصر کی طرف دوڑ پڑتا۔ سلطان دمشق اس قدر متاثر ہوا کہ اس سے کھڑا نہ ہوا گیا اور مضمحل ہو کر چھپر کھٹ کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ غلام مفرح شربت لینے دوڑے اور کنیزوں نے مورچھل جھلنا شروع کر دیا۔

شیرکوہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "اے شاہ دوراں ظالم نصرانیوں کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ ان کے ہاتھ عفت مآب خواتین مصر کے نقابوں یا سر کی چادروں تک پہنچ سکیں۔ ہم ان بڑھتے ہوتے ہاتھوں کو کاٹ دیں گے۔"

"شاباش شیرکوہ شاباش۔ ہمیں تم سے ایسی ہی امید ہے۔" سلطان نے تیکھے لہجہ میں کہا۔ غم و غصہ سے اس کا بدن اب تک کانپ رہا تھا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے عالیجاہ؟۔۔۔" شیرکوہ نے بڑے جوش سے کہا۔

"حکم!" سلطان نے زہر خند کیا۔ "اب بھی کسی حکم کی ضرورت ہے۔ کیا تمہارے سلطان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ فاطمی خلیفہ کی اس التجا کو نظر انداز کر دے اور کل میدان حشر میں اس کا ہاتھ ہو اور ہمارا گریبان۔ اس جہاد میں تم تنہا نہ ہو گے' ہم بھی تمہارے

Marfat.com

ساتھ چلیں گے۔"

قاضی القضاۃ جلیس بن عبدالقوی نے سر جھکا کر سلطان کے ارادہ کا شکریہ ادا کیا۔

"اے سلطان دمشق۔ آپ صرف سلطان نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان اور سچے مجاہد بھی ہیں۔ یقین کیجئے کہ مصر کے عوام آپ کو اپنے میں پا کر جامے میں پھولے نہ سمائیں گے۔"

سلطان نے شیرکوہ کو مخاطب کیا۔ "تم دو مرتبہ مصر گئے لیکن یہ دونوں سفر یا یلغار تجر کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے مگر اب ایسا نہ ہو گا ہم مصری عوام اور محترم خلیفہ کو نصرانیوں سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانے جائیں گے اور انشاء اللہ مکمل کامیابی اور کامرانی حاصل کریں گے۔"

پھر اس نے قاضی القضاۃ کی طرف گھوم کے کہا۔"

"قاضی محترم۔ خلیفہ کی درخواست مصری عوام کے دل کی آواز ہے۔ ہم نے یہ آواز سنی اور اس کا جواب دینے ہم اور ہمارا لشکر مصر پہنچ رہا ہے۔"

قاضی کا سر جذبہ احسان مندی سے اوپر نہ اٹھ رہا تھا۔ "خدا سلطان کا سایہ مسلمانان عالم پر ہمیشہ قائم رکھے۔ کیا میں یہ خوشخبری لے کر قاہرہ واپس جا سکتا ہوں؟"

"تم خالی واپس نہیں جاؤ گے قاضی مصر۔۔۔" سلطان نے سنجیدگی سے کہا۔ "مصر کے خلیفہ اور عوام نے ہم سے جو امیدیں باندھی ہیں انہیں حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے شاہی لشکر تمہارے ساتھ جائے گا۔ ہم کسی مصلحت کو اس معاملہ میں دخل نہیں دینے دیں گے"

قاضی القضاۃ کی باچھیں کھل گئیں۔

"ظل سبحانی۔ میں مصر لے جانے کے لئے کتنے لشکر کا انتخاب کروں۔۔۔" شیرکوہ نے بھی تیزی دکھائی۔ شیرکوہ تو ملک شاور کی غداری سے خار کھاتے بیٹھا تھا۔ مصر سے اسے اگرچہ اسے دوبار واپس آنا پڑا لیکن وہ مصر کو یوں نہ چھوڑنا چاہتا تھا۔

"تم چھ ہزار ترکمانوں کا انتخاب کرو۔ باقی ہم منتخب کریں گے۔" سلطان نے حکم دے دیا۔

"اور ہاں شیرکوہ آج دوپہر سے پہلے دربار خاص کا اعلان کیا جائے۔ ہم فوری طور پر مصر کا رخ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہم تاخیر کے الزام سے بری رہیں۔"

"بہتر ہے عالیجاہ۔۔۔" شیرکوہ نے سلطان کو رخصتی سلام کیا اور قاضی القضاۃ کو لے کر خواب گاہ سے نکل آیا۔"

Marfat.com

دربار خاص کے لئے بڑے بڑے امرا کو مطلع کر دیا گیا۔ شیرکوہ بڑے بھائی نجم الدین ایوب کو مطلع کرنے خود ان کے محل پر گیا۔ نجم الدین کے پاس جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ صلاح الدین کو خبر کر دے۔ صلاح الدین ان دنوں اپنے باپ نجم الدین ایوب کے ساتھ رہتا تھا۔ صلاح الدین نے مصر پر گزشتہ دو حملوں کے دوران جس دور اندیشی اور شجاعت کا ثبوت تھا اس سے شیرکوہ اور سلطان دمشق دونوں ہی بہت خوش تھے۔

شیرکوہ نے نجم الدین کو بتایا کہ مصر کے حالات کس طرح اک دم دگرگوں ہو گئے اور نصرانیوں نے مصر پر قبضہ کرنے کے کیا ڈول ڈالے ہیں۔ نجم الدین نے بھی یہ اڑتی خبر سنی تھی کہ مصر سے سفارت آئی ہوئی ہے۔

"کوئی معمولی سفارت نہیں ہے برادر محترم۔۔۔" شیرکوہ نے بتایا۔ "مصر کے قاضی القضاۃ جلیس بن عبدالقوی فاطمی خلیفہ کا خط لے کے آئے ہیں۔"

"اچھا۔ اس دفعہ خلیفہ نے خط لکھا ہے؟" نجم الدین نے حیرت کا اظہار کیا۔

"صرف خط ہی نہیں برادر۔ خلیفہ نے شاہی حرم کی زلفیں کاٹ کے لفافے میں بھیجی ہیں اور التجا کی ہے کہ حرم کی عزت تمہارے ہاتھ ہے اگر تاخیر کی تو حشر میں وہ سلطان دمشق کا گریبان پکڑیں گے۔۔۔"

"پھر کیا فیصلہ ہوا۔؟" نجم الدین نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"سلطان نے تو فوراً لشکر کی روانگی کا حکم دیا ہے۔" شیرکوہ نے اسے مطلع کیا۔ "خود ساتھ جانے کو کہہ رہے ہیں۔ آج دربار خاص میں آخری فیصلہ ہو گا۔"

"مگر الجزیرہ کی تشویش ناک صورت کے پیش نظر سلطان کیسے جا سکیں گے۔" نجم الدین نے اس وقت کے ایک مسئلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت الجزیرہ میں کچھ گڑ بڑ ہے اور سلطان اسے ختم کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔

" آپ درست فرما رہے ہیں برادر۔۔۔" شیرکوہ نے بڑے بھائی کی تائید کی۔ "میرا خیال ہے کہ سلطان نے جذبات میں آ کے مصر جانے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ امرا بھی سلطان کے مصر جانے کی مخالفت کریں گے۔"

اسی وقت صلاح الدین اپنی لائبریری سے نکل کے ادھر آ گیا۔ صلاح الدین بچپن میں بھی خلوت پسند تھا اور اب بھی اس کی وہی حالت تھی۔ خالی اوقات میں وہ مذہبی کتابیں پڑھتا یا علما کے وعظ سننے جامعہ دمشق چلا جاتا تھا۔

"ادھر آنا صلاح الدین" شیرکوہ نے اسے اس وقت آواز دی جب وہ اس کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا جس میں یہ دونوں بھائی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔"

Marfat.com

صلاح الدین اندر آگیا۔ "السلام علیکم چچا جان۔۔۔" اس نے ادب سے سلام کیا۔
"کوئی نئی خبر سنی تم نے؟" شیرکوہ مسکرایا۔
"جی ہاں سنا ہے کہ مصر سے پھر سفارت آئی ہے۔" صلاح الدین نے بے پروائی سے کہا۔
"پھر کیا خیال ہے؟" شیرکوہ نے ہنس کے پوچھا۔
"میرا تو خیال ہے کہ مصر کے برے دن آ گئے ہیں۔" صلاح الدین نے بے دلی سے کہا۔ "ملک شاور مصر کو نصرانی بادشاہ کے ہاتھ بیچ دے گا۔"
"اس نے مصر کو واقعی بیچ دیا ہے۔" شیرکوہ نے جواب دیا۔ "سلطان خود لشکر لے کر مصر جانے کا مقصد کر رہے ہیں۔"
صلاح الدین کے قدم بڑھ چکے تھے لیکن اس نے قدم روکے اور پلٹ کر کہا۔ "مصر کی مدد کرنا اپنی طاقت ضائع کرنے کے مترادف ہے چچا جان۔"
شیرکوہ نے چونک کے صلاح الدین کو دیکھا۔ ایک لمحہ کچھ سوچا پھر بولا۔ "صلاح الدین۔ آج دربار خاص ہے۔ سلطان مصر کے بارے میں گفتگو کریں گے۔"
"چچا جان مجھے مصر سے کوئی دلچسپی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے صلاح الدین نے پھر قدم اٹھائے۔
"خیر یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" شیرکوہ ذرا سخت لہجہ میں کہا۔
صلاح الدین کے قدم رک گئے۔ اس نے پھر پلٹ کے دیکھا۔
شیرکوہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "سلطان نے تمہیں بلایا ہے۔ سمجھے صلاح الدین۔"
"مجھے بلایا ہے۔ دربار خاص میں مگر میں خاص امرا میں تو نہیں؟" صلاح الدین نے جیسے خود سے سوال کیا اور خود ہی جواب دے دیا۔
"تم خاص امرا سے بھی بڑے ہو۔ تمہیں دربار خاص سے پہلے طلب کیا گیا ہے۔" شیرکوہ نے اسی لہجے میں کہا۔ "کیا جواب ہے تمہارا؟۔"
"جواب!" صلاح الدین گھبرا گیا۔ "میں سلطان کی حکم عدولی تو نہیں کر سکتا۔"
"تو پھر جاؤ۔ سلطان منتظر ہوں گے۔۔۔" شیرکوہ کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔
"کب جاؤں چچا جان۔۔۔" صلاح الدین بالکل نرم ہو گیا۔
ابھی جاؤ۔۔۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔ چل سکتے ہو میرے ساتھ۔۔۔"
"ابھی!۔۔" صلاح الدین سوچنے لگا۔۔۔ "آپ تشریف لے چلئے۔ میں آ رہا ہوں۔"

Marfat.com

یہ کہہ کے صلاح الدین آگے بڑھ گیا۔

شیرکوہ نے نجم الدین سے کچھ دیر اور گفتگو کی پھر اسے دربار خاص کا بلاوا دے کر واپس چلا گیا۔

صلاح الدین مصر سے بہت بد دل ہو گیا تھا۔ اسکندریہ کے محاصرے میں اس نے جو تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ اسے اب تک یاد تھیں۔ اس کا ذاتی خیال تھا کہ مصر جیسے دور دراز ملک پر حملہ کرنا اور اس پر قبضہ رکھنا ایک خیال عبث تھا کیونکہ مصر کا وزیر اعظم بے انتہا تلون مزاج اور ناقابل اعتبار تھا۔ مصر پر دو حملے ہو چکے تھے اگرچہ ان حملوں میں سلطان دمشق کا وقار برقرار رہا تھا لیکن دمشق کے ہاتھ کچھ نہ آیا تھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ چچا شیرکوہ کے ساتھ ہی سلطان کے پاس چلا جائے پھر کچھ سوچ کے ٹال گیا۔ شیرکوہ کے نجم الدین کے محل پر آنے کا مقصد نجم الدین ایوب کو دربار خاص کی اطلاع دینے کے علاوہ صلاح الدین کو مصر لے جانے پر راضی کرنا بھی تھا لیکن صلاح الدین نے اس وقت اس سے کچھ ایسی باتیں کی تھیں کہ اس نے صلاح الدین پر زور دینا مناسب نہ سمجھا اور صلاح الدین کے ٹالنے پر خاموشی سے چلا گیا۔

صلاح الدین جب شاہی محل پر پہنچا تو اسے مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ سلطان اس وقت شیرکوہ سے گفتگو فرما رہے ہیں اور گفتگو سے فارغ ہوتے ہی صلاح الدین کو طلب کیا جائے گا۔ کچھ دیر بعد شیرکوہ سلطان سے گفتگو کے بعد مسکراتا ہوا مہمان خانہ میں آیا۔ اس کی مسکراہٹ سے صلاح الدین نے یہ اندازہ کیا سلطان اس وقت خوش گوار موڈ میں ہیں پھر بھی اس نے اپنے اطمینان کے لئے دریافت۔ "چچا جان۔ سلطان کے مزاج کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں۔ فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔" شیرکوہ نے اسے اطمینان دلا دیا۔

"میرا ذکر آیا تھا کیا؟" صلاح الدین نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔ صلاح الدین بڑے دل گردے کے مالک تھا لیکن سلطان دمشق نور الدین زنگی مطلق العنان بادشاہ اور سلطان تھا اس کے سامنے جاتے ہوئے ہر ایک پر خوف طاری رہتا تھا۔

"تمہارا ذکر اچھے انداز میں آیا تھا۔" شیرکوہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "تمہیں بس فورا تیاری کرنا چاہئے۔"

"کیسی تیاری چچا جان؟۔" صلاح الدین کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔

"میرے ساتھ چلنے کی تیاری تمہیں مصر کی مہم پر میرے ساتھ جانا ہے۔" شیرکوہ نے اسے بتا دیا۔ وہ سلطان کو پہلے ہی اس بات پر رضا مند کر چکا تھا کہ صلاح الدین کا اس کے

Marfat.com

ساتھ جانا بہت ضروری تھا اور سلطان نے اس کی اجازت دے دی تھی بلکہ کہہ دیا تھا کہ خود بھی صلاح الدین سے اس سلسلے میں گفتگو کریں گے۔

شیرکوہ پیش بندی کے طور پر صلاح الدین کو سلطان کی طرف سے محل آنے کا بلاوا دے آیا تھا دراصل وہ چاہتا تھا کہ سلطان صلاح الدین کو مصر جانے کے لئے خود ہی کہیں تاکہ وہ انکار نہ کر سکے۔

"میں مصر نہیں جاؤں گا۔" صلاح الدین نے اس سختی سے انکار کیا کہ شیرکوہ دنگ رہ گیا۔

"اس کی کوئی وجہ۔ تم شاہی لشکر کے ملازم ہو۔ جہاں بھیجا جائے گا جانا ہو گا۔" شیرکوہ کا لہجہ بھی سخت ہو گیا۔

"سپہ سالار چچا جان---" صلاح الدین نے شیرکوہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "پچھلے حملے میں آپ اسکندریہ میرے حوالے کر کے اس طرح بھول گئے تھے جیسے آپ مجھے جانتے ہی نہ تھے۔ پھر جب اسکندریہ کا محاصرہ ہوا اور مصری عوام نے مجھے پریشان کرنا شروع کیا تو میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے کیسے کیسے عذابوں سے گزرنا پڑا۔ باہر سے شاہ ایمالرک کے روز کے حملے اندر مخالف عوام کا باغیانہ انداز۔ سب سے بڑھ کے یہ کہ آپ کے یہ درباری امرا میرے خلاف ہو گئے تھے اور اسکندریہ خالی کرنے پر زور دے رہے تھے۔"

"یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔" شیرکوہ نے جواب دیا۔ "لیکن سلطان کو یہ یقین دلایا گیا ہے اور یہ یقین میں نے دلایا ہے کہ اگر اسکندریہ کا سردار صلاح الدین کے بجائے کوئی اور امیر ہوتا تو نہ صرف اسکندریہ ہاتھ سے نکل جاتا بلکہ شامی لشکر کا نصرانیوں سے بچ کر نکل آنا ناممکن ہو جاتا۔"

اسی وقت اندر سے صلاح الدین کا بلاوا آ گیا اور صلاح الدین اپنی حالت درست کرتا ہوا حاجب کے پیچھے پیچھے سلطان کی طرف چلا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ پریشان تھا اسے علم نہیں تھا کہ شیرکوہ اور سلطان میں اس کے متعلق کیا گفتگو ہوئی ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے اور اس کی ترقیوں پر سیاہ لکیر پھر جائے۔ سلطان کی ناراضگی پورے عالم کی ناراضگی سے کم نہ تھی۔ اسے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ مصر کے پچھلے حملہ میں اس نے جو تکلیفیں اٹھائی تھیں اس کا صلہ سلطان نے اسے دے دیا تھا اور اس کا اس وقت محل میں تنہا طلب کیا جانا اس بات کا غمازی کرتا تھا کہ درباری امرا میں اس کا یہ خاص مقام بن گیا ہے چنانچہ وہ اپنے کھنڈا کرتا ہوا سلطان کے سامنے پہنچا۔

Marfat.com

صلاح الدین نے سلطان کو تعظیم پیش کی اور کنکھیوں سے سلطان کے چہرہ دیکھا۔ سلطان پرسکون نظر آ رہا تھا۔ صلاح الدین نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"صلاح الدین---" سلطان نے نرم لہجے میں مخاطب کیا--- "صلاح الدین نے مختصر جواب دیا۔

"جی عالیجاہ--- سپہ سالار نے مجھے اعتماد میں لیا ہے--" صلاح الدین نے مختصر جواب دیا۔

"تم شیرکوہ کے ساتھ مصر کی مہم پر جا رہے ہو---" سلطان نے براہ راست کہہ دیا۔

صلاح الدین کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ انکار کا کوئی موقعہ ہی نہ تھا۔ پھر بھی اس نے جرات سے کہا---"غلام خادم تخت و تاج ہے۔ گزشتہ مہم کے موقعہ پر فوج کی تعداد ناکافی تھی اس لئے کئی پریشان کن موقعے آ گئے تھے۔"

"اور کیا کمی تھی صلاح الدین؟۔" سلطان نے اسی نرمی سے پوچھا۔

"ہتھیاروں اور دیگر اشیاء کی کمی کا بھی احساس ہوا تھا۔" صلاح الدین نے ادب سے کہا۔ "اگر شامی لشکر کو مصر میں ایک دو ماہ اور قیام کرنا پڑتا تو پریشانی میں زیادہ اضافہ ہو سکتا تھا---"

"ہونہہ ----" سلطان نے ہمکاری بولی --- "تم نے صحیح اندازہ لگایا ہم تمہاری باتوں سے خوش ہوئے۔ الجزیرہ کے حالات کے پیش نظر شاید ہم مصر نہ جا سکیں گے۔ بہرحال اس دفعہ لشکر کی تعداد گزشتہ مہموں سے پانچ گنا زیادہ ہو گی اس کے علاوہ لشکر کے ساتھ جانے والی تمام اشیاء کی تعداد اور وزن تمہاری مرضی کے مطابق ہو گا۔ تمہارے کہنے میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ----- اب تم مطمئن ہو؟"

"عالیجاہ۔ مجھ صرف آپ کی نظر کرم چاہئے۔" صلاح الدین نے فوراً جواب دیا۔ "لشکر اور دیگر سامان کے متعلق میں نے جو گزارش کی ہے اس کا تجربہ مجھے اسکندریہ کے محاصرے کے دوران ہوا تھا---"

"جاؤ - جا کے تیاری کرو---" یہ کہہ کر سلطان کھڑا ہو گیا۔

صلاح الدین کے پاس مزید گفتگو یا ٹال مٹول کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس نے رخصتی سلام کیا اور الٹے پیروں واپس ہوا۔

Marfat.com

عہدہ وزارت پر

صلاح الدین مضمحل قدموں سے قصر سلطانی کے باہر آیا۔

صلاح الدین کا اپنا بیان ہے کہ جس وقت سلطان دمشق نور الدین زنگی نے اسے شیر کوہ کے ساتھ مصر پر تیسری یلغار کا حکم دیا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے تختہ دار پر کھینچا جارہا ہے۔ گزشتہ سفر کے دوران مصر میں اس پر جو جو مصیبتیں ٹوٹی تھیں اور وہ جس کرب سے گزرا تھا وہ تمام مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ اسکندریہ کا محاصرہ تو اس کے لئے ایک اذیت ناک قید خانہ بن گیا تھا۔ ایک طرف مصری تاجروں کی مخالفت تھی تو دوسری طرف اپنوں کی بے حسی' بعض امرائے نوریہ جو اس محاصرے میں صلاح الدین کے ساتھ تھے وہ بھی دبے الفاظ میں شاہ ایمالرک سے صلح کا مشورہ دینے لگے تھے مگر یہ صلاح الدین کا حوصلہ تھا کہ اس نے مخالفوں کو بھی دبائے رکھا اور اپنے فوجیوں کے حوصلے بلند رکھنے کی کوشش میں بھی مصروف رہا۔ یہاں تک کہ شاہ ایمالرک کو مجبور ہو کر محاصرہ اٹھانا پڑا بلکہ شامیوں کو ایک بھاری رقم بطور تاوان جنگ ادا کرنا پڑی۔

ایک روایت کے مطابق جب شیر کوہ اور یروشلم کے بادشاہ میں صلح کے شرائط طے ہو رہے تھے تو شاہ یروشلم نے اپنے کیمپ میں صلاح الدین کی ایک شاندار ضیافت کی تھی اور صلاح الدین دشمن کیمپ میں کئی روز مقیم رہا تھا۔ اس واقعہ کی مسلم تاریخوں میں کوئی سند نہیں ملتی لیکن مغربی مورخوں نے اس واقعہ میں اتنا غلو کیا ہے کہ یہاں تک کہ لکھ مارا۔

"مصر چھوڑنے سے پہلے ایمالرک کے کیمپ میں صلاح الدین کی کئی دن تک مہمان نوازی کی گئی لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بطور یرغمالی نہ کہ مہمان' بہرحال اس کا یہ

Marfat.com

تجربہ بھی بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ یہاں اس نے نائٹس کا نظم و ضبط دیکھا اور یہیں ہمفری آف ٹورون سے اس کی دوستی ہوئی جس کے کم از کم ایک مسلمان امیر سے برادرانہ تعلقات تھے۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے اس موقع پر ہمفری سے نصرانی نائٹ کا اعزاز حاصل کیا ہو۔"

یہ اور ایسی کئی باتیں صلاح الدین سے منسوب کی گئی ہیں اور یہاں تک لکھا گیا ہے کہ صلاح الدین نے نائٹ بننے کی خواہش کی اور اسے نائٹ بننے کے تمام مراحل سے گزار کر نائٹ کا خطاب دیا گیا یہ الگ موضوع ہے جس پر آئندہ تبصرہ کیا جائے گا۔

صلاح الدین کا گھوڑا جب مسجد معاویہ کے سامنے سے گزر رہا تھا تو مسجد کے اندر سے ایک خوش الحان قاری کی آواز بلند ہو رہی تھی جو قرآن پاک کی یہ آیات پڑھ رہا تھا۔

"عسی ان تکرھوا شئی وھوا خیر لکم و عسی
ان تحبواشئی وھوا شر لکم"

(ترجمہ) ممکن ہے کہ جس چیز سے تم کراہت کرتے ہو وہ تمہارے لئے خیر محض ہو اور جس چیز سے تم کو محبت ہو وہ تمہارے لئے محض شر ہو۔

مشرق اور مغرب کے تمام مورخین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صلاح الدین کا مصر کا یہ تیسرا سفر جسے اس نے بے دلی اور مجبوری سے قبول کیا تھا وہی سفر اس کی منزل کا پہلا سنگ میل ثابت ہوا۔

اسی دن دیوان خاص لگا۔ امراء کے کانوں میں بھنک پڑ گئی تھی کہ مصر کی سفارت دمشق پہنچ چکی ہے اور سلطان ایک بار پھر مصر کی مدد کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ سلطان نور الدین زنگی کے درباری امراء "امرائے نوریہ" کے نام سے پکارے جاتے تھے انہیں مصر سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ پچھلے دو حملوں میں انہوں نے سلطان کے حکم کی صرف تعمیل کی تھی ورنہ دل سے تو وہ مصر پر حملے کے ہی خلاف تھے۔

امرائے نوریہ کی عدم دلچسپی کی وجہ اسد الدین شیر کوہ کی سپہ سالاری تھی۔ شیر کوہ اس کا بھائی نجم الدین ایوب اور اب جواں عمر صلاح الدین یہ تینوں خاندان زنگی کے ایسے ستون بن گئے تھے جن پر سلطان نور الدین کی سلطنت قائم محسوس ہوتی تھی۔ شخصی حکومتوں میں یہی خرابی ہوتی ہے کہ وہاں کے درباری امراء ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ شیر کوہ اور نجم الدین کے خلاف بھی کئی سازشیں ہوئیں مگر ان کی وفاداری پر حرف نہ آیا۔ نجم الدین اگرچہ بوڑھا ہو گیا تھا اور زیادہ تر اپنے محل میں رہتا تھا لیکن امرائے نوریہ میں اس کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ شیر کوہ کو دربار میں سب سے

Marfat.com

بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ وہ امیر الامرا بھی تھا اور سلطانی لشکر کا سپہ سالار بھی۔ اس کے علاوہ ہر اہم مہم شیرکوہ ہی کو سپرد کی جاتی تھی۔

دربار خاص میں شیرکوہ نے سلطان کا اشارہ پا کر فاطمی خلیفہ عاضد کی سفارت کا مختصر حال بیان کیا پھر یہ بھی اشارہ کیا کہ سلطان معظم نہ صرف خلیفہ عاضد کی حکومت کو بچانے کے لئے لشکر روانہ کر رہے ہیں بلکہ بہ نفس نفیس مصر میں قدم رنجہ فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

امرا ہر موقعہ پر شیرکوہ کی مخالفت کرتے تھے۔ اس وقت بھی عین الدولہ باروقی نے کینہ پروری کا مظاہرہ کیا۔ "عالیجاہ۔ مصری خلافت اور حکومت کو بچانے کے لئے دو بار شامی لشکر مصر جا چکا ہے لیکن مصر میں وزیراعظم کی غداری اور مفاد پرستی نے ہمارے لشکر کو جن مصائب سے دوچار کیا تھا اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ ظل سبحانی مالک و مختار ہیں ورنہ مصری سرزمین بزدلوں اور غداروں کی سرزمین ہے۔ میرے خیال میں ایسی جگہ قدم رکھنا گناہ سے کم نہیں۔"

"امیر عین الدولہ۔" شیرکوہ تقریباً" چیخ پڑا۔ "میں نے ابھی مصر کے حالات بیان کئے ہیں اور ان باتوں کا ذکر کیا ہے جن باتوں نے خلیفہ کو اس قدر مجبور کیا کہ اس نے خواتین حرم کی زلفیں کاٹ کے دمشق روانہ کردیں۔ اس کے بعد تو یہ ذکر ہی غلط ہے کہ مصر کی مدد کرنے یا نہ کرنے پر بحث ہو۔ اس دربار کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ عالیجاہ کے اس خیال پر غور کیا جائے گا کہ ان کا لشکر اسلام کے ساتھ مصر جانا مناسب ہے کہ نہیں۔ آپ لوگ اپنی گفتگو کو صرف اس بات تک محدود رکھئے۔"

امرائے نوریہ کے ایک دوسرے امیر سیف الدین مشطوب ہکاری نے شیرکوہ کی تائید کی۔ "امیر شیرکوہ نے درست فرمایا۔ خلیفہ نے جن حالات میں اور جس انداز میں مدد طلب کی ہے اسے تو کوئی سخت دل ہی رد کرسکتا ہے۔ اب سوال ہے سلطان عالی مقام کے جانے کا۔ دیکھنا یہ ہے کہ الجزیرہ کے بگڑے ہوئے حالات کے پیش نظر سلطان کا دارالسلطنت سے باہر جانا مناسب ہے کہ نہیں۔ اگر سلطان معظم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ مصر ضرور تشریف لے جائیں گے تو پھر بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں اور اگر سلطان نے ازراہ کرم ہم وابستگان تخت کو رائے دینے کا اختیار دیا ہے تو ۔۔۔۔"

مشطوب ہکاری کہتے کہتے رک گیا۔ شیرکوہ نے لقمہ دیا۔ "امیر اپنی بات مکمل کیجئے۔ سلطان آپ کی آرا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

مشطوب ہکاری نے سنبھل کر کہا۔ "مصر جانے کے لئے یقیناً" ایک بڑا لشکر ترتیب دیا

Marfat.com

جائے گا اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ لشکر امیر اسد الدین شیرکوہ کی زیر کمان مصر بھیجا جائے گا۔ اس طرح اگر سلطان معظم ایک بڑے لشکر اور شامی لشکر کے سپہ سالار کے ساتھ مصر تشریف لے جاتے ہیں تو ایک طرف تو الجزیرہ کا مسئلہ حل نہ ہوگا دوسرے اس بات کا امکان ہے کہ دمشق کے شمالی علاقوں کی عیسائی ریاستیں ایک نیا مسئلہ پیدا کریں۔ اس لئے سلطان سے میری درخواست ہے کہ وہ دمشق کو بالکل تنہا نہ چھوڑیں۔ اگر مصر کی فتح اور قبضہ اس قدر ضروری ہے تو وہاں بھیجے جانے والے لشکر کی تعداد میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔"

امیر قطب الدین نے مزید تائید کی۔ "میرا اپنا خیال ہے کہ مصر کی سرکوبی کے لئے کسی بڑے لشکر کی ضرورت نہیں۔ سپہ سالار امیر اسد الدین شیرکوہ نے ایک سے زیادہ دفعہ یہ تاثر دیا کہ مصری فوجی بزدل ہیں اور عوام ایک تبدیلی کے خواہشمند ہیں۔ یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں کہ سلطان معظم خود تشریف لے جائیں آخر ہم وابستگان تخت کس لئے ہیں؟"

آخر طے ہوا کہ لشکر اسدالدین کی سرکردگی میں روانہ کیا جائے اور لشکر کو پہلے سے زیادہ مضبوط کیا جائے۔ سلطان دمشق نے آٹھ ہزار سواروں کی منظوری دی یہ تعداد گزشتہ حملوں کے لشکر سے چار گنا تھا۔ سلطان کے حکم کے مطابق موجودہ لشکر میں چھ ہزار ترکمان شامل کئے گئے۔ سلطان نے فرمایا۔

"اس چھ ہزار لشکر کے علاوہ ہمارے خاص محافظ دستوں میں سے دو ہزار سوار اسد الدین کو دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ وہ تمام امرائے نوریہ اسدالدین کے ساتھ جائیں گے جو اس سے پہلے مصر جا چکے ہیں ان امرا میں صلاح الدین بھی شامل ہوگا کیونکہ اس نوجوان نے اسکندریہ کے محاصرے کے دوران کامل متانت' صبر و تحمل اور شجاعت و دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ لشکر کی روانگی کو جہاں تک ہو سکے پوشیدہ رکھا جائے۔ اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ اسد الدین شیرکوہ چھ ہزار کا لشکر لے کر مشرق میں ایک منزل پر پہنچیں۔ ان کی روانگی آج رات ہوگی کل صبح ہم دو ہزار سواروں کے ساتھ شیرکوہ کی طرف روانہ ہوں گے اور ظاہر یہ کیا جائے گا کہ ہم شکار پر جا رہے ہیں۔"

سلطان کے حکم میں دخل دینے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس حکم پر پورا عمل کیا گیا۔ سلطان نے تمام امرا کو رخصت کردیا تاکہ وہ تیاری کر کے رات کو روانہ ہو سکیں۔ صلاح الدین بھی اپنے محل واپس آیا۔ جب وہ محل پہنچا تو وہاں عامر غربی اور قاسم العسین اس کا انتظار کر رہے تھے۔

صلاح الدین نے مسکرا کے کہا۔ "کہو دمشق میں کیسی گزر رہی ہے۔ کسی بات کی

Marfat.com

تکلیف تو نہیں؟۔"

عامر نے سلیقے سے جواب دیا۔ "خدا کا کرم ہے اور آپ کی نوازش۔ اس ملازمت میں اتنا مل جاتا ہے کہ کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"اس وقت کیسے آنا ہوا؟" عامر نے اسے چھیڑا

"افواہ گرم ہے کہ مصر ایک لشکر جانے والا ہے؟" عامر کا انداز سوالیہ تھا۔

صلاح الدین نے رک کر کہا۔ "لشکر جا رہا ہے یا نہیں جا رہا ہے تم اپنا مقصد بیان کرو؟۔"

"میرے آقا۔ عامر نے جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔ "عورت کو ناقص العقل کہا جاتا ہے مصر سے ہمیں کوئی علاقہ نہیں۔ دمشق کو ہم اپنا وطن بنا چکے ہیں مگر بیوی زرتاج نے جب سے سنا ہے کہ لشکر مصر جانے والا ہے اسی وقت سے ضد کر رہی ہے کہ ایک بار اور مصر دکھادو۔"

"مگر عامر۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہاری بیوی کے نہ ماں ہے نہ باپ۔" صلاح الدین نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر وہ کس سے ملنا چاہتی ہے۔ کیا اپنے ماموں ملک شاور سے ملے گی۔"

"نہیں آقا۔ اسے میری بہن نے اپنی بچیوں کی طرح پالا ہے۔ زرتاج اسے باجی کہتی ہے لیکن اپنی سگی ماں سمجھتی ہے اسی کو دیکھنا چاہتی ہے۔" عامر نے گڑگڑا کے درخواست کی۔

"عامر۔ میں تمہاری بیوی کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔" صلاح الدین نے کہا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہیں یا تمہاری بیوی کو لشکر کے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یوں بھی تمہارا بچہ ابھی شیرخوار ہے اور ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ مصر جانے کے لئے ہم کونسا راستہ اختیار کریں گے۔"

عامر کا منہ اتر گیا لیکن اس نے سنبھل کے کہا۔ "آقا کوئی بات نہیں میں جانتا ہوں کہ فوجی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ملک شاور کا برادر نسبتی ہوں اور مجھ پر ہر قسم کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اپنی بیوی کو سمجھالوں گا۔"

صلاح الدین نے ادھر سے مطمئن ہو کر قاسم الحسین کی طرف دیکھا۔ قاسم الحسین خود کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے کہا۔ "آقا میری بیوی کی بھی یہی خواہش تھی۔ میں بھی اسے سمجھالوں گا۔ مریم اگرچہ مسلمان ہو گئی ہے لیکن سب کو معلوم ہے کہ وہ پہلے عیسائی تھی۔"

صلاح الدین نے کہا۔ "عامر اور قاسم الحسین۔ میں تم دونوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ

Marfat.com

اگر ہمیں مصر میں زیادہ عرصہ قیام کرنا پڑا اور حالات درست ہوئے تو تمہیں مصر ضرور بلاؤں گا۔ اور اگر تم نے وہاں رہنے کی خواہش کی تو اس کا بھی بندوبست کروں گا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ایک بادشاہ کے امرا آپس میں تو بڑے خلوص سے ملتے ہیں لیکن ان کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے۔ تمہارے حالات سے بعض امرا واقف ہیں ان کے منہ سے کوئی بات نکل کر فتنہ پیدا کرسکتی ہے۔"

عامر اور قاسم کی سمجھ میں صلاح الدین کی بات آگئی۔ بعض امیروں کو کسی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ عاصر اصل میں مصری باشندہ ہے اور مصر کے وزیراعظم کا قریبی رشتہ دار ہے۔ اسی طرح انہیں قاسم الحسین کے بارے میں بھی علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی بیوی عیسائی تھی جو اب مسلمان ہو گئی ہے۔ صلاح الدین نے احتیاط کے طور پر انہیں ساتھ لے جانے سے گریز کیا تھا اور اس کا یہ قدم دور اندیشی پر مبنی تھا۔

رات کو چھ ہزار کا لشکر سالار اسد الدین شیرکوہ کی سپہ سالاری میں مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ سوائے امرائے نوریہ کے اور کسی کو علم نہ تھا کہ لشکر کی منزل کیا ہے۔ صبح ہوئی تو سلطان دو ہزار خاص دستوں کے سواروں کو لے کر شکار پر نکلا۔ سب پر یہی ظاہر کیا گیا کہ سلطان چند روز کے لے شکار پر جا رہا ہے۔ سلطان کا رخ شمال کی طرف تھا لیکن تھوڑی دور چل کے اس نے اپنا گھوڑا مشرق کی طرف موڑ دیا۔ سلطان کے گھوڑے کی رفتار کافی تیز تھی۔ صرف دو امیر اس کے ساتھ گھوڑے ملائے چل رہے تھے بقیہ دو ہزار لشکری اس سے کچھ پیچھے گھوڑے بڑھائے چلے آرہے تھے۔ ان سواروں کا شمار شامی لشکر کے بہترین سواروں میں ہوتا تھا۔ اسی لئے انہیں سلطان کے محافظ دستوں میں رکھا گیا تھا۔ سلطان ان سواروں کو صرف خاص خاص موقعوں پر اپنے سے جدا کرتا تھا ورنہ وہ ہمیشہ صرف سلطان کی کمان میں لڑتے تھے۔ اسد الدین شیرکوہ کو اس سے پہلے خاص دستوں میں سے ایک سوار بھی نہیں دیا گیا تھا لیکن اس دفعہ سلطان نے مصر کی مہم کو اتنی اہمیت دی تھی کہ از خود محافظ دستوں میں سے دو ہزار سوار شیرکوہ کے ساتھ بھیجنے کا اعلان کیا تھا۔

دن ڈھلتے ہی سلطان اس لشکر سے آملا جو شیرکوہ کی کمان میں رات کو روانہ ہوا تھا۔ شیرکوہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے تمام امرائے نوریہ کے ساتھ سلطان کا استقبال کیا تھا سلطان نے شیرکوہ کو تاکید کر دی تھی کہ اس کے آتے ہی تمام لشکر صف بندی کرلے۔ چنانچہ شیرکوہ نے صف بندی کا اشارہ کیا۔ اور پورا لشکر صفیں باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ سلطان کے ساتھ آنے والے دو ہزار سوار بھی شیرکوہ کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے صرف ان کا سردار سلطان کے پاس کھڑا رہا۔

Marfat.com

"شیر کوہ ۔۔" سلطان نے سپہ سالار کو مخاطب کیا۔ "ہمارے محافظ دستوں کے دو ہزار سوار تمہارے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ ان کا سردار ہمارے ساتھ کھڑا ہے۔ چونکہ لشکر کے سپہ سالار تم ہو اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ خواہ تم ہمارے خاص سواروں کو ان کے سردار کی کمان میں لڑنے کی اجازت دو یا پھر ان پر جس سردار کو مناسب سمجھو مقرر کر سکتے ہو۔"

سپہ سالار نے فوراً جواب دیا۔ "عالیجاہ۔ تمام لشکر اور اس کے سب سردار تاج دمشق کے وفادار ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر ایک سے ایک اچھا شہسوار اور شمشیر زن ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خاص دستوں کے سردار سے میں واقف ہوں۔ ان کی سرداری بے داغ اور شبہ سے بالا ہے۔ مجھے ان پر پورا اعتماد بھی ہے اس لئے خاص دستے ان کی کمان میں رہیں گے۔ کسی دوسرے کو سردار مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں سپہ سالار کی عزت افزائی کا شکر گزار ہوں۔" خاص دستوں کے سردار نے شکریہ ادا کیا "عالیجاہ کے یہ خاص غلام اپنے روائتی انداز میں جنگ کریں گے اور میدان جنگ میں اپنے خون سے تاریخ رقم کریں گے۔"

سلطان نے مسکرا کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر سلطان نے لشکر کے سامنے ایک مختصر تقریر کی اور باربرداری کے چند گھوڑے سپہ سالار کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اے وفادار سپہ سالار۔ نجم الدین کے بیٹے صلاح الدین نے سامان حرب اور سامان رسد کا باب عالی میں شکوہ کیا تھا۔ ہم نے اس لشکر کے ساتھ اس قدر سامان کر دیا ہے کہ اگر تمہیں دو سال تک مسلسل جنگ کرنا پڑے تو بھی سامان میں کمی واقع نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ ہم نے ہر لشکر کے لئے بیس دینار طلائی بطور تحفہ ان گھوڑوں پر بار کرائے ہیں۔ اگلی منزل پر یہ رقم ان میں تقسیم کردی جائے۔ لشکر کے اخراجات کے لئے دو لاکھ دینار کی الگ رقم ہے۔"

سلطان کے اس اعلان سے ان امرا کے وسوسوں کا خاتمہ ہو گیا جو رسد اور رقم کی کمیابی کے شاکی تھے صلاح الدین کی بھی تمام شکائتیں دور ہو گئی تھیں۔ پھر سلطان نے شیر کوہ کو راستے کی دوبارہ نشاندہی کر کے اسے کوچ کا حکم دیا۔ لشکریوں نے باگیں اٹھائیں اور ایک نئے راستے سے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ سلطان دمشق واپس ہوگیا۔

☆.☆

شامی لشکر نئے راستے سے منزلیں مارتا آگے کی طرف بڑھتا رہا۔ شیر کوہ کا خیال تھا کہ شاید یروشلم کی فوج اس کے راستے میں مزاحم ہو لیکن ایسا نہ ہوا۔ بائیسویں دن شامی لشکر بلبیس کی مشرقی سرحد پر نمودار ہوا۔ اس سے پہلے شامی لشکر بلبیس میں شمال کی سرحد کی طرف سے داخل ہوتا تھا لیکن اس دفعہ یہ مشرقی سرحد پر پہنچا تھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور

Marfat.com

شیرکوہ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ شام تک بلبیس کے اندر چلتا رہے گا اور جہاں پر رات ہو جائے گی وہیں قیام کرے گا۔

بلبیس کے اندر شیرکوہ نصف گھنٹے تک چلا تھا کہ اس کے ہراول دستے کا ایک سوار بھاگتا ہوا آیا اسے آتے دیکھ کر شیرکوہ نے گھوڑا روک لیا جس کے ساتھ ہی پورا لشکر رک کے رہ گیا۔

سوار نے قریب پہنچ کے بتایا۔ "سپہ سالار۔ آگے دشمن کا ایک بڑا لشکر موجود ہے"

"دشمن سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ مصری یا نصرانی؟" شیرکوہ نے تحقیق کی۔

"گرد اس قدر اڑ رہی ہے کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن ان کی تعداد کافی معلوم ہوتی ہے۔" سوار کو جو کچھ بتایا گیا تھا اس نے اس سے شیرکوہ کو باخبر کر دیا۔

"نصرانیوں کی رفتار سست ہے یا تیز۔" شیرکوہ پورا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

"ہمارے ہراول کو دیکھ کر نصرانی لشکر رک گیا ہے۔" سوار نے جواب دیا۔ "وہ لوگ مورچے بنا رہے ہیں۔"

"نصرانی لشکر یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟" شیرکوہ نے ایک اور سوال کیا۔

"تقریباً" چار میل سپہ سالار۔" سوار نے اندازے سے بتایا۔

سپہ سالار نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم واپس جاؤ۔ ہراول دستوں سے کہو کہ جنگ سے گریز کریں اگر نصرانی آگے بڑھیں تو انہیں بڑھنے دیں ہم بھی آگے بڑھ رہے ہیں اور کوئی معقول جگہ دیکھ کے صفیں باندھیں گے۔"

سوار واپس ہو گیا شیرکوہ نے امرائے نوریہ کو مخاطب کیا۔ "سلطنت دمشق کے وفادارو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نصرانیوں کو ہمارے آنے کی خبر کس طرح ہوئی جبکہ ہم ایک بالکل نئے راستے سے مصر میں داخل ہوئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ مخبری ہوئی ہو۔" امیر باروقی نے کہا۔ "دمشق سے چلے ہوئے ہمیں آج بائیسواں دن ہے پھر ہم نسبتاً" ایک طویل راستے سے آئے ہیں۔ اس دوران نصرانی جاسوس اپنے لشکر کو اطلاع دے سکتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ راستہ نیا تھا لیکن وہ طویل نہ تھا۔" شیرکوہ نے امیر عین الدولہ باروقی کی بات کاٹی۔ "دمشق اور بلبیس کا درمیانی فاصلہ اتنے ہی دنوں وقت میں طے ہوتا ہے۔ کم از کم ہم نے دونوں مرتبہ اسے اتنے وقت میں طے کیا تھا۔ پھر بھی جاسوس کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔"

شیرکوہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے چند امیروں کو آگے بھیجا کہ دونوں لشکروں کے

Marfat.com

درمیان کوئی مناسب جگہ پسند کریں جہاں میدان جنگ بنایا جائے۔ شیرکوہ جلد بازی سے کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ نصرانیوں سے صرف ایک بار مقابلہ ہو اور وہی جنگ آخری ہو۔ امیرادھر روانہ ہوئے اور ادھر ہراول کا ایک اور سوار آگیا۔

"کیا اطلاع لائے ہو تم؟" شیرکوہ نے پوچھا۔

"سپہ سالار۔ جس نصرانی لشکر کو دیکھا گیا تھا وہ خود ہی پسپا ہو گیا ہے۔" سوار نے عجیب طرح کی خبر سنائی۔ اس خبر سے شیرکوہ کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اس نے امیروں سے مشورہ کیا۔ امیر اسے کوئی معقول مشورہ نہ دے سکے۔ مجبوراً" اس نے پھر سوار سے سوال کیا۔ "پسپا ہونے والے نصرانی لشکر کی تعداد کتنی تھی؟"

"تقریباً" دو ڈھائی ہزار ---" سوار نے جواب دیا۔

شیرکوہ نے سرہلایا جیسے بات اس کی سمجھ میں آگئی ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ نصرانیوں نے ہمارے لشکر کا غلط اندازہ کر کے مورچے بنانے شروع کردیئے تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ ہماری تعداد پچھلے حملوں سے کہیں زیادہ ہے تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ مزید لشکر کا انتظار کریں گے۔"

امرا نے اسد الدین شیرکوہ کے خیال کی تائید کی۔ بالکل یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ نصرانیوں کو جب شامی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہی سمجھا کہ شیرکوہ کے ساتھ حسب سابق دو ہزار کا لشکر ہے اس لئے انہوں نے مقابلہ کا فیصلہ کیا لیکن جب انہیں صحیح تعداد بتائی گئی تو وہ سرپر پیر رکھ کر قاہرہ کی طرف بھاگے۔

شامی جاسوس' پسپا ہوتے ہوئے نصرانی لشکر کے پیچھے لگے ہوئے قاہرہ پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی پورے قاہرہ میں خبر اڑ گئی کہ شامی لشکر مصریوں کی مدد کے لئے آرہا ہے اور وہ بلبیس تک پہنچ چکا ہے۔ نصرانیوں کے لئے یہ متوقع یا غیر متوقع خبر بجلی بن کر گری۔

نصرانی لشکر قاہرہ کے قریب خیمہ زن تھا۔ نصرانیوں اور ملک شاور میں معاہدہ ہوا تھا کہ ایمالرک شاہ یروشلم' قاہرہ پر حملہ نہ کرے تو اسے دس لاکھ اشرفیاں ادا کی جائیں گی۔ ملک شاور نے پانچ لاکھ اشرفیاں فوری طور پر نصرانیوں کو ادا کردی تھیں اور باقی پانچ لاکھ اشرفیوں کے انتظام میں لگا ہوا تھا۔ ملک شاور اس وقت بھی دوہری پالیسی پر عمل کر رہا تھا۔ ایک طرف تو اس نے نصرانیوں سے معاہدہ کر کے انہیں نصف رقم ادا کردی تھی دوسری طرف اس نے شیرکوہ اور سلطان دمشق کے پاس قاصد بھیجے تھے اور مسلمان ہونے کے حوالے سے شامی لشکر کی مدد مانگی تھی اس کے صلہ میں اس نے پہلے سے بھی زیادہ خوش نما شرطیں پیش کی تھیں۔ جب اسے معلوم ہوا کہ شامی لشکر بلبیس پہنچ گیا ہے تو اس نے یہی

Marfat.com

سمجھا کہ شیر کوہ اور سلطان دمشق کو اس پر رحم آگیا ہے اور شیر کوہ اس کی درخواست پر مصر پہنچا ہے۔

عجیب بات یہ تھی کہ شامی لشکر کے دمشق سے روانہ ہوتے ہی شاہ ایمالرک معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان دمشق ایک بڑے لشکر کے ساتھ دارالسلطنت سے نکلا ہے اور امکان یہ ہے کہ وہ مصر جائے گا۔ اس خبر کو لانے والا ایک نصرانی جاسوس تھا جو دمشق سے ستائیس دن سفر کرتا ہوا یروشلم پہنچا تھا پھر یروشلم سے ایک سوار یہ خبر لے کر قاہرہ نصرانی لشکر گاہ آیا تھا اس خبر کی کوئی تفصیل نہ تھی شاہ یروشلم نے یہ سوچ کے کہ شاید اس اطلاع میں کوئی حقیقت ہو اس لئے اس نے تین ہزار کا لشکر بلبیس بھیج دیا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ ریگستان میں دور دور تک نظر رکھی جائے اور اگر شامی لشکر نظر آئے تو اس کا مقابلہ کیا جائے۔ قاہرہ کے دروازے سے وہ یوں نہ ہٹنا چاہتا تھا کہ ابھی ملک شاور سے اسے آدھی رقم موصول ہوئی تھی۔

پھر جب یہ خبر قاہرہ میں پھیلی تو ملک شاور میں اک دم خودسری پیدا ہوگئی۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑے کروفر سے اپنے جھنڈے' نقارے ا بوق و قرنجاتے ہوئے نصرانی لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔ یہ اس کا ہمیشہ کا طریقہ تھا اور وہ اپنا جھوٹا وقار برقرار رکھنے اور دوسرے کو مرعوب کرنے کو یہی طریق کرتا تھا۔ ملک شاور کئی ماہ کے بعد شاہ ایمالرک سے ملنے آیا تھا۔ شاہ کو خیال ہوا کہ شاید رقم کا بندوبست ہو گیا ہے اور ملک شاور ادائیگی کی غرض سے آیا ہے۔ اس نے خود ملک شاور کا استقبال کیا۔

"ہم اپنے دوست ملک شاور وزیراعظم مصر کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" ملک شاور جب گھوڑے سے اتر کے شاہ کے پاس پہنچا تو شاہ نے مسکرا کے اسے خوش آمدید کہا۔

"شاہ یروشلم۔ مجھے افسوس ہے کہ باقی رقم کا انتظام نہیں ہوسکا۔" ملک شاور نے بڑے کھرے پن سے کہا۔

شاہ ایمالرک بڑا گھاگ اور جہاندیدہ تھا اس نے ملک شاور کے لہجے کی تلخی محسوس کرلی مگر خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا اور خوش دلی سے بولا۔ "کوئی بات نہیں وزیراعظم۔ اگر اب تک انتظام نہیں ہوا تو ہم کچھ دن اور انتظار کریں گے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہماری دوستی ختم ہوجائے۔"

"اب مزید ایک اشرفی کا انتظام نہیں ہوسکتا۔" ملک شاور نے ایسے انداز سے کہا کہ شاہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

شاہ ایمالرک کا دماغ بھی چڑ چڑا گیا۔ اس نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔ "ملک شاور یہ

Marfat.com

تم نہیں بول رہے بلکہ وہ خبر بول رہی ہے جس میں شامی لشکر کے آنے کی اطلاع دی ہے۔ تم غلطی پر ہو۔ ہم اور تم پڑوسی ہیں۔ تمہاری مدد کو یروشلم سے پہلے اور کوئی طاقت نہیں پہنچ سکتی۔ پھر شامیوں کا کیا اعتبار۔ وہ اگر آبھی گئے ہیں تو اس بار ان کا لشکر بچ کر نہ جا سکے گا۔ نقصان ہر صورت میں تمہارا ہوگا۔ تباہی ہر صورت میں مصر کی ہوگی۔"

"مجھے اجازت دی جائے شاہ یروشلم۔" ملک شاور اچک کے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ "میں نے آپ کو کر دی تاکہ آپ کو یہ شکوہ نہ رہے کہ میں نے آپ کو دھوکہ میں رکھا۔"

"ملک شاور۔ اس وقت سے ڈرو جب تم اپنے جھنڈے اور بوق و قرنا کے ساتھ قاہرہ کی گلیوں میں پھرو گے اور تمہیں ایک شخص بھی سلام کرنے والا دکھائی نہ دے گا۔" شاہ ایمالرک جل کے کہہ رہا تھا لیکن سچ کہہ رہا تھا۔ "ہم نے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ شامی بھی تمہیں آزما چکے ہیں۔ تم نے جو کچھ سوچ رکھا ہے وہ کبھی پورا نہ ہوگا۔ اگر شامی ایک بار مصر پر قابض ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں یہاں سے نکال نہ سکے گی۔"

"شاہ یروشلم۔ آپ میری توہین کر رہے ہیں۔" ملک شاور بلبلا اٹھا۔

"توہین اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی عزت ہو۔" شاہ ایمالرک غصے سے کانپنے لگا تھا۔ "ہم نے تمہاری درخواست پر قاہرہ کو تباہی سے بچا لیا ورنہ فسطاط کو خاکستر کر کے تم نے جو کھیل شروع کیا تھا وہ کھیل ہم مصر کے قاہرہ میں کھیلتے۔

"آپ کے لشکر نے بلبیس میں قتل عام کیا ہے؟" ملک شاور نے جیسے شاہ کے چٹکی لی۔

"ہاں۔ ہم نے قتل عام کرایا ہے۔ اس وقت ہمیں حالات اجازت نہیں دیتے ورنہ ہم قاہرہ میں بھی قتل عام کراتے۔" شاہ کا ہاتھ قبضہ شمشیر پر پہنچ گیا۔ "لیکن اب قاہرہ بچ نہ سکے گا ہم اس وقت تو قاہرہ چھوڑ کے جا رہے ہیں لیکن ہم واپس آئیں گے بہت جلد واپس آئیں گے اور پھر اس انداز سے قاہرہ کو جلائیں گے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہ مل سکے۔

اب کے تم ہمارے قہر سے نہ بچ سکو گے۔ ملک شاور۔ تم انسان نہیں شیطان ہو۔ تم خود غرض، غدار اور احسان فراموش ہو۔ تم تھالی کے بینگن ہو۔ تمہارے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں۔"

ملک شاور نے جیسے سنی ان سنی کر دی۔ اس نے گھوڑا موڑا اور جس طرح نقارے پیٹتا اور بوق و قرنا بجاتا آیا تھا اسی طرح واپس ہوگیا۔ شاہ یروشلم نے غصہ کے باوجود مصلحت سے کام لیا۔ اس کے پاس کافی لشکر تھا۔ وہ قاہرہ کو لوٹ سکتا تھا۔ آگ لگا سکتا تھا۔ ملک شاور کی گستاخ زبان کھینچ سکتا تھا لیکن اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اسے ملک شاور کے اس شان و شوکت سے اندازہ لگایا تھا کہ ملک شاور نے شامی لشکر سے رابطہ قائم کرلیا ہے اور

Marfat.com

مصری عوام کی ہمدردیاں شامیوں کے ساتھ ہو گئی ہیں۔ اگر وہ قاہرہ میں الجھے گا یا ملک شاور کو قتل کرائے گا تو اس کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔

یہ اور ایسی بہت سی باتیں سوچتا ہوا شاہ یروشلم قاہرہ کے دروازے سے ہٹ کر پورے لشکر کے ساتھ شامیوں کے مقابلے میں چلا۔ شیرہ کوہ اس وقت تک کافی آگے آگیا تھا اور ایک میدان میں خیمے ڈالے پڑا تھا۔ شامیوں کو ہر وقت اور ہر طرف سے حملے کا خطرہ تھا اسی لئے ان کا نصف لشکر ہر وقت حالت جنگ میں رہتا۔ شاہ یروشلم تیزی سے بڑھتا ہوا شامی لشکر کے مقابل پہنچ گیا اور اس کے سامنے خیمے ڈیرے لگادیئے۔ شامیوں اور یروشلم کے لشکریوں کے درمیان اس موقعہ پر جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات کہیں موجود نہیں۔ مسلم مورخین نے لکھا ہے کہ شیر کوہ نے ایک خوفناک جنگ میں یروشلم کے لشکر کو ایسی زبردست شکست دی کہ ان کے قدم پھر مصر کی سرزمین پر کہیں نہ جم سکے اور مصر پر مکمل قبضہ کی خواہش نصرانی سرداروں کے دل ہی میں رہی گئی۔ نصرانی ایسے سر پر پیر رکھ کر بھاگے کہ یروشلم ہی پہنچ کے انہوں نے دم لیا۔

انگریز مورخوں کا تعصب مشہور ہے۔ صلیبی جنگوں میں انہوں نے عجب گل کھلائے ہیں جھوٹ کے ایسے ایسے طومار باندھے ہیں کہ ہنسی آتی ہے۔ صلیبی جنگوں کے علاوہ بھی جہاں کہیں مسلمانوں اور نصرانیوں جنگ ہو اسے وہ صلیبی جنگ کا رنگ دے کر جھوٹ بولنا شروع کردیتے ہیں۔ مصر پر تیسری یلغار کے واقعات میں بھی انہوں نے ڈنڈی ماری ہے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ شیر کوہ اور شاہ یروشلم کی فوجوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں شاہ یروشلم کو شکست فاش ہوئی لیکن مغربی مورخوں نے اس جنگ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا اور صرف یہ لکھا:۔

شاہ یروشلم قاہرہ کے باہر باقی پانچ لاکھ اشرفیوں کی وصولی کے لئے فوجیں لئے پڑا تھا کہ شامی لشکر مصر میں داخل ہو کر مصری فوجوں سے آملا اور لالچی ایمالرک شاہ یروشلم سر پر پیر رکھ کر مصر سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ شامی لشکر اور مصری لشکر اکٹھا ہو گیا تھا اس لئے شاہ ایمالرک کو مصر چھوڑ کر یروشلم جانا پڑا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ مصری فوج کا نہ کوئی کردار تھا اور نہ طاقت۔ مصر کی ایک جنگ میں بھی مصریوں نے شامیوں کا ساتھ نہیں دیا۔

غرض یہ کہ شیر کوہ فتح کے نقارے بجاتا قاہرہ کی طرف چلا۔ مصر کی اس جنگ میں بھی صلاح الدین اور اس کے زیر کمان دستوں نے خوب داد شجاعت دی راپنی سپہ گری کا لوہا دوست و دشمن دونوں سے منوالیا۔ بلبیس میں مصریوں کے قتل عام کے بعد ہی سے مصریوں

Marfat.com

کی ہمدردیاں شیر کوہ کے ساتھ ہو گئی تھیں۔ شیر کوہ کی آمد کا غلغلہ اٹھا تو مصریوں نے اسے جشن کی صورت دیدی۔ قاہرہ کے راستے میں محرابیں لگائی گئی۔ مقامی رقص و موسیقی کی محفلیں جمیں۔ ان طرح مصری عوام نے مختلف طریقوں سے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ شامی لشکر جس راستے سے گزرتا اس پر گلاب اور عرق گلاب کی بارش کی جاتی۔

شیر کوہ نے مصر کے قاضی القضاۃ کو فتح کی خوش خبری دے کر قصبہ خلافت بھیج دیا تھا جس کے اب میں خلیفہ محترم نے اپنے صاحب خاص کے ذریعہ شیر کوہ کو اپنے محل میں طلب کیا تھا۔ شیر کوہ نے یہ اطلاع پا کر اپنے جلوس کا رخ قصرہ خلافت کی طرف کردیا تھا پھر مصر کے خواص اور عوام نے پہلی بار یہ دیکھا کہ خلیفہ حریم خلافت کے زرنگار پردے ہٹوا کر قصر کی سیڑھیوں تک آیا اور اس نے انتہائی مسرت سے شیر کوہ کا استقبال کیا اس جلوس میں مان نہ مان میں تیرا مہمان کے مصداق بن بلائے اپنے پورے خدم اور حشم کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اس نے قصر خلافت کے صدیوں پرانے قاعدوں اور رسموں کو توڑ کر خلیفہ عاضد کو قصر کی سیڑھیوں پر سوڈانی برہنہ شمشیرزنوں کے ساتھ شیر کوہ کے استقبال کے لئے کھڑے دیکھا تو اس کی آنکھین پھٹی رہ گئیں۔

شیر کوہ گھوڑے سے اتر کر محل کی سیڑھیوں پر چڑھا اور خلیفہ کو مودبانہ سلام کیا۔ خلیفہ نے مسکرا کے شیر کوہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسی طرح شیر کوہ کو لئے ہوئے اندر چلا گیا۔ صلاح الدین لشکر کے ساتھ باہر تھا۔ اس نے فوراً فوجی دستوں کو شہر میں پھیلا دیا اور شہر پناہ پر بھی پہرہ لگا دیا۔ قصرہ خلافت میں خلیفہ نے شیر کوہ کو خلعت عطا کیا اور حکم دیا کہ شیر کوہ اس خلعت کو زیب بدن کر کے خلیفہ کے حضور پیش ہو شیر کوہ نے حکم کی تعمیل کی اور خلعت فاخرہ پہن کے حضور خلیفہ میں پیش ہوا۔

خلیفہ عاضد نے تخلیہ کا حکم دیا۔ جب تمام غلام' کنیزیں اور پہریدار دور چلے گئے تو خلیفہ نے آہستہ سے ارشاد فرمایا۔ بہادر سپہ سالار۔ شاور ہمارا خانہ زاد ہے۔ اس کے باقی رکھنے میں نہ مابدولت و اقبال کا فائدہ ہے اور نہ آپ کا۔"

خلیفہ عاضد کی طرف سے شاور کے قتل کا یہ واضح اشارہ تھا۔ شیر کوہ نے ذرا خم ہو کر جواب میں کہا۔ "حکم عالی پر عمل کیا جائے گا۔"

خلیفہ مسکرایا لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہے۔ اس کے رنگ میں زردی آگئی تھی اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ خلیفہ کو بہت کم عمری میں خلافت مل گئی تھی۔ اس کم عمری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قصر خلافت کے غلاموں اور کنیزوں نے عاضد کو بدراہ پر لگا دیا اور وہ انتظام سلطنت سے بالکل بیگانہ ہو کر رہ گیا۔ عیاشی کی کثرت نے اس کی صحت تباہ کر کے رکھ دی اور وہ جوانی کے عالم ہی میں بوڑھا دیکھائی

Marfat.com

دینے لگا۔ شاہی طبیب ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں لگا رہتا تھا لیکن خلیفہ بدپرہیز تھا اور بدپرہیزی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بالکل لاغر ہو گیا۔ نظام ہاضمہ اس قدر خراب ہوا کہ ہلکی سے ہلکی چیزیں مشکل سے ہضم ہوتی تھی۔

شیرکوہ خلیفہ کی دی ہوئی خلعت سے ایسا خوش ہوا کہ جب خلیفہ سے مل کر واپس آیا تو وہی خلعت پہنے تھا۔ سب سے پہلے خلعت کی مبارک باد صلاح الدین نے دی۔ اس نے چچا کا دامن پکڑ کے کہا۔ "مبارک ہو چچا جان۔ یہ خلعت آپ پر خوب کھل رہی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں بھتیجے۔ تم بھی بہت جلد اس خلعت کے حقدار ہو جاؤ گے۔" شیرکوہ نے بھی بھتیجے کی شجاعت کی تعریف کی۔

صلاح الدین نے واقعی ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا کہ شیرکوہ اس کا ذکر خلیفہ سے کرتا تو صلاح الدین کو ضرور انعام دیا جاتا۔ صلاح الدین نے کہا۔ "چچا جان۔ مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف آپ کی خوشی منظور ہے۔"

"اور ہمیں یہ منظور ہے کہ تم اس مقام پر پہنچو جس کے اہل ہو۔" شیرکوہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

شیرکوہ اس قدر خوش تھا کہ اس نے لشکریوں کے سامنے خلیفہ کی خلعت کی نمائش کی پھر بڑے جوش سے کہا۔ "میرے ساتھیوں اور دوستو۔ خلیفہ کی طرف سے مجھے آج خلعت ملی ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ میرے دل کو تو اس دن اطمینان ہوگا جب اس لشکر کا ہر امیر اور ہر سپاہی اور سوار خلیفہ مصر سے خلعت حاصل کرے گا۔"

امرائے نوریہ نے شیرکوہ کی اس بات کو بہت سراہا۔

دوسرے دن شیرکوہ نے امرائے نوریہ کا اجلاس بلایا۔ جس میں دمشق سے آنے والے تقریباً تمام امرائے نوریہ نے شرکت کی۔ شیرکوہ نے کہا۔ "اس خدائے ذوالجلال کا کرم ہے کہ ہم نے ایک بار پھر پہلے ہی معرکہ میں یروشلم کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ مصری عوام نے ہمارا اس قدر پرجوش استقبال کیا ہے ہمیں ان سے جو کچھ گلے شکوے تھے سب ختم ہو گئے۔ فاطمی خلیفہ مصر کی طرف سے بھی ہماری شایان شان عزت افزائی کی گئی۔ خلیفہ نے آپ کے سپہ سالار کو خلعت فاخرہ عطا کی اور مصر کے مفاد پرست اور بد عہد وزیراعظم ملک شاور ـــــــ"

ملک شاور کا نام زبان پر آیا تھا کہ اس وقت ایک غلام آیا۔

"سپہ سالار اعظم۔ غلام نے سر جھکا کر کہا۔ "مصر کے وزیراعظم ملک شاور تشریف لائے ہیں۔"

"کم بخت۔ یہ بے شرم پھر آ گیا۔" شیرکوہ غصے سے سلگ اٹھا۔

Marfat.com

امیر شرف الدین برغش نے کہا۔ "یہ نصرانیوں کا دوست ہے۔ ہمارے پاس کیا لینے آیا ہے؟"

"کہاں بٹھایا ہے اسے؟" شیرکوہ نے پوچھا۔

غلام نے جواب دیا۔ "حضور والا ابھی ان کا جلوس نظر آیا ہے ڈھول تاشوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔"

"اس کا علاج کرنا ہی پڑے گا۔" شیرکوہ نے غصہ سے کہا۔ "آپ لوگ تشریف رکھے میں اسے رخصت کر کے ابھی آتا ہوں۔"

شیرکوہ پیر پٹختا ہوا غلام کے ساتھ چلا گیا۔

امیر برغش کو اب تک غصہ سوار تھا۔ وہ چیخ پڑا۔ "ملک شاور کا ہم سے کیا رشتہ ہے۔ کیوں آتا ہے یہ ہمارے پاس کمینہ' دوغلا"

امیر مشطوب ہکاری نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "ہمیں احمق بنانے آتا ہے۔ سپہ سالار نے خواہ مخواہ اسے منہ لگا رکھا ہے۔"

قطب الدین بولا۔ "آج اس کا فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ اگر سپہ سالار نے اسے معاف کر دیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مصری سیاست میں گندگی پھیلا رکھی ہے اس نے۔"

اس وقت شیرکوہ واپس آگیا اور آتے ہی کہا۔ "میں نے اسے سر درد کا بہانہ کر کے واپس کر دیا ہے اب شاید نہ آئے۔"

"سپہ سالار آپ کو باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟" قطب الدین بھرا بیٹھا تھا۔

"مجھے آپ کے لوگوں کے جذبات کا اندازہ ہے۔" شیرکوہ نے متانت سے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں خلیفہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ انہیں بھی ملک شاور سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ایسا ہے تو پھر کس بات کا انتظار ہے امیر؟" مشطوب ہکاری نے کہا۔ "اس مار آستین سے جس قدر جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے بہتر ہے۔"

"سلطان محترم کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔" شیرکوہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ملک شاور کی حرکتوں کا بھی میں نے ذکر کیا ہے باب عالی سے اجازت آجائے تو پھر اس سے نجات حاصل کی جائے گی۔"

"ہم لوگوں کو کیوں بلایا تھا امیر؟" عین الدولہ باروقی نے براہ راست سوال کیا۔

"اسی شاور کے بارے میں مشورہ کرنا تھا۔" شیرکوہ نے جواب دیا۔ "اس کا اس طرح آزاد گھومنا اور نقارے بجاتے ہماری لشکر گاہ میں آنا اچھا نہیں۔ میں نے اس طرح اسے جھڑکا ہے کہ اگر انسان کا بچہ ہے تو عقل آجائے گی۔"

Marfat.com

لیکن ملک شاور انسان کا بچہ کب تھا جو اسے عقل آتی۔ وہ دن میں ایک بار اور کبھی دو دو مرتبہ اپنے پورے تام جھام اور قرنا اور بوق کے شور میں شامی لشکر گاہ میں شامی سپہ سالار سے ملنے آتا اور گھنٹوں ان کا دماغ چاٹتا رہتا۔ شیرکوہ اس کی سرشت سے واقف تھا لیکن برابر طرح دیئے جا رہا تھا دراصل اسے دمشق سے جواب آنے کا انتظار تھا۔ دمشق سے قاصد آگیا' شیرکوہ' صلاح الدین اور دیگر امراء اور سرداران فوج کی سلطان نے حوصلہ افزائی کی تھی اور ان کی تعریف بھی کی گئی تھی لیکن ملک شاور اور خلیفہ کے بارے میں کوئی حکم یا تاکید نہ تھی۔ اس سے شیرکوہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ سلطان نے مصر کے معاملات اس کی صوابدید پر چھوڑ دیئے ہیں اور اسے اپنے طور پر ہر قدم اٹھانا ہے۔

مصر کے عوام کو شیرکوہ سے حد درجہ عقیدت ہو گئی تھی۔ وہ شیرکوہ اور شامی لشکر کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے۔ شیرکوہ جب بھی سوار ہوتا قاہرہ کے عوام اسے گھیر لیتے اور جہاں وہ جاتا اسے جلوس کی شکل میں لے جاتے۔ جمعرات کی شام کو شیرکوہ اکثر امام شافعی کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا۔ لوگ یہاں بھی اسے جلوس کی شکل میں لے کے آتے۔ جلوس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے۔ اچھے برے۔ دوست دشمن۔ یوں تو قاہرہ کے عوام شیرکوہ کو بے حد چاہتے اور اس کے اشارے پر جان دے سکتے تھے لیکن ملک شاور اب تک آزاد تھا اور اس کا رابطہ یروشلم سے بھی قائم تھا۔

ملک شاور کا عجیب دماغ تھا۔ نصرانی' قاہرہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے تو وہ شامی لشکر کو آواز دیتا اور جب شامی قاہرہ آجاتے تو ان کے خلاف نصرانیوں سے نامہ و پیام شروع کردیتا۔ شاہ یروشلم کی شکست سے وہ صرف اس حد تک خوش تھا کہ مصر' نصرانیوں یا کم از کم ان کے خوف سے آزاد ہو گیا لیکن وہ شامیوں کو بھی پسند نہ کرتا تھا۔ شیرکوہ کو آئے جو جو دن گزرتے جاتے تھے۔ ملک شاور کے خدشات بڑھ رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ شامیوں کا مصر پر یہ تیسرا حملہ تھا اور شامی لشکر ہی کی وجہ سے مصر' نصرانیوں کے ہاتھ سے بچا تھا لیکن ملک شاور نے شیرکوہ کا زبانی شکریہ ادا کرنے کے سوا اس عہد نامہ کا کوئی ذکر نہ کیا تھا جس میں مصر کا ۱/۲ حصہ سلطنت شام میں شامل کرنا لکھا تھا۔ پہلے عہد نامہ کے بعد ایک دوسرا عہد نامہ بھی ہوا تھا جس میں دمشق کے سلطان کو اور زیادہ لالچ دیا گیا تھا لیکن وہ دونوں معاہدے جیسے طاق نسیاں کی زینت بنا دیئے گئے تھے۔ ملک شاور نے اپنے عہد ناموں پر عمل کرنا تو درکنار اس کا تذکرہ تک نہ کیا تھا۔

پھر ایک دن جب شیرکوہ امام شافعی کے مقبرے کی طرف جا رہا تھا تو جلوس میں سے کسی شخص نے بہت قریب سے شیرکوہ پر خنجر سے وار کیا۔ یہ ایک کھلا ہوا قاتلانہ حملہ تھا۔ شیرکوہ کے محافظ سوار نے حملہ آور کو گرفتار کرلیا۔ پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ وہ ملک شاور کا آدمی ہے۔ ملک شاور کو معلوم ہوا تو وہ دہائی دیتا آیا اور صاف انکار کرگیا اور ہاتھ پیر جوڑ

Marfat.com

کے شیرکوہ کو راضی کرلیا لیکن شیرکوہ اس کی طرف سے کھٹک گیا تھا۔

پھر ایک دن تو شیرکوہ کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ ملک شاور جو ظاہر میں اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے' اندر ہی اندر سے اسے راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہے۔ ہوا یوں کے قاہرہ کے ایک عام آدمی نے شیرکوہ سے ملنے کی درخواست کی۔ شیرکوہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ اس نے ملک شاور کے محل پر اپنے جاسوس بھی مقرر کردیئے تھے۔ جب ملاقات کے خواہشمند کو پہرے میں شیرکوہ کے پاس لایا گیا تو شیرکوہ اسے دیکھ کے ہنس پڑا۔ وہ دراصل شیرکوہ کا جاسوس تھا جس نے اپنے آپ کو بالکل مصری بنا لیا تھا۔

شیرکوہ نے پہریداروں کو ہٹا دیا۔

"کہو سراج کیا خبر ہے۔ اس وقت کیا ضرورت پڑ گئی۔" شیرکوہ نے نرمی سے پوچھا۔ میں آگیا۔ جاسوس نے بتایا کہ ملک شاور نے شامی سپہ سالار اور تمام امراء کی ضیافت کا انتظام کیا ہے اور اس دعوت کی آڑ میں وہ سب کا صفایا کرنے کی فکر میں ہے۔

شیرکوہ کو فاطمی خلیفہ نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ ملک شاور نہ ان کے لئے کار آمد ہے اور نہ شامی سپہ سالار کے کوئی کام آ سکتا ہے۔ اس واضح ہدایت اور اجازت کے باوجود شیرکوہ مصر کے وزیر اعظم کو سنبھلنے کا ایک موقعہ اور دینا چاہتا تھا لیکن اب جاسوس کی اطلاع کے بعد تو کسی پس و پیش کی ضرورت نہ تھی۔ اب اسے صرف یہ انتظار تھا کہ ملک شاور اسے اور اس کے امرا کو دعوت دے اور اس کے ساتھ ہی شیرکوہ اس سانپ کو کچلنے کا انتظام کرے۔

شیرکوہ نے اپنے دل کی کیفیت کسی سے بیان نہ کی تھی لیکن صلاح الدین نے اس کے چہرے سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ شیرکوہ ضرور کسی الجھن میں گرفتار ہے۔ صلاح الدین کو اپنے چچا سے بہت محبت تھی۔ مصر روانگی کے وقت چچا بھتیجے میں کچھ تلخ گفتگو ہو گئی تھی لیکن یہ محبت بھری تلخی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ صلاح الدین نے چچا کی الجھن دور کرنے کے لئے گفتگو میں پہل کی۔

"سپہ سالار چچا۔" صلاح الدین نے شیرکوہ کو مخاطب کیا۔ وہ امن کے زمانہ میں شیرکوہ کو چچا جان اور میدان جنگ میں سپہ سالار چچا کہہ کے مخاطب کرتا تھا۔

صلاح الدین نے کچھ اس انداز سے شیرکوہ کو مخاطب کیا تھا کہ شیرکوہ نے اسے چونک کے دیکھا۔ "کیوں صلاح الدین۔ کیا بات ہے۔ کچھ کہنا چاہتے ہو۔ کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"ضرورت مجھے کسی چیز کی نہیں--" صلاح الدین نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ضرور پوچھنا ہے کہ آپ آج کل کس الجھن میں گرفتار ہیں۔ میں اگرچہ آپ کی کوئی مدد تو نہیں

Marfat.com

کر سکتا لیکن غم تو بٹا سکتا ہوں؟

"پیارے بھتیجے اور ایک بہترین شمشیر زن۔" شیرکوہ نے بغیر کسی بخل کے اس کی تعریف کی۔ "مجھے بڑی خوشی ہے کہ میری ایک ذرا سی الجھن نے تمہیں فکر مند کر دیا۔ یوں تو قاہرہ میں اس وقت امرائے نوریہ کا ایک پورا گروہ موجود ہے۔ انہیں دولت اور تاج دمشق سے تو محبت ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک مصر کا تعلق ہے انہیں اس ملک سے قطعی دلچسپی نہیں۔ ان کا بیشتر وقت اس جوڑ توڑ میں گزرتا ہے کہ مصر کا آئندہ وزیر اعظم کون ہو گا۔ اسکندریہ۔ بلبیس اور دیگر بڑے بڑے صوبوں کے گورنر کون ہوں گے حالانکہ ان باتوں کے سوچنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ ہمیں پہلے قاہرہ اور دوسرے مقامات پر اپنے قدم مضبوط کرنا ہیں۔ مصر کا وزیر اعظم ابھی زندہ ہے اور اس کوشش میں لگا ہے کہ شامی سپہ سالار اور امرائے نوریہ کو کس طرح راستے سے ہٹایا جائے۔ ملک شاور صرف ہمیں مصر سے نکالنے کی فکر میں نہیں ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس دنیا ہی سے نکل جائیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری ---"

"سپہ سالار چچا--" صلاح الدین کو جوش آ گیا۔ "رب کعبہ کی قسم۔ میں آپ کی طرف بڑھنے والے ہاتھ کو قلم کر دوں گا خواہ وہ ہاتھ ملک شاور کا ہو یا امرائے نوریہ میں کسی امیر کا یہ ٹھیک ہے کہ میں آپ کا فکر مند چہرہ دیکھ کر اداس ہو جاتا ہوں اس لئے کہ مصر میں آپ میرے والد امیر نجم الدین ایوب کی جگہ ہیں والد محترم نے مجھے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ میں آپ کے حکم سے کبھی باہر نہ ہوں۔ جس طرح انہوں نے میری حفاظت آپ کے سپرد کی تھی اسی طرح مجھے حکم دیا تھا کہ اگر شیرکوہ کے پورا مصر اور امرائے نوریہ خلاف ہو جائیں تب بھی تم ان کا ساتھ نہ چھوڑنا اور ان کی حفاظت میں تمہیں اپنی جان کی بازی لگانا پڑے تو بھی دریغ نہ کرنا---"

"شاباش صلاح الدین۔" شیرکوہ نے اس کا ہاتھ محبت سے دبایا--- "میں نے تمہاری ان خوبیوں کی وجہ سے تمہیں تمہارے باپ سے مانگا تھا پھر سلطان دمشق سے ضد کر کے تمہیں مصر کے محاذ پر لایا حالانکہ تم دمشق چھوڑنے پر کسی صورت تیار نہ تھے۔ دینی تعلیم اور پند و نصائح سے ہر جوان کو دلچسپی ہونا چاہئے لیکن ایک سپاہی زادے کے لئے اپنے خاندانی پیشے میں بھی عملی تربیت حاصل چاہئے اور سپاہی کی تربیت میدان جنگ میں ہوتی ہے اور جنگ ہی میدان ہے جہاں سپاہی تجربہ حاصل کرتا ہے اس کے اصل جوہر کھلتے ہیں۔"

"سپہ سالار چچا--- آپ کس قدر مہربان ہیں۔" صلاح الدین شدت جذبات سے بے چین ہو گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اکثر آپ دل دکھایا ہے۔"

Marfat.com

"ایسا مت سوچو صلاح الدین۔" شیرکوہ اسے سمجھانے لگا۔ "اگر تمہاری باتوں سے مجھے تکلیف ہوئی ہوتی تو میں تمہیں ایک بار مصر لانے کے بعد دوبارہ ساتھ نہ لاتا۔ میرا اندازہ غلط ہو سکتا ہے لیکن میری تجربہ کار نظریں مستقبل میں ایک مضبوط صلاح الدین کو دیکھ رہی ہیں ایک ایسے مدبر اور جہاندیدہ انسان کا پیکر دیکھ رہا ہوں جو صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے۔ میری عمر کی شام ہو رہی ہے اور اعضا مضمحل ہو رہے ہیں۔ بھائی نجم الدین مجھ سے زیادہ مضمحل ہیں اس وقت ہمارے خاندان کو ایک ایسے مضبوط انسان کی ضرورت ہے جو پورے خاندان کا سہارا بن سکے اور وہ مضبوط انسان صرف تم ہو سکتے ہو۔"

"سپہ سالار چچا۔ مجھے بتایئے کہ آپ کو کس چیز نے فکر مند کر رکھا ہے اور میں آپ کے کس طرح کام آ سکتا ہوں؟" صلاح الدین نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

شیرکوہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر متانت سے بولا۔ "آج میرے پاس سراج آیا تھا۔"

"سراج!" صلاح الدین نے ایک لحہ ذہن پر زور دیا۔ "یہ وہ شخص تو نہیں جسے آپ نے ملک شاور کی نگرانی پر مقرر کیا ہے؟"

"بالکل وہی۔ تم ٹھیک سمجھے۔۔۔" شیرکوہ نے اس سے اتفاق کیا۔ "وہ آج یہ بتانے آیا تھا کہ ملک شاور سے ہوشیار رہیں۔ وہ خلوص اور وفاداری کا ڈھونگ رچا رہا ہے اس سے اس کا مطلب آپ کو غفلت میں ڈال کے اپنا کام نکالنا ہے۔"

"وہ آپ سے کیا کام نکالنا چاہتا ہے سپہ سالار چچا؟" صلاح الدین گھبرا گیا۔

شیرکوہ نے ایک لمبی سانس لے کے کہا۔ "وہ مجھے تمہیں اور تمام امرائے نوریہ کو راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" صلاح الدین نے سر ہلا کر کہا۔ "اسی لئے وہ ڈھول تاشوں کے ساتھ آپ کی خوشامد کرنے آتا ہے۔"

شیرکوہ نے انکشاف کیا۔ "ملک شاور نے منصوبہ بنایا ہے کہ پہلے ہم لوگوں کا اعتماد حاصل کرے پھر تمام شامی سرداروں کو ضیافت کے بہانے دارالوزارت میں بلائے اور وہاں سب کا خاتمہ کر دے۔۔۔"

"خدا نہ کرے۔۔" صلاح الدین کے منہ سے اک دم نکلا ۔۔۔ "اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو گا ملک شاور اپنی کامیابی سے پہلے ہی قید زندگی سے آزاد ہو جائے گا۔"

"صلاح الدین جلد بازی کی ضرورت نہیں۔۔۔" شیرکوہ نے اس کی پیٹھ تھپ تھپائی۔

"اسے دعوت دینے دو پھر دیکھا جائے گا۔ تمام امرائے نوریہ اس کے خلاف ہیں فاطمی خلیفہ نے بھی اس کا اشارہ ہی نہیں کیا بلکہ حکم دیا ہے۔"

"سپہ سالار چچا۔۔۔ آپ مجھے اپنے محافظ دستے میں شامل کر لیجیے۔۔۔"

Marfat.com

شیرکوہ نے صلاح الدین کو حیرانی سے دیکھا۔ "یہ تم نے کیوں سوچا صلاح الدین؟"

"مجھے نہ مصریوں پر اعتبار ہے اور نہ شامی امرا پر۔۔۔" صلاح الدین نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ کی حفاظت پر مامور رہوں گا تو مجھے تسلی رہے گی۔"

"نہیں صلاح الدین۔۔۔" شیرکوہ نے سخت لہجے میں کہا۔۔۔ "میری زندگی شامی مفادات کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ میں تمہاری سپاہیانہ صلاحیت کو اپنی ذاتی حفاظت تک محدود نہیں کر سکتا۔"

"پھر مجھے اپنے طور پر ملک شاور کا انتظام کرنے کی اجازت دیجئے؟" صلاح الدین نے ایک اہم کام کی اجازت طلب کی۔

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن اس وجہ سے نہیں کہ ملک شاور میرا اور امرائے نوریہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ملک شاور کے اس اقدام سے سلطان دمشق اور سلطنت دمشق کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔" شیرکوہ نے اسے مشروط اجازت دی۔ "لیکن تمہیں ایک بات کا مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا۔"

"آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی سپہ سالار چچا۔" صلاح الدین نے تعظیماً سر کو ذرا خم کیا۔ "سپہ سالار صرف حکم دیتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں سے وعدے نہیں لیا کرتے۔"

"خیر یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔" شیرکوہ نے مسرت سے کہا۔ "ہمیں ابھی صرف یہ اطلاع ملی ہے کہ ملک شاور اس قسم کا منصوبہ بنا رہا ہے لیکن اس منصوبے کی صداقت پر اسی وقت یقین کیا جاسکتا ہے جب ملک شاور ہم سے ضیافت کی درخواست کرے۔ اس لئے تم اس وقت تک اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ گے جب تک وہ قدم نہ اٹھائے۔"

"میں اس حکم کی پوری تعمیل کروں گا سپہ سالار چچا۔" صلاح الدین نے دراصل اس بات کا وعدہ کرلیا کہ وہ ملک شاور کو اس وقت تک نہ چھیڑے گا جب تک وہ شرارت کا آغاز نہیں کرتا۔

صلاح الدین کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ تیسرے دن ملک شاور اسی دھوم دھام اور ڈھول تاشوں کے ساتھ شیرکوہ سے ملنے آیا جیسا اس کا طریقہ تھا۔ شیرکوہ چڑا ہوا تھا۔ اس نے ملک شاور کو ٹوکا۔ "اس نمود و نمائش سے تمہاری کیا مراد ہے۔ ہمیں اس سے مرعوب تو نہیں کیا جاسکتا؟"

ملک شاور بڑا باتونی اور وقت شناس تھا۔ اس نے شیرکوہ کے تیور بدلے دیکھے تو فوراً بات بنائی۔ "معزز سپہ سالار۔ یہ ڈھول تاشے اور سواروں کا جلوس لے کے آنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں خدانخواستہ اپنی نمود و نمائش کرتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہ دراصل شامی سپہ سالار اور اس کے لشکر کے رعب و دبدبہ کا اظہار ہے۔ اس تام جھام اور ڈھول تاشوں

Marfat.com

کو دیکھ کر مصری عوام یہ سوچتے ہیں کہ جب ان کا وزیراعظم خود شاہی لشکر کے سپہ سالار
کے پاس روز سلام کے لئے جاتا ہے تو پھر عام آدمی کا کیا حوصلہ ہے کہ وہ شامیوں کے
اپنے دل میں سوائے نیکی کے اور کسی جذبہ کو جگہ دے۔ اگر سپہ سالار کو یہ ناگوار گزرتا ہے
تو کل سے میں گلے میں تلوار لٹکا کے مجرموں کی طرح آپ کے حضور میں آیا کروں گا۔"

ملک شاور نے اتنے مہذب طریقے سے جواب دیا تھا کہ شیرکوہ اپنی جگہ شرمندہ سا ہو
گیا لیکن اس وقت صلاح الدین نے داخل ہو کر بات سنبھال لی۔ صلاح الدین اب عام طور
سے شیرکوہ کے قریب ہی رہا کرتا تھا۔

صلاح الدین نے داخل ہوتے ہی کہا۔ "مصر کے وزیراعظم تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ
دمشق میں صرف سلطان ہی کی سواری ایسے شان و شوکت سے نکل سکتی ہے۔ اس طرح
مصر میں بھی ایک وزیراعظم کو حق نہیں پہنچتا کہ خلیفہ کی موجودگی میں وہ اپنی سواری کو
جلوس کی شکل دے۔"

"بے شک۔ سردار نے درست فرمایا۔" ملک شاور نے کوئی بحث نہ کی اور اپنی غلطی
تسلیم کرلی۔ "یہ میری غلطی تھی کہ میں سپہ سالار لشکر اسلام کے سلام کو آؤں تو لاؤ لشکر
ساتھ لے کر آؤں۔ میں معافی کا خواستگار ہوں سپہ سالار اور سردار صلاح الدین میں آپ
سے بھی دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔"

صلاح الدین اپنا فرض ادا کر کے دوسری طرف چلا گیا۔

ملک شاور نے اب مطلب کی بات کی۔ "سپہ سالار معظم۔ مصری عوام کو تو آپ اپنے
دیدار اور ملاقات سے روز ہی مشرف کیا کرتے ہیں لیکن مصری سردار اور معززین شہراب
تک اس نعمت سے محروم ہیں۔"

"پھر کیا چاہتے ہو تم؟" شیرکوہ نے اک دم سوال کیا۔

"میرے چاہنے کا سوال نہیں ہے سپہ سالار اعظم۔" ملک شاور نے کمال متانت اور
خلوص سے کہا۔ "یہ تو ان امرا اور اراکین کی درخواست ہے جو آپ کو اپنا نجات دہندہ اور
مصر کو نصرانیوں کے ناپاک قدموں سے بچانے والا سمجھتے ہوئے آپ کی پرستش کرتے ہیں۔
میری اور ان کی یہ خوش قسمتی ہو گی کہ آپ اور آپ کے تمام امراء اور سرداران لشکر کچھ
وقت اپنے پرستاروں کے درمیان گزاریں۔ یقین کیجئے کہ مصری امرا آپ کو دیکھ کر بے انتہا
خوش ہوں گے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ مصری امرا کے دلوں میں اگر اجنبیت کا
کوئی خیال باقی ہے تو وہ آپ کو اپنے ساتھ دیکھ کر ختم ہو جائے گا۔"

"تمہارا خیال اچھا ہے ملک شاور۔" شیرکوہ نے اسے حوصلہ دیا۔ "لیکن اس کی
صورت کیا ہوگی۔ اگر کوئی تہوار یا جشن قریب ہو تو اس موقعہ پر ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔"

Marfat.com

"جشن اور تہوار خوشیوں کا دوسرا نام ہے سپہ سالار اعظم۔" ملک شاور اور زیادہ چہک کے بولا۔ "تہوار تو خیر اپنے وقت پر آتا ہے لیکن جشن پر ہمیں اختیار ہے۔ ہم اس تقریب کو جشن کا نام دے سکتے ہیں۔"

"لیکن جشن صرف جشن نہیں ہوتا۔ اس کا بھی تو کچھ نام ہوتا ہے" شیرکوہ نے اپنی دلچسپی ظاہر کرنے کے لئے بات کو طول دیا۔

"جی ہاں درست فرمایا سپہ سالار نے۔" ملک شاور نے فوراً بات کا سہارا لیا۔ "جشن تاجپوشی جشن نصرت و فتح ۔۔ جشن نجات ۔۔۔ کیا مناسب لفظ آیا ہے ذہن میں جشن نجات بلکہ جشن نجات دہندہ اور زیادہ مناسب ہوگا۔ کیا خیال ہے سپہ سالار اعظم کا؟"

"ہاں یہ نام مناسب ہوگا ۔۔" پھر ذرا رک کے شیرکوہ نے کہا۔ "لیکن یہ تقریب ہوگی کہاں۔ اس کے لئے کوئی مناسب جگہ ہونا چاہیۓ؟" شیرکوہ نے اسے بولنے کا موقعہ دیا۔

"اس کے لئے تردد کی ضرورت نہیں سپہ سالار اعظم۔" ملک شاور نے بڑے فخر سے کہا۔" خادم کا غریب خانہ حاضر ہے۔ وہاں یہ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے۔"

"تمہارا مقصد ہے قصروزارت یعنی دارالوزارت؟" شیرکوہ نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"درست فرمایا سپہ سالار اعظم نے ۔۔" وزیر کے چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ "دارالوزارت کے وسیع و عریض ہال۔ راہداریاں اور نزہت گاہیں سپہ سالار کو ضرور پسند آئیں گی۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اگر سپہ سالار دارالوزارت کو اپنی قیام گاہ کے طور پر پسند فرمائیں تو میں کسی اور جگہ منتقل ہو جاؤں۔"

"یہ کچھ اچھا تو نہیں معلوم ہوتا ملک شاور۔ کیا یہ تمہارے اختیارات میں مداخلت نہ ہوگی۔" شیرکوہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"بالکل نہیں۔ ملک شاور نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس وقت مصر میں قصر خلافت کے بعد قصروزارت کا نام آتا ہے اس طرح خلیفہ معظم کے بعد آپ کا اقتدار مستند اور محترم ہے پھر کیوں نہ آپ دارالوزارت میں تشریف فرما ہوں۔"

شیرکوہ نے کہا۔ "یہ مسئلہ بعد کا ہے اسے پھر دیکھیں گے۔"

ملک شاور کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "تو پھر میں سمجھوں کہ سپہ سالار مجھے ضیافت کا افتخار بخشنے پر آمادہ ہیں۔"

"ضرور ملک شاور۔ تم کوئی غیر تھوڑی ہو۔" شیرکوہ نے نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ "کس دن یہ تقریب منعقد کرنے کا ارادہ ہے؟"

"یہ آپ کی فرصت پر موقوف ہے۔" ملک شاور کے خوشی سے ہاتھ پیر پھولے جارہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں جلد ہی مطلع کردیا جائے گا۔" شیرکوہ نے دعوت قبول کرلی۔

Marfat.com

شیر کوہ دن اور وقت کا تعین کر سکتا تھا لیکن اس نے جان بوجھ کے تعطل پیدا کیا تا کہ ملک شاور اصرار کرے اور شیر کوہ اس کے اصرار سے لطف اٹھائے۔ ملک شاور تھوڑی دیر بیٹھ کے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی شیر کوہ نے صلاح الدین کو بلوالیا۔

"سنا صلاح الدین۔ ملک شاور دعوت دے گیا ہے۔" شیر کوہ نے ہنس کے کہا۔ "جس وقت میں نے اس کی دعوت منظور کی' اس کی خوشی کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بلی تھیلے سے باہر آگئی۔" صلاح الدین نے تبصرہ کیا۔ "کس قدر مکار ہے یہ شخص۔ اس کی نظر سوائے اپنے مفاد کے اور کسی طرف نہیں ہوتی۔ اب تو آپ مجھے اجازت دیدیجئے۔؟"

"اب جلدی کیا ہے۔ ملک شاور ننگا تو ہو ہی گیا ہے۔ اسے کسی وقت بھی شکار کیا جاسکتا ہے۔" شیر کوہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

صلاح الدین نے زیادہ اصرار نہیں کیا لیکن رات کو خلیفہ کا پیغام آگیا۔ جوہر استاد مقرب بارگاہ خلافت پیامبر بن کر شیر کوہ کے پاس تشریف لائے۔ شیر کوہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

"زہے نصیب کہ جوہر استاد میرے پاس تشریف لائے۔" شیر کوہ نے خوش دلی سے کہا۔

"فرمائیے۔ خلیفہ محترم خیریت سے تو ہیں؟"

جوہر استاد اور قاضی جلیس بن عبدالقوی فاطمی خلیفہ کے راز دار اور خاص مصاحب تھے۔ شیر کوہ مصلحتاً ان کی عزت کرتا تھا کیونکہ اسے ان دونوں سے ابھی بہت کام لینا تھے۔

جوہر استاد اپنی تعریف پر پھول گیا۔ "امیرالمومنین بخیریت ہیں۔ وہ آپ کے کام سے بہت خوش ہیں۔"

"میری طرف سے خلیفہ محترم کا شکریہ ادا کر دینا۔" شیر کوہ نے عاجزی سے کہا۔ "کوئی حکم ہے میرے لئے؟"

جوہر استاد نے ادھر ادھر دیکھا۔

شیر کوہ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ "جوہر استاد فکر نہ کیجئے۔ یہاں کوئی نہیں آسکتا۔"

جوہر استاد نے سرگوشی کی۔ "سپہ سالار محترم۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"جوہر استاد نے ٹھیک کہا۔" شیر کوہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "قصر خلافت کی دیواروں کے ضرور کان ہوتے ہیں لیکن شیر کوہ کی قیام گاہ کی دیواریں ہی نہیں ہوتیں پھر کان کدھر ہوں گے۔"

"درست درست۔ بجا فرمایا سپہ سالار نے۔" جوہر استاد کھسیانی ہنسی ہنسا۔ لیکن پھر بھی بڑی احتیاط سے شیر کوہ کی طرف جھک کے دبی الفاظ میں بولا۔ "امیرالمومنین نے

Marfat.com

دریافت فرمایا ہے کہ جس بات کے لئے انہوں نے آپ سے کہا تھا اس کا کچھ بندوبست ہو رہا ہے؟۔"

"کیا فرمایا تھا خلیفہ محترم نے۔" شیر کوہ جان کے انجان بن گیا۔ "کچھ یاد نہیں پڑ رہا ہے۔ میرا حافظہ کمزور پڑ گیا ہے شاید۔"

"میں بتاتا ہوں سپہ سالار ۔۔" جوہر استاد اس کے کچھ اور قریب آگیا۔ "امیر المومنین نے وزیراعظم کے سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا۔"

"اوہ ۔۔ یاد آگیا مجھے۔" شیر کوہ نے جواب دیا۔ "مگر جوہر استاد اس قدر خوفزدہ کیوں ہیں۔ خلیفہ محترم سے میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ ان کا خانہ زاد ملک شاور ان کے قدموں کے نیچے ہے بلکہ جوہر استاد کا جوتا اس کے سر پر ہے اور اس کا سر کسی وقت کچلا جاسکتا ہے۔"

جوہر استاد کا رنگ سفید پڑ گیا۔ "خدا کے لئے سپہ سالار اعظم ان کا نام نہ لیجئے۔ کسی نے سن لیا تو مجھے اور امیر المومنین کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔"

"خلیفہ کے اسی خوف نے وزیراعظم کو اس قدر خود سر بنا دیا ہے۔" شیر کوہ کو غصہ آگیا۔ "ہم ایسے خود سروں کو سزا دینا جانتے ہیں۔ آپ خلیفہ محترم کو مطمئن کر دیجئے گا۔"

اس جگہ اس بات کی دوبارہ وضاحت ضروری ہے کہ صلاح الدین کے زمانہ میں مسلمانوں کے بیک وقت دو خلیفہ تھے۔ ایک عباسی خلیفہ جن کا صدر مقام بغداد تھا۔ دوسرے خلیفہ فاطمی تھے جن کا صدر مقام قاہرہ تھا۔ عباسی خلیفہ کو تمام سنی فرقے تسلیم کرتے تھے اور فاطمی خلیفہ کو فقہ جعفریہ کے لوگ اپنا خلیفہ مانتے تھے۔ خلیفہ کو امیر المومنین کہا جاتا تھا۔ قاہرہ والے فاطمی خلیفہ کو امیر المومنین کہتے تھے۔ اس جگہ بھی جوہر استاد جس وقت فاطمی خلیفہ کا ذکر کرتا ہے تو انہیں "امیر المومنین" کے لقب سے پکارتا ہے لیکن شیر کوہ سنی ہونے کی وجہ سے مصر کے فاطمی خلیفہ کو امیر المومنین نہیں سمجھتا تھا اور فاطمی خلیفہ کو امیر المومنین کہنے سے گریز کرتا تھا۔

جوہر استاد پر ملک شاور کا اس قدر خوف طاری تھا کہ وہ اس کا نام لیتے بھی گھبرا رہا تھا۔ شیر کوہ کے تسلی دینے پر اسے کچھ اطمینان ہوا۔

جوہر استاد نے شیر کوہ کو بتایا۔ "سپہ سالار محترم۔ ہمارے وزیراعظم کے جاسوس قصر خلافت میں پھیلے ہوئے ہیں اور لمحے لمحے کی خبر وزیراعظم کو پہنچاتے ہیں۔ وزیراعظم کا قصر خلافت پر اتنا رعب ہے کہ وہ جس کنیز یا غلام کو چاہیں بلا لیتے ہیں اور خلیفہ میں یہ ہمت نہیں کہ اسے روک سکیں۔ اس طرح جو غلام یا کنیز قصر خلافت سے جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔"

Marfat.com

شیر کوہ نے اسے چونک کے دیکھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیا وزیر اعظم اسے قتل کرا دیتا ہے" "جی ہاں سپہ سالار۔" جوہر استاد نے ذرا حوصلے سے کہا۔ "کم از کم میں نے تو آج تک وزیر اعظم کے پاس سے کسی کو واپس آتے نہیں دیکھا۔"

"پھر تم لوگ ملک شاور کا دم کیوں بھرتے ہو؟" شیر کوہ نے سوال کیا۔

"کیا خلیفہ بھی ملک شاور سے ڈرتے ہیں؟" "دم نہیں بھرتے بلکہ خوف کھاتے ہیں سپہ سالار۔" جوہر استاد نے بتایا۔ "جان کے پیاری نہیں ہوتی جناب۔"

"بہت ڈرتے ہیں امیرالمومنین۔" جوہر استاد نے بتایا۔ "انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وزیر اعظم شاہی طبیب سے کہہ کر انہیں زہر نہ دلوادیں۔"

"کیا شاہی طبیب بھی ملک شاور کا آدمی ہے؟" شیر کوہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"شاہی طبیب ہی کیا۔ قصر خلافت کے تمام عہدیدار ملک شاور کے آدمی ہیں۔ یہاں تک امیرالمومنین کی بعض بیگمات بھی ملک شاور کی جاسوس ہیں۔"

"اب تم جاؤ جوہر استاد۔" شیر کوہ پہلے اس سے القاب آداب سے گفتگو کر رہا تھا لیکن اب اس سے وہ بے تکلف ہو گیا تھا اور تم سے مخاطب کرنے لگا تھا۔

شیر کوہ نے ذرا رک کے کہا۔ "جوہر استاد۔ تم اس اطمینان کے ساتھ واپس جاؤ کہ تمہیں اور تمہارے خلیفہ کو ملک شاور کی سختیوں سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔"

جوہر استاد مطمئن ہو کر چلا گیا۔

شیر کوہ کی طرف سے دعوت نامہ قبول ہو جانے کے بعد ملک شاور کو زیادہ بے چینی ہو گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد ضیافت کا فیصلہ ہو اور وہ شامیوں کے سرداروں پھر شاہی لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس نے شاہی خیمہ گاہ کے چاروں طرف دور دور پر مصری فوجی دستے مقرر کردیئے تھے کہ وہ اشارہ پاتے ہی شامیوں پر ٹوٹ پڑیں اور دم کے دم میں ان کا صفایا کردیں۔ ادھر شیر کوہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور چپ تھا۔ اس نے اب تک دعوت کی تاریخ اور وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ہشیار تھے۔ ملک شاور جلدی میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ شیر کوہ بھی احتیاط برت رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے لشکر کو گھیرنے کی ملک شاور نے حماقت کی ہے۔ شاہی لشکر کو تو اس وقت نہ گھیرا جاسکا جب ان کی تعداد صرف دو ہزار تھی۔ یہ واقعہ مصر پر پہلی یلغار کے وقت پیش آیا تھا جب بلبیس کے میدان میں مصری اور یروشلم کی متحدہ فوج نے شیر کوہ کو گھیر لیا تھا۔ اس وقت شیر کوہ نے "جنگ خندق" کی طرز پر مدافعانہ جنگ لڑی تھی۔ شاہ یروشلم حملے کرتے کرتے تنگ آگیا تھا مگر وہ شیر کوہ اور اس کے لشکر کو خندق سے

Marfat.com

نہ نکال سکا۔ آخر ایک باعزت صلح ہوئی اور شیر کوہ اپنے لشکر کے ساتھ مصری اور یروشلم کی فوجوں کے درمیان سے اس طرح گزرا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا اور وہ اپنے لشکر کے بالکل پیچھے چل رہا تھا۔

اس وقت یروشلم کے ایک سردار نے اس سے ہنس کر کہا تھا۔ "اے شامی سردار۔ تمہارا لشکر ہمارے اور مصری فوجیوں کے درمیان سے گزر رہا ہے اگر ہم معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تم پر ٹوٹ پڑیں تو کیا ہو؟۔"

شیر کوہ نے بھاری گرز کو ہوا میں گردش دے کر جواب دیا تھا۔ "یہ ارمان بھی پورا کر کے دیکھو پھر معلوم ہو گا کہ اس کا کیا انجام ہو گا۔"

یروشلم کا سردار جھجک کے پیچھے ہٹ گیا تھا اور شیر کوہ اسی طرح اکڑتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

اس دن شہر قاہرہ میں بڑی خاموشی تھی۔ لوگ چل پھر رہے تھے۔ چھوٹے بڑے بازاروں میں بھیڑ بھاڑ تھی پھر بھی ہر طرف سناٹا معلوم ہوتا تھا۔ گفتگو ہو رہی تھی لیکن آہستہ آہستہ جیسے وہ خوفزدہ ہوں۔ صلاح الدین اور ایک سردار عزیز الدین جرویک حسب معمول شیر کوہ کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ شیر کوہ جب بھی لشکر سے باہر جاتا تو صلاح الدین اور عزیز الدین جرویک دونوں اس کے ساتھ ہو لیتے۔ یوں شیر کوہ کے اپنے محافظ دستے کے دس سوار بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے لیکن صلاح الدین نے اپنے آپ کو شیر کوہ کی حفاظت سے وابستہ کر لیا تھا۔ ملک شاور کے اس طرح جلوس کے ساتھ گھومنے سے ہر شامی امیر پریشان تھا اور لشکر گاہ سے نکلتے وقت تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتا تھا۔

شیر کوہ جناب امام شافعی کے مزار پر فاتحہ کے لئے آیا ہوا تھا۔ صلاح الدین ایسے ہر موقعہ پر اس کے ساتھ ہوتا۔ صلاح الدین اور عزیز الدین جرویک کی ایک جوڑی تھی۔ جہاں صلاح الدین وہاں عزیز الدین جرویک۔ شیر کوہ تو مزار پر چلا گیا اور صلاح الدین اور عزیز الدین جرویک گھوڑے سے گھوڑا ملائے بازار میں گھوم رہے تھے۔ مصری ان دونوں سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ اکثر انہیں روک کر شربت یا قہوہ پیش کرتے۔ یہ بھی کبھی ان کا دل رکھ لیتے۔ صلاح الدین اپنی بہادری کی وجہ سے مصریوں میں کافی مشہور تھا اسے بھی اس کا احساس تھا کہ عام مصری اسے پسند تھے۔ فوجی مصری نہ اس کے پاس آتے اور نہ وہ انہیں منہ لگاتا تھا۔

شیر کوہ کو امام کے مقبرے میں گئے کچھ دیر گزری تھی کہ ایک طرف سے ڈھول تاشوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ عزیز الدین جرویک نے منہ بنا کر کہا۔ لیجئے وہ آ گئے۔

Marfat.com

سرزمین مصر کے مالک اور تخت و تاج مصر کے اصلی وارث۔"

"اس وزیر نے تو واقعی ناک میں دم کر دیا ہے۔" صلاح الدین کی بھی تیوریاں چڑھ گئیں "سپہ سالار چچا نے اسے خواہ مخواہ منہ لگا رکھا ہے۔"

"تم منہ لگانے کو کہتے ہو صلاح الدین۔" عزیز الدین جرویک نے قدرے غصے سے کہا۔ "یہ تو اپنے آپ کو ترم خان سمجھتا ہے۔ سپہ سالار کی تو پرواہ ہی نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ آخر یہ اکڑنا کس بات پر ہے۔ عوام اس کے خلاف۔ خواص اس کے سائے سے بچتے ہیں۔ یروشلم کا بادشاہ اسے کتے سے بدتر سمجھتا ہے مزہ یہ ہے کہ اپنی وزارت کا ڈنکا گلی گلی اور سڑک سڑک پیٹتا پھرتا ہے۔"

اب ملک شاور وزیراعظم سلطنت کی سواری نمودار ہو گئی تھی۔ آگے آگے نقیب جس کے ہاتھ میں مصر کا پرچم تھا۔ اس کے ڈھول و تاشے۔ قربابون پھر وزیراعظم کی شاہانہ سواری۔ دائیں بائیں اور پشت پر پانچ پانچ مسلح سوار۔ عزیز الدین جرویک اسے دیکھ کے آگ بگولہ ہو گیا۔

"یہ ادھر کیا کرنے آیا ہے؟" جرویک نے غصہ میں صلاح الدین سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ کیوں آیا ہے۔" صلاح الدین نے بے دلی سے کہا۔ "اسی سے جا کے پوچھو۔"

صلاح الدین نے یونہی کہہ دیا تھا لیکن عزیز الدین جرویک کے جیسے بات لگ گئی۔

"ہاں سردار۔ اب اس سے پوچھنا پڑے گا۔"

جرویک یہ کہتا ہوا گھوڑا بڑھا کر ملک شاور کے سامنے پہنچ گیا۔ ڈھول تاشے والے ایک طرف ہو گئے۔ جاتے ہوئے لوگ رک رک کے کھڑے ہو گئے۔

"تم کدھر جا رہے ہو؟" جرویک نے اس سے طرح کہا جیسے وہ کسی عام آدمی سے بات کر رہا ہو۔

ملک شاور کا غصہ سے منہ لال ہو گیا۔ اس کی تو بیچ بازار میں توہین ہو گئی تھی۔ مصر کے وزیراعظم کو جس کا درجہ ایک مطلق العنان بادشاہ سے کم نہ تھا ایک شامی نے "تم" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

ملک شاور نے ایک طائرانہ نظر دائیں بائیں ڈالی محافظ سواروں اور عام مصریوں میں اس کی سبکی ہو رہی تھی۔ اس نے کڑک کے کہا۔

"کس سے بات کر رہے ہو۔ تم مجھے نہیں پہچانتے؟"

"جانتا ہوں۔ بدعہد اور احسان فراموش کو کون نہیں پہچانتا۔" عزیز الدین جرویک نے

Marfat.com

ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اس وقت صلاح الدین بھی گھوڑا بڑھا کر جرویک کے پاس پہنچ گیا۔

ملک شاور کو سہارا مل گیا۔ اس نے بجائے جرویک کو جواب دینے کے صلاح الدین کو مخاطب کیا۔ "سردار صلاح الدین۔ آپ تو مجھے جانتے ہیں۔ اس بدتمیز آدمی کو بتائیے کہ میں کون ہوں اور مجھ سے کس طرح گفتگو کرنا چاہئے۔ اس نے میرا راستہ روک لیا ہے۔"

صلاح الدین نے جرویک کو دیکھا اور طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عزیز الدین جرویک۔ تم نے کیا کہہ دیا کہ مصر کے وزیراعظم اس قدر لال پیلے ہو رہے ہیں؟"

"میں نے کچھ نہیں کہا سردار۔" جرویک نے جواب دیا۔ "صرف یہ پوچھا ہے کہ تم کدھر جا رہے ہو۔ بس یہ آپے سے باہر ہو گئے۔"

"دیکھا۔ دیکھا سردار آپ نے۔ اس معمولی آدمی نے پھر بدتمیزی کی ۔" ملک شاور نے صلاح الدین سے شکوہ کیا۔

"وزیراعظم ۔ عزیز الدین جرویک نے پوچھا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ اس میں جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" صلاح الدین نے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ "جہاں جا رہے ہو بتادو۔ بات اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔"

"میں کیا بتا دوں۔ یہ کون ہوتا ہے پوچھنے والا۔ میں اس ملک کا وزیراعظم ہوں۔ " ملک شاور نے اکڑ کے کہا۔ " میں اسے سزا دے سکتا ہوں۔ گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ۔ تم دے لو سزا اسے۔ " یہ کہتے ہوئے صلاح الدین نے تلوار بے نیام کرلی اور ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "خبردار کوئی محافظ آگے نہ بڑھے۔ یہ ملک شاور اور عزیز الدین جرویک کا جھگڑا ہے انہیں خود فیصلہ کرنے دو۔"

عزیز الدین جرویک نے بھی تلوار کھینچ لی تھی مگر ملک شاور بہت چالاک تھا۔ جرویک کی تلوار بھی نیام سے پوری طرح باہر بھی نہ آئی تھی کہ ملک شاور کی تلوار چمکی اور سیدھی اس کی گردن پر آئی۔ جرویک اگر ایک ماہر شمشیر زن نہ ہوتا تو اس کی گردن اڑ کے دور جا گرتی لیکن اس نے اپنی گردن کو تیزی سے جھٹکا دے کر ایک طرف کیا اور جوابی وار کر کے ملک شاور کے شانے کو زخمی کردیا۔ اس کا دایاں ہاتھ جھول گیا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ ملک شاور نے گھوڑا موڑا کہ نکل جائے لیکن جرویک کا ہاتھ اس کمر تک پہنچ چکا تھا۔ ملک شاور نے بچنے کی کوشش کی مگر جرویک نے زور کیا اور اسے زین سے نیچے کھینچ لیا۔ پھر جرویک اس کے سینے پر پہنچا اور پلک جھپکتے میں ملک شاور کی گردن اس کے تن سے جدا کر کے جرویک نے اسے اپنے نیزے پر بلند کردی۔

Marfat.com

لوگوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا لیکن ملک شاور کا سر نیزے پر ٹنگا تھا۔ مصر کا غدار اور بدعہد وزیراعظم اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔ مصری عوام پلکیں جھپکا کر اس سر کو دیکھ رہے تھے جو فاطمی خلیفہ کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا۔ جردیک گھوڑے پر بیٹھ چکا تھا اور نیزے کو ہوا میں گردش دے رہا تھا۔ صلاح الدین کی برہنہ تلوار جردیک کی حفاظت کر رہی تھی۔

ملک شاور کے باجے تاجے والے اپنے آقا کا انجام دیکھ کر بھاگ اٹھے تھے۔ وہ مصری سوار جو ملک شاور کے گرداگرد نیم دائرے کی شکل میں چلتے تھے۔ انہوں نے سر جھٹک جھٹک کر نیزے پر چڑھے ملک شاور کا سر دیکھا اور گھوڑے موڑ کر اس طرح بھاگے جیسے میدان جنگ سے شکست خوردہ لشکر بھاگتا ہے۔ وہ کیوں ٹھہرتے اور ملک شاور کو قتل کرنے والے سے کیوں لڑتے۔ انہیں جس کے لئے لڑنا تھا وہ تو راہی ملک عدم ہو چکا تھا پھر وہ کیوں لڑیں اور خود کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں۔

عوام کی نظریں بھی ذرا دیر بعد اپنی جگہ آگئیں۔ پھر کسی طرف سے نعرہ بلند ہوا۔

"ظالم مارا گیا۔"

اس کے ساتھ ایک دوسری آواز آئی۔ "غدار اپنے انجام کو پہنچ گیا۔"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ نعروں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ دھوم دھڑکے سے آنے والے اس وزیراعظم کی حمایت میں ایک نعرہ بھی نہ لگا جو خود کو مصر کا مقبول ترین وزیراعظم اور محبوب لیڈر سمجھتا تھا۔

شیرکوہ شاید باہر شور سن کے مقبرے سے جلدی نکل آیا تھا۔ اس نے ملک شاور کا سر نیزے پر چڑھا دیکھا تو حیران رہ گیا۔ ایسے موقعوں پر بڑے سے بڑا سردار گھبرا جاتا ہے۔ شیرکوہ اور اس کے دو سردار اس وقت مصری عوام میں گھرے ہوئے تھے اور کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ ہوا بھی تو یہ کہ شیرکوہ کی حمایت میں نعرے لگنا شروع ہو گئے۔

"ہمارا نجات دہندہ زندہ باد۔"

"شیرکوہ زندہ باد۔"

"بلبیس کا فاتح زندہ باد۔"

"صلاح الدین زندہ باد۔"

"شامی سردار زندہ باد۔۔۔" یہ اشارہ عزیز الدین جردیک کی طرف تھا۔ جس کے نیزے پر اب بھی ملک شاور کا سر بلند تھا۔

شیرکوہ نے اپنے محافظ سواروں کو اشارہ کیا۔ ایک نے چیخ کے کہا۔ "آپ لوگ اپنے

Marfat.com

گھروں کو جایئے۔"

لوگ سامنے سے چھٹ گئے۔ راستہ بن گیا۔ شیرکوہ بمعہ اپنے ساتھیوں کے ان کے درمیان سے گزرا۔ اس کے نام کے نعرے اب تک لگ رہے تھے اور ملک شاور کا سر نیزے پر چڑھا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ملک شاور کو امام شافعی کے مزار کے باہر صلاح الدین اور عزیز الدین جرویک نے گرفتار کرلیا تھا پھر اسے شیرکوہ کے حکم سے قید خانہ میں ڈالا گیا جہاں اس کا انتقال ہو گیا۔ ملک شاور کا ایک بیٹا جس کا نام علی تھا بہت پہلے مارا جا چکا تھا۔ باقی دو بیٹے کامل اور طے اس وقت دارلوزارت میں تھے۔ انہیں وہاں سے گرفتار کیا گیا۔ اس زمانہ کا دستور تھا جب کوئی غیر پسندیدہ شخص معزول کیا جاتا یا قتل کردیا جاتا تو عوام اس کی روح سے اس طرح بدلہ لیتے کہ اس کے گھربار کو لوٹ لیتے اور اس کے عزیز و اقارب کو قتل کردیتے۔ صلاح الدین اس دستور سے واقف تھا۔ اسے ملک شاور کے اس گھر کی فکر پڑ گئی جہاں ملک شاور کی بیوی شوہر سے الگ اپنے دو بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ یہ بات اسے عامر غربی نے بتائی تھی۔

ملک شاور کے قتل ہوتے ہی لوگ اس کے مکانات لوٹنے کے نعرے لگا رہے تھے۔ ملک شاور کا ایک مکان تو صعیدہ میں تھا جس میں اسکی بیوی اور دو بچیاں رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی ملک شاور کا قاہرہ کی کئی بڑی بڑی حویلیوں اور محلوں پر قبضہ تھا جہاں اس کے احباب رہتے تھے۔ صلاح الدین کو عوام کے موڈ سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ملک شاور کی تمام باقیات کو تباہ کردیں گے اس لئے اس نے چند سواروں کے ساتھ ایک مقامی باشندے کو حکم دیا کہ وہ ملک شاور کے صعید والے مکان کو اپنی حفاظت میں لے لیں اور اعلان کر دیں کہ شامی سپہ سالار نے ملک شاور کی بیوی اور دونوں بچیوں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ صعیدہ کے موجودہ گورنر کو بھی اسی قسم کا حکم دیا گیا تھا۔

صلاح الدین کے بھیجے ہوئے یہ سوار بروقت صعیدہ پہنچے۔ صعیدہ کے عوام نے ملک شاور کے مکان کو گھیر لیا تھا اور اگر سوار نہ پہنچتے تو خدا معلوم ملک شاور کی بیوی اور بچوں کیا حال ہوتا۔ جب ایک سوار صعیدہ کے گورنر کو یہ اطلاع دینے پہنچا تو معلوم ہوا کہ گورنر اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنا محل خالی کر کے کسی طرف چلا گیا ہے۔ بہرحال صلاح الدین کی بروقت مدد سے ملک شاور کی بیوی اور دو بچیاں بمعہ محل اور سامان کے عوام کی لوٹ مار سے بچ گئیں۔

صعیدہ میں ملک شاور کا مکان بچ گیا لیکن دوسرے مقامات پر اس کے جو محلات' مکانات اور دوسری منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد تھی سب تباہ کردی گئی۔ اور تو اور قاہرہ کے

Marfat.com

دارالوزارت پر عوام نے ہلہ بول دیا اور شیرکوہ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس خوبصورت قصر کو لوٹ کر اس میں آگ لگا دی گئی تھی۔ شیرکوہ اور صلاح الدین کو دارالوزارت کی تباہی کا سخت صدمہ ہوا۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں تھا کہ دارالوزارت کو جس میں وزیراعظم کی رہائش تھی اور جس پر ہر وقت سخت پہرہ رہتا تھا اتنی جلدی خاکستر کر دیا جائے گا۔ یہ دراصل عوامی طاقت کا ایک ادنیٰ مظاہرہ تھا۔ دبے ہوئے عوام جب جوش میں آتے ہیں تو پہاڑ سے ٹکرا جاتے ہیں۔ دارالوزارت پر پہرہ تھا مگر پہریدار بھی ان عوام میں سے تھے جو ملک شاور کو پسند نہ کرتے بلکہ نفرت کرتے تھے۔ محافظوں کو جب خبر ملی کہ ملک شاور ایک شامی سردار کے ہاتھوں بھرے بازار میں مارا گیا ہے تو وہ دارلوزارت کے باہر جمع ہونے والے عوام کو خود ہی دارلوزارت حوالے کر کے نکل گئے۔ عوام نے اسے جی بھر کر لوٹا اور آخر میں آگ لگا دی۔

ملک شاور کے سر کا تماشہ بن گیا۔ وہ پہلے عزیز الدین جرویک کے نیزہ پر چڑھا پھر عوام نے اسے مانگ لیا اور گیند کی طرح ٹھوکریں مارتے ہوئے قصر خلافت پر لے گئے۔ شیرکوہ نے بڑی کوشش سے ملک شاور کے سرکو عوام کے غضب سے بچایا۔ اس نے سر کو کپڑے میں لپیٹ کے جرویک کے حوالہ کیا اور اسے حکم دیا کہ اس سر کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ احتیاط کے طور پر شیرکوہ نے صلاح الدین کو جرویک کے ساتھ کردیا اور اسے ایک سو سواروں کے ساتھ خلیفہ کے محل جانے کا حکم دیا۔

ملک شاور کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح قاہرہ ہی نہیں بلکہ دور دور تک پھیل گئی تھی۔ صلاح الدین اور عزیز الدین جرویک' شاور کا سر لے کر خلیفہ کے محل پر پہنچے تو ایک خلقت اکٹھا ہوگئی۔ ہر ایک زبان پر یہی ذکر تھا مگر کوئی بھی اسے اچھے نام یا کام سے نہیں یاد کر رہا تھا۔ خلیفہ کو جس وقت ایک غلام نے اطلاع دی۔

"یاامیرالمومنین ۔ ملک شاور کا سر قاہرہ کے بازار میں قلم کردیا گیا۔"

اس وقت خلیفہ عاضد کے منہ سے ایک دم نکلا تھا۔ "ظالم آخر اپنے انجام کو پہنچا۔ اب ہم آزاد ہیں۔"

فاطمی خلیفہ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ برائے نام خلیفہ تھا اور تمام اختیارات وزیراعظم کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ یہ اب سے نہیں بلکہ ایک صدی سے زیادہ عرصے سے یہی رسم اور دستور تھا۔ خلیفہ سونے چاندی کے تاروں کے پردوں اور جواہرات سے مرصع لباس سے تو لطف اٹھا سکتا تھا لیکن ملکی معاملات میں اسے دم مارنے کا بھی حق نہ تھا۔

Marfat.com

ملک شاور کے قتل کی اطلاع پاتے ہی فاطمی خلیفہ عاضد نے شیرکوہ کو فوراً اپنے حضور میں طلب کیا۔ اس دفعہ خلیفہ کا رویہ بڑا مہذب اور پرخلوص تھا۔ اس نے شیرکوہ کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ شیرکوہ نے جھک کر تعظیم پیش کی۔ خلیفہ نے بے تکلف شیرکوہ کو مصر کی وزارت عظمیٰ کا عہدہ پیش کیا جسے شیرکوہ نے قبول کرلیا۔ پھر دارالوزارت جس کو لوٹ کر ویران کردیا گیا تھا اور اس کے دروازے تک خاکستر ہو گئے تھے' کی از سرِ نو مرمت کی گئی اور اسے اس طرح آراستہ کیا گیا کہ اس کی شان و شوکت پہلے سے بھی دوبالا ہو گئی۔ شیرکوہ دارالوزارت میں منتقل ہو گیا۔ پھر اس نے ملکی انتظام کی طرف توجہ دی۔

بعض امرائے نوریہ اندرون خانہ اس سے حسد رکھتے تھے لیکن منہ پر اس کی تعریف کرتے تھے۔ شیرکوہ نے امرا کو جاگیریں عطا کیں اور انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ملک شاور کا تو خاتمہ ہو چکا تھا لیکن شیرکوہ نے اس کے تمام افسروں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔ اس حسن سلوک سے مصری افسر شیرکوہ کا دم بھرنے لگے۔ شیرکوہ نے حریم خلافت کے معاملات میں بھی کچھ دخل نہ دیا۔ جوہر استاد اور جلیس بن القوی کو ان کے عہدوں پر فائز رکھا بلکہ مشاہرہ اور وظیفے میں بھی اضافہ کر دیا۔

اس دوران ایک دن خلیفہ کا راز دار جوہر استاد پھر شیرکوہ کے پاس آیا اور بڑے پیار سے شیرکوہ سے کہا۔ "مولانا امیر المومنین فرماتے ہیں کہ ہم کو یقین کامل ہے کہ اللہ جل شانہ نے بمقابلہ دشمنان خلافت ہماری مدد کا سہرا تمہارے سر پر باندھا ہے ہم کو امید ہے کہ تم ہمیشہ اپنی خیرخواہی کا دولت علویہ کو عمدہ ثبوت دیتے رہو گے۔"

شیرکوہ نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور کہا ۔۔۔ "مولانا خلیفہ محترم کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیا جائے کہ انشاء اللہ تعالیٰ جیسی مجھ سے توقع ہے اس سے زیادہ میں اپنے آپ کو ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔"

جوہر استاد نے واپس جا کے خلیفہ سے شیرکوہ کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ خلیفہ بیچارہ جب کسی سے بہت خوش ہوتا تو اور کچھ تو کر نہیں سکتا تھا سوائے اس کے کہ اسے خلعت سے نوازے۔ اس نے اس وقت شیرکوہ کو خلعت فاخرہ بھجوائی۔ مصر کے تمام امرا اور وزراء دھیرے دھیرے شیرکوہ کے حلقہ بگوش ہوتے جا رہے تھے۔ عوام نے ایک زمانے کے بعد سکھ کا سانس لیا تھا۔ خلیفہ کو بھی آزادی حاصل ہوئی تھی اور شیرکوہ کی وجہ سے خواص و عام اس کی عزت کرنے لگے تھے۔

ملک شاور کا قتل ایک ہفتہ بعد قصہ پارینہ بن گیا۔ اب شیرکوہ وزیراعظم تھا اور اسی کے نام کا پوری مملکت میں ڈنکا بج رہا تھا۔

Marfat.com

خلیفہ عاضد نے شیرکوہ کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان دیتے ہوئے "المنصور امیرالجیوش" کا خطاب عطا کیا تھا پھر جنوری 1169ء میں شیرکوہ کو مصری افواج کا کمانڈر ان چیف مقرر کیا گیا۔ شامی لشکر کا وہ پہلے ہی سپہ سالار تھا۔ مصری افواج کے تحت آجانے سے دونوں افواج ایک ہوگئیں اور شیرکوہ سپہ سالار افواج مصر و شام ہوگیا۔ اس موقعہ پر خلیفہ نے شیرکوہ کو سپہ سالار اعظم اور شاہ ظفر اقبال کے خطابات عنایت فرمائے۔

شیرکوہ ہر ہفتے سلطان دمشق کو مصر کے حالات سے آگاہ کرتا اور نئے احکامات کا خواہاں ہوتا۔ سلطان دمشق نے اسے مصر کے معاملہ میں بالکل آزاد کردیا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ وہ حالات کے تحت اپنی صوابدید سے کام لے۔ شیرکوہ کو پہلی بار ایک مفتوحہ ملک کی حکمرانی ملی تھی اس لئے وہ بہت پھونک پھونک کے قدم اٹھاتا اور ہر فیصلہ امرائے نوریہ کے مشورے سے کرتا تھا۔ اس نے اپنے فوجی خزانہ سے لوگوں میں خوب روپیہ تقسیم کیا اور سخی مشہور ہوگیا۔

شیرکوہ یوں تو بہت تند خو تھا لیکن دل کا برا نہ تھا۔ اہم معاملات میں بڑوں سے کیا چھوٹوں سے بھی مشورہ کرلیا کرتا تھا۔ جب تک دمشق میں رہا اپنے بڑے بھائی نجم الدین سے مشورہ کرتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ایک بار سلطان دمشق نور الدین زنگی بیمار پڑا اور اس کی حالت ایسی بگڑی کہ بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ ایسے موقعوں پر مفاد پرست امرا کی بن آتی ہیں۔ سلطان حلب میں بستر مرگ پر تھا اور شیرکوہ دمشق میں تھا۔ شامی افواج اس کے قبضے میں تھی اور وہ جو چاہے کرسکتا تھا۔

ایسے موقعہ پر ایک بدذات امیر نے اسے مشورہ دیا کہ اپنی سلطانی کا اعلان کر کے دمشق پر قابض ہو جائے۔ شیرکوہ آخر انسان تھا۔ امیر کے کہنے سے وہ بہک گیا اور سلطان دمشق ہونے کے خواب دیکھنے لگا مگر ہر اہم موقعہ پر بڑے بھائی نجم الدین سے مشورہ کرتا تھا۔ چنانچہ نجم الدین کے پاس گیا اور امیر نے جو مشورہ دیا تھا وہ اس سے بیان کردیا۔ نجم الدین نے بہکانے والے امیر کا نام پوچھا تو اس نے نام بھی بتا دیا۔

نجم الدین نے اسے سمجھایا کہ ایسی غلطی کرنے کی کوشش نہ کرے۔ درباری امیر تھالی کے بینگن ہوتے ہیں جس کا پلہ بھاری دیکھا اس کے ہوگئے۔ پھر یہ اس کی احسان فراموشی ہوگی۔ اسے چاہئے کہ سلطان دمشق کی بیماری کا نتیجہ دیکھے۔ اگر سلطان اچھا ہوگیا تو اس کی نظر میں شیرکوہ کی عزت اور بڑھ جائے اور اگر خدانخواستہ سلطان چل بسا تو وہی سب سے زیادہ تجربہ کار اور باثر امیر ہے۔ سلطان کا بیٹا ابھی شیرخوار ہے۔ ایسی صورت میں تمام امرائے نوریہ اس کو سلطان چنیں گے۔ اس طرح سلطان بننے کی کچھ شان ہی اور ہوگی۔

Marfat.com

اچھا ہوا کہ بڑے بھائی کی نصیحت شیرکوہ نے مان لی۔ اس نے نجم الدین کے کہنے کے مطابق اس غدار امیر کو گرفتار کرا کے قید میں ڈال دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سلطان اچھا ہو گیا۔ وہ دمشق واپس آیا اور اپنے غسل صحت کا بہت بڑا جشن کیا اور بھرے دربار میں شیرکوہ کی تعریف کی کہ شیرکوہ ایک ایسا وفادار امیر ہے جسے امرائے نوریہ میں سے ایک امیر نے بغاوت کا مشورہ دیا مگر اس باوفا نے اطاعت سے منہ نہ موڑا حالانکہ اس وقت یہ دمشق میں تھا اور عساکر اسلام اس کے قبضے میں تھے۔ یہ بڑی آسانی سے سلطان بن سکتا تھا۔ پھر سلطان نے ایک دم شیرکوہ سے پوچھا کہ وہ اس دربار میں اس امیر کا نام ظاہر کرے جس نے اسے بغاوت اور غداری کا مشورہ دیا تھا۔ شیرکوہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی لیکن سلطان کے ناراض ہونے کے خیال سے اسے امیر کا نام بتانا پڑا جو اس وقت بھی قید میں پڑا تھا۔ سلطان نے فوراً" اس کے قتل کا حکم صادر کردیا۔

مصر میں شیرکوہ تنہا تھا۔ اسے اپنے بڑے بھائی کی یاد بہت ستا رہی تھی۔ آخر اس نے اس کا ذکر صلاح الدین سے کیا۔ "صلاح الدین کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ بھائی نجم الدین کو قاہرہ بلوالوں؟۔"

صلاح الدین نے حیرانی سے شیرکوہ کو دیکھا۔ "سپہ سالار چچا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ابا جان کو مصر کیوں بلانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات سلطان دمشق کو بھی ناگوار گزرے گی۔"

"نہیں صلاح الدین۔ سلطان میری بات نہیں ٹال سکتے۔" شیرکوہ نے بڑے یقین سے کہا۔ "میں ان سے درخواست کروں گا کہ بھائی نجم الدین کو قاہرہ بھیج دیا جائے کیونکہ اس نئی مملکت میں میں خود کو تنہا تنہا محسوس کرتا ہوں۔"

"آپ میرے بزرگ ہیں سپہ سالار چچا۔ "صلاح الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔" لیکن میرا خیال ہے کہ سلطان پر آپ کی درخواست کا کچھ اچھا اثر نہ پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو مصر کی وزارت کے لئے نااہل تصور کریں اور آپ کی جگہ کسی اور امیر کو مصر کا وزیراعظم نامزد کردیں۔"

"مگر ـــ" شیرکوہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رک گیا۔

"سپہ سالار چچا۔" صلاح الدین نے خود ہی کہا۔ "آپ کو شاید اندازہ نہ ہو لیکن میں امرائے نوریہ کے دلوں میں جھانک سکتا ہوں۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں۔ یہ آپ سے کیا کہتے ہیں اور پتہ نہیں سلطان کو آپ کے بارے میں کیا لکھ کے بھیجتے ہیں ـــ"

"تم ـــ تم غلط کہہ رہے ہو صلاح الدین ـ" شیرکوہ نے بات کاٹ دی۔ "امرائے

Marfat.com

نوریہ کے دل میں چاہے جو کچھ ہو لیکن سلطان کا دل میری طرف سے بالکل صاف ہے۔ وہ میری برائی ہرگز نہیں سن سکتے۔ سلطان کا رابطہ تو مجھ سے ہے۔ جو کچھ میں لکھوں گا وہی انہیں معلوم ہوگا۔"

"مجھے اعتراف ہے میں غلط کہہ سکتا ہوں۔" صلاح الدین نے ادب سے جواب دیا۔ "لیکن آپ کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ سلطان سے صرف آپ کا رابطہ ہے۔ آخر سلطان نے اتنے بہت سے امیر آپ کے ساتھ کیوں کئے ہیں جبکہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں کئی امیر ایسے ہیں جو آپ کے خلاف ہیں۔ جس طرح آپ کا رابطہ سلطان سے ہے اسی طرح ان میں سے بھی بعض امرا سلطان کو یہاں کے حالات سے آگاہ کرتے ہوں گے۔ جب ہم پچھلی مہم سے واپس گئے تھے تو سلطان نے مجھ سے کچھ ایسی باتوں کی تصدیق کرائی تھی جن کی اطلاع سلطان تک پہنچنا بڑا تعجب خیز تھا۔

"تمہاری یہ بات تو میرے دل کو بھی لگتی ہے۔" شیرکوہ نے اعتراف کیا۔ "جنگ البابایاں کے موقعہ پر ان امرا نے شاہ یروشلم سے جنگ کی کس قدر مخالفت کی تھی۔ وہ تو شرف الدین برغش اور تم نے انہیں شرم دلائی تھی ورنہ میرے کردار پر شکست کا داغ لگ جاتا۔"

"سپہ سالار چچا۔ گستاخی معاف۔" صلاح الدین نے شیرکوہ سے کم عمر ہوتے ہوئے بھی اسے ایک بزرگانہ مشورہ دیا۔ "آپ کے مخالفین ہروقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ آپ سے ذرا بھی غلطی ہو اور یہ بات کا بتنگڑ بنا کے سلطان کو مطلع کریں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ سلطان کا دل آپ کی طرف بالکل صاف ہے لیکن آئینے میں بھی تو بال پڑ جاتا ہے۔ آپ ابا جان کو مصر بلائیں گے تو یہ لوگ فوراً اسے سازش بنانے کی کوشش کریں گے۔ سلطان معظم کو مطلع کیا جائے گا کہ شیرکوہ نے بڑے بھائی نجم الدین کو اس لئے مصر بلایا ہے کہ وہ بھائی بھتیجے کے مشورہ سے باب عالی (دمشق) کے خلاف بغاوت کریں۔"

شیرکوہ یہ سن کر سناٹے میں آگیا۔ وہ جنگی معاملات کا ماہر تھا لیکن سازشی کاموں میں اس کا دماغ نہ چلتا تھا۔ اس کے تصور میں نہ تھا کہ نجم الدین کے بلانے سے اس قسم کی سازش تیار کی جاسکتی ہے۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو صلاح۔" شیرکوہ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ "میں بھائی جان نہیں بلاؤں گا۔"

"آپ ابا جان کو ضرور بلائیں گے لیکن ابھی نہیں۔" صلاح الدین نے خود ہی منع کیا تھا اور اب بلانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

شیرکوہ نے صلاح الدین کو حیران نظروں سے دیکھا۔ "صلاح الدین یہ کیا بات ہے کبھی

Marfat.com

انکار کبھی اقرار۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ جب بھائی جان کے مصر بلانے سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے تو اسکا خیال ہی چھوڑ دیا جائے۔ نہ آج نہ کل اور نہ کبھی۔"

"سپہ سالار چچا۔" صلاح الدین نے پھر بندگانہ انداز اختیار کیا۔ "ہمیں ابا جان کے مشوروں کی ہر وقت ضرورت ہے لیکن انہیں فوراً بلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ آپ کچھ دن وزیراعظم رہیں گے تو عوام میں آپ کی عزت اور محبت اور پیدا ہو گی پھر ہم ابا جان کو بلانے کے بارے میں سوچیں گے۔"

صلاح الدین نے اپنے طور پر صحیح سوچا تھا اور شیرکوہ نے نجم الدین کو بلانے کا معاملہ مستقبل پر اٹھا دیا تھا لیکن انسان کا سوچا ہوا ہمیشہ درست تو نہیں ہوتا۔ پردہ غیب میں کیا ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔ شیرکوہ کو مصر کے وزیراعظم کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے ابھی مشکل سے دو ماہ گزرے تھے کہ اس کا اچانک انتقال ہو گیا۔ یہ سانحہ مصریوں اور شامیوں دونوں ہی کے لئے ایک زبردست حادثہ تھا۔ مصری اور خلیفہ عاضد اس لئے پریشان تھے کہ انہیں برسوں بعد آزادی سے سانس لینے کا موقعہ ملا تھا۔ خلیفہ اور شیرکوہ کی ذہنوں میں ایک طرح کی یگانگت پیدا ہو گئی تھی۔ شیرکوہ کے بعد مصر کا وزیراعظم کون ہوگا۔ یہ بات ایک سوالیہ نشان بن کر مصریوں اور شامیوں کی نظروں میں پھر رہی تھی۔

صلاح الدین کا تو ایک طرح سے سہارا ہی ختم ہو گیا تھا۔ کہنے کو تو نجم الدین اس کا باپ تھا لیکن اس کی بچپن سے جوانی تک تعلیم و تربیت کی ذمہ داری شیرکوہ نے اٹھائی تھی۔ صلاح الدین کو صلاح الدین بنانے والا حقیقت میں شیرکوہ ہی تھا۔ سلطان نور الدین کے دربار میں اسے شیرکوہ لے گیا تھا ورنہ صلاح الدین کا رجحان تو بچپن ہی سے فقہ اور حدیث کی طرف تھا۔ صلاح الدین کو شہسواری اور شمشیر زنی سے زیادہ کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ یہ بات نہیں صلاح الدین میں فن سپہ گری کی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ دراصل اسے شمشیر و سناں کی راہ دکھانے والا کوئی نہ تھا۔ نجم الدین نے اس کا رجحان مذہب کی طرف دیکھ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا لیکن یہ شیرکوہ تھا جس نے اس خاکستر میں وہ چنگاری دیکھ لی تھی جو صلیبی جنگوں میں ایک شعلہ بن کر بھڑکنے والی تھی۔

شیرکوہ کے انتقال کی خبر اڑتے ہی دشمنوں نے تلواریں صاف کرنا شروع کر دی تھیں۔ شاہ یروشلم، شیرکوہ کے مقابلہ پر آنے سے کتراتا تھا۔ اس نے شامیوں کی تلوار کی کاٹ اور شیرکوہ کی جنگی حکمت عملی دیکھی تھی۔ وہ دو مرتبہ شیرکوہ کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا لیکن اب شیرکوہ میدان سے ہٹ گیا تھا۔ اس لئے شاہ یروشلم نے بھی فوراً گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے لیکن اس کے لئے مشکل یہ تھی کہ کوئی ملک شاور اس کے ہاتھ نہ آرہا

Marfat.com

تھا۔ مصریوں نے دو ہی ماہ میں شیرکوہ کو اپنا سب کچھ سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ جب عاضد نے شیرکوہ کو وزارت دی تھی تو پورے مصر میں اس تقرر پر خوشیاں منائی گئی تھیں چراغاں ہوا تھا۔

نئے وزیراعظم کا انتخاب اور تقرر فاطمی خلیفہ عاضد کو کرنا تھا خلیفہ عاضد جانتا تھا کہ شیرکوہ کا جانشین وہی ہو گا جس کو امرائے نوریہ پسند کریں گے اس لئے اس نے انتظار کیا کہ امراء خود کسی کا انتخاب کر کے خلیفہ کو مطلع کریں اور خلیفہ ان کے وزیر ہونے کا اعلان کریں لیکن امرائے نوریہ میں اس مسئلہ پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت قاہرہ میں شامی لشکر کے ساتھ چھ امرائے نوریہ موجود تھے اور بلاشبہ ان میں ہر ایک تجربہ کار اور عمر رسیدہ تھا اور اسی وجہ سے ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو شیرکوہ کا جائز جانشین سمجھتا تھا۔ شیرکوہ کے ساتھ آنے والے مندرجہ ذیل امرا تھے جو جانشینی کے دعویدار تھے۔

1۔ عین الدولہ باروقی

2۔ شریف الدین برغش

3۔ قطب الدین

4۔ سیف احمد متنوب ہکاری

5۔ شہاب الدین محمود حارمی

6۔ اور فقیہ عیسی ہکاری

عمر اور تجربہ کے لحاظ سے صلاح الدین کا نمبر ان سب کے بعد آتا تھا کیونکہ اس کی عمر صرف تیس سال تھی اور وہ سب سے زیادہ کم عمر تھا۔ ان امرا میں شرف الدین برغش سب سے زیادہ منچلا امیر تھا اور جنگ البابیاں کے موقعہ پر اس منچلے امیر نے ان سب امیروں کو مخاطب کر کے جو شاہ یروشلم سے جنگ کی مخالفت کر رہے تھے کہا تھا کہ وہ امیر جو جنگ میں کود کر خون بہانے سے بچنا جانتے ہیں انہیں شامیوں کی ملازمت کرنے کی بجائے کھیتی باڑی کرنا چاہئے اور اپنا وقت بیوی کے پہلو میں گزارنا چاہئے۔ شرف الدین برغش کے اس کھرے طنز کی صلاح الدین نے پوری تائید کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیرکوہ نے شاہ یروشلم سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اسے شکست سے دوچار کیا۔

یہ تو طے تھا کہ مصر کا نیا وزیراعظم شامی لشکر کا کوئی امیر ہی ہو گا اور اس عہدے کا فیصلہ بھی اسی دن ہو جانا چاہئے تھا جس دن ملک شاور کا سر خلیفہ کے حضور پیش کیا گیا تھا لیکن نہ خلیفہ کسی کا نام پیش کر رہا تھا اور نہ امرائے نوریہ کسی ایک نام پر اب تک اتفاق کر سکے تھے۔ اس میں جب دوسرے دن بھی اتفاق نہ ہو سکا تو انہوں نے قاضی القضاۃ

Marfat.com

جلیس بن عبدالقوی کی معرفت خلیفہ عاضد کو پیغام بھیجا کہ خلیفہ محترم' خود امرائے دمشق سے کسی امیر کو وزیراعظم نامزد کردیں تو تمام امرا اسے تسلیم کرلیں گے۔ اس نامزد کرنے کی ذمہ داری خلیفہ پر آن پڑی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ عاضد کو لڑکپن میں خلافت ملی تھی اور وہ پچھلے آٹھ سال یعنی 1161ء سے اب تک قصر خلافت سے باہر نہیں نکلا تھا اس لئے اسے نہ تو کاروبار سلطنت کا کوئی تجربہ تھا اور نہ کسی معقول آدمی کو منتخب کرنے کی اہلیت تھی۔ اس لئے اس کا پریشان ہونا لازمی تھا۔

خلیفہ عاضد کے سب سے قریبی مشیر صرف تین اشخاص تھے۔ دو کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی جوہر استاد اور قاضی القضاہ جلیس بن عبدالقوی ان دو کے علاوہ تیسرا شخص خدام قصر کا سردار جسے موتمن الخلافت اور داروغہ محلات بھی کہتے تھے' خلیفہ کے بااعتماد اور خاص ندیموں میں شامل تھا۔ خلیفہ اس پر اس لئے مہربان تھا کہ موتمن الخلافت نے اپنی ایک بیٹی کو خلیفہ کے عقد میں دیا تھا اور اسے خلیفہ کا خسر ہونے پر بہت غرور تھا۔ خلیفہ عاضد نے ان تینوں ندیموں کو مشورہ کے لئے طلب کرلیا۔

موتمن الخلافت کا مصری سرداروں یا اراکین سلطنت پر کوئی اثر نہ تھا لیکن جوہر استاد اور جلیس بن عبدالقوی بڑے جوڑ توڑ کے امیر تھے۔ خلیفہ اس قسم کی گفتگو انہی امیروں سے کرتا تھا لیکن موتمن الخلافت کو ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ خلیفہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ موتمن الخلافت کا یہ شکوہ دور کرنے کے لئے خلیفہ نے اس دفعہ اس محفل میں اسے بھی بلوایا تھا۔ جلیس عبدالقوی اور جوہر استاد اسے مجلس میں دیکھ کر بھڑک گئے کیونکہ ان کے خیال میں موتمن الخلافت اس قدر کم عقل تھا کہ اسے ایسی محفلوں میں بلانا ان کی توہین تھی۔ یہ دونوں اپنے آپ کو مصر کا "دماغ" اور عظیم دانشور سمجھتے تھے۔

خلیفہ نے جب ان کے سامنے شیرکوہ کی جانشینی کا مسئلہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ امرائے شام نے جانشین کے انتخاب کا مسئلہ اس پر چھوڑ دیا ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ظاہر تھا کہ اتنے امرا میں اسے انہیں ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ جسے وہ انتخاب کریں گے وہ تو ان سے خوش ہو گا لیکن باقی امرا ان کے خلاف ہو جائیں گے۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتے رہے پھر جوہر استاد نے ایک عجیب رائے پیش کی اس نے کہا۔

"امیرالمومنین عمر اور تجربہ کے لحاظ سے موتمن الخلافت ہم سب سے بہتر ہیں۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ موتمن الخلافت جس شخص کا نام پیش کریں گے۔ اس کی میں تائید کروں گا۔" پھر اس نے جلیس بن عبدالقوی کی طرف دیکھا۔ "کیوں قاضی القضاہ آپ کا کیا خیال ہے؟۔

Marfat.com

قاضی کو اس کی تجویز بہت پسند آئی تھی۔ "میں جوہر استاد کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ امیرالمومنین بھی موتمن کے انتخاب کو پسند فرمائیں گے۔"

اب چونکہ بات خلیفہ پر آگئی تھی اس لئے اس نے کہا۔ "قاضی القضاہ اور جوہر جس نام پر اتفاق کریں گے اس کی تائید میں اس لئے کروں گا کہ قاضی القضاہ اور جوہر کی بات میں کبھی رد نہیں کرتا۔"

اس طور خلیفہ نے بھی بس اپنا پہلو بچا کر فیصلہ موتمن الخلافت پر ڈال دیا۔ جوہر اور جلیس بن عبدالقوی کے خیال میں موتمن الخلافت ایک بیوقوف اور کم عقل انسان تھا اس لئے دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ دیکھیں موتمن کس شاہی امیر کا نام تجویز کرتا ہے۔

موتمن الخلافت نے خلیفہ کو تعظیم پیش کر کے کہا۔ "امیرالمومنین اور مصر کے دو دانشوروں اور سیاست دانوں نے مجھ پر بات چھوڑی ہے کہ میں مصر کے نئے وزیراعظم کا نام تجویز کروں۔ میں دربار خلافت کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اس لئے مجھے امیرالمومنین اور درباری امرا کی حکم کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں کاش مجھے یہ حکم دیا گیا ہوتا کہ میں علوی امرا یعنی دربار خلافت کے کسی امیر کا بحیثیت وزیراعظم نام تجویز کروں تو اس وقت مجھے کس قدر خوشی ہوتی لیکن حکم یہ ہے کہ وزیراعظم کا انتخاب شاہی امرا میں سے ہو یعنی ان امیروں میں سے ہو جنہوں نے مصر پر حملہ کیا' ایک بار نہیں' دو بار نہیں بلکہ یہ ان کا تیسرا حملہ ہے۔ گزشتہ دو حملوں میں تو یہ ہوا کہ حملہ آور آئے۔ تباہی مچائی اور مال غنیمت سمیٹ کر واپس گئے مگر اس دفعہ انہوں نے ہمارے حلیف ایمارک شاہ یروشلم کو شکست دے کر ہمارے ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔ وہ واپس جانے کے بجائے مصر میں ہمیشہ رہنے کے طور طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ کون امیر مصر پر حکومت کرے گا۔ کیا مذاق ہے یہ کہ امیر تو ان کا ہوگا اور اسے نامزد ہم کریں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم سے کہا جارہا ہے کہ مصریوں کو غلام بنایا جائے گا مگر ان کی گردنوں میں طوق غلامی مصر کا بنا ہوا ہوگا۔ مصریوں کو قتل کیا جائے گا لیکن تلوار مصر کی ہوگی۔

Marfat.com

زبردست سازش

قاسم الحسین زار و قطار رو رہا تھا۔

صلاح الدین اسے اپنے ساتھ لے آیا لیکن قاسم الحسین کے آنسو نہ راستے بھر رکے اور اب نہ رک رہے تھے۔ آخر صلاح الدین نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ صلاح الدین نے سوچا کہ اس کا دل جلا ہوا ہے اور اس کا جی بھر کے رونا ہی بہتر ہے۔ آنسوؤں کی گرم بازاری میں اس کا تپا ہوا دل بھی پانی ہو جائے گا پھر اس کے حواس ٹھانے آ جائیں گے۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ قاسم الحسین اتنا رویا۔ اتنا رویا کہ اس کے آنسو خشک ہو گئے یا پھر آنسو ختم ہو گئے اور آنکھیں خشک پڑ گئیں۔

صلاح الدین نے پوچھا "جی ہلکا ہوا کچھ؟"

"جی آقا۔ اگر میں آج اتنا نہ روتا تو پاگل ہو جاتا۔" قاسم الحسین نے اپنے خیال سے بڑی عقلمندی کی بات کی۔

"مجھے تو تم اب بھی پاگل معلوم ہوتے ہو۔" صلاح الدین نے اس کی بات پکڑ لی۔ "تم سپاہی اور سپاہی زادے ہو سپاہی عورتوں کی طرح رویا نہیں کرتے۔ یہ تو تیرا پاگل پن ہے۔"

"میں خود تھوڑی رو رہا تھا آقا۔" قاسم الحسین نے سنبھل کر کہا۔ "یہ تو آنسو تھے جو اندر سے نکلے ہی چلے آ رہے تھے۔ میں بہت سخت جان ہوں آقا۔ بڑے دکھ دیئے ہیں مجھے اس نے۔"

"کس نے دکھ دیئے ہیں۔ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ" صلاح الدین کی دلچسپی بڑھی۔

Marfat.com

"اسی نے آقا۔ میری بیوی مریم نے" قاسم الحسین پھر افسردہ ہو گیا۔ "میں نے اسے کیا نہیں دیا۔ پھول کی طرح رکھتا تھا اسے لیکن اس نے مجھے دھوکہ دیا۔"

"کیا دھوکہ دیا۔ چھوڑ دیا گیا۔ کوئی وجہ تو ہو گی؟" صلاح الدین معاملہ کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

"جی ہاں آقا۔ وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔" پھر سنجیدہ ہو کے بولا۔ "مر جاتی تو زیادہ اچھا تھا۔ وہ غدار تھی۔ جاسوس تھی۔"

"جاسوس تھی؟" صلاح الدین چونک پڑا۔ "کس کی جاسوس تھی؟"

یروشلم کی جاسوس تھی۔ شاہ ایمارک کی۔" قاسم الحسین نے انکشاف کیا تو صلاح الدین بھونچکا رہ گیا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ جاسوس تھی؟ صلاح الدین پریشان ہو گیا تھا۔

"جی آقا مجھے یقین ہے۔ اس کے پاس مشکوک لوگ آتے تھے۔" قاسم الحسین ٹھہر ٹھہر کے بتا رہا تھا۔

"تم کسی کو پہچانتے ہو۔ وہ کون لوگ تھے؟" صلاح الدین نے ذرا سختی سے پوچھا۔

"انہیں دیکھ کے پہنچان سکتا ہوں۔ آقا۔" قاسم الحسین نے بتایا۔ "لیکن وہ سب مریم کے ساتھ ہی دمشق سے غائب ہو گئے ہیں۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ تم شروع سے ایک ایک بات مجھے بتاؤ۔" صلاح الدین الجھنے لگا۔ "مجھے تو اتنا معلوم ہے کہ تم اور عامر غزالی اپنی بیویوں کے ساتھ دمشق پہنچ کے وہاں آباد ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ عامر نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے گھر ایک چاند سا بیٹا ہوا ہے اور وہ ہر طرح سے ایک آسودہ زندگی گزار رہا ہے۔"

"آقا۔ آپ کی مہربانی سے میں بھی آسودہ زندگی بسر کر رہا تھا۔" قاسم الحسین نے پژمردہ زبان میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے اس کے بھاگنے کی زیادہ فکر نہیں۔ مجھے تو اپنے بچے کا غم ہے جو فرار کے وقت اس کے پیٹ میں تھا۔ مریم جاسوس تھی۔ اس نے ہمارے ملک سے غداری کی۔ میرا ایمان ہے کہ وہ ایک دن پکڑی جائے گی اور اپنے انجام کو پہنچے گی لیکن اس نے میرے بچہ پر ظلم کیا ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

"قاسم الحسین۔" صلاح الدین نے اسے روکا۔ "فضول باتیں مت کرو۔ جب تمہیں معلوم ہوا تھا کہ تمہاری بیوی شاہ یروشلم کے لئے جاسوسی کر رہی ہے تو تم نے اس کی اطلاع لشکر کے کسی اعلیٰ افسر کو کیوں نہیں دی۔ وہ تو مجرم ہے ہی لیکن تم نے بھی جرم کیا ہے۔ اس رونے دھونے سے تمہارا جرم کم نہیں ہو سکتا۔"

Marfat.com

قاسم الحسین سہم گیا۔ ڈرتے ہوئے بولا۔ "آقا۔ آپ میری کہانی سن لیجئے پھر بھی اگر میں آپ کو مجرم معلوم ہوں تو ضرور سزا دیجئے۔"

"اچھا کہو لیکن اختصار سے کام لینا۔" صلاح الدین نے اسے اجازت دیدی۔

قاسم الحسین نے اپنی داستان غم سنانی شروع کی۔ "آقا یہاں تک تو آپ کو علم ہے کہ قاہرہ سے واپس آنے کے بعد میں نے اور عامر غربی اپنے اپنے گھر بنائے تھے اور ہم دونوں اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ پر جب ہاتھ تنگ ہوا تو میں نے اور عامر نے شہر کوتوال کے پاس ملازمت کر لی۔ ہم نے شہر کوتوال کو بتا دیا تھا کہ ہم شاہی فوج میں ملازمت کر چکے ہیں۔ شہر کوتوال نے محکمہ فوج سے اس کی تصدیق کی اور ہمیں سواروں میں ملازم رکھ لیا۔ میری بیوی مریم اسکندریہ کی رہنے والی تھی۔ میں مریم کے محلے کے قریب ہی رہتا تھا۔ آتے جاتے اکثر ہمارا سامنا ہوتا۔ اس طرح پہلے شناسائی ہوئی پھر شناسائی محبت میں تبدیل ہو گئی لیکن مریم ایک تو عیسائی دوسرے کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس لئے جب میں نے مریم کو مانگا تو اس کے باپ نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا مجھے کچھ ایسا غم لگا کہ میں نے اسکندریہ چھوڑ دیا اور شہروں شہروں پاگلوں کی طرح گھومتا پھرا۔ پھر مجھے عامر ملا اور ہم دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔

"وقت گزرتا گیا اور تاریخ کے پہیے گھومتے رہے اور یہ چکر ایک بار پھر مجھے اسکندریہ لے آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ اسکندریہ کے گورنر تھے اور میں اور عامر آپ کی غلامی میں تھے۔ کچھ دنوں بعد شاہ یروشلم نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا اور ہم شہر پناہ میں قید ہو کر رہ گئے۔ ان دنوں روز شام میں اپنے محلے جاتا۔ مریم کا محلہ چونکہ اس کے قریب تھا اس لئے ایک دن غیر ارادی طور پر میرے قدم اس کے محلے کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت عیسائیوں پر ہمارا رعب طاری تھا۔ مجھے بھی اپنے مسلمان اور فوجی ہونے کا زعم تھا اس لئے سیدھا مریم کے گھر پہنچ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ مریم کا وہ باپ جس نے کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک طرح سے دھتکار دیا تھا۔ وہ بڑی شفقت سے پیش آیا اور اپنے مہمان خانہ میں بٹھا کر میری خوب خاطر کی۔ میں اس تبدیلی پر بڑا حیران ہوا لیکن ہشیار اور تیار بیٹھا رہا کہ اگر خدانخواستہ مجھ پر حملہ کیا جائے تو مرنے سے پہلے دو ایک کا ضرور خاتمہ کر دوں۔

"پھر اس وقت تو مجھ پر حیرت کا دورہ پڑ گیا جب مالکم نے مریم کو اندر بلا کر میرے سامنے کیا اور گفتگو کی اجازت دی۔ میرے دل میں مالکم کی طرف سے جو جو مشکوک شبہات اور وسوسے تھے سب ختم ہو گئے۔ میں اور مریم دیر تک باتیں کرتے رہے۔۔۔"

"ٹھہرو قاسم الحسین۔" صلاح الدین نے اسے روک دیا۔ "تمہاری کہانی بہت طویل

Marfat.com

معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابھی تو اس کا آغاز ہوا ہے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہاری یہ طویل داستان ایک نشست میں سن سکوں۔ تم میرے پاس مہمان کی طرح رہ سکتے ہو۔ فرصت ہوتے ہی میں تمہیں بلوا کر باقی کہانی سنوں گا۔ تم خاطر جمع رکھو اسکندریہ کے نصرانی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تمہیں جس قسم یک مدد کی ضرورت ہو گی وہ مہیا کی جائے گی۔"

صلاح الدین نے ایک ملازم کو بلا کر قاسم الحسین کو اس کے حوالے کیا پھر اس سے رخصت ہو کے اندر چلا گیا۔

دوسرے دن ایک سادہ مگر پروقار تقریب میں صلاح الدین کو مصر کے نئے وزیراعظم کا اعزاز پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں امرائے نوریہ کے علاوہ قاہرہ کے معززین اور فوجی افسروں کو بھی بلایا گیا۔ مصر کے عوام اور خواص صلاح الدین کے انتخاب پر کچھ زیادہ خوش نہ تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ امیرزادہ صلاح الدین کا بحیثیت وزیراعظم انتخاب خود فاطمی خلیفہ نے کیا ہے تو ان کے کچھ آنسو پچھ گئے۔ امرائے نوبیہ جانتے تھے کہ اگر صلاح الدین کے علاوہ کسی اور کو وزیراعظم بنایا گیا تو ہر امیر اپنا حق جتائے گا اور اختلاف کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو جائے۔ اسی لئے تمام امرائے نوریہ نے صلاح الدین کو منتخب کر لیا لیکن ضدی عین الدولہ باروتی کی رگ ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہی ہے۔ وہ صلاح الدین ہی سے ناراض نہیں تھا بلکہ تمام امرا کے خلاف ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے قاہرہ چھوڑ دیا اور دمشق چلا گیا۔

شام کو صلاح الدین' مصری خلیفہ کی سلامتی کے لئے گیا۔ مریم خلافت کی تفصیل اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے اس لئے یہاں پر مختصرا" لکھی جا رہی ہے۔ صلاح الدین جلوس کی صورت میں تمام شاہی امرا کے ساتھ قصر خلافت پہنچا۔ اس کے استقبال کے لئے جوہر استاد' قاضی القضاۃ' جلیل بن عبدالقوی اور موتمن الخلافت محل کی سیڑھیوں کے نیچے کھڑے تھے۔ انہوں نے صلاح الدین کو خوش آمدید کہا اور جلوس میں لے کر سڑھیاں چڑھنے لگے۔ تمام امرائے نوریہ وہیں ٹھہر گئے پھر انہیں مہمان خانے میں پہنچایا گیا جہاں ان کی خاطر مدارت کی گئی۔

ادھر صلاح الدین تینوں مصاحبوں کے ساتھ سڑھیاں چڑھ کر قصر میں داخل ہوا۔ قصر کے دروازوں پر مضبوط حبشی دربان کھڑے تھے جو ننگی تلواروں سے سلامی دیتے تھے۔ یہ لوگ دروازوں سے گزر کر ایک وسیع صحن میں پہنچے جن کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور چھتیں زرنگار اور طرح طرح نقش و نگار سے آراستہ تھیں۔ زمین پر بہترین ٹائل کا فرش

Marfat.com

تھا۔ کہیں سنگ مرمر کے فوارے تھے جن کے اردگرد مشرق کے مخصوص پرندوں کے جھنڈ تھے۔ بہت سے موڑوں اور پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر وہ شاہی دیوان خاص تک پہنچے۔ حاشیہ نشیں خادموں کی ایک کثیر تعداد زرنگار خلعتیں زیب تن کئے کھڑی تھی۔ ان کے پہنچنے پر خادموں نے بلند آواز میں اپنی حاضری کی اطلاع دی۔ یہاں قاضی القضاۃ جو راستاد اور موتمن الخلافت نے اپنی تلوار جسم سے الگ کر کے خادموں کو دیدی۔ انہوں نے صلاح الدین کو بھی تلوار الگ کرنے کا اشارہ کیا۔ صلاح الدین بے خوف و خطر تلوار الگ کر کے غیر مسلح ہو گیا اس کے بعد تینوں مصری مصاحب اس طرح زمین بوس ہوئے جیسے سجدہ کر رہے ہوں۔ صلاح الدین نے اپنے طریقے سے سر کو جھکا کو تعظیم پیش کی۔ اس وقت سونے اور موتیوں سے بوجھل بڑے بڑے زرق برق پردے اک دم اٹھ گئے اور پیچھے خلیفہ کا جلوہ نظر آیا۔

فاطمی خلیفہ العاضد کو مسلسل بیماری نے بالکل لاغر کر دیا تھا۔ شاہی طبیب اس کے تخت کے برابر دست بستہ کھڑا تھا۔ خلیفہ کی تمام بیماری بے اعتدالی اور بد پرہیزی کی وجہ سے تھی۔ کثرت عیاشی نے اس کی تندرستی برباد کر کے رکھ دی تھی۔ نظام ہضم ایسا بگڑا تھا کہ کوئی چیز مشکل ہی سے ہضم ہوتی۔ خلیفہ کے نقش و نگار اچھے تھے لیکن کھلتے ہوئے رنگ پر بیماری نے زردی کی ایک تہہ جما دی تھی۔ صلاح الدین کو اس کی صحت دیکھ کر بہت افسوس ہوا لیکن یہ سب کچھ کیا دھرا خود خلیفہ کا تھا۔ خلیفہ کے دونوں رازدار مصاحب قاضی القضاۃ اور جو ہر استاد نے خلیفہ کی تمام کوتاہیوں اور بداعمالیوں سے صلاح الدین کو آگاہ کر دیا تھا۔

خلیفہ نے ہلکا سا تبسم فرمایا اور مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی کرن اس کے چہرے پر ہویدا ہوئی۔ "صلاح الدین۔" خلیفہ نے زور لگا کے اسے مخاطب کیا۔

"فرمایئے خلیفہ محترم۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔ "میں گوش بر آواز ہوں۔"

"ہم تم سے بہت خوش ہیں۔" خلیفہ مشکل سے یہ الفاظ کہہ سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خلیفہ ان الفاظ کے ادا کرنے میں کافی زور لگانا پڑا تھا۔

"زاہ اور خلیفہ محترم۔" صلاح الدین کم از کم گفتگو کر رہا تھا تاکہ خلیفہ کو بھی کم از کم بولنا پڑے۔

خلیفہ نے دھیمی آواز میں کہا "ہم نے تمہیں مصر کا وزیراعظم منتخب کیا اور اپنے ملکی اور ذاتی ــ" خلیفہ کہتے کہتے اک دم رک گیا اور اس نے گھور کے موتمن الخلافت کو دیکھا۔ "کیا ہم اپنے وزیراعظم سے بھی تخلیے میں گفتگو نہیں کر سکتے۔"

Marfat.com

موتمن الخلافت نے فوراً" دوزانو ہو زمین چومی اور کہا۔ "امیر المومنین۔ ہم بندگان عالی مقام وزیراعظم کی رہنمائی کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ گستاخی معاف فرمائی جائے۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔ "

قاضی القضاۃ، جلیس بن عبدالقوی ' رازداد خاص ' جوہر استاد اور موتمن الخلافت سلام کر کے واپس جانے لگے۔ تو صلاح الدین نے ٹوکا۔

" سنو موتمن الخلافت " صلاح الدین کی آواز پر تینوں کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔ موتمن نے پلٹ کر صلاح الدین کو تسلیم کی۔

" غلام حاضر ہے۔ حکم دیجئے وزیراعظم۔ " موتمن نے سر جھکایا لیکن اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ " قصر خلافت میں صرف خلیفہ محترم کا حکم چلتا ہے۔" صلاح الدین نے پر رعب آواز میں کہا " تمہیں تاکید ہے کہ جب تک خلیفہ محترم گفتگو فرماتے ہیں ان کے گرد سو سو گز تک قطعی تخلیہ ہونا چاہئے۔ "

"تعمیل حکم ہوگی محترم وزیراعظم۔ " موتمن الخلافت نے سر جھکا کے کہا۔

" اس بات کا اور خیال رکھا جائے " صلاح الدین نے دوسرا حکم صادر کیا۔ "کوئی کنیز یا غلام اگر کسی پردے، دریچے یا ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر گفتگو سنتا ہوا پایا گیا تو اس کی گردن قلم کر دی جائے گی"

" تعمیل ہوگی وزیراعظم " پیروں کے ساتھ اب اس کی زبان بھی کانپ رہی تھی۔

موتمن الخلافت نے باہر نکل کر ایسا سخت تخلیہ کیا کہ قصر خلافت کنیزوں اور غلاموں سے تقریباً" خالی ہو گیا۔ سوائے باہر جانے والے دروازوں اور بائیں باغ کے کسی اور جگہ کوئی کنیز یا غلام۔

" ہم تمہارے شکر گزار ہیں صلاح الدین تم نے اچھا کیا۔ اب ان کے کان کھل گئے ہوں گے " خلیفہ نے تشکر بھری نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔

" خلیفہ محترم ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنا چاہئے۔ " صلاح الدین نے سنجیدگی سے کہا "ان کی جائز ضرورتوں کے سلسلے میں کبھی ہاتھ نہ روکنا چاہئے اگر انہیں ذرا بھی ڈھیل دی گئی تو یہ سر پر سوار ہو جائیں گے اور خود حکم چلانے لگیں گے "

" درست ہے۔ بالکل درست ہے۔ " خلیفہ نے سر ہلایا۔ " ہاں صلاح الدین ہم کہہ رہے تھے کہ اب تم وزیراعظم ہو۔ ہم نے تمہیں اپنے ملکی اور ذاتی معاملات پر پورا اختیار دیا ہے۔ تم جس طرح چاہو انتظام اور انصرام کر سکتے ہو۔ تم ہمارا مطلب سمجھ رہے ہو صلاح الدین؟ "

Marfat.com

"جی خلیفہ محترم۔" صلاح الدین نے ادب سے کہا "جہاں تک ذاتی معاملات کا تعلق ہے۔ میں یہ مناسب۔ سمجھا کہ اس میں دخل دوں۔ میرے خیال میں یہ صریم خلافت کے وقار کے خلاف ہے کہ کوئی وزیراعظم قصر خلافت کے کسی مسئلے میں دخل دیئے۔"

"نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے صلاح الدین" خلیفہ نے مشفقانہ انداز میں کہا۔ "ہمارا وقار اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب قصر خلافت کے تمام ملازمین کو یہ علم ہو کہ ان کے تمام اعمال کی باز پرس ہو سکتی ہے اور وزیراعظم قصر خلافت کے کسی بھی بااختیار افسر کو اس کے عہدے سے الگ کر سکتا ہے۔ یہ اختیار ہم تمہیں مصلحتاً" دے رہے ہیں۔

"اگر خلیفہ کی خواہش ہے تو میں اس کا احترام کروں گا۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔ خلیفہ نے ذرا اور وضاحت کی۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ شاہی محلات میں پھیلنے والی ریشہ دوانیاں اور سر اٹھاتی ہوئی سازشوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں خلیفہ محترم۔" صلاح الدین بولا "میرا خیال ہے کہ شاہی محلات میں سب سے زیادہ بااثر شخصیت داروغہ محلات کی ہوتی ہے۔"

"تمہاری نظریں بالکل درست خطوط پر ہیں۔" خلیفہ نے تحسین آمیز نظروں سے صلاح الدین کو دیکھا۔ "تمہیں معلوم ہو گا کہ پہلے ضرغام نام کا ایک شخص داروغہ محلات تھا۔ اس میں اور اس وقت کے وزیراعظم میں اختلاف پیدا ہوا تو اس نے وزیراعظم کو ہٹانے کے لئے صعیدہ کے گورنر ملک شاور کو بلوا لیا۔ ملک شاور نے طاقت کے زور پر دارالوزارت پر قابض ہو کر وزیراعظم بن گیا۔ یہ باتیں تمہیں ضرور معلوم ہوں گی اور نہیں معلوم ہے تو کسی سے معلوم کر لینا چاہئے۔"

"خلیفہ محترم۔" صلاح الدین نے جواب دیا "مجھے ہر بات کا علم ہے۔ اسی وجہ سے نے عرض کیا تھا کہ شاہی محلات کی سب سے طاقتور ہستی داروغہ محلات ہوتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک میں وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوں آپ کی طرف کوئی نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ آپ سکون سے رہیں اور اپنی تندرستی و صحت کا خیال رکھئے۔ خلیفہ محترم مجھے ہروقت اپنے حکم کا پابند پائیں گے۔"

خلیفہ کی مسہری کے ساتھ سونے کا گھنٹہ لٹکا رہتا تھا اور گھنٹے پر چوٹ مارنے کے لئے سونے ہی کی ایک موگری سرہانے رکھی رہتی تھی۔ خلیفہ نے موگری اٹھا کے گھنٹے پر ماری جس سے پورا محل گونج اٹھا۔ یہ کنیز خاص کو بلانے کا طریقہ تھا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ کنیز ہانپتی کانپتی پہنچی اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تخلیہ ختم ہوا۔ جو لوگ ہمارے حضور میں کھڑے تھے وہ حاضر ہو سکتے ہیں۔" خلیفہ

Marfat.com

نے حکم دیا اور کنیز تعمیل کے لئے باہر کی طرف بھاگی۔ کچھ ہی دیر بعد موتمن الخلافت، قاضی القضاۃ اور جوہر استاد واپس آ گئے۔ کنیز اور غلام اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے ایک غلام کو اشارہ کیا وہ باہر گیا اور فوراً" ایک زرنگار خلعت لے کے چوبی پھر اس طرح سونے کے خوان میں رکھ دی تاکہ رخصت ہوتے وقت خلعت کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔

خلیفہ نے غلام سے کہا " ہم وزیراعظم صلاح الدین کو الملک الناصر کا خطاب عطا کیا۔ اس خطاب کا اعلان کیا جائے۔ "

غلام نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اعلان کیا۔ "الملک الناصر صلاح الدین وزیراعظم مصر۔ "

ابھی اس غلام کی آواز گونج ہی رہی تھی کہ باہر راہداری میں کھڑے غلام نے اس اعلان کو دہرایا۔ " الملک الناصر صلاح الدین وزیراعظم مصر۔ "

پھر تو ہر دروازے اور ہر راہداری میں کھڑے غلام نے ایک ایک کر کے اس اعلان کو دہرانا شروع کیا اور دیر تک " الملک الناصر صلاح الدین وزیراعظم " کے الفاظ سے قصر خلافت گونجتا رہا۔

صلاح الدین نے ایک بار پھر اظہار تشکر کے طور پر سر کو ذرا خم کر کے خلیفہ کو تعظیم پیش کی۔ خلیفہ نے صلاح الدین کو قریب بلایا اور ایک رواردید کا بیش ہار اسے دیا۔ صلاح الدین کو تیسری مرتبہ تعظیم پیش کرنا پڑی۔ چونکہ تخلیہ ختم ہو چکا تھا اور کنیز و غلام شاداں اور فرحاں ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔ اس لئے صلاح الدین کی وزارت اور الملک الناصر کے خطاب کی خبر محل سے نکل کر پورے شہر میں پھیل گئی۔ مصر کے نمائندین سلطنت اور ارکان دولت نے سنا تو صلاح الدین کی قیام گاہ کی طرف مبارک باد دینے دوڑے۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ وزیراعظم صلاح الدین ابھی تک قصر خلافت میں ہیں تو ان کے پرے کے پرے صریم خلافت پہنچ گئے۔

صلاح الدین خلیفہ کو رخصتی سلام کر کے باہر آیا تو وہاں ایک جم غفیر اکٹھا تھا۔ داروغہ محلات جو کسی کو منہ نہ لگاتا اس وقت صلاح الدین کے آگے پیچھے گھوم رہا تھا۔ جوہر استاد اور قاضی القضاۃ جلیس بن عبدالقوی اب تک صلاح الدین کے ساتھ لپٹے چلے آ رہے تھے۔ ہر طرف مبارک باد کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ اور ہر ایک صلاح الدین کے ہاتھ پر بوسہ دینے کے لئے دوسرے کو پیچھے دھکیل رہا تھا۔ صریم خلافت کے پہرہ داروں کو انتظام کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔

Marfat.com

صلاح الدین نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کے نعروں کا جواب دیا۔ مجمع کچھ خاموش ہوا تو صلاح الدین نے اعلان کیا۔ "قید خانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں اور سوائے ملک شادر کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کے اور تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے خواہ انہیں سزائے موت کا حکم ہو چکا ہو۔ خبردار کسی قید خانہ میں کوئی قیدی باقی نہ رہے۔"

اس اعلان سے لوگ مسرت کے مارے ناچنے لگے اور اس قدر نعرے لگائے کہ ان کے گلے بیٹھ گئے۔ خواص اور عوام سب نے مطالبہ کیا کہ وہ "الملک الناصر وزیراعظم مصر" کو جلوس کی صورت میں دارالوزارت تک لے جائیں گے۔ صلاح الدین نے انکار کیا لیکن جب عوام کا اصرار زیادہ بڑھا تو صلاح الدین کو راضی ہونا پڑا۔ صلاح الدین کے محافظوں نے اسے اپنے حلقے میں لے لیا اور یہ جلوس نعرے لگاتا ہوا دارالوزارت کی طرف روانہ ہوا۔ پورا قاہرہ جلوس دیکھنے کے لئے اُمڈ پڑا۔ امرائے نوریہ کو معلوم ہوا کہ وزیراعظم صلاح الدین کا جلوس دارالوزارت جا رہا ہے تو وہ بھی سب دارالوزارت پہنچ گئے۔

دارالوزارت کے صدر دروازے پر اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ امرائے نوریہ کے علاوہ شہر کے تمام معززین اور عمائدین سلطنت موجود تھے۔ صلاح الدین کے انتخاب کو خلیفہ کے علاوہ مصری عوام اور خواص نے بھی پسند کیا تھا۔ دارالوزارت میں اس وقت تک تمام امرائے نوریہ کا قبضہ تھا لیکن صلاح الدین کے انتخاب کے بعد تمام امرا نے دارالوزارت خالی کر دیا۔ انہیں قاہرہ میں بڑی بڑی حویلیاں اور بعضوں کو محلات دیئے گئے۔ بظاہر تو صلاح الدین سے مصری اور شامی بہت خوش تھے لیکن بعض امرائے نوریہ کے دل میں بھی کھوٹ تھا اسی طرح مصرف سردار اور امرا کی ایک بڑی تعداد صلاح الدین کو پسند نہ کرتی تھی اور وہ یہی چاہتے تھے کہ انہیں پہلے کی طرح من مانی کی اجازت دی جائے لیکن صلاح الدین انتظامی اور فوجی دونوں معاملات میں بہت سخت تھا۔

مشہور ہے کہ اگر شاہ وقت بغیر قیمت ادا کئے ایک انڈہ منگالے تو اس کے عمال اور غلام آبادی کی تمام مرغیاں پکڑ کے ذبح کر ڈالتے ہیں۔ یہی حال صلاح الدین کی عام معافی کے اعلان کا ہوا۔ صلاح الدین نے اعلان کیا تھا کہ سب کو قید سے آزاد کر دیا جائے سوائے ملک شادر کے رشتہ داروں اور اس کے ساتھیوں کے۔ ملک شادر کے رشتہ داروں میں اس کے دو بیٹے کامل اور طے تھے۔ ملک شادر کی دوسری بیوی اور اس کی دو بچیوں کو پہلے ہی پناہ دی جا چکی تھی۔ باقی اور کوئی دور نزدیک کا رشتے دار نہیں تھا اور اگر ہو گا بھی تو صلاح الدین کا اعلان سن کر کہیں پوشیدہ ہو گیا ہو گا۔ لیکن کوتوال شہر کو تو اپنی کارگزاری دکھانا تھی۔ اس نے نئے وزیراعظم کو خوش کرنے کے لئے ملک شادر کے تمام دوستوں کو گرفتار کر

Marfat.com

لیا۔ شہر کوتوال سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہنکا کر لے گیا اور قید میں ڈال دیا۔ انہوں نے بہت شور مچایا مگر کون سنتا ہے پھر شہر کوتوال کی ناراضگی کون مول لیتا پس بڑے بڑے شرفا اس داروگیر کی لپیٹ میں آ کر قید خانہ پہنچ گئے۔

صلاح الدین نے وزارت حاصل کرتے ہی سلطان دمشق نور الدین محمود زنگی کو مصر کے نام احوال پر مشتمل ایک نامہ بھیجا۔ اس نامہ کو دمشق پہنچانے کے لئے اس نے ایک سردار کا انتخاب کیا جو ان تمام واقعات کا عینی شاہد تھا۔ صلاح الدین نے نامہ بر کو بتا دیا کہ اس کا ایک دشمن دربار دمشق میں موجود ہے۔ اس کا اشارہ امیر عین الدولہ باروقی کی طرف تھا جو صلاح الدین کے انتخاب سے ناراض ہو کر دمشق واپس چلا گیا تھا۔ امیر باروقی کی آنکھوں پر حسد کا ایسا پردہ پڑا کہ وہ یہ بھی نہ سوچ سکا کہ وہ دمشق واپس جا کر شیرکوہ سے کئے ہوئے ایک عہد کو توڑ رہا ہے۔

اس عہد کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب شیرکوہ نے نصرانیوں کو شکست دے کر انہیں مصر سے نکال دیا تھا تو اس نے امرائے نوریہ سے قرآن پر ہاتھ رکھا کہ یہ عہد لیا تھا کہ وہ دمشق کسی صورت بھی نہیں جائیں گے اور مصر کے حالات درست کرنے میں اس کی مدد کرتے رہیں گے۔ صلاح الدین کے بعض امیراب بھی اس کے خلاف تھے لیکن فقیہ مکاری نے سمجھا بجھا کر ان کا دل صلاح الدین کی طرف سے صاف کر دیا تھا۔ دمشق پہنچ کر امیر عین الدولہ باروقی نے صلاح الدین کے خلاف بڑا زہر اگلا تھا لیکن جب سلطان کے پاس صلاح الدین کا قاصد پہنچا اور سلطان کو تحریری اور زبانی تمام حالات کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے ایک دن دربار میں بڑے فخر سے کہا۔

"ہمارے درباری امرا جانتے ہیں کسی ملک کو فتح کرنا زیادہ مشکل نہیں بلکہ فتح کئے ہوئے ملک پر قبضہ برقرار رکھنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ مصر پر ہم نے پہلے جو دو مہمیں بھیجیں اس میں پورا مصر یا مصر کا بیشتر حصہ فتح ہوا تھا لیکن مگر وہاں کے حالات ایسے نہ تھے کہ مصر پر قبضہ برقرار رکھا جا سکے۔ یہ مشکل تیسری مہم میں آسان ہو گئی۔ ان تمام فتوحات کا سہرا مرحوم اسد الدین شیرکوہ کے سر ہے۔ شیرکوہ نے ایک طرف تو نصرانی لشکر کو شکست دے کر انہیں مصر سے بھگا دیا دوسری طرف مصر کے تلون مزاج وزیر اعظم کو ٹھکانے لگا کر مصر کی وزارت پر قبضہ کر لیا۔

"شیرکوہ کی اچانک موت سے شامی لشکر کسی مشکل میں پھنس سکتا تھا لیکن ہمارے پروردہ صلاح الدین بن نجم الدین ایوب نے مصر کے حالات اس خوبی سے سنبھالے کہ مخالفت کے بجائے عوام اور خواص صلاح الدین اور شامی لشکر کے گرویدہ ہو گئے۔ ہم

Marfat.com

جانتے ہیں کہ ہمارے بعض تجربہ کار اور سن رسیدہ امرا کو ایک کم عمر امیر کے مصر کا وزیر اعظم بن جانے کا افسوس ہوا کیونکہ وہ صلاح الدین سے تجربے کار اور عمر میں بڑے ہیں لیکن ہم نے صلاح الدین کی جس انداز سے پرورش کی تھی اس کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ کوئی کارنامہ انجام دے اور یہ اس کا ایک اہم کارنامہ ہے کہ اس نے مصر کے وزیر اعظم کا عہدہ حاصل کیا اور صرف چند دنوں میں مصر کی تمام طاقتوں کو کچل کے رکھ دیا۔

امیر عین الدولہ یاروقی کے تمام کئے دھرے پر اوس پڑ گئی۔ وہ قاہرہ سے یہ سوچ کے آیا تھا کہ دمشق پہنچ کے صلاح الدین کا تختہ الٹ دے گا لیکن یہاں تو پانسہ ہی الٹا ہو گیا۔ سلطان کی مختصر تقریر نے ثابت کر دیا کہ اس وقت سلطان کی نظر میں صلاح الدین کی جو وقعت ہے وہ کسی اور امیر کی نہیں۔

صلاح الدین نے اپنے خط میں بڑا عاجزانہ انداز اختیار کیا تھا اور درخواست کی تھی اسے مزید ہدایات سے نوازا جائے۔ سلطان نے اس کے جواب میں صلاح الدین کو بڑا مشفقانہ جواب لکھا۔ اس کا شاہانہ خط کچھ اس طرح تھا۔

> از طرف نور الدین محمود سلطان دمشق و بلاد اسلامیہ مشرق وسطی بنام صلاح الدین امیر سپہ سالار مجمع امرائے نوریہ مقیم دیار مصر۔
>
> تمہارے خط اور نامہ بر کی زبانی جو حالات معلوم ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ تم نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ جہاں تک ہماری ہدایات کا تعلق ہے تو ہم نے امیر اسد الدین شیر کوہ کو فیصلے کے پورے اختیارات دیئے تھے۔ وہی اختیارات تمہیں دیئے جاتے ہیں۔ تم اپنے معاملات میں کلی طور سے آزاد ہو سوائے اس کے کہ سختی کی جگہ مناسب سختی اور نرمی کی جگہ عفو و درگزر سے کام لو کہ عوام کے دلوں کی تسخیر کا یہی سب سے بڑا نسخہ ہے۔

صلاح الدین نے یہ خط اپنے دربار میں پڑھ کر سب کو سنایا وہ امرا جن کے دل میں اگر صلاح الدین کے خلاف کوئی بات تھی بھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔

عام معافی کے اعلان سے جن لوگوں کو فائدہ پہنچا ان کے گھروں میں تو گھی کے چراغ جل گئے لیکن قاہرہ کے شہر کوتوال نے اس اعلان یہ فائدہ اٹھایا کہ ملک شاور کے تمام دوستوں اور احباب کو پکڑ کے قید میں ڈال دیا یہی نہیں بلکہ شہر کوتوال کو جن جن امرا سے دشمنی تھی انہیں بھی ملک شاور کی دوستی کی آڑ میں قید کر دیا۔ اس سے قاہرہ میں بڑی بے

Marfat.com

چیخ پکار۔ ان ناکردہ گناہ امرا اور معززین کی بیویوں نے سیاہ ماتمی لباس پہنے اور قصر خلافت پہنچ گئیں لیکن انہیں اندر نہیں جانے دیا کیونکہ وہ صلاح الدین کی شکایت کرنے جا رہی تھیں اور قصر خلافت کا کوئی شخص صلاح الدین کی مخالفت لینے پر تیار نہ تھا۔ بیگمات نے بڑا واویلا کیا لیکن جو موتمن خلافت نے پہرہ داروں کو حکم دے دیا کہ اگر ایک عورت بھی محل میں داخل ہو گئی تو تمام پہریداروں کو برخاست کر دیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ موتمن خلافت کو صلاح الدین سے کوئی ہمدردی تھی۔ موتمن تو صلاح الدین کے سخت خلاف تھا اور ایک زبردست سازش کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ دراصل اس وقت اسے اپنی جان کی فکر تھی۔ وہ داروغہ محلات تھا۔ اگر عورتیں خلیفہ تک پہنچ جاتیں تو صلاح الدین کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ موتمن نے خود عورتوں کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے خواتین کو اندر جانے سے روک دیا لیکن انہیں یہ مشورہ ضرور دیا کہ وہ اپنا مقدمہ بجائے خلیفہ کے صلاح الدین کے سامنے پیش کریں جس نے یہ غلط حکم دیا تھا۔ خواتین کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور وہ خلیفہ سے مایوس ہو کے دارالوزارت پہنچ گئیں۔

صلاح الدین نے اپنے دروازے ہر ایک کے لئے کھول دیئے تھے۔ ملک شاور کے زمانہ تک دارالوزارت میں بڑے بڑے امیر داخل نہ ہو سکتے تھے لیکن صلاح الدین نے جس طرح عام معافی کا اعلان کیا تھا اسی طرح عوام کو عام ملاقات کی اجازت دے دی تھی۔ احتیاط کے طور پر اس نے محافظوں اور پہریداروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ نئے ملاقاتیوں پر خاص نگاہ رکھیں اور انہیں اندر بھیجنے سے پہلے یہ اطمینان کر لیں کہ انہوں نے اپنے لباس میں کوئی اسلحہ تو نہیں چھپا رکھا ہے۔ خواتین کے معاملات میں اس احتیاط کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

قصر خلافت سے ناکام واپس آنے والی خواتین دارالوزارت کے صدر دروازے پر پہریدار نے بتایا کہ اس وقت صلاح الدین سے ملنے کے لئے معزول وزیر اعظم ملک شاور کی بیوی اور دونوں بیٹیاں آئی ہوئی ہیں اور جب تک وہ واپس نہیں آتیں کسی دوسرے کو وزیر اعظم کے پاس نہیں جانے دیا جا سکتا۔ مصیبت کی ماری خواتین صدر دروازے کے برابر ایک کمرے میں بیٹھ کے ملک شاور کی بیوی اور بچیوں کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

ملک شاور کی بیوی بھی صلاح الدین سے ملنے ایک خاص وجہ سے آئی تھی۔ صلاح الدین نے ملک شاور کے قتل کے فوراً بعد اس کے صعیدہ والے مکان پر جہاں اس کی بیوی

Marfat.com

اور بچیاں رہتی تھیں۔ فوجی پہرہ لگوا دیا تھا تاکہ ملک شاور کے گھر کو عوام نہ لوٹ سکیں۔ وہ پہرہ اب بھی قائم تھا۔ لیکن اس وقت صلاح الدین کے پاس اس کے آنے کی یہ وجہ تھی کہ عام معافی کے باوجود ملک شاور کا دو بیٹے کامل اور طے اب تک قید میں تھے۔ وہ اگرچہ کامل اور طے کی سوتیلی ماں تھی لیکن اسے ان بیٹوں سے اپنی سگی بچیوں کی طرح محبت تھی اور وہ چاہتی تھی جس طرح صلاح الدین نے اس کا گھر بچایا ہے اسی طرح اس کی دمشق سے دونوں سوتیلے بچے آزاد ہو جائیں کیونکہ اس کے خیال میں کامل اور طے' ملک شاور کی اس حرکت کے خلاف تھے جس سے شیرکوہ یا شامی لشکر کو کوئی نقصان پہنچنے کا امکان تھا۔

صلاح الدین کو وزارت سنبھالے چند ہی روز گزرے تھے۔ کاروبار سلطنت کا بوجھ یوں بھی بہت بھاری ہوتا ہے۔ صلاح الدین تو بالکل نیا تھا۔ اس کا اصل کام میدان جنگ لڑنا یا اپنے آدمیوں کو دشمن سے لڑانا تھا۔ وزارت کے فرائض اس سے بالکل مختلف تھے۔ لیکن امرا کے نوریہ نے اس پر اعتماد کیا تھا۔ سب سے بڑھ کے فاطمی خلیفہ نے خود اسے وزیر اعظم منتخب کیا تھا۔ اس لئے اسے اپنے آپ کو اسکا اہل ثابت کرنا تھا۔ اسکا باپ بھی ایک بہترین منتظم تھا۔ نجم الدین ایوب پہلے قلعہ تکریت کا قلعدار تھا۔ پھر وہ سلطان نور الدین زنگی کے والد امیر عماد الدین زنگی کے پاس موصل آ گیا۔ یہیں اس کی قسمت کا ستارہ چمکا اور وہ دمشق کا ناظم پر سپہ سالار ہوا اور اب وہ بوڑھا ہو کر تقریباً گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ صلاح الدین اسی باپ کا بیٹا تھا۔ پھر اس کی پرورش اپنے چچا امیر اسد الدین شیرکوہ اور سلطان نور الدین کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ میدان جنگ اور تخت و تاج دونوں راستوں کو اس نے دیکھا تھا۔

صلاح الدین ان دنوں مصروف تھا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ ملک شاور کی بیگم اس سے ملنے آئی ہے تو اس نے ایک لمحے کی دیرنہ کی اور خود مہمان خانہ میں پہنچ گیا۔ بیگم شاور نے کھڑے ہو کر ادب سے صلاح الدین کو سلام کیا۔

"خاتون آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔ کوئی تکلیف تھی یا کسی چیز کی ضرورت تھی تو کسی کے ہاتھ پرچہ بھیج دیا ہوتا یا مجھے بلوا لیا ہوتا۔ میں خود حاضر ہو جاتا۔" صلاح الدین نے نہایت عاجزی سے کہا۔

خدا آپ کے مراتب میں اضافہ کرے اور عمر خضر عطا فرمائے۔ بیگم شاور نے بڑے خلوص سے دعا دی۔ "آپ نے اس بیوہ اور یتیم بچیوں پر جو احسان کیا ہے اسے میں عمر بھر نہیں بھول سکتی ----"

"خاتون میں قطع کلام کر رہا ہوں---" صلاح الدین نے اس کی بات کاٹی۔ "کیا یہ

Marfat.com

بہتر نہ ہو گا کہ آپ اندر تشریف لے چلئے۔ یہ آپ ہی کا محل ہے۔ میں محل کے سابق مالک کو تو نہیں واپس دے سکتا لیکن کوشش کروں گا کہ آپ کو دل جوئی میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔"

"اللہ آپ کو سلامت رکھے وزیر اعظم۔" بیگم شاور کے جواب دیا۔ "دارالوزارت میرے لئے ہمیشہ منحوس رہا۔ میں یہاں صرف چند دن گزارے ہیں اس کے بعد میں ہمیشہ دارالوزارت سے دور رہی یا وزیر اعظم نے مجھے اس سے دور رکھا۔ اس لئے آپ اندر لے جانے پر اصرار نہ کیجئے۔ میں ایک عرضداشت لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری درخواست پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

"آپ مجھے شرمندہ نہ کیجئے خاتون۔" صلاح الدین نے بڑے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "میں آپ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ جو درخواست لے کر آئی ہیں۔ اسے میں بغیر سنے منظور کرتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ وزیر اعظم۔" بیگم شاور نے کہا۔ "میرے دل کا بوجھ نہ صرف ہلکا ہو گیا بلکہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ نے میرے زخمی دل پر مرہم رکھ دیا۔ اب میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میں کس لئے آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا جب آپ اور امیر شیرکوہ شامی لشکر کے ساتھ مصر آئے تھے تو خلیفہ محترم اور مصری عوام نے آپ دونوں کی اور شامی لشکر کی پذیرائی کی تھی اور امیر شیرکوہ کو قصر خلافت میں بلا کر خلعت پیش کی تھی اور پورے لشکر کی میزبانی کا حکم دیا تھا۔ خلیفہ کے اس اقدام سے مصر کے سب خواص و عوام خوش ہوئے تھے مگر میرے شوہر ملک شاور کو خلیفہ کی یہ فیاضی پسند نہ آئی تھی چنانچہ انہوں نے امیر شیرکوہ کو دعوت کے بہانے دارالوزارت میں بلکہ قتل کرانے کی سازش کی تھی۔ مصر کے امرا کے سامنے یہ سازش پیش کی گئی ان میں ملک شاور کے دونوں بیٹے یعنی ملک کامل اور ملک طے بھی موجود تھے وہ اس محفل میں تو خاموش رہے مگر محفل کے اختتام پر خاموشی سے قاہرہ سے میرے پاس صعیدہ آ گئے۔ انہوں نے جب اس سازش کا میرے سامنے انکشاف کیا تو تو پھر اٹھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ قاہرہ جا کر خود ملک شاور کو اس ارادے سے باز رکھوں گی"

بیگم شاور سانس لینے کو رکی تو صلاح الدین نے مسکرا کے کہا۔ "خاتون ہمیں اس سازش کا علم ہو گیا تھا اور اسی سازش نے دراصل ملک شاور کی جان لے لی۔"

"اچھا آپ لوگوں کو علم ہو گیا تھا!" بیگم شاور نے تعجب سے کہا۔

"ہاں خاتون ہمیں سب علم تھا لیکن ہم ملک شاور کو وقت دے رہے تھے کہ شاید وہ

Marfat.com

راہ راست پر آ جائیں۔" صلاح الدین نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "لیکن انہوں نے اپنا راستہ نہیں بدلا اور آخر جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔"

"میں اسی سلسلے میں کچھ عرض کرنے آئی ہوں۔" بیگم شاور نے بات آگے بڑھانا چاہی۔

"یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔" صلاح الدین نے افسوس کے ساتھ کہا۔ "اب اس ذکر سے کیا فائدہ آپ فرمایئے کس وجہ سے آپ نے زحمت کی ہے۔"

"وہی میں عرض کر رہی ہو وزیر اعظم۔" بیگم نے پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑا ---
"میں عرض کر رہی تھی کہ میں ملک شاور کے پاس قاہرہ جانے والی تھی کہ وہ خود ہی میرے پاس صعیدہ آ گئے۔ وہ دراصل اپنے بیٹوں کو منانے آئے تھے جو ان سے اس وجہ سے خفا تھے کہ وہ شیرکوہ کو سازش سے قتل کرانا چاہتے تھے۔"

بیگم شاور نے ذرا رک کے کہا۔ "وزیر اعظم کی اجازت سے میں اس سازش کے سلسلے میں ملک شاور اور ان کے بیٹوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ دہرانا چاہتی ہوں۔ براہ کرم مجھے اجازت دی۔"

"بیگم شاور نے درخواست کی۔ "وزیر اعظم سے التماس ہے کہ وہ میری خاطر اس گفتگو کو ذرا توجہ سے سماعت فرمائیں۔ کیونکہ اس سے دو ہستیوں کی زندگی وابستہ ہے۔"

صلاح الدین نے چونک کے دیکھا۔ "فرمایئے میں توجہ سے سن رہا ہوں۔"

بیگم شاور نے کہنا شروع کیا۔ "محترم وزیر اعظم ۔ میں اپنے شوہر سے بہت کم گفتگو کرتی تھی لیکن اس دن جب میں نے انہیں دیکھا تو بھر پڑی۔ میں نے ان سے بڑی سختی سے کہا کہ آخر وہ اس شخص کو کیوں گرفتار اور قتل کرنا چاہتے ہیں جس نے انہیں مصر کی وزارت واپس دلائی ہے اس کے جواب میں انہوں نے میرا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا کہ تم عورت ہو اس لئے ان حکمت عملیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ میرے منصوبے کی میرے بیٹے میں مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ میرے خون ہیں اس لئے ہیں نہیں چاہتا کہ یہ مجھ سے ناراض رہیں۔ میں انہیں منانے کے لئے قاہرہ سے یہاں آیا ہوں۔ ان کی یہ بات سن کے کامل کو غصہ آ گیا اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ بابا جان اگر آپ نے یہ سازش ختم نہیں کی تو میں خود شیرکوہ کو اس سے آگاہ کروں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کامل تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر میں شیرکوہ کو گرفتار نہیں کرتا تو ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے اور پھر کامل نے انہیں جو جواب دیا وہ جواب ہی میں آپ کو سنانے آئی ہوں---" بیگم ملک شاور نے رک کر صلاح الدین کو دیکھا۔

Marfat.com

"خاتون۔ آپ سنانا چاہتی ہیں تو ضرور سنایئے۔ میں سن رہا ہوں۔۔۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔

"تو سنئے وزیر اعظم ۔۔۔" بیگم شاور نے سنبھل کے کہا۔ "کامل نے باپ کو جواب دیا کہ اے باوا جان۔ یہ صحیح ہے کہ ہم قتل کر دیئے جائیں گے لیکن یہ خیال رہے کہ اگر ہم اسلام کی حالت میں قتل کر دیئے جائیں اور مصر مسلمانوں کے قبضہ میں باقی رہے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم قتل بھی کئے جائیں اور مصر فرنگیوں کے ہاتھ میں چلا جائے کیونکہ جیسے ہی فرنگیوں کو شیرکوہ کی گرفتاری اور قتل کی اطلاع ملے گی وہ فوراً مصر پہنچ جائیں گے اور پورے مصر پر قابض ہو جائیں گے۔ وزیر اعظم یقین جانیئے کامل کے اس جواب سے میرا دل خوش ہو گیا تھا۔"

"محترم وزیر اعظم۔ میں اس وجہ سے ان دونوں بھائیوں یعنی اپنے سوتیلے بیٹوں طے اور کامل کی زندگی مانگتی ہوں۔۔" بیگم شاور نے گڑگڑا کر کہا۔

"خاتون اگر یہی آپ کی درخواست ہے، تو اسے ہم پہلے ہی قبول کر چکے ہیں۔۔۔" صلاح الدین نے جواب دیا۔۔۔ "اگر آپ یہ باتیں نہ بھی بتاتیں تو بھی آپ کے دونوں بیٹے رہا کر دیئے جاتے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور خواہش ہو تو بیان فرمایئے۔"

"شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔" بیگم شاور نے بڑے عجز سے کہا۔ "اس کے علاوہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ آپ نے مجھے پہلے ہی سب کچھ دے دیا ہے۔"

بیگم ملک شاور کے جانے کے بعد صلاح الدین نے ان خواتین سے ملاقات کی جن کے شوہروں کو شہر کوتوال نے محض اس وجہ سے گرفتار کر کے قید کر دیا تھا کہ وہ ملک شاور کے کسی نہ کسی انداز سے شناسا یا اس کی وزارت میں کسی عہدے پر فائز تھے۔ بیگمات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے صلاح الدین دارالوزارت کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ شور اور واویلا کرتی خواتین اسے دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"معزز خواتین۔" صلاح الدین نے انہیں خود خطاب کیا۔ "مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی شکایات کے لئے اپنا گھر بار اور کام کاج چھوڑ کے میرے پاس اتنی دور آنا پڑا۔ آپ اپنی تکالیف بیان فرمائیں۔ میں انہیں دور کرنے کی کوشش کروں گا لیکن آئندہ سے آپ اپنی ہر شکایت پہلے شہر کوتوال کے سامنے پیش کیجئے۔ اگر وہ توجہ نہ کرے تو آپ سیدھی میرے پاس تشریف لائیں۔ میرے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔"

ایک خاتون نے جو پیچھے کھڑی تھیں، چیخ کے کہا۔ "اے ہمارے وزیر اعظم ہم شہر کوتوال کے پاس جا کر کیا کریں۔ اس ظالم نے تو ہمارے شوہروں کو گرفتار کر کے قید خانہ

Marfat.com

میں ڈال دیا ہے۔"

"مگر کیوں۔ شہر کوتوال نے ایسا کیوں کیا؟" صلاح الدین نے دریافت کیا۔

خاتون نے جواب آگے آ گئی تھیں' متانت سے کہا۔ "اے مصر کے محبوب وزیر اعظم۔ آپ کا شہر کوتوال کہتا ہے کہ اسے وزیر اعظم نے حکم دیا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے جن کا تعلق مصر کے پہلے وزیر اعظم سے تھا۔"

"مگر ہم نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔" صلاح الدین نے خود کلامی کے انداز میں کہا لیکن اس کی آواز اس خاتون تک پہنچ گئی جو صلاح الدین سے گفتگو کر رہی تھی۔

اس خاتون نے فوراً مطالبہ کیا۔ "وزیر اعظم۔ صبح انصاف کے لئے شہر کوتوال کو بلا کر ہمارے سامنے پوچھا جائے۔"

"خاتون۔" صلاح الدین نے متانت سے کہا۔ "آپ صحیح انصاف کا مطالبہ فرما رہی ہیں لیکن انصاف نہ صحیح ہوتا ہے اور نہ غلط۔ انصاف صرف انصاف ہوتا ہے خواہ وہ کسی کے سامنے میں ہو یا اس کی عدم موجودگی میں آپ اس وقت یہاں موجود ہیں اس لئے شہر کوتوال سے آپ کے سامنے ہی جواب طلب کیا جائے گا۔"

صلاح الدین جس وقت مہمان خانہ سے اٹھ کے دارالوزارت کے صدر دروازے پر گیا تھا تو اس وقت تک کئی عمائدین سلطنت دارالوزارت پہنچ چکے تھے اور وہ سب اس وقت صلاح الدین کے ساتھ ہی کھڑے تھے پھر بھی صلاح الدین نے ان کے بجائے ایک غلام کو حکم دیا کہ تمام خواتین کو دارالوزارت کے اندر معقول جگہ بٹھایا جائے اور ان کی ضروری خاطر مدارات کی جائے۔ اس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ شہر کوتوال کو فوراً حاضر کیا جائے۔ اس کے بعد وہ اس خاتون کے علاوہ کچھ اور خواتین کو ساتھ لے کر مہمان خانے واپس آ گیا۔ عمائدین سلطنت اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ موتمن خلافت بہت گھبرایا ہوا تھا اس لئے کہ دارالوزارت کے صدر دروازے پر اس سے پہلے کبھی کوئی مظاہرہ نہیں ہوا تھا۔

شہر کوتوال ہانپتا کانپتا مہمان خانہ میں پہنچا تو صلاح الدین نے اسے سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ دیا اور پر رعب لہجے میں سوال کیا۔ "تم نے کس کے حکم سے ملک شاور کے دوستوں شناساؤں اور اس کی وزارت کے افسروں کو قید میں ڈالا ہے۔؟"

کوتوال شہر اور زیادہ گھبرا گیا۔ اس نے معافی مانگنے ہی میں بہتری دیکھی اور گڑگڑایا۔

"اے ملک الناصر وزیر اعظم سلطنت مصر۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں ابھی سب کو رہا کئے دیتا ہوں۔"

Marfat.com

"شہر کوتوال۔" صلاح الدین نے ڈپٹ کر کہا۔ "جانتے ہو تمہاری اس غلطی نے شہر میں کیا طوفان برپا کیا ہے۔ گھر گھر ماتم ہو رہا ہے اور معززین خواتین گھروں سے نکل کے دارالوزارت کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہیں۔ ہم نے عام رہائی کا حکم دیا تھا لیکن تم نے رہائی کے حکم کو گرفتار اور قید میں بدل دیا۔ تم نے غلطی کی ہے تو اس سزا بھی پاؤ گے۔"

"مجھے معاف کیا جائے وزیر اعظم۔ میں بال بچے والا ہوں۔ آئندہ کبھی ایسا نہ ہو گا۔"

شہر کوتوال زمین پر گر کر سجدے میں پہنچ گیا۔

"سیدھا کھڑا ہو۔ خبردار جو سجدے میں گیا۔ سجدہ صرف خدا کا جائز ہے۔" پھر صلاح الدین نے موتمن الخلافت کو حکم دیا۔ "شہر کوتوال کو گرفتار کر کے اس قید خانہ میں رکھا جائے جہاں اس نے ان بے گناہوں کو قید کر رکھا ہے جن کے بیگمات دارالوزارت پر فریادی بن کے آئی ہیں۔"

موتمن الخلافت نے غلاموں کو اشارہ کیا اور شہر کوتوال وہیں گرفتار کر لیا گیا۔ شہر کوتوال کی گرفتاری سے عمائدین سلطنت کے کان اور آنکھیں بھی کھل گئیں انہیں معلوم ہو گیا کہ صلاح الدین اور ملک شاور میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صلاح الدین اپنے حکم پر فوری عمل چاہتا ہے لیکن اس حد تک جس کا ذکر حکم میں موجود ہے۔ تاویلوں اور اندازوں کا دور ختم ہو گیا اور اگر مصری حکومت کی ملازمت کرتا ہے تو آنکھیں اور کان کھول کر رکھو ورنہ شہر کوتوال جیسا انجام ہو گا۔

صلاح الدین نے شہر کوتوال کی گرفتار کا حکم انہیں کی نمائندوں کے سامنے دیا تھا۔ ان کی باچھیں کھل گئیں ان کے شوہروں کی رہائی کا نہ صرف حکم ہوا تھا بلکہ ظالم کو اس کے کئے کی فوری سزا بھی مل گئی یہ اور بات ہے کہ جب شہر کوتوال کی بیوی اور پانچ سالہ بچے نے دارالوزارت آ کے معافی نامہ پیش کیا تو صلاح الدین معصوم بچے کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ سکا۔ اس نے شہر کوتوال کو رہا کرنے کا حکم دے دیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اب وہ شہر قاہرہ میں نہ رہے گا اور دریائے نیل کے اس پار جیزہ جاایک نئی زندگی شروع کرے گا جیزہ کا شہر دراصل قاہرہ ہی کا ایک حصہ تھا۔ دریائے نیل کے مشرقی حصے کی آبادی کو قاہرہ اور مغربی حصے کو جیزہ کہا جاتا تھا جیزہ میں مصر کے کئی بڑے بڑے اہرام ہیں۔

نمائندہ خواتین نے واپس ہو کر اپنی ساتھیوں کو یہ تمام حال سنایا تو انہیں مشکل ہی سے اس پر یقین آیا۔ ان کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ صلاح الدین ان کے لئے ولی کا درجہ اختیار کر گیا۔ رہا ہونے والے متعلین اور افسر صلاح الدین کے ایسے مطیع ہوئے کہ آئندہ انہوں نے ہر موقعہ پر اس کا ساتھ دیا۔

Marfat.com

صلاح الدین کو قاسم الحسین سے پھر ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ اسے قاسم کا کوئی پتہ ٹھکانہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ اسے بلوا لے۔ قاسم الحسین کو اپنی بیوی مریم کی طرف سے واقعی بڑا دھوکہ ہوا تھا۔ مریم کے ماں باپ اور دو بھائی کٹر قسم کے نصرانی تھے۔ وہ اگرچہ اسکندریہ کے قدیم باشندے تھے لیکن ان کا رابطہ ایمالرک شاہ یروشلم سے تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ پورا گھرانہ شاہ یروشلم کا ملازم تھا اور اس کا ہر فرد شاہ کے لئے جاسوسی کرتا تھا۔ قاسم الحسین کو تو مریم سے واقعی محبت ہوگئی تھی لیکن مریم کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا مگر چونکہ اسکندریہ پر مصریوں کا قبضہ تھا اس لئے وہ ہر مسلمان سے خوش دلی سے ملتی تھی۔ اس کی اس خوش دلی کو قاسم الحسین محبت سمجھ بیٹھا اور اسے اپنانے کے جوڑ توڑ کرنے لگا۔

مریم عجیب مخمصے میں پھنس گئی تھی۔ ایک طرف اس پر گھر والوں کی طرف سے زور پڑ رہا تھا کہ وہ قاسم الحسین سے میل جول ختم کر دے دوسری طرف وہ قاسم الحسین سے اک دم تعلق ختم نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ قاسم الحسین کی ناراضگی اس کے اور اس کے گھر والوں کے لئے کسی وقت بھی مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔ اس طرح مریم دو کشتیوں میں سوار تھی پھر جب صلاح الدین اسکندریہ کا گورنر مقرر ہوا اور مریم کو معلوم ہوا کہ قاسم الحسین نے شاہی لشکر میں ملازمت کر لی ہے تو اس نے حالات کو دوسرا رخ دے دیا۔ اس نے منصوبے میں اپنے گھر والوں کو بھی شریک کر لیا پھر طے یہ پایا کہ قاسم الحسین کی دلداری کی جائے اور اگر قاسم الحسین شادی کی ضد کرے تو مریم اس سے شادی کر کے دمشق جانے کی کوشش کرے۔ حالات بالکل اسی رخ پر چلے مریم کے والدین نے اپنا رویہ بدل دیا اور مریم اور قاسم الحسین کی ملاقاتوں پر جو قدغن تھی وہ ختم ہو گئی۔ قاسم الحسین جب مریم کے گھر جاتا تو اس کی آؤ بھگت کی جاتی۔

بات آخر بڑھتے بڑھتے شادی تک پہنچی۔ مریم کے والدین نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ پھر قاسم کے کہنے پر مریم نے اپنا مذہب بھی تبدیل کر لیا۔ اس کا نام مسلمانوں میں بھی رائج تھا اس لئے نام کی تبدیلی کی ضرورت نہ پڑی اور مریم عیسائی سے مسلمان ہو گئی۔ پھر جب قاسم الحسین نے دمشق جانے کا ارادہ کیا تو مریم بھی تیار ہو گئی۔ اس نے یہ تمام ڈرامہ تو اسی وجہ سے کیا تھا۔ مریم کا رویہ اپنے شوہر کے ساتھ اس قدر محبت آمیز تھا کہ قاسم الحسین کو اس پر ذرا بھی شک نہ ہوا۔ وہ مریم کو اپنے ساتھ دمشق لے گیا اور دونوں میاں بیوی بظاہر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کچھ دن اس طرح گزرے تھے کہ قاسم الحسین کو اپنی بیوی پر شبہ ہوا۔ شبہ کی اصل

Marfat.com

وجہ یہ تھی کہ ایک دوسرے محلے کی عورت مریم کے پاس آنے لگی جو گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی رہتی اور دونوں پتہ نہیں کس موضوع پر گفتگو کرتی رہتیں۔ قاسم الحسین نے تحقیق حال کے لئے ایک دن اس عورت کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا گھر دمشق کے ایک دور دراز نصرانی محلے میں ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مریم ایک عیسائی عورت سے ملتی ہے قاسم نے جب اس بارے میں مریم سے پوچھا تو بڑی محبت سے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر بتایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ وہ عیسائی عورت ہے لیکن وہ بہت نیک ہے اور اتنی دور سے اس سے ملنے آتی ہے۔ اس نے عورت کی طرف اپنے جھکاؤ کا یہ سبب بتایا کہ وہ گھر میں اکیلی رہتی ہے۔ محلے کی عورتیں شاید اس سے پرہیز کرتی ہیں کیونکہ سب کو یہ معلوم ہے کہ مریم عیسائی مذہب سے مسلمان ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے اس عورت سے ملتی ہے۔

قاسم الحسین کا شک دور ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی لیکن کچھ دن بعد جب وہ عامر غربی کے گھر سے رات گئے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے گھر میں اس عورت کے علاوہ ایک عیسائی مرد بھی موجود ہے۔ قاسم الحسین اپنے دوست کے گھر مبارک باد دینے گیا تھا کیونکہ عامر غربی کے پہلا لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس رات قاسم الحسین کو عامر کے گھر ہی میں قیام کرنا تھا کیونکہ عامر نے ایک بڑے جشن کا اہتمام کیا تھا لیکن قاسم الحسین کا جی کچھ ایسا گھبرایا کہ وہ جشن چھوڑ کے گھر واپس آ گیا۔ مریم اس کی اچانک واپسی سے پریشان ہو گئی لیکن اس نے فوراً بات سنبھالی اور قاسم کو سمجھایا کہ عورت کے ساتھ جو مرد ہے وہ اس کا سگا بھائی ہے اور رات ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنی بہن کو لینے آیا ہے۔ قاسم کی آنکھوں میں مریم کی محبت کا پردہ پڑا تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا اور اس مرتبہ بھی بات آئی ہو گئی۔

مرد کتنا ہی سیدھا اور محبت کرنے والا ہو لیکن اگر اسے ایک بار شبہ ہو جائے تو پھر وہ مشکل ہی سے نکلتا ہے۔ مریم کے معاملہ میں تو یہ دوسری بار ہوا تھا۔ قاسم وقتی طور پر تو مطمئن ہو گیا لیکن دوسرے ہی دن اس کا دماغ پھر گھوم گیا۔ اس نے مریم سے تو کچھ نہ کہا لیکن اس کے کھوج میں لگ گیا۔ جب اس نے زیادہ جستجو کی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی عدم موجودگی میں بعض مشکوک قسم کے لوگ اس کے گھر آتے ہیں۔ انہیں دنوں دمشق میں دشمن ملکوں کے جاسوسوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں جو لوگ پکڑے گئے ان میں قاسم الحسین کو وہ شخص بھی نظر آیا جسے مریم اپنی عیسائی سہیلی کا بھائی بتاتی تھی۔ اس حادثہ سے قاسم الحسین بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ اس نے مریم کو سختی سے منع کیا کہ وہ اس عورت کو گھر میں قطعی نہ آنے دے۔ اس سے میاں بیوی میں پہلی مرتبہ اختلاف پیدا ہوا

Marfat.com

جو اتنا بڑھا کہ ایک دن قاسم الحسین کی عدم موجودگی میں مریم گھر سے غائب ہو گئی۔

اس سانحہ نے قاسم الحسین کو نیم پاگل کر دیا۔ اس نے اپنے تمام حالات سے عامر غربی کو آگاہ کیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ پہلے دمشق میں تلاش کرو اگر وہ یہاں نہ ملے تو سیدھے قاہرہ جاؤ اور اپنے آقا امیر صلاح الدین کی مدد سے مریم کو اگر وہ بے وفا اور جاسوس ہے تو کیفر کردار کو پہنچاؤ۔ قاسم الحسین نے دمشق کا چپہ چپہ چھان مارا مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اس نے بھیس بدلا اور فقیر بن کر عیسائی محلوں میں گیا لیکن لاحاصل۔ اسے نہ مریم کہیں نظر پڑی اور نہ وہ مرد اور عورت دکھائی دیئے جو مریم کے پاس آتے تھے۔ عامر غربی اگرچہ اپنے بال بچوں میں الجھا ہوا تھا پھر بھی اس نے قاسم الحسین کا بڑا ساتھ دیا اور جگہ جگہ اس کے ساتھ مارا مارا پھرا مگر کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

دمشق میں ناکام ہونے کے بعد اس نے قاہرہ کا رخ کیا۔ جس وقت ملک شاور قتل ہوا' قاسم الحسین قاہرہ میں ہی تھا۔ اس نے صلاح الدین کو کئی بار دیکھا تھا لیکن صلاح الدین سے گفتگو کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ آخر اس نے طے کیا کہ پہلے وہ اپنے طور پر مصر میں مریم کو تلاش کرے اور اگر یہاں بھی ناکامی ہو تو صلاح الدین سے اپنی داستان الم سنا کر مدد مانگے۔ صلاح الدین کو قاہرہ میں دیکھ کر اسے یہ ڈھارس ضرور ہو گئی تھی کہ خدانخواستہ وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوا تو صلاح الدین اسے ضرور بچائے گا۔

یہ حوصلہ ہوتے ہی وہ قاہرہ سے اسکندریہ پہنچا۔ وہاں بھی اس نے ایک ملنگ (فقیر) کا چولا پہنا اور نصرانی محلے میں داخل ہو گیا۔ یہ محلے' سڑکیں اور گلیاں اس کی دیکھی ہوئی تھیں۔ گھومتا پھرتا وہ ایک مریم کے گھر پہنچا اور تمام دن چھپا ہوا گھر میں آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ اس نے مریم کی ماں کو دیکھا۔ باپ بھی نظر آیا۔ دونوں بھائی بھی آتے جاتے دکھائی دیئے لیکن مریم کسی وقت نہیں نظر آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مریم اسکندریہ میں نہیں تھی یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ احتیاطاً" اسکندریہ نہ آئی مگر قاسم الحسین کو کسی طرح اطمینان نہ ہو رہا تھا۔

اس دوران قاسم الحسین نے امیر صلاح الدین سے کئی بار ملنے کی کوشش کی۔ صلاح الدین اس وقت مصر کا وزیراعظم ہو گیا تھا اور اس کی ذمہ داریاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ اسے مرنے کی بھی فرصت نہ تھی۔ صلاح الدین سے ملنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ ہر شخص اس سے بے دھڑک مل سکتا تھا لیکن قاسم الحسین جب بھی دارالوزارت پہنچا اس نے صلاح الدین کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ ایسی صورت وہ کس طرح اپنی بقیہ داستان سنا سکتا تھا۔ یہ باتیں تو بڑے اطمینان کی تھیں اور اطمینان نہ قاسم الحسین کو تھا اور نہ صلاح

Marfat.com

الدین کو۔ چنانچہ قاسم الحسین نے فی الحال وزیراعظم سے ملاقات کا خیال ملتوی کردیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے وہ اپنے طور پر کوشش کرے گا اور اگر اسے بالکل کامیابی نہ ہوسکی تو وہ پھر صلاح الدین سے ملنے کی کوشش کرے گا۔

صلاح الدین کے وزیراعظم ہونے سے قاسم الحسین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اگر صلاح الدین وزیراعظم نہ ہوتا تو قاسم الحسین کہیں عیسائی محلوں کا رخ بھی نہ کرتا کیونکہ عیسائیوں میں آپس میں بڑا اتحاد تھا۔ وہ اگر قاسم الحسین کو پکڑ کر قتل بھی کردیتے تو بھی کوئی پتہ نہ لگتا۔ مگر اب قاسم الحسین اکثر مریم کے محلّہ اور آس پاس کے دوسرے محلوں میں چکر لگاتا۔ اس سے اب تک کسی نے پوچھ گچھ نہ کی تھی۔ ایک تو اس کا فقیرانہ حلیہ اس قدر گندہ تھا لوگوں کو اس کی طرف نظر اٹھانے سے بھی گھن آتی تھی۔ دوسرے قاسم الحسین کی بڑھی ہوئی احتیاط نے بھی اسے اب تک لوگوں کی نظروں سے بچائے رکھا تھا۔

کچھ دن بعد اسے اپنی اس حالت سے خود نفرت ہوگئی۔ اس نے فقیروں کا لباس پھاڑ ڈالا اور شریفانہ کپڑے پہنے۔ پہلے وہ دارالوزارت گیا۔ وزیراعظم صلاح الدین ابھی برآمد نہیں ہوا تھا۔ سائل مرد اور خواتین راہداری میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ صلاح الدین صبح کو سب سے پہلے لوگوں کے مسائل سنتا۔ اس کا سیکرٹری ساتھ ہوتا اور ہر سائل کے بارے میں احکامات لکھتا جاتا۔ یہ اس نے اپنا طریقہ بنا لیا تھا۔ سائلوں کی تعداد آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی کیونکہ صلاح الدین اپنے حکام کا بڑی سختی سے محاسبہ کرتا تھا اس لئے وہ عوام کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ صلاح الدین کی اس روز کی کچہری نے جہاں لوگوں کو سستا اور جلد انصاف مہیا کیا تھا وہاں سلطنت کے کارندوں کا ذہن بھی تبدیل ہونا شروع ہوگیا تھا۔

قاسم الحسین صلاح الدین کی طرف ہوتا ہوا نصرانیوں کے محلے میں پہنچ گیا۔ آج وہ بہت زیادہ نڈر نظر آرہا تھا۔ اس نے احتیاط اور مصلحت کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا اور مریم کے مکان پر پہنچ کے دستک دی۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور مریم کا والد باہر نکلا۔ قاسم الحسین کو سامنے دیکھ کر مریم کا باپ بھونچکا رہ گیا لیکن فوراً ہی سنبھلا اور مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"خوش آمدید قاسم الحسین۔ دمشق سے کب آئے۔ مریم ساتھ کیوں نہیں آئی۔" مریم کے باپ نے اک دم کئی سوال کر دیئے۔ اور بعض کا جواب بھی خود ہی دیا۔

قاسم الحسین عجب الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ یا تو مریم واقعی یہاں نہیں پہنچی

Marfat.com

یا پھر یہ بوڑھا کمال اداکاری کر رہا ہے۔ "تمہیں نہیں معلوم کہ مریم کہاں ہے؟ قاسم نے اس سے الٹا سوال کیا۔

مریم کا باپ بظاہر گھبرا رہا تھا لیکن بات بہت سنبھل کے کر رہا تھا۔ "ہاں ہاں ۔ مجھے معلوم ہے۔ میں نے مریم کو تمہارے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اس وقت وہ کہاں ہے۔ اس کا جواب تم مجھے دو گے۔"

مریم کے باپ کے اطمینان نے قاسم الحسین کو گڑ بڑا دیا۔ اس کا غصہ اور جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ "کیا تم بالکل نہیں جانتے کہ اس وقت مریم کہاں ہے؟۔"

"مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے قاسم الحسین ۔" مریم کا باپ اب بالکل پر سکون ہو گیا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ مریم کو اس وقت اسکندریہ میں ہونا چاہئے اور تمہارے ساتھ میرے پاس آنا چاہئے تھا۔"

"اگر میں کہوں کہ مریم نہ دمشق میں ہے اور نہ میرے ساتھ آئی ہے" قاسم الحسین نے جواب دیا۔ "وہ تمہاری بیٹی ہے اور اس وقت اسے تمہارے پاس ہونا چاہئے؟"

قاسم الحسین بھی گھبرا گیا۔ اس نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "تمہاری بیٹی مریم تمہارے پاس ہے۔ میں اسے لینے آیا ہوں۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔" مریم کے باپ نے غصے سے مگر ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "مریم بے شک میری بیٹی ہے لیکن اب وہ تمہاری بیوی ہے اور میں باپ ہونے کی حیثیت سے اس کے بارے میں تم سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"باپ ہو تو پھر سنو۔" قاسم الحسین نے ایک جھرجھری لی۔

مریم کے باپ نے اسے ٹوکا۔ "قاسم اندر چل کے بات کرو۔ یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔" اور وہ قاسم کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیٹھک میں زبردستی کھینچ لے گیا۔

دونوں بیٹھ گئے تو عامر کے باپ نے کہا۔ غصہ نہ کرو قاسم۔ کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ میں آخر مریم کا باپ ہوں؟"

"بات --- بات یہ ہے کہ مریم کو دمشق سے اغوا کیا گیا ہے یا پھر وہ خود بھاگ گئی ہے ؟ مریم کا باپ یہ بات سن کے کھڑا ہو گیا۔ "کیا بک رہے ہو۔ مریم بھاگ نہیں سکتی اور نہ اسے کوئی اغوا کر سکتا ہے۔"

"مگر ایسا ہوا ہے ۔" قاسم الحسین بھی کھڑا ہو گیا۔ "میں اسے تلاش کرتا یہاں پہنچا ہوں۔ وہ میری بیوی ہے۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

قاسم الحسین پاگلوں کی طرح بولنے لگا۔ مریم کا باپ سر پکڑ کے بیٹھ گیا جیسے اسے خبر

Marfat.com

سے سخت صدمہ پہنچا ہو۔ پھر اس نے پر مردہ آواز میں کہا۔ "قاسم ہوش میں آؤ۔ اگر مریم کہیں روپوش ہوئی ہے یا اس پر کوئی حادثہ گزرا ہے تو ہم دونوں کو مل کے اسے تلاش کرنا چاہئے۔

"کہاں تلاش کروں میں؟۔" قاسم الحسین پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ "دمشق کی گلی گلی، محلہ محلہ چھان مارا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تمہارے پاس گئی ہے اور اب تم صاف انکار کر رہے ہو۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"قاسم ـــ قاسم" مریم کے باپ نے بڑے عاجزانہ اور مشفقانہ انداز میں کہا۔ "عقل کی بات کرو۔ سوچو تو تم کیا کہہ رہے ہو۔ اگر وہ میرے پاس آئی ہوتی میں اسے چھپاتا کیوں۔ میں نے تو خود تم سے اس کی شادی کی ہے۔ اب اگر تم میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر مریم ایسی ہے نہیں۔ آخر بات کیا ہوئی تھی؟ مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی ـــ" قاسم الحسین نے بے پروائی سے جواب دیا۔ اس کے حرکات و سکنات مشکوک ہو گئے تھے۔ میں نے اسے منع کیا اور وہ ایک دن بغیر کچھ بتائے کسی طرف چلی گئی۔"

"کس طرف چلی گئی۔ کہاں چلی گئی؟" مریم کے باپ کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"اسی سوال کا جواب لینے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ "قاسم الحسین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں ـــ میں ۔ یہاں آئی ہوتی تو کدھر جاتی۔" اس نے بوکھلاہٹ کا اظہار کیا۔

"تمہیں کسی پر شبہ تو ہوگا؟"

"شبہ ہے بلکہ یقین ہے۔" قاسم الحسین نے بے پروائی سے کہا۔

"کس پر شبہ؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ پر شبہ ہے۔" قاسم الحسین نے بے دھڑک کہہ دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ یہیں آئی ہے اور تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔"

"قاسم الحسین ۔ تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے واپس بلانا ہوتا تو اس کا ہاتھ تمہیں کیوں پکڑاتا۔ ہمارے لئے اب وہ یوں بھی بیکار ہو گئی ہے۔ اس نے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر تمہارا مذہب اختیار کرلیا ہے۔"

"مذہب تو نہ اس نے چھوڑا تھا اور نہ اختیار کیا تھا۔" قاسم الحسین کے لہجے میں کرختگی آگئی۔ اب تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ مجھ سے ایک سودا کرلو۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ

Marfat.com

اگر تم نے مجھ سے فریب کرنے کی کوشش کی تو میں ایک ایک کو چن چن کے ختم کردوں گا۔"

"دیکھ قاسم الحسین --" مریم کا باپ بھی اکڑ گیا۔ "مجھے دھونس مت دو۔ تم میرے گھر آئے ہو۔ میرے مہمان ہو۔ میرے داماد بھی ہو۔ عزت سے بیٹھو اور شرافت سے گفتگو کرو۔"

"میں عزت اور شرافت سے بیٹھنے نہیں آیا۔" قاسم الحسین نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھا۔ مجھے مریم چاہئے۔ زندہ یا مردہ۔ ورنہ میں اس کے بدلے کسی اور کا سر اتارلوں گا۔"

مریم کے باپ نے قاسم کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھے تو سہم گیا۔ "قاسم -- میرے بیٹے۔ بھلا میں مریم کو کیوں چھپانے لگا۔ یقین کرو اگر وہ میرے پاس آتی تو میں اسے لیکر سیدھا تمہارے پاس دمشق آتا۔ میاں بیوی میں جھگڑے ہوا ہی کرتے ہیں۔ لڑکی کے ماں باپ تو ہمیشہ داماد کی طرفداری کرتے ہیں۔"

"پھر وہ کہاں گئی؟" قاسم الحسین دہاڑا۔

"میں کیا بتا سکتا ہوں قاسم۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں تمہارے ساتھ اسے ڈھنڈواؤں گا۔ جہاں کہو گے وہاں جاؤں گا۔ میری بات کا یقین کرو تم۔ مریم ایسی نہیں تھی۔ اس نے یہ غلطی کیسے کی۔ گھر سے قدم کیسے نکالا اس نے؟

"کیا میں تم پر اعتبار کرلوں؟" قاسم الحسین نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں نہیں۔ جب میں تم پر اعتبار کرتا ہوں تو تم بھی مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں مریم کو ڈھونڈوں گا اور ضرور اس کی کھوج نکال لوں گا۔ پھر چوٹی پکڑ کے تمہارے پاس لاؤں گا۔ ارے ہاں تم ٹھہرے ہوئے کہاں ہو؟"

"دارالوزارت! مریم کے باپ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "کیا تم وزیراعظم ---"

"ہاں ہاں۔ امیر زادہ صلاح الدین وزیراعظم مصر میرے آقا ہیں۔ میں ان کے محافظ دستے کا سوار ہوں۔" قاسم الحسین نے بڑے فخر سے کہا۔

مریم کا باپ پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ وزیراعظم صلاح الدین کا نام سن کر اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ "بے شک۔ بے شک۔ تم اس کے اہل ہو کہ وزیراعظم کے محافظ دستے میں شامل ہو۔ میں تمہیں اس عظیم عہدے کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔" پھر اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ "تم ذرا ٹھہرو میں ابھی آیا۔"

وہ گھر کے اندر گیا۔ وہاں اس کی بیوی اور دونوں لڑکے گھبرائے بیٹھے تھے۔ بیوی نے

Marfat.com

اس سے سرگوشیوں میں پوچھا۔ "یہ کمبخت کہاں سے آیا۔؟"

وہ جواب دینے کے لئے منہ کھول رہا تھا کہ بیٹے نے دوسرا سوال کردیا۔ "چلا گیا کہ بیٹھا ہے؟"

دوسرا بیٹا بھی خاموش نہ رہ سکا۔ "یہ بچ کے چلا گیا تو بڑی آفت کرے گا۔ کیوں نہ ہم اسے یہیں ختم کردیں۔؟"

"خبردار ایسا سوچنا بھی نہ۔" باپ نے انہیں جھڑکا۔ "آج کل وہ وزیراعظم کے باڈی گرڈوں میں لگا ہوا ہے۔ ہمیں اس سے بنا کے رکھنی ہے۔" پھر اس نے بیوی سے کہا۔ "تم خشک میوے لے کے آؤ۔ ان دونوں کو بھی ساتھ لیتے آنا۔ میں سب کو ملاؤں گا۔"

"مریم کے بارے میں پوچھ رہا ہوگا؟ بڑی بی نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں پوچھا تھا۔ میں نے صاف انکار کردیا ہے۔ تم لوگ بھی انجان بن جانا۔" یہ کہہ کر مریم کا باپ باہر کی طرف چلا گیا۔

مریم کے باپ کے پیچھے ہی پیچھے بڑی بی اور دونوں لڑکے خشک میوہ لے کر مہمان خانے میں پہنچ گئے۔ دونوں لڑکوں نے بہنوئی کو ادب سے سلام کیا۔ بڑی بی نے قاسم الحسین کے سر پر ہاتھ پھیرا اور میوے کی تھالی سامنے رکھ دی۔

"بڑی المناک اور شرمناک خبر سنائی ہے لڑکوں کے باپ نے۔" بڑی بی نے تھرتھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ آواز کے ساتھ ان کا جسم بھی کانپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ "میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ ایسی نکلے گی تو پیدا ہوتے ہی گلا دبادیتی۔"

"ابھی کیا پتہ کیا ہوا ہے۔" قاسم نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے بیوی کی طرفداری کی۔ وہ ملے تو اصل بات معلوم ہو۔ یہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔ ان کی بھی تو وہ بہن ہے۔"

قاسم جس وقت ان کے گھر پہنچا تو اس کے دل میں مریم اور اس کے عزیزوں کے لئے بہت غبار تھا اور وہ غصے سے کھول رہا تھا مگر اب مریم کے والدین نے جو اس کی دلجوئی کی تو وہ پگھل گیا۔ اس نے اپنی گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔ وہ تھوڑی دیر اور بیٹھا اور پھر آنے کا وعدہ کر کے واپس چلا آیا۔ اب اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور مریم کے لئے اس کے دل میں جو نفرت پیدا ہو گئی تی اس میں بھی کچھ کمی آگئی تھی۔

رات کو جب وہ سونے لگا تو اس پر تذبذب کا عالم طاری ہوگیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ مریم واقعی اس کے گھر سے بھاگ گئی ہے یا اسے کسی نے زبردستی اغوا کیا ہے۔ اس کے

Marfat.com

ساتھ ہی اسے اپنی سسرال والوں سے خواہ مخواہ ہمدردی پیدا ہوگئی۔ صبح ہوتے ہی اس نے پھر سسرال کا رخ کیا۔ ابھی بہت سویرا تھا اور پھر ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ قاسم الحسین مریم کی گلی میں داخل ہوا تو اسے گلی کی دوسری موڑ مڑتے ہی ایک شخص دکھائی دیا۔ قاسم الحسین ٹھٹک کر کھڑا ہوگیا اور ذہن پر زور ڈالنے لگا۔ موڑ مڑنے والا اسے شناسا محسوس ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے اس شخص کو کہاں دیکھا ہے ۔ ذرا غور کے بعد اسے یاد آگیا۔ یہ وہی شخص تھا جو دمشق میں اس کے گھر آیا تھا۔ اس کو دیکھ کے قاسم الحسین کے دل میں مریم کی طرف سے شبہ پیدا ہوا تھا مگر اب یہاں کیسے آیا۔ کیا مریم اس کے ساتھ بھاگی تھی اس وقت وہ بالکل اکیلا تھا ہوسکتا ہے کہ اس نے مریم کو کسی اور جگہ چھپا دیا ہو۔

قاسم الحسین گلی کے موڑ کی طرف تیزی سے بڑھا۔ جب وہ موڑ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ آگے جانے والا دوسری موڑ مڑ رہا تھا۔ قاسم الحسین تقریباً" بھاگنے لگا لیکن وہ اس تک نہ پہنچ سکا۔ اگلی گلی میں دائیں بائیں کئی موڑ تھے۔ پتہ نہیں وہ کس گلی میں گیا تھا۔ قاسم الحسین نے دو ایک گلیوں میں اسے تلاش کیا جب وہ نہ ملا تو واپس آگیا۔

مریم کا باپ اور اس کے دونوں بیٹے دروازے پر کھڑے تھے۔ شاید انہوں نے قاسم کو گلی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ انہیں دیکھ کے قاسم کو غصہ چڑھ گیا۔

قاسم الحسین نے قریب پہنچ کے سختی سے پوچھا "اس آدمی کا کیا نام ہے؟"

مریم کے باپ پر ذرا گھبراہٹ ہوئی مگر وہ فوراً" سنبھل گیا۔ "کون آدمی قاسم۔ کس کا نام پوچھ رہے ہو؟"

"وہی جو ابھی اس گلی سے گیا ہے۔" قاسم کا لہجہ تلخ و ترش تھا۔

"کون گیا ہے اس گلی سے قاسم یہ تو سڑک ہے دن بھر میں سینکڑوں آدمی ادھر سے جاتے ہیں میں تمہیں کس کا نام بتاؤں؟ ۔ " مریم کے باپ نے بے بسی ظاہر کی۔

"قاسم الحسین سوچ میں پڑ گیا۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ یہ تو راستہ ہے۔ دن بھر نہ معلوم کتنے آدمی گزرتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس کے دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو۔ آخر قاسم الحسین نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ "ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔ اس کی صورت اس آدمی سے ملتی جلتی تھی۔"

"کس کی صورت کس سے ملتی تھی۔" مریم کا باپ بظاہر الجھتے ہوئے بولا۔۔" کیا پہیلیاں بجھا رہے ہو قاسم الحسین ۔"

پھر اس نے قاسم کا ہاتھ اس طرح پکڑا جیسے مکتب کا ملا پکڑتا ہے اور اسے لئے ہوئے

Marfat.com

اندر چلا گیا۔ مریم کا بھائی دوڑ کے شربت کا گلاس لے آیا۔ باپ نے اسے تسلی دی۔ "مریم کے غم میں تم پر بہت اثر کیا ہے۔ قسم تو نہیں کھا سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مریم کو تم سے بہت محبت تھی۔ اب پتہ نہیں اسے کیا ہوا؟"

قاسم الحسین کی طبیعت میں بڑا تلون تھا۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ۔ مریم کے باپ کی بات اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ مریم نے خود بے وفائی کی ہو لیکن جب تک وہ اس کے ساتھ رہی اس نے کبھی قاسم کو جواب نہیں دیا۔ قاسم اسے اکثر ڈانٹا پھٹکارتا تھا لیکن وہ پلٹ کے کچھ نہیں کہتی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ قاسم کے غصے پر ہنس دیا کرتی تھی۔ قاسم ایک گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا سب ہی اس سے باتیں کرتے رہے لیکن وہ گونگا بنا بیٹھا رہا۔ دراصل وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ مریم کے ساتھ گزارے ہوئے دن اور رات ایک ایک کر کے اس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہے تھے اور وہ ان میں کھویا ہوا تھا۔

قاسم الحسین جس طرح گیا تھا اسی طرح واپس آگیا۔ دوسرے دن وہ دارالوزارت پہنچ گیا۔ یہاں کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ پندرہ دن پہلے جب وہ آیا تھا تو دارالوزارت کے بڑے ہال میں سینکڑوں آدمی صلاح الدین کے انتظار میں تھے لیکن اب بالکل سناٹا پڑا تھا۔ قاضی القضاہ اور چند درباری امیروں کے علاوہ تھوڑے سے فریادی تھے۔ قاسم الحسین ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ جب صلاح الدین سب سے فارغ ہوا تو قاسم الحسین سامنے گیا اور تسلیم پیش کیا۔

"قاسم الحسین تم کہاں چلے گئے تھے۔؟" صلاح نے سوال کیا۔

" آقا۔ میں اپنی تقدیر کو منا رہا تھا۔" قاسم الحسین نے اپنے خیال میں بڑا فلسفیانہ جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کوشش کرتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تقدیر تمہارے ساتھ ہو جائے گی۔" صلاح الدین نے بھی اسے ایک کام کی بات کہہ دی۔

"آقا ۔۔ میں دمشق واپس جانا چاہتا ہوں۔" قاسم الحسین کے منہ سے اک دم نکل گیا۔

"جا سکتے ہو مگر آئے کیوں تھے؟" صلاح الدین نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

قاسم الحسین نے صلاح الدین کی سخت نظر دیکھی تو ڈر گیا۔ "آقا میں مریم کو ڈھونڈنے آیا تھا مگر وہ شاید مصر میں نہیں ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ تمہاری بیوی جاسوس ہے اور وہ کہیں چلی گئی ہے ۔۔؟" صلاح

Marfat.com

الدین نے پوچھا

"جی آقا۔۔۔ میں نے یہی کہا تھا لیکن یہاں معلومات کرنے سے پتہ چلا کہ نہ وہ یہاں آئی ہے اور نہ ہی وہ جاسوس ہے۔؟ قاسم الحسین کے دل میں مریم کی محبت پھر کروٹیں لینے لگی تھی۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ کیا مریم مل گئی نہیں؟" صلاح الدین نے دریافت کیا۔

"آقا۔۔۔ میں نے عرض کیا نہ کہ وہ مصر میں نہیں ہے۔ صلاح الدین کو اس کی بات کا یقین نہ آتا تھا۔

"پورا قاہرہ اور پورا اسکندریہ چھان مارا مگر وہ نہیں ہے۔" قاسم الحسین نے پژمردہ آواز میں جواب دیا۔ "میں مریم کے گھر والوں سے ملا تھا۔ یعنی اس کی ماں' باپ اور بھائیوں سے مگر انہیں بھی اس کی کوئی خبر نہیں۔ انہیں یہ اطلاع مجھ ہی سے ملی۔ ان کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہے۔ پتہ نہیں کس نے اغوا کیا اسے یا وہ خود کہاں چھپی بیٹھی ہے۔؟"

"دمشق کیوں واپس جانا چاہتے ہو؟" صلاح الدین نے اچانک سوال کیا۔

"اس لئے کہ شاید وہ دمشق واپس چلی گئی ہو۔" قاسم الحسین نے بس یونہی کہہ دیا۔

"دمشق تم پہلے دیکھ چکے ہو۔ مصر کو اب کھنگالا ہے۔ تمہاری بیوی ان دو مقامات کے علاوہ کہیں دور بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"نہیں آقا۔ ان کے علاوہ اس کا اور کہاں ٹھکانہ ہو سکتا ہے؟" قاسم الحسین نے منہ بنا کے بے دلی سے کہا۔

صلاح الدین نے جواب دیا۔ "وہ یروشلم میں بھی تو ہو سکتی ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ جاسوسی وہ صرف ہمارے دشمنوں کے لئے ہی کر سکتی ہے۔"

قاسم الحسین کی آنکھوں میں جیسا پردہ اٹھ گیا ہو۔ خوش ہو کے بولا ۔۔ "آقا نے بالکل ٹھیک کہا۔ وہ یقیناً" یروشلم میں ہے۔ میں اس کا پیچھا کروں گا۔"

"کیسے پیچھا کرو گے؟" صلاح الدین نے سوال کیا۔

"میں یروشلم جاؤں گا۔" قاسم الحسین نے بڑے جوش سے کہا۔ "کاش تم اور دوسرے مسلمان یروشلم جا سکیں۔" صلاح الدین نے ٹھنڈی سانس لی ۔ "مگر قاسم الحسین تمہارا بھی وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ نصرانی شکست کھا کر واپس گئے ہیں۔ شاہ یروشلم خاموش بیٹھنے والا انسان نہیں۔ نصرانیوں کو مصر سے جو خراج ملتا تھا وہ بند ہو گیا ہے یہ مصر ہے ان کا صرف قبضہ نہیں بلکہ اثر میں ختم ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا کیا منصوبے بنا رہا ہو گا۔"

Marfat.com

"میں مریم کے باپ کے ساتھ یروشلم جاؤں گا۔" قاسم الحسین نے یوں کہاں جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں۔

"کیا تمہیں مریم کے باپ پر اعتماد ہے؟" صلاح الدین نے پوچھا

"پہلے نہیں تھا آقا مگر اب ہو گیا ہے۔" قاسم الحسین نے جواب دیا۔

"یہ پہلے اور اب کیا ہے۔ نصرانی ہر حال میں نصرانی ہے۔" صلاح الدین نے اسے سمجھایا۔ "مریم اس کی بیٹی ہے۔ وہ پہلے بیٹی کا مفاد دیکھے گا۔"

آقا --- اس کے گھر والوں کو معلوم نہیں کہ مریم کہاں ہے۔ جب میں بتاؤں گا کہ مریم یروشلم میں ہے اور میں اسے لینے جارہا ہوں تو وہ بھی میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ ہم دونوں کا مقصد ایک ہی ہے نا آقا؟" قاسم الحسین نے بھولے پن سے کہا۔

"جس آدمی پر اعتماد ہی نہ ہو اس کے مفاد کا تمہیں کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔" صلاح الدین نے کہا۔ " ایسی غلطی کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ وہاں سے کبھی واپس نہ آسکو گے۔ خدا سے دعا کر کہ وہ وقت آئے اور مسلمان سر بلند کر کے بیت المقدس (یروشلم) میں داخل ہوں۔"

قاسم الحسین سر کھجا کے رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں صلاح الدین کی باتیں نہ آئیں لیکن اس کے دماغ سے فی الحال یروشلم جانے کا خیال نکل گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ صلاح الدین کی مصری وزارت کی خبر نے یروشلم کی نصرانی حکومت میں ہلچل مچا دی تھی۔ اس کے شمال میں دمشق کی اسلامی ریاست تھی جس کا حاکم سلطان نور الدین زنگی تھا اور اب جنوب کے وسیع ملک مصر میں اسی سلطان کا ایک امیر وزیر اعظم تھا۔ مصر میں خلافت برائے نام تھی اور کرتا دھرتا وزیر اعظم ہوا کرتا تھا۔ اس طرح یروشلم دونوں طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں آگیا تھا۔ اس کا خوف بجا تھا۔ سلطان نور الدین زنگی کی طاقت تو مانی ہوئی تھی ہی صلاح الدین نے بھی وزارت سنبھالتے ہی ہاتھ پھیرنا شروع کر دیئے تھے۔

مصر میں شیعوں کی فاطمی حکومت تھی مگر اس کا وزیر اعظم صلاح الدین تھا جو شام کی سنی سلطنت کے سلطان نور الدین کا ایک امیر تھا۔ صلاح الدین کا رجحان شافعی مذہب کی طرف تھا۔ اسے مصر کے امراء کی طاقت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا اس لئے اس نے آہستہ آہستہ شافعوں کے مکاتب اور مدارس قائم کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے سب سے پہلے مصر کے دارا لمعونہ جو کوتوال مصر کے رہنے کا محل اور قید خانہ تھا۔ اسے منہدم کرا کے وہاں مالیکہ کا مدرسہ تعمیر کرادیا۔ صلاح الدین نے تمام شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے شافعی قاضی

Marfat.com

مقرر کئے اور اپنے حکم کے تحت مصر کے تمام صوبوں میں اپنا ایک ایک نائب مقرر کیا۔

ظاہر ہے کہ اس سے مصریوں میں بے چینی پیدا ہوئی صلاح الدین کو اس بے چینی کا احساس تھا۔ وہ ان معزولیوں اور تبدیلیوں کے درمیان یہ بھی کرتا گیا کہ کسی چھوٹے مصری افسر کو کس بڑے عہدے پر ترقی دیکر اس کی ہمدردیاں حاصل کرلیں۔ اگر دس اس کے خلاف ہوتے تو ترقی پانے والے دو اس کے گیت بھی گاتے تھے۔ پھر بھی پرانے مصری حکام کی ایک بڑی تعداد صلاح الدین کے خلاف تھی۔ وہ یہ تبدیلیاں دیکھتے ہیں لیکن کچھ نہ کرسکتے ہیں وہاں ان کے دلوں میں نفرت کا لاوا کھول رہا تھا اور وہ وقت کے منتظر تھے۔

مصر میں ایک سازش زیر زمین کارروائیوں میں مصروف تھی تو دوسری طرف مصر کے اس انقلاب سے سب سے زیادہ نقصان پہنچنے والی سلطنت یروشلم میں مصر کے خلاف کھلم کھلا تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یہ ان کی موت و زندگی کا معاملہ تھا اس لئے وہ اپنے ہم مذہبوں یعنی یورپ کے نصرانیوں کو آوازیں دے رہے تھے۔ اس پہلے مسلمانوں اور نصرانیوں میں دو صلیبی جنگیں ہو چکی تھیں۔ نصرانی شہنشاہ قسطنطنیہ تو اپنے پورے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر پہنچ گیا تھا لیکن وہ دمشق کے موجودہ سلطان نور الدین کے والد محترم امیر عماد الدین زنگی کا زمانہ تھا۔ عماد الدین نے شہنشاہ قسطنطنیہ کے خلاف ایک ایسی چال چلی تھی اسے میدان جنگ میں اسلحہ تک چھوڑ کے بھاگنا پڑا تھا۔

اب شاہ یروشلم نے پھر یورپ کو اپنی مدد پر پکارا تھا۔ شاہ ایمالرک کے قاصد شاہ کے خطوط لے کر کئی یورپی ممالک میں پہنچ چکے تھے ان خطوط میں شاہ یروشلم ایمالرک نے نصرانی بادشاہوں کو خبردار کیا تھا کہ اگر مصر کی ابھرتی ہوئی طاقت کو اس وقت نہ کچلا گیا تو اس فتنہ کی لپیٹ میں یروشلم بھی آجائے گا۔ یروشلم میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی اس لئے عیسائیوں کے لئے یہ سب سے زیادہ مقدس مقام تھا۔ اسی یروشلم (بیت المقدس) میں یہودیوں (اسرائیلیوں) کے پیغمبر حضرت سلیمان کا ہیکل سلیمانی تھا اس لئے یہ یہودیوں کو بھی اتنا ہی عزیز تھا۔ دوسری طرف چونکہ مسلمان تمام نبیوں کو برحق تسلیم کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قبلہ اول ہونے کے علاوہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو ان کی پہلی منزل یعنی مسجد اقصیٰ اسی یروشلم میں ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ سرزمین مکہ اور مدینہ کے بعد سب سے زیادہ عزیز اور متبرک ہے۔

شاہ یروشلم کے خطوط پر کسی اور نے تو توجہ نہ دی لیکن ہسپانیہ اور سنعلیہ (اٹلی) نے اس مذہبی جنگ کے لئے اپنے فوجی دستے یروشلم روانہ کردیئے۔ شاہ یروشلم ایمالرک کو اس سے بڑی تقویت ملی اور اس نے اس کمک کے زور پر دوبارہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

Marfat.com

صلاح الدین کے جاسوس یروشلم میں متحرک تھے۔ انہوں نے اٹلی اور ہسپانیہ کے فوجی دستوں کی یروشلم میں آنے کی اطلاع صلاح الدین کو بھی دی اور دمشق میں سلطان نور الدین کو بھی مطلع کر دیا۔ صلاح الدین اور نور الدین دونوں ہی ہوشیار ہو گئے لیکن یروشلم سے اب تک یہ خبر نہ ملی تھی کہ شاہ ایمارک شمال یا جنوب کس طرف کا رخ کرے گا۔

انہی دنوں ایک رات صلاح الدین کچھ پریشان تھا اس کی چھٹی حس کسی آنے والے خطرے کی خبر دے رہی تھی۔ کچھ امرائے نوریہ اس کے پاس بیٹھے تھے اور ایمارک شاہ یروشلم کا ذکر چھڑا ہوا تھا کہ اسی دوران غلام اندر آیا اور ہاتھ باندھ کھڑا ہو گیا۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو تم!" صلاح الدین نے اس سے نرمی سے پوچھا۔

"آقائے محترم۔ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" غلام نے عرض کیا۔

"خاتون!" صلاح الدین نے ذہن پر زور دیا۔ "کون ہیں وہ ہم نے کسی کو ملاقات کا وقت نہیں دیا۔"

غلام نے ادب سے کہا۔ "وہ کسی دوسرے شہر سے آئی ہیں اور کوئی فوجی راز بیان کرنا چاہتی ہیں۔"

فوجی راز پر سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ صلاح الدین نے اسے آنے کی اجازت دے دی۔ غلام واپس گیا اور چند لمحوں بعد اسے اپنے ساتھ لے کر آ گیا۔ وہ بیس بائیس سال کی خوبصورت لڑکی تھی۔ چہرے پر پریشانی تھی اور گھبرا گھبرا کے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"تم کون ہو لڑکی اور کیا کہنا چاہتی ہو؟" صلاح الدین نے اس سے براہ راست سوال کیا۔

"عالی مام وزیر اعظم۔۔۔" لڑکی نے بڑے ادب سے کہا۔ "اگر آپ مجھے میری زندگی کی ضمانت دیجئے تو میں وہ راز بیان کروں جس کے لئے میں ہتھیلی پر جان رکھ کے یہاں تک پہنچی ہوں؟"

"ہم وعدہ کرتے ہیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔" صلاح الدین نے ضمانت دیدی۔

"وزیر اعظم۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ یقیناً" سلطنت امراء اور وفادار ہوں گے۔" لڑکی رک کر امراء پر نظر ڈالی۔ پھر بھی میں درخواست کرتی ہوں کہ مجھے تنہائی میں گفتگو کا موقعہ دیا جائے۔"

صلاح الدین نے ایک لمحہ سوچا پھر غلام سے کہا۔ "لڑکی کو برابر کے کمرے میں لے چلو۔ ہم آتے ہیں۔۔۔"

Marfat.com

غلام نے تعمیل کی اور لڑکی کو کمرے میں لے گیا۔ اس کے پیچھے ہی صلاح الدین آ گیا۔ لڑکی نے ایک اور درخواست کی۔ "محترم وزیراعظم ــ اس شخص سے کہہ دیجئے کہ یہ ہماری گفتگو سننے کی کوشش نہ کرے اور نہ میرے یہاں آنے کے بارے میں کسی کو بتائیے۔"

صلاح الدین نے غلام کی طرف دیکھا۔ "تم جاؤ اور کسی سے کچھ نہ کہنا۔"

غلام چلا گیا۔

"جلد کہو کیا بات ہے۔ تم نے اس کے لئے اتنا اہتمام کیوں کیا ہے؟" صلاح الدین نے بے دلی سے پوچھا۔

"محترم وزیراعظم۔" لڑکی نے کہا۔ "میں آپ سے جو بات کہہ رہی ہوں اس کا خواہ آپ یقین کریں یا نہیں کریں لیکن میں اپنی جان پر کھیل کے یہاں آئی ہوں۔ اب میری جان کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے۔"

اطمینان رکھو لڑکی ــ تمہیں یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" صلاح الدین نے اسے اطمینان دلایا۔ "تم ہماری پناہ میں ہو اور جب تک چاہو رہ سکتی ہو۔"

"سنئے وزیراعظم ــ میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ آپ اور سلطنت مصر کے خلاف ایک زبردست سازش ہو رہی ہے۔" لڑکی نے مستقل مزاجی سے کہا۔

صلاح الدین نے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ "لڑکی ــ تم جانتی ہو کہ مصر ہمارا ملک نہیں۔ مجھے خلیفہ نے وزیراعظم بنایا ہے اس لئے میری مخالفت ہونا ضروری ہے۔ دن رات سازشیں ہوتی رہی ہیں۔ تم کس سازش کی طرف اشارہ کر رہی ہو ــ

"گستاخی معاف وزیراعظم ــ آپ کچھ نہیں جانتے" لڑکی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت یروشلم کا سفیر آپ کے داروغہ محلات کے پاس بیٹھا سازش کو آخری شکل دے رہا ہے؟"

صلاح الدین نے چونک کے لڑکی کو دیکھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ موتمن الخلافت ــ" جی ہاں وزیراعظم ــ لڑکی نے اس سے اتفاق کیا۔ "نجاح یعنی موتمن اطلافت نے یروشلم کے سفیر کو اپنے دیہاتی محل پر بلایا ہے اور اس وقت نصرانی سفیر اور فاطمی خلیفہ کے درمیان شرائط طے ہو رہی ہیں۔"

صلاح الدین حیران رہ گیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ فاطمی خلیفہ عاضد اب سازش میں بذات خود شریک ہے؟ ــ"

"یروشلم کے سفیر کی نظر میں وہ خلیفہ عاضد ہے لیکن میرا خیال ہے کہ شاید نجاح نے

Marfat.com

اپنا مقصد پورا کرنے کیلئے ایک فرضی خلیفہ کو سفیر کے سامنے پیش کیا ہے۔" لڑکی نے انکشاف کیا وہ خلیفہ عاضد کی طرف سے شاہ یروشلم کو مصر پر حملہ کی دعوت دی گئی ہے اور خلیفہ نے وعدہ کیا کہ اگر شاہ یروشلم کے لشکر نے صلاح الدین کی فوجوں کو مصر سے نکال باہر کیا تو اس کے صلہ میں شاہ کو شمالی مصر کا نصف علاقہ دیا جائے گا اور خراج میں دو گنا اضافہ بھی کیا جائے گا"

صلاح الدین بڑی حیرانی سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ "لڑکی تمہاری باتوں پر اعتبار نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ تم جس اعتماد سے گفتگو کر رہی ہو یہ تمہاری سچائی کی دلیل ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تم نے یہ باتیں مجھے کیوں بتائیں۔"

"محترم وزیراعظم —" لڑکی نے کہا۔ "یہ باتیں آپ پھر کسی کے لئے اٹھا رکھیئے۔ میں یہیں ہوں آپ کی پناہ میں اس وقت تک رہوں گی جب تک غداروں کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ اس وقت تو آپ اس خبر کے بارے میں کچھ کیجئے جو میں نے بتائی ہے۔"

"تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہارے رہنے اور حفاظت کا انتظام کرتا ہوں۔" صلاح الدین لڑکی کو لے کر پھر اس کمرے میں آگیا جہاں اس کے امرا بیٹھے تھے۔

صلاح الدین فقیہ ہکاری کو مخاطب کیا۔ "مولانا میں یہ لڑکی آپ کے حوالہ کرتا ہوں کچھ لوگ اس کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اس کی حفاظت آپ پر فرض ہے۔"

"معزز امرائے نوریہ —" صلاح الدین نے امراء سے کہا۔ "ابھی اطلاع آئی ہے کہ یروشلم کا سفیر فاطمی خلیفہ سے گفتگو کے لئے آیا ہوا ہے —" "کیا نصرانی سفیر قصر خلافت گیا ہے؟" ایک امیر نے بے صبری سے پوچھا۔

"نصرانی وزیر اور خلیفہ کی ملاقات کا انتظام نجاح نے کردیا ہے۔" صلاح الدین نے وضاحت کی۔ "مخبر یہ اطلاع لایا ہے کہ سفیر اور خلیفہ کی ملاقات نجاح کے دیہاتی محل میں ہو رہی ہے۔"

ایک امیر نے دریافت کیا۔ "یہ نجاح تو شاید داروغہ محلات ہے؟"

"وہی ہے۔ داروغہ محلات یا موتمن خلافت کا اصل نام نجاح ہے" صلاح الدین نے بتایا — "اس سازش کا سرغنہ وہی معلوم ہوتا ہے۔"

"وزیراعظم — اس سلسلے میں کیا قدم اٹھانا چاہتے ہیں؟ —" دوسرے امیر نے دریافت کیا۔

"میں عزیز الدین جریک کو بھیج کے سب کو گرفتار کرائے لیتا ہوں۔" صلاح الدین نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

Marfat.com

امیر شہاب الدین حارمی نے سوال کیا "کیا خلیفہ کو گرفتار کرنا غلطی نہ ہوگی۔؟"

"اور کیا مصری اپنے خلیفہ کو چھڑانے نہ دوڑ پڑیں گے؟۔" یہ آواز سیف الدین متطوب کی تھی۔

"قاہرہ میں بغاوت پھوٹ پڑے گی۔" قطب الدین نے خبردار کیا۔

صلاح الدین نے ایک جھٹکے کے ساتھ تلوار کھینچ لی اور غصہ سے بولا ۔۔ "صلاح الدین کسی بغاوت سے نہیں ڈرتا۔ خدا کی قسم اگر خلیفہ کی بے عزتی کا خیال نہ ہوتا تو میں خود جاتا اور اسے گرفتار کر کے لاتا۔ مجھے اپنے ساتھی امیروں کا بھی خیال ہے اور میں ان کے خیالات کو بڑی اہمیت دیتا ہوں۔

تمام امیر سناٹے میں کھڑے تھے۔ صلاح الدین نے حکم دیا "عزیز الدین جرویک کو بلایا جائے۔"

پھر صلاح الدین نے امرا کی طرف دیکھا۔ میں عزیز الدین جرویک کو دیکھ بھال کے لئے بھیجوں گا۔ انہیں تاکید کردی جائے گی وہ کسی قسم کی مداخلت نہ کریں بلکہ اگر خلیفہ وہاں موجود ہیں تو انہیں پورے احترام کے ساتھ قصر خلافت پہنچایا جائے اور قصر خلافت کے گرد سخت پہرہ لگا دیا جائے۔"

"وزیراعظم کا خیال بہت مناسب ہے ۔۔" ایک امیر نے صلاح الدین کی تائید کی۔

عزیز الدین جرویک کے آنے کی اطلاع آئی تو صلاح الدین نے اسے وہیں بلوالیا۔

صلاح الدین نے جرویک کو حکم دیا۔ "موتمن الخلافت نجاح کے مضافاتی محل پر ایک مجلس منعقد ہے۔ خیال یہ ہے کہ وہاں فاطمی خلیفہ بھی موجود ہیں۔ خبردار خلیفہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ انہیں احترام کے ساتھ قصر خلافت پہنچا کے ان پر سخت پہرہ لگا دیا جائے اور نجاح کے پیچھے مخبر لگا دیئے جائیں۔"

عزیز الدین جرویک نے وزیراعظم کا حکم پوری توجہ سے سنا اور سلام کر کے چلا گیا۔ اپنی حویلی پہنچ کر جرویک نے بیس سواروں کا ایک دستہ تیار کیا پھر اپنے نائب سے پوچھا کہ مجھے ایک ایسا آدمی چاہئے جو فاطمی خلیفہ اور مصر کے دوسرے امرا کو پہچانتا ہو ۔ نائب نے ایک آدمی کو پیش کیا۔

جرویک نے پوچھا۔ "تم نے خلیفہ کو دیکھا ہے؟"

"جی ہاں امیر۔۔ ایک بار نہیں پچاسوں بار دیکھا ہے۔" آدمی نے بڑے یقین سے کہا۔

"خلیفہ تو محل کے باہر نکلتے ہی نہیں۔ تم نے کیسے دیکھا انہیں؟" جرویک نے اس کا

Marfat.com

امتحان لیا۔

"امیر محترم ـــــ" آدمی نے بتایا ۔ "میں پہلے قصر خلافت کی بیرونی ڈیوڑھی پر پہریداروں کی خدمت پر لگا تھا۔ پہریداروں کا داروغہ مجھے اپنے کاموں سے اندر بھیجا کرتا تھا۔ اس طرح میں نے خلیفہ کو کئی بار دیکھا تھا۔"

جرویک کو اس کی بات کا اعتبار نہ آیا۔ اس نے دوسرا سوال کیا۔ "قصر خلافت کی ملازمت کے لئے تو لوگ برسوں مارے پھرتے ہیں پھر تم نے وہ ملازمت چھوڑ کے سواروں میں نوکری کیوں کی؟"

"امیر درست فرماتے ہیں۔" آدمی نے کہا ـــ "مجھے بھی اس ملازمت کے چھٹنے کا بہت غم ہے لیکن جس وقت وزارت کا عہدہ شامی امیر کو ملا تھا اس وقت داروغہ نے سوائے اپنے آدمیوں کے اور اندر باہر کے تمام نوکروں کو نکال دیا تھا۔ میں ایک معمولی سا ملازم تھا لیکن داروغہ نے مجھے بھی نکال دیا۔"

"تم بھی تو داروغہ کے آدمی تھے پر اس نے تمہیں کیوں نکالا؟" امیر جرویک نے پوچھا۔

اس آدمی نے جواب دیا۔ "امیر محترم ! اپنے آدمیوں سے مطلب ہے سوڈانی آدمی ۔ داروغہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ سوڈانی ہے۔جس وقت اس خلیفہ کو خلافت ملی تھی تو یہ بہت کم سن تھا۔ نجاح اس وقت ایک معمولی غلام تھا لیکن اس نے بڑی چالاکی سے اپنی بیٹی خلیفہ کی زوجیت میں دیدی۔ خلیفہ اس پر ہمیشہ ہی مہربان رہے ہیں جب داروغہ محلات ضرغام مارا گیا تو خلیفہ نے نجاح کو داروغہ بنا دیا۔ اس محلات میں سوڈانی غلام اور کنیزیں بھرنا شروع کردیں۔ اب اسکا تمام محلات پر قبضہ اور اسے خلیفہ کے مزاج میں اس قدر دخل ہے کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر نوالہ بھی نہیں اٹھاتا۔"

امیر عزیز الدین جرویک نے اندازہ کرلیا کہ اس کے سامنے ایک مناسب آدمی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ سوار ہوا اور ایک گھنٹہ کے بعد نجاح کے مضافاتی حویلی پر پہنچ گیا۔ اس نے بڑی خاموشی سے محل نما حویلی کا محاصرہ کرلیا اور صدر دروازے کے قریب چھپ کے کھڑا ہو گیا ۔ جو شناخت کنندہ (کھوجی) وہ ساتھ لایا تھا وہ اس وقت بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

ان لوگوں کے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد نجاح کی حویلی کا بڑا دروازہ کھلا اور ایک آدمی برآمد ہوا۔ اس کے دائیں بائیں ایک ایک غلام چل رہا تھا۔

عزیز الدین جرویک نے اپنے ساتھ والے آدمی سے پوچھا۔ "یہ کون شخص ہے جس

Marfat.com

کے دائیں بائیں غلام چل رہے ہیں۔

شناخت کنندہ نے بتایا ۔۔ "امیر محترم یہ شخص عبدالصمد کاتب ہے اور اس کا شمار خلیفہ کے خاص آدمیوں میں ہوتا ہے۔"

جرویک سرہلا کر رہ گیا۔ ذرا دیر بعد ایک اور شخص باہر آیا۔ اس کے دائیں بائیں دو دو ملازم تھے۔

جرویک نے ادھر اشارے کرتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ کون ہے ۔ بڑی شان سے آرہا ہے اس کے دائیں بائیں دو دو غلام ہیں۔"

"یہ شاعر ہے۔ مصری عوام اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ کھوجی نے بتایا۔ یہ بھی خلیفہ کو بہت محبوب ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟" امیر عزیز الدین نے دریافت کیا۔

"عمار یمنی زبیدی ہے ۔۔" شناخت کنندہ نے بتایا۔

ذرا دیر بعد ایک بزرگ صورت صدر دروازہ سے برآمد ہوئے۔ یہ بزرگ صورت اور درویش دراز کون ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہ ہے فاضل بن کامل قاضی القضاۃ داعی الدعات ۔ اس سے پہلے جلیس بن عبدالقوی قاضی القفاۃ تھا لیکن نجاح نے خلیفہ سے اس کی شکایت کر کے اسے معزول کرا دیا تھا۔"

آخر میں تین آدمی ایک ساتھ باہر آئے۔ جرویک نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

"دائیں جانب جو شخص چل رہا ہے وہ تو شاہ کا داروغہ محلات نجاح ہے؟"

"جی امیر بالکل وہی ہے۔" شناخت کنندہ نے تصدیق کی۔

"باقی دو کون ہیں؟" جرویک نے سوال کیا۔

بھیدی نے انہیں غور سے دیکھا۔ پھر دیکھا۔ اس نے پہلو بدل بدل کے کئی بار دیکھا لیکن پہچان نہ سکا۔ وہ تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ نجاح ان کے سامنے بچھا جارہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان دونوں کا مرتبہ نجاح سے بڑا ہے۔

جب دیر ہو گئی اور ان کے لئے گاڑی آگئی تو جرویک نے بھیدی سے پھر پوچھا۔ "کیا بات ہے تم ان دونوں کو شناخت نہیں کرسکے؟"

بھیدی کو اپنی ناکامی پر پسینہ آرہا تھا ۔ اس نے مردہ آواز میں کہا۔ "اے امیر ان دونوں ہستیوں کا قصر خلافت سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا میں نے انہیں قصر میں کبھی نہیں دیکھا۔"

Marfat.com

"غور سے دیکھو" جرویک نے اسے تاکید کی۔ "میں نے تمہارے خلیفہ کو صرف ایک بار دیکھا ہے وہ بھی کافی دور سے مگر مجھے یوں لگتا ہے کہ درمیان والا خلیفہ عاضد ہے جس نے خود کو چھپانے کے لئے لباس تبدیل کرلیا ہے۔"

"خلیفہ عاضد!" بھیدی نے اسے پھر دیکھا۔ لیکن اطمینان نہ ہوا۔ نہیں امیر۔ میں آپ کی بات کاٹنے کی گستاخی کر رہا ہوں۔ یہ خلیفہ نہیں ہوسکتے۔ یہ چہرہ مہرہ بالکل مختلف ہے صرف ڈیل ڈول خلیفہ جیسا ہے۔"

"جرویک نے ایک اور خیال ظاہر کیا۔" یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خلیفہ نے اپنا حلیہ بگاڑ لیا ہو تاکہ وہ پہچانا نہ جاسکے۔"

"امیر محترم۔۔۔ میرا دل نہیں مانتا۔ پھر خلیفہ کو چہرہ بگاڑ کے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ان لوگوں کو اپنے محل میں بھی تو بلوا سکتے تھے۔ بھیدی نے اب بھی اقرار نہ کیا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ خلیفہ کو اس حویلی میں آنا تھا لیکن اس طرح کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ تو پھر تم کیا کہو گے۔ خلیفہ کا چہرہ بگڑنے کے بعد تو ایسا بن سکتا ہے؟"

بھیدی نے ادب سے جواب دیا۔ "امیر محترم۔۔۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ کسی بے وقوف نے خلیفہ کا روپ دھارنے کی بے ڈھنگی کوشش کی ہے ورنہ اسے خلیفہ سے دور کا بھی علاقہ نہیں۔"

"اچھا تو تم تیسرے آدمی کو جلدی سے پہچاننے کی کوشش کرو ایسا نہ ہو کہ وہ گاڑی میں بیٹھ کے چلے جائیں؟" جرویک نے جلدی کرنے کی تاکید کی۔

بھیدی کسی نتیجہ پر نہ پہنچا تھا کہ وہ تینوں ایک بند گاڑی میں سوار ہو گئے۔ عزیز الدین جرویک پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے بھیدی کو جھنجوڑ کے پوچھا۔ "تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ ان میں خلیفہ عاضد نہیں تھا۔۔"

"بالکل کہہ سکتا ہوں امیر۔" بھیدی نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "اگر میری بات جھوٹ ثابت ہو تو آپ مجھے جو چاہے سزا دے سکتے ہیں۔"

عزیز الدین جرویک کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "خلیفہ کی بات تو چھوڑو۔ اس تیسرے آدمی کے بارے میں بتاؤ۔ اسے تم نے کہیں دیکھا ہے۔؟"

"امیر اگر آپ میرا مذاق نہ اڑائیں تو میں عرض کروں؟" بھیدی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مذاق کیوں اڑائیں گے تمہیں تو بلوایا ہی ہے اسی کام کے لئے؟"

"امیر۔ اس آدمی کے بارے میں میں قسم کھا سکتا ہوں کہ اس کا تعلق مصر سے نہیں

Marfat.com

ہے۔"

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟" جرویک نے دریافت کیا۔

"اس کی گردن کی جنبش اور گفتگو کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی علاقہ غیر کا باشندہ ہے۔"

بھیدی نے جواب دیا۔ "بہت ممکن ہے کہ وہ نصرانی ہو اور خود کو چھپانے کے لئے اس نے مصری لباس پہن لیا ہو۔"

جرویک کی سمجھ میں بھیدی کی بات نہ آئی۔ آخر اس نے کہا "چلو واپس چلیں۔"

جرویک کے آدمیوں نے جلدی جلدی اکٹھا کیا اور وہ واپس ہوئے۔

صلاح الدین اب تک باہر ہی بیٹھا تھا۔ مخبر لڑکی نے اس کا ذہن پریشان کردیا تھا۔

جرویک اپنے آدمیوں کو رخصت کر کے صلاح الدین کے پاس آیا۔

عزیز الدین جرویک نے بغیر پوچھے بتانا شروع کیا۔ "محترم وزیراعظم —— داروغہ کی مضافاتی حویلی میں غالباً" مشاورت لگی تھی کیونکہ جس وقت میں وہاں پہنچا تو لوگ حویلی سے نکل رہے تھے۔ میں ان کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سب واپس چلے گئے لیکن ان میں خلیفہ نہیں تھا۔"

"کتنے لوگ تھے اور تم نے کس کس کو پہچانا؟" صلاح الدین نے بے چینی سے پوچھا۔

"امیر آپ جانتے ہیں کہ میں تمام مصری امراء اور سرکاری عہدیداروں کو نہیں پہچانتا۔" عزیز الدین جرویک نے بتایا۔

"امیر جرویک مختصر بات کرو اور صرف مطلب کی بات۔" صلاح الدین نے ناگوار انداز میں کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر خلیفہ وہاں موجود ہو تو انہیں عزت سے قصر خلافت پہنچا دینا۔"

"میں وہی عرض کر رہا ہوں وزیراعظم ——" جرویک جلدی سے بولا —— "خلیفہ عاضد وہاں نہیں تھے۔ میرے آدمی نے تمام لوگوں کو شناخت کرلیا لیکن خلیفہ موجود ہی نہ تھے اس لئے ان کے پہچاننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خلیفہ نے اپنا حلیہ تبدیل کرلیا ہو اور تم پہچان نہ سکے ہو۔" صلاح الدین نے بہت ٹھہرے لہجے میں سوال کیا۔

"وزیراعظم ——" جرویک نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ ایک ایسا آدمی تھا جو قصر خلافت میں عرصہ تک رہ چکا تھا۔ ایک شخص پر مجھے خلیفہ کا شبہ ہوا تھا لیکن میرے ساتھ کے بھیدی نے میرے خیال کی تائید نہ کی۔"

Marfat.com

"کوئی نصرانی بھی تھا وہاں؟" صلاح الدین نے دریافت کیا۔

"یقین تو نہیں کیا جاسکتا لیکن ایک شخص شکل و صورت سے نصرانی معلوم ہوتا تھا۔" عزیز الدین جرویک نے کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہے یا اس شخص کا جسے تم شناخت کے ساتھ لے گئے تھے۔" صلاح الدین نے فوراً" گرفت کی۔

"میرا خیال نہیں ہے وزیراعظم ۔۔" جرویک نے جواب دیا۔ "مجھے بھیدی نے بتایا تھا کہ سب سے آخر میں حویلی سے نکلنے والوں میں ایک شخص چال ڈھال اور انداز گفتگو سے نصرانی معلوم ہوتا تھا۔"

"تمہارے بھیدی نے آخر پہچانا کسے کسے؟" صلاح الدین کچھ چڑ سا گیا۔

"تقریباً" سب ہی پہچان لئے گئے وزیراعظم ۔" جرویک نے جواب دیا۔ "جن لوگوں کو شناخت کیا گیا ان میں عبدالصمد کاتب ' عمارہ یمنی اور فاضل بن کامل ہیں۔ نجاح ان کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ صرف دو آدمی نہیں پہچانے جاسکے جن میں ایک غیر ملکی اور دوسرا بہروپیا تھا جس نے خلیفہ کی شکل اختیار کرنے کی بھونڈی کوشش کی تھی۔"

صلاح الدین نے محفل برخاست کردی۔ سب امراء اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ اس چھاپے سے صلاح الدین کچھ فکر مند ہو گیا تھا۔ جو لوگ شناخت کئے گئے تھے یہ سب خلیفہ کے حلقہ ادارت میں شامل تھے اور ہر ایک مصر کا وزیراعظم بننے کی کوشش میں تھا۔ سب کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شخص واپس آگیا جسے صلاح الدین نے قصر خلافت بھیجا تھا تاکہ وہ معلوم کرسکے کہ آیا خلیفہ محل میں موجود ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اس نے بیان کیا خلیفہ گزشتہ دو روز سے بالکل صاحب فراش ہے۔ طبیب چوبیس گھنٹے اس کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں خبر لانے والے نے خلیفہ کے طبیب سے بھی گفتگو کی تھی اور طبیب نے اسے یقین دلایا تھا کہ خلیفہ ابھی مزید دو دن بستر سے نہ اٹھ سکے گا۔

صلاح الدین کو اس خبر سے قدرے اطمینان ہوا یہ بات تو ظاہر ہو گئی کہ کم از کم اس سازش میں خلیفہ عاضد شریک نہیں اگر خدانخواستہ خلیفہ شامل ہوتا تو صلاح الدین کو سازش کچلنے میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی۔ بہرحال صلاح الدین نے تمام مصری امراء کے پیچھے اپنے آدمی لگا دیئے تھے جو اسے دم دم کی خبریں دے رہے تھے۔ قصر خلافت کا پورا انتظام موتمن الخلافت نجاح کے سپرد تھا اور اس نے پور قصر میں مسلح سوڈانی پہریدار مقرر کر رکھے تھے۔ اس لئے صلاح الدین نے احتیاط کے طور پر چند شاہی دستے قصر خلافت کے قریب متعین کردیئے تھے تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جاسکے۔

Marfat.com

دوسرے دن ایک بڑا حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے سازش اور سازشی بالکل بے نقاب ہو گئے۔ صلاح الدین نے وزارت سنبھالتے ہی مصر کے حالات درست کرنے کے لئے گورنروں اور بعض دوسرے عمال حکومت میں تبدیلی کی تھی۔ اس تبدیلی میں اس نے ملکی اور غیر ملکی دونوں طرح کے بہترین دماغوں کو کلیدی عہدوں پر مقرر کیا تھا۔ اس نے شیعہ یا سنی کی کوئی تفریق نہ رکھی تھی۔ مصری شیعوں کا ایک مشہور لیڈر اور امیر نجم الدین بن مضیال تھا۔ صلاح الدین اس سے بہت متاثر تھا اور یہی وجہ تھی کہ صلاح الدین نے اسے مصر کے اہم ترین صوبہ اسکندریہ کی گورنری عطا کی تھی۔

موتمن الخلافت نے جب شیعوں کے خلاف سازش تیار کی تو امراء کو ساتھ ملانے کے لئے مستقبل کے عہدوں کی تقسیم کی۔ اس تقسیم میں نجم الدین بن مضیال کے لئے مصر کی وزارت کا عہدہ رکھا گیا۔ عبدالصمد کو محکمہ خراج کا وزیر بنایا گیا تھا۔ نجم الدین بن مضیال کا کسی موقعہ پر ایک شامی امیر بہاء الدین قراقوش سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ سازش کا سرغنہ نجاح اگرچہ موتمن الخلافت تھا لیکن تھا تو ایک غلام ہی۔ اس کے غلامانہ ذہن نے اس کو یہ بات سمجھائی کہ نجم الدین بن مضیال اور بہاء الدین قراقوش میں اختلاف ہے اور قراقوش شامی امیر ہے اس لئے نجم الدین بن مضیال کو صلاح الدین کے بجائے اس سے (نجاح) ہمدردی ہوگی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے ایک خط نجم الدین بن مضیال کو لکھا جس میں اس سازش میں شریک ہونے کی دعوت دی اور کامیابی کی صورت میں نجم الدین بن مضیال کو مصر کی وزارت پیش کی۔

موتمن الخلافت نے نجم الدین مضیال کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ صلاح الدین کا احسان مند تھا اور اس کا وفادار تھا۔ اس کے سامنے جب سازش کی تفصیل بیان کی گئی اور اسے معلوم ہوا کہ اس سازش میں مصر کے تمام بڑے بڑے امیر اور سردار شامل ہیں تو اس نے سازشیوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور اس سازش کو خوب سراہا۔

پھر ایک دن نجم الدین مضیالی اسکندریہ سے غائب ہوا اور قاہرہ پہنچ گیا پھر جب رات ہوئی تو دارالوزارت گیا اور ایک شناسا غلام کے ذریعہ وزیراعظم صلاح الدین کو اپنے اسکندریہ سے آنے کی اطلاع دی۔ صلاح الدین نے اسے فوراً طلب کر لیا۔ نجم الدین مضیال ' وزیراعظم کے سامنے پہنچ کے تقریباً رو دیا۔

"آقا۔" نجم الدین مضیال نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "میں آپ کا احسان مند ہوں اور غلام بھی۔ میں راستے بھر یہ سوچتا آیا ہوں کہ اگر میں وقت پر نہ پہنچا اور خدانخواستہ دشمن اپنا کام کر گئے تو میں حشر میں آپ کو منہ کس طرح دکھاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں

Marfat.com

اپنی آنکھوں سے آپ کو زندہ و سلامت دیکھ رہا ہوں۔"

"نجم الدین بن مضیال - میں تمہاری آمد کی اطلاع سے سمجھ گیا تھا کہ یقیناً" کوئی فتنہ سر اٹھانے والا ہے" صلاح الدین نے کہا۔ "آج کل قاہرہ میں بھی کچھ اسی طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ اچھا تم بتاؤ اسکندریہ میں کیا ہوا کہ تمہیں قاہرہ آنا پڑا۔۔؟"

"اسکندریہ میں سب خیریت ہے آقا۔۔" نجم الدین بن مضیال نے کہا۔ "فتنہ کی جڑ تو قاہرہ ہی میں ہے۔"

پھر ابن مضیال نے صلاح الدین کو سازش کی پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس نے وہ خط بھی پیش کیا جو موتمن الخلافت نے اس سلسلے میں اسے لکھا تھا۔ اس خط میں موتمن نجاح نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اس نے یروشلم کے بادشاہ سے رابطہ قائم کیا ہے اور شاہ یروشلم کا ایک سفیر گفتگو کے لئے دوبار قاہرہ آچکا ہے یروشلم کا لشکر صرف اشارہ کا منتظر ہے۔

نجاح اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کافی ثبوت مل گئے تھے۔ صلاح الدین نے عزیز الدین جرویک کو بلا کر حکم دیا کہ موتمن نجاح' عبدالصمد کاتب' عمارہ یمنی اور فاضل بن کامل کو فوری طور گرفتار کرلیا جائے۔ جرویک گرفتاری کے لئے چلا گیا تو نجم الدین مضیال نے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ اسکندریہ کو خالی چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ صلاح الدین نے نجم الدین مضیال کو واپس جانے کی اجازت دیدی۔

سازش کا انکشاف ہوا تو صلاح الدین کو وہ لڑکی بری طرح یاد آئی جس نے اس سازش کی سب سے پہلے اطلاع دی تھی۔ وہ اسے بلوانے والا تھا کہ غلام نے آکر اطلاع دی کہ ایک شخص جو اپنا نام قاسم الحسین بتاتا ہے وزیراعظم سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔

وزیراعظم صلاح الدین نے قاسم الحسین کو اسی وقت طلب کرلیا۔

Marfat.com

سزا

صلاح الدین کچھ سوچ رہا تھا کہ قاسم الحسین داخل ہوا۔

قاسم الحسین سلام کر کے چپ کھڑا ہو گیا۔ صلاح الدین کے دماغ میں اس وقت مختلف خیالات کا ہجوم تھا۔ موتمن الخلافت کی سازش۔ یروشلم میں یورپ کی امدادی دستوں کا پہنچنا اور سلطان نور الدین زنگی اور اس کے تعلقات وہ ایک طرف مصر کی ایسی سلطنت کا وزیر اعظم تھا جس کے عوام اور خواص پر فقہ جعفریہ کا زیادہ اثر تھا۔ دوسری طرف وہ شام کے سلطان نور الدین کا مصر میں سپہ سالار تھا۔ سلطان نور الدین حنفی المذہب تھا۔ اور بغداد کے عباسی خلیفہ کا معتقد تھا۔ اس طرح صلاح الدین بظاہر دو کشتیوں میں سوار تھا لیکن اس نے بڑی دور اندیشی سے ان دونوں کشتیوں کو سنبھال رکھا تھا۔

صلاح الدین خیالوں سے چونکا تو اپنے سامنے قاسم الحسین کو کھڑے دیکھا۔

"اوہ تم آ گئے؟" صلاح الدین نے سر سے خیالوں کو جھٹکتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جی آقا میں آپ کو پھر پریشان کرنے حاضر ہو گیا"۔ قاسم الحسین نے مردہ دلی سے کہا۔

"میں کسی بات سے پریشان نہیں ہوتا"۔ صلاح الدین نے جواب دیا تم اپنی سناؤ کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے۔؟"

قاسم الحسین نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میرے آقا میں اس چالاک اور بیوفا عورت کو تلاش کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ میں نے طے کر لیا کہ مریم مجھے جہاں بھی مل جائے گی میں اسے قتل کر دوں گا خواہ مجھے سولی پر چڑھنا پڑے۔"

Marfat.com

"مگر تم ایسا نہیں کر سکو گے قاسم الحسین۔" صلاح الدین نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیوں ——— میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا میرے آقا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ اس قتل کے جرم میں مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ قاسم الحسین نے تھکے تھکے اور ہارے جواری جیسے انداز میں کہا۔

"میں نے کہہ دیا تم اسے نہیں مار سکتے"۔ صلاح الدین نے اپنی بات دہرائی۔

"آقا میں آپ کی بات رد کر کے گستاخی نہیں کر سکتا لیکن یہ معلوم کرنے کی درخواست ضرور کروں گا کہ آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کون اس کی ہمدردی کرے گا۔ اب تو اس کا ساتھ اس کے گھر والے بھی نہیں دیں گے۔" قاسم الحسین نے بڑے مضمحل لہجے میں کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو"؟۔ صلاح الدین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔" تم تو کہتے ہو کہ اس کا باپ زندہ ہے۔ جوان بھائی بھی ہے۔وہ بھی تو اسے بچا سکتے ہیں جبکہ تمہارا خود بھی یہ خیال ہے کہ اس کے گھر والوں نے اسے کہیں چھپا دیا ہے اور وہ اس کا پتہ نہیں بتا رہے"۔

"شاید پہلے ایسا ہی تھا لیکن اب حالات بدل گئے ہیں میرے آقا"۔ قاسم الحسین نے بے دلی سے جواب دیا۔

"اب کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری بیوی نے کیا اپنے باپ یا بھائی کو نقصان پہنچایا ہے۔" صلاح الدین نے اسے کریدا۔

"جی آقا ایسی ہی بات ہے"۔ قاسم الحسین نے تائید کی۔ "پہلے جب میں اس سے مریم کے بارے میں بات کرتا تو مجھے شبہ ہوتا جیسے اسے بہت کچھ معلوم ہے اور وہ مجھ سے چھپا رہا ہے لیکن اس دفعہ تو اس نے مریم کی کھل کے برائی کی"۔

"اچھا کیا کہا اس نے ؟" صلاح الدین نے دلچسپی سے پوچھا۔

قاسم الحسین نے افسردگی سے کہا۔ "اس کا باپ کہتا تھا کہ اس لڑکی (مریم) نے اس کا بالکل ہی بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ اور اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔ اس کے بھائی نے بتایا کہ تمہیں یہ شکایت ہے کہ مریم نے تم سے بے وفائی کی اور اسے ہم نے اسکندریہ میں پناہ دی ہے لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ مریم یروشلم میں تھی اس نے شاہ ایمالرک کا کوئی جنگی راز چرایا ہے اور وہاں سے غائب ہو گئی۔"

"اچھا یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔" صلاح الدین نے بے پروائی سے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے مریم کو اس وقت کہاں ہونا چاہئے؟"

"یروشلم والوں کا خیال ہے کہ مریم کو اس کا شوہر اغواء کر کے قاہرہ لے گیا ہے۔" قاسم الحسین نے جواب دیا۔

Marfat.com

"ان کی بات معقول ہے اور یہی صحیح ہے"۔ صلاح الدین نے یہ کہتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا اسے دراصل قاسم الحسین کی بوکھلاہٹ پر ہنسی آرہی تھی۔

"جی کیا فرمایا آقا آپ نے ؟" قاسم الحسین نے گھبرا کر صلاح الدین کو دیکھا۔

صلاح الدین نے کہا۔ "اگر یروشلم والوں نے کہا ہے کہ مریم کا شوہر اسے قاہرہ لے گیا ہے تو پھر ٹھیک ہی کہا ہوگا"۔

"یعنی آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ میں مریم کو قاہرہ لایا ہوں۔" قاسم الحسین بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا۔

"میں یروشلم گیا ضرور تھا لیکن نہ مریم مجھے ملی اور نہ میں اسے یہاں لایا ہوں۔ آقا آپ کے سامنے کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں۔"

صلاح الدین اپنے قریب کھڑے غلام کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنے کان صلاح الدین کے ہونٹوں سے لگا دیئے۔ صلاح الدین نے اس سے سرگوشیوں میں کچھ کہا اور وہ سلام کر کے باہر چلا گیا۔۔

"دیکھو قاسم۔۔۔" غلام کے جانے کے بعد صلاح الدین نے کہا۔ "مریم نے اگر کوئی راز چرایا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس راز کو شاہ یروشلم کے کسی مخالف کو ہی فروخت کرے گی یا اگر وہ حب الوطن ہے تو شاہ کے مخالف کو بغیر معاوضہ کے پہنچائے گی۔ شاہ یروشلم کے خیال میں اس وقت میں ہی اس کا سب سے بڑا مخالف ہوں۔ اس نے میرے خلاف یورپ کے بادشاہوں کو خطوط لکھے ہیں اور ان سے فوجی مدد طلب کی ہے۔ یورپ کے کچھ امدادی دستے یروشلم پہنچ چکے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ میں اس کا مخالف ہوں اور مریم کو اگر کوئی راز حاصل ہے تو اسے تمہارے پاس یا میرے پاس فوراً آنا چاہیے۔"

قاسم الحسین ہکا بکا صلاح الدین کا منہ دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو قاسم الحسین نے جلدی سے کہا۔ "میرے آقا اگر ایسی بات ہوتی تو مریم اب تک میرے پاس یا اس دار الوزارت تک پہنچ گئی ہوتی"۔

"یہ بھی تم نے ٹھیک کہا"۔ صلاح الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آتے آتے کہیں راستہ میں اٹک گئی ہو۔"

اس موقعہ پر وہ غلام واپس آگیا جسے صلاح الدین نے کچھ کہہ کر باہر بھیجا تھا۔

"آقائے محترم فقیہہ عیسیٰ ہکاری تشریف لائے ہیں"۔ غلام نے اطلاع دی۔

"لو تمہاری مریم آگئی قاسم الحسین۔" صلاح الدین کے منہ سے ایک دم نکل گیا۔

"مریم آگئی۔ آپ کیا فرما رہے ہیں آقا؟"۔ قاسم الحسین کے منہ سے ایک دم نکل گیا۔

Marfat.com

صلاح الدین نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے غلام سے کہا۔ "انہیں آنے دو"۔

فقیہ عیسیٰ ہکاری تشریف لائے۔ آگے آگے وہ اور ان کے پیچھے کپڑوں میں لپٹی ہوئی ایک خاتون جس نے اپنا چہرہ بھی کپڑے میں چھپا رکھا تھا۔ صلاح الدین کو فقیہ عیسیٰ ہکاری کا احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ وہ اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔

"وزیر اعظم محترم۔" فقیہ نے سلام پیش کرنے کے بعد کہا۔ "آپ کی امانت میں ساتھ لے کے آیا ہوں"۔

"اس سے کہہ دیجئے کہ چہرہ کھول کے کھڑی ہو جائے یہاں کوئی نامحرم نہیں ہے۔" صلاح الدین نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

فقیہ نے ایک لمحے کے لئے قاسم الحسین کی طرف دیکھا جس کا منہ آدھا کھلا تھا اور نظریں آنے والی خاتون کی طرف لگی ہوئی تھیں کسی کو خاتون سے کچھ نہ کہنا پڑا اس نے صلاح الدین کی آواز سن لی تھی اور منہ پر سے چادر کا پلو ہٹا رہی تھی اس کے منہ سے کھپڑا اٹھا تو نظر سب سے پہلے قاسم الحسین پر پڑی۔ خاتون کی آنکھیں پھیل گئیں اور ہونٹ لرز کے رہ گئے۔

یہی کیفیت قاسم الحسین کی تھی۔ اس کے ہونٹ بھی لرز رہے تھے۔ فقیہ صاحب اپنی جگہ سکتے میں کھڑے تھے۔ صرف صلاح الدین ایسے تھے جو ان سب لوگوں کی بوکھلاہٹ سے محفوظ ہو رہے تھے۔

"فقیہ محترم" یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور ایک عرصہ سے غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس دن یہ خاتون میرے پاس آئیں جن سے ان کا حال احوال سن کر میں نے انہیں آپ کے حوالے کر دیا۔ ان کا نام مریم ہے اور یہ نو مسلم ہیں۔ ان کے شوہر قاسم الحسین ہیں جو عرصہ تک میری اور سلطان دمشق کی ملازمت میں رہ چکے ہیں۔ لطف کہ بات یہ ہے کہ یہ دونوں ہی مصری ہیں۔"

پھر صلاح الدین نے منہ گھما کر قاسم الحسین سے کہا"۔ قاسم اب ہوش میں آجاؤ اور ستم ظریفی قدرت پر غور کرو۔ تم دونوں مہمان خانے میں اس وقت تک مقیم رہو گے۔ جب تک قاہرہ کے حالات نہیں سنبھلتے۔ خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایک بار پھر اس دنیا میں تمہیں ملا دیا۔ ایک دوسرے کو اپنے حال سے آگاہ کرو۔ اور دل صاف کر کے سچے میاں بیوی کی طرح رہو۔ کسی فرصت کے وقت میں تم لوگوں کے تفصیلی حالات سنوں گا"۔

صلاح الدین نے ایک غلام کو بلا کر اسے کچھ ہدایات دیں اور قاسم الحسین اور مریم کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ فقیہ محترم بھی سلام کر کے رخصت ہوگئے۔

صلاح الدین کے وزارت سنبھالنے سے مصر اور خاص کر قاہرہ کے حالات بڑی تیزی سے

Marfat.com

تبدیل ہو رہے تھے۔ پرانے بت ٹوٹ رہے تھے۔ اور ان کی جگہ شامیوں کو دی جا رہی تھی۔ مصر کا ہر سردار اور ہر امیر اپنی جگہ پر ہل کے رہ گیا تھا۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ صلاح الدین کے قدم مصر میں نہ جم سکیں۔ اس کے لئے وہ ہر امکانی کوشش اور جائز و ناجائز قدم اٹھانے کے لئے تیار تھے۔ صلاح الدین کے خلاف جو زبردست سازش تیار کی گئی اس کا سربراہ داروغہ محلات یعنی موتمن الخلافت نجاح تھا۔ اس کے علاوہ جو لوگ اس گھناؤنی سازش میں شریک تھے وہ عبد الصمد کاتب' شاعر عمارہ یمنی اور مصر کے موجودہ قاضی فاضل بن قامل تھے۔ان لوگوں نے اسکندریہ کے گورنر نجم الدین مفیال کو پیش کش کی تھی کہ سازش کی کامیابی کی صورت میں اسے مصر کا وزیر اعظم بنا دیا جائے گا۔ نجم الدین مفیال کا تعلق مصر سے ہی تھا لیکن وہ صلاح الدین کا احسان مند تھا اس لئے اس نے اس سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ صلاح الدین کو اسکندریہ کے گورنر کے بیان کی تصدیق کی اس لئے ضرورت پیش نہ آئی کہ اسے اس سازش کی دو دن پہلے ہی خبر ہو گئی تھی۔

جس وقت مریم اور قاسم الحسین کو مہمان خانہ میں پہنچایا گیا اور انہیں تنہائی میسر ہوئی تو وہ فرط جذبات سے ایک دوسرے سے لپٹ گئے یہ تو قارئین کو معلوم ہوگیا کہ مریم اور قاسم الحسین میاں بیوی ہیں لیکن اس جوڑے کا مختصر حال بیان کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس سلسلے میں قاری کے دماغ میں کوئی الجھن نہ رہ جائے قاسم الحسین ایک مصری جوان تھا جو اسکندریہ کی ایک عیسائی دوشیزہ پر عاشق ہوا۔ ان دونوں نے آپس میں شادی کرنا چاہی لیکن مریم کے باپ بھائی' نے تعصب کی بنا پر شادی نہیں ہونے دی لیکن مریم اپنے دوست قاسم الحسین کے ساتھ فرار ہو کر دمشق پہنچ گئی۔ وہاں دونوں کی شادی ہو گئی لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ مریم اچانک غائب ہو گئی۔

قاسم الحسین کے بیان کے مطابق یہ ایک اغوا اور فرار کا واقعہ تھا جس کے لئے قاسم الحسین نے ملک ملک کی خاک چھانی لیکن مریم اسے نہ مل سکی وہ دمشق سے قاہرہ پھر اسکندریہ گیا وہاں سے یروشلم بھی گیا لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم کر سکا کہ مریم نے اسے چھوڑ کر شاہ یروشلم کی ملازمت اختیار کرلی ہے اور اب وہ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ مریم گھبرائی اور پریشان حال مصر کے دار الوزارت پر پہنچی۔اس نے وزیر اعظم مصر صلاح الدین ایوبی سے ملاقات کی اور اس ملاقات میں اس نے صلاح الدین اور شامی لشکر کے خلاف اس زبردست سازش کا انکشاف کیا۔ جس کی تصدیق اسکندریہ کے گورنر نجم الدین مفیال کے بیان سے ہوگئی اور سازشیوں کی بھی شناخت کرلی گئی۔

Marfat.com

اس سازش کا کیا انجام ہوا اس کا ذکر بعد میں ہوگا پہلے ہم قاسم الحسین اور مریم کا حال دیکھتے ہیں جو ایک طویل جدائی کے بعد اتفاقیہ مل گئے تھے۔ مصر کے دار الوزارت میں قاسم الحسین اور مریم کا آمنا سامنا ہونا واقعی بڑا حیرت ناک تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ دونوں یہی سوچتے رہے کہ وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہے ہیں لیکن جب وزیر اعظم کے غلام نے انہیں مہمان خانہ میں چلنے کا اشارہ کیا تو انہیں کچھ ہوش آیا انہیں یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ہوش و حواس میں ہیں مگر اس حادثاتی ملاقات نے انہیں حیرت میں جس طرح جکڑ لیا کہ اس میں کوئی کمی نہ ہو رہی تھی۔ آخر غلام انہیں مہمان خانہ کے ایک کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ تب انہیں زندگی کا یقین آیا۔

"مریم کیا واقعی میں تمہیں ہوش و حواس میں دیکھ رہا ہوں؟ قاسم الحسین نے سر کو دو تین بار جھٹکے دے کر کہا۔

"یہی میں بھی سوچ رہی ہو کہ میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں یا۔" اور مریم نے اپنی انگلی دانتوں کے درمیان رکھ کر زور سے دابی یہاں تک کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"مجھے تو یقین ہو گیا کہ میں عالم ہوش میں ہوں"۔ قاسم الحسین نے بڑی مسرت سے کہا۔

مریم نے شوخی سے کہا۔ "اگر عالم ہوش میں ہو تو یہ بتاؤ کہ تم اس وقت دار الوزارت میں کس لئے آئے ہو کیا تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ میں قاہرہ آگئی ہوں۔"

"یہی تو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں"۔ قاسم الحسین نے جواب دیا۔ "تمہیں غائب ہوئے تین ماہ سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ پھر تم غائب دمشق سے ہوئی تھیں اور ملی ہو قاہرہ میں یہ کیا سحر ہے کیسا طلسم ہے؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ تم پہلے اپنی کہہ لو؟" مریم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میری کیا سنو گی؟" قاسم الحسین نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تمہارے جانے کے بعد میں دیوانہ ہو گیا اور جب سے اب تک دیوانہ ہوں"۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی"۔ مریم نے بڑے نخرے سے کہا "اگر تم میری وجہ سے دیوانے ہوئے تھے تو مجھے تلاش کرنا چاہئے تھا؟"

"واہ یہ تم نے ایک ہی کہی۔" قاسم الحسین نے جواب دیا۔ "دیوانہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں دیوانہ ہوا۔ کپڑے پھاڑے اور جنگل کی طرف نکل گیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ میری بھوک پیاس مٹ گئی اور مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ سب کا یہ خیال تھا کہ تم مجھے چھوڑ کے اپنے والدین یا ہم مذہبوں کے پاس چلی گئیں۔ بعض دفعہ لوگوں نے تو مجھے یہ باور کرانے کی

Marfat.com

کوشش کی کہ سلطان دمشق کے فوجی راز چرا کر یروشلم بھاگ گئی ہو۔"

"اور تم نے ان باتوں پر یقین کر لیا۔" مریم نے مصنوعی غصہ سے کہا۔

"نہیں نہیں، بالکل نہیں" قاسم الحسین نے انکار میں سر ہلایا۔ "میرا دل کسی طرح مانتا ہی نہ تھا کہ تم مجھے دھوکہ دے سکتی ہو چنانچہ میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی۔ دمشق میں ڈھونڈا قاہرہ اور اسکندریہ کا کونہ کونہ چھان مارا۔ یروشلم بھی گیا۔ میں زیادہ پریشان اس لئے تھا کہ کبھی تو تمہارے باپ بھائی کہتے کہ انہیں تمہاری کوئی خبر نہیں اور کبھی تمہاری اس طرح برائیاں کرتے جس سے ظاہر ہوتا کہ تم ان سے ملی ہو اور تمہاری کسی بات سے انہیں تکلیف پہنچی ہے اس وجہ سے اور پریشانی تھی کہ تمہیں ان دنوں آرام کی سخت ضرورت تھی اور نہ معلوم تم پر کیا گزر رہی تھی۔ اس پریشانی اور دوڑ دھوپ میں میری ملازمت بھی جاتی رہی اب میں اپنے آقا کے پاس آیا تھا کہ وہ میری کچھ مدد کریں۔ یہاں آ کے خدا نے میری مدد کی اور تم مجھے مل گئیں۔"

قاسم الحسین خاموش ہوا تو مریم نے کہا۔ "میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف اٹھانی پڑی اس کے لئے بھی میں معافی چاہتی ہوں۔"

قاسم الحسین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے تم بھی تو پریشان رہی ہو گی؟"

"کچھ ایسی ویسی پریشانی!" مریم نے قاسم الحسین کو بڑے پیار سے دیکھا۔ "میں نے در اصل ماں اور تمہارے نام پر دھوکہ کھایا تمہیں یاد ہو گا کہ میرے گھر والے تمہارے کتنے خلاف تھے پھر اچانک ان کے خیالات بدلے اور انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ شادی کی اجازت دے دی۔ یہ در اصل میرے والدین کی ایک چال تھی۔ تمہیں شاید پتہ نہیں کہ اسکندریہ میں یروشلم کے بہت سے جاسوس موجود ہیں۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ میری دوستی ایک ایسے شخص سے ہے جو دمشق کی شاہی فوج میں ہے تو انہوں نے فوراً میرے باپ اور بھائی سے رابطہ قائم کیا اس رابطہ کے نتیجے میں میری اور تمہاری شادی کی اجازت مل گئی۔ ان دنوں میں اس قدر خوش تھی کہ میں نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ میرے گھر والے جو تم سے اس قدر ناخوش تھے وہ اک دم راضی کیسے ہو گئے۔؟

"خیر میں تمہارے ساتھ دمشق آ گئی۔ کچھ ہی دنوں بعد تمہاری عدم موجودگی میں پہلے ایک عورت پھر اس کے ساتھ ایک مرد آیا۔ انہوں نے مجھ پر ظاہر کیا کہ وہ اسکندریہ سے آئے ہیں اور انہیں میری ماں نے بھیجا ہے۔ ماں کی طرف سے انہوں نے یہ پیغام دیا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ اور مجھے دیکھنا چاہتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر قاسم رضامند ہو جائیں تو وہ مجھے

Marfat.com

اسکندریہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ گفتگو کئی دن چلتی رہی لیکن میرا دل پورا نہ ہوا اور میں نے انکار کر دیا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ تم اپنی ملازمت پر گئے ہوئے تھے میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو سلطان کے محل کا ایک ہرکارہ باہر کھڑا دکھائی دیا۔

"میں نے دروازہ کھولا تو اس نے بتایا کہ محل کے سامنے تمہارا گھوڑا الف ہوگیا اور اس نے تمہیں زمین پر دے پٹکا ہے۔ تم سخت زخمی ہو اور تم نے مجھے بلایا ہے۔ میرے ہاتھ پیر پھول گئے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں اس بوکھلاہٹ میں اس بند گاڑی میں سوار ہوگئی جسے ہرکارہ لے کر آیا تھا۔ بس گاڑی میں بیٹھنا ہی غضب ہوگیا۔ ذرا دیر بعد گاڑی کسی جگہ رکی دو مسٹنڈے گاڑی کا پردہ اٹھا کر اندر گھس آئے۔ میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے چیخی چلائی بھی لیکن انہوں نے مجھے دبوچ کر قابو کر لیا۔"

"میرا دل اسی لئے بار بار کہتا تھا کہ میری مریم مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتی"۔ قاسم الحسین کے لفظ لفظ سے مریم کی محبت ٹپکی پڑتی تھی۔

"عورت ایک بار ہی محبت کرتی ہے قاسم۔" مریم نے جذباتی انداز میں کہا۔ "عورت پر بیوفائی کا الزام دھرنا ہی غلط ہے وہ تو وفا کی پتلی ہوتی ہے۔"

"بے شک ۔ بے شک"۔ قاسم الحسین بچوں کی طرح کھلکھلا رہا تھا۔ "اچھا آگے بتاؤ ان کے ہاتھوں سے تمہیں نجات کیسے ملی؟"

"دو آدمی مجھے دائیں بائیں پکڑ کر بیٹھ گئے۔" مریم نے کہنا شروع کیا۔ "میرا پیٹ بری طرح دب رہا تھا اور مجھے متلی معلوم ہو رہی تھی مجھے پیاس بھی معلوم ہو رہی تھی میں نے ایک آدمی سے پانی مانگا۔ اس نے گاڑی کے اوپر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا۔ وہاں سے شربت کا ایک گلاس آیا مجھے اتنی سخت پیاس تھی کہ میں گلاس منہ سے لگا کر ایک ہی سانس میں پی گئی۔ گلاس پیتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ شاید اس میں کچھ ملایا گیا تھا۔ ذرا دیر بعد میں بے ہوش ہو گئی۔"

"یہ کون لوگ تھے اسکندریہ کے تھے یا پھر۔؟" قاسم الحسین نے پوچھا۔

"مجھے پہلے یہی خیال ہوا کہ وہ مجھے اسکندریہ لے جائیں گے۔" مریم نے کہا۔ "لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں یروشلم میں تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ میں یروشلم کے شہر کوتوال کے ذاتی قید خانہ میں ہوں اور مجھ پر جاسوسی کا مقدمہ چلے گا۔ دن بھر میں اس قید خانہ میں رہی جہاں ایک عورت میری دیکھ بھال پر مامور تھی ۔ جہاں مجھے قید کیا گیا تھا اس کا دروازہ لوہے کا تھا اور باہر سخت پہرہ تھا۔ شام کو مجھے شہر کوتوال کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے مجھے یروشلم کے لئے جاسوسی کرنے کی پیش کش کی۔ مجھے ان لوگوں سے اس حرکت کی وجہ سے سخت نفرت ہو گئی

Marfat.com

تھی۔ میں نے انہیں سخت جواب دیا۔ میرے انکار پر مجھے پھر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں قید خانہ والی عورت نے مجھ پر سخت تشدد کیا۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگئی اور تمہاری امانت ضائع ہوگئی۔"

یہ کہتے ہوئے مریم کے آنسو آگئے پھر وہ بلک بلک کے رونے لگی۔ قاسم الحسین نے اسے بہت تسلی دی لیکن وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ عورت کو دنیا میں اپنے بچے سے زیادہ کوئی اور چیز عزیز نہیں ہوتی بچہ اگر پیدا ہو کے انتقال کر جائے تو بھی کچھ دنوں کے بعد صبر آجاتا ہے لیکن ابھی تو مریم نے بچہ کی آواز بھی نہ سنی تھی کہ اسے بچہ کا غم اٹھانا پڑا۔ اور غم ایسا تھا کہ جب بھی اسے اپنے بچہ کا خیال آتا۔ وہ رو پڑتی۔ قاسم الحسین نے بھی اسے منع نہیں کیا۔ وہ جانتا تھا کہ رونے سے غم کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شام تک ان دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ انہیں مطلع کیا گیا کہ انہیں صبح کو دمشق جانا ہے۔ یہ حکم وزیر اعظم کا تھا اور قاسم الحسین کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ اس سلسلے میں وزیر اعظم سے ملنے کی کوشش نہ کرے اور بلا عذر دمشق چلا جائے۔ مریم بھی اب دمشق واپس نہیں جانا چاہتی تھی مگر حکم حاکم سے کون انکار کر سکتا ہے۔ صبح کو قاسم اور مریم دمشق روانہ ہوگئے۔

داروغہ محلات نجاح کے خلاف بہت سے ثبوت مہیا ہو گئے تھے نصرانی سفیر کے ساتھ اس کی کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں وزیر اعظم صلاح الدین کے پاس سازش کرنے والوں کی پوری فہرست پہنچ چکی تھی اور اب اسے ان سازشیوں کے خلاف قدم اٹھانے میں کوئی قباحت نظر نہ آتی تھی مصری امراء سے اسے بغاوت کا خطرہ ہو سکتا تھا لیکن وہ تو خود اس سازش میں شریک تھے اور انہیں بھی گرفتار کیا جانا تھا۔ صلاح الدین کو خلیفہ عاضد کی طرف سے بھی خطرہ ہو سکتا تھا لیکن نے اسے خود وزیراعظم منتخب کیا تھا اس لئے وہ کس منہ سے صلاح الدین کی مخالفت کرتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ خلیفہ اس سازش میں شریک نہ تھا۔ صلاح الدین نے اس کی اچھی طرح تحقیق کرلی۔ اگر اسے خلیفہ کے بارے میں ذرا بھی ثبوت ملتا تو وہ اسے بھی معاف نہ کرتا اس نے ایک بار صاف الفاظ میں کہا تھا کہ مصر پر حکومت تلوار کے زور پر کی جائے گی اور ہمارے راستے میں جو بھی آئے گا خواہ وہ کتنا ہی محترم اور مقتدر ہو ہم اسے مولی گاجر کی طرح کاٹ کے رکھ دیں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مصری امراء کی طرح مصری عوام بھی صلاح الدین کے خلاف تھے۔ صلاح الدین تو عوام کا محبوب ہیرو تھا۔ مصر کے وزیر اعظموں نے صدیوں سے جو لوٹ مار اور جور و ستم روا رکھا تھا۔ صلاح الدین صلاح الدین نے اس کا ہمیشہ

Marfat.com

کے لئے خاتمہ کر دیا تھا۔ ایک طرف اس نے داروغہ محلات پر کچھ پابندیاں لگا کر شاہی بیگمات اور شہزادے شہزادیوں کو داروغہ کے چنگل سے نجات دلائی تھی دوسری طرف شہر کوتوال کو ہٹا کر عوام کو اس کے ظلم و ستم سے بچایا تھا

صلاح الدین نے جس وقت سازش کرنے والوں کی گرفتاری کا حکم دیا اس وقت تک اس کے ہاتھ ایک اور بھی زبردست ثبوت آ گیا تھا۔ داروغہ محلات نجاح نے اسرائیلی سفیر سے گفتگو کے بعد ایک تفصیلی خط لکھا تھا جس میں شاہ یروشلم پر واضح کیا گیا تھا کہ اگر اس کی فوجی مدد سے شامی لشکر کو مصری حدود سے نکال دیا گیا تو شاہ یروشلم کو خراج کی رقم موجودہ شرح سے تین گنا بڑھا کر ادا کی جایا کرے گی۔ اس کے علاوہ شاہ یروشلم کو اور بہت سی مراعات دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس خط میں ان امراء کے نام بھی درج تھے جو نجاح کی مدد کر رہے تھے اس خط کے حاصل ہونے کے بعد تو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا۔

صلاح الدین نے عزیز الدین جردیک کو باغیوں کی گرفتاری پر مقرر کیا تھا جردیک یہ چاہتا تھا کہ سازش کے تمام سرغنوں کی گرفتاری ایک ہی وقت میں عمل میں ہو تاکہ کسی کو قاہرہ سے نکلنے کا موقع نہ مل سکے اور جس قدر فتنہ و فساد ہونا ہو وہ سب ایک ہی بار ہو جائے اس کا موقعہ بھی جلد ہی مل گیا۔ سازش کے بڑے بڑے سرغنہ موتمن الخلافت نجاح' شاعر عمارہ یمنی' عبدالصمد کاتب فاضل بن کامل اور نجم الدین مضیال تھے نجاح نے اسے مصری امراء کے نام بتائے تو نجم الدین مضیال پریشان ہو گیا۔ وہ صلاح الدین کا احسان مند تھا کیونکہ بعض شامی امراء کی مخالفت کے باوجود صلاح الدین نے مضیال کو اسکندریہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ شامی امراء کی دلیل تھی کہ تمام مصری عہدیداروں کو معزول کر کے ان کی جگہ شامی امراء کو عہدے دیئے جائیں لیکن صلاح الدین محض ایک شامی امیر نہ تھا بلکہ شامی فوجوں کا سپہ سالار بھی تھا اس کے علاوہ اس کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ مصری عوام کے دلوں میں شامی سلطان نور الدین زنگی کی محبت اور احترام پیدا کیا جائے۔

سازش کرنے والوں کا کافی دنوں سے تعاقب کیا جا رہا تھا اور صلاح الدین اور عزیز الدین جردیک کو ایک ایک لمحے کی خبر دی جا رہی تھی جس وقت یہ اطلاع ملی کہ سازش کے خاص خاص ارکان ایک بار پھر نجاح کی مضافاتی حویلی میں اکٹھا ہوئے ہیں تو عزیز الدین جردیک نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور خود اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جردیک کے ساتھ صرف بیس سوار تھے جو پچھلے تین دن سے کیل کانٹے سے بالکل تیار رہتے تھے۔ سواروں کا یہ مختصر دستہ جردیک کی حویلی سے روانہ ہوا انہیں نجاح کی مضافاتی اقامت گاہ جانا تھا اور اس کے لئے انہیں پورا قاہرہ شہر پار کرنا تھا۔ گھوڑوں کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ دیکھنے والے حیران رہ

Marfat.com

جاتے تھے صلاح الدین نے عام اعلان کر دیا تھا کہ بازاروں اور تنگ گلیوں میں گھوڑے نہ بھگائے جائیں کیونکہ اکثر لوگ زخمی ہو جاتے ہیں صرف فوجی سواروں کو اس وقت گھوڑا بھگانے کی اجازت تھی جب وہ کسی باغی کا پیچھا کر رہے ہوں۔

اس تیز رفتاری سے مصریوں نے یہی اندازہ لگایا کہ آج کسی نے بغاوت کی ہے یا کہیں بغاوت ہونے والی ہے اور اس کے سدباب کے لئے فوجی دستہ جا رہا ہے ادھر عزیز الدین جرویک کو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں سازشیوں کا کوئی جاسوس انہیں اس چھاپہ کی اطلاع نہ پہنچا دے۔ اس لئے وہ جلد سے جلد نجاح کی حویلی پر پہنچنا چاہتا تھا جرویک کا خیال یا اندازہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔ جس طرح صلاح الدین کی جاسوس سازشیوں کے پیچھے لگے تھے اسی طرح نجاح کے جاسوس دار الوزارت اور عزیز الدین جرویک کے قیام گاہ کے گرد منڈلایا کرتے تھے کہ جیسے کوئی خطرہ پیدا ہو وہ اسی وقت اس کی اطلاع متعلقہ لوگوں تک پہنچا دیں۔

عزیز الدین جرویک نے تیزی بھی اختیار کی تھی اور احتیاط بھی بہت برتی تھی لیکن دشمن کے جاسوس اس سے زیادہ چالاک نکلے جیسے ہی جرویک کی حویلی سے سواروں کا طوفانی دستہ نکلا اسی وقت دشمن جاسوسوں کو معلوم ہو گیا کہ مضافات میں ہونے والی مجلس کا علم جرویک کو ہو گیا ہے اور وہ اپنے سوار لے کر گرفتاری کے لئے جا رہا ہے پس جاسوسوں میں سے ایک نے اپنا گھوڑا موڑا اور گلیوں اور کھیتوں میں سے ہوتا ہوا دم کے دم میں نجاح کی حویلی پر پہنچ گیا۔ وہاں تمام لوگ جمع تھے اور سازش اپنی تکمیل کے مرحلے میں تھی کہ جاسوس نے دستک دی۔

محافظ نے جاسوس کو پہچان کر فوراً بڑا دروازہ کھول دیا اور جاسوس معہ گھوڑے کے حویلی کے اندر تک گھستا چلا گیا۔ جب گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بڑے ہال میں پہنچی جہاں کانفرنس ہو رہی تھی تو تمام حاضرین گھبرا کے باہر نکل آئے۔ سوار نے گھوڑے سے اترے بغیر آواز دی۔

"بھاگو۔ جلدی بھاگو' عزیز الدین جرویک آ رہا ہے۔"

سوار کی آواز کیا تھی موت کا بگل تھا سب کے رنگ فق ہو گئے اور ہر جسم کانپ اٹھا۔ ہر ایک اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا اور جست لگا لگا کر گھوڑے پر بیٹھنے لگا۔ وہ لوگ بجلی جیسی تیزی سے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صدر دروازے کا رخ کیا لیکن جب دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ عزیز الدین جرویک برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے حویلی میں داخل ہو رہا ہے اس کے تمام سوار بھی بے نیام تلواروں سے مسلح تھے۔

"خبردار کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ حویلی کو ہمارے سواروں نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔" عزیز الدین کی گرجدار آواز سے پوری حویلی دہل اٹھی۔

بعض لوگوں نے تلوار نکالنے کی کوشش کی لیکن ان کے بڑھتے ہوئے ہاتھ اک دم رک

Marfat.com

گئے۔ اس لئے کہ جرویک کے سوار تلواریں سونتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔

"تمام لوگ اپنی تلواریں پھینک دیں اور جن کے پاس خنجر ہیں وہ بھی الگ کر دیں۔
جرویک نے دوسرا حکم دیا۔

سازشیوں کے رنگ اڑ گئے اور ان کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے انہیں غیر مسلح کرنے کے بعد عزیز الدین نے ایک ایک کو اپنے سامنے بلوایا اس کے ساتھ ہی امراء کو شناخت کرنے والا کھڑا تھا جرویک بھی بعض امراء کو ذاتی طور پر جانتا تھا لیکن ان کی تصدیق ضروری تھی اس لئے انہیں باری باری اپنے سامنے بلوایا۔ سب سے پہلے نجاح کو پیش کیا گیا۔ عزیز الدین جرویک نے اسے دیکھ کے طنز کیا۔ آیئے آیئے تشریف لایئے موتمن الخلافت داروغہ محلات شاہی نجاح آپ تو خلیفہ محترم کے خسر ہیں فرمایئے ایسے عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے سازش کا منصوبہ کیوں تیار کیا۔ خلیفہ آپ کے داماد تمام محلات اور وہاں کی مالیات کے آپ مالک پھر آپ کو کیا تکلیف پہنچی کہ آپ نے نصرانیوں کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ بہرحال ہم آپ کو زیورات سے آراستہ کر رہے ہیں۔"

اتنا کہہ کر عزیز الدین جرویک نے اپنے نائب سے کہا۔ "اس غدار ملک و ملت کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی جائیں"۔

حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور غرور سے سر اٹھا کر چلنے والے نجاح کی گردن نیچی ہو گئی۔

اس کے بعد عمارہ یمنی کو پیش کیا گیا۔ مصر کا یہ ایک مشہور شاعر تھا۔ کہتے ہیں جس وقت صلاح الدین کو مصر کی خلافت پر فائز کیا گیا اس وقت عمارہ یمنی نے ایک نظم کہی تھی جس میں مصریوں کو غیر ملکی قبضہ کے خلاف بغاوت کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس سازش کا عمارہ یمنی ایک اہم رکن تھا۔ جرویک نے اسے دیکھ کر کہا۔ "اے شاعر بے بدل تمہیں ان سرپھروں کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی اگر تم نے وزیر اعظم صلاح الدین کی تعریف میں قصیدہ لکھا ہوا تھا زر و جواہر سے مالا مال ہونے کے بجائے آج ذلیل اور سرنگوں نہ ہوتے۔

پھر عبد الصمد پیش ہوا جسے خراج کا محکمہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا جرویک نے اسے دیکھ کر کہا۔ "اے عبد الصمد۔ کیا تم نہیں جانتے کہ صمد کے معنی بے نیاز کے ہوتے ہیں تمہیں ان جھگڑوں سے دور رہنا چاہیے تھا کس عذاب میں پھنس گئے تم؟"

ان کے علاوہ کئی اور امیر پیش ہوئے پھر آخر میں فاضل بن کامل کو پیش کیا گیا۔ انہیں دیکھ کے جرویک نے افسوس کیا۔ اس نے کہا۔ "ابن کامل تم صورت سے شریف لگتے ہو مگر تمہارے کرتوت کتنے گھناؤنے ہیں۔ مجھے معلوم ہے سازشیوں نے تمہیں قاضی القضاء داعی

Marfat.com

الدعات کا عہدہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم نے یہ نہ سوچا کہ تم قاضی کے عہدے پر غیر قانونی طریقے سے بٹھائے جاتے اس صورت میں تم عوام یا خواص کے لئے کیا انصاف کرتے۔ تمہارا ضمیر تو ہروقت تمہیں ملامت کرتا رہتا۔" عزیز الدین جرویک نے آخر میں سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بے شک تم لوگ مصر کے عظیم امراء میں سے ہو لیکن ایمان کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے تم نے اپنی نیت خراب کی اور اس انجام کو پہنچے۔ بہرحال میں نے اپنا فرض ادا کیا اور اب تمہارا معاملہ وزیر اعظم کے سامنے پیش ہوگا اور جو فیصلہ وہ کریں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔"

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ سازش کی اس میٹنگ میں نصرانی سلطنت یروشلم کا ایک نمائندہ بھی شامل تھا اس کے بارے میں جرویک نے فیصلہ کیا اس نصرانی کو ہتھکڑی نہ لگائی جائے باقی تمام لوگوں کو پابہ زنجیر کر دیا جائے۔ شناخت کنندہ (بھیدی) جرویک کے قریب ہی کھڑا تھا اس نے عزیز الدین جرویک کو ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سردار آپ نے اس غریب فاطمی خلیفہ عاضد کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔ وہ تو شرم کے مارے چھپا جا رہا ہے۔"
عزیز الدین جرویک نے اس شخص کو غور سے دیکھا۔ "کیا یہ خلیفہ عاضد ہے اسے ہمارے سامنے لاؤ۔"

ایک سوار نے اسے آگے بڑھنے کو کہا۔ وہ گھبرا کے گھوڑے سے اتر گیا اور پیدل چلتا ہوا عزیز الدین جرویک کے پاس پہنچا وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "اس کی شکل تو خلیفہ سے ملتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ نقلی خلیفہ ہے۔"
سردار نے صحیح فرمایا۔ "بھیدی نے کہا۔ "اس سے دریافت کیجئے کہ اس پوٹلی میں کیا ہے جو یہ بغل میں دبائے ہے؟"
"کیا ہے اس پوٹلی میں؟" جرویک نے ڈپٹ کر پوچھا۔
"کپڑے"
جرویک نے حیرت سے پوچھا۔ "کیسے کپڑے ہیں کھولو"۔
وہ پوٹلی کھولنے لگا۔ تو بھیدی نے کہا۔ "سردار اس پوٹلی میں وہ لباس ہے جسے پہن کر یہ شخص خود کو خلیفہ ظاہر کرتا ہے۔"
عزیز الدین جرویک کو اور تعجب ہوا پوٹلی میں واقعی خلیفہ کا لباس تھا۔ "اچھا تو تم خلیفہ عاضد ہو تمہیں شرم نہیں آتی خلیفہ کا بہروپ بھرتے ہوئے؟"
"سردار"۔ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "مجھے موتمن الخلافت نجاح نے حکم دیا کہ خلیفہ کے کپڑے پہن کے بیٹھ جانا۔ اگر میں ان کا حکم نہ مانتا تو۔۔۔"

Marfat.com

"تو کیا ہو جاتا؟" جرویک چیخ اٹھا۔

"میں محل کا غلام ہوں سردار۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا"۔ اگر میں انکار کرتا تو موتمن الخلافت مجھے قتل کروا دیتے۔

"بیوقوف"۔ جرویک اسے چھوڑ کے بھیدی سے بولا۔ "اس نصرانی کو بتاؤ کہ یہ خلیفہ نہیں بلکہ محض ایک غلام ہے جسے نجاح نے خلیفہ کا لباس پہنا کر اس کے سامنے پیش کیا تھا۔"

بھیدی نے اس کی زبان میں اسے بتایا تو وہ بڑا حیران ہوا۔

تمام سازشیوں کو ہتھکڑی اور بیڑی میں سڑکوں پر کھینچتا ہوا دار الخلافت تک لے جایا گیا۔ ان کے آگے ایک اعلانچی کہتا ہوا چل رہا تھا۔ "اے قاہرہ والو ان غداروں اور احسان فراموشوں کو دیکھو۔ یہ ملک مصر کو یروشلم کے ایمالرک کے ہاتھ بیچ رہے تھے۔ یہ تمہارے وزیر اعظم صلاح الدین ایوبی کو وزارت سے ہٹا کر قاہرہ پر نصرانیوں کا قبضہ کرانا چاہتے تھے۔"

جو سنتا وہ ان لوگوں پر لعنت بھیجتا۔ دار الوزارت تک پہنچتے پہنچتے ایک ہجوم ہوگیا نجاح کا حال سب سے برا تھا۔ وہ سازش کا سرغنہ تھا اس لئے اس پر سب سے زیادہ پھٹکار پڑ رہی تھی پورے شہر میں کہرام مچ گیا تھا موتمن الوزارت نے وزیر اعظم کے خلاف سازش کی اور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

مصر کے اتنے بڑے بڑے امیروں کو گرفتار کرنا ہی ایک امر محال تھا۔ ممکن ہے کہ ان امیروں نے فاطمی خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہو لیکن سازش میں خلیفہ کی شرکت کا کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ خود سازش کرنے والوں نے خلیفہ کو بری الذمہ قرار دیا۔ اس لئے خلیفہ پر کوئی آنچ نہ آئی۔ اب سوال یہ تھا کہ مصر کے ان مقتدر امراء کو کیا سزا دی جائے۔ شامی امراء کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ مصری امراء کو ان کے عہدوں سے معزول کر کے ان کی جگہ شامی امیروں کا تقرر کیا جائے لیکن جب صلاح الدین نے انہیں مشورہ کے لئے بلایا تو ہر امیر علالت کا بہانہ کر کے مجلس مشاورت میں شریک نہ ہوا صلاح الدین نے اسے محض ایک اتفاق سمجھا اور اس مسئلے کے تصفیے کے لئے دوسری مجلس کی تاریخ مقرر کی۔ مگر اس دفعہ بھی امراء نے دربار میں شرکت سے گریز کیا۔

صلاح الدین کا محکمہ جاسوسی اسے برابر مطلع کر رہا تھا کہ ایک سازش ناکام ہونے کے بعد دوسری سازش کی کوشش کی جا رہی ہے دوسرے یہ کہ گرفتار شدگان کو ابھی تک سزائیں نہیں دی گئیں ہیں اسے وزیر اعظم کی کمزوری پر محمول کیا جا رہا ہے صلاح الدین نے محسوس کر لیا کہ شامی امراء اپنے سر کوئی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہیں اس لئے وہ دربار سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ صلاح الدین کے لئے مشہور ہے کہ وہ روز اول ہی سے مرد آہن تھا جب کسی بات کا فیصلہ

Marfat.com

کرلیتا تو اسے ضرور پورا کرتا خواہ اس میں کتنے ہی خدشات کیوں نہ ہوں۔

صلاح الدین نے مزید دو دن اور انتظار کیا جب امراء کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو اس نے ایک دن قاہرہ کے نئے شہر کوتوال اور امیر عزیزالدین کو طلب کیا۔ ان دونوں سے تھوڑی دیر گفتگو کی پھر امیر بہاء الدین قراقوش کو بلا کر اس گفتگو میں شریک کیا۔ یہ گفتگو دوپہر تک ہوتی رہی پھر محفل برخاست ہوگئی اس کے ساتھ شامی سوار پورے قاہرہ میں پھیل گئے صلاح الدین کی طرف سے طاقت کا یہ پہلا مظاہرہ تھا۔ شہر کے علاوہ دو سو سواروں نے قصر خلافت کو بھی گھیر لیا موتمن الخلافت نجاح نے قصر خلافت میں سینکڑوں سوڈانیوں کو پہریدار کے حیثیت سے مقرر کر رکھا تھا۔ مسلح سوڈانی عورتیں قصر خلافت کے اندر کام کرتی تھیں۔

شامی سوار قصر خلافت میں ننگی تلواریں لئے داخل ہوئے۔ اور دم کے دم میں تمام سوڈانیوں کو غیر مسلح کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے سوڈانی عورتوں کو قصر سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ جب وہ بھی پائیں باغ میں جمع ہوگئی تو سوڈانی مردوں اور عورتوں کو قصر خلافت کے ایک حصے میں قید کر دیا گیا۔ اسی دوران بہاء الدین قراقوش مصری غلاموں اور کنیزوں کے غول کے غول لے کر قصر خلافت پہنچا اور تمام کنیز اور غلاموں کو سوڈانیوں کی جگہ مقرر کر دیا۔ یہ کام اس قدر تیزی سے ہوا کہ اس کی خبر دوسرے محلات تک نہ پہنچ سکی اور قصر خلافت کا نقشہ بدل گیا۔

قصر خلافت کے بعد دوسرے محلات سے بھی سوڈانی غلاموں اور کنیزوں کو معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا اور ان کی جگہ دوسری قومیت کے غلاموں اور کنیزوں کو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد عزیز الدین جردیک اور بہاء الدین قراقوش نے فوجی سوار دستوں کے ساتھ تمام محلات اور شہر کا معائنہ کیا اور شہر کے تمام ناکوں اور راستوں پر فوجی دستے لگائے گئے۔

پھر اسی شام اعلانچیوں نے گلی گلی اعلان کر دیا کہ موتمن الخلافت نجاح، عبدالصمد، شاعر عمارہ یمنی اور فاضل بن کامل کو ملک و قوم سے غداری کی بنا پر سولی چڑھا دیا گیا ہے۔ عوام نے اس اعلان کو ملے جلے جذبات کے ساتھ سنا وہ لوگ جو وزیر اعظموں کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آگئے تھے انہوں نے سکھ کا سانس لیا لیکن امراء کے متعلقین میں بڑی بے چینی پھیلی۔ خاص کر موتمن الوزارت کی موت سے قاہرہ اور اس کے قرب و جوار میں مقیم سوڈانیوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

المنصوریہ کا علاقہ سوڈانیوں کا گڑھ تھا۔ حبشی سوڈانیوں کی بغاوت وہیں سے شروع ہوئی صلاح الدین نے حکم دے دیا کہ بغاوت کو سختی سے کچلا جائے شامی فوجیں ہر قسم کے حالات کے لئے پہلے سے تیار تھیں سوڈانیوں نے اچانک دار الوزارت پر یلغار کی وہاں کم فوج تھی حملہ

Marfat.com

آوروں کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ سوڈانیوں کا ٹڈی دل دار الوزارت کی بنیادیں کھود کے پھینک دے گا مگر دار الوزارت میں شامی شیر صلاح الدین موجود تھا اس کے ساتھ بہت سے امرائے نوریہ بھی تھے۔

صلاح الدین اور امرائے نوریہ نے سر سے کفن باندھے صلاح الدین نے مختصر تقریر کی۔ اس نے اس تقریر میں کہا۔ "اے شام کے شیرو۔ مجھے میرے چچا اسد الدین شیر کوہ نے بتایا ہے کہ انہوں نے ایک بار سلطان دمشق کے والد امیر عماد الدین زنگی کو کہتے سنا کہ حکومت صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کی کلائی میں تلوار پکڑنے کی طاقت ہو۔ آج تمہیں ثابت کرنا ہے کہ واقعی تمہاری کلائیوں میں تلوار پکڑنے اور تلوار چلانے کی طاقت ہے۔ دار الوزارت میں اس وقت صرف دو سو سپاہی موجود تھے اور دشمن پچاس ہزار سے بھی زیادہ۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر میدان میں کود پڑو اور دکھا دو کہ ہماری رگوں میں مجاہدوں کا خون دوڑ رہا ہے۔"

امراء اور دار الوزارت کے محافظ دستے پہلے ہی شمشیر بکف ہو چکے تھے انہوں نے صدر دروازے پر برجیوں پر راہداریوں اور دار الوزارت کے فصیل نما دیواروں پر مورچے سنبھال لئے۔ سوڈانیوں کا سارا زور صدر دروازے پر تھا وہ صدر دروازہ کھول کر دار الوزارت کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن دروازے کے اوپر فصیل اور برجیوں پر سے اس قدر تیر برسائے گئے کہ سوڈانیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اب انہوں نے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن تیر اندازوں نے وہاں بھی ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ اس عرصہ میں شہر میں پھیلی ہوئی فوج کو اطلاع مل گئی کہ دار الوزارت پر حبشیوں نے ہلہ بول دیا۔ چنانچہ شامی سوار شہر کے ناکے اور راستے چھوڑ کر دار الوزارت کی حفاظت کے لئے پلٹ پڑے۔

دار الوزارت کی طرف شہر کے مختلف حصوں سے سڑکیں آتی تھیں اور ان سڑکوں پر سوڈانی سوار اور پیدل پھیلے ہوئے تھے واپس آنے والی شامی دستوں نے ان سوڈانیوں پر کئی سمت سے حملہ کیا اور حبشیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح سوڈانیوں کا صدر دروازے پر زور کم ہو گیا۔ شاہی محلات، دار الوزارت اور قصر خلافت کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اس لئے جنگ محلات کے چاروں طرف پھیل گئی۔ صلاح الدین نے فصیل کے اوپر سے دیکھا کہ اس کے دستے پہنچ چکے ہیں اور وہ سوڈانیوں کو برابر دبا رہے ہیں پس اس نے صدر دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا۔ اور گھوڑا چمکاتا اور تلوار لہراتا صلاح الدین سب سے پہلے قلعہ سے نکل کر سوڈانیوں پر حملہ آور ہوا اس کے دو سو سواروں نے سوڈانیوں میں آفت برپا کر دی اور تین گھنٹے کی مسلسل جنگ نے سوڈانیوں کو بھاگنے اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ آگے آگے سوڈانیوں کے غیر منظم گروہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے

Marfat.com

تھے اور اس کے پیچھے شامی سوار انہیں دباتے اور مارتے کاٹتے چلے آ رہے تھے۔ شام ہونے تک اس قدر سوڈانی مارے گئے کہ گلیاں اور بڑی سڑکیں ان کی لاشوں سے بھر گئیں۔ جن سوڈانیوں نے ہتھیار پھینک کر معافی طلب کی انہین کسی نے قتل نہیں کیا لیکن مقابلہ کرنے والوں کو نہیں بخشا گیا۔ سوڈانیوں کا زور تو پہلے ہی گھنٹہ میں اس وقت ٹوٹ گیا تھا جب شامی دستے سمٹ کر دار الوزارت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اس طرح ایک طرف تو باغیوں پر دار الوزارت کی فصیل سے تیر برس رہے تھے اور اب ان کی پشت پر شامی دستوں نے گلیوں اور سڑکوں کی طرف سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا گیا۔ پھر جب صلاح الدین اپنے ساتھیوں کو لے کر دار الوزارت کے باہر آیا تو دو طرف کے مارے بوکھلا کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر وہ المنصوریہ کے گرد جمع ہو گئے جو ان سوڈانیوں کا سب سے بڑا مرکز اور محلہ تھا۔

قاہرہ کے بہت سے مکانات اور محلے اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے ان کی چھتیں اور دیواریں گر گئیں تھیں ان میں آگ بھڑک اٹھی تھیں سوڈانی اپنے ہم قوم اور سردار نجاح کے خون کا قصاص لینے دار الوزارت پر حملہ آور ہوئے تھے مگر انہیں اپنے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ گربہ کشتن روز اول باید۔ (بلی کو پہلے دن مارنا چاہیے) کے مصداق شامی انہیں ایسا سبق دینا چاہتے تھے تاکہ انہیں تمام عمر یاد رہے اور وہ دوبارہ بغاوت کا تصور نہ کر سکیں۔ شامیوں نے المنصوریہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سوڈانی اپنے اس مرکز کو بچانے کی پوری کوشش کر رہے تھے اگرچہ یہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی لیکن شامیوں کو یہ معلوم تھا کہ اگر سوڈانیوں کا سر آج نہ کچلا گیا تو یہ روز فتنے پیدا کرتے رہیں گے۔

پھر شامی ' سوڈانیوں کا مضبوط حصار توڑ کر المنصوریہ کے اندر داخل ہو گئے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی سوڈانی انتقامی لڑائی لڑ رہے تھے اور شامیوں کی موت و زندگی کا معاملہ تھا۔ انہیں یہ ثابت کرنا تھا کہ مصر کی سب سے بڑی طاقت شامی افواج ہیں۔ یہ اسی وقت ثابت ہو سکتا تھا جب سوڈانیوں کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے المنصوریہ میں سوڈانی گھر گئے تھے اور ان کا بہت زیادہ جانی نقصان ہو رہا تھا اس وقت انہیں کسی نے ایک ترکیب سمجھائی یا انہیں خود سوجھی المنصوریہ میں ایک بہت تنگ گلی تھی شامیوں نے اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا شام کے جھٹ پٹے کا وقت ہو گیا تھا کہ اس تنگ گلی سے نقاب پوش خواتین نکلنا شروع ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔

شامی سوار اس گلی سے دور تھے خواتین کو دیکھ کر انہوں نے گھوڑے بڑھائے اور وہاں پہنچ گئے اور عورتوں کو گھیرے میں لے لیا

شامی دستے کے سوار نے آواز دے کر دریافت کیا "خواتین کیا چاہتی ہیں اور محلے کے باہر

Marfat.com

کیوں آئی ہیں؟"

ایک نقاب پوش خاتون نے جرات کر کے کہا۔ "ہم تمہارے سردار سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"کس سردار سے بات کرنا ہے یہاں تو بہت سے فوجی دستے ہیں اور جس قدر دستے ہیں اتنے ہی سردار بھی ہیں۔" سردار نے وضاحت کر دی۔

خاتون نے ذرا سوچ کر کہا "ہم اس سردار سے بات کریں گے جو جنگ روکنے کا حکم دے سکتا ہے۔"

"خاتون ہم مجبور ہیں" سردار نے جواب دیا "ہم میں سے کوئی بھی شخص جنگ روکنے کا مجاز نہیں۔"

"ہم معافی مانگتے ہیں امان دی جائے" خاتون نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"خاتون آپ ' آپ کے ساتھ کی تمام عورتیں ' المنصوریہ کے تمام بزرگ حضرات اور بچے ہماری امان میں ہیں۔" سردار نے فوراً جواب دیا۔ "ہمارے سپہ سالار کا حکم ہے کہ کسی بچے بوڑھے اور خاتون پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اس کے علاوہ جو سپاہی ہتھیار پھینک دے اس کے لئے بھی اماں ہے"۔

"ہم اپنے مردوں کے لئے امان مانگ رہے ہیں"۔ خاتون سسکیاں بھر رہی تھی دوسری خواتین کی سسکیاں بھرنے کی آوازیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔

"ہمیں افسوس ہے خاتون وہ جنگ کر رہے ہیں اور لڑنے والوں کو امان نہیں دی جا سکتی۔" سردار نے بڑے تاسف سے کہا۔

"آپ لوگ خود ہی جنگ بند نہیں کر دیتے۔" خاتون نے ذرا غصے سے کہا۔

"ہمیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔" سردار نے کہا۔

"کس نے حکم دیا ہے۔؟" خاتون نے پوچھا۔

"شامی لشکر کے سپہ سالار نے۔" سردار نے مختصر جواب دیا۔

"سپہ سالار جنگ کا حکم دے سکتا ہے تو وہ جنگ روک بھی سکتا ہے؟" خاتون نے ہمت کر کے پوچھا۔

"ضرور۔۔۔ وہ ہر قسم کا حکم دے سکتا ہے"۔ سردار نے جواب دیا۔

"کون ہے سپہ سالار۔ ہمیں اس کے سامنے پیش کیا جائے۔؟" خاتون نے رعب سے کہا۔

سردار نے نقاب میں لپٹی ہوئی خاتون کی طرف دیکھا۔ اسے خاتون کی جرات پر تعجب ہو رہا

Marfat.com

تھا۔ ''ہمارے سپہ سالار کا نام صلاح الدین ہے وہ مصر کے وزیر اعظم بھی ہیں۔''

''ہمیں وزیر اعظم کے پاس لے چلئے۔'' خاتون نے درخواست کی۔

''مگر.........'' سردار سوچ میں پڑ گیا۔ ''میں تمام خواتین کو وہاں کیسے لے جا سکتا ہوں؟ آپ میں سے چند آمادہ ہوں تو انتظام کروں؟''

''ٹھیک ہے۔ ہم پانچ عورتیں ان سے ملنے جائیں گی۔'' خاتون نے جواب دیا۔

سردار نے ایک سوار کو بھیج کر ان کے لئے ایک گاڑی منگوائی۔ اس عرصہ میں خواتین میں سے پانچ الگ ہو کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''آپ پانچوں گاڑی میں بیٹھ جائیے۔'' سردار نے کہا۔

خواتین گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ پردے گرا دیئے گئے۔ گاڑی دارالوزارت کی طرف روانہ ہو گئی۔

سردار نے باقی خواتین سے نرم لہجے میں کہا۔ ''آپ واپس جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔ یہاں ٹھہرنا چاہیں تو میرے سوار آپ کی حفاظت کریں گے۔''

''ہم دارالوزارت گئی خواتین کی واپسی کا انتظار کریں گے۔'' کسی خاتون نے کہا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سردار نے ان کے بیٹھنے اور روشنی کا انتظام کرا دیا۔ اور خود اس طرف چلا گیا جہاں جنگ ہو رہی تھی۔

بغاوت کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ صلاح الدین اور کئی دوسرے امراء دارالوزارت پہنچ گئے تھے اور آئندہ اقدامات پر غور کیا جا رہا تھا۔ امراء بہت غصے میں تھے اور سخت اقدامات کی سفارش کر رہے تھے۔ سوائے فقیہ ہکاری کے اور تمام لوگ حبشی سوڈانیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔

ایک امیر نے شدید غصے سے کہا۔ ''نجاح کے پورے خاندان کو سولی پر چڑھا دینا چاہیے۔''

فقیہ عیسی ہکاری نے اسے ٹوکا۔ ''اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایک ظالمانہ فعل ہو گا اور اسلام میں جنگ کے دوران بھی عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو امان دینے کا حکم دیا ہے۔ نجاح نے غداری کی تھی اسے سولی دے دی گئی۔ اس کے بیوی بچوں اور گھر کے دوسرے افراد نے حکومت کا کیا بگاڑا ہے جو انہیں سولی پر چڑھانے کی سفارش کی جا رہی ہے؟''

''سوڈانیوں نے بغاوت کی ہے اس لئے تمام سوڈانی خواہ وہ بچے ہوں یا عورتیں اور بوڑھے سب واجب القتل ہیں۔ ان پر رحم کرنا اپنے پیر پر کلہاڑی مارنا ہے۔'' اس امیر نے سوڈانیوں کے خلاف الفاظ بدل کر زہر اُگلا۔

عیسی ہکاری بڑی ٹھنڈی طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے اس کو نرمی سے جواب دیا۔ ''سپہ سالار با اختیار ہیں۔ وہ قتل عام کا بھی حکم دے سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے تو یہ اعلان کرایا ہے کہ جو سوڈانی تلوار پھینک دے گا اس کی جان بخشی کی جائے۔ اور اس پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ سپہ سالار میری بات کی تصدیق کریں گے۔''

فقیہہ محترم نے بات سپہ سالار کی طرف بڑھا دی۔ اس نے صلاح الدین جو وزیر اعظم مصر ہونے کے ساتھ ساتھ سپہ سالار افواج شام مقیم مصر بھی تھا کو بولنا پڑا۔ وہ بہت دیر سے امراء کی گفتگو سن رہا تھا لیکن اب تک خاموش تھا۔ صلاح الدین چاہتا تھا کہ امراء دل کی بھڑاس نکال لیں تو وہ فیصلہ کرے۔ اب بات اس پر آ گئی تھی۔ اس لئے اس نے کہا۔ ''محترم امرائے نوریہ! مصری امراء اور ارا کین خلافت نے جو سازش کی تھی،

Marfat.com

خدا کے فضل سے اس کی اطلاع مجھے مل گئی اور میں نے تمام سازشیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ شہر قاہرہ کے تمام محلوں اور آبادیوں سے سوڈانیوں کا خاتمہ کر دیا گیا یا انہیں باہر نکال دیا ہے۔ یہاں اس وقت مسئلہ درپیش تھا کہ المنصوریہ کے خلاف کیا قدم اٹھایا جائے۔ لیکن شامی خواہ مخواہ کی بحث میں الجھ گئے ہیں۔"

"المنصوریہ کو جلا کر خاک کر دیا جائے۔" ایک امیر بیچ میں بول پڑا۔

"یہ تو کوئی انصاف نہ ہوگا۔" فقیہ عیسیٰ ہکاری نے فوراً احتجاج کیا۔ المنصوریہ کا محلہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جس میں بچے، بوڑھے اور عورتوں کے علاوہ غیر سوڈانی لوگ بھی آباد ہیں۔ اگر ہم نے اس محلے کو جلا دیا تو تاریخ ہمیں معاف نہ کرے گی۔"

مجھے فقیہ محترم کے بیان سے اتفاق ہے۔"

صلاح الدین کی زبان سے ابھی اتنا ہی نکلا تھا کہ ایک پہریدار تیزی سے اندر داخل ہوا۔"

"وزیر اعظم!" پہریدار نے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "فریادی خواتین آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔"

صلاح الدین اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ "فریادی عورتیں؟" صلاح الدین کا پورا بدن کانپ گیا۔ "عورتیں فریاد لے کر دار الوزارت پہنچ گئیں، خدا مجھے معاف کرے، میں حشر میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گا۔" پھر اس نے پہریدار سے کہا۔ "خواتین کو وہیں روکو۔ میں ان کی فریاد سننے ان کے پاس آ رہا ہوں۔"

صلاح الدین تیزی سے باہر کی طرف چلا۔ وہ تمام امراء جو وہاں موجود تھے اس کے ساتھ ہو لئے۔ راہداری میں نقاب پوش خواتین کھڑی تھیں۔

"میں معزز خواتین سے معافی چاہتا ہوں۔" صلاح الدین نے حد درجہ نرمی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ انہیں یہاں چل کے آنا پڑا۔ جبکہ ان کی فریاد سننے مجھے خود ان کے پاس پہنچنا چاہئے تھا۔"

"ہم وزیر اعظم کو سلام پیش کرتے ہیں۔" ایک خاتون نے زیر نقاب کہا۔ "وزیر اعظم جس نرمی سے گفتگو کر رہے ہیں انہیں جب معلوم ہوگا کہ ہمارا تعلق کس گروہ سے ہے ہمارے ساتھ ان کا رویہ بالکل بدل جائے گا۔"

"معزز خاتون!" صلاح الدین نے بڑے ادب سے کہا۔ "شاید آپ کو علم نہیں آپ وزیر اعظم مصر کے پاس فریاد لے کر آئی ہیں اور فریادی کا کوئی گروہ یا طبقہ نہیں ہوا کرتا۔ فریادی صرف فریاد کرتا ہے۔ فرمایئے آپ کو کس نے تکلیف دی کہ یہاں تک آنے کی زحمت اٹھانا پڑی؟"

"میں موتمن الخلافت نجاح کی بیوی ہوں جسے آپ کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا گیا۔" خاتون نے بڑے استقلال سے کہا۔ صلاح الدین ششدر رہ گیا۔

خاتون نے ایک لمحہ ٹھہر کے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وزیر اعظم کا رویہ اب تبدیل ہو گیا ہوگا۔"

صلاح الدین نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔ "خاتون کا خیال درست ہے اس لئے کہ میں ان کے شوہر کو واپس نہیں دے سکتا۔ کاش وہ موتمن الخلافت کی زندگی میں تشریف لائی ہوتیں۔"

"محترم وزیر اعظم!" خاتون کے لہجے میں بلا کی تمکنت تھی۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ میرا شوہر مجھے واپس نہیں دے سکتے۔ لیکن میں جو مانگنے آئی ہوں اگر وہ مل جائے تو میں سمجھوں گی کہ مجھے اپنے شوہر کا بدل مل گیا۔"

Marfat.com

''بلا عذر فرمائیے خاتون! میرے امکان میں جو کچھ ہے اس کے لئے میں تیار ہوں۔'' صلاح الدین نے بھی مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''آپ سوڈانیوں کی جان بخشی فرما دیجئے۔ جنگ بند کرا دیجئے۔ انہیں اپنے کئے کی بہت سزا مل چکی ہے۔'' خاتون کے لہجے میں لجاجت پیدا ہو گئی تھی۔

صلاح الدین نے اپنے نائب کی طرف دیکھا۔ ''سوڈانیوں کو امان دی جاتی ہے۔ جس شامی سوار کے کان میں یہ آواز پہنچے اس کی تلوار وہیں پر رک جائے جہاں تک وہ پہنچی ہے۔ اس حکم کے بعد ایک سوڈانی کا قتل بھی ہوا تو اس کے قاتل سے حساب لیا جائے گا۔''

نائب نے تعمیل حکم کے لئے اپنا سر جھکایا۔

خاتون نے فوراً کہا۔ ''ہم آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کریں وزیر اعظم! ایک اور درخواست پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''خاتون کی درخواست سنے بغیر منظور کی جاتی ہے۔'' صلاح الدین نے نائب کو دوسرا حکم دیا اور خاتون سے دریافت کیا۔ ''اس کے علاوہ اور کوئی بات کہنی ہے؟''

''وزیر اعظم! خدا آپ کی عمر دراز کرے۔'' خاتون نے سچے دل سے دعا دی۔ ''صرف یہ بات اور کہنا ہے کہ المنصوریہ کو شامی سواروں نے گھیر رکھا ہے۔ اس کا ایک حصہ جل کر خاکستر ہو چکا ہے۔ آپ سواروں کو حکم دیجئے کہ وہ المنصوریہ کا اور زیادہ نقصان نہ کریں۔''

صلاح الدین نے پھر نائب کی طرف دیکھا۔ ''المنصوریہ کو گھیرنے والوں سے کہا جائے کہ وہ المنصوریہ سے فوراً پیچھے ہٹ آئیں۔ لیکن آنے سے پیشتر اس محلہ میں لگی ہوئی آگ کو خود بجھا دیں۔''

''وزیر اعظم! میرا شوہر مر گیا لیکن آپ کی شکل میں مجھے ایک بھائی مل گیا۔ میرا آدھا غم کم ہو گیا۔'' خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں بڑے جذبے سے کہا۔

''مجھے آپ نے بھائی کہا ہے خاتون!'' صلاح الدین نے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یقین رکھیے کہ آپ جب مجھے آواز دیں گی میں آپ کی خدمت کو پہنچ جاؤں گا۔''

''ہمیں کچھ اور نہیں کہنا ہے۔'' خاتون نے کہا۔ ''برائے کرام آپ اپنے احکامات پر عمل کرانے کی کوشش کیجئے۔''

''آپ اطمینان سے تشریف لے جائیے۔'' صلاح الدین نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''احکامات لے جانے والا روانہ ہو چکا ہے۔ آپ کے پہنچتے پہنچتے احکامات پر عمل شروع ہو چکا ہوگا۔''

خواتین کی نظریں فوراً اس طرف اٹھ گئیں جدھر صلاح الدین کا نائب کھڑا تھا لیکن اب وہ وہاں موجود نہ تھا۔ خواتین اس اطمینان کے بعد صلاح الدین کو سلام کر کے واپس ہو گئیں۔ المنصوریہ کا محاصرہ ختم کر دیا گیا۔ لڑائی بند ہو گئی۔ شامی سواروں کی مدد سے المنصوریہ والوں نے مشرقی حصہ میں لگی ہوئی آگ بجھا دی۔ نصف شب تک المنصوریہ میں بالکل امن و امان ہو گیا اور رات ہی میں شامی دستے واپس آ گئے۔ سوڈانیوں کا خیال تھا کہ وہ اکثریت کے زور پر شامی دستوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ لیکن جب انہوں نے دارالوزارت پر یلغار کی اور ان کے مقابلہ پر شامی دستوں کے ساتھ صلاح الدین اور بعض دوسرے امراء نو ریہ بھی تلواریں

Marfat.com

بے نیام کر کے اترے تو انہیں شامیوں کی تلوار کی کاٹ کا پتہ چلا۔ جن شامیوں کو وہ کاٹنے آئے تھے خود انہی کی تلواروں کا نشانہ بن گئے۔ سوڈانیوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا۔ مصریوں پر ان کا بڑا رعب طاری تھا۔ سوڈانی سوار گلی کوچوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور مصریوں پر طرح طرح کی زیادتیاں کرتے تھے مگر مصری ان سے خوف زدہ تھے اور ظلم اور زیادتی برداشت کر لیتے تھے۔ شامیوں سے لڑائی میں سوڈانیوں کی ساکھ ختم ہوگئی اور ان کا بنا ہوا بھرم ٹوٹ گیا۔

رات کے باقی حصہ میں خاموشی رہی۔ لیکن صبح ہوتے ہی سوڈانیوں نے قاہرہ کی گلیوں میں پھر گھوڑے دوڑانا شروع کر دیئے۔ ایک مکان پر پہنچے انہوں نے دستک دی۔ ایک بوڑھا آدمی باہر آیا۔ ایک سوڈانی نے گھوڑے سے اتر کر اسے گریبان سے پکڑ لیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اس کا قرض ادا کرے یا قرض کے بدلہ میں اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ کر دے۔ اس قسم کے واقعات وہاں روز کا معمول بن گئے تھے۔ سوڈانی حبشی غریب آبادی کے محلوں میں گھس جاتے اور کسی گھر پر دستک دے کر اس کے مالک کو پکڑ لیتے اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرتے۔ یہ مطالبہ عام طور سے جھوٹا ہوتا مگر مالک مکان سوڈانیوں کے خوف کی وجہ سے یا تو قرضہ ادا کر دیتے یا پھر انہیں مجبوراً اپنی بیٹی یا گھر کی کوئی جوان عورت سوڈانیوں کے حوالے کرنا پڑتی۔ محلے والے یہ کھلی زیادتی دیکھتے اور خاموش رہتے۔

لیکن اس صبح سوڈانیوں کی شامت آ گئی جس وقت ایک سوڈانی نے بزرگ مالک مکان کا گریبان پکڑا تو برابر کے مکان سے ایک آدمی نکل آیا۔ اس کے پاس بھی تلوار تھی۔

"محترم بزرگ کا گریبان چھوڑ دے ورنہ........" محلے دار نے غصہ سے کہا۔

سوڈانی نے قہقہہ بلند کیا۔ "ورنہ کیا کرے گا؟" اس نے تمسخر اڑایا۔

"ورنہ تجھے قتل کر دوں گا۔" محلہ دار نے تلوار کھینچی۔

دائیں بائیں کے مکانوں سے دو آدمی اور نکل آئے۔

"ان فقیروں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ایک سوار نے پہلے محلہ دار پر گھوڑا چڑھا دیا۔ وہ جلدی سے ایک طرف ہو گیا ورنہ کچلا جاتا۔

دو نئے آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "تمہاری یہ زیادتی اب نہیں چلے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بزرگ کا گریبان سوڈانی کے ہاتھ سے چھڑا دیا۔

چار اور مکاندار گھروں سے نکل آئے۔

"یہ کیا اودھم مچایا ہے تم لوگوں نے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

حسب عادت سوڈانی نے جھوٹ بولا۔ "اس بوڑھے نے ہم سے قرض لیا ہے۔ قرض ادا کرے یا اپنی لڑکی ہمارے حوالے کر دے۔"

محلے والوں نے بزرگ کی طرف دیکھا۔ بزرگ نے نمناک آنکھوں سے اشک چھلکاتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! کوئی شریف آدمی بھلا قرض کے بدلے بیٹی حوالے کرنے کا وعدہ کر سکتا ہے؟ ایسے ہی جھوٹ بول کر یہ لوگ ہماری عزت داغدار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اب شامیوں کی حکومت ہے، ان کی زیادتی نہیں چلے گی۔"

"ہمیں شامیوں سے ڈراتا ہے؟" جس نے بزرگ کا پہلے گریبان پکڑا تھا اس نے پھر گریبان پر ہاتھ

Marfat.com

ڈالا۔قریب کھڑے ہوئے محلّہ دار کی آنکھیں لال کبوتر ہو گئیں۔اس نے تان کر ایک مکا سوڈانی کے منہ پر مارا۔ بزرگ کا گریبان اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ اپنا سینہ سہلانے لگا۔سوڈانی سواروں نے ان پر گھوڑے دوڑا دیئے۔کئی محلّہ دار زخمی ہوئے۔اب محلے کے تقریباً تمام لوگ باہر نکل آئے۔انہوں نے گلی دونوں طرف سے بند کر دی پھر چھتوں پر سے اس قدر پتھر اور روڑے سوڈانیوں پر برسائے کہ وہ لہولہان ہو گئے۔

جھگڑا زیادہ بڑھ گیا تھا۔بڑی مشکل سے محلے کے معززین نے محلے والوں کو روکا ورنہ وہ تو پتھر مار مار کے سوڈانیوں کا کچومر نکال دیئے۔جب ذرا سکون ہوا تو معززین نے جھگڑے کی وجہ پوچھی۔سوڈانیوں نے اپنی بتائی اور محلے والوں نے انہیں جھٹلایا۔آخر طے یہ ہوا کہ مقدمہ قاضی شہر کے سامنے پیش کیا جائے۔قاضی شہر کہنے کو تو انصاف کی گدی پر بیٹھا تھا لیکن وہ سوڈانیوں سے ڈرتا تھا۔ایک مقدمہ میں اس نے سوڈانیوں کے خلاف فیصلہ دیا تھا،اس کے بدلے میں دو روز تک ان کے گھر پر پتھر برستے رہے اور انہوں نے توبہ کر لی کہ اب کبھی سوڈانیوں کے خلاف فیصلہ نہ دیں گے۔سوڈانیوں کو یہی خیال تھا کہ فیصلہ حسب سابق ان کے حق میں ہو گا اس لئے وہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں لے گئے۔مبینہ مجرم یعنی ان بزرگ صورت کے ساتھ پورا محلّہ قاضی کی عدالت میں آ گیا تھا۔

سوڈانیوں کی بدقسمتی کہ دو دن پہلے قاضی شہر معزول کر دیا گیا تھا اور اب اس کی جگہ ایک شافعی قاضی مقرر ہوا تھا۔اس نے مقدمہ سنا۔پھر محلے والوں کی گواہیاں گزریں اور دم بھر میں فیصلہ ہو گیا۔تمام سوڈانیوں کو جرمانہ ہوا اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں ایک ایک سال قید بامشقت کاٹنی تھی۔قاضی شہر کے ہرکاروں نے سوڈانیوں کے ہتھیار چھین لئے اور انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا جسے قاضی شہر نے قید خانہ میں تبدیل کر دیا تھا۔سوڈانیوں کو مصیبت پڑ گئی۔انہوں نے گھر والوں کو اطلاع دی اور جرمانہ بھر کے قید سے نجات حاصل کی۔جرمانہ کی تمام رقم بزرگ محترم کو ان کی بے عزتی کے صلہ میں ادا کی گئی۔سوڈانیوں کے خلاف مصر میں یہ پہلی سزا تھی۔

اتنی سخت سزا سے سوڈانیوں کے کان تو کھل گئے اور انہوں نے احتیاط برتنا شروع کر دی لیکن مثل مشہور ہے کہ چور چوری سے جائے نہ کہ ہیرا پھیری سے۔سوڈانیوں کا دماغ ایک تو المنصوریہ کی طاقت کی وجہ سے خراب ہوا تھا دوسرا انجاح کے موتمن الخلافت ہو جانے سے وہ جیسے پورے ملک کے مالک ہو گئے۔المنصوریہ تقریباً تباہ ہو گیا تھا اور سوڈانیوں کو اب مصری منہ نہ لگاتے تھے۔مگر وہ ڈھیٹ تھے اور جہاں انہیں موقع ملتا اودھم مچاتے تھے۔چھوٹے موٹے جھگڑے روز ہوا کرتے تھے لیکن قاہرہ کے بڑے بازاروں میں مصریوں اور سوڈانیوں میں ایسی چلی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔

نجاح کے زمانہ میں اگر اس طرح جھگڑا ہوا ہوتا تو بازار کے معززین نے سوڈانیوں کی خوشامد کر کے اب تک بات ختم کرا دی ہوتی۔لیکن مصریوں کو معلوم تھا کہ اگر بات بڑھی اور معاملہ قاضی کی عدالت تک گیا تو وہ پورا انصاف کرے گا۔اس لئے انہوں نے تھپڑ کا جواب تھپڑ اور روڑے کا جواب اینٹ سے دیا۔سوڈانیوں کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا۔انہوں نے تلواریں کھینچ لیں اور دو مصری قتل ہو گئے۔اس سے پورے بازار میں جیسے آگ لگ گئی۔سب تلواریں لے کر نکل آئے۔سوڈانیوں نے بھی المنصوریہ سے کمک منگوالی اور بھرے بازار میں مورچے لگ گئے۔شدہ شدہ یہ خبر کوتوال شہر تک پہنچ گئی اور آن کی آن میں سواروں کی بھاری جمعیت لے کر

Marfat.com

بازار پہنچ گیا۔ کوتوال شہر کی وجہ سے لڑائی تو رک گئی لیکن زبانی تو تو، میں میں شروع ہو گئی۔

کوتوال نے فوراً قاضی کو اطلاع دی کہ سوڈانیوں کے ہاتھ دو مصری باشندے مارے گئے ہیں۔ مصریوں نے سوڈانیوں کو گھیرے میں لے لیا اور ان کے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ اگر قاضی صاحب نے موقع پر پہنچ کر فوری فیصلہ نہ کیا تو مصری بے قابو ہو جائیں گے اور تقریباً پچاس سوڈانی جو اس وقت بازار میں گھرے ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ قاضی موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے معہ اپنے پانچ ہرکاروں کے بازار پہنچ گئے اور ایک بڑے چوک میں اپنی کچہری لگا دی۔ مقتول کے بیوی بچے اور ہمدرد روتے پیٹتے قاضی کے حضور پیش ہوئے۔ قاضی نے ان کے بیانات سنے۔ پھر موقع کے گواہوں سے فرداً فرداً جرح کی۔ قاضی کے ساتھ ایک کاتب بھی تھا جو مقدمے کی کارروائی لکھ رہا تھا۔ لیکن قاضی خود بھی ایک کاغذ پر ضروری باتیں اور نکتے لکھتے جا رہے تھے۔

ایک طرف کے بیانات اور شہادتوں کے بعد قاضی نے اپنا آدمی سوڈانیوں کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے پانچ نمائندے بھیجیں تاکہ ان کے بیانات اور شہادتوں کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے۔ سوڈانی تو جاہل اور خود سر تھے۔ انہوں نے قاضی کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ زیادہ خونریزی ہو اس لئے انہوں نے اعلانچی سے اعلان کرا دیا۔

اعلانچی نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

''ملک خدا کا، بادشاہت فاطمی خلیفہ کی، وزارت امیر وزیر صلاح الدین ایوبی کی اور حکم قاضی شہر قاہرہ کا۔ سوڈانی سواروں نے پانچ منٹ کے اندر اندر اگر اپنے پانچ نمائندے مقدمہ اور جرح کے لئے پیش نہیں کئے تو کوتوال شہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ یہاں موجود تمام سوڈانیوں کو ہر قیمت پر گرفتار کر لے۔''

قاضی کے اس اعلان سے سوڈانیوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہیں اپنی موت نظر آنے لگی۔ پھر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق پانچ سوڈانی سوار گھوڑے سے اترے اور سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ قاضی نے اپنے ہرکاروں سے کہا کہ ان کا اسلحہ الگ کر دیا جائے۔ اس کی فوراً تعمیل ہوئی۔

قاضی نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا جو چاروں طرف سے ڈھکی ایک طرف رکھی تھیں اور سوڈانیوں سے دریافت کیا۔ ''کیا تمہیں اس بات سے انکار ہے کہ ان دو انسانوں کو تم نے یا تمہارے ساتھیوں نے قتل کیا ہے؟''

''مصریوں نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے اپنا بچاؤ کیا۔ اس کوشش میں دو مصری مارے گئے۔'' ایک سوڈانی نے سنبھل کے جواب دیا۔

قاضی نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ یہ دو انسان تمہارے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے گئے؟''

''جی ہاں، یہی واقعہ ہوا تھا۔'' سوڈانی نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ دونوں مقتول انسان ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی تھے؟'' قاضی شہر نے سوال کیا۔

''جی ہاں یہ مسلمان تھے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟'' سوڈانی نے کہا۔

''ہونہہ۔'' قاضی نے سانس لی۔ ''مسلمانوں کو تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، کیا یہ ٹھیک

Marfat.com

ہے؟"

"نہیں.........نہیں..........میں نے نہیں........" سوڈانی گھبرا گیا۔

"تم نے نہیں تو تمہارے ساتھیوں نے دو مسلمانوں کو قتل کیا ہے؟" قاضی نے جرح کی۔

"ہاں.......ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" سوڈانی نے لڑکھڑاتے لہجے میں جواب دیا۔

قاضی نے حکم دیا۔ "اس قاتل یا قاتلوں کو پیش کرو جوان مسلمانوں کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔"

"ہمیں نہیں معلوم کس نے قتل کیا ہے۔" سوڈانی نے اپنا پہلو بچایا۔

"تمہیں نہیں معلوم؟" قاضی نے زور دے کر پوچھا۔

"نہیں۔ بالکل نہیں معلوم۔" سوڈانی نے کہا۔

قاضی نے سرکاری محافظوں کی طرف دیکھا۔ "ان پانچ سوڈانیوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ اگر مقتول مصریوں کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو مقتول کے قصاص میں ان پانچوں کو بھرے بازار میں سولی پر لٹکایا جائے۔ مغرب کی نماز تک اصل قاتلوں کو گرفتاری پیش کر دینا چاہئے ورنہ نماز کے فوراً بعد گرفتار شدگان کو سولی دے دی جائے گی۔ کوتوال شہر اس کا انتظام کریں گے۔"

یہ فیصلہ کرنے کے بعد قاضی القضاۃ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پانچوں سوڈانیوں کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔

کوتوال شہر نے ان سوڈانیوں کے علاوہ باقی ان سب سوڈانیوں کو بھی حراست میں لے لیا تھا جو جھگڑے میں شریک تھے۔ کوتوال شہر سب کو لے کر اپنے دفتر کی طرف چلا گیا۔ اس نے اس واقعہ کی مکمل رپورٹ تیار کی اور وزیراعظم کے ملاحظہ کے لئے بھجوا دی۔ اس نے اس رپورٹ میں وزیراعظم سے درخواست کی کہ مصریوں کے بھڑکے ہوئے جذبات اور شہر کی مخدوش حالت کے پیش نظر سوڈانیوں کو المنصوریہ میں پابند کر دیا جائے۔

صلاح الدین نے کوتوال شہر کی درخواست پر فوراً مسلح دستوں کو المنصوریہ بھیج دیا اور سوڈانیوں کے المنصوریہ سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی گئی۔ وزیراعظم نے اس سلسلے میں یہ بھی حکم دیا کہ المنصوریہ کے شہریوں کے لئے کھانے پینے کا سامان مفت بھیجا جائے۔ اس کے علاوہ بازار کے پھیری والوں کو اجازت دی گئی کہ وہ ضروریات زندگی کا سامان فروخت کرنے المنصوریہ جا سکتے ہیں مگر کوئی چیز گراں قیمت پر نہ بیچی جائے۔

کوتوال شہر نے جن سوڈانیوں کو گرفتار کیا تھا ان میں مصریوں کے دونوں قاتل موجود تھے۔ ایک سوڈانی نے کوتوال شہر سے ان کی نشاندہی کر دی۔ انہیں فوراً گرفتار کر لیا گیا اور ان کو اقبال جرم کرتے ہی بنی۔ اعلانچی نے فوراً ڈگی پیٹی کہ مغرب کی نماز سے پہلے مصریوں کے دونوں قاتلوں کو بڑے چوک میں دار پر چڑھا دیا جائے گا۔ پس شام کو دونوں سوڈانیوں کو سولی دے دی گئی اور مصریوں کے بھڑکے ہوئے جذبات ٹھنڈے ہو گئے۔ سوڈانیوں کو سبق مل گیا اور وہ کچھ عرصہ کے لئے خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

مشہور ہے کہ عزت اور ذلت دونوں چیزیں خدا کی طرف سے ہیں۔ صلاح الدین کے بچپن کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اگر کند ذہن نہیں تو بھی ایک کندہ ناتراش سے زیادہ نہ تھا۔ فن سپہ گری سے دور رہنا، علماء کے وعظ سننا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی یہ حالت اس وقت تک رہی جب تک اس کا باپ نجم الدین دمشق کا گورنر نہ ہو گیا۔ صلاح الدین بہت خاموش اور گوشہ نشینوں جیسی زندگی گزار رہا تھا کہ اس کے باپ نجم الدین نے صلاح الدین کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور اگر صلاح الدین کا چچا اسد الدین شیر کوہ اس

Marfat.com

توطیت پسند جوان کی طرف توجہ نہ کرتا تو یہ ہیرا مٹی میں پڑا رہتا۔

سب سے پہلے شیر کوہ کی مردم شناس نظر نے صلاح الدین کی خفیہ اور پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچانا۔ پھر جب شیر کوہ نے اسے سلطان دمشق نورالدین زنگی کے حضور پیش کیا تو اس کی نظر نے اس سادہ لباس اور سادہ فراخ جوان میں ایک اور ہی صلاح الدین چھپا دیکھا۔ سلطان نے صلاح الدین پر خاص توجہ دی۔ اس کے لئے اچھے استاد مقرر کیے تاکہ اس کے جوہر کھل سکیں۔ صلاح الدین نے فنون سپہ گری کے تمام گر سیکھ لئے۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان اسے کسی جنگ پر بھیجے گا لیکن سلطان نے اسے کسی جنگ میں شریک ہونے کا حکم نہیں دیا۔ صلاح الدین اپنے بارے میں خود بھی پریشان تھا۔ جنگی تربیت حاصل کرنے کے بعد اس نے سلطان سے کہا۔ ”عالم پناہ! میں نے تعلیم و تربیت مکمل کر لی ہے۔ اب میں کیا کروں؟“

سلطان نے جواب دیا۔ ”کچھ نہ کرو، صرف مجھے دیکھو۔“

صلاح الدین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ حیرت سے سلطان کا منہ دیکھنے لگا۔

سلطان نے مسکرا کے کہا۔ ”مابدولت کی بات نہیں سمجھ سکے تم؟“

”نہیں عالی جاہ! میری عقل ناقص ہے۔“ صلاح الدین نے ادب سے کہا تھا۔

سلطان نے اسے ایک شفیق استاد کی طرح سمجھایا۔ ”ابن نجم الدین! ہم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ہمیں دیکھو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جیسا بننے کی کوشش کرو۔ ہمارے نقش قدم پر چلو۔“

سلطان کی یہ بات صلاح الدین کے دل و دماغ میں بیٹھ گئی۔ اس نے خود کو سلطان کے قالب میں ڈھالنا شروع کیا۔ وہی تحمل، وہی بردباری، بہادری کی قدر، مسندوں سے نفرت۔ پھر صلاح الدین کے جوہر اس وقت کھلے جب اسد الدین شیر کوہ اسے زبردستی اپنے ساتھ مصر لے گیا۔ عجیب بات تھی کہ صلاح الدین نے مصر جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ شیر کوہ نے اس کی شکایت سلطان نورالدین زنگی سے کی اور سلطان نے صلاح الدین کو حکم دیا کہ اسے شیر کوہ کے ساتھ جانا پڑے گا۔ صلاح الدین کے مصر جا کر جیسے قسمت کھل گئی۔ اس نے جنگ میں عملی حصہ لیا۔ بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنا مقام پیدا کیا۔ اس کے ساتھی امراء اس کی قدر کرتے تھے اور اس کی سرداری میں فخر محسوس کرتے تھے۔ پھر شیر میداں، شیر کوہ کا انتقال۔ اس وقت تک صلاح الدین نے امرائے نوریہ میں اپنی جگہ پیدا کر لی تھی۔ انہی امراء نے اسے شیر کوہ کی جگہ مصر کا وزیر اعظم منتخب کیا۔ بحیثیت وزیر اعظم صلاح الدین نے مصریوں کے دل میں ایسی جگہ پیدا کی اور اس کے غلام ہو گئے۔

صلاح الدین نے اب تک جتنی فتوحات حاصل کی تھیں وہ بحیثیت وزیر اعظم اور نائب سلطان دمشق کے اعزاز کے ساتھ تھیں مگر اب اس کے لئے فتح و نصرت کے مزید دروازے کھل رہے تھے۔ وہ ابھی شاہ صقلیہ کے اچانک حملہ سے فارغ ہوا تھا کہ اسے ایک انتہائی وحشت اثر اطلاع پہنچائی گئی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ صلاح الدین اس خبر پر بہت مسرور ہوگا۔ لیکن وہ بے انتہا مغموم ہوا۔ وہ مختصر مگر المناک خبر تھی۔

”سلطان نورالدین زنگی نے مختصر علالت کے بعد 15 مئی 1174ء کو دمشق میں انتقال کیا۔“

(ختم شد)

Marfat.com

Marfat.com

الماس ایم اے کی تاریخی کتب

حسن بن صباح	سلطان محمود غزنوی	موسیٰ بن
فلسطین	نور جہاں	بغداد جل
فاتح الرہا	جلتے سفینے	نواب بہادر حیدر علی
سلطان ٹیپو شہید	سلطان نور الدین زنگی	سلطان صلاح الدین
خالد بن ولیدؓ	پچاس سالہ جنگ	سب کے
ابلیس مصر	زرقا	ہیلن (
قلوپطرہ	اورنگزیب عالمگیر	امیر تیمور گو (اول

ISBN-969-38-02928

Marfat.com